اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

الحمد للہ والمنۃ کہ دریں ایام بفیضِ اتمام یہ کتاب حقیقت مآب مملو بدلائل ساطعہ و براہینِ قاطعہ و حجج قویہ بجوابِ رسالۂ ہدیۃ الشیعہ المسمی

تحفۂ اشعریہ کی

سنہ ۱۳۰۲ ہجری نبوی

من تصنیفات فضائل آیات مقبول بارگاہ رب الصمد جناب مولوی سید محمد صاحب بامداد جناب افتخار العلماء عمدۃ الفضلاء مقبول بارگاہِ لم یزلی جناب مولوی حاجی سید عمار علی صاحب دام ظلہ

بمطبع یوسفی دہلی باہتمام سید علی حسن طبع ہوا

اشتہار واجب الاظہار

تحفۃ الاشعریۃ

بعض صاحبان نازک طبع عدیم الفرصت کی خدمت میں عرض ہے کہ اگرچہ اس اشتہار کا اسی کتاب میں چھاپنا مناسب نہ تھا مگر بخیال اسکے کہ شاید کوئی صاحب صرف اشتہار ہی کو ملاحظہ فرما کر دریافت کرلیں کہ یہ کتاب کس مضمون میں ہے اور شوق ملاحظہ ہو لہذا چھاپا جاتا ہے ۔

کتاب مندرجہ عنوان اشتہار ہذا بجواب ہدیۃ الشیعہ مصنفہ مولوی شیخ محمد قاسم ساکن دیوبند از روے تحقیق و انصاف بکمال شد و مد سے نہایت عمدہ سلیس اردو عبارت میں ہر ایک متنفس کے فہم کے لائق مطبع ہذا میں چھپکر تیار ہوگئی ہے بناے تحریر اس کتاب کی یہ ہے کہ ایک شخص میر نادر علی صاحب ساکن کھیر تل علاقہ الور نے ایک خط بخدمت جناب مولانا و مقتدانا مفتی دین مرشد راہ شرع متین مولوی حاجی سید عمار علی صاحب ساکن سونی پت ضلع دہلی بدریافت سوالات مفصلہ ذیل روانہ کیا۔ اول یہ کہ جناب رسول خدا صلعم کے نطفہ سے کتنی صاحبزادیاں تھیں دوسرے یہ کہ حضرت ام کلثوم دختر جناب فاطمہ زہرا علیہا السلام کا نکاح کس سے ہوا تھا تیسرے یہ کہ بیبی تسلی باغ فدک کے مقدمہ میں ہوئی یا نہیں ہوئی۔ چونکہ یہ تنازعات و واقعات تنقیح طلب ہیں عامہ خلائق کی رائے اسکا فیصلہ نہیں کرسکتی اور نیز میر صاحب سے مجادلہ و مکابرہ حتی کہ مناظرہ بھی انکی بے علمی و ہم مذہب ہونیکی وجہ سے منظور نہ تھا لہذا قلم برداشتہ انکی فہم و فراست کے موافق جو سمجھ میں آیا لکھدیا صرف اطمینان خاطر برادر مومن منظور تھا اتفاقاً وہ خط شیخ محمد قاسم اہل جماعت کے ہاتھ جا پڑا اُنہوں نے معارضۃً اسکا جواب لکھا اور ہدیۃ الشیعہ اسکا نام رکھا اور اُسمیں کلمات ناشایستہ اور الفاظ بیہودہ اسمیں مندرج کئے کہ جو شان اہل علوم سے بہت بعید ہیں اور جا بجا طعن و تشنیع و ہجو و مذمت تمام شیعوں اور اُنکے مثل طریقہ بازاریوں کے کی کہ جناب مولوی صاحب ممدوح کو مجبوراً جواب ترکی بترکی اکثر مواقع پر لکھنا پڑا اور بعض عقائد تو اُنکے اہل جماعت کے نزدیک بھی ایسے منجر بکفر و الحاد ثابت ہوئے کہ اہل جماعت نے ناچار ہوکر اُنکی نسبت کفر کا فتویٰ دیدیا چنانچہ فتاوای مُہری اس کتاب کے خاتمہ پر ثبت ہیں (۱) خصم کو جن جوابات مدللہ و براہین قاطعہ و حجج قویہ سے معقول و لاجواب کیا ہے اس قابل نہیں کہ کوئی جزو اسکا بطور نمونہ بذریعہ اشتہار ہذا کے پیش کیا جائے بلکہ شائقین جسوقت اس کتاب کو طلب فرماکر ملاحظہ کرینگے تو میرے بیان کی تصدیق ہو جائیگی (۲) جن اشخاص کو کچھ بھی اپنے مذہب کا پاس و جوش ہے اور بعض اوقات انکو مخالفین سے مجادلہ یا مکابرہ کی نوبت پہنچتی ہے اور بسبب اپنی ناواقفیت کے اُنکے اعتراضات باطلہ و دلائل ناقصہ کو سنکر خاموش ہونا پڑتا ہے اُنکے لئے یہ ایک اعلیٰ درجہ کا دستور العمل ہے کہ جسکو وہ اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنی فتحیابی سے شادکامی حاصل کرینگے (۳) اکثر برادران مومنین بعض مکاران حیلہ جو کے اغوا [illegible] سے اکثر مسائل مباحثہ میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مخالفین کو پورا پورا جواب نہیں دیسکتے ایسے اشخاص کے لئے اگر اس کتاب کا نام طلسم حیرت افزا رکھا جائے تو بیجا نہیں (۴) ہر ایک مومن خصوصاً شائقین و محققین مذہب کے پاس اس کتاب کا ہونا اہم امورات سے ہے جس نے اس کتاب کو نہیں دیکھا میں یہ کہہ سکتا ہوں کہ گویا اس نے مناظرہ کی کوئی کتاب ہی نہیں دیکھی (۵) اصحاب عالی ہمم سے اُمید ہے کہ اس کار خیر کی اشاعت میں بکر ہمت باندھکر حسب حیثیت و علو قدر مراتب کسیقدر جلدیں خرید کر غربا مومنین کے مطالعہ کے لئے وقف فرماویں ورنہ متوسطین اپنی جیب خاص سے خرید کر مطالعہ میں لاکر حظ وافر اٹھائیں ۔

اعلان یہ کتاب موجب قانون نمبر ۲۵ سنہ ۱۸۶۷ء داخل بہی رجسٹری گورنمنٹ ہو چکی ہے [illegible] خاص و عام کو مطلع کیا جاتا ہے کہ کوئی صاحب بدون اجازت راقم کے قصد طبع نفرمائیں کیونکہ حق تالیف اس کتاب کا جناب مصنف دام ظلہم نے بندہ کو ہبہ کردیا [illegible] صاحبوں کو جسقدر کتب مطلوب ہوں قیمت فی جلد قسم اول عہ قسم دوم [illegible] قسم سوم [illegible] بھیجکر طلب فرمائیں محصول ڈاک ذمہ خریدار ہے وہ آنے بابت رجسٹری قیمت کے ہمراہ آنی چاہئیں

المشتہر سید علی حسین مالک مطبع یوسفی دہلی

اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ

الحمد للہ والمنہ کہ درین ایام فیض التیام یہ کتاب حقیقت مآب مملو بدلائل ساطعہ و براہین قاطعہ و حجج قویہ بجواب رسالہ ہدیۃ الشیعہ المسمے بہ

تحفۃ الشیعۃ

سنہ ۱۳۱۲ ہجری

من تصنیفات فضائل آب مقبول بارگاہ رب الصمد جناب مولوی سید محمد صاحب بامداد جناب افتخار العلماء و ممتاز الفضلا مقبول بارگاہ لم یزل

بمطبع یوسفی دہلی باہتمام [illegible]

ے یہ امر حاکی
نے تمہارے کفر کا فتویٰ لکھا
کرنا اور آپکو اس آفت میں پھنسانا سوائے
نکا اشارہ تھا مگر آپکا تو اسمیں جو اشارہ تھا اب تو
خط موصوف میں مندرج ہیں کون کون انکے
نے کس قدر اسبار دمیں ہاتھ پاؤں مارے ہیں
معقول نہ بن پڑیگا سوائے نہ لیات بکنے کے
نا اختتام ہدیۃ الشیعہ ان اوراق کا نام رکھا
حق میں یہ رسالہ زیادہ تر مفید ہی اہل سنت کے
کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہے اقول شیعیان
رسول مقبول ہی مخبر ہے جنانچہ احادیث
انت وشیعتک فی الجنۃ انکو تمہارے
سے کام لیا انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ اور اپنے
کا نام بیگم رکھنے سے کیا کچھ نام ہوجاتا ہے
سکا لکھا یہ صحیح ہے اس راست گوئی کو ہم مان
صحیح استدلال میں تو تین چیزیں ہی ہے
نزدیک مسلم اقول ہو نیدیہ تینوں شیعوں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للّٰہ الذی دمغ راس من تکبر و طغی۔ و بعث لکل فرعون موسی۔ والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ محمد ن الذی قطع دابر من
کفر و غوی۔ و علی اھلبیتہ الذینھم مصابیح الدجی۔ و مفاتیح کنوز الھدی۔ بعد اسکے کہتا ہے خاکسار امیدوار آمرزش پروردگار اضعف عباد اللہ الصمد سید محمد
کہ عرصہ چند سال کا ہوا کہ میر نادر علی صاحب ۔۔۔ ب نور سر سیب۔ ابی و استادی جناب مولوی سید ۔۔۔ صلوٰۃ اللہ
علیہم اجمعین ماحی بدعات مخالفین با السلام کا نکاح کس سے ہوا اور تیسرے یہ کہ میری نسل مقدمہ فدک میں نہیں ہوتی اور وہ شخص سائل شیعوں ہی میں سے ہیں
دام ظلہ کی خدمت میں روانہ کئی طالب مولوی صاحب ممدوح نے انکی سمجھ کے موافق جواب مختصر لکھ بھیجا اور جناب مولوی صاحب ممدوح نے جو انکو جواب لکھا
وہ مسترشد یہ کہ حضرت کی تصدیق ہو جائے انہوں نے قلم برداشتہ میر نادر علی صاحب موصوف کو لکھا اور بغور تامل کرکے وہ خط نہیں لکھا تھا ۔۔۔ ب اتفاق وہ خط لوی
نوبت پہنچتی ہے اور بسبب اپنی ناواقفی سے ایک شخص ناصبی مولوی شیخ محمد قاسم کے ہاتھ جا پڑا اُس نے اُسکا جواب لکھا اور نام اُسکا ہدیۃ الشیعہ رکھا لیکن اُسمیں
اپنے پاس رکھنے کی وجہ سے ہمیشہ اپنی وقت اُسمیں درج کرکے اپنے نامۂ اعمال کو سیاہ کیا اور بعضے فقرات جواب میں ایسے لکھے کہ اہل سنت بھی اُنکو دیکھکر مضحکہ کریں اور بعضے
میں اپنی ناواقفیت کی وجہ سے مخالف علمار اہل سنت نے اسکے کفر کا فتویٰ دیا چنانچہ بعد اسکے معلوم ہوگا اور ہمارے مولوی صاحب ممدوح کے خط سے معلوم ہوگا
یعنی ائمہ معصومین شائقین و محققین مسترشد میں نہایت متانت اور استحکام کے ساتھ اہل سنت کی کتابوں سے لکھا ہے کہ جسکا جواب نہیں ہو سکتا ہے اور یہ شیخ اسکے
کتاب ہی نہیں دیکھی (۵) اصل مشہورہ کی روایتوں کا انکار کرتا ہے اور یا یہ لکھتا ہے کہ شیعوں نے اپنے مطلب کی روایتیں ہماری کتابوں میں داخل کردی
خرید کر غربار مومنین کے مطالعہ کیلئے کچھ خرافات قرآن کے کم ہوجانے کے مقدمہ میں اور کچھ آیتیں صحابہ کے فضائل کے ذکر میں اور کچھ ہزلیات بد اور تقیہ کے
اور بعد اسکے جواب خط کا لکھا ہے اور ایسا بیہودہ لکھا ہے کہ تحریر اس ناصبی کی دیکھکر بے اختیار دل نے چاہا کہ بمقتضای
اعلان یہ کتاب بموجب عبارت میں کہ جیسے اس ناصبی نے لکھا ہے یا اُس سے بڑھکر لکھئے مگر بعض احباب دیندار مانع ہوئے اور فرمایا کہ گو وہ یاوہ گوی
راقم کے قصد طبع نفرمائیں کیونکہ ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں ہمکو صبر ہی ضرور ہے اور ایسے آدمی بازاری دہن دریدہ گمنام کے رد میں تضییع اوقات کی جاوے
تمی جلد قسم اول عہ۔ قسم دوم مخالفین میں سے ہوتا کہ جسکا قول کل اہل سنت تو کہاں اگر سو پچاس آدمیوں کے نزدیک بھی مستند ہوتا تو اُسکی تردید کلام میں
تو اسی کے مذہب والوں نے فتویٰ کفر کا دیا ہے یہ جو شخص کہ راندۂ درگاہ موافق اور مخالف ہو اسکے مقابلہ میں کچھ لکھنا ضائع
تھی لیکن بعضے اہل سنت کہ جو بندہ سے ملاقات رکھتے تھے پیرایہ میں گفتگو کی خود مستدعی اس امر کی ہوئی کہ جواب لکھا

بجائے اور کہا کہ ہم یہ خوب جانتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی دلیل علمی قابل تسلیم نہیں ہے مگر طبع آزمائی و زبان زوری مصنف قابل دیدنی ہے کہ کس طرح دلائل عقلیہ ملکارانہ
و دانشمندانہ سے اپنے مزعوم کو ثابت کیا ہے اگرچہ جواب انکا یہی دیا گیا کہ جب تحریر مصنف فاضلانہ نہیں ہے بلکہ جاہلانہ ملکارانہ ہے تو جواب جاہلاں باشد خموشی۔ اور زبان
زوری کی جو تعریف کرتے ہو تو اس زمانہ میں صدہا مختار اور وکیل عدالت انگریزی میں موجود ہیں ایک دوسرے کی دلیل کو اپنی زبان زوری سے قطع کر کے حق کو باطل اور باطل
کو حق ظاہر کرتا ہے یہ امر قابل تحسین نہیں ہے بہر حال جب انکو اسمیں زیادہ مصر پایا تو دل نے چاہا کہ گو مہلت نہیں ہے اور احباب ہی شعور مانع بھی ہیں مگر مہر خموشی جو
نا انصافوں کے منہ پر لگی ہوئی ہوگی اسواسطے باعانت اور توجہ جناب مولوی صاحب ممدوح بر جواب اسکا لکھنا شروع کیا اور اسکے دو مقصد مقرر کئے۔ مقصد پہلا تو
اُن خرافات کے جواب میں ہے کہ جو اس شیخ نے خط کے جواب سے پہلے لکھے ہیں اور مقصد دوسرا خط کے جواب کے رد میں ہے۔ اور نام اسکا **تحفۃ الاشعریہ** رکھا **مقصد اوّل**
اُن خرافات کے جواب میں جو اس شیخ نے خط کے جواب سے پہلے لکھا ہے **قال الشیخ الاشعری** بعد حمد و صلوۃ کے بندۂ ہیچمدان گمنام محمد قاسم نام متخلص بخاکپای علماء
ناظران اوراق کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اواخر رجب ۱۲۸۳ھ ہجری میں مخدوم العلماء مطاع الفضلاء مجمع الکمالات منبع الحسنات زیب طریقت حامی شریعت فخر احباب
افتخار اصحاب ملجاء انام مرجع خاص و عام معلم قوانین طاعت و انقیاد محرک سلسلہ رشد و ارشاد جامع کمالات ظاہری و باطنی مخدومنا و مولانا مولوی رشید احمد گنگوہی دام رشدہ
و ارشادہ نے ایک خط متضمن بعضے خرافات شیعہ جو مولوی عمار علی صاحب کی طرف سے بنام میرزا در علی صاحب ساکن کھیر تل نواح الور تھا اس ہیچمدان کے پاس بایں غرض بھیجا
کہ ان خرافات کے جواب لکھکر روانہ خدمت مولانا ممدوح کروں **اقول** اس عبارت سے آپ کی ظاہر ہے کہ مولوی رشید احمد کے اشارہ سے امر قبیح پر آپنے کمر باندھی ہے اے
عقل کے دشمن تم یہ نہ سمجھے کہ اگر جواب خط صداقت نمط کوئی کار سہل ہوتا تو مولوی گنگوہی اس امر سے پہلو تہی کر کے تمکو اس آفت میں کیوں ڈالتے تم خود لکھتے ہو کہ مولوی صاحب
مذکور بڑے عالم و فاضل بلکہ مطاع علماء ہیں اور آپ بہ نسبت انکے جاہل ہیں اور نادان سے نادان آدمی اسکو خوب جانتا ہے کہ مناظرہ علماء کا کام ہے سوائے علماء جو کوئی اسمیں قدم
رکھے اُسکو نادان کہنا چاہئے اور جب عالم اس کار دشوار سے پہلو تہی کرے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اس دال میں کچھ کالا ہے کسی لم سے یہ امر خالی نہوگا سو آپ انکے کہنے سے شیخی میں
آگئے اور از راہ نادانی جواب کے لکھنے پر مستعد ہوئے اور آخر کو نادانی اور جہالت سے ایسے مضامین خط کے جواب میں لکھے کہ علماء اہل سنت نے تمہارے کفر کا فتویٰ لکھا اور مقام غور ہے کہ
اگر خط صداقت نمط کے اعتراضات کا کچھ جواب ہوتا تو وہ خود ہی اس شرف مناظرہ سے اپنے تئیں کیوں معاف رکھتے انکا پہلو تہی کرنا اور آپکو اس آفت میں پھنسانا سوائے
ہوشیاری اور پرکاری مولوی صاحب اور کچھ نظر نہیں آتا عجب یہ امر ثابت ہوگیا تو آپ کو لازم تھا کہ آپ خود سمجھ جاتے گو کہ انکا اشارہ تھا مگر آپکا تو اسمیں خسارہ تھا اب تو
یہ طوق بدنامی اور قشقہ ضلالت آپکے سر و گردن میں آ پڑا ہے تمکو اتنا تو خیال ضرور تھا کہ استدلالات فرقۂ حقہ بمقدمۂ فدک جو خط موصوف میں مندرج ہیں کون کون اُسکے
جواب میں سر نہیں مار گیا ہے انجام کو سوائے خفت کے اور کچھ حاصل نہوا شیخ عزیز دہلوی سے تو تم زیادہ نہیں ہو دیکھو انہوں نے کس قدر اسبار دمیں ہاتھ پاؤں مارے ہیں
لیکن سوائے خفت کے کچھ ہاتھ نہ آیا اور تم تو کس کھیت کے تھوے ہو اگر تمام روئے زمین کے سنی جمع ہو کر اسکا جواب دیں تو ہرگز جواب معقول نہ بن پڑیگا سوائے نہ لیات بکنے کے
اور یہ سیاہی کا دھبہ حضرات خلفا کی پیشانیوں پر ایسا نہیں جما ہے کہ کسی کے چھڑائے سے چھوٹ سکے **قال الشیخ الاشعری** اور بعد اختتام ہدیۃ الشیعہ ان اوراق کا نام رکھا
اور وجہ اس نام رکھنے کی حالانکہ یہ رسالہ مؤید اہل سنت ہے اور اسوجہ سے ہدیۂ اہل سنت کہنا مناسب تھا یہ ہے کہ بہ نسبت اہل سنت شیعوں کے حق میں یہ رسالہ زیادہ تر مفید ہے اہل سنت کے
لئے تو اسمیں اتنا ہی فائدہ ہے کہ کچوں کے لئے مفید یقین اور پکوں کے لئے باعث اطمینان ہے پر شیعوں کے حق میں اگر انصاف کریں تو ذریعہ حصول ایمان ہے **اقول** شیعیان
علی بن ابی طالب علیہ السلام کو تو روز ازل سے خداوند کریم نے نور ایمان و ایقان بخشا ہے بلکہ سرشت انکی بقیہ طینت ذرّیت رسول مقبول سے مخمّر ہے چنانچہ احادیث
متکاثرہ مندرجہ کتب فریقین اسکی شاہد ہیں اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے حضرت علیؑ کی طرف خطاب کر کے کہ یَا عَلِیُّ اَنْتَ وَشِیْعَتُکَ فِی الْجَنَّۃِ انکو تمہارے
اس کلام مجنونانہ سے کیا حاصل ہوگا اور یہ نام رکھنا محض متابعت صاحب تحفہ ہے جب آپ کچھ نام نہ رکھ سکے تو سنت عزیزیہ سے کام لیا انہوں نے تحفہ اثنا عشریہ اور آپنے
ہدیۃ الشیعہ نام رکھا ہے نہ وہ تحفہ اثنا عشریہ ہے بلکہ تحفہ عزیزیہ ہے اور نہ یہ ہدیۃ الشیعہ ہے بلکہ ہدیۂ ناصبیہ ہے اور گھر میں مرغی کا نام بیگم رکھنے سے کیا کچھ نام ہو جاتا ہے
منہ پاس ہے جو چاہو سو کہو ثابت تو وہ ہے کہ جو ٹکسال میں پوری اترے اور سبکو مان جائیں اور بہ نسبت اہل سنت کے جو مفید ہونا اسکا لکھا ہے یہ سچ ہے اس راست گوئی کو ہم مان
گئے کچوں کے لئے گمراہی اور پکوں کے لئے حصول تزلزل ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند **قال الشیخ الاشعری** ان اوراق میں جو استدلال ہیں تو تین چیزوں سے
استدلال ہیں قرآن مجید یا احادیث صحیحہ معتبرہ شیعہ یا دلائل عقلیہ صحۃ الدلالات سے سو ان تینوں کا مسلم ہونا شیعوں کے نزدیک مسلم **اقول** ہرچند یہ تینوں شیعوں
کے نزدیک مسلم ہیں لیکن آپکے استدلالات صحیح نہیں ہیں قرآن کا تو یہ حال ہے کہ آپ پیرو.. بکر اور عمر کے ہیں اور آپ کے پیشوا ہمیشہ معانی قرآن کے سمجھنے میں عاجز رہے

ہیں چنانچہ پیر اول آپ کے بیان معانی قرآن میں فرما گئے رہے ہیں کہ کہتا ہوں میں اگر صحیح ہو تو خدا کی جانب سے سمجھو اور جو غلط کہوں تو میرے اور شیطان کی جانب سے جانو اور دوسرے پیر کا حال قرآن دانی میں ظاہر ہے کہ زنان پردہ نشین سے الزام کھاتے تھے اور ہر مسئلہ میں پناہ بجناب حلال مشکلات دین مبین و وارث علوم النبیین لیجاتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ لولا علی لہلک عمر جب تمہارے پیشواؤں کا یہ حال ہے تو تم کس شمار میں ہو اور معانی قرآن کو تم کیا جانو اور جب آپکے بزرگان دین کا قرآن دانی میں یہ حال ہو تو آپکا دعوی اس مقدمہ میں بیجا ہے اور چھوٹا سا منہ بڑی بات آپ کو زیبا نہیں ہے اور احادیث کا یہ حال ہے کہ انکی طرف سے تم نے کیا تمہارے بڑے بڑے عالموں نے جھوٹی کتابیں اور جھوٹی روایتیں شیعوں کی طرف منسوب کردی ہیں اور روایت کے اول کو بیان کیا اور اسکے آخر کو جسکے بیان سے مطلب فوت ہوتا تھا محذوف کردیا اور یہ سب انشاء اللہ تعالے بعد اسکے معلوم ہو جائیگا اور دلائل عقلیہ کا تمہارے وہ حال ہے کہ اکثر گفتگو تمہاری مجانین کی سی ہے کہ شیعہ تو کیا اہل سنت بھی اسکو پسند نکریں اور بعضے مضامین تم نے ایسے لکھے ہیں کہ تمہارے حق میں علماء اہل سنت کی جانب سے فتوی کفر کا صادر ہوا ہے اور یہ تحریر آپ کی ایسی ہے کہ بقول مشہور جس بیاہ کو گھر والوں نے سراہا اسکا کیا بگڑا اور تردید بطلان قول آپ کی کا ظاہر ہے جسوقت یہ خیالی باتیں آپکے تابعین ائمہ الطاہرین کے پیش نظر آئینگی تو بحول و قوت پروردگار عالم حق باطل سے جدا ہو کر کالشمس فی وسط النہار واضح ہو جائیگا اور ناظرین اوراق اسکو دیکھکر قدرت خدا کا تماشا کرینگے اور احادیث کتب معتبرہ شیعہ کے عدم دستیابی کو تو آپ اوراق آئندہ میں خود مقر ہیں اقراری منکر ہو کر پھر اثبات دعوی حدیث دانی کو عقلاء کے نزدیک سمجھ لیجے کون کہلاتا ہے اور استدلال عقلی پر فخر کرنا اپنی بے خردی پر آپ شہادت دینا ہے حصر عقل خداوند عالم نے ایک شخص پر نہیں کیا ہے ایک دوسرے سے بہتر اور برتر ہے اور آپ کی تو وہ عقل ہے کہ جسکا اشارہ ہم اوپر کر چکے قال الشیخ لا شعری مگر یہ سنکر بوجہ گمنامی احقر شاید کسیکو یہ بدگمانی ہو کہ استدلال سبھی کرتے ہیں پر استدلال کسی کسیکو آتا ہے سو اسکا جواب یہی ہے کہ رسالہ موجود ہے ہمارا اور نیچے اس رسالہ کو دیکھ لیجے صاحبو دیوانہ ہوں ولیکن کہتا ہوں بات ٹھکانے کی بہ برکت اہل بیت کرام و صحابہ عظام امیدیوں ہے کہ انشاء اللہ منصفان فہمیدہ آفریں ہے کہینگے اور کوئی بات کہے تو یہ کہیگا گاہ باشد کہ کودک ناداں بغلط بر ہدف زند تیرے **اقول** ہاں استدلال کسی کسیکو آتا ہے اور اکثر کو نہیں آتا ہے اور استدلال کے نہ جاننے والوں میں ایک آپ ہیں کہ آپنے فدک کے مقدمہ میں قرآن سے ایسا استدلال کیا ہے کہ اس استدلال پر تمہارے علماء اہل سنت نے تمہارے کفر کا فتوی دیا ہے اور اس رسالہ ہی کو تمہارے دیکھکر استفتا کیا گیا تھا سو تمہارے کفر کا فتوی حاصل ہوا اس کفر کو اپنے تم ٹھکانے کی بات کہتے ہو اور جیسے تم دیوانہ ہو ایسا ہی تمہارا کلام بھی دیوانوں کا سا ہے ٹھکانے کی کوئی بات نہیں ہے اور تم جو احکام کو خدا کے لکھتے ہو کہ یہ احکام خدا کی طرف سے بندوں پر اسکے نہیں ہیں بلکہ رسول خدا صلعم کی طرف سے لوگوں پر ہیں اور رسول خدا صلعم کو لکھتے ہو کہ وہ مرے نہیں اور قبر کے گوشہ میں زندہ بیٹھے ہیں اور وہ حضرت دنیا میں کسی چیز کے مالک نہ تھے اور سوائے اسکے اور بہت سے امور جو تم نے لکھے ہیں یہ کلام دیوانوں کا سا ہے کہ جسکا کوئی مسلمان قائل نہیں ہے اور پھر لکھتا ہے ان کلمات مجنونہ کے باب میں کہ منصفان فہمیدہ آفریں ہی کرینگے لے دیکھ لے اب تو تجھپر آفریں کے عوض نفریں کر گئے ہیں تیرے ہی مذہب کے فہمیدہ اور باوجود اسکے تو طالب اپنی مدح کا ہے اور اپنے منہ میاں مٹھو بنتا ہے اور ایسے پوچ کلام کے بھروسے تعلی کی باتیں لکھتا ہے اے پیر نابالغ کس خیال میں بھولا ہے اس دار ناپائدار میں کون کون فرعون صفت خوارج نہیں ہو گزرے ہیں اور کس کس نے اپنے دعوی باطل کو پیش نہیں کیا ہے مگر خالق ارض و سما نے ہر فرعون اور مغرور کے لئے ایک ایک سرکوب بھی انکے ساتھ پیدا کیا ہے کہ جس نے حق کو باطل سے جدا کرکے دکھلا دیا ہے آپ تو کس قطار و شمار میں ہیں بجائے آفریں یقین ہے کہ جبتک یہ اوراق آپ کے صفحہ روزگار پر موجود رہیں گے ضد اسکی آپ طعن سنان ملام اہل اسلام کے نشانہ رہینگے اور عقبی میں جو نصیب ہوگا وہ ظاہر ہے اور اہل بیت کرام کی برکت تو آپکے کہاں نصیب ہے جنکے آپ کہلاتے ہیں انہیں کی آفت میں اور انکی اصلاح حال میں آپ گرفتار رہینگے اور منصفان فہمیدہ کی جانب سے جو بے موزوں بات کو آپنے موزوں کیا ہے محض آپ کی خام خیالی ہے کیونکہ تیر تدبیر آپکا نشانہ پر نہیں پہنچا ہے اور ایک واہی بادہوائی تحریر تھی کہ گوز شتر ہو گئی البتہ بعد ملاحظہ اوراق ہذا منصفان فہمیدہ یہ ضرور کہیں گے سہ وائے بر پیر مرد نامعقول ٭ عمر ے خویش صرف کرد فضول ٭

قال الشیخ لا شعری سو یہ سب سچ ہے اپنے آپکو کون نہیں جانتا غرض اپنی نسبت جو کچھ کہئے بجا ہے مگر اس رسالہ کی حقانیت کا دعوی بھی بیجا نہیں انشاء اللہ تعالے بعد ملاحظہ معلوم ہو جائیگا ہاں نادان متعصب اگر دو چار باتوں میں تکرار کریں تو نادانوں کا کام یہی ہے انکی زبان سے قرآن تو چھوٹا ہی نہیں یہ ہیچمدان تو کس شمار میں البتہ دانشمند ذی علم ایسا کریں تو ہمیں بھی شکایت ہے کیونکہ کسی رسالہ یا کسی کتاب کے یہ معنی نہیں کہ تمام استدلالات کو باطل کر دیجے جیسا کہ اس ہیچمدان نے بہ نسبت خط مولوی عمار علی صاحب کیا ہے چنانچہ انشاء اللہ تعالی واضح ہو جائیگا ورنہ ایک دو بات تو ہر کسی کی قابل گرفت ہوتی ہے

جناب من بشر ہوں اور بشر بھی سب سے کمتر خدا نہیں رسول نہیں جو غلطی کا احتمال نہو بھول چوک سے انکار نہیں کیا جاتا پر کتاب کی صحت و اعتبار باعتبار اکثر کے ہوتی سو اگر کسی صاحب کو خیال جواب ہو تو بندۂ ہیچمدان کی روش پر چلیں یعنی ہر مضمون کے ہر پہلو پر گرفت کریں نہیں تو اس سے بھی کیا کم کہ موافق قواعد علم مناظرہ ہر دعوی کے استدلال پر اعتراض کریں ورنہ دو چار باتوں کی تغلیطوں سے کام نہیں چلتا اسکا تو میں خود مقر ہوں کہ خطا و نسیان سے مبرا نہیں کیا عجب ہے کہ کچھ غلطی ہو گئی ہو

اقول - سبحان اللہ آپکی تحریر کیا عجیب و غریب ہے کہ جسکے دیکھنے سے ہر ذی شعور کو تعجب آتا ہے شروع میں تو یہ فخر و مباہات اور انجام کو اقرار اغلاط اول میں جو آپنے اپنے تئیں دیوانہ لکھا ہی صحیح اور درست ہے مگر آپ کہتے ہیں بات کہی لیکن کہنی نہ آئی ایسے تحریر خط کا طالب جواب ہونا آپ ہی کا کام ہے حقانیت مضامین رسالہ کا دعوی آپکے ہی بیان سے باطل ہو گیا جب دو چار باتوں کی غلط ہونیکا آپ کو یقین ہو گیا اور آپ کے اس رسالہ کے بعضے مضامین تو وہ ہیں کہ جو آپکے کفر پر دلالت کرتے ہیں اگر اسی کو حقانیت کہتے ہو تو چشم ما روشن اور دانشمندان ذی علم ہی نے تمہارے کفر کا فتوے دیا ہے نہ نادانوں نے اور ہمنے تمہارے کل رسالہ کا رد کیا ہے نہ دو چار باتوں کا کہ ناظرین اوراق قدرت خدا کا تماشا کریں کہ ہم نے تمہاری تقریر لا یعنی و وسوسۂ شیطانی کو کیونکر ہباءً منثورا کر دیا ہے ہمکو منصفان فہیدہ سے امید ہے کہ بعد ملاحظہ جَاءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ہی فرمائینگے اور ابتدا میں تو یہ طمطراق اور انجام میں یہ خوف و اضطراب اگر کوئی دانشمند ذی علم لکھتا تو ہم کو جائے شکایت بھی جو شخص ایک خط کی تین چار باتوں کے لکھنے میں اسقدر فخر و ناز کرے اور وہ بھی سراسر پوچ اور واہی اگر کسی کتاب کا جواب لکھتا تو یقین ہے کہ زمین پر قدم نہ رکھتا ہمکو نہیں دیکھتا کہ کیونکر آزادانہ تیری جمیع ہفوات اور دلائل واہیات کو رد کرتے ہیں اور حرف بیہودہ ستائش زبان پر نہیں ہے اور یہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ خدا نہیں رسول نہیں لیکن یہ کلمات فخریہ آپکے مقبول نہیں ہیں کہ شیطان آپ کو اغوا کرتا ہے اور یہاں جو آپ لکھتے ہیں کہ میں خدا نہیں رسول نہیں جو مجھ سے غلطی نہو یہ کہنا بھی آپ کا غلط ہے اسواسطے کہ بعد اسکے آپ فدک کے مقدمہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت موسیٰ سے غلطی ہوئی کہ اپنے بھائی ہارون کے بال پکڑکر کھینچے اور حضرت داؤدؑ نے غلط حکم دیا اور ملاحظہ فرمایئے کہ قواعد علم مناظرہ میں آپکو وقوف ہی نہیں ہے اور منظر پیش بندی جو آپنے یہ تحریر فرمایا ہے کہ اگر دو چار باتوں میں میری گرفت کریں تو آدمی سہو و نسیان سے بھرا ہوا ہے کچھ عجب نہیں کہ خطا ہوئی ہو یہ آپ کی مکاری اور پرکاری ہے چونکہ آپ پہلے ہی خود جان رہے ہیں کہ تمام تحریر میری ایک سفسطۂ محض ہے مثل تار عنکبوت کے ہے ادنٰی توجہ ماہران فن مناظرہ میں سب قلعی کھل جائیگی اسواسطے آپنے اس ہوشیاری کو پہلے ہی کام فرمایا ہے یہ نہ جانتے تھے کہ اپنے مخالف سے کہاں چھوٹکر جائینگے اور ایسے آپکے کسقدر اعتراض اور استدلال ہیں کہ جن میں سے دو چار تو ضرور ہی غلط اور قابل گرفت ہیں میاں آنکھیں کھولو اور مراقبہ و مجاہدہ شیطانی سے سر اٹھاؤ اور رسالہ کو دیکھو کہ آپکے رسالہ میں کل تین چار ہی تو باتیں ہیں کہ جسکو آپنے اسقدر طول دیا ہے رسالہ کی ضخامت کو دیکھکر جانا ہوگا کہ میں نے کسقدر بے انتہا مقدمات لکھے ہونگے اور اگر آپ کو نظر ثانی کا اس رسالہ پر اتفاق نہیں ہوا ہے تو کیا مضائقہ ہے بندۂ درگاہ نیابۃً دیکھکر عرض کر دیتا ہے کہ اول حفظ قرآن کا ذکر ہے اور اسکی تحریف کا اور کچھ صحابہ کے فضائل کا اور بعد اسکے بدا اور تقیہ کا ذکر ہے اور خط میں مقدمہ کلثوم اور رقیہ دختران خدیجہ زوجۂ رسول خدا صلعم کا اور نکاح حضرت ام کلثوم دختر فاطمہ زہراء کا اور بعد اسکے فدک کا ذکر ہے اب فرمائیے کہ جب اسمیں دو چار باتیں تو آپکے نزدیک بھی غلط ہیں تو پھر وہ صحیح کیا رہا ایک مختصر خط جناب ممدوح کے جواب میں جو مثل نامۂ اعمال اپنے کے ایک دفتر سیاہ کیا ہے کوئی بات ٹھکانے کی بھی ہے اکثر مضامین منجر بے اپنے بلا سند خلاف طریقہ علماء مناظرہ کے لکھکر دل اپنا خوش کیا ہے اور جسوقت آپ یہ اوراق ملاحظہ فرمائینگے تو انشاء اللہ تعالیٰ یہ سب خوش فعلیاں آپکی مبدل برنج ہو جائینگی قَالَ الشَّيْخُ الْاَشْعَرِيُّ القصہ اہل انصاف سے امید ہے کہ قطع نظر پریشانی تقریر اس رسالہ کے دعووں اور دلائل پر حرف گیر نہوئیں بلکہ آفریں و تحسین سے پیش آویں و اگر بنسبت انبیاء مرسلین ابزرگان اہل بیت و اصحاب سید المرسلین صلے اللہ علیہ وسلم اس رسالہ میں کوئی حرف نامناسب دیکھکر الجھیں تو مجھے اس سے بری الذمہ سمجھیں ایسا مذکور کہیں کہیں بنا چاری بغرض الزام شیعہ آگیا ہے اسکا بار انہیں کی گردن پر ہے یہ سب انہوں نے کرایا ہے خدا شاہد ہے کہ ایسے عقائد سے میں بہزار جان و ہزار زبان بیزار ہوں محبت بزرگان مذکور کو اپنی سعادت اور انکے حسن اعتقاد کو ذریعہ نجات سمجھتا ہوں مگر مردمان فہمیدہ سے یوں امید ہے کہ میرے عذر سے پیشتر ہی شہادت مذہب مجھے معذور سمجھیں **اقول** تمہارے اہل انصاف کہ دیکھیں اس تقریر لا یعنی اور تحریر بے معنی اس بے معنی کو اور نفرین اور ملامت کریں اس لچر اور پوچ عبارت پر یا تو وہ دعوے ہمہ دانی اور یا نادانی سو آپکے رسالہ میں سوائے اسکے اور کیا ہی ہے دعووں اور دلائل کے اعتراضات کو پریشانی کی علت سے بچایا اور دعووں اور دلائل کے اعتراض کو منت و سماجت سے ٹھیرایا اب اہل انصاف بجای تحسین و آفرین طعن و ملامت یاد کریں تو بجا ہے اور کیونکر بنیں آئیں اہل انصاف تحسین و آفرین سے تیری تحریر پر جسوقت تیری تحریر مجنونانہ ہو اور بعضی فقرات منجر بکفر ہوں اے بے شعور عقل سے معجور وہاں تو ہر پہلوی تقریر کی گرفت کا خواستگار اور یہاں تقریر اول سے بیزار کسکو درست اور کسکو

نادرست تصور کیا جائے بجز اسکے کچھ خیال میں نہیں آتا کہ آپ شرابِ تعصب کے نشہ میں ایسے مدہوش ہوئے ہیں کہ فرق سر و پا اور نیک و بد کا باقی نہیں رہا ہے
جھوٹا نہ جو زبان پر آیا کہدیا اگر کچھ پاس دین و ایمان کا ہوتا تو خیال پیش و پس کا رہتا آپکی دروغگوئی کے اثبات کے لئے یہی دلیل کافی ہے کہ دروغگورا حافظہ نباشد اور
اس علما کی نسبت صاحبان انصاف سے امید انصاف کی رکھنی گویا اپنے ہاتھ اپنے پاؤں پر کلہاڑی مارنی ہے اور اس بیرنا بالغ کو کس آفت نے گھیرا ہے کہ ایسے نامعقول تحریر کا
طالب جواب ہے نعوذ باللہ منہا محبت ثلاثہ اور عداوت شیعیان علیؑ بن ابیطالب نے اس ناصبی کو ایسا نابینا کیا ہے کہ خود مقر ہے کہ شیعوں کی ضد میں میں نے اہانت انبیائے
کرام اور اہل بیتؑ کی کی ہے اسکے نزدیک شیعوں کی ضد میں اگر نعوذ باللہ خدا تعالیٰ کی نسبت بے ادبی کریں اور نصاریٰ کی ضد میں حضرت عیسیٰؑ کی اہانت بیان
کریں تو اہل سنت کے نزدیک سب درست ہے سبحان اللہ کیا خوب مذہب ہے اور پھر لکھتا ہے کہ بار اسکا شیعوں کی گردن پر ہے اس عقل کے دشمن سے کوئی پوچھے کہ گناہ تو کرے تو اور
اسکے عقاب میں شیعہ گرفتار ہوں اسکو کونسا عقیل پسند کریگا اور معلوم ہوا کہ اہل سنت کا جو قرآن پر عمل نہیں ہے تو شیعوں ہی کی ضد میں نہیں ہے قرآن میں خدا تعالیٰ
فرماتا ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَىٰ اور یہ کہتا ہے کہ میں نے جو اہانت انبیا و اہل بیت علیہم السلام کی کی ہے اسکا گناہ شیعوں کی گردن پر ہے اور سوائے اسکے اور بہت امور شرعیہ ایسے
ہیں کہ اہل سنت نے شیعوں کی ضد میں انکو ترک کیا ہے جیسے کہ انگشتری دست راست میں رکھنا اور قبر کا مربع بنانا اور ائمہ معصومین تنہا پر درود کا بھیجنا اور خود ہی لکھتے ہیں کہ
ہمنے اسواسطے ترک کیا ہے اور اس شیخ نجدی نے تو سب کے کان کترے کہ انبیا اور اہل بیت کی بدگوئی کو شیعوں کی ضد میں درست رکھا ہے اور اگر خدا تعالیٰ کی بھی نعوذ باللہ بے ادبی
ایسے تو کیا تعجب ہے کہ خدا تعالیٰ سے قبیح کے صادر ہونے کو تو جائز ہی جانتے ہیں چنانچہ کتب معتبرہ انکی ایسی خرافات کی شہادت دیرہے ہیں اور تہمت بداء فی المعنا الغیر کے ناحق آپنے
دی ہے اب یہ مصیبت آپ ہی پر ٹوٹی شیعہ بیچارے تو ہمیشہ اس تہمت سے بری اور اس عقیدہ فاسدہ سے جو مکنون اہل سنت کا ہے بیزار ہیں اور استغفار کرتے ہیں اپنی کلچھن اور انکو لگاتے ہو
اور جس بات میں آبروئے ثلاثہ بچتے دیکھی اور انکی عیب پوشی کے لائق پایا اسی کو لے دوڑے اسمیں خواہ خدا تعالیٰ کی بے ادبی ہو خواہ انبیا اور اہل بیت کی اہانت ہو نہ خدا تعالیٰ
کی عظمت و جلال کا خیال آیا اور نہ انبیا کے مراتب کا اور اہل بیت بیچارے تو کسی شمار ہی میں نہیں ہیں کہ وہ تو بسبب عداوت شیعیان زیر مشق ہیں بلکہ دشمن دکھائی دیتی ہیں اور جذبہ
محبت ثلاثہ میں جو کلمات اہانت بہ نسبت ان حضرات کے آپسے سرزد ہوئے ہیں اسکی آپ خود مقر ہوئے ہیں گو بظاہر لوگوں کے دکھانے کو اور شرم کے مٹانے کو دفع دخل اسکا آپنے کیا ہے
مگر وہ تو آپکے نامہ اعمال میں ثبت ہو چکے ہیں ہر چند آپکا یہ عذر باطل ہے کہ وبال اسکا شیعہ بیچاروں پر ہے اور یہ مزعوم آپکا مطابق مزعوم آپکے پیشوائے عالی مکان معاویہ
ابن ابی سفیان کی ہے کہ جسوقت حضرت عمار یاسر رضی اللہ عنہ جنگ صفین میں معاویہ پدر یزید خلیفۂ حق پدر امام صدق اہل سنت کے مریدوں کے ظلم سے شہید ہوئے تو عمرو عاص نے
کہا کہ قاتل عمار کا دوزخ میں جائیگا کیونکہ حدیث نبوی مجھکو یاد ہے کہ حضرت فرماتے تھے کہ عمار بہشت میں ہے اور قاتل اسکا دوزخ میں یہ بات سنکر آپکے پیشوا معاویہ نے کیا فی
البدیہ جواب دیا مطابق آپکی رائے اور تقریر کے کہ قاتل عمار کا علی ہے نہ وہ اسکو اپنے ہمراہ لاتا نہ وہ مارا جاتا حضرت علیؑ نے سنکر فرمایا کہ اگر یہی بات ہے تو معلوم ہوا کہ قاتل امیر حمزہ کے جناب
رسول خدا صلعم ہیں وہ انکو ہمراہ اپنے لیجاتے نہ وہ شہید ہوتے سو آپنے پڑوس کی بدشگنی کے واسطے اپنی ناک کاٹی ہے اسکا وبال آپ کی ہی گردن پر ہے اور ابد الآباد اسمیں آپ خوف
رہیں گے اور نسبت محبت اہل بیت اطہار کی اور بدعقیدگی سے انکی بیزار ہونا جو آپنے ظاہر کیا ہے یہ دعویٰ آپکا محض لسانی ہے آپکو محبت اہل بیت کرام سے موت آتی ہے اگر
خالص محبت ذریت رسول مقبول ہوتی تو اصول و فروع میں انکی پیروی کرتے پھر یہ خنے دین پسندیدہ میں کیوں پڑتے اور زید اور بکر کو ہر بار منہ پر کیوں لاتے کیا محبت
اہل بیت طاہرین کی یہی معنی ہیں کہ جناب باری تو کلام مجید میں انکو معصوم فرمائے اور تم برعکس اسکے انکی نسبت عقیدہ فاسدہ رکھو چنانچہ فرماتا ہے إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ
لِيُذْهِبَ عَنكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا یعنی سوائے اسکے نہیں کہ چاہتا ہے اللہ کہ دور کرے تم سے پلیدی کو اے اہل بیت محمد صلعم اور پاک کرے تم کو خوب پاکیزہ
کرنا اب بدیدہ بصیرت دیکھ لیجیے کہ وہ مزعوم آپکا خلاف حکم خدا ہے یا نہیں اللہ جل شانہ نے اس تھوڑی سی عبارت میں کسقدر لطف و کرم فرما کر کس درجے توصیف ان حضرات
کی فرمائی ہے قربان ہو جاؤں میں اس لطف و کرم کے کہ اپنے حبیب کی اہل بیت کو بنظر شفقت یوں فرماتا ہے کہ اے اہل بیت ہم چاہتے ہیں تمکو پاک کرنا جمیع پلیدی سے اور کیسا پاک کرنا
کہ جو حد پاک کرنے کی ہے اور وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا کس اعلیٰ درجہ کا توجہ آمیز کلمہ ہے کہ ایک ایک حرف سے اسکے وہ چاشنی شفقت خداوندی ٹپکتی ہے کہ تشنگان وادی محبت کے لئے قوت تازہ
اور سیرابی کا اندازہ حاصل ہوتی ہے اور یہ شفقت آمیز کیوں نہو کہ روز ازل سے انکو خاص نور محمدی سے پیدا کر کے مقرب بارگاہ صمدیت قرار دیا تھا انمیں پلیدی اور نجاست معاصی
کیسے ہوتی یہ ارشاد تو محض تمام حجت مریضان حسد کے لئے صادر ہوا ہے تاکہ وہ لوگ متنبہ ہو کر اپنے مرض کو دور کریں مگر واہ ری قساوت قلب کہ اپنے مزعوم فاسد سے باز نہ آئے اور اس
آیت کے شرف میں عدا اہل بیت نے ازواج رسول خدا صلعم کو داخل کرنا چاہا اور بہت ہاتھ اور پاؤں مار مگر راہ مقصود تک نہ پہنچ سکے چنانچہ ذکر اسکا انشاء اللہ تعالیٰ مفصل بعد
اسکے اس شیخ کے قول کے رد میں آئیگا جس جگہ کہ آیت تطہیر کو ازواج کی شان میں لکھیگا اب ملاحظہ فرمائیے کہ منکران عصمت اہل بیت کے جناب باری عز اسمہ نے کیسی

گردن توڑی ہی مگر ہاں آپکو تو معانی قرآن سے اور اُسپر عمل کرنے سے کچھ کام نہیں ہے آپ تو کثرتِ تلاوت بے معنی سے کام رکھتے ہیں چنانچہ آئندہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ امر بخوبی ظاہر
ہو جائیگا مگر ہم فخر و مباہات کرتے ہیں عقیدۂ حقہ اثنا عشریہ پر کہ جمیع ائمہ اطہار ذریت حضرت خیر الانام کو معصوم سمجھتے ہیں اور کیوں فخر و مباہات نکریں اپنے عقیدۂ حقہ پر کہ
مطابق قرآن مجید کے ہی عقیدہ اُنکا اور پیروان خاص اُنہیں حضرات کے ہیں جو کہ وارثان علوم رسول مقبول صلعم ہیں اور روا ہے اُس گروہ بے شکوہ پر جو ایسے صراط مستقیم کو
چھوڑ کر یہ تلبیس ابلیس لعین بکر و زید کی تقلید کا پٹہ کہ جو جہلا تھے اپنی گردنوں میں ڈالکر وادیہ ضلالت میں سرگرداں ہیں کہ خسر الدنیا والآخرہ انہیں لوگوں کی شان میں ہے
اور جھوٹا دعوی لسانی لوگوں کے دکھانے کو محبت اہل بیت کا کرتے ہو اور جن بزرگیوں سے یہ مشرف ہوئے ہیں اُنکو بدلائل نامعقول منقطع کرتے ہو اور روایات فضائل اُنکے تئیں کیسی
اور تضعیف کرتے ہو اور ثلاثہ کی نسبت جن بزرگیوں سے کہ اُنکو بہرہ نہیں ہے بہ تکلف و زبراہین فضول اُنمیں ثابت کرتے ہو اگر اسی کو آپ کے مذہب میں محبت کہتے ہیں تو ایسی
محبت کو سلام ہی البتہ دعوی محبت ثلاثہ آپکا بجا اور درست ہے کہ اُنکی عیبوں کو ایسا چھپاتے ہو کہ جیسا بلی گوہ کو چھپاتی ہے اے نادان بھائی کچھ تو غور کرو کہ تمہارے بزرگوں نے تو
باوجود اسقدر تاکید شدید جناب باری عز اسمہ کے اہل بیت کرام کو قائم رکھا ہی نہیں کہ جنہوں نے اپنی آنکھوں سے شرف و منزلت اُنکا رسول خدا صلعم کے زمانہ میں دیکھا تھا اور آیات
بینات خاص اُنہیں کے متنبہ کرنے کو جناب باری نازل فرماتا ہے کہ ذٰلِكَ الَّذِي يُبَشِّرُ اللَّهُ عِبَادَهُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ یعنی وہ روضات جنت وہیں کہ
خوشخبری دیتا ہے خدا بندوں اپنے کو جو کہ ایمان لائے ہیں اور عمل کئے ہیں اُنہوں نے نیک اور ایمان اور عمل صالح کے ساتھ واسطے حاصل ہونے روضات جنت کے یہ نفر بھی
بعد اسکے بڑھایا کہ اگر وہ نہوگا تو بہشتیں حاصل نہونگی اور وہ یہ ہے کہ قُلْ لَا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ یعنی کہہ تو اے محمدؐ کہ نہیں سوال کرتا ہوں میں تم سے
رسالت اور بشارت کے پہنچانے پر مگر دوستی کرنے اپنی قریبوں میں کہ وہ علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں کہ اُنسے دوستی کرو اور بعد اسکے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَقْتَرِفْ حَسَنَةً نَزِدْ لَهُ
فِيهَا حُسْنًا یعنی اور جو کوئی کماوے نیکی کو کہ وہ محبت اہل بیت ہے تو زیادہ کرینگے ہم واسطے اُسکے اُسمیں نیکی کو کہ ثواب چند در چند عطا کرینگے اب ملاحظہ فرمائیے کہ جناب باری نے ایمان کے
ساتھ کیا کیا قیود اور شرائط لگائے ہیں کہ جب یہ سب پوری ہو جائیں تو اُسوقت یہ بشارت فیض اشارت بہشت کی راست آتی ہے یہ نہیں کہ صرف ذاتِ خدا اور رسول کو مان لیا
اور عمل صالح کئے اور عمل صالح بھی کئے مگر محبت اہل بیت رسول صلعم سے نرکھی تو وہ بشارت جو دیگئی ہے صاحبان ایمان کو کافی نہوگی سو مودّت پیغمبر کی ذوالقربےٰ کی بھی ضروریات
ایمان سے ہے جب تک یہ پوری نہو جائے ایمان کامل نہیں ہو سکتا کیونکہ جناب باری نے اجر رسالت جناب سرور کائنات اس محبت کو قرار دیا ہے اور یہ ظاہر ہے کہ رسالت وہ رکن اعظم
ہے کہ جسپر بنیاد دین اسلام کی رکھی گئی ہے اگر رسالت نہوتی تو دنیا میں کوئی متنفس ایمان سے بہرہ ور نہوتا پس محبت اہل بیت اُس رکن اعظم کا صلہ ہے اسواسطے جناب باری
عز اسمہ نے مودت کو ایمان کی شرط گردانا ہے اور بہشت کو اُسکی جزا مقرر کیا ہے اب ذرا چشم انصاف کو کھولکر دیکھو کہ کیا یہی شرط محبت ہے کہ حضرت سیدۃ نساء العلمین پارۂ جگر
خاتم المرسلین صلعم کو اُسکے حق سے محروم کریں اور وہ فاطمہ کہ جسکی شان میں کثرت سے حدیثیں اُسکی مناقب کی کتب فریقین میں موجود ہیں اور وہ مظلومہ تو دعوی پیش کریں اور علمائے
ریاست دنیا اُسپر تہمت دروغ کی رکھکر اُسکے دعوے کو رد کریں اور اُسکو رنج اور آزار پہنچائیں اور اُسکو ایسا غضبناک کریں کہ تا دم واپسیں پھر وہ مظلومہ اُنسے کلام نکرے اور یہ سب مفصل
انشاء اللہ تعالی بعد اسکے فدک کے ذکر میں آئیگا اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ ایذا دینا فاطمہ کا مجھکو ایذا دینا ہے اور قرآن شریف میں لکھا ہے کہ الَّذِينَ يُؤْذُونَ اللَّهَ وَ
رَسُولَهُ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ سو بموجب آیت شریفہ اور قول رسول مقبول صلعم فاطمہ زہرا کے ایذا دینے والے پر خدا تعالے دنیا اور آخرت میں لعنت کرتا ہے تمہارے
چھڑانے اور بات بنانے سے کیا ہوتا ہے وہ تو ایک امر ہونیوالا تھا ہو چکا اسمیں بھلا ہمارا اور تمہارا کیا چارہ چلتا ہے اگر کسی شیعہ بیچارے نے کوئی بات اپنے منہ سے نکالی ہوتی تو جای شکایت
تھی وہ تو محض پیروی حکم خدا میں بدنام ہیں اُن بیچاروں سے عداوت کرکے ناحق اپنی دین اور ایمان کو تم کھوتے ہو ہائے افسوس جنکی پیشواؤں کا محبت ذوالقربےٰ میں یہ حال ہو
کہ لَعَنَهُمُ اللَّهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ کا وہ مصداق ہوں اور اُنکے پیرو محبت ذوالقربیٰ کا شیعوں کے منہ چڑھکر دعوی کریں اور امید بہشت کی رکھیں کونسا عقیل اُنکو نادان نہ
سمجھیگا اور ایسی ہی پیروی اہل بیت کی نہیں کرتے ہیں نہ اصول میں نہ فروع میں اور جب اُنکی پیروی نہ کی تو قرآن شریف کی بھی پیروی نہ کی اسواسطے کہ بموجب حدیث ثقلین
جو کہ تفسیر قرآن کی ہے وہ اُنکے ہی پاس سے اور اللہ تعالی نے اُن حضرات کو محض احکام رسانی اپنی ہی کے تو پیدا کیا ہے کہ جو احکام جناب رسول خدا صلعم خدا کے یہاں سے لائے ہیں اُنکو
یہ پہنچاتے رہیں اور اسیواسطے کلام مجید کو آپنے اُنکے سپرد کیا ہے اور بلا عمل صرف پڑھنے اور حفظ کرنے کے واسطے نازل نہیں کیا ہے سو مطلب قرآن کو اُنکے پاس سے لینا اور سمجھنا چاہیے اور
اگر شیعوں کی ضد میں اہل بیت علیہم السلام کی پیروی کا اور قرآن کے سمجھنے کا ارادہ نہیں ہے تو تو ہم کہتے نہیں ہیں ہماری نہ مانو اپنے رسول کی تو مانو کہ وہ فرماتے ہیں مَثَلُ أَهْلِ بَيْتِي
فِيكُمْ كَمَثَلِ سَفِينَةِ نُوحٍ مَنْ رَكِبَ فِيهَا نَجَىٰ وَمَنْ تَخَلَّفَ عَنْهَا غَرِقَ یعنی مثال اہل بیت میری کی تم میں مثل کشتی نوح کی ہے جو کوئی سوار ہوا اُسمیں نجات پائی اور جس نے
تخلف کیا اُس سے وہ غرق اور ہلاک ہوا پس اب تو ہمکو یقین کامل ہے کہ اگر کچھ بھی مایہ سعادت باقی ہے تو اُس کلام خدا اور حدیث مقبول فریقین کو سنکر اپنے عقیدۂ فاسدہ سابقہ

بیزار ہو کر یقین کامل حاصل کر وگے اور حق سے منہ نہ موڑوگے اور یہ بڑا ماننے کی بات نہیں ہے حق کو جو خدا تعالیٰ نے پیدا کیا ہے محض قبول کرنیکے واسطے ہی پیدا کیا ہے حق سے انکار
کرنا نادانوں کا شعار ہے اسکو بھی کوئی نہ سمجھے تو اُسکو خدا سمجھے ہمارا کام کہنے کا تھا سو کہہ سُنایا وَمَا عَلَيْنَا اِلَّا الْبَلَاغ **قال الشیخ الاشعری** ہاں بوجہ بے سروسامانی احقر
کسی شیعہ کو نقل روایات میں کچھ تامل ہو تو چند وجہ سے بجا ہے اول تو کتب شیعہ کسے میسر سنیوں کو کیا غرض جو فراہم کریں شیعوں کو بحکم مثل مشہور اَهْلُ الْبَيْتِ اَدْرٰى بِمَا فِيهِ
یعنی گھر والے گھر کی بات کو خوب جانا کرتے ہیں بلحاظ خوبی مضامین سنیوں کے دینے میں دار و گیر طعن و تشنیع کا اندیشہ پھر کوئی سُننے لانے لائے تو کہانسے لائے جو کوئی روایت مفید مطلب
شیعیان کسی رسالہ میں درج کی جائے **اقول** اگر بے سروسامانی تجھکو حاصل تھی اور کتاب شیعہ تجھ کو میسر نہیں ہو سکتی تھی تو کسواسطے تو نے جھوٹی باتیں لکھنے کو یہ بار گراں اپنی
گردن پر رکھا اور معلوم ہوا کہ جھوٹی روایتیں تو نے شیعوں کی طرف منسوب کی ہیں اپنی جی سے بنا کر اور اس رسالہ میں اپنی کوئی روایت آپنے کتب شیعہ کی مندرج نہیں فرمائی
کہ اُسکی صحت و دروغ میں تامل ہو اور محض دروغ اور تقریر پریشان اور تحریر بے سروسامان بازاری عامیانہ سے اپنے نامۂ اعمال کی کاغذ سیاہ کئی ہیں آپ خاطر جمع رکھئے۔
ماشاء اللہ اس علم مناظرہ سے اللہ تعالیٰ نے آپکو بے بہرہ رکھا ہے اور جب کوئی روایت سُنی سُنائی یا کسی کتاب میں سنی مذہب کی دیکھی دکھائی درج بھی کی ہے تو وہ کسی وجہ سے
اعتبار نہیں رکھتی ہے اول تو یہ کہ آپ خود منکر ملاحظہ کتب شیعہ میں اور دوسرے یہ کہ آپکی مذہب کے کل مصنفوں کا طریقہ مستمرہ ہے کہ جب اعتراضات شیعوں سے گلو خلاصی ثلاثہ نظر نہیں
آتی تو مضامین مزعومی اور مفروضی لکھکر اور کسی کتاب کا حوالہ دیکر لکھ دیتے ہیں کہ یہ کتاب شیعہ کی ہے اور اُسمیں یہ لکھا ہے چنانچہ کوئی کتاب تصنیف سُنی اس علم میں ایسی نہیں
ہے کہ جسکا جواب مذاں شکن جانب شیعہ سے نہ لکھا گیا ہو اور اُن روایات مندرجہ کی قلعی نہ کھولی گئی ہو اور دروغ اور بہتان مصنفین پایۂ ثبوت کو نہ پہنچایا ہو سوا ایسی روایات
نقل بنقل کا مندرج رسالہ کرنا سوای نادانی اور پشیمانی مصنف رسالہ اور کچھ نہیں ثابت ہوتا اور بعدم تمیز کتب شیعہ بطریق لغو جو آپنے بہت بنائی کی ہے وہ محض آپکا
دروغ اور بہتان ہے اور بفضل الٰہی سے کتب شیعہ گُو بحُو او رخانہ بخانہ شائع اور ذائع ہیں لیکن کتب شیعہ قابل اعتراض ہرگز نہیں ہیں اور جسکو اہل سنت اعتراض کہتے ہیں وہ
حقیقت میں اعتراض نہیں ہوتا اور قابل اعتراض کتب اہل سنت ہیں کہ شیعہ اُن کتابوں میں بطرح طرح کی اعتراض خلفاء ثلاثہ پر کرتے ہیں اور غرض واسطے جمع کرنے کتب خصم
کے واسطے تحریر جواب کے ہوتی ہے سو جو اعتراضات کہ شیعہ خلفاء ثلاثہ پر کرتے ہیں اُسکا جواب اہل سنت کتب شیعہ سے حاصل نہیں کر سکتے جیسے کہ شیعہ کتب اہل سنت سے اہل سنت کو جواب
دیتے ہیں پھر جب مقصود اہل سنت کا کتب شیعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا تو وہ کتب شیعہ کو کاہیکو جمع کرینگے اور کتب شیعہ کے دیکھنے کی ممانعت بھی ہے کہ ایسا نہو کہ ثلاثہ کے عیوب دیکھکر
مذہب میں تزلزل آجائے اور اسیواسطے واعظین کو اہل سنت کے مذہب میں ممانعت ہے حسنین علیہما السلام کے مقتل اور صحابہ کے نزاعوں اور جھگڑوں کے ذکر کی کہ اسمیں صحابہ سے
بغض ہو جائیگا لوگوں کو اُنکا حال سنکر چنانچہ صواعق محرقہ میں قول امام غزالی کا لکھا ہے کہ وَيَحْرُمُ عَلَى الْوَاعِظِ وَغَيْرِهِ ذِكْرُ مَقْتَلِ الْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ وَمَا جَرَى
بَيْنَ الصَّحَابَةِ مِنَ الْمُشَاجَرَاتِ وَالْمُنَازَعَاتِ لِاَنَّهُ يَجُرُّ اِلٰى بُغْضِ الصَّحَابَةِ اور طعن اور تشنیع تو اہل سنت شیعوں پر کیا کرینگے کہ شیعوں کے اعتراضوں کے جواب ہی سے آجتک
اہل سنت کو فرصت حاصل نہیں ہے اور اہل سنت بخوف اس امر کے بھی کتب شیعہ کو نہ دیکھتے ہیں اور نہ جمع کرتے ہیں کہ ایسا نہو کہ کہیں مطلب کو سمجھکر مذہب حق کہ جو مذہب شیعہ
ہے وہ قبول کرنا پڑے اُسکے مطالعہ سے بے نصیب ہوجاتے ہیں اور بقول آپکے سنیوں کو تو کتب حقہ شیعہ کی فراہم کرنے سے کچھ غرض نہیں ہے اور اُنکے مطالعہ سے باغوای شیطان محروم
ہے تو پھر دعوی مناظرہ کر کے میدان میں آنا اور اس بارہ میں کاغذ سیاہ کرنا بڑی دلیل حماقت کی ہے اے عقل کے دشمن جب منا مدعوی ہی غلط ہو گیا تو اُسکی سرسبزی کا امید
ہونا سوای مردمان بوالہوس کے اور کسیکا کام نہیں ہے اور کتب فرقۂ حقہ شیعہ مثل کتب سنیان بوالفضول نہیں ہیں کہ کوئی مضحکہ کرے دیکھو شرح وقایہ وغیرہ کتب فقہیہ میں
کہ مذہب امام اعظم اہل سنت کو کیا مضحکہ طفلاں تحریر کیا ہے نماز کہ جو رکن اعظم عبادت اسلام ہے اُسکی کیا خرابیاں کی ہیں کہ نبیذ سے وضو کرنا اور بجائے قرأت دو برگ سبز
کہنا فارسی میں اور سجدہ میں مثل ٹھونگ مارنے کوّے کے اکتفا کرنا اور سلام کے عوض گوز مارنا اور پوست سگ کو بمقدار کف دست نجاست میں آلودہ کر کے پہننا اور اُس نجس سے
نماز پڑھنی چنانچہ علماء شافعیہ نے بھی محمود غزنوی کے سامنے اس نماز کو امام اعظم کی ادا کر کے مذہب حنیفہ سے اُسکو بیزار کر دیا تھا اور یہ سب تواریخ علماء اہل سنت میں لکھا ہے اور
ایسا ہی کلام بڑے پیر جی صاحب کا ہے کہ جسکو دیکھکر ہر وضیع و شریف خندہ زن ہو غنیۃ الطالبین میں علاوہ دیگر خرافات کے قصہ رنگیاں اور تماشا دکھلانا حضرت سرور
کائنات کا اپنے کندھے پر سوار کر کے بی بی عائشہ کو اور مجھے یاد ہے کہ ایک ہندو کے سامنے ایک شقی فخر یہ یہ قصہ بیان کرتا تھا کہ میرا گزر ہوا اور میں نے دانتا اور کہا کہ کہاں گئی شرم
اسلام اور دین و ایمان تیرا کہ ایسی تہمت معصوم کے ذمہ لگاتا ہے اور ایک مضحکہ خلاف مذہبوں کو یاد دلاتا ہے اور یہ بڑے پیر وہ صاحب ہیں کہ جنکی گردن پر جناب رسالتماب شب
معراج پاؤں رکھکر آسمانوں پر گئے تھے تعجب ہے ان نادانوں کی سمجھ پر کیا کیا مزخرفات ایسے دین پسندیدہ اسلام میں شامل کر کے خندہ طفلاں بنایا ہے اور لطیفہ یہ ہے کہ اپنی کھجلی
اوروں کو لگا کر اپنے عیوب کھلواتے ہیں ورنہ خدا آگاہ ہے کہ ہمارا ارادہ کسیکی پردہ دری کا نہ تھا۔ بلکہ عیب پوشی کی نیت سے خداوند کریم ان دشمنان دین کو سمجھ **قال الشیخ الاشعری**

اگر فرض کرو کہ ملیں بھی تو مجھ سے بے سروسامان کے ملنے کی تو کوئی صورت ہی نہیں کیونکہ اپنی کتابیں جب پاس نہوں تو دوسروں کی کتابیں کیا ہونگی تیسری نقل مشہور
المرء یقیس علی نفسہ شیعوں کی دروغ مذہبی نے شیعوں کے نزدیک سنیوں کا اعتبار بھی نہیں رکھا ہے پھر حسب مثل مذکور اگر شیعہ اس سنی مشرب کو جھوٹا سمجھیں تو سمجھ کی
بات ہے بالجملہ بوجوہ مذکورہ خاص کر وجہ اول سبات میں کسی شیعہ کو تامل ہو تو بجائے خود ہی سو اسلئے یہ راست باز بھی عرض پرداز ہے کہ الصدق ینجی والکذب یہلک
یعنی سچ میں نجات ہے اور جھوٹ میں تباہی ہو واقعی اس بے سروسامان کے پاس اس قسم کا سامان کچھ نہ تھا **اقول** ہم تو پہلے ہی آپ کی بے سروسامانی اور کم مائگی کا
یقین رکھتے تھے کہ آپ بقول شخصے پڑھے نہ لکھے نام کو محمد فاضل خون لگا کر شہیدوں میں ملا چاہتے ہیں مگر بقول شخصے حق بر زبان جاری ہوا الحمد للہ علی احسانہ اپنی
ہی زبان سے آپنے اقرار عدم مطالعہ کتب حقہ کر لیا صاحبان انصاف بجائے خود سمجھ گئے کہ یہ تقریر و تحریر آپکی بے دیکھے بھالے ہے سنی سنائی کا اعتبار سوائے جہلاء بد شعار
اہل علم کب کرتے ہیں صرافان بازار معنی کو کلام کی کسوٹی پر کھوٹ آپکا ظاہر ہوگیا اور صداقت کلام آپ کا پایۂ اعتبار سے ساقط ہوگیا پہلے ہی اگر آپ نے تئیں منکہ مشغوف
وہر بانم سمجھتے تو یہانتک دوسری خامہ فرسائی کیوں کرنی پڑتی ہاں سچ ہے داناکند کند ناداں لیک بعد از خرابی بسیار انجام کو سچ کا سچ اور جھوٹ کا جھوٹ ظاہر ہوگیا آپکے پاس جب اپنی کتابیں بھی نہیں ہیں
تو واقعی میں کتب حقہ تو کہاں حالانکہ کتب حقہ اس صورت میں ایک دھوکہ بازی ہے اور سچ یہ دھوکہ بازی آپکے مذہب کی ایک سنت سنیہ بلکہ واجبہ ہے کیونکہ یہ طریقہ کچھ جدید اپنی طرف سے آپنے ہی نہیں اختیار کیا ہے بلکہ بزرگان اسلاف سے
مروج چلا آتا ہے جب اعتراضات شیعوں سے تمہارا قافیہ تنگ ہوتا ہے تو اسوقت ایک دو روایت مجہولی لکھکر اور کتب شیعہ کا حوالہ دیکر اپنی گلو خلاصی کرتے ہو جیسے کہ مولوی عبد العزیز
صاحب و نصر اللہ کابلی وغیرہ نے کیا ہے انجام کو محققین فضلاء شیعہ کے ہاتھ سے ویسی ہی اپنی پردہ دری کرائی آپنے یہ نقل اپنے حال کے بالعکس لکھی ہے کہ الصدق ینجی والکذب
یہلک آپکے حسب حال تو الکذب ینجی والصدق یہلک موزوں تھا کیونکہ جھوٹ میں آپکا بچاؤ چھوٹتا ہے اور سچ میں آپکی تباہی ہے اور راستی اور درستی مذہبی شیعوں کی
کلام مجید اور اہل بیت کی پیروی اور محبت کی جہت سے موافق مضمون حدیث ثقلین کے ظاہر اور ہویدا کالشمس فی وسط النہار ہے مگر آپنے جو لفظ دروغ نسبت شیعیان آل اطہار
درج اوراق کیا ہے وہ یہ ہے کہ المرء یقیس علی نفسہ جیسا درس ویسا برس جیسے آپ تھے ویسا ہی شیعوں کو اپنے اوپر قیاس کیا مگر لا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم کہاں نور کجا
نار ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا حق حق ہے اور باطل باطل ہے دونو کو یکساں قیاس کرنا سوای نادانوں کے کیسکا کام نہیں ہے اور جھوٹ آپکا کیا بلکہ مولوی عبد العزیز
صاحب کا جنکے تم پیرو ہو انشاء اللہ تعالی بعد اسکے واضح ہو جائیگا البتہ اسقدر سچ ہے کہ سنیوں کا اعتبار شیعوں نے کھو دیا سو مہربان من اسمیں شیعہ بیچارے ناچار ہیں کہ حق بات
ظاہر کرنے شیعوں پر واجب ہے اور حق ظاہر ہو جاتا ہے تو قاعدہ ہے کہ باطل کا اعتبار جاتا رہتا ہے اسمیں شیعوں نے آپکے پیشوایان سلف کے تو دہری ڈھکی رکھی ہی نہیں ہے
راستبازی میں اور صاف گوئی میں آپکا ملاحظہ کر بیگی عدم مطالعہ کتب حقہ نے آپکی جمیع تحریر مکر و تزویر کی آبرو کو پایۂ اعتبار سے ساقط کر کے خاک سیاہ کر دیا ہے حضرت سلامت
عیب کرنے کو ہنر چاہئے اگر بسبب بے استطاعتی خود کتب حقہ میسر نہیں آئی تھیں تو مستعار تو بہر حال ہر جگہ سے ملسکتی تھیں اس سے اپنی کارروائی کرتے اور جو شکوک بسبب
دست بردی نفوس شیطانی مانع اور مزاحم حق تک پہنچنے کے تھے اسکو رفع کر لیتے مگر میں بھولا معاف کیجیگا آپکو تو سرے سے حق پسندی نہیں حق کی تحقیق ہی تو آپکو کمال ہی
نفرت ہے اگر پسند ہوتا تو ضلالت اور گمراہی پر اسقدر اصرار کیوں کرتے آپ سے ایسی سمجھ کی بات کہنی گویا آئینہ داری در مجلس کوراں و نصیحت کردن ستوراں ہے وَمَن یُضْلِلِ
اللّٰہُ فَمَا لَہٗ مِنْ ھَادٍ جسکو خدا گمراہی میں چھوڑ دے اسکو کون ہدایت کر سکتا ہے **قال الشیخ الاشعری** پر ایک تحفہ اثنا عشریہ تھا اور جب تحفہ تھا تو جاننے والے جانتے
ہیں کہ سب کچھ تھا موافق مصرع ع کافی ہے تسلی کو تری ایک نظر ہی۔ اور کتاب نہ سہی ایک تحفہ ہی بہت ہے **اقول** تحفہ عزیزیہ کو تحفہ سمجھنا گویا اپنے ہاتھ سے اپنے
پاؤں پر کلہاڑی کا مارنا ہے اور اسکے استدلال پر مدعی ہونا اپنی آبرو کا کھونا ہے کیونکہ آپ تو شاید واقف نہیں مگر جو صاحبان علم و فضل ہیں وہ بخوبی جانتے ہیں کہ
اس تحفہ کے مصنف نے جو اپنی مدۃ العمر میں بمکائد نفسانی و بہتانات بے پایانی شیرازہ بندی کی تھی شیعیان آل اطہار نے ہمہ وجوہ اسکی پریشانی کر دی یعنی ایک
فقرہ کی کئی تردید اور ایک کلمہ کے گوناگون بطلان انہیں کی کتب معتبرہ سے ظاہر کر دیے اور بیسیوں رد اور جواب اس کتاب کے کہ بکو موجود ہیں اور جو کچھ ملمع بازی اور کاریگری
اسمیں کی تھی ان حضرات شیعہ نے اسکی سب قلعی کھولدی اگرچہ اس کتاب کے مکائد عظیم تھے مگر آپ جانتے ہیں کہ خدا سے عز اسمہ کو کید کب پسند ہے کیونکہ خود اپنے کلام مجید
میں فرماتا ہے وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمٰکِرِیْنَ یعنی اور خدا بہتر سزا مکر کی دینے والوں کا ہے اور جب خدائے عزوجل اپنے کو بمقابلۂ مکاران دنیا خیر الماکرین فرمائے تو مصنف تحفہ کس شمار و قطار
میں ہیں اور انکے مکائد کہاں قائم رہ سکتے ہیں حضرت من یہ عروس بیا آپکی جسکو دکھلا کر آپ نازاں ہے ہیں یعنی وہ ابکار افکار شاہ صاحب جبتک حجلہ نشین خانگی
یا دامن آغوش میں مستور تھی تب تک ہی انکی خیر تھی اور اسیوقت تک حسن کلام کا دعوی خاص مؤلف اور مریدان مؤلف کو زیبا تھا اور جسوقت کہ وہ بر سر بازار ہر آشنا
اور بیگانہ کے ہم آغوش ہوئی پھر تو یاران مست بادہ محبت حیدر کرار اسکو ہاتھوں ہاتھ لے اڑے اور خوب ہی اپنے دل کی حسرتیں نکالیں اور وہ وہ کارروائیاں پردہ دری

میں کہیں کہ شاہ صاحب کا دل ہی جانتا ہوگا چنانچہ اسی رنج میں پشت بہ بہشت ہوئے اے عقل کے دشمن ہفوات اور بہتانات عزیزیہ عرصہ ہوا کہ مثل ہباءً منثوراً کے پراگندہ
ہو چکے ہیں اگر تجھکو لکھنا تھا تو پہلے تحفہ کے جوابوں کو دیکھ لیا ہوتا اور جواب سکا سمجھ لیا ہوتا اب کچھ لکھا ہوتا لیکن تو نے اُس کلام مردود ہی پر اکتفا کرکے اپنی آبرو کو کھو دیا اور
اُسکے متن اور حواشی کے دعووں سے اپنی تحریر کو بیکارہ کر دیا کاش اپنی ہی جانتے استدلال کا دعوی کرتے تو گو عقیل تو طرز تقریر سے آپکے علم و فضل کو جان ہی جاتے مگر
تاہم بادی النظر میں عوام کالانعام کو تا حین مطالعہ آپکے رسالہ کی کسیقدر رسائی رہتی لیکن کیا اور کر نہ جانا اپنے ہاتھوں سے شیخ چلی کا سا گھر بنا بنایا بگاڑ ڈالا اور تحفہ ایک
قصہ کہن پارینہ تھی جسکے کل استدلالات منسوخ اور مردود ہو چکے ہیں اُسپر دعوی آپکا محض خام خیالی آپکی ہے **قال الشیخ الاشعری** کیونکہ مولف تحفہ حجۃ اللہ فی العالمین
خاتم المحدثین والمفسرین زبدۃ المتکلمین زبدۃ المناظرین مولانا شاہ عبد العزیز علیہ الرحمۃ کے نام کے تو سُنّی تو دیوانہ ہیں پر علماء شیعہ بھی جاہلوں کو میں نہیں کہتا اُنکے تبحر و تحقیق
کو بنسبت دونو مذہبوں کے اپنے دل میں تو خوب ہی جانتے ہیں زبان سے کہیں یا نہیں جو روایات کتب شیعہ میں سے اِس رسالہ میں منقول ہوئی ہیں ماخذ اُسکا یا متن تحفہ
مطبوع یا اُسکے حواشی ہیں جو غالباً شیعہ معلوم ہوتے ہیں **اقول** صاحب تحفہ اگر حجۃ اللہ فی العالمین ہیں یا خاتم المحدثین ہیں تو اہل سنت کے نزدیک ہونگے اور شیعہ تو
اُنکو اکذب الکاذبین جانتے ہیں کہ اُنہوں نے اپنی کتاب تحفہ کو سینکڑوں دروغوں اور بہتانوں سے پُر کیا ہے اور نہ یہاں کسی کے تبحر سے کام ہے یہاں تو حق گوئی سے
مقصود ہے اور حق گوئی اُنمیں ہرگز نہ تھی اور دعوی تبحر شاہ صاحب میں جو دروغ کو آپ فروغ دیتے ہیں یہ محض آپکی یاوہ گوئی ہے کہ شاہ صاحب کا حال تبحر ظاہر
ہو چکا ہے کہ علماء شیعہ نے اُنکی تحقیق اور تصانیف کی کیا کیا تردید کی ہے اور کیا کیا کذب و دروغ اُنکا ظاہر کر دیا ہے کہ جسکا جواب آجتک اُنکے کسی اہل نحلہ سے بن نہ آیا بلکہ
علماء اہل سنت خود جوابات شیعہ دیکھکر اپنے دل میں سمجھ گئے گو زبان سے نہ کہیں کہ شاہ صاحب نے محض براہ عام فریبی اور دھوکا دہی کتب شیعہ کا حوالہ دیا تھا اور
کتب شیعہ میں اُن روایات کا وجود بھی نہیں جن بعضی روایتوں کا کہ حوالہ دیا ہے آپنے ناحق اُنکی تعریف اور توصیف میں تضییع اوقات کی مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار
گوید اُنکے حالات سے ہم خوب واقف ہیں کہ مثل اُنکے دروغگو مفتری کون ہوگا کہ خاص اسی تحفہ میں صدہا دروغ لکھے ہیں کہ کچھ اُنمیں سے بعد اسکے مذکور بھی ہونگے اور
شیعوں پر بہتان باندھے ہیں کہ جسکی پیروی میں آپ بھی عرق ریزی کر رہے ہیں انشاء اللہ تعالی عنقریب اُسکے جواب میں اُنکا اور آپکا حال کھل جائیگا مگر آپ بڑے پرکار
سلیقہ شعار معلوم ہوتے ہیں کہ بظاہر دوستی میں آپنے چال دشمنی اُنکے واسطے بچھایا ہے کہ مُردوں کو گور سے اکھڑوایا ہے کہ کوئی بُرا کہیگا تو اُنکو کہیگا نہ مجھکو کہ میں تو اُنکے قول
کو نقل کرتا ہوں ہمکو بھی آپکی خاطر عزیز ہے خوف نہ کیجے مثل آپکے میں دہن دریدہ نہیں ہوں گو بظاہر تحریر میں تتبع آپکا ہی مگر بات ٹھکانے کی کہتا ہوں منصفان فہمیدہ آپکی
گفتگو لایعنی اور کلمات ناموزوں کو میری تقریر برجستہ کے ساتھ موازنہ کرکے خود واہ واہ کہدینگے کہ اسکی راست گوئی میں شک نہیں ہے ایسے نادان شیعیان علی بن ابی طالب
علیہ السلام صاف گو راستباز سخت گیر ہیں سچ بات کہتے ہیں کسی کی رو و رعایت یا لگی لپٹی نہیں رہنے دیتے اور علماء کو شیعوں کے شاہ صاحب کا تبحر اور محقق ہونا کیا تبلاتا ہے کہ اُنہوں
نے شاہ صاحب کے خرافات کا بالکل استیصال کر دیا ہے اور تبحر کا اُنکے یہ حال ہے کہ ایک روز مجمع عام میں ایک شخص نے شاہ صاحب سے سوال کیا کہ شیعہ حضرت عائشہ صدیقہ کے
باب میں کچھ کلام کرتے ہیں آپکا اسمیں کیا ارشاد ہے آپنے بعد تامل بسیار فرمایا کہ میاں حضرت عکاشہ صحابی کا قصہ سنا ہوگا کہ ایک دفعہ مہر نبوت پر بوسہ دیا تھا جناب رسالتمآب صلعم نے
فرمایا کہ اے عکاشہ تجھپر آتش دوزخ حرام ہوئی پس قیاس کر لینا چاہیے کہ صدیقہ تو شرف ہمبستری سے آپکے ہمیشہ مشرف تھیں ہمیشہ مس مہر نبوت سے ہوتا تھا ایک دفعہ کے مس نے جب عکاشہ کو آتش
دوزخ سے نجات دی تو آپر بدرجہ اولی آتش دوزخ حرام ہوگی سائل خاموش ہوا کہ جواب معقول مُسکت پایا مگر ایک طفل اقربائے شاہ صاحب سے جو اُسوقت بازیچہ طفلانہ میں مشغول
تھا یہ سنکر چوکنا ہوا کیونکہ بموجب مقولہ مصنف رسالہ تبحر تو اس خاندان کا مشہور ہے اُس صاحبزادہ بلند ارادہ کو یارائے ضبط نہ رہا اور عرض کی کہ جناب کیا ارشاد ہوا میں نے یہ سنا ہے کہ
ابوطالب آپکا چچا کافر تھا اور آپ چاہتے تھے کہ کسی طرح یہ راہ ہدایت پر آجائے کہ آتش دوزخ سے نجات پائے جب وہ ایمان سے محروم رہا تو آپنے اُسکے تمام جسم کو اپنی زبان مبارک سے مس
کیا جب نوبت تہ کف پا پہنچی تو اُسوقت حکم جناب باری نازل ہوا کہ بس اس مقام کو مس نہ کرنا کہ اس جگہ سے آتش دوزخ اثر کریگی پس زبان کہ تمام جسم میں اولی اور افضل ہے
جب مس زبان نبی لب ابوطالب کو کچھ فائدہ نہ بخشا تو مس جسم کیا فائدہ بخش سکتا ہے اور یہ قول موافق عقیدہ اہل سنت کے ہے نہ موافق اعتقاد اہل حق کے اور باقی تقریر دلپذیر اس
طفل صغیر کی سنکر اور بھی حظ اُٹھانا چاہیے کہ بعد اسکے اُسنے بیان کیا کہ حضرت نوح علی نبینا و علیہ السلام کی زوجہ اور حضرت لوط علیہ السلام کی زوجہ کا حال مشہور و معروف ہے
چنانچہ آیات بینات سورۂ تحریم اخیر پارۂ اٹھائیس قرآن مجید میں خاص واسطے تہدید ازواج حضرت رسالت پناہی کے نازل ہوئی ہیں اور پسر نوح علیہ السلام کہ خاص صلب سے حضرت
نوح کے تھا جب عذاب الٰہی نے اُنکو نہیں چھوڑا تو اس دلیل سے بچنا حضرت صدیقہ کا محال ہے یہ قصہ محض بنظر تفریح طبائع ناظرین درج اوراق ہوا ہے انشاء اللہ تعالی خالی از لطف
نہوگا اور کلام تبحر شاہ صاحب میں ہے یعنی شاہ صاحب نے جو بحالت شدت العمر میں یہ کتاب لکھی ہے تو اسمیں صرف شاہ صاحب ہی کا کید نہیں ہے بلکہ باقی اُن مکائد کا اول نصر اللہ

کابلی تھا اُس نے یہہ ضلالت نامہ عربی میں لکھا تھا اور شاہ صاحب نے اُسکا ترجمہ فارسی میں کرکے نام اُسکا تحفہ رکھا اور کچھہ بہتان بندی اپنی طرف سے
اُسمیں اضافہ کرکے یہہ کید نامہ تیار کیا ہے مگر قربان جائیے قادر ذوالجلال ایزد بیہمال کے کہ ہمیشہ باطل کو مغلوب و حق کو غالب کرتا ہے مگر آفرین ہے عالی ہمتی
گروہ باشکوہ فرقہ حقہ شیعہ کو کہ کیا ہی حق دوست اور راست پسند باحمیت لوگ ہیں کہ جسنے سر اُٹھایا اُسی کے سرکوبی کو آمادہ و تیار ہوئے چنانچہ بفور
شایع ہونے کید عزیزی کے جناب مستطاب معلی القاب علامہ دہلوی جناب حکیم مرزا محمد صاحب مرحوم و مغفور اور جناب غفران مآب مجتہد العصر والزمان
حجۃ اللہ فی العالمین حامی دین مبین دافع بدعات اہل کین مولانا و مقتدانا سید دلدار علی صاحب قدس سرہ و فاضل بے نظیر و عالم بے بدل جناب
مرزا محمد صاحب اکبر آبادی رحمۃ اللہ علیہ اور جناب فخر المحققین و زبدۃ المتکلمین مولانا السید محمد قلی صاحب اعلے اللہ مقامہٗ جناب ملا ابوالقاسم صاحب و
جناب مولوی خیرالدین صاحبؒ وغیرہ نے اُن مکائد عزیزیہ کے خبر لے اور اُنہیں کے کتب معتبرہ سے بطلان اُنکا ظاہر اور ہویدا کردیا اور جو جو بہتان کہ کتب
شیعہ سے روایت کرکے لکھی تہی اُنکو کالشمس فی وسط النہار اسیطرح ظاہر کردکھایا کہ شاہ صاحب کو اپنا بیچہا چہڑانا دشوار ہوگیا اور کسی صاحب کا جواب
شاہ صاحب سے بن نہ آیا انجام کو زمین کے اندر اپنا موںہہ چہپا لیا چنانچہ تصانیف ان صاحبان بلند شان کے ہر شہر اور دیہہ میں موجود اور شایع ہیں مثل
تمہاری اُنکی تعریف اور توصیف کی کچھہ ضرورت نہیں ہے مشک آنکہ خود ببوید نہ آنکہ عطار گوید یہہ حال آپکے شاہ صاحب کے تبحر کا ہے اور فرقہ حقہ کے مقابلہ
میں تحفگی تحفہ اور تبحر شاہ صاحب کا بیان کرنا محض نادانی آپکی ہے وہ ایک تقویم پارینہ تہے جسکے بیسیوں رد ہوچکے اُسکی خرافات سے کیا استدلال ہو اور
جو دلائل کہ پہلے مردود ہوچکے ہیں اُنکے جواب کا طالب ہونا آپسے حمقا کا کام ہے اور جب آپکے کل دلائل رد ہوچکے تو اب ہمکو مجدداً اُنکا جواب دینا سواے
تحصیل حاصل اور کچھہ متصور نہیں ہوتا جوابات سابقہ کافی اور وافی ہیں اپنی تسکین کر لیجے قال الشیخ ۱۸ شعر ہے سو تحفہ کا حوالہ اہل انصاف
کے نزدیک خود اُن کتب کے حوالہ سے کم نہیں جن کا اس رسالہ میں نام لکھا گیا **اقول** تحفہ کا حال اوپر گذر چکا کہ تحفہ ایک تقویم پارینہ ہے کہ جسکی کثرت
سے جواب ہوچکے ہیں اہل انصاف خود جانگئے ہیں کہ اُسکی استدلال مقدوح اور مردود ہیں اور تحفہ واسطے تسلی کے کافی نہیں ہے اگر کوئی امر جدید ظاہر
کرتا تو مقام ناز و فخر تہا اُس پر نازاں ہونا اپنا حمق ظاہر کرنا ہے اور جو کتب شیعہ کا حوالہ اندروی تحفہ ہے وہ بہی قابل التفات نہیں ہے کیونکہ خود جوابات تحفہ
میں بہتان بندی شاہ صاحب ظاہر ہوچکی ہے اور اگر کسی روایت میں کوئی بات ہے بہی تو ویسا ہی اہل سنت کی کتابوں میں بہی موجود ہے چنانچہ بعد
اسکے واضح ہوجائیگا اور چونکہ اس شیخ نے یہاں مجمل لکھا ہے اسواسطے ہمنے بہی اجمال ہی پر اکتفا کیا **قال الشیخ الاشعری** اسوجہ سے اس احقر نے بے تامل
اُن کتب کا حوالہ رقم کردیا ہے **اقول** اللہ ری مکاری تیری یہہ بار بہی اپنے ذمہ نہیں لیا اسکا بہی بوجہ بہار شاہ صاحب کی گردن پر رکہا اگر غلط
نکلے تو شاہ صاحب سے مواخذہ ہوگا اور اُنکو ہی لوگ نفرین کرینگے اور ہم بری الذمہ ہیں بقول نقل ہندی دہوبی بیٹا چاند سا سیٹی اور بٹاخ یہہ پر کاری سواے
آپکے کون کرسکتا ہے اس تحریر اور عذر سے آپ کی اس جگہہ بیچہا آپکا نہیں چہوٹتا ہم پہلے لکھہ چکے ہیں کہ روایات اور استدلالات تحفہ پہلے ہی مقدوح
و مردود ہوچکے ہیں اُسکے اعتبار پر جو آپنے حوالہ لکھے ہیں وہ بہی منجملہ اُنہیں کے ہیں اور شاہ صاحب تو اپنی دروغگوئی میں بہی ہوئی تہی مگر آپ بہی
طعن سنان ملام اہل حق سے نجات نہ پائیں گے **قال الشیخ الاشعری** - صاحب تحفہ کی راست بازی اور تبحر ہی کے بہروسہ منصفان شیعہ کیخدمت
میں عرض پرداز ہوں کہ فقط میری بے سر و سامانی کے خیال سے بیدماغی نفرماویں نقل کو اصل سے مطابق کر دیکہیں اکثر کتب منقول عنہا کتب مشہورہ
معتبرہ شیعہ ہیں نادر الوجود و کمیاب نہیں **اقول** - راست بازی صاحب تحفہ کی آپ پر ہم پہلے اس سے منکشف کرچکے کہ علماء اہل سنت میں اُنکی برابر کوئی عالم
دروغ نویس نہوگا اگر اُنکی کتاب تحفہ کے دروغ مجتمع کئے جائیں تو ایک کتاب ضخیم تیار ہو اور جب صاحب تحفہ کے بزرگان خدیعت شعار کے دروغ و بہتان شیعہ
ظاہر کرچکے تو صاحب تحفہ کس شمار میں ہیں اُنکو تو قدیم سے عام فریب جانتے ہیں اور بیدماغی شیعان باصفا کا کام نہیں ہے نقل کو اصل سے بعد تصنیف
تحفہ کے مطابق کرلیا ہے اور دروغ صاحب تحفہ دریافت کرکے فارغ البال ہوئے ہیں اب کچھہ ضرورت مطابق کرنے کی نہیں ہے لیکن بعد اسکے اپنے اپنے
مقام پر اطلاع کردی جائیگی **قال الشیخ الاشعری** اسکا اندیشہ نکریں کہ مطابقت ہوئی تو ماننا پڑیگا خدا نے خود فرمایا ہے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰہُ فَلَا هَادِیَ
لَہٗ **اقول** مطابق نکرنا روایات کا کار اہل سنت کا ہے اور شیعوں کی کتاب کو اس اندیشہ سے نہیں دیکھتے ہیں کہ مذہب میں تزلزل پیدا ہوگا اور
شیعان علی بن ابیطالب مطابقت کرنے سے کبہی اندیشہ مند نہیں ہوتے کہ اہل سنت کے علماء کا دروغ اُنپر واضح ہوگیا ہے یہ جانتے ہیں کہ مطابقت

میں اہل سنت ہی جھوٹے نکلینگے پہر اندیشہ کس بات کا کریں اور مطابقت روایات میں آپکو ہمیشہ اندیشہ رہتا ہے اسی واسطے مثل اپنے شیعوں پر بھی اپنا قیاس جاری کیا نعوذ باللہ منہا جو امر حق ہے شیعہ اُسکے پیرو ہیں اُنکے عقیدہ میں کسی طرح تزلزل ہی نہیں ہوتا یہہ کام تو آپکی ہی گروہ کا ہے کہ حق کو ہمیشہ پوشیدہ رکھتے ہیں اور باطل پر اصرار کرتے ہیں نافرمانی خدا اور رسول سے کچھہ اندیشہ تمکو نہیں ہے چنانچہ فرمان واجب الاذعان جناب رسول خدا صلعم اِیتُونِی بِقِرطَاسٍ صادر ہونا اور اُسکو نہ ماننا اور وہ حضرت فرماویں کہ جہز وا جیش اسامہ اور اُس سے تخلف کرنا تمہارے بزرگوں کا شعار ہر وضیع اور شریف پر ظاہر اور ہویدا ہے اپنی کلچہن اوروں کو کیوں لگاتے ہو اور یہہ آیت جو لکھی اس سے یہہ مراد نہیں ہے کہ جو تم کہتے ہو کہ خدا گمراہ کرتا ہے بلکہ مراد اُس سے یہہ ہے کہ خدا جسکو گمراہی میں پڑا رہنے دیتا ہے اور یہہ آیت اہل سنت ہی کی شان میں ہے کہ وہ خود مقر ہیں کہ فاعل حقیقی لوگوں کے افعال کا خدا ہے اور وہی گمراہ کرتا ہے اور بندے مجبور ہیں اور شیعہ بیچارے تو قدیم سے اس عقیدہ سے بری ہیں قال الشیخ الاشعری پہر کیا اندیشہ ہے خدا کی فرمائی ہوئی باتوں میں تو یہہ بات پائی ہی نہیں جاتی کہ جو سمجھہ میں آجائے تو اُسکو ماننا ہی پڑے اقول خدا کی باتوں میں تو ہمیشہ یہی بات ہے کہ جو سمجھہ میں آجائے اُسکا ماننا ضرور اور واجب ہے مگر آپکو تو پیروی اپنے بزرگان سلف کی ہے کہ ہمیشہ ارشاد فیض بنیاد جناب رسالت مآب سنتی تھے اور برای العین دیکھتے تھے اور بخوبی سمجھہ میں آتا تہا اور پھر منحرف ہوجاتے تھے چنانچہ قصہ حدیث غدیر خم مشہور و معروف ہے کہ بعد ارشاد آنحضرت بخوبی سمجھہ گئے اور بخ بخ لک یا علی کہہ چکے اور جو جو مدارج مبارک بادکی تہی وہ ادا کر چکے اور پھر بعد رسول مقبول اپنی پاشنوں پر ہٹ گئے سو دیکھہ لو کہ کون سمجھہ کر نہ ماننے والوں میں سے ہوا ایسی عبارات فضول سے سوا اپنی خرابی کے اور کچھہ فائدہ اُس سے نہیں اُٹھاتے ہو اور جو بت بناہے کرتے ہو وہ آپ ہی کی گردن میں طوق ہو چکا ہے قال الشیخ الاشعری اس گنہگار بیمدان کی بات میں یہہ بات کہاں اقول یہی حق ہے کہ آپ کی بات میں راستی کجا کہ جو کوئی اُسکو ملنے وساوس شیطانی ہیں جسوقت لاحول زبان سے نکلی فوراً دفع ہوگئی قال الشیخ الاشعری معہذا حق تو ماننے ہی کے لئے ہے اگر حق کو تسلیم ہی کرلیا تو کیا نقصان ہے اقول مومنین اور اہل حق کا تو تسلیم کیا ہوا حق روز ازل سے ہے کیونکہ یہہ لوگ بقیہ خمیر ذریت رسول مقبول سے پیدا ہوئی ہیں مگر آپ کو حق کے ماننے میں بڑی خرابیاں دکھلائی دیتی ہیں کہ حق آل رسول صلعم جو غصب ہوا ہے اگر اُسکو مان لیں تو سنت شیخین درہم و برہم ہوجائے اسواسطے کہ چونکہ آپکو خوف معلوم ہوتا ہے حق کے ان لینے میں اوروں پر بھی آپکا یہی قیاس ہے نعوذ باللہ منہا اس خیال فاسد کو فرقہ حقہ شیعان پاک سے دور رکہئے اللہ تعالیٰ خود اُنکا حافظ اور ناصر ہے قال الشیخ الاشعری تطبیق میں کاہلی نکریں مع مطابقت اگر فرق نکلے تو وہ میری ذمہ اقول ہمنے تطبیق میں کاہلی نہیں کی بلکہ مطابقت کی تو بہت فرق پایا اور جب فرق پایا تو آپکا ہم کیا کر سکتے ہیں بجز نفرین کرنے اور لعنۃ اللہ علی الکاذبین کہنے کے اور ایسی گفتگو عامیانہ کرنے سے نہ معلوم اس شخص کو کیا فائدہ ہے نہ یہہ طریقہ مناظرہ کا ہے نہ تمیز والوں کا مگر یہہ بیچارہ کیا کرے فکر ہر کس بقدر ہمت اوست علم و شعور سے تو بے نصیب ہے مناظرہ کو جی چاہا تو کچھہ خرافات تحفہ سے نکالکر اور کچھہ بازاری گفتگو اپنی طرف سے ایجاد کرکے اُسکا ایک مجموعہ تیار کیا اور صاحب تصنیف کہلانیکو آمادہ ہو بیٹھے تف ہے ایسی خواہش نفسانی اور وساوس شیطانی پر قال الشیخ الاشعری مگر میں جانتا ہوں کہ میرے بے کہے شیعہ اس بات کو جانتے ہونگے کہ اہل سنت کے نزدیک جھوٹ بولنا خصوصاً دین کے مقدمہ میں سخت ممنوع اور منجملہ کبائر ہے اقول سب فرقہ ناجیہ اثنا عشریہ بلکہ تمام مردان روی زمین و ساکنان ملاء اعلےٰ بخوبی تہ دل سے جان رہے ہیں کہ فرقہ اہل سنت و جماعت بلکہ تمام بزرگان سلف اُنکے دروغ گو کذاب مفتری حق فراموش محسن کش مفسد بانی فساد طالب دنیاء دوں ہیں علے الخصوص مقدمہ دین میں سوائے کذب و افتراء صریح کے اور کچھہ کام اس فرقہ کا نہیں چنانچہ اس فعل قبیح کے خود خلیفہ ثانی صاحب اپنی زبان سے پیش جناب امیر علیہ السلام اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ مقر ہیں کہ تم ابو بکر کو اور مجھکو کاذب جانتے ہو چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے سو طریقہ حضرت علی کا یہہ نہتا کہ بے سبب کسی کو متہم بہ کذب کریں اسواسطے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ عَلِیٌّ مَعَ الحَقِّ وَالحَقُّ مَعَ عَلِیٍّ اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ بصرہ میں جسوقت عایشہ نے سنا کہ یہہ حواب وہی مقام ہے کہ جسکی رسول خدا صلعم نے خبر دی تہی اور فرمایا تھا کہ ایسا نہو کہ ای عایشہ وہ تو ہی ہو اُسوقت عایشہ نے ارادہ کیا کہ میں بصرہ سے اُلٹی پھر جاؤں تو ابن زبیر نے چالیس مسلمانوں سے جھوٹی گواہی دلوائی کہ یہہ حواب وہ مقام نہیں ہے جسکی رسول خدا صلعم نے خبر دی تہی سو طریقہ دروغگوئی کا اہل سنت میں ہمیشہ سے چلا آیا ہے اور یہہ باتیں آپکی معتبر کتابوں میں لکھی ہیں اگر کچھہ شرم دنیا اور حیاء عقبیٰ ہے تو اپنی کتابوں میں برائی العین مشاہدہ کرکے تصدیق کلام اس نحیف کے کریں مگر آپ کو تو فضل الٰہی سے جھوٹ بولنے کی شرم نہیں ہے

ورا گر ظاہر بھی ہوا تو کیا اور دروغگوئی پر تمہاری تو کیا بلکہ مولوی عبد العزیز صاحب کی دروغ گوئی پر بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں تمکو ہم مطلع کریں گے اور دروغگوئی اگرچہ ہر ملت و مذہب اہل دنیا میں منجملہ کبائر ہے لیکن فرقہ اہل سنّت میں سنّت خلفاء ثلثہ ہے اور اگر آپ قیام سنّت سلف پر نکرینگے تو اس مذہب سنّت جماعت سے خارج ہو جاینگے **قال الشیخ الاشعری** وہ ہم نہیں کہ مثل مولوی عمار علی صاحب مشارالیہ پیشوا و پیش امام شیعہ کہ وہ بظاہر مولوی عمار علی سونی پتی معلوم ہوتے ہیں غلط موضوع کو صحیح اور ضعیف کو قوی اور غیر معتبر کو معتبر کہدیں یا محض بے اصل کے جھوٹ سچ کو اصل گھڑ دیں چنانچہ ناظران رسالہ پر واضح ہو جائیگا کہ مولوی صاحب موصوف نے خط مذکور میں کیا کیا ستم کئے ہیں **اقول** خدا نکرے کہ آپ مثل جناب مستطاب مولوی عمار علی صاحب کے ہوں انکی مثل نہونیکا قول آپکا سچا ہے کہ وہ نور ہیں اور آپ نار ہیں اور وہ روز روشن ہیں اور آپ شب تار ہیں اور وہ آفتاب درخشندہ علوم نبوی ہیں اور آپ ظلمت جہالت اشعری ہیں آپکو ان سے کیا نسبت اور انکو آپ سے کیا مشابہت اور وہ بیشک پیشوا و پیش امام شیعہ اور دین مبین سیّد المرسلین ہیں اور سونی پتی ہونا انکا کالشمس فی وسط النہار واضح اور ہویدا ہے کلمات مشتبہ سے یاد کرنا انکا آپکی تیرہ درونی اور بے بصیرتی پر دلیل قاطع ہے اور غلط موضوع کو صحیح اور ضعیف کو قوی اور غیر معتبر کو معتبر کہنے کی تہمت انپر گویا چاند پر خاک ڈالنا ہے یہہ پیشہ علماء فرقہ سنّت وجماعت کے حصّہ میں آیا ہے اور علماء شیعہ اس سے بری اور پاک ہیں ایسے بزرگواروں پر ایسی تہمت کرنے اپنے دین و ایمان کا خراب کرنا ہے مگر آپ کو در اصل دین و ایمان سے کچھ بہرہ ہی نہیں ہے اسکا کیا ڈر ہے اگر کچھ شرم و حیا تھی تو اس دعوی کو آپ لکھتے کہ فلاں روایت موضوع ہے اور انہوں نے اسکو صحیح اور فلاں روایت ضعیف تھی اسکو قوی لکھدیا ہے اور بغیر دلیل کے قول آپکا قابل التفات عقلاً نہیں ہے کیونکہ جن جن کتابوں کا حوالہ جناب مستغنی التوصیف نے دیا تھا انکو دیکھ کر ضعیف و قوی اور معتبر اور غیر معتبر کی سند لاتے تو اسوقت آپکا کلام قابل سماعت تھا اب تو آپکی وہی نقل ہے کہ ناچ نجانوں آنگن ٹیڑا مطالعہ کتب حقّہ سے تو اقراری بے نصیبی آپکو حاصل تھی اور اس تحریر سے صاف ظاہر ہو گیا کہ اپنی کتب معتبرہ کے دیکھنے سے بھی آپ بے بہرہ و محروم ہیں اور ظاہر ہوا ستم کا جو نسبت جناب ممدوح الذکر کے آپ لکھتے ہیں آپکا رسالہ حرف بحرف باطمینان خاطر دیکھا گیا کسی جگہہ سوا لغویات اور ہفوات کچھہ ثبوت آپکے دعوی کا نہ دیکھا اور ستم کرنا آپکا ہے بعد مطالعہ رسالہ ناظرین کو بخوبی ثابت ہو گیا **قال الشیخ الاشعری** ہمکو یہہ گمان تھا کہ شیوہ دروغ بنا ہی زمانہ سابق کے علماء شیعہ پر ختم ہو چکا مگر غنیمت ہے کہ انکے خلف الرشید اب تلک بہت باقی ہیں **اقول** یہہ بدگمانی آپکی محض مبنی بہ بے ایمانی ہے علماء شیعہ کی راستبازی قدیم سے اظہر من الشمس و ابین من الامس ہے اپنی علماء دین بلکہ ائمہ معتبرین کی کلہین علماء شیعہ کو کیوں لگاتے ہو ابو حنیفہ کی خبر نہیں لیتے کہ بقول امام غزالی اور صاحب تاریخ بغداد شرع نبوی کو منقلب کر دیا اور پلٹ دیا اور ابو یوسف کا ہارون رشید کی خاطر سے جھوٹے فتاوی دینے تاریخ الخلفاء میں موجود ہے اپنے گریبان میں مونہہ ڈالکر دیکھو کہ امام مالک جو استاد اور امام برحق شافعی اور حنبل کے ہیں انہوں نے بطمع دنیا بپاس خاطر خلفاء جور کیا فتوے دیے ہیں کہ جن سے کتب مملو ہیں حاجت اظہار نہیں مخالفت باہمی کے دیکھنے سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ کیا کیا ستم دروغ اور بہتان کے خلاف حکم خدا و رسول ظاہر ہوتے ہیں تفصیل کو اسکے باعث بخش ناظرین سمجھہ کر درج اوراق نہیں کیا اپنی مخاطب کی طرح مجمل ہی عرض کیا اور مولوی عبد العزیز صاحب تو اسقدر دروغ نویس ہیں کہ جس کی انتہا ہی نہیں ہے چنانچہ بعد اسکے کچھہ معلوم ہی ہو جائیگا اور اس کاذب نے تو سبھوں کے سروں پر خاک ڈالی اور اپنے علماء کی تہمت علماء شیعہ پر باندھی لیکن کیا ہوتا ہے اس فرقہ ضالہ نے کب و کس زمانہ میں ایسے امور میں کوتاہی اور کمی کی ہے صدیقین اور صالحین اسلام کے باب میں کیا کیا زیادتی نکی ابتدای اسلام سے آجتک یہہ لوگ نور ہدایت و یقین کے چھپانے میں مصروف ہیں مگر خدا تعالی بحکم جاء الحق و زہق الباطل ایک ایسا ہادی پیدا کرتا ہے کہ وہ اس نور کو ظاہر کرتا رہتا ہے۔ **قال الشیخ الاشعری** دعوی ہبہ فدک حضرت زہرا کے طرف سے سنیوں کی معتبر کتابوں کے حوالہ سے بیان کرنا اور حضرت رقیہ اور حضرت ام کلثوم اور حضرت زینب رضی اللہ عنہا دختران رسالت پناہی صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے منقطع کرنا یہہ مولوی عمار علی صاحب جیسے مقتدا و پیشوای شیعہ سے ہو سکتا ہے **اقول** دعوی ہبہ فدک حضرت زہرا کی طرف سے اہل سنّت کی بیس کتب معتبرہ سے زیادہ ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے انشاء اللہ تعالی خط کے جواب کے رد میں اسکا ذکر آئیگا تو نام ان کتابوں کے لکھے جائینگے اسوقت تیری آنکھیں کھلینگی اسکا انکار کرنا زمین و آسمان کا انکار کرنا ہے اسواسطے کہ کتب معتبرہ سنیوں کے مملو اس قصہ سے ہیں اسکی کتب معتبرہ میں ہونے سے تیری تو کیا اصل ہے

اگر تمام روے زمین کے سنّی متفق ہوکر انکار کریں تو کچھہ نہیں ہوسکتا اگر کچھہ شرم و حیا تجھکو تھی تو جن کتابوں کا حوالہ ہمارے مولوی صاحب نے دیا تھا انہی کتابوں میں دیکھہ کر معلوم کرتا کہ یہہ حوالہ راست ہے یا دروغ ہے اور بغیر دیکھے بہالے مولوی عبد العزیز صاحب دروغ نویس کے دہوکا دینے سے جو تو انکار صریح کرتا ہے تو یہہ ایسا ہے جیسے کہ مشہور ہے دروغ گویم بروئ تو اور یہہ امر ایسا مشہور و معروف ہے کہ اسکا انکار کرنا مثل انکار ذات خدا ہے اور حضرت رقیہ اور امّ کلثوم اور زینب کو جو لکھا ہے کہ رسول اللہ صلعم کی نسبت سے منقطع کر دیا تو جناب ممدوح نے یہہ روایت مثل آپکی منہجوڑی درج خط نہیں فرمائی ہے بلکہ بموجب روایت کتب حقہ تحریر فرمائی ہے چنانچہ بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** کیونکہ متابعت بزرگان ایسے ہی بزرگوں کا کام ہے کہ جھوٹ بولنے کو جی چاہتا تھا تو ایسا بولنا تھا کہ پیش جا سکتا اور کسیکی خیال میں آسکتا ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تھا کہ ایک شخص کے سنّی ہوجانیکی اندیشہ سے نہ خدا تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمائے اور نہ ائمہ معصومین کا کچھہ پاس و لحاظ کیا **اقول** افسوس ہے کہ تونے مولوی عبد العزیز صاحب دروغ نویس کی پیروی سے اپنا ایمان خراب کیا کہ دعوی فدک کا انکار کیا اور جن کتابوں کا حوالہ دیا تھا اُنہیں نہ دیکھا اور مولوی عبد العزیز صاحب نے انکار اُس امر کا کیا ہے کہ جو اہل سنّت کی بچیس تیس کتابوں میں لکھا ہے اور اُنکی پیروی سے تونے انکار کیا ہے کوئی ایسا ہی جھوٹ صریح بولتا ہے کہ اسقدر کتابوں کا انکار کرے اُسکو کون تسلیم کریگا مگر متابعت بزرگان ایسی ہی بزرگوں کا کام ہے کہ جھوٹ بولنے کو جی چاہتا تھا تو ایسا بولتا تھا کہ پیش جا سکتا اور کسیکے خیال میں آسکتا ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تھا کہ بیس تیس کتابوں کی تحریر کا انکار کیا نہ خدا تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شرمای اور نہ خلفاء ثلثہ کا کچھہ پاس و لحاظ کیا اور دعوی ہبہ فدک جو اسقدر کتابوں میں لکھا ہے تو ایسا یقینی ہے کہ جیسے سورہ الحمد اور قل ہو اللہ کا قرآن میں ہونا یقینی ہے اور انکار اسکا ایسا ہے جیسے کہ الحمد اور قل ہو اللہ کے قرآن میں ہونیکا انکار ہو اور ایسے امر واضح کو یہہ شیخ دروغ کہتا ہے اور طوفان تبلاتا ہے اگر ہم کہیں کہ قرآن شریف میں قل ہو اللہ لکھا ہوا ہے اور یہہ شیخ اُسکے جواب میں کہے کہ یہہ جھوٹ ہے اور ایسا طوفان کہیں نہیں سنا تھا تو اس سے کچھہ بعید نہیں ہے ارے نادان حضرت سیدۃ نساء العالمین فرزند خاص رسول خدا صلعم کو جنکی شان میں احادیث متواترہ کتب فریقین میں مثل آفتاب درخشاں کے مندرج ہیں تیرے بزرگوں نے دعوی ہبہ فدک میں جھوٹا قرار دیا اور حق وراثت سے مثل فرزند عاق کے محروم رکھا اگر تو اُنکے کسی فرزند حق گو راستی پسند کو جھوٹا قرار دے تو کیا عجب ہے **قال الشیخ الاشعری** حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ النساء کے خلیفہ ثانی سے نکاح کا ذکر نکرنا تو اسپر ہی بتکلف محمول ہوسکتا ہے کہ ایک کو ذکر نہیں کیا تو باقیوں سے انکار ہی نہیں کیا پر یہہ بات کہ حضرت رقیہ وغیرہ رضی اللہ عنہا دختران سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم ہی نہیں **اقول** یہہ ناصبی کس طرحکا نامعقول ہے کہ مکرر سہ کرر وہی ایک عبارت و مضامین خلاف داب مناظرہ کے لکھہ کر داعی جواب ہوتا ہے اور شرم نہیں کرتا کہ دو سطر پہلے ہی تو یہہ ذکر تھا اور اسکے درمیان میں حضرت ام کلثوم کے نکاح کا ایک جملہ معترضہ چھیڑ دیا اور صرف اسی مقام میں یہہ تکرار اسکا نہیں ہے بلکہ آیندہ جہاں سے کہ جواب خط شروع کیا ہے وہاں ذکر اسکا زیادہ ہے انشاء اللہ تعالی ناظرین اوراق جواب اسکا دندان شکن اور مسکت ملاحظہ فرماکر حظ وافر اوٹھائینگے اور بعد اُسکے ذکر حضرت ام کلثوم بنت سیدۃ نساء العالمین کا ہے کہ اُنکا نکاح عمر سے ہرگز نہیں ہوا ہے اور مفصل بیان کیا جائیگا **قال الشیخ الاشعری** اور حضرت زہرا کا دعوی ہبہ فدک کرنا اہل سنت کی معتبر کتابوں سے ایسا دروغ صریح ہے کہ کسی احتمال صحیح پر کسی طرح منطبق نہیں ہوسکتا چنانچہ بعد ملاحظہ رسالہ ہذا انشاء اللہ میرے قول کی بخوبی صحت معلوم ہوجائیگی یہہ وہی مثل ہے دروغ گویم بروی تو **اقول** دیوانوں کی سی باتیں جو پہلے لکھہ چکا ہے پھر وہی لکھتا ہے ارے عقل کے دشمن ہم پہلے اس سے تنبیہ کر چکے ہیں کہ مندرج ہونا دعوی ہبہ فدک کا کتب معتبرہ اہل سنت میں ایسا یقینی ہے کہ جیسا سورہ الحمد اور قل ہو اللہ کا قرآن مجید میں مندرج ہونا یقینی ہے کہ کسی احتمال پر دروغ ہونا اُسکا منطبق ہی نہیں ہوسکتا جیسے آفتاب درخشاں کا روز روشن میں اور ماہ تاباں کا شب ماہ دہم میں اگر کوئی منکر موجود ہو تو اُسکا ہی منکر ہوسکتا ہے جسوقت ہم ہبہ فدک کے ذکر میں روایتیں دعوی ہبہ کی تیری کتب معتبرہ سے نقل کرینگے اُسوقت تیری آنکھیں کہلینگی جھوٹ تو تو لکھتا ہے اور ہماری طرف جھوٹ کو منسوب کرتا ہے اور تونے ایسا دروغ صریح لکھا ہے کہ اسمیں تونے تمام روی زمین کے جھوٹوں کی ناک کاٹ ڈالی مقام افسوس ہے کہ دروغگویاں سلف کو اسکی موت آئے اور اس کذاب الکاذبین کا سر ہی کبھی نہیں مڑ کہتا اسکی نقل وہی مشہور ہے کہ دروغ گویم بروی تو اور ایسے دروغ گو ہٹ دہرم کا کیا بگڑتا ہے اگر اہل حق کے مقابلہ میں یہہ ہی کہدے کہ ہماری جن کتابوں کا تم حوالہ

دیتے ہو یہہ کتابیں ہماری نہیں ہیں کسی شیعہ نے لکھہ کر ہماری نام سے منسوب کردی ہیں اور جب جواب اُن روایتوں کا نہیں آتا ہے تو یہہ تو کہتے ہی ہیں کہ شیعوں نے ہماری کتابوں میں یہہ روایتیں اپنے مطلب کی داخل کردی ہیں اور جب کوئی مقام گریز نہیں پاتے ہیں تو جھوٹی کتابیں اپنے دل سے تجویز کرکے شیعوں کیطرف منسوب کردیتے ہیں چنانچہ بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں اسکا بھی ذکر ہوگا اور یہہ جو لکھتا ہے کہ بعد ملاحظہ رسالہ ہذا انشاء اللہ ہر قول کی صحت بخوبی معلوم ہوجائیگی سو اُس مقام میں سوائے انکار روایت کے اسنے کچھہ نہیں لکھا اور ہم اسکے انکار کے جواب میں بیس کتابوں سے زیادہ کا حوالہ دینگے کہ جن میں یہہ روایت دعوی ہبہ فدک کے موجود ہے **قال الشیخ الاشعری** لیکن بغور دیکھئے تو مولوی صاحب کی ہی اسمیں کچھہ تقصیر نہیں آخر مذہب اہل سنت بشہادت کلام اللہ و عترت رسول صحیح اور مذہب شیعہ بشہادت کلام اللہ و عترت رسول سر بسر غلط ہے **اقول** اپنے مونہہ میاں مٹھو بنتے ہو کوئی دلیل بھی تمہارے پاس ہے اہل سنّت کے مذہب کے اچھے ہونیکی اور شیعوں کے مذہب کے غلط ہونے کی بلکہ حق یہہ ہے کہ مذہب شیعہ بشہادت قرآن اور محبت اور تقلید عترۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صحیح ہی اور مذہب اہل سنّت بعداوت اہل بیت اور عدم تمسک عترۃ سراسر غلط ہے قرآن میں تو خدا تعالی نے فرمایا ہے کہ قُلْ لَا اَسْئَلُکُمْ عَلَیْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِی الْقُرْبٰی سو عوض مودّت کے کونسی عداوت اہل بیت اطہار سے بانی مبانی مذاہب اہل سنت نے اُٹھا رکھی ہے یعنی حق دختر رسول خدا صلعم کا غصب کرنا اور اُس سیدہ نساء العالمین کو ایذا پہنچانے اور اُسکے برادر اور وصی برحق کا حق خلافت غصب کرنا اور خانہ فاطمہ کے گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیجانے اور سبطین جگر گوشہ رسول الثقلین پر وہ زیادتی کرنے کہ آجتک اُن کے مصائب کو یاد کرکے روتے ہیں اری نادان جس نے حضرت زہرا کا حق غصب کیا وہ مذہب اہل سنت کا پیشوا کیا نتھا جس نے ارادہ فاطمہ زہرا کے گھر جلانیکا کیا کیا وہ مرشد کامل مذہب اہل سنّت کا نتھا اور جسکو کلام اللہ جلوا اور عایشہ نے اُسکے حق میں کہا کہ اُقْتُلُوا نَعْثَلًا کیا وہ سرکردہ مذہب اہل سنت نتھا اور جس نے حضرت امام حسن کو زہر دلوایا اور اُنکے مرنیکی خبر سنکر تکبیریں کہیں کیا وہ بانی مذہب اہل سنت نتھا بلکہ صواعق محرقہ سے واضح ہوتا ہے کہ اس مذہب کا نام سنت جماعت اُسی نے رکھا ہے اور خلیفہ حق و امام صدق اُسکو لکھا ہے اور یہہ معاویہ وہ شخص تھا کہ مدۃ العمر حضرت علیؑ کو گالیاں دیتا رہا اور اُسکے ہمراہی جو کہ محاربہ کرنیوالے نفس رسول کے تھے کیا وہ پیشوایان اہل سنت نتھے اور جس نے خامس آل عبا کو شہید کروایا کیا وہ مرید ثلثہ کا اور سنت جماعت میں سے نتھا اور جن بنی اُمیہ اور بنی عباس نے اولاد رسول مقبول کو قتل کروایا او زہر دلوایا اور دیواروں میں چنوایا بے جرم و خطا کیا وہ سنّی مذہب کے نتھے محبت کا تو اہل بیت علیہم السلام کے یہہ حال ہے اور پیروی اہل بیت کی نکرنے کو بھی علمائے اہل سنّت خود ہی لکھتے ہیں کہ ہم اُنکی پیروی نہیں کرتے بلکہ امامیہ اُنکی پیروی کرتے ہیں چنانچہ بعد اسکے اسکا بھی ذکر آتا ہے پس مقام شرم ہے کہ شہادت کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلعم سے ایسے مذہب کو برحق لکھنا اور دعوی اسلام کرکے بمقابلہ اہل حق آنا نہایت بے حیائی ہے اگر کچھہ بھی حیا ہوتی تو اس شہادت کو زبان پر بھی نلاتے بلکہ اہل حق کو مونہہ تک نا کہاتے اور عترت رسول مقبول وہ عترت ہے کہ جن کی شان میں خود جناب رسولخدا صلعم حدیث ثقلین میں فرماتے ہیں کہ کلام اللہ اور عترت پاک اپنے کو میں درمیان تمہارے چھوڑے جاتا ہوں اگر متمسک ہوگے تم ان دونوں سے تو کبھی ضلالت و گمراہی میں نہ پڑوگے سو مودت ذوالقربی تو آپکے پیشوایان مذہب کے معلوم ہوگئے کہ مودت کی عوض میں عداوت کی اور شہادت حدیث سے بھی یہہ مذہب اہل سنت غلط صریح ہے کہ آجتک اہل سنت کو تمسک عترت رسول خدا صلعم سے نہیں ہے اور یہہ امر اظہر من الشمس ہے اسواسطے کہ اہل سنت اصول میں تو پیرو ابو الحسن اشعری او ابو المنصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں مقلد ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور حنبل کے اگر کہیں بھولے سے روایت عترت رسول سے کتب معتبرہ میں آپکی آئی ہے تو اُسکے مقابلہ میں دیگر اشخاص غیر عترت رسول کو ترجیح دیکر اُسکو رد کردیا ہے چنانچہ اثبات اسکا آیندہ انشاء اللہ تعالی خاطر نشان ناظرین ہوگا پس اگر حقانیت مذہب اہل سنت بجائے مودت عداوت اور بجائے پیروی برات ہے تو تف ہے ایسی حقانیت پر اور اف ہے ایسے مذہب پر اب ناظرین با انصاف کو بخوبی ثابت ہوگیا کہ کونسا مذہب صحیح ہے اور کونسا مذہب سراسر غلط ہے **قال الشیخ الاشعری** اور باوجود اسکے پھر اپنے پیشواؤں کو دیکھا کہ مذہب شیعہ کو حق اور مذہب اہل سنت کو باطل کہتے ہیں تو مولوی صاحب ممدوح بحسب اعتقاد بزرگان یہہ سمجھہ بیٹھے کہ حق غلط ہی باتونکو کہا کرتے ہیں اور کیونکر نہ سمجھیں آخر مولوی صاحب عمدہ علمائے شیعہ ہیں **اقول** جناب مستطاب ممدوح کے عمدہ علماء شیعہ ہونے میں کچھہ شک نہیں ہے ہر موافق اور مخالف اُنکے فضل و کمال کا قائل ہے اہل حق تو جان و دل سے ذات مقدس جناب ممدوح کو ہادی دین مبین و مفتی شرع مبین سید الاسلام والمسلمین سمجھکر اپنی جان کو اُنپر نثار کرتے ہیں اور مخالفین بھی جاہلوں کا توسل بمخاطب کے

ذکر نہیں ہے اُنکے علم و تحقیق و تقوی و زہد کو دل میں سمجھہ رہتے ہیں گو زبان سے کہیں یا نہ کہیں اور غلط کو حق سمجھنا اور پیروی اُن پیشوایان سلف کی کرنا جو کہ جہلاء محض اور طالبان دنیا تھے یہہ طریقہ نامرضیہ شعار اہل سنت کے علماء کا ہے اور علماء شیعہ ایسے امور ناز یبا سے اور ایسی حرکات بیجا سے منزہ اور پاک ہیں کہ وہ پیرو وارثان علوم نبی ہیں اُن سے ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا کہ وہ غلط کو حق سمجھیں اور غلط کو حق سمجھنے والے وہی لوگ ہیں کہ جو جہلاء کے مثل ابو بکر و عمر کے پیروی کرتے ہیں اور شیعوں کے نسبت ایسے کلمات دور از عقل اور ایسے احتمالات لاطائل لکھکر اپنی بے ایمانی اور ناصبیت کا ظاہر کرنا ہے کیونکہ جناب ممدوح علماء دین مبین اور جگر گوشگان جناب سیدۃ النساء العالمین بنت خیر المرسلین صلوات اللہ علیہم اجمعین میں سے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بعد ازیں کلام اللہ کی تلاوت کا جو بہولے چوکے اتفاق ہوا تو سورہ احزاب میں یہہ آیت نکل آئی وَاللّٰهُ لَا يَسْتَحْيِي مِنَ الْحَقِّ یعنی اللہ تعالی حق بات سے شرم نہیں کرتا چونکہ مولوی صاحب کو بزعم خود کمال اتباع خداوندی مدنظر ہے تو اپنے عندیہ میں غلط باتوں پر ہیز کرنا خلاف اخلاق خداوندی سمجہکر جھوٹ بولنے سے شرم طاق میں اُٹھا دہری اور بے ساختہ مثل پیشوایان قدیم کہ اُنکی متابعت بھی بزعم مولوی صاحب موجب سعادت ہے اور حضرت ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین نے اُنکے حق میں بد دعائیں کی ہیں اور اُنکو جھوٹا بتلایا ہے اور اُنکی باتوں سے رنج اُٹھایا ہے اُنہوں نے بھی افترا پردازیوں پر کمر باندہی تاکہ اُنکی متابعت کے صدقے حضرات ائمہ رضوان اللہ علیہم کی دعا نہیں تو بد دعا ہی میں شریک ہو جائیں **دوہرہ** رس رس کے اے سکھی تیرے دونوں سبا سہائے ؛ ٹہنڈے تتے نیر جوں دونوں آگ بجہائے ؛ **قطع کیجے** : تعلق ہمسے کچھہ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی **اقول** بے ارادہ بہولے چوکے تلاوت قرآن کرنا کام تمہارا ہے اور ہم تلاوت قرآن کی بصدق دل اور نیت خالص کرتے ہیں اور اتباع خداوندی ہمارے مولوی صاحب کو اعتقاد صحیح سے ہے اور زعم سے اتباع خداوندی شعار تمہارا ہے اور غلط باتوں سے پرہیز کرنا خلاف اخلاق خداوندی تمہارے علماء سمجھتے ہیں اور جھوٹ بولنے سے اُنکو شرم نہیں آتی علی الخصوص مولوی عبد العزیز صاحب مولف تحفہ کہ اُنہوں نے اپنے تحفہ کو جھوٹ باتوں سے پُر کیا ہے چنانچہ بعد اسکے تجھکو بخوبی معلوم ہو جائیگا جسوقت ہم اہل سنت کی کتابوں سے اُنکا دروغ لکھنا ثابت کرینگے اور ہمارے مولوی صاحب کا کام دروغ نویسی نہیں ہے وہ تو جو کچھہ لکھتے ہیں روایات کتب اہل سنت سے لکھتے ہیں اور بعضے محل پر شیعوں کے روایت کے موافق لکھتے ہیں لیکن تصریح کر دیتے ہیں کہ یہہ روایت کتب اہل سنت کی ہے یا کتب شیعہ کی اور ہمارے پیشوا سب اہل حق تھے اور جب وہ حق پر نہوئے تو واقعی میں پیروی اُنکی البتہ موجب سعادت ہے زعم کو اس میں کیا دخل ہے اور ائمہ علیہم السلام نے اُنکے حق میں بد دعا نہیں کی ہے اور بعد اسکے جو تو اُنکا نام لکھیگا اور ہم اُسکا جواب لکھینگے تو معلوم ہوگا کہ اُنمیں سے اکثر پر تو افترا تیرا ہے کہ اُنکے حق میں ہرگز بد دعا نہیں کی ہے اور اُنمیں سے اگر کسی بعضے کے حق میں جو بد دعا کی ہے تو اسواسطے کہ وہ اشخاص اُس زمانہ میں مذہب باطل پر تہے اور خلاف حق کے بیان کرتے تہے اور بعد اسکے اُنہوں نے مذہب حق کو اختیار کیا تہا اور وہ حق ہی پر مرے بہی تہی اور جب حق کیطرف رجوع لی تو ائمہ علیہم السلام نے اُنکی مدح کی ہے چنانچہ بعد اسکے ہم لکھینگے اور جھوٹے تیری علما تہے کہ خوشامد سلاطین بنی اُمیہ اور بنی عباس سے جھوٹے مسائل جی سے جوڑ کر واسطے حاصل کرنے انعام کے بیان کرتے تہے تیری ہی کتابوں میں یہہ لکھا بہی ہے اور بعضی باتوں کو اُنکی انشاء اللہ تعالی بعد اسکے ہم ذکر بہی کرینگے **قال الشیخ الاشعری** تفصیل اس اجمال کی کہ اہل سنت کا مذہب ثقلین یعنی کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے موافق ہے اور شیعوں کا مذہب مخالف ثقلین اور یہ بات کہ پیشوایان شیعہ کے حق میں حضرات ائمہ نے کیا کیا کچھ کہا ہے اس رسالہ مختصر میں سما نہیں سکتے لیکن بطور نمونہ ایک ایک دو دو باتیں عرض کرنی ضرور پڑیں اہل انصاف اُس ہی سے سمجھ جائیں گے مشتے نمونہ خروارے بعد ازآں اُس خط کے تردید مناسب وقت کی جائیگی **اقول** تفصیل اس تیرے اجمال کی سب باطل ہے اور اہل سنت کا مذہب ہرگز موافق کلام اللہ اور عترت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نہیں ہے بلکہ شیعوں کا مذہب دونوں کے موافق ہے اور جس فرقہ سے استفسار کروگے یہی کہیگا کہ شیعوں کا مذہب موافق مذہب عترت رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کے ہے کہ وہ اُنکی ہی پیروی کرتے ہیں اور مذہب اہل سنت کا موافق مذہب اہل بیت کے نہیں ہے کہ وہ اُنکی پیروی نہیں کرتے ہیں بلکہ علماء اہل سنت بھی مقر ہیں اس امر کے کہ شیعہ تو پیروی عترت رسول خدا صلعم کی کرتے ہیں اور اہل سنت اُنکی پیروی نہیں کرتے ہیں چنانچہ جامع الاصول میں کہ جامع صحاح ستہ کی ہے لکھا ہے کہ علی بن موسی رضا مجدد مذہب امامیہ ہے اور مجدد مذہب اہل سنت کا ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک کو لکھا ہے اور سید شریف نے جو نامہ امیر تیمور کو لکھا تھا اُسمیں مائۃ اولی میں تو مجدد مذہب

امامیہ امام جعفر صادقؑ کو لکھا ہی اور رسالۂ ثانیہ میں علی بن موسی الرضاؑ کو لکھا ہی اور جلال الدین دوانی نے شرح عقائد میں لکھا ہے کہ اہل سنت اپنے عقائد میں متمسک صحابہ
سے ہوتے ہیں اور شیعہ متتبع کرنیوالے ہیں اُن روایتوں سے کہ جو اُنکے اماموں سے منقول ہیں اور بعد اسکے تفصیل سے انشاء اللہ تعالےٰ اِن روایتونکو جامع الاصول کی اور شرح عقائد
کے میں لکھونگا منتظر رہنا چاہیئے اور سوائے اسکے اور کتابوں میں بھی اسی کے قریب قریب لکھا ہی اب ملاحظہ کرنا چاہیئے کہ علماء اہل سنت تو لکھتے ہیں کہ مذہب شیعوں کا مذہب عترت رسول
خدا صلعم کے موافق ہی اور یہ شیخ نجدی مولوی عبدالعزیز صاحب دروغ نویس کی پیروی سے مخالفاً اسکے لکھتا ہی اور مذہب اہل سنت کا جو مخالف اُنکے مذہب کے ہے اور موافق مذہب
ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے ہی اُسکو موافق مذہب عترت رسول خدا صلعم کے لکھتا ہی کس طرح کا دروغگو ہے اور جسوقت کہ ثابت ہوا مذہب شیعہ موافق مذہب اہل بیت علیہم السلام کے
ہے تو موافق کلام اللہ کے بھی یہی مذہب ہو گا اسواسطے کہ مضمون قرآن کا کما حقہٗ اُنکے ہی پاس تھا کہ سینہ بسینہ جناب رسول خدا صلعم سے اُنکو علم پہنچا تھا چنانچہ اہل سنت
کی بھی کتابوں میں لکھا ہی اور حضرت علیؑ کے سب صحابہ سے زیادہ عالم ہونے اور صحابہ کی مسائل میں غلطی کرنے کی اور حضرت علیؑ کی طرف رجوع کرنے کی روایتیں اہل سنت کی
کتابوں میں موجود ہیں اور پیشوایان شیعہ کا حال پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور مفصل بعد اسکے لکھا جائیگا اسکے قول دروغ کے رد میں جس قول میں کہ یہ نام اُنکا لکھیگا اور خط کے جواب
کا رد بھی ایسا دندان شکن ہوگا کہ یہ شیخ ہونٹ چبایا کریگا اور نادم ہو کر کہیگا کہ میں نے جواب خط کیوں لکھا تھا **قال الشیخ الاشعری** مخدوم من کلام اللہ میں سورۂ بقرہ میں
پہلے سیپارہ میں یہ آیت ہے اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْکِتٰبَ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّکْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ حاصل اسکا یہ ہی کہ جنکو ہم نے
دی ہے کتاب وہ اسکو پڑھتے ہیں جو حق ہی پڑھنے کا وہی اُسپر یقین لاتے ہیں اور جو منکر ہوگا اُس سے سو اُنہی کو نقصان ہی اس آیت کے مضمون کے دیکھنے کے بعد تصور میں نہیں آتا کہ
کسیکو دربارہ حقیت مذہب اہل سنت شک ہے اور جب شک نہ رہا تو اسکا پہلے یقین ہو جائیگا کہ مذہب شیعہ باطل ہی تفصیل اس اجمال کی یہ ہی کہ یہ آیت ہر چند بعض اہل کتاب کے حق
میں نازل ہوئی ہی لیکن اس آیت میں گو کسی کی شان میں نازل ہو کتاب اللہ پر ایمان لانے کو انہیں میں منحصر کر دیا ہے جو اُسے خوب ہی پڑھتے ہیں حق پڑھنے کا جب یہ بات انہیں
میں منحصر ہوئی تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کی علامت یہی ہی کہ اُسکو خوب تلاوت کیا کرے کوئی سی خدا کی کتاب کیوں نہو توریت ہو یا انجیل یا قرآن شریف
اسکی ایسی مثال ہی کہ کوئی ذہین آدمی کوئی مشکل بات جلد سمجھ جاے اور خوب سمجھے اور دوسرے اُسکی تعریف میں یوں کہیں کہ بات کو ذہین ہی سمجھتے ہیں تو گو یہ تعریف اُسی کے
سُنانے کے لیے کی گئی ہی پر حقیقت میں سارے ہی ذہینوں کی تعریف ہے سو یہ نسبت قرآن شریف کے یہ نشانی سوا اہل سنت کے اور کسی فرقہ میں پائی نہیں جاتی خصوصاً شیعہ
کہ اُنکا تلاوت کرنا تو سب ہی جانتے ہیں یہانتک کہ کلام اللہ کے یاد نہونے میں ضرب المثل ہو گئے ہیں سو اسکا باعث بجز اسکے اور کیا ہی کہ جیسے تلاوت چاہئے اُنسے ویسی تلاوت
نہیں ہو سکتی جسقدر کلام اللہ کے پڑھنے میں محنت چاہیئے اُنسے محنت نہیں ہو سکتی **اقول** خادم من البتہ سورۂ بقرہ میں یہ آیت ہے عبداللہ بن سلام وغیرہ یہودی کی حق
میں جو کہ مسلمان ہو گئے تھے لیکن تیرا مطلب اس سے ثابت نہیں ہوتا تو نے اس قول میں دروغ نویسی کو اسقدر طول دیا ہی کہ اپنی گور کو تو نے انگاروں سے بھرا ہے اول تو یہ آیت
بعض اہل کتاب کی شان میں نازل ہوئی تھی کہ جو توریت کو پڑھتے ہیں اور قرآن شریف ہرگز اس سے مراد نہیں ہو سکتی اور خدا تعالیٰ نے کوئی سی کتاب کو نہیں فرمایا ہے
بلکہ توریت کو فرمایا ہے اور خوب تلاوت کرنا اس سے مراد نہیں ہے بلکہ اُسپر عمل کرنا اور اُسکے معانی میں تدبر کرنا مراد ہے اور اگر بالفرض قرآن شریف کی تلاوت بھی اس سے مراد لی
جائے تو اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ مذہب اہل سنت حق ہی اور مذہب شیعہ باطل ہی بلکہ اس آیت سے حقیت مذہب شیعہ ہی ثابت ہوتی ہی کہ جو حق تلاوت قرآن ہی وہ انہیں ہی
منحصر ہے کہ وہ قرآن شریف کو ترتیل سے پڑھتے ہیں اور حروف کو اُنکے مخارج مقررہ سے ادا کرتے ہیں کہ اُنکے نزدیک مخارج سے حروف کا ادا کرنا واجب ہے اور اگر مخارج سے کوئی ادا نکرے
تو نماز اُسکی صحیح نہیں ہوتی اور اُسکے معانی میں تدبر کرتے ہیں اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ وہ قرآن کو ایسا پڑھتے ہیں کہ جیسے کوئی گھانس کاٹتا چلا
جاتا ہی تراویح میں اگرچہ ایک مرتبہ میں چار پانچ سیپارہ پڑھ جائیں لیکن حروف کو آپسمیں ایسا مخلوط کرتے ہیں کہ سمجھ میں بھی نہیں آتا کہ کیا پڑھا سو اسکو حق تلاوت نہیں کہتے ہیں
یہاں سے حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت ثابت ہوا کہ ایمان لانے کو کتاب خدا پر شیعوں میں منحصر کر دیا ہے کہ اُسکو حق تلاوت سے وہ تلاوت کرتے ہیں جب یہ بات انہیں
میں منحصر ہوئی تو معلوم ہوا کہ کتاب اللہ پر ایمان لانے کی علامت یہی ہی کہ اُسکو جو کہ حق تلاوت کا ہی اُس طرح سے پڑھے نہ یہ کہ گھانس کی کاٹتا چلا جائے جیسا کہ اہل سنت کرتے ہیں
اور یہ جو ذہین کی مثال دی ہی باطل ہی اسواسطے کہ جو کوئی تعریف ایک ذہین کی کرے تو سب ذہینوں کی ہوگی نہ غیر ذہینوں کی ایسے ہی جو کوئی کسی قاری کی تعریف کریگا
تو قاریوں کی تعریف ہوگی نہ غیر قاریوں کی پس ہزاروں کیا بلکہ لاکھوں اہل سنت قرآن کی تلاوت ہی نہیں کرتے ہیں قطع نظر حق تلاوت سے تو چاہئے کہ وہ سب باطل پر
اور بے ایمان ہوں تیرے نزدیک بھی سو حق تلاوت نشان اہل سنت نہیں ہے بلکہ نشان شیعہ ہے اور شیعوں کی تلاوت کرنیکو ہم بیان کر چکے جیسا کہ وہ تلاوت کرتے ہیں اور نیز سے
شیعہ تو کلام اللہ کے یاد نہونے کی مثل تیرے گھر کی ہی تو جو چاہے شیعوں پر تہمت کرے بلکہ ہم کہتے ہیں کہ غلط پڑھنا اہل سنت کا قرآن کو ضرب المثل ہوگیا ہی سو اسکا باعث بجز

اور کیا ہی کہ جیسی تلاوت چاہئے ویسی اُنسی نہیں ہو سکتی جسقدر کلام اللہ کے پڑہنے میں محنت چاہئے ایسی اُنسے محنت نہیں ہو سکتی کہ حروف کے مخارج سے نکالنے میں کوشش
اور مشق کریں یہ تو اسکے قول کا جواب ہی اور حق پوچھو تو یہ ہی کہ سنیوں میں اور شیعوں میں دونو فرقوں میں تلاوت قرآن کرنیوالے ہوتے ہیں سنیوں کی کثرت جو ہی انمیں
زیادہ ہیں اور شیعوں میں بسبب اُنکی قلت کے کم ہیں اور شیعوں کو بالکل تلاوت قرآن سے خارج کرنا یہ سراسر اس شیخ نجدی کی بے ایمانی ہی اور حق کا باطل کرنا ہی کہ
کوئی ایسا دروغ صریح بھی لکھتا ہی کہ جیسے اسنے کاغذ کو دروغ باتوں سے سیاہ کرکے آخرت میں اپنی سیاہ روئی اختیار کی ہی **قال الشیخ الاشعری** باقی اہل سنت کا
ایسا تلاوت کرنا جیسا تلاوت کا حق ہی عیاں ہے، اور عیاں را چہ بیاں اس سے زیادہ اور کیا ہوگا کہ پڑہتے پڑہتے برزبان ہوجاتا ہی اس آیت سے اشارہ معلوم ہوا کہ جتنے فرقے
اہل اسلام میں معدود ہیں گمنہیں سے جونسا فرقہ حقانی ہوگا اُسی کو کلام اللہ یاد ہوگا اُوروں کو یاد نہیں ہو سکتا ورنہ لازم آئے کہ باطل پر ہوکر ممدوح خداوند کریم ہوں
سو بحمد اللہ تعالیٰ یہ دولت نصیب اہل سنت ہوئی ماسوا اُنکے اور سب فرقے اس نعمت عظمیٰ سے محروم رہے چنانچہ آجتک مسموع نہیں ہوا کہ سوائے اہل سنت کے کسی اور کو روافض
وخوارج میں سے یاد ہوا ہو اور فرقوں کا تو ہندوستان میں وجود ہی نہیں پر سوا اہل سنت روافض البتہ بکثرت موجود ہیں کوئی قصبہ اور کوئی شہر نہوگا کہ وہاں انکے غول کے غول
نہوں علاوہ بریں نواح لکھنؤ اور اطراف دکن اور اضلاع سندھ میں باوجود کثرت کے تسلط بھی انہیں کا ہی یہانتک کہ اسی باعث تشیع کو ہندوستان میں کمال درجہ کو
شیوع حاصل ہوا ہزاروں عالم شیعہ مذہب موجود پر حافظ نام کو کوئی نہ دیکھا نہ سنا اور کبھی کے ذمہ شیعوں نے حفظ قرآن کی ہمت لگا بھی دی تو اسی یوں ہی کہتے سنا کہ یاد تو
تھا پر آجکل کچا ہو گیا ہی اسلئے فی الحال سنانے سے معذور ہوں اور جو سنانے پر آتے ہیں یہ نہیں کہ ایک جلسہ یا دو جلسہ میں پڑہکر ادہر سے اُدہر کردیں **اقول** اہل سنت کے
تلاوت کرنیکو ہم بیان اکچکے جس طرح سے کہ وہ تلاوت کرتے اور پڑھتی ہیں اور پڑہتے پڑہتے برزبان ہوجاتا تو شیعوں کو بھی پڑہتے پڑہتے برزبان ہوجاتا ہے لیکن کل سنی قرآن کو نہ پڑہتے ہیں کل شیعہ جیسے بعضے سنی
پڑھتے ہیں ایسے ہی بعضے شیعہ بھی پڑہتے ہیں اگرچہ سنی شیعوں سے زیادہ ہیں اور بالکل شیعوں کے قرآن پڑہنے کا انکار کرنا زمین و آسمان کا انکار کرنا ہی اور جیسے اہل سنت قرآن کو یاد
کرتے ہیں ویسے ہی شیعہ بھی یاد کرتے ہیں لیکن تلاوت کرنا دلیل حقانیت کی نہیں ہے تلاوت کرنا قرآن کا مستحب ہے اگر کوئی تلاوت کریگا تو مستحق ثواب ہوگا اور اگر تلاوت
نکریگا تو گنہگار بھی نہوگا اور اگر یہی بات ہے تو لاکھوں دہی فرقہ اہل سنت کے جو تلاوت نہیں کرتے ہیں تو چاہئے کہ عذاب نار میں گرفتار ہوں اور خاص کرنا اہل سنت کا تلاوت
میں اور شیعوں کو اس سے خارج کرنا مصداق لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ کا ہونا ہے اور اگر تو نے کسی شیعہ کو حافظ نہیں دیکھا یا نہیں سنا ہی تو تیرے دیکھنے اور سننے سے
کیا ہوتا ہی تو کون ہے اور کس کھیت کا تھوا ہی کہ تو دیکھے تو سمجھ اور راست و درست ہو اور نواح لکھنؤ و سندھ اور دکن کی تجھکو کیا خبر ہے تو یہاں بہرتپور میں آکر دیکھ
کہ شیعوں میں سے کوئی حافظ ہی یا نہیں اور بہرتپور کو بھی جانے دے تیرے قریب امروہہ اور پانی پت اور سونی پت ہے وہاں جاکر قرآن کو شیعوں کے حافظوں سے یاد سُن لے
اور متھرا میں حکیم امجد علی خان تحصیلدار کے مکان پر اور امرتسر پنجاب میں جو ڈپٹی آغا کلب عابد خان صاحب کے مکان پر معرکہ ہوا ہے اور اہل سنت کے فاضلوں اور فضلاوں و رجال
اور اکثر اہل سنت نے قرآن کو شیعوں کے حافظوں سے از بر سنا ہے تو وہاں جاکر اپنے ہم مذہبوں سے پوچھ کہ شیعوں نے حفظ سنایا تھا یا نہیں اور متھرا میں تو شیعوں کے حافظ سنیوں
کے حافظوں پر غالب آئے اور کہتے ہیں کہ پانی پت میں بھی ایسا ہی ہوا اور سنی و شیعہ جمع ہوئے اور شیعوں کے حافظ نے قرآن شریف از بر سنایا تو دعوی دروغ کرکے
اپنے ایمان میں کیوں خلل ڈالتا ہی اور حفاظ اہل سنت اگرچہ قرآن کو یاد کرتے ہیں لیکن انکو اچھا یاد نہیں ہوتا ماہ رمضان سے پہلے بڑی محنت اور مشقت یاد کرنے میں کرتے
ہیں لیکن پھر بھی خوب یاد نہیں ہوتا تراویح میں جسوقت قرآن کو پڑہتے ہیں تو بیسیوں غلطیاں کرتے ہیں اور جماعت کے آدمی جو پیچھے کھڑے ہوتے ہیں وہ بتاتے جاتے
ہیں اور شیعوں میں جو کم آدمی حفظ کرتے ہیں سبب اسکا یہ ہی کہ دیکھکر پڑہنے میں ثواب زیادہ ہوتا ہے اور حروف قرآن کے زیارت بھی ہوتی ہی اور حفظ پڑہنے میں
طرح طرح کے متشابہ پیش آتے ہیں اور غلطیاں ہوتی ہیں اور پھر طوطے کی طرح سے یاد کرنے میں کیا فائدہ ہی کہ اُسکے معانی کو تو سمجھتے ہی نہیں ہیں اور شیعہ حفظ کی تہمت
کسیکو نہیں لگاتے جیسے کہ اہل سنت اگر تھوڑا سا یا غلط سلط قرآن کوئی یاد کرے تو اسکو بھی حافظ جی کہنے لگتے ہیں اور اگر تجھکو شیعہ سے یا دہنۃ قرآن کا سننا منظور ہی تو بہرتپور
میں چلا آ اور ایک جلسہ یا دو جلسہ میں قرآن کو سُن لے یا جس سورہ کو چاہے سُن لے اور بہرتپور نہیں تو امروہہ میں چلا جا کہ وہ تیرے قریب ہے اور گھر میں بیٹھے ہوئے تیرے
جھوٹے دعوی کو کون اعتبار کرتا ہی **قال الشیخ الاشعری** منجملہ حفاظ شیعہ مولوی جعفر علی صاحب پیش امام دہلی جو ورع اور تقوی و علم و فضل میں مجتہد زمانہ نہیں
تو مجتہد ثانی تو بیشک و شبہ ہیں اُنکے حفظ کی یہ کیفیت ہے کہ رمضان شریف میں غدر سے پہلے بچشم خود اس احقر نے دیکھا ہے کہ جلسہ تلاوت قرآن میں جو دن کو نواب حامد علیخان کی
مسجد میں ہوا کرتا تھا مثل دیگر حفاظ شیعہ مذہب حمائل میں دیکھ دیکھکر پڑہتے تھے تسپر بھی دو جگہ غلط پڑھ گئے اور خداوند کریم کی حق نمائیاں دیکھئے کہ اُسی جلسہ میں حفاظ اہل سنت
جو بطور سیر آجاتے تھے اور اہل تشیع دیکر انکو بھی پڑہنے کے لئے کہتے تو وہ برزبان ہی پڑہتے تھے مگر تاہم دیدہ عبرت شیعہ کشادہ نہیں ہوتا تھا ایک شخص سنی المذہب مولوی

حافظ عبدالعزیز نامی ساکن نجیب آباد کہتے تھے کہ میں کچھ کتب درسیہ میں مولوی جعفر علی صاحب سے پڑھا کرتا تھا اتفاقاً کچھ اسکا مذکور آگیا کہ شیعوں کو کلام اللہ یاد نہیں ہوتا سنکر
فرمانے لگے کہ تم سنو گے میں نے عرض کیا کیا مضائقہ ہی اگر ایک دو جلسہ میں ہو یا یوں کہا کہ زیادہ زیادہ پڑھیئے تو کیا مضائقہ ہی مگر پھر مولوی صاحب کہاں تھے یہ کہ اسکے نہ بن
پڑی کہ ایک ایک سیپارہ ہر روز سن لیا کرو جائے غور ہی کہ ایک ایک سیپارہ روز تو بعضے بعضے بندگان خدا از سر نو یاد کر سکتے ہیں وہ حافظ ہی کیا ہو کہ جسنے ایک دو جلسہ میں کلام اللہ
نہ پڑھ لیا اور میں جانوں کہ مولوی صاحب سے ایک ایک سیپارہ بھی نہ سنایا جاتا یہ بھی ایک دھمکی تھی مولوی عبدالعزیز صاحب مذکور یوں سمجھکر کہ شاید اب یاد کر سنا دیں اور پھر یاد
نہ ہے سو اتنی بات میں سر دست میرا دعوی تو غلط ہو جائیگا یا دو چار سیپارے انکو یاد ہوں اور انکو جون توں سنا کر پھر کچھ حیلے بہانے لیدیں اور انکو کہنے کو جگہ ہو جائے اسبات پہ چپکے ہو رہے
اور نیز یہ بھی مرکوز خاطر ہوگا کہ سب پر عیاں ہو جائے کہ مولوی صاحب کو یاد نہیں انکا حافظ کہنا ایک حرف غلط ہی منجملہ اور دروغوں کے زبان زد شیعہ ہو گیا ہے اور اگر بارکر
ایک دو نے بالفرض بفرض محال کچا پکا یاد بھی کر لیا تو عقیدتمندان شیعہ کے لئے تو یہی بات ڈوب مرنے کو بہت ہے کون نہیں جانتا کہ ایک ایک شہر بلکہ بعضے بعضے ایک قصبہ میں اہل سنت
میں سو سو بلکہ زیادہ زیادہ حافظ ہوتے ہیں اور طرفہ یہ ہے کہ بعضے بعضے قصبات میں اہل سنت ہی کے برابر شیعہ ہوتے ہیں لیکن اہل سنت میں سینکڑوں حافظ ہوتے چلے جاتے ہیں اور
شیعوں میں ایک بھی نہیں ہوتا چنانچہ سہارنپور اور پانی پت اور کرانہ میں یہی حال ہی **اقول** مولوی جعفر علی صاحب کے امام دہلی اور متورع اور متقی اور عالم اور فاضل ہونے
میں کیا شبہ ہی اور حمائل میں دیکھکر جو وہ ماہ رمضان کے جلسہ قرآن خوانی میں پڑھتے تھے سبب اسکا یہ تھا کہ وہ قوانین قرات کے موافق حروف کو انکے مخارج مقررہ سے مع صفات کے
ادا کرتے تھے اور غنہ اور وقف وغیرہ ہر ایک کا خیال رہتا تھا سو وہ دیکھکر پڑھنے میں بسہولت حاصل ہوتا ہی بخلاف حفظ کے کہ اسمیں بکمال عسرت یہ بات حاصل ہوتی ہی اور جب ان امور
کا لحاظ ہوتا ہی تو بعض مرتبہ الفاظ ذہن سے نکل جاتے ہیں سو اسلئے حمائل میں دیکھکر پڑھتے تھے کہ لوگوں کو سنانا قرات کا کما ینبغی منظور ہوتا تھا ورنہ حفظ پڑھنے میں کیا تامل تھا اور
دو جگہ غلطی کرنے کو تو بالکل غلط لکھتا ہی غلطی انسے ہرگز نہیں ہوئی تھی اور حفاظ اہل سنت جو انکی قرات کو سننے آتے تھے شیعوں کو انسے دبکر کہنے کی کیا بات تھی بلکہ جسوقت انکو
پڑھنے کو کہتے تھے تو پہلے تو وہ انکار ہی کرتے تھے اس نظر سے کہ ہماری قرات انکی سی قرات نہیں ہے اور جب انسے بہت کہتے تھے تو وہ بیچارے دبے ہوئے پڑھ بھی دیتے تھے اور غلطی بھی
بعضی جگہ کرتے تھے تو ایک مرتبہ گیا ہے تجھکو کیا خبر ہے اور جسطرح وہ پڑھتے تھے اسیوقت مولوی جعفر علی صاحب اسیطرح پڑھ دیتے تھے وہ حیران ہو جاتے تھے اور برزبان پڑھ دینا
کیا بڑی بات ہے کہ انکو قرات میں اسقدر دخل کہاں تھا جو کہ مولوی جعفر علی صاحب کو تھا کہ پڑھنے میں لحاظ وقف کے مخارج کا اور انکی صفات کا ہوتا جیسے گھانس کاٹتے ہیں ایسے
پڑھ دیتے تھے اور پھر بعض مرتبہ غلطی بھی کرتے تھے اور مولوی حافظ عبدالعزیز صاحب نے جو ایک دو جلسہ میں تمام قرآن کے پڑھنے کو کہا اور مولوی جعفر علی صاحب نے ایک ایک سیپارہ
پڑھنے کو کہا تو سبب اسکا یہ تھا کہ عادت مولوی صاحب ممدوح کی قرات کے قاعدوں کے موافق ٹھہر ٹھہر کر پڑھنے کی تھی اور نقاہت انہیں بدرجہ کمال تھی اس صورت
میں تو ایک ایک سیپارہ کا سنانا بھی دشوار تھا لیکن انہوں نے کمال جرات سے اسکا اقرار کیا تھا اور ایک دو جلسہ میں تو انسے دیکھکر پڑھنا بھی ممکن نہ تھا اور ایک دو جلسہ میں وہ
حافظ پڑھ دیتا ہی کہ جسکو رعایت اصول قرات کی نہیں ہوتی اور جلدی جلدی الفاظ کو آپسمیں مخلوط کر کے پڑھتے ہیں جیسے کہ لوگ تراویح میں قرآن کو پڑھتے ہیں اور مولوی عبدالعزیز
صاحب اس مقدمہ میں اور کچھ بھی نہیں سمجھے جیسے کہ تو لکھتا ہی بلکہ انہوں نے ایک سیپارہ کا سننا نہ چاہا ہوگا اور تجھ کو کیا خبر ہی کہ وہ غلطی سے حافظ مشہور ہو گئے ہیں یہ بات تو اہل سنت میں
ہے کہ جو کوئی حافظ نہیں ہوتا ہی اسکو بھی حافظ مشہور کر دیتے ہیں اور شیعوں میں جو کوئی حافظ ہی وہ پکا ہی حافظ ہے کچا نہیں ہے مثل حفاظ اہل سنت کے اور سو حافظ اہل سنت
کے تو کسی قصبہ میں نہیں ہیں نہ سہارنپور میں نہ پانی پت میں نہ کرانے میں البتہ حفاظ اہل سنت حفاظ شیعہ سے زیادہ ہیں کہ اس فرقہ کی کثرت بھی تو ہی اور شیعوں میں جو حافظ کم ہوتے
ہیں تو وجہ اسکی ہم پہلے اس سے بیان کر چکے اور سوا اسکے یہ بات ہے کہ حفظ کرنا قرآن کا ضروری مذہب اسلام نہیں ہے کہ اکثر حفظ ہی کرنے کی طرف رجوع کرے بلکہ ثواب کی بات ہے
اور اگر حفظ نکرے تو گناہ بھی نہیں ہے اور ایسے ہی اکثر امور مستحبہ ایسے ہیں کہ کوئی بھی اہل سنت میں سے انکو ادا نہیں کرتا ابوحنیفہ کے نزدیک ختنہ کرنا عورتوں کا سنت ہے لیکن
کوئی سنی بھی ہندوستان میں اپنی عورت کے ختنہ نہیں کرتا اور قرآن کا حفظ کرنا غیر ممکن بات نہیں ہے اگر کافر چاہے تو وہ بھی حفظ کر سکتا ہے اور جب کوئی حافظ شیعہ
قرآن کا حفظ سنا دیتا ہی تو اہل سنت یہی جواب دیتے ہیں چنانچہ اکبر آباد میں ایک سنی نے مرزا آغا علی صاحب سے یہ کہا کہ شیعوں میں کوئی حافظ نہیں ہوتا وہ اسکو محلہ شاہ گنج میں
حافظ سید حسین کے پاس لیگئے اور جس مقام سے اس سنی نے کہا حفظ سنا دیا بعد سن لینے کے وہ سنی کیا کہتا ہی کہ سنا دیا تو کیا ہوا نصرانی اور ہندو بھی قرآن کو حفظ کر سکتا ہی اور
اب حافظ سید حسین بھرتپور میں رہتے ہیں اور متھرا میں جو دو حافظوں نے ایک معرکہ میں قرآن کو تحصیلدار کے مکان پر سنا دیا تو سنی کہنے لگے کہ یہ حافظ شیعہ نہیں ہیں بلکہ
سنی ہیں اور روپیہ لیکر انہوں نے کہدیا ہی کہ ہم شیعہ ہیں اور وہ دونو حافظ امروہہ کے رہنے والے ہیں لیکن چاہیئے کہ اہل سنت اپنی ہٹ دھرمی سے باز آئیں ایسا ہرگز نہ ہووے کہ
تو انکے پاس کو گزر ہی نہیں ہے دیکھتے ہیں اور شیعوں سے قرآن کو حفظ سنتے ہیں لیکن اپنی ہٹ دھرمی سے باز نہیں آتے یہی کہتے ہیں کہ شیعوں میں حافظ نہیں ہوتا

لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ **قال الشیخ الاشعری** اور وجہ اس یاد نہونے کی حالانکہ مقتضائے لحن اہل سنت یہ تھا کہ کلام اللہ مع ترجمہ شیعے تفسیر کے بر یاد کر لیتے
یہی بات ہے کہ جیسا تلاوت کا حق ہوتا ہے انکو میسر نہیں آتا اور باعث اسکا واللہ اعلم یا تو یہ ہے کہ طبائع انسانی و حیوانی باعتبار غذا کے جیسی مختلف ہیں کہ کسیکو میٹھا بھاتا ہے
کسیکو نمکین کسیکو ایک چیز کی طرف رغبت ہوتی ہے کسیکو نفرت انگریزوں کو عطر نفیس سے تنفر اور مچھلی کے اچار سے جیسے سونگھ بھی لیجے تو دماغ چھوڑ جان کی خیر نہیں
رغبت پاخانہ کے کیڑے گندگی میں خرم و شاد و عیش و آرام سے رہیں اور خوشبو سونگھیں تو مرجائیں ایسے ہی باعتبار امور دینی کے جو غذاء ارواح ہیں ارواح
بنی آدم مختلف ہیں کسیکو رغبت ہے کسیکو نفرت کسیکو لذت آتی ہے کسی کی جان نکلی جاتی ہے سو حضرات شیعہ کو کلام اللہ پر محنت کرتے موت نظر آتی ہے **اقول** ارے
جھوٹوں کے جھوٹے شیعوں کو کیوں نہیں یاد ہوتا ہے جو کوئی ارادہ کرتا ہے یاد کر لیتا ہے اور اس امر میں شیعہ اور سنی دونو یکساں ہیں جیسے کہ بعضے بعضے سنی یاد کرتے ہیں ایسے ہی
بعضے شیعہ بھی یاد کرتے ہیں مگر حفاظ اہل سنت حفاظ شیعہ سے زیادہ ہیں اور اہل سنت میں لاکھوں ایسے ہیں کہ یاد نہیں کرتے نماز کہ جو رکن دین ہے اسکو تو سب ادا ہی نہیں کرتے پھر
تو حفظ قرآن کے لئے پوچھنا ہی کیا ہے جو ضروری نہیں ہے اگر شیعوں کو کلام اللہ پر محنت کرتے ہوئے موت آتی ہے تو معلوم ہوا کہ یہ لاکھوں اہل سنت جو حفظ نہیں کرتے انکو بھی کلام اللہ پر
محنت کرتے موت آتی ہے تخصیص شیعوں ہی کی کیا ہے اور جو کچھ تونے اس قول میں بیان کیا ہے یہ سب حال اہل سنت کا ہے بعضوں کو انمیں سے رغبت قرآن کے حفظ کی ہے اور بعضوں کو نہیں
قال الشیخ الاشعری اور یا یہ ہے کہ جو شاگرد استاد کی خدمت میں گستاخ ہوتا ہے عادت الٰہی یوں جاری ہے کہ علم سے بہرہ ور نہیں ہوتا وجہ اسکی شاید یہ ہو کہ
شکر پر وعدہ مزید نعمت ہے چنانچہ فرمایا ہے لئن شکرتم لازیدنکم یعنی اگر شکر کروگے تو البتہ ہم اور زیادہ دینگے تو اس صورت میں بشہادت عقل کفران پر زوال
نعمت متفرع ہونا چاہئے ادھر حدیث میں ہے من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ یعنی جو کوئی آدمیوں کا شکر نکریگا وہ اللہ کا بھی شکر نکریگا اور ظاہر ہے کہ ہرچند
منعم حقیقی خداوند کریم ہے پر یہ دولت علم بواسطہ استاد ہی حاصل ہوتی ہے اور نعمت عظمے کلام اللہ کے استاد حضرات صحابہ ہیں جنمیں سے خلیفہ اول اور ثالث کو تو بوجہ تالیف
مصنف مجازی کہئے تو بجا ہے پھر ان گستاخوں کو یہ نعمت عظمی عطا ہو تو کیونکر ہو **اقول** جن صحابہ کو تو استاد کہتا ہے وہ صحابہ استاد نہیں ہیں استاد وہ ہوتا ہے کہ
جس سے تعلیم حاصل ہوتی ہے اور وہ کسیکو تعلیم کرنے کی لائق نتھے کہ معانی قرآن کو وہ سمجھتے نتھے اور مسائل دین میں غلطیاں کرتے تھے اور تالیف کرنے کلام غیر سے کوئی
استاد نہیں ہو جاتا ہے سو ایسے لوگوں کی خدمت میں گستاخی کرنے کی کچھ قباحت نہیں ہے کہ انہوں نے اس تالیف کو کسی جگہ سے کم کر دیا اور کسی جگہ زیادہ کیا اور کلام خدا
کو اور دوسرے لوگوں کی تالیفوں کو جلوا دیا اور جس نے تالیف کیے دینے سے انکار کیا اسکو زد و کوب کیا جیسا کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور استاد اور منعم سب کا خداوند کریم ہے
نہ بیجا تالیف کرنیوالے سو شکر خدا تعالیٰ کا چاہئے نہ ایسے مولفوں کا اور جو کچھ نعمت ہمکو حاصل ہوئی ہے وہ ان لوگوں کے طفیل سے ہے کہ جو معانی قرآن کو سمجھتے تھے اور تم اس نعمت سے
محروم ہو **قال الشیخ الاشعری** مگر جیسے اشارۂ خداوندی سے یہ نکتہ مذکورہ معلوم ہوا یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان کا ان لوگوں میں منحصر ہونا جو خوب ہی تلاوت کرتے
ہیں اور جو حق تلاوت ہے وہ بجا لاتے ہیں تو بہ نسبت ان لوگوں کے ہے جو کلام اللہ کی تلاوت میں تو مقصر ہیں اور باینہمہ اپنی ہی سمجھ کے موافق اسپر عمل کرتے ہیں یا ان لوگوں
کے حق میں جو انکے اتباع و توابع ہیں اور مطلق کم پڑھنے والوں سے یا بالکل نہ پڑھنے والوں کی بہ نسبت حصر نہیں کیونکہ وجہ اس حصر کی ان لوگوں میں جو حق تلاوت ادا کریں
بجز اسکے اور کچھ نہیں کہ جو کسی کتاب کو کثرت سے دیکھے بھالیگا وہی اسکو خوب سمجھیگا اور اسکی حقیقت کو پہنچیگا اور کلام اللہ پر ایمان اسیکا نام ہے کہ اسکے احکام اور مضامین
کو حق سمجھے جو لوگ ان لوگوں کے متبع ہونگے کہ وہ جیسا تلاوت کا حق ہے تلاوت کیا کرتے تھے اور اس سبب سے اسکی اصل حقیقت کو پہنچ گئے ہیں اور انکے بتلائے موافق عمل کرینگے
وہ بھی ایمان سے محروم ہونگے اور فرقہ مشار الیہا بلفظ ومن یکفر بہ میں داخل ہونگے **اقول** اس آیت میں اشارہ مومنین یہود کی طرف ہے جو کہ توریت میں
حقیقت اسلام کو تلاوت کرکے ایمان لائے جیسا کہ تفاسیر اہل سنت میں لکھا ہے اور مومنین اہل اسلام کی طرف اس آیت میں اشارہ نہیں ہے اور اگر قرآن شریف
کی تلاوت کرنیوالوں کو کہا جائے تو تلاوت تو بعضے سنی اور بعضے شیعہ سب ہی کرتے ہیں لیکن جو حق تلاوت ہے وہ شیعوں میں منحصر ہے کہ اس زمانہ میں
موافق اصول علم قرأت کے پڑھتے ہیں ایمان بھی انہیں ہی منحصر ہوگا اور تلاوت قرآن میں مقصر تیرے پیشوا تھے کہ انکو قرآن یاد نتھا جیسے کہ حضرت عمر جب وقت
رسول خدا صلعم نے وفات پائی تو کہا کہ وہ حضرت مرے نہیں ہیں اور پیغمبر مرتا نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے انک میت وانہم میتون
اور عورتوں سے الزام کہاتے تھے عورات ناقص العقل کو تو قرآن یاد تھا اور خلیفہ صاحب کو یاد نتھا اور خلاف قرآن کے عورتوں کو دہمکا کر کہتے تھے کہ
تمہارا ہی مہر جیسن کر بیت المال میں داخل کرونگا جب عورتوں نے خلیفہ صاحب کو قرآن کی آیت پڑھ کر بات دی تو خجل ہو کر خلیفہ صاحب نے فرمایا کل الناس
افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال اور اپنی سمجھ کے موافق ہی اور اپنی راے پر وہی لوگ عمل کرتے تھے چنانچہ تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ جب بڑے خلیفہ

صاحب بہادر سے آیات کے معنے پوچھے تو کہا کہ اپنی رائے سے کہتا ہوں اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور جب پیروں کا یہہ حال ہے تو والوں کا
حال برمریداں و تو نے فدک کے مقدمہ میں اپنی رائے سے قرآن کے وہ معانی بیان کئے کہ تیری ہی علماء نے تیرے کفر کا فتوی لکھا چنانچہ بعد اسکے خلاصے
جواب کے رد میں اسکا ذکر آئیگا اور جبتک کوئی خوب کتاب کے مطلب کو نہ سمجھے جیسے کہ مطلوب خدا ہے کثرت سے دیکھنا بھالنا کچھ فائدہ نہیں بخشتا ہے اور مطلب کو
اُسکے وہی سمجھیگا جسکو اُستاد حقیقی نے سمجھایا ہے اور محض دیکھنے بھالنے بہت سے خود بخود کوئی نہیں سمجھ سکتا ہے اور نہ اُسکی حقیقت کو پہنچ سکتا ہے اُسکی مثال یہ ہے
کہ چارپای برو کتابی چند۔ اور کتاب اللہ کے احکام اور مضامین کو حق تو سب ہی مسلمان سمجھتے ہیں لیکن حق بر وہ ہیں کہ جو وارثان علوم رسولخدا کے مقلد
ہیں نہ جہلاء اپنی رائے سے معانے قرآن کے بیان کرنیوالے اور جسوقت کہ وہ قرآن کو نہیں سمجھتے تھے اور اپنی رائے سے بیان کرتے تھے اور مسائل دین
میں غلطیاں کرتے تھے اُنکے مطیعوں کو بھی ایمان سے کچھ بہرہ نہوگا اور جسوقت کہ بیحق تلاوت کو نہیں جانتے تھے اور حقیقت قرآن کو نہیں پہنچتے تھے تو بعد
اُنکے اُن سے بھی کمتر ہونگے بلکہ فرقہ مشارالیہا و من یکفر میں داخل ہونگے **قال الشیخ الاشعری** ہاں جو شخص اُسکی تلاوت میں مقصر رہا ہو اور بے تقلید کسی اور کے
اپنی ہی سمجھ کے موافق اُسپر عمل کرنیکا ارادہ کیا تو ایسی محنت والے تو قانون انگریزی میں بھی بہکتے ہیں جنمیں چنداں دقایق نہیں ہوتے کلام اللہ کو جو
مخزن تمام علوم اور مجموعہ جملہ دقایق ہی کیا خاک سمجھیں بلکہ بالیقین کچھ کا کچھ سمجھ جائینگے سو ایسے لوگ جو کتاب اللہ کچھ کہے اور وہ کچھ کہیں گو اپنی عندیہ میں کتاب اللہ
پر ایمان رکھتے ہوں کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور اُنپر یہہ قول خداوندی مطابق ہے وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ یعنی جو لوگ کتاب اللہ پر ایمان نہ لائے
سو وہی ٹوٹے میں ہیں **اقول** لاکھوں آدمی مذہب اہل سنت کے تلاوت قرآن سے مقصر رہتے ہیں اور اگر بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں تو بعضے شیعہ بھی
تلاوت کرتے ہیں اور بے تقلید کسی اور کے اپنی ہی سمجھ کے موافق اُسپر عمل کرنیکا کار پیشوایان اہل سنت کا ہی چنانچہ ہم ابھی بیان کر چکے ہیں اور شیعوں کے مذہب میں اپنی
رائے سے تفسیر قرآن کی بیان کرنی جائز ہی نہیں ہے چنانچہ روایتیں اس مضمون کی تفسیر صافی وغیرہ میں موجود ہیں اور اُنکے یہاں جو کچھ ہی تقلید ائمہ معصومین علیہم السلام ہی
جو کہ وارث تھے علوم نبوی کے اور قوانین انگریزی کا بخوبی سمجھنا اور اُس پر عمل کرنا کار اہل سنت کا ہے کہ اُسکو سمجھتے ہیں اور بہکتے نہیں ہیں اور اسی سے اُنکو فخر ہے اور
جیسے کہ وہ لوگوں کی رای سے جمع ہوا ہی ایسے ہی پیشوایان اہل سنت معانی قرآن کے جو کہ مخزن تمام علوم اور مجموعہ جملہ دقایق ہے اپنی رائے اور سمجھ کے موافق بیان کرتے تھے بلکہ
بالیقین کچھ کا کچھ سمجھتے تھے سو ایسے لوگ جو کتاب اللہ کچھ کہے اور وہ کچھ کہیں گو اپنی عندیہ میں کتاب اللہ پر ایمان رکھتے ہوں کتاب اللہ پر ایمان نہیں رکھتے تھے اور اُنپر یہ قول
خداوندی سراپا مطابق ہے وَمَن يَكْفُرْ بِهِ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْخَاسِرُونَ **قال الشیخ الاشعری** اور اس آیت میں بھی اُنکی طرف اشارہ ہے يُضِلُّ بِهِ كَثِيرًا یعنی خدا تعالی
اس قرآن سے بہت لوگوں کو بہکا بھی دیتا ہے **اقول** یہ آیت بھی اُنہیں لوگوں پر صادق آتی ہے جنکو ہم اس سے پہلے لکھ چکے ہیں **قال الشیخ الاشعری**
اور اس تقریر کی صحت کا موید قطع نظر اسکے کہ ظاہر ہے ایک یہ بھی ہے کہ یہ آیت اُن لوگوں کی شان میں نازل ہوئی ہے جو کتاب اللہ کو خوب تلاوت کیا کرتے تھے
اور اس سبب سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی علامتیں جو اُس کتاب میں تھی خوب ذہن ہو گئی تھیں اور اُنکے مطالب کے سب پہلو اُنکے ذہن نشین ہو گئے تھے اسی سبب سے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ کو دیکھتے ہی سمجھ گئے کہ یہ وہی ہیں ہر طرح سے اُن اوصاف کو آپ پر مطابق پایا اسمیں اختلاف ہے کہ وہ کتاب کونسی تھی توریت یا انجیل
اور وہ لوگ کون تھے یہود یا نصاری **اقول** جو کچھ تو نے تقریر کی ہے وہ قابل قبول اہل انصاف کے نہیں ہے اپنی رائے سے جو کچھ چاہتا ہے بے سروپا لکھ دیتا ہے اور اس آیت کا اہل کتاب کے حق
میں نازل ہونا ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں کہ تلاوت سے مراد تلاوت قرآن ہے اور تو نے اپنی رائے سے خلاف تحریر جمیع مفسرین اہل سنت کے تلاوت قرآن شریف مراد لی ہے کہ جسکو کسی مفسر نے نہیں لکھا ہے
کہ اہل سنت معانی قرآن کو اپنی رائے سے بیان کرتے ہیں اور اپنی سمجھ کے موافق اُس پر عمل کرتے ہیں اور اُسکی احتیاج نہیں ہے کہ تفسیر اُسکی جناب رسولخدا صلعم سے منقول ہو اپنی
رائے سے جو چاہا کہدیا **قال الشیخ الاشعری** باینہمہ یہہ بھی اہل فہم پر روشن ہے کہ ہیئت مجموعی کی رو سے تمام فرقہ اہل سنت اور علی ہذا القیاس تمام فرقہ شیعہ
ایک گنا جاتا ہے سو ہیئت مجموعی اہل سنت کو جدا اللحاظ کیجیے اور ہیئت مجموعی شیعہ کو جدا پیش نظر رکھیے اور دیکھیے کہ اس فرقہ میں کثرت تلاوت اور تلاوت کا جیسا
حق ہے پائی جاتی ہے یا فرقہ شیعہ میں اور ہیئت مجموعی کی رو سے سب کا ایک ہی حال ہوتا ہے ایک کی بات سبھی کی طرف منسوب ہوتی ہے تھوڑی ہی تھوڑی سہی
اور بہت سے تو بہت ہاتھ پاؤں ناک آنکھ کے احوال کو تمام عالم مجموعہ کی طرف یعنی اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں ہاتھ میں کچھ تکلیف ہو تو یوں کہا کرتے ہیں کہ
میں بیمار ہوں یا فلانا بیمار ہے علی ہذا القیاس میں نے کسیکو مارا یا میں نے کسیکو دیکھا یہ ساری اضافتیں جزو کے کل کیطرف باعتبار مجموعہ کے ہوتے ہیں یعنی مجموعہ کو
ایک سمجھکر جزو کی حال کو کل کی طرف منسوب کر دیتے ہیں معہذا للاکثر حکم الکل سبھی کا سنا ہوا جملہ او سبھی کے نزدیک مسلم ہے اکثر کی بات صفات کل ہی کی طرف منسوب

ہوتی تھی سو اکثر دینداران اہل سنت بکثرت تلاوت میں مشغول رہتے ہیں بخلاف شیعہ کہ اُنکا حال خود عیاں ہے **اقول** جیسا حال اہل سنت کا ہے کہ بعضے اُنمیں سے تلاوت
کرتے ہیں اور اکثر تلاوت نہیں کرتے ایسی ہی حال شیعوں کا ہے کہ بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں اور اکثر نہیں کرتے کچھ فرق نہیں ہے اور اہل سنت کے فرقہ کے آدمی کروڑہا
ہیں تلاوت کرنیوالوں کو دیکھئے تو تلاوت کرنیوالوں کی نسبت ایسی ہی نہیں ہیں جیسے آدمی کے بدن پر تل ہووے اور شیعوں کی تلاوت کرنیوالوں سے زیادہ جو اُنکی تلاوت
کرنیوالے ہیں تو اس جہت سے کہ اُنکے فرقہ کے آدمی کثرت سے ہیں اور شیعہ تھوڑے ہیں اور یہ بات نہیں ہے کہ اہل سنت کے فرقہ میں سے اکثر آدمی تلاوت کرتے ہوں بلکہ اکثر تو
نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق ہیں اور جسقدر کہ اُنکے یہاں نہ تلاوت کرنیوالے اور بدکار نکلینگے اسقدر تو تمام شیعہ بھی نہونگے چہ جائیکہ نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق اُنکی
اور جس وقت کہ اہل سنت میں نہ تلاوت کرنیوالے اور فساق کثرت سے ہوئے تو ہم بھی کہتے ہیں کہ ہیئت مجموعی اہل سنت کو جدا لحاظ کیجئے اور ہیئت مجموعی شیعہ کو جدا پیش
نظر رکھئے اور دیکھئے کہ اس فرقہ میں کثرت عدم تلاوت کا اور نہ ہونا حق تلاوت کا اور ہونا فسق و فجور کا پایا جاتا ہے یا فرقہ شیعہ میں اور ہیئت مجموعی کے رو سے سبکا ایک ہی حال
ہوتا ہے ایک بات سبھی کیطرف منسوب ہوتی ہے تھوڑی ہے تو تھوڑی اور بہت ہے تو بہت ہاتھ پاؤں آنکھ ناک کے تمام عالم مجموعہ کی طرف یعنی اپنی طرف منسوب کر دیتے ہیں
لائے آخر یا قال سو اکثر اہل سنت تلاوت نہیں کرتے ہیں بلکہ اکثر اُنمیں جہلاء اور فساق ہیں اور اگر تلاوت کرتے ہیں تو بعضے اُنمیں سے تلاوت کرتے ہیں اکثر اور اکثر کو واسطے
حکم کل کا ہے نہ بعض کے واسطے بخلاف شیعہ کہ اُنکا حال خود عیاں ہے کہ اُنمیں اس کثرت سے نہ تلاوت کرنیوالے ہیں اور نہ فساق ہیں - جیسے کہ اہل سنت میں ہیں
قال الشیخ الاشعری اس تقریر کے بعد شاید فاضلان شیعہ اپنے بچاؤ کے یہ سبیل کریں کہ حق تلاوت کے ہمارے نزدیک یہ معنی ہیں کہ بخشوع و خضوع و حضور
قلب با تدبر آیات تلاوت کیجاوے سو اسبات کی سنیوں میں نہ ہونے اور شیعوں میں ہونیکی کیا دلیل ہے اسلئے بندہ کمترین بطور پیش بندی یہ گزارش کرتا ہے کہ موافق مثل مشہور
ہمارا ادہر بھی لیکھا ہے اس بات کی تسلیم سے بھی ہمیں انکار نہیں کیونکہ خشوع و خضوع کا باعث بجز حسن عقیدہ یا کثرت تلاوت بہ نسبت کلام اللہ کے اور کچھ نہیں ہو سکتا
حسن عقیدہ کا باعث خشوع و خضوع ہونا تو ظاہر ہے رہی کثرت تلاوت سو اُسکی یہ وجہ ہے کہ اکثر بنی آدم خدا سے غافل دنیا کی طرف مائل ہوتے ہیں تو ساعت دو ساعت
کے ذکر یا تلاوت سے اُنکی غفلت اور رغبت زائل نہیں ہوتی ہاں مدتہائے دراز تک اگر ذکر کی مشق کیجیے تو مثل اور کاموں کے البتہ بتقدیر یاد داشت اور حضور کامل
پیدا ہو جائیگا اُسوقت خشوع و خضوع آپ پیدا ہو جائیگا مگر ان فرقوں کو ذکر کرنیوالے اور تلاوت کرنیوالے ہی جانیں تو جانیں شیعے کیا جانیں؟ **اقول** شیعہ ہر طرح سے بچے ہوئے
ہیں اُن پر طعن کرنیکی کوئی صورت نہیں ہے اہل سنت کے دروغگو جو چاہیں اُن پر تہمت کریں اور حق تلاوت کے معنی پہلی اس سے ہم بیان کر چکے ہیں کہ قرآن کے معانی
میں تدبر کرے اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرے اور ترتیل سے پڑھے کہ اُسکے حروف کو اُنکے مخارج مقررہ سے مع صفات کے ادا کرے اور اسکے ہمراہ اگر خشوع و خضوع
بھی ہو تو اور اولیٰ ہے اور بے حضور قلب تو پڑھنے کا کچھ لطف ہی نہیں ہے سو اس طرح سے بعضے شیعہ بھی پڑھتے ہیں اور بعضے اہل سنت بھی جن کو خداتعالیٰ نے
توفیق دی ہے اور ہم بعضے اہل سنت کا اس طرح سے پڑھنے کا انکار نہیں کرتے ہیں جیسے کہ تو شیعوں پر طرح طرح کی تہمت کرکے اپنا ایمان جھوٹ بول کر بدتر کرتا ہے
اور باعث خشوع و خضوع کا حسن عقیدہ ہے اور تدبر اُسکے معانی کا نہ کثرت تلاوت کہ طوطی کی طرح ٹانٹاں کر لیا اس سے کیا ہوتا ہے البتہ باعث ثواب بھی ہے کہ
تلاوت قرآن خالی ثواب سے نہیں ہے علے الخصوص وہ لوگ کہ جو معانی الفاظ قرآن کو نہیں جانتے ہیں اور جیسے اُن فرقوں کو اہل سنت جانتے ہیں ایسے ہی شیعہ
بھی جانتے ہیں کہ بعضے شیعہ بھی ایسے ہوتے ہیں کہ اُنکے تمام عمر تلاوت قرآن ہی میں بسر ہوتی ہے **قال الشیخ الاشعری** خیر غرض یہ ہے کہ باعث خشوع و خضوع
یا حسن عقیدہ ہے یا کثرت تلاوت بلکہ دونوں ملکر باعث خشوع و خضوع ہوتے ہیں سو حسن عقیدہ کا اُن لوگوں کے دلوں میں ہونا تو معلوم جو کلام ربانی کو بیاض عثمانی
سمجھتے ہیں **اقول** باعث خشوع و خضوع حسن عقیدہ ہے خواہ کثرت تلاوت ہو خواہ قلت تلاوت اور بیاض عثمانی جو کوئی شیعوں میں سے قرآن شریف کو کہتا
مقصود اُسکا اس سے یہ ہے کہ یہ قرآن جمع کروایا ہوا اس ترتیب سے عثمان کا ہے نہ یہ کہ وہ کلام عثمان کا ہے اور شیعہ کے نزدیک تو جو کوئی اس قرآن کا انکار کرے اور کلام خدا
اُس کو نجانے وہ کافر ہے اور بنیاد اُنکی دین کی اور مآخذ حلال و حرام کا اُنکے نزدیک وہی ہے پھر حسن عقیدہ قرآن کے اُنکے دلوں میں نہونیکی کیا وجہ ہے عداوت
کی راہ سے جو چاہو سو کہو۔ **قال الشیخ الاشعری** ہاں اہل سنت کے لئے جو کلام اللہ کو بے کم و کاست و تغیر و تبدل حرفاً حرفاً بجنسہ کلام اللہ منزل سمجھتے ہیں جتنا
کہئے تھوڑا ہے معہذا موافق نقل عربی الاناء یترشح بما فیہ یعنی ہر برتن میں سے وہی چیز چھلک کر نکلے گی جو اُسکے اندر ہوگی احوال شیعوں اور سنیوں کو مطابق کر کے
دیکھ لیجیے کسکو اس کلام اللہ سے زیادہ اعتقاد ہے اہل سنت کا حال تو ظاہر ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ حرز جان سمجھتی ہیں اور جہاں شیعے جز دانوں اور مکانوں میں
رکھتے ہیں سُنی بوجہ محبت سینوں میں اور جانوں میں رکھتی ہیں اور یہی وجہ ہے کہ کلام اللہ کی تعلیم و تعلم سب سے زیادہ اور کسی چیز کی تعلیم کا اہتمام نہیں

سب میں پہلے بچوں کو کلام اللہ ہی پڑھاتے ہیں اور تا مقدور حفظ بھی کراتے ہیں کلام اللہ کے سامنے کسیکی نہیں سنتے یہاں تک کہ احادیث کو بھی اسپر مطابق کرکے دیکھتے
ہیں اگر موافق نکلے تو فبہا ورنہ موافق مثل مشہور کا لا و بزبون بریش خاوند اسکو راویوں کے سر مارتے ہیں اور جان لیتے ہیں کہ کچھ نہ کچھ راوی کا قصور ہے القصہ عقل
و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں امام سمجھتے ہیں چنانچہ سب جانتی ہیں **اقول** شیعہ بے کم و کاست و تغیر و تبدیل کلام اللہ کو البتہ منزل من اللہ سمجھتے ہیں اور
اہل سنت کے علما کے نزدیک اس کلام اللہ میں بہت جگہہ تغیر و تبدیل الفاظ اور آیتیں اور سورتیں بلکہ قرآن کثیر کم ہوگیا ہے چنانچہ عنقریب ہم بیان کرینگے تو تمکو معلوم
ہوگا اور اگر سنیوں کو کلام اللہ کے اعتقاد ہے تو شیعوں کو بھی اس سے اعتقاد ہے اور انکے ایمان میں وہ داخل ہے اور اسکو حرز جان سمجھتے ہیں اور اگر تھوڑے سے سنی اپنی سینوں میں اسکو
رکھتے ہیں تو بعضے شیعہ بھی اسکو اپنی سینوں میں رکھتے ہیں اور کلام اللہ کی تعلیم و تعلم بہ زیادہ اور کسی چیز کی تعلیم کا اہتمام نہیں کرتے اور سب سے پہلے بچونکو کلام اللہ ہی پڑھاتے ہیں جب کلام اللہ کو ختم کر لیتے
ہیں تب دوسری چیز شروع کراتے ہیں اور اگر کوئی بعضا طالب دنیا قرآن کو چھوڑ کر فارسی یا انگریزی پڑھاتا ہے خواہ سنی ہو خواہ شیعہ اسکا اعتبار نہیں ہے اور سب
سنی اور سب شیعہ حفظ تو کا ہیکو کرتے ہیں مگر بعضے البتہ حفظ کراتے ہیں اور شیعہ بھی کلام اللہ کے سامنے کسیکی نہیں سنتے اور احادیث کو بھی اسی پر عرض کرتے ہیں اگر قرآن
کے مطابق نکلے تو فبہا ورنہ اس حدیث پر عمل نہیں کرتے اور اہل سنت کے نزدیک تو احادیث کو اگر اپنی رائے کے خلاف نکلے تو بھی رد کرتے ہیں چنانچہ ابو حنیفہ نے
چار سو احادیث کو رد کیا ہے جیسا کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کچھہ کلام اللہ ہی کے مطابق کرنا نہیں ہے شیعہ البتہ عقل و نقل کی کسوٹی اور دین و دنیا میں
امام اپنا کلام اللہ کو سمجھتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** باقی رہی حضرات شیعہ انکی بے اعتقادی بھی اسی درجہ کی ہے اور کیونکر نہوں علامہ کلینی اپنی کتاب کافی
میں جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب بعد کتاب اللہ ہے وہ روایتیں رقم فرماتے ہیں کہ جنکی دیکھنے سے کلام اللہ کیطرف سے نعوذ باللہ بالکل جی ٹھنڈا ہوا جاتا
ہے شایقین کی نظر سے انشاء اللہ جلد ہی گزرتے ہیں بالجملہ کلام اللہ کی بے اعتباری توراۃ و انجیل کی بے اعتباری سے بھی چند نمبر زیادہ ہے ناظرین روایات
مشار الیہا انشاء اللہ اس قول کو آپ تسلیم کرینگی غرض نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ کلام ربانی کا نام انکی اصطلاح میں بیاض عثمانی ہوگیا ہے اور اپنی آپ بھی کہے
سنے اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ منجملہ ثقلین کلام اللہ کیساتھ تو ہمیں تمسک میسر نہیں **اقول** شیعہ ہرگز ہرگز قرآن شریف سے بے اعتقاد نہیں ہیں تو جھوٹ لکھتا ہے
کہ بے اعتقادی کی تہمت انپر کرتا ہے بلکہ اعتقاد قرآن سے رکھنا انکے ایمان میں داخل ہے اور علامہ کلینی نے جو ناقص ہوجانے قرآن کی روایات بیان کی ہیں علمائ
شیعہ کے نزدیک ہرگز ان روایات کا اعتبار نہیں ہے کہ وہ منجملہ احاد ہیں چنانچہ معلوم ہوگا بلکہ انکے نزدیک تو یہہ ہے کہ کلام اللہ بے کم و کاست یہی ہے نہ اسمیں سے کم ہے نہ
زیادہ ہے اور علامہ کلینی کا بھی یہی اعتقاد ہے گو انہوں نے روایات کم ہوجانے قرآن کے بیان کی ہیں لوگوں سے سنکر اسواسطے کہ اعتقاد اور چیز ہے اور بیان
کرنا روایات کا اور امر ہے بخاری میں اکثر روایات ایسی ہیں کہ محمد اسمعیل بخاری کا اعتقاد انکے موافق نہیں ہے کہ وہ روایات تشبیہ اور تجسیم کے ہیں ورنہ ہمارے
نزدیک کافی اصح الکتب ہے بعد کتاب اللہ کے جیسے بخاری سنیونکی نزدیک ہے بلکہ ہماری نزدیک سب کتب احادیث برابر ہیں اور سنیونکی کتابوں میں بھی وہ روایات
ہیں کہ جنکے دیکھنے سے کلام اللہ کی طرف سے نعوذ باللہ بالکل جی ٹھنڈا ہوا جاتا ہے منصفونکی نظر سے انشاء اللہ جلد ہی گزرتے ہیں اس شیخ کے قول کے رد میں
بالجملہ کلام اللہ کی بے اعتباری اہل سنت کے نزدیک توراۃ و انجیل کی بے اعتباری سے بھی چند نمبر زیادہ ہے ناظرین روایات مشار الیہا انشاء اللہ تعالی اس قول
کو آپ تسلیم کرینگے اور سوا اسکے ایک بے اعتباری کی دلیل یہہ ہے کہ پیشاب سے قرآن کی آیت کا لکھنا انکے نزدیک جائز ہے چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہے اور
قرآن شریف شیعونکی اصطلاح میں ہرگز بیاض عثمانی نہیں ہے اور اگر کسی نے خوش طبعی کی راہ سے لکھدیا ہے تو مراد اس سے یہ ہے کہ عثمان نے اسکو جمع کروایا ہے
اور اسکے ترتیب نزول کو الٹ پلٹ کردیا ہے اور کہیں کی آیت کہیں ڈالدی ہے لیکن وہ سب ہی کلام ربانی ہے عثمان کا کلام نہیں ہے اور نہ کوئی شیعہ اسکو
کلام عثمان کہتا ہے تاکہ جای گرفت ہو اور یہ بھی کوئی شیعہ نہیں کہتا ہے کہ منجملہ ثقلین کلام اللہ کے ساتھہ تو ہمیں تمسک میسر نہیں ہے اور اگر بالفرض کسینے کہا بھی
ہے تو اس اعتبار سے کہ ہم مضامین قرآن کو نہیں سمجھہ سکتے ہیں اسکی تفسیر میں جو کچھ پیغمبر صلعم اور امام علیہ السلام فرماویں وہ حق ہے اور اپنی رای سے ہم کچھہ نہیں
سمجھہ سکتے جیسے کہ پیشوایان اہل سنت اپنی رای سے تفسیر کرتے تھے سو انکو ہی حقیقت میں قرآن سے تمسک نتہا بلکہ یہ اپنی رائے کے تھے **قال الشیخ الاشعری**
اور ہر تلاوت کلام ربانی کے انداز اور مجلس مرثیہ و کتاب خوانی کی توقیر و تعظیم کے موازنہ سے خود ظاہر ہے کہ گو شیعوں کے دلمیں کلام اللہ کی مرثیوں کے برابر بھی قدر
منزلت نہیں گو زبان سے نہ کہیں ورنہ اسکے کیا معنے کہ کلام اللہ کے پڑہنے والے کو بھی حقہ کے پی لینے میں کچھہ دریغ ہو اور محفل مرثیہ و کتاب میں کیا مقدور جو کوئی
حقہ کی طرف دیکھہ بھی سکے بہر حال حال اکثر شیعہ اس بات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ کی عظمت انکے دلوں میں چنداں نہیں گو اقل قلیل اہل سنت میں بھی ہیں

ہوں کہ انکا حال اُنکے قال کے موافق نہو **اقول** کہاں تلاوت کلام ربانی کے انداز اور کہاں مجلس مرثیہ خوانی چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک۔ وہ کلام خدا یہ کلام بشر
کیونکر برابر ہوسکتے ہیں اور یہ کہنا کہ شیعوں کے دل میں کلام اللہ کی مرثیوں کی برابر قدر و منزلت نہیں چاند پر خاک ڈالنی ہے اور چاند خاک ڈالنے سے کب پوشیدہ ہوتا ہے
شیعوں کا قرآن شریف ایمان ہے اُسکی منزلت کی برابر اُنکے نزدیک کوئی چیز ہی نہیں ہے وہ سب سے اعلےٰ ہے۔ کیا کیا تہمتیں شیعوں پر کرتے ہیں خدا انکو سمجھے ہاں اس طرح
کہیں تو مضائقہ نہیں ہے کہ مجلس حال و قال جہاں ڈھولک بجوا کر پیر اہل سنت کے ناچتے اور کودتے ہیں اُسکی تعظیم و توقیر کلام ربانی سے بڑھکر ہے اہل سنت کے نزدیک کہ جب حال کھیلنے والا
کھڑا ہوتا ہے تو سب آدمی اُس مجلس کے کھڑے ہوجاتے ہیں اور جب وہ بیٹھتا ہے تو سب بیٹھ جاتے ہیں اور کلام اللہ کی تعظیم کے واسطے کونسا سُنی کھڑا ہوتا ہے ایک مجلس میں چالیس
پچاس سُنی بیٹھے ہوں اور کوئی شخص سامنے سے کلام اللہ لیکر آئے تو کوئی سُنی کھڑا ہوگا اور حقہ کا پینا روایاتِ معتبرہ صحیحہ کی رُو سے شرع میں ممنوع نہیں ہے خواہ کلام اللہ
پڑھنے والا ہو خواہ مرثیہ اور کتاب پڑھنے والا لیکن بنظر تعظیم تلاوتِ قرآن کے سبب سے کوئی شیعہ وقت پڑھنے قرآن کے حقہ نہیں پیتا ہے اور مجلس قرآن خوانی میں بھی کوئی
شیعہ حقہ نہیں پیتا ہے وہاں سے بھی حقہ کو اُٹھا لیتے ہیں اور مجلس مرثیہ خوانی میں جو حقہ نہ پینے کی رسم ہوگئی ہے تو کچھ تعظیم مجلس کے واسطے نہیں ہے بلکہ اسواسطے حقہ اُٹھادیتے
ہیں کہ مرثیہ کے سُننے کی طرف متوجہ ہوں اور مرثیہ کو سنکر گریہ کریں اور اُسوقت اگر حقہ پئیں گے تو توجہ مرثیہ کی طرف بخوبی نہوگی یہ رسم ہندوستان میں ہے اور ایران میں تو
منبر کے نیچے حقہ پیتے ہیں جسوقت کتاب خواں منبر پر کتاب پڑھتا ہے اور عظمت کلام اللہ کی تو شیعوں کے نزدیک ایسی ہے کہ سنیوں کے نزدیک بھی نہوگی **قال الشیخ
الاشعری** باقی رہی کثرت تلاوت اُسکے کہنے کی کچھ حاجت نہیں یہ تو شیعوں کے اقرار سے بھی بفضلہ تعالیٰ نصیب اہل سنت ہی ہوا ہے القصہ اگر علماء شیعہ حق تلاوت
کو معنی خشوع و خضوع رکھیں تو ہمیں تو کچھ انکار نہیں کیونکہ خشوع و خضوع بھی اگر ہے تو اہل سنت ہی میں ہے پر اسکو کیا کیجے کہ نظم و نسق کلام اللہ اسی طرف ہے کہ حق
تلاوت سے کثرت تلاوت ہی مراد ہے کیونکہ اول تو حق تلاوت یتلونہ کا مفعول مطلق ہے اور مفعول مطلق سب جانتے ہیں کہ بمعنی فعل مذکور یا اُسکے اقسام میں سے ہوتا ہے سو کثرت تلاوت
تو بیشک اقسام تلاوت میں سے ہے پر خشوع و خضوع داخل تلاوت نہیں بلکہ امور خارجیہ میں سے ہیں کون نہیں جانتا کہ تلاوت زبان کا کام ہے اور خضوع و خشوع دل کے
احوال میں سے ہے اور یہ بھی نہ سہی اولئک الذین یومنون بہ کو الذین آتیناہم پر محمول کرنا اسبات کو مقتضی ہے کہ ایمان تلاوت موصوف پر متفرع ہو چنانچہ جو لوگ فنون
بلاغت سے آشنا ہیں وہ اسبات سے بھی آشنا ہیں اور اسیواسطے یومنون بصیغہ استقبال فرمایا آمنوا نفرمایا **اقول** اول تو یہ ہے کہ یہ آیت اہل کتاب کے حق میں نازل ہوئی ہے اور کتاب سے مراد
اُنکی کتاب ہے اور حق تلاوتہ کے معنی میں اختلاف ہے بعضے علماء اہل سنت تو کہتے ہیں کہ یصفونہ حق صفتہ اور ضمیر کو رسول خدا صلعم کی طرف پھیرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ مراد اُس سے
یعملون حق العمل بہ ہے اور بعضے کہتے ہیں کہ معنی اُسکے یتبعونہ حق اتباعہ اور صاحب بیضاوی نے معنی اسکے یہ لکھے ہیں کہ یتلونہ حق تلاوتہ بمراعات اللفظ من التحریف و
التدبر فی معناہ و العمل بمقتضاہ یعنی تلاوت کرتے ہیں اسکو جو کہ حق تلاوت ہے کہ لفظ کو اُسکی تحریف سے نگاہ رکھتے ہیں اور اُسکے معنی میں تدبر کرتے ہیں اور موافق مقتضا اُسکے کے
عمل کرتے ہیں اور بعضے کہتے ہیں کہ معنی اُسکے یہ ہیں کہ ترتیل سے اُسکے الفاظ کو ادا کرتے ہیں اور معانی کو اُسکے سمجھتے ہیں اور ہمارے یہاں حضرت صادقؑ سے روایت ہے کہ مراد اُس سے
یہ ہے کہ ٹھیر جاتے ہیں وقت ذکر جنت اور نار کے اور جنت کا سوال کرتے ہیں اور دوزخ سے پناہ مانگتے ہیں اور کثرت تلاوت اسکے معنی کسی نے نہیں لکھے اپنی رائے سے یہ شیخ جو کچھ چاہتا ہے
لکھتا ہے جیسے کہ اسکے پیشوا اپنی رائے سے تفسیر قرآن کی بیان کرکے کہتے تھے کہ اگر اسمیں خطا ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے ہے اور اگر ہم فرض کریں کہ مراد اس سے کثرت تلاوت ہے تو کیا بعضے شیعہ
ایسے نہیں ہوتے ہیں بچشم خود بعضے شیعہ کو دیکھا ہے کہ صبح سے شام تک سوائے تلاوتِ قرآن کے اُنکا کچھ اور شغل نہیں ہے اور جیسے کہ سب شیعہ ایسے نہیں ہوتے ہیں تو سب اہل سنت بھی ایسے نہیں
ہوتے بعضے ہی ہوتے ہیں ہاں اہل سنت جو کثرت سے ہیں اور شیعہ قلیل ہیں تو ایسے آدمی اہل سنت کے شیعوں سے زیادہ ہیں اور شیعہ ہرگز یہ اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کثرت تلاوت نصیب اہل سنت
ہی ہے اور شیعہ اس سے محروم ہیں تو جھوٹ لکھتا ہے اور علماء شیعہ حق تلاوت کو بمعنی خضوع و خشوع ہرگز نہیں کہتے ہیں یہ بھی تو جھوٹ اپنی رائے سے ایجاد کرکے لکھتا ہے اور خضوع و خشوع سے
شیعہ محروم بھی نہیں ہیں جو کہ اُن میں معانی قرآن کو سمجھتے ہیں البتہ وقت تلاوت کے خضوع و خشوع سے پڑھتے ہیں تخصیص اہل سنت کی نہیں ہے اور نظم و نسق کلام اللہ کو تو کیا جانے جو کہ
ماہرین فن عربیت ہیں مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی وغیرہ کسی نے بھی معنی اسکے کثرت تلاوت کے نہیں لکھے کیا وہ نہیں جانتے تھے کہ حق تلاوتہ مفعول مطلق واقع ہوا ہے جیسے کہ معنی
حق تلاوتہ کے کثرت تلاوت نہیں ہیں ایسے ہی شیعوں کے نزدیک مراد اس سے خضوع اور خشوع بھی نہیں ہے تو عبث کاغذ کو کیوں سیاہ کرتا ہے اور یہ تو سبھی جانتے ہیں کہ تلاوت
زبان کا کام ہے اور خضوع و خشوع دل سے تعلق رکھتا ہے اور اولئک یومنون بہ اگر الذین آتیناہم پر محمول ہو تو تیرا مطلب اس سے کیا ثابت ہوا کہ مراد حق تلاوت سے یہاں کثرت تلاوت نہیں ہے
اور نہ ہم اسکو بمعنی خضوع و خشوع کہتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** طرفہ یہ ہے کہ در صورتیکہ حق تلاوت بمعنی خضوع و خشوع ہو معاملہ برعکس ہو جائیگا تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ایمان سے یا تو معنی
مشہور مراد لیجے یا بمعنی کمال انقیاد و تسلیم جسے کامل ایمان کہتے ہیں کہئے یا تصدیق معانی مقصودہ جو مراد خداوندی ہے قرار دیجے سو بہر صورت معاملہ برعکس ہے ایمان بمعنی مشہور یعنی تصدیق

لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کا خشوع و خضوع سے پہلے ہونا تو کسی پر مخفی ہی نہیں سب جانتے ہیں کہ ایمان ہی کی بقدر ایمان خضوع و خشوع پیدا ہوتا ہی نہ کہ برعکس ہاں ایمان بمعنے کمال انقیاد سو وہ بھی اسی طرح خضوع و خشوع تلاوت سے مقدم ہی کیونکہ یہ سبب ہے وہ مسبب بعد آیت اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَتَطْمَئِنُّ قُلُوْبُهُمْ بِذِكْرِ اللّٰهِ اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ بھی اسی طرف مشیر ہی کہ ایمان کامل باعث کثرت ذکر اور موجب کمال اطمینان قلب جمعیت توجہ الی اللہ اور حضور قلب سے ہوتا ہے کیونکہ اطمینان قلب کا حاصل ہونا بجز نفوس مطمئنہ کے جو کامل الایمان ہوتے ہیں متصور نہیں چنانچہ بدیہی ہی باقی رہا ایمان بمعنی تصدیق و علم مراد خداوندی سو وہ بھی بشہادت آیہ اِذَا سَمِعُوْا مَاۤ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْیُنَهُمْ تَفِیْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ حال خضوع جو آیہ میں تضمن ترى اعینهم تفیض من الدمع مذکور ہی مقدم ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اس آیت کا حاصل یہ ہی کہ جب سنیں وہ لوگ کہ جنکا اُوپر سے ذکر ہی اُس کلام کو جو رسول پر نازل کی گئی ہی تو دیکھے تو اُنکی آنکھوں کو کہ آنسوؤں سے بہ رہی ہی بسبب اسکے کہ جان لیا ہی اُنہوں نے حق بات کو انہ سو اس سے یہ بات صاف روشن ہی کہ اُنہوں نے کلام اللہ کو سنکر مضامین حق دریافت کئے اِس سبب سے اُنکا یہ حال ہوگیا کہ آنسوؤں کا تار بندھ گیا ہی یعنی بسبب حق کے دریافت ہونے کے اُنکے دلوں میں خشوع و خضوع پیدا ہوگیا نہ یہ کہ رونے اور خشوع و خضوع کے باعث اُنکو حق بات معلوم ہوگئی ہی غرض بصورتیکہ حق تلاوت بمعنی خشوع و خضوع ہو تو ہر طور ترتیب بالعکس ہوئی جاتی ہی ہاں اگر حق تلاوت سے کثرت تلاوت مراد ہو تو تینوں صورتوں میں ترتیب بطور خود رہیگی کیونکہ بے ایمانوں اور ضعیف الایمانوں کو تو کثرت تلاوت موجب آگاہی حقائق و دقائق کلام ربانی ہوتی ہی اور باعث ہدایت اور رفع شکوک و سبب حسن عقیدت جو عین ایمان ہے ہوجاتی ہی سو اگر ایمان سے ایمان بمعنی مشہور مراد ہو تو بایں طور کثرت تلاوت باعث حصول ایمان ہی اور اگر کمال ایمان مراد ہی تب بھی یہی بات ہے کیونکہ کثرت تلاوت سے دم بدم غفلت زائل ہوجاتی ہی اور لمحہ بلمحہ بلکہ یادداشت اور حضور قلب ترقی پکڑتا ہی اور صفائی آئینہ قلب کی زیادتی اور انوار تجلیات کے ہجوم کا باعث ہوجاتی ہی اسوجہ سے تصدیق قلبی محکم اور مستحکم ہوجائے اور کمال انقیاد پیدا ہوتا ہے باقی رہا ایمان بمعنی علم مراد خداوندی سو اُسکا کثرت تلاوت پر متفرع اور مترتب ہونا سب ہی پر ظاہر ہی کون نہیں جانتا کہ ایک کتاب کا کثرت سے مطالعہ کرنیوالا اُسکے مطلب کو بہ نسبت اُن لوگوں کے جو اُسکی طرف متوجہ نہیں ہوتے اکثر صحیح ہی سمجھتا ہی **اقول** ہم حق تلاوت کو بمعنی خشوع و خضوع نہیں کہتے ہیں تو اپنی طرف سے بمعنی خشوع و خضوع کہتا ہے اور پھر اسکا جواب دیتا ہی اور کثرت تلاوت بھی نہیں بن سکتا اسواسطے کہ جبتک کہ پہلے ایمان نہوگا اُسکے ساتھ تو وہ کیوں اسکی تلاوت کریگا یہ جا کہ کثرت تلاوت اور اُس کے ساتھ خشوع و خضوع اور باعث حسن عقیدت یہ سب اُسی پر موقوف ہے کہ پہلے ایمان حاصل ہولے اور اگر کلام اللہ کو کسی سے سنکر ایمان لائیگا تو اُسکے معنی میں عمل کرکے اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرکے خواہ کلام اللہ کو خود دیکھے اگرچہ ایک ہی دو مرتبہ ہی ہو یا کسی دوسرے سے سُنے اور محض تلاوت سے کیا ہوتا ہی خواہ کثرت سے ہو خواہ نہو اور اگر مراد یہ ہے کہ کافر اگر کثرت سے تلاوت کریگا تو اُس پر ایمان لائیگا سو کثرت تلاوت سے کیا ہوتا ہے طوطے کی طرح ٹاں ٹاں کیا کرو بلکہ حق تلاوت سے مراد وہ ہے کہ جو مفسرین نے لکھا ہی کہ اُسکے معانی میں تدبر کرے اور موافق اُسکے مقتضا کے عمل کرے اگرچہ ایک مرتبہ ہی تلاوت ہو جب ایسا کریگا تو اُسپر ایمان لائیگا اور کثرت تو نے کہاں سے نکالی اور یہی اُسکے معانی میں مطابق تفاسیر اہل سنت کے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ جن لوگوں کو ہم نے کتاب توراۃ دی ہی تو وہ اُسکے معانی میں تدبر کرتے ہیں اور تحریف نہیں کرتے ہیں وہ ہی ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر نہ تحریف کرنیوالے اور جو کوئی کفر کرے اُسکا کہ اسمیں یعنی کرے وہ لوگ ٹوٹے میں ہیں اور کثرت تلاوت کے معانی تو درست ہی نہیں ہو سکتے اسواسطے کہ اسوقت اُسکے یہ معنی ہونگے کہ جو کثرت سے تلاوت کرتے ہیں وہ اُسپر ایمان لاتے ہیں اور جو کہ کثرت سے تلاوت نہیں کرتے وہ اُسپر ایمان نہیں لاتے اور حال یہ ہی کہ ایمان لانا تلاوت پر موقوف نہیں ہے اور اگر ایسا ہو تو کثرت سے تلاوت نکرنیوالے یا کبھی کبھی تلاوت کرنیوالے کافر ٹھیریں سو ایسے اہل سنت دنیا میں لاکھوں ہیں اور پہلے تو یہ کہتا تھا کہ اہل سنت کثرت سے تلاوت کرنیوالے ہیں اور اب کہتا ہے کہ کفار کثرت تلاوت سے ایمان لائینگے اور حال یہ ہے کہ آیت نازل تو ہوئی ہی اہل کتاب کے حق میں جو کہ کتاب توراۃ کو پڑھکر ایمان لائے تھے اور یہ شیخ قرآن شریف کو کہتا ہے اور اگر کثرت تلاوت ہی باعث حصول ایمان ہی جیسا کہ یہ شیخ کہتا ہی تو معلوم ہوا کہ اہل سنت جو کثرت سے تلاوت کرتے ہیں اُنکو اس تلاوت سے ایمان حاصل ہوا ہی اور پہلے وہ کافر تھے اور جو سُنی کہ کثرت سے تلاوت نہیں کرتے ہیں یا کبھی کبھی تلاوت کرتے ہیں وہ کافر ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب ایک شبہ باقی رہا وہ یہ ہے کہ آیت الذین آتینا ہم سے ایمان کا تلاوت موصوف پر متفرع ہونا ہر چند ظاہر ہی چنانچہ مبتدا کو بقید مذکور مقید کرنا اور اولئک یومنون بہ کا اُسپر محمول کرنا اور یومنون کہنا اور آمنوا نہ کہنا سب اسی طرف مشیر ہیں مگر احتمال یہ بھی تو ہی کہ بطور معلوم تلاوت کرنا ایمان کی فقط علامت ہو اور ترتب اور تفرع کا کچھ لحاظ نہو اور ظاہر ہے کہ بعضی اشیاء کے علامتیں ایسی ہوتی ہیں کہ وہ اُن اشیاء ہی کے سبب پیدا ہوتی ہیں جیسے دُھواں دور سے جہاں سے آگ نظر نہ آتی ہو آگ کے علامت ہے اور تسپر آگ ہی سے پیدا ہوتا ہے اور اُسکا وجود آگ کے وجود کی فرع ہے آگ کا وجود اُسکے وجود کی فرع نہیں سو ایسے ہی اگر تلاوت موصوف ایمان کی علامت بھی ہو اور پھر ایمان ہی سے پیدا بھی ہوتی ہو اور بغرض بیان علامت ہی جناب باری نے یہ فرمایا ہو تو کیا حرج ہی اس شبہ کا جواب یہ ہی کہ عمدہ توجیہ کو چھوڑکر ایسے احتمال ضعیف کو لینا اول تو یہی دلیل کم فہمی ہی خصوصاً خدا کے کلام میں کہ اُسمیں تو بالاتفاق اگر ہوگی تو عمدہ توجیہ مراد خداوندی ہوگی

دوسرے سلمنا لیکن اسکا کیا جواب کہ بیان علامت سے تو غرض یہ ہوتی ہو کہ وہ شے جسکی یہ علامت ہے متمیز اور متبین ہوجائے سو جبتک علامت خود متمیز اور متبین نہو گی تب تک بیان علامت بیکار ہی خدا کے کلام میں بیہودہ اور بیکار باتوں کا ہونا منجملۂ محالات ہے اور چونکہ خشوع وخضوع امر مخفی ہی اُسکو علامت ایمان مقرر کرنا تعریف مجہول بالمجہول اور تشریح مخفی بالمخفی کی قسم میں سے ہی البتہ کثرت تلاوت ایک امر محسوس ہے اُسکو اگر علامت کہئے تو زیبا ہی اور پھر قطع نظر اسکے مفید ترتیب کو بر معہذا خضوع خشوع کی طرف بھی اشارہ ہوگیا اور ترتیب ور تفریع بھی ہاتھ سے نگئی اور حق تلاوت کا مفعول مطلق ہونا بھی صحیح و درست رہا اور کسی طرح کی تکلف کی ضرورت نہ پڑے **اقول** ۔ ہم اُوپر بیان کر چکے کہ حق تلاوت کو بمعنی خشوع وخضوع ہم نہیں کہتے اور نہ حق تلاوت بمعنی کثرت تلاوت ہے اور شبہ مذکورہ اسمیں البتہ ہوسکتا ہی کہ حق تلاوت جو بمعنی خضوع وخشوع ہے علامت ایمان کی ہی اور ایمان میں سے ہی پیدا ہوا ہے اور جواب اسکا مسکت خصم نہیں ہے ، اور تیری توجیہ عمدہ کیونکر ہی اُسکی عمدگی بیان کی ہوتی اور شبہ کر نیوالا کہتا ہی کہ یہ احتمال تیری توجیہ سے قوی ہی اور خشوع وخضوع امر مخفی بھی نہیں ہے بلکہ یہ بھی امر محسوس ہی مثل کثرت تلاوت کے اسواسطے کہ یہ خضوع وخشوع اگرچہ دل سے تعلق رکھتا ہی لیکن جسوقت کہ کوئی خشوع وخضوع سے پڑھتا ہی تو اُسکا اثر پڑھنے والے کے چہرہ پر نمایاں ہوجاتا ہے اور پڑھنے والے کی صورت دیکھکر معلوم ہوجاتا ہی اور بخوبی اُسکے چہرہ سے محسوس ہوتا ہے کہ یہ آدمی خشوع وخضوع سے پڑھتا ہی **قال الشیخ الاشعری** جب اس شبہ کی تردید سے فراغت پائی تو ایک اور فائدہ گوش گزار اہل فہم ہی وہ یہ ہے کہ قید آتینا ہم سے یوں خیال میں آتا ہی کہ جن لوگوں کو کتاب نہیں دیگئی یعنی اُسکو مانتے ہی نہیں چہ جائیکہ یاد کر فقط سمجھ جانا اُن لوگوں میں سے اگر کوئی حافظ ہوجائے تو مضائقہ نہیں یا یوں کہئے کہ اسکو ایسی تلاوت جسے تلاوت کا حق کہتے ہیں میسر آجائے تو آجائے پر اُن لوگوں میں سے جنہیں ملی ہی یعنی اُسکو تسلیم کر لیا کثرت تلاوت وہیں ہی ہوگی جہاں حق ہی ہوگا کچھ کجی نہوگی کیونکہ کثرت تلاوت جسے تلاوت کا حق کہتے ہیں علامت ایمان ہے ، تو فقط اُنہیں کی نسبت ہے جو اُسکو تسلیم بھی کرتے ہیں کہ پھر کسی کے حق میں اس صورت میں جو مشہور ہی کہ برنس نصرانی کو کلام اللہ یاد تھا کیا عجب ہے کہ صحیح ہو و پھر حال بعلامت یتلونہ حق تلاوتہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ بشارت اولئک یؤمنون بہ فرقۂ اہل سنت کیلئے ہی اور حضرات روافض منجملۂ ومن یکفر بہ فاولئک ہم الخاسرون میں جسکے یہ معنی ہیں اور جو کتاب اللہ سے پھر گئے سو وہی ٹوٹے میں ہیں **اقول** یہ شبہ تجھ سے بخوبی رد نہیں ہو سکا اور یہ فائدہ بھی تیرا بیان بیفائدہ ہی اسواسطے کہ برنس نصرانی تو اہل کتاب میں سے ہی اور اُن لوگوں ہی کا ذکر آیہ مذکورہ میں ہے نہ قرآن کا اور مسلمانوں کا اور وہ اپنی کتاب کو مانتے بھی ہیں اور اگر قرآن کو نہیں مانتے تو کیا ہوا قرآن کے دینے کا تو آیت مذکورہ میں ذکر ہی نہیں ہے ، اور جن لوگوں نے کہ قرآن کو مانا اور پھر اُسکے الفاظ میں غلطی جانی وہ اہل سنت ہیں چنانچہ معلوم ہوگا اور جسے حق تلاوت کہتے ہیں یہ کیا ضرور ہی کہ جہاں حق ہو وہیں ہو بلکہ غیر حق میں بھی موافق تیرے اقرار کے ہو سکتی ہی اسواسطے کہ تو لکھتا ہی کہ جن لوگوں کو کتاب نہیں دیگئی وہ حافظ ہو سکتے ہیں جیسے کہ برنس تھا اور جب حافظ ہوا تو کثرت تلاوت بھی کریگا ورنہ اسکو قرآن کیونکر یاد رہیگا اور کثرت تلاوت علامت ایمان بھی نہوئی اسواسطے کہ اگر علامتِ ایمان تھی تو برنس نصرانی حافظ نہیں ہوسکتا تھا اور جو حق تلاوت ہے وہ اکثر اہل سنت میں بھی نہیں پایا جاتا الفاظ کو بقاعدہ قرأت کے ادا کرتے ہیں اور اکثر سنی ہندوستان کے رہنے والے نہیں جانتے کہ قرآن کا کیا مطلب ہے طوطے کی طرح ٹاں ٹاں کر لیتے ہیں اور جو مراد ہی حق تلاوت سے کہ اُسکے معانی میں تدبر کرے اور موافق اُسکے مقتضا کی عمل کرے جیسے کہ بیضاوی میں لکھا ہی سو وہ جہلا اُس سے واقف ہی نہیں ہیں اور کثرت تلاوت ہرگز حق تلاوت نہیں ہے اور نہ کسی نے لکھا ہی تو اپنی طرف سے ٹاں ٹاں کرتا ہی اور اگر قرآن کو غلط تسلیم کیا جیسے کہ علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن غلطیوں کو شامل ہی تو اس صورت میں اہل سنت بھی مثل نصرانیوں کے ہوئے کہ اُنکا اور اُنکا اعتقاد بہ نسبت قرآن شریف ایک ہے بہرحال بحکم آیہ یَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ یُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ یوں معلوم ہوتا ہی کہ شیعہ زمرہ مومنین میں سے ہیں اور اہل سنت گروہ وَمَنْ یَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ میں سے اسواسطے کہ شیعہ قرآن کو حق اور صحیح اعتقاد کرکے تلاوت کرتے ہیں کہ جو حق تلاوت ہے اور کہتے ہیں کہ اسمیں کسی طرح کی غلطی نہیں ہی اور جس طرح سے کہ یہ ہی اسپر ہمارا ایمان ہے ، اور اہل سنت کہتے ہیں کہ قرآن میں غلطیاں ہیں اور قرآن کے الفاظ تبدیل یا کچھ کے کچھ ہوگئے ہیں اور کاتبوں نے قرآن کو غلط کردیا ہی غلطیاں لکھکر بلکہ قرآن کی غلطی الفاظ پر عثمان اور عائشہ کا اقرار ہی چنانچہ بعد اُسکے معلوم ہوگا اس صورت میں اہل سنت نے قرآن کا کفر کیا کہ اُسکو مثل یہود و نصاریٰ کے غلط قرار دیا اور سارے قرآن کے صحیح اور حق ہونے پر ایمان نہ لائے اس جہت سے یہ فرقہ آخرت میں ٹوٹے والوں میں سے ہوگا **قال الشیخ الاشعری** اب التماس یہ ہے کہ سوا آیت مذکورہ آیات کثیرہ حقیت مذہب اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر دلالت کرتے ہیں اور کیونکر دلالت نکریں جسقدر عقائد مخصوصہ مذہب شیعہ اور فروع خاصہ مذہب مذکور ہیں تمامہا مخالف کلام اللہ ہیں اور مذہب اہل سنت سراپا کلام اللہ پر مطابق اور وجہ اسکی یہی ہی کہ بسبب تلاوت کے حق ادا کرنیکے اہل سنت تو مغز سخن ربانی کو پہنچے اور شیعہ بسبب اسکے کہ کثرت تلاوت بوجوہ مذکورہ اُنکو میسر نہ آئے دقائق کلام اللہ کو نہ سمجھے مگر چونکہ آیت مذکورہ کے ذکر کرنے سے یہ نکتہ معلوم ہوگیا تو اہل عقل بالاجمال سمجھ جائینگے کہ بیشک آیات ربانی مخالف مذہب شیعہ ہونگی اور مذہب اہل سنت تمامہا موافق قرآن مجید تو قطع نظر اسکے کہ آیت مذکورہ حقیت مذہب اہل سنت و بطلان مذہب شیعہ پر جداگانہ بھی دلالت کرتی ہی

چنانچہ ملاحظہ تقریر بالا سے واضح ہو جائیگا اور آیات کے حوالہ سے بھی حقیت مذہب اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر دلالت کرتی ہے چونکہ اسوجہ سے یہ آیت اور آیات کی بھی بنا ثابت کر دی
ہے تو اسکو کیا بیان کیا گویا سبھی کو بیان کر دیا اسوجہ سے اور آیات کے بیان سے مقتصر ہوں معہذا اگر تمام آیات مخالف مذہب شیعہ کو لیجیے تو ایک دو تو نہیں جو سہل ہو بکثرت بلکہ اکثر آیات کلام اللہ
عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب شیعہ کو رد کرتے ہیں اور مذہب اہل سنت کی حقیت اور حقانیت پر شاہد ہیں اس رسالہ مختصر میں سب کی گنجائش کہاں خصوصاً جبکہ بقدر فہم انکی
شرح بھی کیجیے اور اُنسے اہل سنت کی حقانیت اور اُنکے مذہب کی حقیت اور اہل تشیع کے مذہب کے بطلان پر استدلال بھی لائیے **اقول** یہ شیخ آیت الذین آتیناہم الکتاب لنسے جو اپنا مطلب
ثابت کرتا ہے اور حق تلاوت سے مراد کثرتِ تلاوت لیتا ہے اور کتاب سے مراد قرآن شریف لیتا ہے بالکل خلاف واقع ہے نہ تو حق تلاوت سے مراد کثرت تلاوت ہے اور نہ کتاب سے مراد قرآن ہے بلکہ جو کچھ بیضاوی
وغیرہ کتب تفاسیر میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ مراد کتاب سے توریت ہے اور جنکو کتاب دی ہے وہ یہود ہیں نہ مسلمان اور حق تلاوت سے مراد اُسکے معانی میں تدبر کرنا ہے نہ کثرت تلاوت اور کثرت تلاوت جو اہل سنت
میں منحصر کرتا ہے یہ بھی غلطی ہے بلکہ شیعوں میں بھی تلاوت بعضے آدمی کثرت سے کرتے ہیں کہ انکا شغل سوائے تلاوتِ قرآن کے دوسرا کوئی کام نہیں ہے، اور جب کہیں کو سفر کرتے ہیں تو ایک
حمائل اور صحیفہ کاملہ اُنکے پاس حرز جان ہوتا ہے اور کثرت تلاوت سے مراد اگر یہ ہے کہ اہل سنت میں بہت آدمی تلاوت کرتے ہیں اور شیعوں میں تھوڑے آدمی تو وجہ اسکی یہ ہے کہ
انکے فرقہ کے آدمیوں کی کثرت بھی تو ہے شیعہ بہ نسبت انکے عشر عشیر بھی نہیں ہیں اور جو کچھ اسنے اس قول میں لکھا ہے کہ سوا آیت مذکورہ آیاتِ کثیرہ حقیت اہل سنت اور بطلان مذہب شیعہ پر
دلالت کرتی ہیں بالکل اُلٹا لکھا ہے بلکہ سوائے آیت مذکورہ کثرت سے آیاتِ قرآنیہ حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی ہیں چنانچہ اپنے مقام پر معلوم ہو جائیگا اور
سوائے اسکے یہ ہے کہ انکا ایمان کل قرآن پر نہیں ہے بلکہ قرآن میں بہت سی غلطیاں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرآن کے الفاظ دوسرے الفاظ سے بدل گئے ہیں اور کاتبوں نے قرآن میں
غلط الفاظ لکھ دیے ہیں چنانچہ عنقریب سب معلوم ہو جائیگا اور اب میں بھی جو کچھ حق ہے وہ کہتا ہوں کہ آیاتِ کثیرہ حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی
ہیں اور کیونکر دلالت نکریں کہ جسقدر عقائد مخصوصہ مذہب شیعہ اور فروع خاصہ مذہب مذکور ہیں تمامہا مطابق کلام اللہ کے ہیں کہ انکے اصول و فروع ماخوذ اور نہ علوم ختم المرسلین
سے ہیں اور مذہب اہل سنت سراپا مخالف کلام اللہ کے ہے کہ وہ پیرو جہلا کے ہیں کہ جو اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر کرتے تھے اور مسائل دین میں غلطیاں کرتے تھے اور جب مشکل پڑتی
تھی تو دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے اور بعد انکے اصول میں مقلد ابوالحسن اشعری اور ابو المنصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں پیرو ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد حنبل
کے ہیں کہ وہ نہ صحابہ میں سے تھے اور نہ اہل بیت میں سے اور تلاوت قرآن تو شیعہ اور سنی دونو ہی کرتے ہیں لیکن شیعہ بسبب پیروی اہل بیت علیہم السلام کے اور کثرت حق تلاوت کے مغز
سخن ربانی کو پہنچے اور اہل سنت بسبب نہ ایمان لانے صحت کل قرآن کے اور پیروی اہل بیت کے جو اُنکو میسر آئے تو دقائق کلام اللہ کو نہ سمجھے اور آیت مذکورہ کے ذکر کرنے سے اسکا دعویٰ
تو کچھ ثابت نہوا لیکن ہمارے بیان سے اہل عقل بالاجمال سمجھ جائینگے کہ بیشک آیات ربانی مخالف مذہب اہل سنت ہونگی اور مذہب شیعہ تمامہ موافق قرآن مجید تو قطع نظر اسکے
کہ آیت مذکورہ سے مطلب اہل سنت کا کچھ ثابت نہوا بلکہ مثل اور آیتوں کے یہ آیت بھی حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت ہی پر دلالت کرتی ہے تو ہماری تقریر بالا سے
واضح ہو جائیگا کہ جو کچھ ہم لکھتے ہیں سب حق ہے اور جو کچھ یہ لکھتا ہے وہ باطل ہے اور چونکہ اسوجہ سے کہ اس آیت سے اسکا مطلب ثابت نہوا تو اور آیتوں کو بیان نکر سکا کہ کسی آیت سے اسکا مطلب
ثابت ہی نہیں ہے بلکہ کل آیتیں حقیت مذہب شیعہ اور بطلان مذہب اہل سنت پر دلالت کرتی ہیں اور اگر یہ بیان کرتا تو ہم اسکی تقریر کو باطل کر کے اپنی حقیت ثابت کر دکھلاتے
معہذا اگر تمام آیات مخالفہ مذہب اہل سنت کو لیجیے تو ایک دو تو نہیں جو سہل ہو بلکہ اکثر آیات کلام اللہ عقائد و احکام و اصول و فروع مذہب اہل سنت کو رد کرتے ہیں اور شیعوں کی
حقیت اور حقانیت پر شاہد ہیں اس رسالہ میں سب کی گنجائش کہاں خصوصاً جبکہ بقدر فہم انکی شرح بھی کیجیے اور اُنسے شیعوں کی حقانیت اور اُنکے مذہب کی حقیت اور
اہل سنت کے مذہب کے بطلان پر استدلال بھی لائیے اسواسطے ہمنے اُن آیتوں کو بیان نہ کیا بلکہ ایک تقریر مجمل پر اکتفا کیا اہل فہم خود سمجھ جائینگے **قال الشیخ الاشعری** لہذا ایک ہی
آیت پر کہ وہ ایک ہی سب کے قائم مقام اور مفید خاص و عام ہے اکتفا کر کے اسقدر گزارش کرتا ہوں کہ شاید کسی شیعی المذہب کو اس آیت کی ہدایت سنکر بسبب کجی طبیعت اور ضلالت
طبعزاد اور تعصب نہاد یہ شبہ ہو کہ یہ آیت ہے، تو کیا ہوا ایک جملہ قرآنی ہے سو قرآن کا نعوذ باللہ منہ کیا اعتبار ہمارے اعتقاد کے موافق کمی کی تو کچھ شمار ہی نہیں بیشی اور افزائش اور تبدیل
الفاظ بھی ظہور میں آئی ہے پھر عجب نہیں کہ یہ آیت بھی منجملہ الحاقات اہل سنت ہو سو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ مذہب محققین شیعہ اسبات میں یا تو یہ ہے کہ کلام اللہ میں نہ کمی
ہوئی ہے نہ بیشی چنانچہ اُستاد علامہ کلینی حضرت صدوق اسی کے قائل ہیں یا یہ کہ کمی تو ہوئی ہے زیادتی نہیں ہوئی غرض زیادتی کا نہونا اجماعی ہے اور آیتِ مرقومہ سے انکار
نہیں ہو سکتا مگر چونکہ یہ دونو مذہب مخالف مرویات کلینی ہیں جو اصح الکتب شیعہ ہے اور نیز ذہن نشین اکثر شیعہ یہی ہے کہ کلام اللہ میں کمی زیادتی دونو ہوئی ہیں اور ہمارے
بعض مطالب مذکورہ بھی اسی پر مبنی ہیں اس جواب پر قناعت نہیں ہو سکتی اسلئے دوسرا جواب یہ ہے کہ شیعہ اور شیعوں کے مذہب کی بطلان کی دلیل ہے بحمد اللہ باقرار شیعہ اتنا تو معلوم
ہوا کہ مذہب شیعہ کا اعتبار نہیں کیونکہ ماخذ احکام دین سب میں اول کلام اللہ ہی تھا جب اُسکا اعتبار نہیں تو جو باتیں شیعی برعم خود کلام اللہ سے ثابت کرتے ہیں اگر بفرض محال ثابت بھی

ہو جائیں تو بدرجہ اولیٰ قابل اعتبار نہونگی معہذا ثقلین جو متفق علیہ طرفین ہے اسبات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ اور عترت دونو کے ساتھ تمسک رہیگا تو گمراہی پیش نہ آئیگی پھر جب کلام اللہ سے جو موافق حدیث مذکور دونو میں اعظم ہے تمسک میسر نہیں تو بشہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں سراپا گمراہی ہے غرض حضرات شیعہ یہ احتمال پیش کریں تو یہ تو اور الٹا اپنے ہی پاؤں میں تیشہ مارنا ہے اور بر بالبداہتہ اور بالاجماع کسی فرقہ کے کوئی حدیث اس درجہ کو شائع ذائع نہیں ہوئی جس درجہ کو کلام اللہ شائع ذائع ہوا ہے اور نہ اس طرح کے کسی حدیث کے سارے راوی اسکی روایت میں متفق اللفظ پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں اُسکا کا ہیکو ہوگا پھر جس میں راویان احادیث شیعہ کے احوال کی اور اُن احادیث کے تعارض کو دیکھیئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائینگے بہرحال اگر یہ شبہ علماء شیعہ پیش کریں اور اکثر مواقع میں پیش کرتے ہیں تو ہمارے لیے بہت تخفیف تصدیع ہے۔ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد۔ معہذا شیعوں ہی کی اقراری ہمارا وہ دعوی جو تقریر شرح آیت مسطورہ میں گزرا ہے خدا ساز ثابت ہو گیا کیونکہ جب قرآن میں اس درجہ کی کمی بیشی ہے تو پھر جسے قرآن کہتے ہیں قرآن ہی نہوا اگر شیعے اسے یاد کریں اور تلاوت کا جیسا حق ہے ویسی طرح تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہوگا

اقول۔ جو کچھ اس شیخ نے اس قول میں لکھا ہے سب غلط اور شیعوں پر افترا ہے شیعوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے جو کہ یہ شیخ لکھتا ہے اور نہ اس آیت سے کچھ اسکا مطلب ثابت ہوتا ہے جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور تمام قرآن پر اور اُسکی صحت پر ہمارا ایمان ہے اور جو کچھ قرآن شریف میں ہے اُسکو ہم حق جانتے ہیں لیکن یہ شیخ بسبب مبتلا ہونے طبع اور تعصب نہاد ہماری طرف ایسے امور منسوب کرتا ہے کہ جنکا ہمکو اعتقاد نہیں ہے اور ہم ایسے امور سے بیزار ہیں اور قرآن کا اعتبار جیسا کہ شیعوں کو ہے کہ اُسکی ہدایت کو حق اور صحیح جانتے ہیں ایسا سنیوں کو نہیں ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ قرآن غلطیوں کو شامل ہے اور آیہ مذکورہ شیعوں کے نزدیک الحاقات میں سے ہرگز نہیں ہے یہ شیخ ہم پر افترا کرتا ہے اور نزد محققین شیعہ یہ ہے کہ کلام اللہ میں بیشی ہے نہ کمی ہے اگر اہل سنت کے نزدیک آیہ مذکورہ الحاقات میں سے ہو تو ہو سکتا ہے کہ انکے نزدیک کاتبوں نے قرآن میں غلطیاں داخل کر دی ہیں چنانچہ بعد اسکے اسکا ذکر آئیگا اور ایک شیخ صدوق علیہ الرحمۃ ہی نہیں بلکہ سب محققین شیعہ یہی کہتے ہیں چنانچہ معلوم ہو جائیگا اور شیخ صدوق استاد محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمۃ کے نہ تھے کہ تجھکو خبر اسکی نہیں ہے اور جیسے کہ بیشی کا نہونا قرآن میں شیعوں کے نزدیک اجماعی ہے ایسے ہی کمی کا نہونا بھی اجماعی ہے اور محققین شیعوں کے نزدیک مرویات کلینی کا اعتبار نہیں ہے اسواسطے کہ وہ از جملہ روایات احاد ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں تو ایسی روایتیں کثرت سے ہیں اور کمی و بیشی کا ہونا اکثر شیعوں کے جو کہ محققین ہیں ذہن نشین نہیں ہے اور جیسا کہ قرآن شریف معتبر ہے شیعوں کے نزدیک ایسی کوئی کتاب اُنکی نزدیک معتبر نہیں ہے اور اگر غیر معتبر ہے تو سنیوں کے نزدیک ہے اور شیعوں کو قرآن کی نسبت کوئی شبہ نہیں ہے اور اگر شبہ بھی ہے تو سنیوں کو ہے کہ اُنکے نزدیک اسمیں غلطیاں اور تبدیل الفاظ ہے اور جو کچھ یہ شیخ شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے سب اسکی ہی کتابوں میں موجود ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور شیعوں کے سر دھرتا ہے اور حقیقت میں کمی اور بیشی اور غلطی قرآن میں اور تبدیل الفاظ انکی ہی کتابوں سے ثابت ہے اس جہت سے چاہئے کہ موافق انکے مذہب کے قرآن کا ہرگز اعتبار نہوا اور جب قرآن کا اعتبار نہوا تو انکا مذہب بھی غیر معتبر ٹھیرا اور جب قرآن کا اعتبار نہیں تو اہل سنت بزعم خود جو باتیں کلام اللہ سے ثابت کرتے ہیں اگر بفرض محال ثابت بھی ہو جائیں تو بدرجہ اولی قابل اعتبار نہونگی معہذا ثقلین جو متفق علیہ طرفین ہے اسبات پر شاہد ہے کہ کلام اللہ اور عترت دونو کے ساتھ تمسک رہیگا تو گمراہی پیش نہ آئیگی پھر جب کلام اللہ اور عترت دونو سے تمسک نہیں تو بشہادت عقل سلیم ہدایت بھی نہیں اور کلام اللہ سے تمسک کا حال تو معلوم۔ کہ جب اسمیں غلطیاں داخل ہوئیں تو جو اُس سے ثابت کریں گے وہ بھی غلط ہوگا اور تمسک اس سے مانند عدم تمسک کے ہوا اور عدم تمسک اہل بیت سے تو ظاہر ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور اب کچھ اور زیادہ بیان کرتے ہیں کہ اور وجہ سے اہل سنت کا دونو سے تمسک نکرنا واضح کرتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں کلام اللہ اور اہل بیت میری جو کوئی انکے ساتھ تمسک کریگا وہ گمراہ نہوگا اور یہ دونو آپسمیں سے جدا نہونگی یہانتک کہ حوض کوثر پر مجھ سے ملاقات کریں اور یہ جو فرمایا کہ آپس سے جدا نہونگی تو مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ قرآن شریف اہل بیت کے بدن سے چپٹا ہوا ہے بلکہ مراد یہ ہے کہ جو کلام اللہ کا مضمون ہے وہ اہل بیت کے پاس ہے پس جس نے کہ پیروی کی اہل بیت کی اُس نے قرآن کی بھی پیروی کی کہ اہل بیت خلاف قرآن کی کچھ نہ کہیں گے اور جس نے کہ اہل بیت سے بالا بالا قرآن کی پیروی کا ارادہ کیا تو اُسکو نہ تو قرآن کی پیروی حاصل ہوئی نہ اہل بیت کی اسواسطے کہ حاصل قرآن کا تو اہل بیت کے پاس ہے بموجب حدیث مذکور کے جب انکی پیروی نکی تو قرآن شریف کی پیروی سے محروم رہیگا اور اہل سنت کو پیروی اہل بیت کی ہرگز نصیب نہیں ہے نہ اصول میں نہ فروع میں بلکہ اصول میں تو تابع ابوالحسن اشعری اور ابو منصور ماتریدی کے ہیں اور فروع میں تابع ابو حنیفہ اور شافعی اور مالک اور احمد حنبل اور محمد اور ابو یوسف اور زفر وغیرہ کے ہیں اور انکی کتابوں کو دیکھو ابتداء مسائل الٰہیہ سے آخر مسائل کلامیہ تک اور ایسے ہی ابتداء مسائل طہارت سے آخر مسائل فقہیہ تک مستند انکا سوا علماء مذکورین کے نہیں ہے اور اہل بیت میں سے کسیکا ذکر نہیں ہے اور باوجود اسکے مقام گفتگو میں جب تنگ ہوتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تابع اہل بیت کے ہیں اور شیعوں نے تمسک نہیں کیا یہ بھی عجیب و غریب بات ہے لیکن علامہ دہلوی جناب مرزا محمد صاحب اعلی اللہ مقامہ نے بخوبی اسکا رد کر دیا ہے اور لکھا ہے کہ علماء معتبرین انکے خود اقرار کرتے ہیں کہ تابع اور پیرو اہل بیت کے امامیہ ہیں نہ اہل سنت چنانچہ جامع الاصول کہ جو جامع

صحاح ستہ اہل سنت کی ہے اُسمیں لکھا ہے تفسیر میں حدیث اِنَّ اللّٰہَ سَیَبْعَثُ لِھٰذِہِ الْاُمَّۃِ عَلٰی رَاْسِ کُلِّ سَنَۃٍ مَنْ یُّجَدِّدُ لَھَا دِیْنَھَا کے کہ وَنَحْنُ نَذْکُرُ الْاٰنَ الْمَذَاھِبَ الْمَشْھُوْرَۃَ فِی الْاِسْلَامِ اَلَّتِیْ عَلَیْھَا مَدَارُ الْاِسْلَامِ فِیْ اَقْطَارِ الْاَرْضِ وَھِیَ مَذْھَبُ الشَّافِعِیِّ وَاَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَمَالِکٍ وَاَحْمَدَ وَمَذْھَبُ الْاِمَامِیَّۃِ یعنی اور ہم ذکر کرتے ہیں اب مذاہب مشہورہ کو اسلام میں جن پر کہ مدار اسلام کا ہے اطراف زمین میں اور وہ مذہب شافعی اور ابوحنیفہ اور مالک اور احمد اور مذہب امامیہ ہے اور صاحب جامع الاصول نے پہلی صدی میں تو فقہاء امامیہ سے مجدد مذہب امامیہ جناب امام محمد باقر علیہ السلام کو لکھا ہے اور دوسری صدی کے مقدمہ میں یہ عبارت لکھی ہے وَاَمَّا مَنْ کَانَ عَلٰی رَاْسِ الْمِأَۃِ الثَّانِیَۃِ فَمِنْ اُوْلِی الْاَمْرِ الْمَامُوْنُ وَمِنَ الْفُقَھَاءِ الشَّافِعِیُّ وَالْحَسَنُ بْنُ زِیَادِ اللُّؤْلُؤِیُّ مِنْ اَصْحَابِ اَبِیْ حَنِیْفَۃَ وَاَشْھَبُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِیْزِ مِنْ اَصْحَابِ مَالِکٍ وَاَمَّا اَحْمَدُ فَلَمْ یَکُنْ یَوْمَئِذٍ مَشْھُوْرًا فَاِنَّہٗ مَاتَ سَنَۃَ اِحْدٰی وَاَرْبَعِیْنَ مِأَتَیْنِ وَمِنَ الْاِمَامِیَّۃِ عَلِیُّ بْنُ مُوْسَی الرِّضَا یعنی اور لیکن جو کہ تھا اوپر سر صدی دوسری کے پس بادشاہوں میں سے تو مامون تھا اور فقہا میں سے شافعی اور حسن بن زیاد لولو اصحاب ابوحنیفہ میں سے اور اشہب بن عبد العزیز اصحاب مالک میں سے اور لیکن احمد پس نہ تھا مشہور اُس روز اسواسطے کہ وہ مر گیا تھا سن اکتالیس و دوسو ہجری میں اور فقہاء امامیہ میں سے علی بن رضا علیہ السلام والتحیات تھے اب دیکھنا چاہیئے اور انصاف کرنا چاہیئے کہ اس روایت سے تمسک شیعہ امامیہ کا اہل بیت سے ثابت ہوتا ہے یا اہل سنت کا علی بن موسی الرضا علیہ السلام کو کہ فقہاء امامیہ میں سے لکھا ہے یا فقہای اہل سنت میں سے اور مولوی عبد العزیز صاحب کو جو جواب اس روایت کا نہ آیا تو اُسکے جواب میں فرمایا کہ مقصود صاحب جامع الاصول کا اس قول سے یہ ہے کہ بزعم شیعہ علی بن موسی الرضا فقہای امامیہ سے تھے اور ایسی ہی حنفیوں اور شافعیوں و مالکیوں کو لکھتا ہے کہ یہ اپنے زعم میں ابوحنیفہ اور شافعی اور مالک کے مذہب پر تھے اور واقع اور حقیقت میں اُنکے مذہب پر نہ تھے تعجب ہے ایسے شخص نامی سے کہ کیسی بے انصافی کی بات بیان کرتا ہے اور عبارت ما تقدم اور ما تاخر سے اغماض کر کے جو کچھ چاہتا ہے تحریر کرتا ہے اور اگر مراد صاحب جامع الاصول کی سب جگہہ بزعم ہی ہو تو مذہب کسی کا صحیح اور واقعی نہو اور ایسی پوچ بات کوئی جاہل ہی نہیں کہسکتا ہے اور سوا اس روایت کے اور سننا چاہیئے کہ شیعہ اہل بیت علیہم السلام سے متمسک ہیں اور اہل سنت نہیں ہیں چنانچہ محقق جلال الدین دوانی شرح عقائد میں لکھتے ہیں فَاِنَّھُمْ یَتَمَسَّکُوْنَ فِیْ عَقَائِدِھِمْ بِالْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ الْمَرْوِیَّۃِ عَنْہُ وَعَنْ اَصْحَابِہٖ وَلَا یَتَجَاوَزُوْنَ عَنْ ظَوَاھِرِھَا اِلَّا الضَّرُوْرَۃَ وَلَا یَسْتَرْسِلُوْنَ مَعَ عُقُوْلِھِمْ کَالْمُعْتَزِلَۃِ وَمَنْ یَحْذُوْ حَذْوَھُمْ وَلَا مَعَ النَّقْلِ مِنْ غَیْرِھِمْ کَالشِّیْعَۃِ الْمُتَّبِعِیْنَ لِمَا رُوِیَ عَنْ اَئِمَّتِھِمْ لِاِعْتِقَادِھِمُ الْعِصْمَۃَ فِیْھِمْ یعنی بیں تحقیق کہ وہ اہل سنت تمسک کرتے ہیں عقائد اپنی میں ساتھہ احادیث صحیح مرویہ کے اُن حضرت صلعم سے اور اصحاب اُن حضرت سے اور تجاوز نہیں کرتے ہیں ظواہر اُنکے سے مگر وقت ضرورت کے اور نہیں چھوڑتے ہیں ساتھہ عقلوں اپنی کے مثل معتزلہ کے اور جو کہ قایم مقام اُنکے ہیں اور نہیں اُنس پکڑتے ساتھہ نقل کے غیر اُن صحابہ کے سے مانند شیعوں کے کہ تبع کرنیوالے ہیں ساتھہ اُس چیز کے کہ جو روایت کی گئی ہے اماموں اُنکے سے واسطے اعتقاد کرنے اُنکی عصمت کے درمیان اُنکے انتہے اس روایت کو دیکھ کر انصاف کرنا چاہیئے اور بیان کرنا چاہیئے کہ مذہب شیعہ مطابق مذہب اہل بیت کے ہے کہ شیعہ پیروی اہل بیت کی کرتے ہیں یا مذہب اہل سنت کا اہل سنت تو پیروی سے اہل بیت علیہم السلام کی کرتے ہیں اور بیزار ہیں اُنکی پیروی سے اور محی الدین بغوی نے اپنی تفسیر معالم التنزیل میں لکھا ہے کہ اِنَّ الْمَسْحَ مَذْھَبُ عَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَعَبْدِ اللّٰہِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَسَلْمَانَ الْفَارِسِیِّ وَاَبُوْذَرٍّ وَعَمَّارٍ وَاَنَسِ ابْنِ مَالِکٍ وَاَئِمَّۃِ اَھْلِ الْبَیْتِ وَانْعَقَدَ عَلَیْہِ مَذْھَبُ شِیْعَتِھِمُ الْاِمَامِیَّۃِ مِنَ الْفُقَھَاءِ یعنی مسح پاؤں میں مذہب عبد اللہ ابن عباس اور عبد اللہ ابن مسعود اور سلمان فارسی اور ابوذر اور عمار اور انس ابن مالک اور ائمہ اہل بیت کا ہے اور منعقد ہوا اُسپر مذہب شیعوں اُنکے کا کہ امامیہ ہیں فقہا میں سے اب دیکھو کہ پیرو اہل بیت کا کون ہے شیعہ ہیں یا اہل سنت ہیں کہ اہل سنت عجیب و غریب ہیں کہ دعوی تو تمسک اہل بیت کا کرتے ہیں اور کسی مقام میں اُنکے قول کو مستند نہیں کرتے اور کلام اللہ کو لکھتے ہیں کہ اُس میں غلطیاں اور تبدیل الفاظ ہو گئی ہے اور کثرت سے اُسمیں کمی وقوع میں آئی ہے اور بعضی جگہہ زیادتی بھی ہے اس تواتر یا بطور بالاجماع کسی فرقہ کے کوئی حدیث اس درجہ کو شایع اور ذایع نہیں ہوئی جس درجہ کو کلام اللہ شایع ہوا ہے اور نہ اسطرح کے کسی حدیث کے سارے راوی اُسکی روایت میں متفق اللفظ[+] پھر جب کلام اللہ کا اعتبار نہیں تو اُسکا کسکو ہوگا پھر جسمیں طرح و یان احادیث اہلسنت کو اور اُن احادیث کے تعارض کو دیکھیئے تو بے اعتباری میں نہایت ہی کو پہنچ جائیں گے ایک جناب رسول خدا صلعم کی وفات کا روز ہے کہ اُسمیں اسقدر اختلاف ہے کہ بارہ وفاتیں مقرر کردی ہیں اور فروع کی احادیث کے تعارض کو دیکھئے کہ ابوحنیفہ تو کچھ کہتا ہے اور شافعی کچھ کہتا ہے اور احمد کچھ کہتا ہے اور مالک کچھ کا کچھ اور علماء شیعہ ہرگز یہہ شبہہ پیش نہیں کرتے ہیں اور نہ شیعوں کا یہ اقرار ہے اور نہ شیعوں کا اعتقاد کمی زیادتی قرآن کا ہے اور اگر کمی کی روایتوں پر نظر ہے تو اہل سنت کی کتابوں میں تو کثرت سے روایتیں کمی کی اور بعضی روایتیں بیشی کی اور تبدیل اور غلطی الفاظ کی موجود ہیں چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائیگا جب قرآن میں صدرجہ کی کمی بیشی اور غلطی و تبدیل الفاظ ہے تو پھر جسے قرآن کہتے ہیں وہ قرآن ہی نہوا بلکہ مثل توریت و انجیل کے محرف ہوا اگر اہل سنت یاد بھی کرلیں اور تلاوت کا جیسے حق ہے ویسے ہی

تلاوت کریں تب بھی فی الواقع تلاوت قرآن اور حفظ قرآن نہوگا اور یہ جو لکھتا ہے کہ شیعوں کے نزدیک قرآن میں کمی بیشی ہوئی ہے یہ سب غلط ہے اور شیعوں کا ہرگز یہ اعتقاد نہیں ہے بلکہ مذہب علماء محققین شیعہ یہ ہے کہ قرآن منزل من اللہ یہی ہے کہ جو ما بین الدفتین اس زمانہ میں مسلمانوں کے پاس موجود ہے نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ ہے البتہ اسقدر فرق ہے کہ ترتیب اس قرآن کے مطابق ترتیب تنزیل کے نہیں ہے اور مکی سورت میں مدنی آیتیں داخل ہوگئی ہیں اور مدنی سورت میں مکی آیتیں داخل ہوگئی ہیں اور حضرت علی نے جو قرآن جمع کیا تھا اسکی ترتیب موافق تنزیل کے تھی اور کمی اور زیادتی کا فرق نہیں ہے اور ہمارے مذہب کا یہی قرآن موجود ہے جو کہ اب مسلمانوں کے پاس ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا حکم بھی ہے ہمکو اسی قرآن پر عمل کرنیکا ہے اور اسی قرآن پر ہماری تفسیریں ہیں پھر ہمارے نزدیک یہ قرآن معتبر کیونکر نہوا اور نقصان کلام اللہ کی جو بعضی روایتیں کافی یا اور کتاب ہماری میں لکھی ہیں وہ از جملہ احاد ہیں انکا اعتبار نہیں ہے ہمارے نزدیک اور اہل سنت کی کتابوں میں نقصان کی روایتیں ہماری روایتوں سے بھی زیادہ ہیں اور وہ انکے نزدیک سب معتبر ہیں بلکہ زیادتی کی بھی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں یہ خوب بات ہے کہ اپنی روایتوں پر تو نظر نکرنا اور دوسروں کی روایتوں پر اعتراض کرنا اور اب ہم ہر ایک دعوی کو بدلیل ثابت کرتے ہیں اور یہ جو ہم کہتے ہیں کہ علماء محققین شیعہ کے نزدیک قرآن منزل یہی ہے نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ ہے اسواسطے کہ افضل المحدثین شیخ صدوق ابن بابویہ علیہ الرحمتہ رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں کہ اعتقاد جمیع علماء شیعہ کا یہی ہے کہ نہ اسمیں کمی ہے نہ زیادتی ہے باوجودیکہ روایتیں نقصان کی وہ بھی تحریر فرماتے ہیں لیکن اعتقاد آدمی کا کچھ اور ہوتا ہے اور روایتوں کا بیان کسی سے سنکر کچھ اور ہوتا ہے اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ یہ روایتیں جو کسی سے سنکر اسنے لکھی ہیں اعتقاد بھی اسکا ایسا ہی ہوگا اور ایسا ہی حال ملا محمد یعقوب کلینی علیہ الرحمتہ کا ہے کہ گو انہوں نے روایات نقصان قرآن کافی میں لکھی ہیں لیکن اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ اعتقاد بھی انکا ایسا ہی ہوگا اور نہ ہمارے نزدیک کافی اصح الکتب ہے بلکہ ہمارے نزدیک سب کتب احادیث برابر ہیں اور روایتیں انمیں سب طرح کی ہیں اور قرآن کی نسبت ہمارا اعتقاد یہ ہے کہ قرآن منزل یہی ہے کہ جو مسلمانوں کے پاس ہے نہ اس سے کم ہے نہ زیادہ ہے چنانچہ ابن بابویہ علیہ الرحمتہ رسالہ اعتقادیہ میں لکھتے ہیں اِعْتِقَادُنَا اَنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ اَنْزَلَہُ عَلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَاٰلِہٖ ھُوَ مَا بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ وَھُوَ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ لَیْسَ اَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ الخ حاصل اسکا یہ ہے کہ جو قرآن کہ خدا تعالی نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا ہے وہ یہی ہے کہ جو دفتیوں میں آدمیوں کے ہاتھوں میں ہے اس سے زیادہ نہیں ہے اور بعد اسکے لکھتے ہیں وَمَنْ نَسَبَ اِلَیْنَا اَنَّا نَقُوْلُ اِنَّہُ اَکْثَرُ مِنْ ذٰلِکَ فَھُوَ کَاذِبٌ یعنی جو کوئی ہمکو یہ کہتا ہے کہ ہم اس سے زیادہ کہتے ہیں وہ جھوٹا ہے اور ہم اس سے زیادہ ہرگز نہیں کہتے ہیں اور سید مرتضی علم الہدی علیہ الرحمتہ جواب مسائل طرابلسیات میں فرماتے ہیں کہ اَلْعِلْمُ بِصِحَّۃِ الْقُرْاٰنِ کَالْعِلْمِ بِالْبُلْدَانِ یعنی علم صحت قرآن کا مثل علم شہروں کی ہے اور اسکے بعد قرآن کی حراست اور ضبط میں لکھتے ہیں کہ اسکی نقل میں اہتمام شدید اور خواہشیں بہت ہوئی ہیں اور وہ معجزہ نبوت اور ماخذ علوم شرعیہ اور احکام دینیہ ہے اور جب ایسا ہی تو کَیْفَ یَجُوْزُ اَنْ یَّکُوْنَ مُغَیَّرًا اَوْ نَاقِصًا مَعَ الْعِنَایَۃِ الصَّادِقَۃِ وَالضَّبْطِ الشَّدِیْدِ یعنے پس کیونکر جائز ہو کہ متغیر اور ناقص ہو باوجود اس اہتمام صادق اور ضبط شدید کے اور بعد اسکے ایک عبارت طولانی اسی مقدمہ میں لکھی ہے کہ قرآن میں کسیطرح کا تغیر نہیں ہوا ہے اور جسقدر کہ نازل ہوا تھا اسیقدر لوگوں کے پاس موجود ہے۔

اور مولانا ابو علی طبرسی تفسیر مجمع البیان میں لکھتے ہیں فَاَمَّا الزِّیَادَۃُ فِیْہِ فَمُجْمَعٌ عَلٰی بُطْلَانِہٖ وَاَمَّا النُّقْصَانُ فَقَدْ رَوٰی قَوْمٌ مِنْ اَصْحَابِنَا وَقَوْمٌ مِنْ حَشْوِیَّۃِ الْعَامَّۃِ اَنَّ فِی الْقُرْاٰنِ تَغْیِیْرًا وَنُقْصَانًا وَالصَّحِیْحُ مِنْ مَذْھَبِ اَصْحَابِنَا خِلَافُہٗ یعنی زیادتی قرآن میں پس اجماع ہے اسکے بطلان پر اور لیکن نقصان پس تحقیق روایت کیا ہے ایک قوم نے علمای ہمارے میں سے اور ایک قوم نے علماء عامہ میں سے کہ قرآن میں تغیر اور نقصان ہوا ہے اور صحیح مذہب علماء ہمارے میں یہی خلاف اسکے ہے کہ اسمیں تغیر اور نقصان نہیں ہوا ہے اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمتہ نے تفسیر تبیان میں لکھا ہے کہ وَاَمَّا الْکَلَامُ فِیْ زِیَادَتِہٖ وَنُقْصَانِہٖ فَمِمَّا لَا یَلِیْقُ بِہٖ لِاَنَّ الزِّیَادَۃَ فِیْہِ مُجْمَعٌ عَلٰی بُطْلَانِہٖ وَالنُّقْصَانُ مِنْہُ فَالظَّاھِرُ اَیْضًا مِنْ مَذْھَبِ الْمُسْلِمِیْنَ خِلَافُہٗ وَھُوَ اللَّائِقُ بِالصَّحِیْحِ مِنْ مَذْھَبِنَا حاصل یہ ہے کہ اور لیکن کلام زیادتی اور نقصان میں قرآن کے اس قبیل سے ہے کہ لائق نہیں ہے اسمیں کلام کرنا اسواسطے کہ اسکی زیادتی کے بطلان پر تو اجماع اور اتفاق ہے سب کا اور نقصان ہونے سے اسکے بھی ظاہر مذہب مسلمانوں میں خلاف اسکا ہے کہ نقصان اسمیں سے نہیں ہوا ہے اور وہی زیادہ لائق ہے صحیح ہونے مذہب ہمارے میں اور مولانا محمد محسن کاشانی علیہ الرحمتہ نے منہاج النجاۃ میں لکھا ہے کہ اِنَّہٗ بِعَیْنِہٖ مَا ھُوَ بَیْنَ الدَّفَّتَیْنِ فِیْ اَیْدِی النَّاسِ الْیَوْمَ وَلَیْسَ بِاَکْثَرَ مِنْ ذٰلِکَ وَمَا فِی الْاَخْبَارِ عَنْ اَھْلِ الْبَیْتِ عَلَیْہِمُ السَّلَامُ مِمَّا یَدُلُّ عَلٰی خِلَافِہٖ فَھُوَ مُؤَوَّلٌ حاصل یہ کہ تحقیق وہ قرآن بعینہ وہی ہے جو درمیان دو پٹھوں کے ہے آدمیوں کے ہاتھوں میں آجکے دن اور نہیں ہے اکثر اس سے اور جو کچھ احادیث اہل بیت علیہم السلام میں وہ امر ہے کہ جو دلالت کرتا ہے اسکے خلاف پر وہ تاویل کیا گیا ہے اور سوای اسکے سب علماء محققین ہمارے کا اتفاق اسی پر ہے کہ قرآن منزل یہی ہے کہ جو فی زماننا لوگوں کے پاس موجود ہے نہ اسمیں کچھ زیادہ کیا گیا ہے اور نہ اسمیں سے کچھ کم کیا گیا ہے اور کیونکر زیادہ اور کم ہو کہ ہمکو ائمہ علیہم السلام کا حکم اسی قرآن پر عمل کرنیکا ہے اور فرمایا ہے ہمکو کہ روایت کو کتاب خدا پر عرض کرو اور جو روایت کہ موافق کتاب خدا کے ہے اسکو اختیار کرو اور جو کہ مخالف اسکے ہے

اُسکو ترک کرو یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ قرآن میں زیادتی اور نقصان نہیں ہے اور حدیث ثقلین بھی اسی پر دلالت کرتی ہے کہ قرآن صحیح اور مکمل ہر زمانہ میں پایا جائے تاکہ تمسک اُس سے ہو جب یہ حال ہے کہ کلام اللہ ہمارے نزدیک یہی ہے اور زیادہ اور کم اس سے نہیں ہے تو احتجاج اور استدلال کے واسطے انکا صلاحیت رکھنا ثابت ہوا اور جو لوگ کہ کہتے ہیں کہ سورتیں اور آیتیں اسمیں سے ساقط ہوئی ہیں وہ یہ کہتے ہیں کہ اس زمانہ میں وہ منسوخ التلاوت ہیں اور روایتیں نقصان کی احاد ہیں اسواسطے قابل اعتبار نہیں ہیں یا ماول ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں تو قرآن کے ناقص ہونیکی روایتیں کثرت سے ہیں اور زیادہ ہونے اور تبدیل الفاظ ہونیکی بھی روایتیں موجود ہیں اس صورت میں قرآن شریف موافق انکے مذہب کے قابل اعتبار نرہا اور اُسکے حفظ کرنے سے بھی کچھ فایدہ نہوا اور ہماری یہاں جو روایتیں نقصان کی آئی ہیں تو انکو ہم کہتے ہیں کہ وہ روایات منجملہ روایات احاد ہیں وہ قابل اعتبار نہیں ہیں یا ماول ہیں اور انکے یہاں اُن روایتوں کو سلامت رکھتے ہیں اور کچھ عذر انمیں نہیں کرتے اس صورت میں قرآن انکے مذہب کے موافق قابل تمسک اور احتجاج کے باقی نرہا بلکہ اُسکا کچھ اعتبار ہی نہیں ہے اسواسطے کہ لکھتے ہیں کہ قرآن میں بعضی چیزیں زیادہ داخل ہو گئی ہیں اور بہت سا قرآن اس میں سے جاتا رہا ہے اور لحن اور غلط اور سہو کاتب کا بھی قرآن میں واقع ہوا ہے بلکہ کہتے ہیں کہ ایک قرآن کہ جو خاص کرنیوالا اس قرآن کے عموم کا تھا رسول خدا صلعم کی خاطر سے وہ جاتا رہا اور اُسکو فراموش کر گئے چنانچہ شرح بزدوی میں لکھا ہے کہ قَالَ الْحَسَنُ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُوْتِیَ قُرْاٰنًا فَاَنْسَیْھُمْ لَمْ یَکُنْ شَیْئًا یعنے کہا حسن نے کہ تحقیق پیغمبر خدا دئیے گئے تھے ایک قرآن پھر بھول گئے اُسکو پس نہیں باقی ہے کچھ اُس میں سے اور اب میں قرآن کے نقصان کا حال بیان کرتا ہوں فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے حدیث ابن عمر سے کہ اِنَّہٗ کَانَ یَکْرَہُ اَنْ یَقُوْلَ الرَّجُلُ قَرَأْتُ الْقُرْاٰنَ کُلَّہٗ وَمِنْہُ قُرْاٰنٌ قَدْ رُفِعَ یعنی تحقیق ابن عمر مکروہ جانتا تھا اس امر کو کہ کہے کوئی مرد کہ پڑھا ہے میں نے قرآن سارا اور کہتا تھا کہ اُس قرآن میں سے ایک قرآن ہے کہ اُٹھا لیا گیا ہے اور مسلم اور حلیۃ الاولیاء اور مستدرک حاکم میں لکھا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری بصرہ کے قاریوں کے پاس بھیجا گیا اور تین سو قاری اُسکے پاس جمع ہوئے جنہوں نے قرارت قرآن کی کی تھی اُن سے کہا کہ ہم ایک سورہ کو پڑھتے تھے کہ وہ طول اور سختی میں مشابہ سورہ برات کے تھی پس بھول گئے ہم اُسکو مگر اسقدر اُس سورت میں سے یاد ہے لَوْ کَانَ لِابْنِ اٰدَمَ وَادِیَانِ مِنْ مَالٍ لَابْتَغٰی وَادِیًا ثَالِثًا وَلَا یَمْلَأُ جَوْفَ ابْنِ اٰدَمَ اِلَّا التُّرَابُ اور ہم ایک سورۃ پڑھا کرتے تھے کہ وہ مشابہ ایک مسبحات کے تھی پس بھول گیا میں اُس سورۃ کو مگر اسقدر اُس میں سے یاد ہے یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ فَتُکْتَبُ شَھَادَۃً فِیْ اَعْنَاقِھِمْ اور جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے کہ سورہ احزاب زمانہ رسول خدا میں دو سو آیتیں تھیں چنانچہ عائشہ سے روایت کی ہے قَالَتْ کَانَتْ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ تُقْرَأُ فِیْ زَمَانِ النَّبِیِّ مِائَتَیْ اٰیَۃٍ فَلَمَّا کَتَبَ عُثْمَانُ الْمَصَاحِفَ لَمْ یَقْدِرْ مِنْھَا اِلَّا عَلٰی مَا ھُوَ الْاٰنَ یعنی کہا عائشہ نے کہ تھی سورہ احزاب پڑھی جاتی تھی زمانہ پیغمبر صلعم میں دو سو آیتیں پس جس وقت لکھا عثمان نے قرآن کو تو نہ قادر ہوا مگر اسپر کہ جو وہ اب قرآن میں ہے اور وہ تہتر آیتیں ہیں احزاب میں کہ جو قرآن میں اب موجود ہیں اور تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے اور عکرمہ سے روایت کی ہے کہ سورہ احزاب میں مثل سورہ بقرہ کے تھی یا زیادہ اُس سے چنانچہ لکھا ہے کہ قَالَ کَانَتْ سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مِثْلَ سُوْرَۃِ الْبَقَرَۃِ اَوْ اَطْوَلَ مِنْھَا وَکَانَتْ فِیْھَا اٰیَۃُ الرَّجْمِ یعنی کہا اُس عکرمہ نے کہ تھی سورہ احزاب مثل سورہ بقرہ کے یا زیادہ سورہ بقرہ سے اور تھی اُسمیں آیہ رجم اور سورہ بقرہ کے دو سو اور چھاسی آیتیں ہیں اور سورہ احزاب کی تہتر آیتیں ہیں دو سو اور تیرہ آیتوں کا نقصان ہوا اور مستدرک میں روایت ہے کہ سورہ برات مثل سورہ بقرہ کے تھی طول میں اور دوسری روایت مستدرک میں حذیفہ سے یہ ہے کہ سورہ برات کا تم چہارم حصہ بھی نہیں پڑھتے ہو یعنی جسقدر کہ سورہ برات تھی وہ اب قرآن میں چہارم حصہ سے بھی کم ہے اور تفسیر درمنثور میں بھی یہی روایت ہے اور صحیح بخاری اور موطاء مالک میں عمر سے روایت ہے کہ آیہ رجم قرآن میں تھی لیکن مجھے خوف ہے کہ آدمی کہنے لگیں کہ عمر نے قرآن میں زیادہ کر دیا ہے اسواسطے میں اس آیت کو قرآن میں ثابت نہیں کر سکتا ہوں اور ایسے ہی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے پس خلیفہ صاحب نے قرآن کو ناقص کہا اور جس آیت کا یقین تھا کہ یہ آیت قرآن کی ہے اُسکو قرآن میں داخل نکیا اور بعضی بعضی آیتیں ایسی قرآن میں سے نکالڈالی ہیں کہ جو بعضی صحابہ دشمنان اہلبیت کے عیبوں پر دلالت کرتے تھے چنانچہ تفسیر درمنثور میں سعید بن جبیر سے روایت ہے وہ کہتا ہے کہ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ سُوْرَۃُ التَّوْبَۃِ قَالَ التَّوْبَۃُ بَلْ ھِیَ الْفَاضِحَۃُ مَا زَالَتْ تَنْزِلُ فِیْھِمْ وَمِنْھُمْ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ لَا یَبْقٰی مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا ذُکِرَ فِیْھَا یعنی کہا میں نے واسطے ابن عباس کے سورہ توبہ کو کہا کہ توبہ بلکہ وہ فضیحت کرنیوالی ہے کہ ہمیشہ نازل ہوتی تھی اُن لوگوں کے حق میں اور انمیں سے یہانتک کہ گمان کیا ہمنے کہ نہ باقی رہیگا ہم میں سے کوئی مگر کہ ذکر کیا جائیگا وہ اُس سورہ میں اور اُسی روایت میں ہے عکرمہ سے کہ قَالَ عُمَرُ لَمَّا فُرِغَ مِنْ تَنْزِیْلِ بَرَاءَۃَ حَتّٰی ظَنَنَّا اَنَّہٗ لَمْ یَبْقَ مِنَّا اَحَدٌ اِلَّا سَتَنْزِلُ فِیْہِ وَکَانَتْ تُسَمَّی الْفَاضِحَۃَ یعنی کہا عمر نے کہ نہیں فراغت ہوئے تھے نازل ہونے سورہ برات سے یہانتک کہ گمان کیا ہمنے کہ تحقیق باقی رہیگا ہم میں سے کوئی مگر قریب ہے کہ نازل ہو اُسکے حق میں اور تھی وہ سورت کہ نام رکھی جاتی تھی فاضحہ بسبب اُسکے کہ لوگوں کے عیب ظاہر کرکے اُنکو فضیحت کرنیوالی تھی اور یہی تفسیر میں لکھا ہے لیکن اب کہاں ہیں وہ آیتیں اس قرآن میں جو بعضے بعضے صحابہ کے عیبوں کو ظاہر کرکے اُنکو رسوا اور فضیحت کرتے تھیں اور وہ سب

سوای دشمنان اہل بیت کے اور کون بھی کہنے عیب خدا تعالی ظاہر کرتا تھا جامع قرآن نے ازراہ اتحاد قلبی کہ جو انکی نسبت رکھتے تھے وہ آیتیں انکی عیبوں کی قرآن میں سے نکالڈالیں اور اسیطرح جو آیتیں کہ حضرت علیؑ کی فضیلت پر دلالت کرتی تھیں اور ان آیتوں میں حضرت علیؑ کا نام لکھا ہوتھا ان آیتوں میں سے حضرت علیؑ کا نام نکالڈالا چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہی اور ابن مسعود سے روایت کی ہی ابن مسعود کہتے ہیں کہ ہم آیہ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ کو زمانہ رسول خدا صلعم میں اس طرح سے پڑھا کرتے تھے یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ وَاللّٰهُ یَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس آیہ میں سے اَنَّ عَلِیًّا مَوْلَی الْمُؤْمِنِیْنَ کو نکالڈالا اور یہی مرزا محمد بن معتمد خاں بدخشی نے مفتاح النجا میں لکھا ہی اور تفسیر در منثور اور معارج النبوت میں لکھا ہی اور ابن مسعود سے روایت کی ہی کہ آیہ کَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ اس طرح سے تھا کَفَی اللّٰهُ الْمُؤْمِنِیْنَ الْقِتَالَ بِعَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَكَانَ اللّٰهُ قَوِیًّا عَزِیْزًا اسمیں سے بعلی ابن ابیطالب کو نکالڈالا کہ اسمیں بڑی فضیلت اور منقبت علیؑ کی تھی اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہی کہ ابن مسعود کے مصحف میں آیہ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا اس طرح تھی اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ وَاٰلَ مُحَمَّدٍ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ اس آیت میں سے آل محمد کو نکالڈالا حاصل یہ ہے کہ جو الفاظ کہ اہل بیتؑ کی فضیلت پر دلالت کرتے تھے انکو جامع قرآن نے مصحف مجید میں سے نکالڈالا اور ایسی روایتیں بھی انکی کتابوں میں ہیں کہ جو دلالت کرتی ہیں دو سورتوں کی کلام اللہ میں سے نکلجانے پر ایک تو سورۂ خلع اور دوسری حفد چنانچہ تفسیر اتقان میں لکھا ہے اور پہلی تو روایت عبداللہ بن زرین کی ہی انہوں عبدالملک بن مروان سے کہا کہ مجھکو علی بن ابیطالب نے دو سورتیں سکھلائیں کہ جو رسول خدا صلعم نے حضرت علیؑ کو سکھلائی تھیں اور دوسری روایت عبید بن عمیر سے ہے وہ کہتا ہی کہ عمر بن خطاب نے بعد رکوع کے قنوت میں ان دونوں سورتوں کو پڑھا بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَسْتَعِیْنُكَ وَنَسْتَغْفِرُكَ وَنُثْنِیْ عَلَیْكَ وَلَا نَكْفُرُكَ وَنَخْلَعُ وَنَتْرُكُ مَنْ یَّفْجُرُكَ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ اَللّٰهُمَّ اِیَّاكَ نَعْبُدُ وَلَكَ نُصَلِّیْ وَنَسْجُدُ وَاِلَیْكَ نَسْعٰی وَنَحْفِدُ نَرْجُوْ رَحْمَتَكَ وَنَخْشٰی عَذَابَكَ اِنَّ عَذَابَكَ بِالْكُفَّارِ مُلْحِقٌ اور مصحف ابن عباس میں بھی ان دو سورتوں کا ہونا لکھا ہی اور تفسیر در منثور میں لکھا ہی کہ یہ دونوں سورتیں ابی بن کعب کے مصحف میں بھی تھیں اور اہل سنت ان سورتوں کو وتر کی قنوت میں پڑھتے ہیں۔ اور قرآن میں زیادہ الفاظ کے داخل ہوجانیکی بھی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہیں چنانچہ مسلم نے کئی طریقوں سے اپنی کتاب میں روایت کی ہی علقمہ سے کہ رسول خدا صلعم کے زمانہ میں پڑھا کرتے تھے وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی وَالذَّكَرِ وَالْاُنْثٰی اور جو قرآن کہ اب موجود ہی اسمیں ماخلق کا لفظ زیادہ ہی اسواسطے کہ اسمیں یہ ہے کہ وماخلق الذکر والانثی اور امام فخر رازی نے لکھا ہی کہ ابن مسعود انکار کرتے تھے سورۂ فاتحہ اور معوذتین کے قرآن میں ہونیکا چنانچہ لکھا ہی عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ كَانَ یُنْكِرُ كَوْنَ سُوْرَةِ الْفَاتِحَةِ وَالْمُعَوِّذَتَیْنِ مِنَ الْقُرْاٰنِ اور احمد اور ابن حبان کہتے ہیں کہ وہ انکو اپنے قرآن میں لکھتے بھی نہ تھے اور تفسیر معالم التنزیل اور در منثور اور اتقان وغیرہ میں لکھا ہی کہ عثمان نے کہا کہ قرآن میں لحن یعنی خطا پڑھنے میں واقع ہوئی ہی اور عبارت ابن قتیبہ کی اسکی کتاب المشکل میں یہ ہے کہ اِنَّ عُثْمَانَ قَالَ فِیْ قَوْلِهٖ تَعَالٰی اِنْ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ فِی الْقُرْاٰنِ لَحْنًا فَقَالَ لَهٗ رَجُلٌ صَحِّحْ ذٰلِكَ الْغَلَطَ فَقَالَ دَعُوْهُ فَاِنَّهٗ لَا یُحِلُّ حَرَامًا وَّلَا یُحَرِّمُ حَلَالًا یعنی تحقیق عثمان نے کہا قول حقتعالی ان ہذان لساحران میں کہ تحقیق قرآن میں غلطی اور خطا پڑھنے میں ہے ایک مرد نے کہا عثمان سے کہ صحیح کرے تو اس غلط کو کہا عثمان نے کہ چھوڑ دو اسکو اور پڑا رہنے دو کہ تحقیق نہیں حلال کرتا ہی یہ حرام کو اور نہیں حرام کرتا ہی حلال کو یعنی حلال و حرام سے اسکو کچھ تعلق نہیں ہی پڑا رہنے دو اسکو قرآن میں اور بعضی روایت میں یہ ہی کہ عثمان نے کہا کہ اسکو پڑا رہنے دو عرب اپنی زبان میں اسکو درست کرلینگے چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے وَرُوِیَ عَنْ عُثْمَانَ اَنَّهٗ نَظَرَ فِی الْمُصْحَفِ فَقَالَ اَرٰی فِیْهِ لَحْنًا وَّسَتُقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا یعنی روایت کی گئی عثمان سے کہ اس نے نظر کی قرآن میں پس کہا کہ دیکھتا ہوں میں قرآن میں غلطی پڑھنے میں اور قریب ہے کہ درست کرلیں اسکو عرب اپنی زبانوں میں اور بغوی نے معالم التنزیل میں لکھا ہے قَالَ عُثْمَانُ اِنَّ فِی الْمُصْحَفِ لَحْنًا وَّسَتُقِیْمُهُ الْعَرَبُ بِاَلْسِنَتِهَا اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ کاتبوں نے قرآن کو غلط لکھدیا ہی چنانچہ تفسیر اتقان میں لکھا ہی قَالَ سَاَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ لَحْنِ الْقُرْاٰنِ عَنْ قَوْلِهٖ اِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ وَعَنْ قَوْلِهٖ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَعَنْ قَوْلِهٖ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئُوْنَ فَقَالَتْ یَا ابْنَ اُخْتِیْ هٰذَا عَمَلُ الْكُتَّابِ اَخْطَئُوْا فِی الْكِتَابِ هٰذَا اِسْنَادٌ صَحِیْحٌ عَلٰی شَرْطِ الشَّیْخَیْنِ اور در منثور میں بھی بعبت شخصوں سے اس طرح کی روایت ہی فَلَمَّا سَاَلْتُ عَنْ لَحْنِ الْقُرْاٰنِ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِیْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰی وَالصَّابِئُوْنَ وَالْمُقِیْمِیْنَ الصَّلٰوةَ وَالْمُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَاِنَّ هٰذٰنِ لَسٰحِرٰنِ فَقَالَتْ یَا ابْنَ اُخْتِیْ هٰذَا عَمَلُ الْكُتَّابِ اَخْطَئُوْا فِی الْكِتَابِ اور یہی راغب اصفہانی نے محاضرات میں لکھا ہی اور حاصل ان دونوں روایتوں کا یہ ہی کہ راوی کہتا ہے میں نے عایشہ سے پوچھا غلطی قرآن سے ان ہذان لساحران سے اور المقیمین الصلوۃ والموتون الزکوۃ سے اور ان الذین آمنوا والذین ہادوا والنصاری والصابئون سے کہا عایشہ نے کہ ای فرزند برادر من یہ عمل کاتبوں کا ہی کہ خطا کی ہے انہوں نے لکھنے میں کہ غلط لکھدیا ہی یہ اسناد صحیح ہے اور بر شرط شیخین کی یعنی بخاری اور مسلم کے اور وجہ غلطی کی یہ ہی کہ ہذان کی جگہہ ہذین چاہیئے تھا اور مقیمین کی جگہہ مقیمون چاہیئے تھا اور صابئون کی جگہہ صابئین چاہیئے تھا اور تفسیر معالم التنزیل میں آیہ والراسخون فی العلم کی تفسیر میں لکھا ہی کہ اختلاف کیا ہے

انہوں نے وجہ منصوب ہونے مقیمین میں پس حکایت کی گئی ہی عائشہ سی اور ابان بن عثمان سی کہ تحقیق یہ غلطی کاتب کی ہی سزاوار یہ ہے کہ درست کر دیا جائی اور لکھدیا جائی والمقیمین الصلوٰة مقام والمقیمین الصلوٰة کے لیکن یہ نہایت تعجب ہے کہ قرآن شریف میں دیدہ و دانستہ غلطی کو باقی رکھا اور یہ بھی ثابت ہے کہ اہل سنت کی روایتوں سے کہ قرآن کے الفاظ بدلگئی ہیں اور لفظوں سی جیسے کہ فامضوا کی جگہ فاسعوا لکھدیا ہی اور تستاذنوا کی جگہ تستانسوا لکھدیا ہی چنانچہ موطا میں مذکور ہی کہ سورہ جمعہ میں فامضوا کی جگہ فاسعوا لکھدیا اور مالک نے سوال کیا ہی قول حقتعالی سے یاایھا الذین آمنوا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فاسعوا الی ذکر اللہ ابن شہاب نے کہا کہ کان عمر بن الخطاب یقرءھا اذا نودی للصلوٰة من یوم الجمعة فامضوا الی ذکر اللہ اور ایسا ہی تفسیر درمنثور میں لکھا ہی اور صحیح ترمذی میں لکھا ہی کہ ابن مسعود نے کہا کہ رسول خدا صلعم نے ہمکو انی انا الرزاق ذو القوة المتین پڑھایا تھا اور اب قرآن میں اسکی جگہ ان اللہ ھو الرزاق ذو القوة المتین ہی اور ایسا ہی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہی اور تفسیر اتقان میں ابن عباس سے روایت ہے قول حقتعالی میں حتی تستانسوا وتسلموا میں قال انما ھی خطاء من الکاتب حتی تستاذنوا وتسلموا یعنی کہا ابن عباس نے کہ سوای اسکے نہیں کہ یہ لفظ تستاذنوا وتسلموا کا خطا ہے کاتب سے اور صحیح حتی تستاذنوا وتسلموا ہی اور ایسے ہی درمنثور اور مستدرک حاکم میں لکھا ہی کہ یہ حدیث صحیح الاسناد ہی اور بر شرط شیخین کے اور افلم یتبین کی جگہ افلم ییاس لکھا گیا چنانچہ لکھتی ہیں کہ ابن عباس نے کہا افلم یتبین الذین آمنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا صحیح ہے اور افلم ییاس الذین آمنوا کاتب کی خطا سے لکھا گیا ہی اور سیوطی نے اتقان میں لکھا ہی طریق عکرمہ سے ابن عباس سے کہ تحقیق اُسنے پڑھا ہی افلم یتبین الذین آمنوا ان لو یشاء اللہ لھدی الناس جمیعا فقیل لہ انھا فی المصحف افلم ییاس الذین آمنوا یعنی پس کہا گیا واسطے ابن عباس کے کہ قرآن میں افلم ییاس الذین آمنوا ہی قال اظن الکاتب کتبھا وھو ناعس کہا ابن عباس نے کہ گمان کرتا ہوں میں کاتب کو کہ لکھدیا ہی اُسنے اُسکو جسوقت کہ وہ اُونگھتا اور سوتا تھا اور ایسے ہی درمنثور میں لکھا ہی اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں بھی یہی لکھا ہی کہ ابن عباس افلم یتبین پڑھا کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کاتب نے سوتے اور اُونگھتے ہوے افلم ییاس اسکی جگہ لکھدیا تھا سو وہ غلطی قرآن میں ابتک موجود ہی اور ووصی ربک کا لفظ وقضی ربک سے بدلا گیا ہی چنانچہ تفسیر درمنثور اور اتقان میں لکھا ہی اور اسکے بدلجانے کی وجہ یہ لکھی ہی کہ ایک واو ووصی کی وصی کے صاد میں ملکر وقضی بنگیا ہے اور یہ غلطی قرآن میں باقی رہی اسی طرح اکثر الفاظ قرآن کے بدلگئے ہیں چالیس روایتیں نکلیں اور اگر ہماری کتاب میں کوئی ایسی روایت ہو کہ دلالت کرتی ہو اس امر پر کہ جامع قرآن نے ائمہ کی جگہ امة لکھدیا ہی یا علی کا نام یا آل محمد کا لفظ آیت میں سے نکالڈالا ہی تو جیں بجبیں ہوتے ہیں اور اسپر طرح طرح کی طعن کرتے ہیں اور اپنی روایتوں کی خبر نہیں لیتے کہ ان روایتوں پر نظر کیجیے تو اس قرآن موجود کا موافق اس شیخ کے مذہب کے کچھ اعتبار نہیں ہے کہ کثرت سے تو اسمیں نقصان ہوا ہے اور الفاظ زیادہ اسمیں داخل ہوگئے ہیں اور ایک لفظ دوسرے لفظ سے بدل ہوگیا ہی اور کاتبوں نے الفاظ غلط اسمیں درج کر دیے ہیں کہ ابتک وہ موجود ہیں کہ توریت اور انجیل کا بھی تحریف میں یہ حال نہیں جو کہ اہل سنت کے نزدیک قرآن کا حال ہی اور یہ میں نے تھوڑا سا حال لکھا ہی اور اگر مفصل خرافات و ہزلیات مذہب اہل سنت کی دیکھنا منظور ہو تو تحفہ اثنا عشریہ اور منتہی الکلام کے جواب کو دیکھنا چاہئی اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ بعضے غلطیاں قرآن کی ایسی ہیں کہ وہ رسول خدا صلعم کو معلوم نہوئیں کہ بعضے الفاظ سقیم اور غیر صحیح قرآن کے جناب سرور کائنات نے اپنی امت کو پہنچا دیے اور حضرت جبرئیل اور جناب رسول خدا صلعم اور صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے بھی کوئی ان غلطیوں پر مطلع نہوا یہانتک کہ بعضے اولیا ہیں سے جو خدا تعالی کی دیدار سے مشرف ہوئے تو اُسوقت اصل قرآن سے مقابلہ کیا اور ولی مذکور نے وہ امت مرحومہ کو پہنچایا چنانچہ شیخ عبدالوہاب بن احمد بن علی شعرانی ذکر کرتا ہے کہ بزرگان اہل سنت میں سے ہی کتاب یواقیت جواہر میں لکھا ہی کہ کان حمزة الزیات یقول قرأت سورة یٰس علی الحق تعالیٰ حین رأیتہ فلما قرأت تنزیل العزیز الرحیم قال رد علی الحق تنزیل بفتح اللام وقال انی انزلتہ تنزیلا وقال الحق تعالی قرأت علیہ جل وعلا یضا سورة طٰہ فلما بلغت الی قولہ تعالی وانا اخترتک فقال الحق تعالی انا اخترناک یعنی تھا حمزة الزیات کہتا تھا کہ پڑھا میں نے سورہ یسین کو حقتعالی پر جسوقت کہ دیکھا میں نے خدا تعالی کو پس جسوقت پڑھا تنزیل العزیز الرحیم تو رد کیا مجھپر حقتعالی نے تنزیل فتح لام کو اور کہا کہ تحقیق نازل کیا ہی میں نے اسکو تنزیلا اور کہا اُس حمزہ زیات نے کہ پڑھا میں نے حقتعالی پر سورہ طہ کو بھی پس جسوقت پہنچا میں طرف قول حقتعالی کے وانا اخترتک تو پس کہا خدا تعالی نے کہ انا اخترناک یعنی ہم نے اخترتک نازل نہیں کیا ہی بلکہ اخترناک نازل کیا ہی یہ حال ہی انکے اعتقادات کا قرآن کی نسبت کہ ایک دیوانہ آدمی کے ایسے ہذیانات اور رذل باتوں کو قبول کرکے ایسے عالم جلیل القدر نے اپنی کتاب میں درج کیا کہ جو کفر اور ضلالت پر دلالت کرتے ہیں اور کلام اللہ کے بزرگی اور منزلت کا کچھ لحاظ خیال نہ کیا جسکے مقدمہ میں ایسے بیہودہ مضامین درج کتاب کیے اور توقیر اور عزت قرآن کی اہل سنت کے نزدیک یہ ہے کہ کہتے ہیں کہ واسطے شفا کے پیشاب سے لکھنا قرآن کا جائز ہی چنانچہ فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہی اور ہماری کتابوں میں نقصان کی روایتیں تو البتہ مندرج ہیں لیکن ایسے ہذیانات اور غلطیوں اور خطاؤں کی روایتیں نہیں آئیں یہ لوگ اپنی روایتوں پر تو نظر نہیں کرتے ہیں قرآن کے مقدمہ میں اور ہمپر طرح طرح کی طعن کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ انکے نزدیک کلام اللہ میں سے نہبت سا گیا ہی اور قرآن قابل اعتبار نہیں ہے اور حال یہ ہی کہ اعتقاد ہمارا یہ ہے کہ قرآن جو کہ اس زمانہ میں موجود ہی یہی قرآن منزل من اللہ ہی نہ اس سے کم ہی اور نہ اس سے زیادہ ہی اور جو روایتیں کہ قرآن کے ناقص ہوجانے کے مقدمہ میں آئی ہیں وہ از جملہ اخبار آحاد ہیں انکا یقین

نہیں ہو سکتا اور اُنکی تاویل بھی ہو سکتی ہے اور یہی مذہب ہمارے علماء محققین کا ہے اور جو کچھ اس شیخ نے دروغ اور بہتان لکھکر ہمپر طعن کیا تھا وہ باطل ہو گیا ہماری تحریر سے **قال الشیخ الاشعری** دوسرے تمام روایات امامیہ میں موجود ہے کہ تمام اہل بیت اسی قرآن کو پڑہتے تھے اور اسی کے عام خاص سے تمسک کرتے تھے اور بطور استدلال اسی قرآن کی آیات کو پیش کرتے تھے اور اسی کی آیات کی تفسیر کرتے تھے اور حضرت امام حسن عسکری کی طرف جو تفسیر منسوب ہے وہ اسی قرآن کی ہے لفظاً لفظاً اور اہل بیت اپنے لڑکوں اور باندیوں اور خادموں اور اہل و عیال کو بھی قرآن تعلیم فرماتے تھے اور اسی قرآن کے پڑہنے کا نمازوں میں حکم فرماتے تھے معہذا قرآن مجید کا موافق نزول کی لوگوں کو پہنچانا اور اُنکو سکھانا باجماع امت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمہ فرض تھا اور یقیناً معلوم ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں جو کوئی مشرف باسلام ہوتا تھا اول کلام اللہ سیکھتا تھا بعد ازآں لوگوں کے سکھانے میں مشغول ہوتا تھا یہانتک کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی ہزاروں نے کلام اللہ سیکھ لیا تھا چنانچہ بعضے بعضے غزوات میں ستر ستر حافظ شہید ہوئے ہیں بعد ازآں آجتک تمام اطراف میں یہانتک کہ دیہات میں اہل اسلام کلام اللہ کی تلاوت کو سب عبادتوں میں بڑہکر سمجھتے ہیں اور رات دن نمازمیں اور نماز سے باہر کلام اللہ کے پڑہنے میں مشغول رہتے ہیں اور ہر لڑکے کو اول جو کتب میں بٹھلاتے ہیں تو سب سے پہلے کلام اللہ ہی یاد کرانا شروع کرتے ہیں بالجملہ قرآن مجید مثل کلینی و تہذیب نہیں کہ براہ تقیہ کسی کونے میں صندوق میں مقفل بند رہے کبھی تنہائی میں ڈرتے ڈرتے کہ مبادا کوئی سنی نہ آجائے ایک دو صفحہ مطالعہ کر لیا اور تسپر ایسے کثیر الوجود کہ ہر شہر و دیار میں سینکڑوں ہزاروں ہیں کلینی و تہذیب کو ہندوستان میں تلاش کیجیے تو کہیں کہیں نکلیگی علیٰ ہذا القیاس ایران میں سمجھیے کیونکہ اول تو رعایا سلطانی میں اہل سنت بکثرت ہیں سنا تو یوں ہے کہ شیعوں سے زیادہ ہوں آئندہ خدا جانے اور شیعوں میں سے بھی کلینی و تہذیب ہر کسی کے کام کی ہر کوئی اسے سمجھے جو خواہ مخواہ اُسے بہم ہی پہنچائے باقی سوا اُنکے اور ممالک میں کلینی و تہذیب کا پتا تو کیا ملے نام بھی کوئی نہیں جانتا ہو بایں ہمہ ایک دو نسخہ کہیں مل بھی جائے تو بیشتر غلط ملتی ہیں صحیح تو قسمت ہی سے ملتا ہے بخلاف کلام اللہ کہ ہر دیار میں بکثرت موجود یہانتک کہ کوئی کتاب کسی مذہب کی ہو یا کسی علم عقلی کے ایسے کثیر الوجود نہیں پھر عام و خاص کو اسکی ضرورت ایک ایک گھر میں متعدد کلام اللہ لکھے ہوئے حفظ و تصحیح کا یہ اہتمام کہ ہزاروں حافظ حرف حرف گنا ہوا زیر زبر کی تعداد معلوم رسم خط میں بیسیوں کتابیں موجود **اقول** اگر تو جانتا ہے کہ روایات امامیہ میں موجود ہے کہ اہل بیت علیہم السلام اسی قرآن کو پڑہتے تھے اور اسی سے تمسک کرتے تھے اور اسی پر تفسیریں لکھتے تھے تو وہ کون ہے جو اسکا انکار کرتا ہے اور وہ کون ہے جو اس قرآن کو معتبر نہیں جانتا کہ جو تو اعتراض کرتا ہے ایک عالم کا تو نام لکھا ہوتا اور اگر تو نقصان کی کسی روایت کتب شیعہ کو دیکھکر کہتا ہے تو اسکا جواب ہم پہلے ہی لکھ چکے اور تیری کتابوں میں تو یہ لکھا ہے کہ قرآن شریف غلطیوں کو شامل ہے اور اُسکے الفاظ کی تبدیل غیر لفظوں سے ہو گئی ہے اور نقصان کی روایتیں تو سینکڑوں ہیں اُنکا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں ہے اور ہمارا اعتقاد تو کلام اللہ کی نسبت یہی ہے کہ جو کچھ تو نے لکھا ہے کہ کلام اللہ یہی ہے جو کہ اب موجود ہے اور اسی کو اہل بیت علیہم السلام پڑہتے اور سکھاتے تھے اور اسی پر ہمارے مذہب کی تفسیریں ہیں اور نمازوں میں اسی قرآن کے پڑہنے کا حکم ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے اسی قرآن کو لوگوں کو پہنچایا تھا اور لڑکوں کو مکتب میں یہی کلام اللہ پڑھاتے ہیں کوئی اور کلام اللہ نہیں پڑھاتے اور قرآن مجید مثل بخاری اور مسلم کے نہیں ہے کہ براہ خوف شیعہ کسی کونے میں صندوق میں بند رہے کبھی تنہائی میں ڈرتے ڈرتے مبادا کوئی شیعہ نہ آجائے کہ اُسپر اعتراض جڑ دے ایک دو صفحہ مطالعہ کر لیا اور تسپر ایسے کثیر الوجود نہیں مثل قرآن کے کہ ہر شہر و دیار میں سینکڑوں ہزاروں ہیں بخاری اور مسلم کو تلاش کیجیے تو کسی کسی کے پاس نکلیگی نہ مثل کلام اللہ کے کہ اکثر کے پاس موجود ہوتا ہے اور کلینی اور تہذیب اگر ہندوستان میں کم دستیاب ہوتی ہیں تو اس سبب سے کہ شیعہ اس ملک میں تھوڑے ہیں اور ایران میں جہاں کثرت شیعوں کی ہے تو وہاں کلینی اور تہذیب کثرت سے پائی جاتی ہیں اور چھپ بھی گئی ہیں اور اہل سنت ایران میں تو بہت کم ہیں کچھ جزیروں میں ہیں اور کچھ ضلع آذربائیجان میں اور تمام ملک ایران و خراسان میں شیعہ ہی ہیں شہروں اور دیہوں اور صحراؤں میں سب جگہ یہانتک کہ ہر شیعہ کو ایرانی کہنے لگے اور کلینی اور تہذیب اگر ہو گی تو کسی ملا کے پاس ہو گی نہ ہر کسی کے پاس جیسے کہ بخاری اور مسلم کہ اگر ہو گی تو کسی ملا پاس ہو گی اور اگر کسی جاہل پاس ہو گی تو وہ مثل پتھر کے ہے کہ ہر کوئی اُسکی روایات کو نہیں سمجھ سکتا اور سب ملکوں سے کلینی اور تہذیب کو کیا تعلق ہے جہاں شیعہ ہونگے وہاں ہو گی جیسے کہ بخاری اور مسلم جہاں اہل سنت ہونگے وہاں ہو گی نہ ہر ملک میں اور نسخے کلینی اور تہذیب کی بہت صحیح ہندوستان میں بھی کثرت سے موجود ہیں تجھ اجنبی کو کیا خبر ہے اور ایک دو نسخے جو تو نے یہاں سمجھے اور مضامین اُنکی تیری سمجھ میں نہ آئی تو تو نے اُنکے غلط ہونیکا گمان کیا اور مقصود کلام اللہ سے جو تلاوت اُسکی ہے تو اسواسطے کہ وہ ہر دیار اور شہر میں پایا جاتا ہے اور مطلب کو تو اُسکے بھی ہر کوئی نہیں سمجھ سکتا اور کلینی اور تہذیب اور بخاری اور مسلم کہ مقصود اُنسے سمجھنا اُنکے مضامین کا ہے نہ تلاوت اُنکی اسواسطے وہ کم پائی جاتی ہیں اور قرآن شریف کثرت سے ہر شہر و دیار میں پایا جاتا ہے اسواسطے کہ اُسکے تلاوت کرتی ہیں اور اُسکے سب امور مسلمانوں کے ضبط میں ہیں اور اُسکی سورتوں اور آیتوں اور عدد کو خوب جانتے ہیں اور اُسکے حروف اور زیر و زبر بھی شمار کیے گئے ہیں اور حفظ بھی وہ بہت آدمیوں کو ہے لیکن وہی کلام اللہ ہے کہ جسکو علماء اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں کہ اُسکے الفاظ کی تبدیل ہو گئی ہے اور کاتبوں کے غلط لکھدینے سے غلطیاں اُسمیں لگ گئی ہیں اور ہمارا اعتقاد تو یہ ہے کہ اُسمیں کسیطرح کی تحریف نہیں ہوئی ہے جسقدر کہ نازل ہوا تھا اُسیقدر اب موجود ہے گو اُسکی ترتیب نزول میں فرق ہو گیا ہے **قال الشیخ الاشعری** پھر بایں ہمہ کسی عاقل کی عقل میں آ سکتا ہے کہ تہذیب اور کلینی میں تو الحاق ہونے پائے اور شیعوں کے نزدیک من کل الوجوہ معتبر اور معتمد ہے اور

اصح الکتب کہلاتی اور کلام اللہ میں الحاق ہو جائے اور اسکا کچھ اعتبار نہ رہے جس زمانہ میں فرض کیجئے کہ اسمیں فلانے شخص نے کلام اللہ میں سے کم کر دیا یا اسمیں کچھ بڑھایا جیسے شیعوں کو خلیفۂ ثالث کی طرف بدگمانی ہے تو ایک دو کلام اللہ میں بڑھایا یا گھٹایا ہوگا تمام ملک عرب اور ملک روم اور ملک ایران اور یمن کے مصاحف میں کہ انکے خلیفہ ہونے سے پہلے یہ تمام ممالک تحت تصرف اسلام آ چکے تھے اور سوای ملک عرب کے کہ وہ سارا کا سارا مسلمان ہو چکا تھا اور ممالک کے باشندوں میں سے لکھوکھا آدمی مسلمان ہو چکے تھے اور قرآن کو فرمانِ خدا سمجھکر ہر کوئی حرز جان سمجھتا تھا اور مجموعۂ ایمان تصور کرکے اسکی یادگاری اور تلاوت میں مشغول تھا کمی بیشی ہرگز قرین عقل نہیں علاوہ بریں اس زمانہ میں حفاظ کی نوبت لکھوکھا کو پہنچی تھی خلیفۂ ثالث نے انکے سینوں سے کیونکر نکال لیا ہوگا کہ تمام عالم میں قرآن محرف ہی مروج ہو گیا انہی وجوہ کے نظر کرنیکے بعد اہل عقل کا تو یہ کام نہیں کہ قرآن مجید کی نسبت اسبات کے قائل ہو کہ اسمیں کچھ کمی بیشی وقوع میں آئی ہو اور جب قرآن مجید اس درجہ کو صحیح اور معتبر ہو کہ کوئی کتاب اسکے ہمسنگ نہیں اور تفسیر امام حسن عسکری میں اول سے آخر تک تمام آیات بجنسہا موجود ہیں تو اول تو آیت الذین آتینا ہم الکتاب الخ سے استدلال کرنا صحیح اور درست ہوا دوسرے کلام اللہ ہی کی آیات سے کلام اللہ کے بجنسہ محفوظ ہونے پر استدلال کریں درصورتیکہ استدلال صحیح ہو واجب التسلیم ہوگا اسلئے کلام اللہ کو جو ہمنے تجسس کیا تو آیات کثیرہ اسپر شاہد نکلیں کہ کلام اللہ تا ہنوز موافق نزول کے بجنسہ باقی ہے کسی قسم کا تغیر یا تبدل اسمیں وقوع میں نہیں آیا نہ کمی ہوئی نہ بیشی ہوئی نہ کسی لفظ کے عوض میں دوسرا لفظ مشہور و معروف ہو گیا سب کے لکھکر اس مضمون کو ثابت کیجئے اسکو تو گنجائش نہیں فقط ایک آیت کا لکھنا ضرور سمجھکر ایک ہی پر اکتفا کرتا ہوں سورۂ حجر میں ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ یعنی ہمنے آپ اتاری ہے یہ نصیحت اور ہم اسکے نگہبان ہیں فقط اب جائے غور ہے کہ باوجود اس پختہ وعدہ کے کہ مؤکد بچند تاکید ہے چنانچہ واقفان علم معانی واقف ہیں پھر نہ جانے خلیفۂ ثالث نے کیا ستم کئے ہیں کہ قرآن اصلی کا بالکل نام و نشان مٹا دیا اللہ اللہ کیا کچھ قدرت و طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی نہ چلنے دی سورتیں کی سورتیں نکال ڈالیں اور آیتیں کی آیتیں بدل دیں یہی نصیب اہل سنت جنکی ایسے پیشوا ہوں باقی رہا یہ احتمال کہ خداوند ذوالجلال وعدہ کرکے پھر گئے ہوں سو یہ خیال خود محال ہے خداوند صادق القول ایسی تاکیدوں سے وعدہ محکم فرمائے اور پھر پھر جائے اور حفاظت نکرے معہذا کلام اللہ ہی میں یہ بھی آیت ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا يُخْلِفُ الْمِيْعَادَ یعنی اللہ تعالی ہرگز خلاف وعدہ نہیں کرتا ہے مگر شاید کسی شیعہ مذہب کو یہ احتمال پیش آئے کہ خلیفۂ ثالث کے یا جسکو یوں کہئے کہ اسنے کلام اللہ میں کمی بیشی کی ہے اسکے زمانہ میں خداوند کریم بھول گیا ہو یا اپنے وعدہ کو بھول گیا ہو سو اسکا جواب خداوند کریم نے اپنے آپ کلام اللہ میں فرما دیا ہے آیۃ الکرسی تو شیعوں کو بھی یاد ہوگی اسمیں جملہ موجود ہے لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ یعنی اسکو نہ اونگھ آتی ہے اور نہ نیند ہی ادہر سورۂ مریم میں فرماتے ہیں وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا یعنی تیرا رب بھولنے والا نہیں سورۂ طٰہٰ میں یوں ارشاد ہے لَا يَضِلُّ رَبِّيْ وَلَا يَنْسٰى نہ بہکتا ہے میرا رب نہ بھولتا ہے اس آیت نے اس احتمال کو بھی منقطع کر دیا کہ خداوند کریم نے نگہبانی قرآن کا قصد تو کیا ہو پر تدبیر میں غلطی ہوئی ہو یا بوجہ غلطی قرآن کے بدلے کسی اور چیز کی حفاظت کر بیٹھے ہوں +

اقول پہلے اس سے ہم بیان کر چکے کہ کلام اللہ میں ہمارے اعتقاد کے نزدیک الحاق نہیں ہوا ہے اور نہ تہذیب اور کلینی ہمارے نزدیک مثل کلام اللہ کے صحیح اور معتبر ہیں اور نہ کلینی اصح الکتب ہے بلکہ سب کتب احادیث ہمارے نزدیک برابر ہیں اور روایتیں انمیں سب طرح کی ہیں اور الحاق بھی کلام اللہ میں اہل سنت ہی کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے اور جسوقت انہوں نے کلام اللہ میں الحاق کر دیا جیسے کہ انہی کتابوں سے ثابت ہے اگر تہذیب اور کلینی میں بھی انہوں نے الحاق کر دیا ہو شیعوں پر اعتراض کرنیکو اپنی مذہب کی تائید کے واسطے تو کیا عجب ہے اور ہم تو الحاق کی کسی طرح سے قائل ہی نہیں ہیں تو بدروغ الحاق کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے سنیوں کو قائل ہونا چاہئے کہ انہی کتابوں سے ثابت ہے اور میر باقر داماد علیہ الرحمۃ اسی آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الْقُرْاٰنَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ کو سند گردانتے ہیں عدم الحاق کی چنانچہ حاشیۂ قبسات میں لکھتے ہیں وَالذِّكْرُ الْحَكِيْمُ هُوَ الْقُرْاٰنُ الْكَرِيْمُ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰى اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ وَالْمُرَادُ حِفْظُهٗ عَمَّا تَطَرَّقَ اِلَى الْكُتُبِ السَّمَاوِيَّةِ مِنْ قَبْلِهٖ مِنَ التَّحْرِيْفِ وَالتَّبْدِيْلِ بِاَنْ يُّزَادَ فِي التَّنْزِيْلِ مَا لَمْ يُنَزِّلِ اللّٰهُ سُبْحَانَهٗ اَوْ يُبَدَّلَ اَوْ يُحْذَفَ شَيْءٌ مِّنْهُ بِغَيْرِهٖ حاصل معنا یہ ہے کہ ذکرِ حکیم وہ قرآن کریم ہے فرمایا خدا تعالی نے کہ ہم نے ہی ذکر کو یعنی قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اسکے نگہبان ہیں اور مراد اسکے حفظ سے اس امر سے ہے کہ جو کتب سماویہ پہلے اس کے تحریف اور تبدیل ہوئی تھی اور ہم نگہبان ہیں قرآن کے اس امر سے کہ زیادہ کیا جائے تنزیل میں وہ کہ جسکو خدا تعالی نے نازل نہیں کیا ہے یا بدل دیا جائے یا تحریف کیا جائے کچھ اسمیں اسکے غیر کے ساتھ ہمارا تو یہ اعتقاد ہے قرآن سے اور تو اسکے خلاف کہاں سے کہتا ہے اور خدا تعالی بیشک صادق الوعدہ اور اپنے وعدہ سے پھرتا بھی نہیں ہے اور اسکو سہو و نسیان و بھول و چوک بھی نہیں ہے اور نہ وہ سوتا اور اونگھتا ہے یہی اعتقاد ہمارا ہے لیکن واسطے مجادل کے گنجایش ہے کہ کہہ سکتا ہے کہ قرآن کا غیر معتبر ہونا بھی سنیوں ہی کی کتابوں سے ثابت ہے اسواسطے کہ انکی قرآن میں سب طرح کا الحاق ہوا ہے نقصان تو اسمیں کثرت سے ہے اور الفاظ زیادہ بھی اسمیں داخل ہو گئے ہیں اور الفاظ کی تبدیل بھی غیر لفظوں سے ہو گئی ہے اور کاتبوں نے الفاظ غلط بھی لکھکر اسمیں داخل کر دیے ہیں جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور بعد رسول خدا صلعم کے وہ قرآن مرتب کونسا تھا کہ عرب و روم اور ایران وغیرہ میں پھیلا ہوا تھا بلکہ لوگوں کو متفرقات کچھ کچھ یاد تھا اور پوستوں اور تختیوں پر کسی کسی پاس لکھا ہوا تھا کسی کے پاس کوئی آیت تھی اور کسی کے پاس کوئی آیت تھی چنانچہ روضۃ الاحباب وغیرہ میں لکھا ہے جب ابوبکر خلیفہ ہوئے تو عمر کے مشورے سے بعد انکار کے زید بن ثابت سے جمع کروانا شروع کیا چنانچہ مشکوۃ میں زید سے روایت ہے لیکن وہ قرآن غیر مرتب تھا چنانچہ شیخ عبدالحق دہلوی نے مشکوۃ کی شرح میں لکھا ہے البتہ ابن مسعود اور ابی بن

جو قرآن جمع کیا تھا اور رسول خدا صلعم نے اُن قرآنوں ہی پر عمل کرنیکا حکم دیا تھا وہ قرآن مرتب ہوگئی تھی اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن پر تو حضرت نے حکم ہی نہیں دیا تھا کہ اسکا اُس زمانہ میں موجود ہی نہ تھا چنانچہ استیعاب میں لکھا ہے اور عبداللہ ابن عمر سے روایت ہے کہ فرمایا حضرت صلعم نے کہ قرآن کو تم چار شخصوں سے لو اور پہلے سب سے ابن مسعود کا نام لیا اور بعد اُسکے معاذ بن جبل اور ابی بن کعب و سالم مولی ابی حذیفہ کا ذکر کیا اور ایسے ہی تحبیر فی علم التفسیر میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے سو یہ سب قرآن اور صحیفے جسقدر کہ تھے عثمان نے سب کو جلوا دیا اور جس شہر میں کہ تھے وہاں جلانیکا حکم بھیجدیا اور اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کو باقی رکھا چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ وَ اَمَرَ بِمَا سِوَاہُ مِنَ الْقُرْاٰنِ فِیْ کُلِّ صَحِیْفَۃٍ اَوْ مُصْحَفٍ اَنْ یُّحْرَقَ یعنی اور حکم کیا ساتھ ماسوا قرآن اپنے کے قرآن کو جو کسی صحیفہ یا مصحف میں تھا یہ کہ جلا دیا جائے اور جن قرآنوں کو جلا دیا وہ ایسے تھے کہ اُنپر ہی حکم عمل تھا اور وہی نمازوں میں پڑھی جاتے تھے اور مشکوٰۃ سے صاحب طعن اللسان نے جواب میں شیعوں کے انس کی روایت لکھی ہے کہ شامیوں پر جب جہاد ہونے لگا تو حذیفہ بن الیمان پاس جناب عثمان کے جاکر فریاد کرنے لگے کہ یا امیر المومنین لوگوں نے قرأت میں اختلاف ڈال رکھا ہے سو اس امت کو تھام رکھئے کہ اُسمیں اختلاف نکرنے پاویں جیسا یہود اور نصاریٰ نے اپنی کتاب میں اختلاف کیا تب جناب عثمان نے اُن صحیفوں کو ام المومنین حفصہ کے پاس سے مستعار لیا اور زید بن ثابت اور عبداللہ بن زبیر اور سعید بن عاص اور عبداللہ بن حارث کو فرمایا کہ ان صحیفوں کو مصاحف میں لکھو اور عند الاختلاف زبان قریش کو مقدم رکھو کہ قرآن اُنکی زبان پر اُترا ہے پھر جب اُن لوگوں نے اس طرح کیا تب حضرت حفصہ کا صحیفہ واپس ہو گیا اور اُن مصحفوں میں سے ایک ایک مصحف ہر ایک مُلک میں بھیجا اور ماسوا کو علی اختلاف الروایتین جلانے یا پھاڑنے کا حکم دیا انتہی اب میں کہتا ہوں کہ کلام اللہ میں سے گھٹانا بڑھانا تو درکنار رہا کلام اللہ تو جسقدر کہ پہلے تھی اُن سب کو عثمان نے جلوا دیا اور خود جو کلام اللہ کو جس طرح سے کہ چاہا جمع کیا تھا اُسکو جاری کیا اور جس شہر میں اور جس ملک پہلے کلام اللہ تھی اُنکو جلوا دیا اور حافظوں کے سینوں سے نکلوا دیا اور حکم کیا کہ وہ قرآن معتبر نہیں ہیں اس میرے قرآن کو یاد کرو اور پہلے قرآنوں میں سے جنکو حرز جان مسلمانوں نے سمجھا تھا اور مجموعہ ایمان تصور کرکے اُسکی یادگاری و تلاوت میں مشغول تھے اُسمیں سے نہ کوئی عرب میں باقی رکھا نہ روم میں نہ ایران میں بلکہ وہ سب جلوا دیئے اور اُنکا نام ونشان باقی نہ رکھا اور خود جو کلام اللہ کو جمع کرکے جاری کیا اُسمیں پہلے قرآنوں سے کمی و بیشی سب موجود ہی چنانچہ ہم لکھ چکے اور عیاں کو بیان کرنا کیا دیکھ لے اپنی کتابوں کو کمی و بیشی لکھی ہے یا نہیں اور حضرت امام حسن عسکری کی تفسیر جو اس قرآن پر ہے تو وہ اہل سنت کی کمی و بیشی کی روایتوں کو دفع نہیں کر سکتی ہے جو قرآن کہ لوگوں کے پاس موجود ہے اُسکی اُنہوں نے تفسیر کی گو بعضی آیتیں اُسمیں سے نکل گئی ہیں اور زیادتی کو وہ قائل نہیں ہیں اور کلام اللہ کی کوئی آیت اس امر پر دلالت نہیں کرتی ہے کہ کلام اللہ میں کچھ زیادہ اور کچھ کم نہونے پائے اور تبدیل الفاظ کی نہو صرف ایک آیت انا نحن نزلنا القرآن الخ کو کہتے ہیں سو موافق روایات اہل سنت کے یہ آیت بھی اُسپر دلالت نہیں کرتی ہے اگر مراد ذکر سے قرآن ہو تو البتہ اسقدر تو درست ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ اُسکے زوال کا حافظ ہے کہ اُسکو کوئی زائل و باطل نہیں کر سکتا ہے اور اسپر یہ آیت دلالت نہیں کرتی ہے کہ کسی طرح کا اُسمیں تغیر نہو اول تو باجماع اہل اسلام اُسکی ترتیب نزول میں تغیر ہے اور سوائے اُسکے کثرت سے روایتیں اہل سنت کی معتبر کتابوں کی اُسکی کمی و بیشی اور تبدیل الفاظ پر دلالت کرتی ہیں اس صورت میں اگر نحن نزلنا الذکر سے مراد قرآن لیویں تو معنی اُسکے درست نہیں ہو سکتی بلکہ مراد ذکر سے جناب رسول خدا صلعم ہیں جیسے کہ سورہ طلاق کی آیۃ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰہُ اِلَیْکُمْ ذِکْرًا رَّسُوْلًا یَّتْلُوْا عَلَیْکُمْ اٰیٰتِ اللّٰہِ مُبَیِّنٰتٍ میں مراد ذکر سے رسول خدا صلعم ہیں ایسے ہی اس آیت میں مراد ذکر سے رسول خدا صلعم ہیں کہ اُنکا خدا تعالیٰ حافظ ہے اور مشرکین و منافقین کے کید سے اُنکو محفوظ رکھتا ہے کہ حضرت کو کوئی آزار نہ پہنچانے پائے اور ذکر سے مراد قرآن ہو تو عثمان کا مقدور نہ تھا کہ قرآن کو جلا سکتا وہ قرآن کہ جسپر عمل کرنیکا حکم رسول خدا صلعم نے دیا تھا اور فرمایا کہ تم قرآن کو ابن مسعود وغیرہ سے لو اور وہی قرآن نمازوں میں پڑھی جاتے تھے اور تلاوت کئے جاتے تھے اور خدا تعالیٰ نے جو بحفظ وعدہ کیا ہے وہ جناب رسول خدا صلعم کی محافظت کا وعدہ کیا ہے سو حضرت کو محفوظ رکھا اور دیکھو عثمان نے ابن مسعود اور ابی بن کعب کے قرآن کو جسپر رسول خدا صلعم نے عمل کرنیکا حکم دیا تھا اُسکا بالکل نام ونشان مٹا دیا اور جلا کر خاک کر دیا اور سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں نکال ڈالیں جیسا کہ ہم اہل سنت کی کتابوں سے پہلے اسکے لکھ چکے اور ایسا پیشوا قرآنوں کا جلانیوالا اہل سنت ہی کو مبارک ہو جسنے کلام خدا کی کچھ توقیر نکی اور اُسکی اہانت میں کوئی دقیقہ باقی نرکھا اور ایک عذر نامعقول جو کرتے ہیں کہ اُنمیں آیتیں منسوخ التلاوت تھیں اسواسطے جلایا یہ بھی غلط ہے اسواسطے کہ اگر منسوخ التلاوت ہوتیں تو اُنپر عمل کرنیکا جناب رسول خدا صلعم حکم کاہیکو دیتے اور منسوخ التلاوت تو کوئی چیز ہی نہیں ہے یہ اصطلاح ہی جدید ہے اور منسوخ التلاوت کہنا تو بالکل غلط ہی ہے اور منسوخ الحکم اس قرآن مروج میں بھی موجود ہیں اگر یہی مراد ہے کہ منسوخ الحکم آیتیں تھیں سو اسطے جلایا تو ان آیتوں کو بھی جلایا ہوتا کہ جو اس قرآن میں اب منسوخ الحکم آیتیں موجود ہیں سو معلوم ہوا کہ یہ عذر منسوخ الحکم ہونیکا بھی بیجا ہے اور کوئی بات عثمان کے بچانے کو بن نہیں پڑتی اور کبھی ایک مہمل بات اپنے جی سے ایجاد کرکے کہتے ہیں کہ تفسیر کی عبارتیں اُنمیں ملی ہوئی تھیں یہ بھی غلط ہے اگر ایسی ہی بات ہوتی تو رسول خدا صلعم اُنپر عمل کرنیکا حکم کاہیکو دیتے اور جب عثمان نے قرآن کو جمع کروایا تو کتنی ہی آیتیں جو اُن قرآنوں میں تھیں وہ اس قرآن میں نازل نہوئے [illegible] پہنچتے تو ابن مسعود کے قرآن کی اُس آیت پر عمل کیا ہے کہ جو اس قرآن مروج میں نہیں ہے چنانچہ صیام کفارہ یمین میں موجب قرآن ابن مسعود کے اسمیں

فَصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ مُتَتَابِعَاتٍ یعنی تتابع صیام کو واجب جانا ہے حالانکہ اس قرآن موجود میں متتابع کا لفظ نہیں ہے چنانچہ تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے تَوْصِیَامُ ثَلٰثَۃِ اَیَّامٍ اَلتَّلٰثَۃِ مُشْتَرَطٌ عِنْدَ
اَبِیْ حَنِیْفَۃَ بِالتَّتَابُعِ تَمَسُّکًا بِقِرَاءَۃِ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ اس سے معلوم ہوا کہ مذہب ابو حنیفہ کا جو کہ مقتدا ہے ہند کے اہل سنت کا نقصان قرآن کا ہے اور شیعوں پر جو یہ شیخ طعن کرتا ہے طعن اسکا
بیجا ہے اور ہمارے نزدیک تو خدا تعالیٰ بیشک صادق القول ہے اور نہ اسکو سہو و نسیان ہے اور نہ وہ سوتا اور اونگھتا ہے اور سب قبل کلجواب ہم دے چکے کہ جناب رسول خدا صلعم کی حفاظت کا
خدا نے وعدہ کیا تھا سو اسکو پورا کیا اور تم جو ذکر سے مراد قرآن لیتے ہو تو اپنے علما سے پوچھو کہ خدا تعالیٰ نے تو وعدہ قرآن کی حفاظت کا کیا تھا پھر کیا وجہ ہے کہ عثمان نے اُن قرآنوں کو جلایا کہ جنکا
حافظ خدا تھا اور سورتیں کی سورتیں اور آیتیں کی آیتیں اسمیں سے عثمان نے نکال ڈالیں اور الفاظ کی قرآن کی تبدیل کر دی کیا کچھ قدرت طاقت تھی کہ نعوذ باللہ خدا کی بھی چلنے دی یا یہ احتمال
کہ خداوند ذوالجلال وعدہ کرکے پھر گیا یہ بھی محال ہے کہ ایسی تاکیدوں سے وعدہ محکم فرمائے اور پھر پھر جائے اور حفاظت بحری سے ہند کلام اللہ میں بھی موجود ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یُخْلِفُ الْمِیْعَادَ اور اگر
کسی سنی عالم کو یہ احتمال پیش آئے کہ جس زمانہ میں عثمان نے کمی بیشی کی ہے اُس زمانہ میں خدا تعالیٰ سو گیا ہو اور اپنے وعدہ کو بھول گیا ہو اسکا جواب قرآن میں موجود ہے کہ لَا تَاْخُذُہٗ سِنَۃٌ وَّلَا نَوْمٌ
اور فرماتا ہے وَمَا کَانَ رَبُّکَ نَسِیًّا اور فرماتا ہے کہ لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی اس احتمال کو بھی مرتفع کر دیا کہ خداوند کریم نے قرآن کا قصد تو کیا ہو پر تدبیر میں غلطی ہوئی ہو یا بوجہ غلطی قرآن کے بدلے کسی اور
چیز کی حفاظت کر بیٹھے ہوں **قال الشیخ الاشعری** جب سب احتمالات مرتفع ہو چکے تو اب اس غلام خاندان نبوی کی علیہ و علیٰ آلہ الصلوۃ والسلام حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ گزارش
ہے کہ بعد اس عدہ محکم اور عدم موانع کے جو خداوند کریم سے حفاظت نہو سکی تو بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے نزدیک خلیفہ ثالث میں نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال خدا سے بھی زیادہ
زور اور بل تھا کہ خدا کا ارادہ پیش نگیا در حالیکہ تم خلیفہ ثالث کے اسقدر معتقد ہو کہ خدا کو بھی اتنا نہیں سمجھتے تو خلیفہ ثالث ہی کے ساتھ کیوں نہیں ہو لیتے نعوذ باللہ نقل کفر کفر نباشد اگر یہی تمہارے
خیال ہیں تو خدا تعالیٰ کے ساتھ ہو کے کیا لو گے اچھا یا اچھینگا مبادا قیامت کو خلیفہ ثالث تمہیں بھی خدا تعالیٰ کی حفاظت سے نکالکر کبھی کبھی کے بدلے لینے لگے اور خدا کو شیعیان علی سے شرمانا پڑے یا یوں
کہو کہ یہ ہمارا عقیدہ غلط ہے اور کلینی جو تمہارے نزدیک اصح الکتب ہے اُسکی یہ روایت سراسر بہتان و دروغ ہے عَنْ ہِشَامِ بْنِ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ اِنَّ الْقُرْاٰنَ الَّذِیْ جَاءَ
بِہٖ جِبْرَائِیْلُ اِلٰی مُحَمَّدٍ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہٖ سَبْعَۃَ عَشَرَ اَلْفَ اٰیَۃٍ یعنی ہشام بن سالم حضرت امام جعفر صادقؑ سے روایت کرتا ہے کہ وہ قرآن جو حضرت جبرئیلؑ رسول صلعم کے پاس لائے تھے اسمیں سترہ ہزار
آیتیں تھیں فقط دیکھئے کہ یہ کلام اللہ جو اب موجود ہے اسمیں قریب چھ ہزار آیتوں کے ہیں تو شیعوں کی اس روایت کے موافق کوئی دو تہائی کلام اللہ چوری گیا اس سے تو بہتر یہی تھا کہ خداوند کریم ذکر شریف
حفاظت نہوتی اُسکی حفاظت کے بھروسے اُمتیان محمد صلی اللہ علیہ وسلم بھی بے فکر ہو بیٹھے لیکن بہت ہوتا تو اتنا ہی نقصان ہوتا جتنا تورات و انجیل میں ہوا تھا سو جو لوگ کہ تورات و انجیل
کی تحریف کے اثبات کے درپے ہوئے ہیں وہ بھی یوں نہیں کہتے کہ تورات و انجیل میں تنا کچھ نقصان ہوا ہے بلکہ بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ نے قدر قلیل کمی بیشی کی ہے سو وہ
بھی جہاں کہیں کوئی بات مسلمانوں کے مفید مطلب دیکھی ہے یا کوئی ایسا حکم ہو ہے کہ اُسکے مروج رہنے میں امرا کو دشواری ہوئی ہے ایسی جگہ امرا سے کچھ لے دیکر بدل دیا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال
القصہ حسب مقولہ شیعہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس اہتمام اور اس انتظام کے کہ قرآن مجید کے خداوند کریم نے خود حفاظت کی قرآن مجید غیر محفوظ اور غیر معتبر ہونے میں تورات و انجیل سے
بڑھ گیا حالانکہ انکا حافظ و محافظ نہ خدا تھا نہ کوئی پیغمبر ہاں علماء دنیا پرست کہ آیات خداوندی کا بیچ ڈالنا اور احکام کا بدل ڈالنا اور تحریف کا کرنا اُنکا کام ہی تھا اُسکے فقط پڑھنے پڑھانے
والے اور جانے پہچاننے والے تھے حافظ و نگہبان ہونا کجا شاید اس فرقہ کے نزدیک کلام اللہ کی تورات و انجیل پر بڑھکر یہی معنی ہیں کہ بے اعتباری میں انسے بڑھا ہوا ہے **اقول** احتمال تو دور
مرتفع نہیں ہوا بلکہ اُلٹی بلا اہل سنت کے گلے پڑی اور جو اعتراض وہ شیعوں پر کرتے تھے وہ اُنپر وارد ہو گیا اور شیعہ اس سے بری ہو گئے اور اس شیخ کو غلام خاندان نبی کہنا نہایت بیجا ہے
اسواسطے کہ غلام اپنے آقا کے طریقہ پر چلتا ہے اور یہ انکے طریقہ کو چھوڑ کر اُنکے دشمنوں کے طریقہ پر چلتے ہیں معاویہ و عمرو عاص کے اُنکا غلام کہنا چاہئے اور شیعوں کی خدمت میں گزارش
کیا کرتے ہو بلکہ بخاری اور مسلم اور ابن اثیر اور جلال الدین سیوطی و ابن حجر صاحب فتح الباری اور حاکم صاحب مستدرک وغیرہ کی خدمت میں گزارش کرو جو کہ قرآن کی کمی بیشی کے قائل
ہیں اور تبدیل الفاظ قرآن کی روایتیں لکھتے ہیں کہ بعد اس عدۂ محکم اور عدم موانع کے جو خداوند کریم سے حفاظت نہو سکی کہ عثمان نے قرآنوں کو جنکا حافظ خدا تھا جلوا دیا اور اپنی جمع
کئے قرآن میں کمی بیشی کی اور الفاظ کو اُسکے بدلوا دیا تو بجز اسکے کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تمہارے نزدیک خلیفہ ثالث میں نعوذ باللہ من ہذہ الاقوال خدا سے بھی زیادہ زور اور بل
تھا کہ خدا کا ارادہ پیش نگیا در حالیکہ تم خلیفہ ثالث کے اسقدر معتقد ہو کہ خدا کو بھی نہیں سمجھتے تو خلیفہ ثالث ہی کے ساتھ تمہارا حشر ہوگا اور جہاں وہ جائیں گے وہیں تم بھی جاؤگے
اور ہمارا اعتقاد جو قرآن کی نسبت سے اُسکو ہم بیان کر چکے کہ وہ بہت صحیح ہے اور خدا تعالیٰ کی ہمراہی میں ہمکو درجہ عالیہ حاصل ہونگے اور ملائکہ اسکی حفاظت میں ہیں
اور عثمان اُس روز ہمکو حفاظت خدا سے کیا نکالینگے وہ خود ہی اپنی بلا میں گرفتار ہونگے باعث جلانے اور تحریف کرنے قرآن کے اور بدلانے قرآن اصحاب رسول مقبول کے کہ جنکو دنیا
میں آزار پہنچائے ہیں اور خدا تعالیٰ شیعیان علی سے اُس روز بہت خوش و راضی ہوگا کہ وہ دین مستقیم پر قائم رہے ہیں اور عقیدہ تو اپنا ہم بیان کر چکے اور کلینی وغیرہ کی روایتوں کا
جواب یہ ہے کہ ایسی روایتیں منجملہ احاد ہیں قابل اعتبار کے نہیں یا ماول ہیں اور کلینی کی ایک روایت دروغ ہوگی تو اہل سنت کے محدثین کی سینکڑوں روایتیں دروغ ہو جائینگی اور

کلینی تھے تو نقصان کی روایت لکھی ہے اور جو کچھ باقی رہا ہے یہی ہم کو کافی ہے زیادتی اور بدل جانے الفاظ کی اور کاتبوں کے غلط کر دینے کو تو نہیں لکھا ہے کہ جس سے قرآن کا غلط ہونا شامل ہو اور صادق آئے اور قرآن شریف غلط ٹھیر جائے جیسے کہ تمہارے علماء لکھتے ہیں اور صاحب کلینی نے سترہ ہزار آیتوں کا ذکر کیا ہے کا سقدر آیتیں قرآن کی تھیں اور قرآن حال میں چھ ہزار آیتیں ہیں تو گیارہ ہزار آیتوں کا نقصان اس حساب سے قرآن میں ہوا اور اہل سنت کے علماء تو اس سے بڑھکر لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی لکھتے ہیں عَنِ ابنِ عُمَرَ قَالَ لَا یَقُولَنَّ اَحَدُکُم قَد اَخَذتُ القُرآنَ کُلَّہُ مَا یُدرِیہِ مَا کُلُّہُ قَد ذَھَبَ مِنہُ قُرآنٌ کَثِیرٌ وَلٰکِن لِیَقُل قَد اَخَذتُ مَا ظَھَرَ مِنہُ حاصل یہ ہے کہ ابن عمر سے روایت ہے کہتا ہے کہ نہ کہے کوئی تم میں سے کہ تحقیق لیا ہے میں نے کل قرآن کو کیا جانے وہ کہ کیا ہے کل تحقیق کہ گیا ہے اس میں سے قرآن بہت اور لیکن کہے کہ تحقیق لیا ہے میں نے جو کچھ کہ ظاہر تھا اس سے انتہی دیکھو کہ اس روایت میں لکھا ہے کہ قرآن کثیر جاتا رہا ہے اور اطلاق کثیر کا لاکھ آیتوں پر بھی ہو سکتا ہے اور اب موافق قول اس شیخ کے کہنا چاہیے کہ اہل سنت کی اس روایت کے موافق اکثر قرآن تو چوری گیا اور جزوی باقی رہا ہے اس سے بہتر تو یہی تھا کہ خداوند کریم ذمہ کش حفاظت نہ ہوتے اسکی حفاظت کے بھروسے آنمیاں محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی بے فکر ہو بیٹھے ورنہ بہت ہوا تو اتنا ہی نقصان ہوتا جتنا تورات و انجیل میں ہوا تھا سو جو لوگ کہ تورات و انجیل کی تحریف کے اثبات کے درپے ہوئے ہیں وہ بھی یوں نہیں کہتے کہ تورات و انجیل میں اتنا کچھ نقصان ہوا ہے بلکہ بعد تحقیق یوں معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود و نصاریٰ نے قدر قلیل کمی بیشی کی ہے سو وہ بھی جہاں کہیں کوئی بات مسلمانوں کے مفید مطلب دیکھی ہے یا کوئی ایسا حکم ہوا ہے کہ اسکے مروج ہونے میں امرا کو دشواری ہوئی ہے ایسی جگہ امرا سے کچھ لے دیکر بدل دیا ہے واللہ اعلم بحقیقۃ الحال القصہ حسب مقولہ اہل سنت یوں معلوم ہوتا ہے کہ باوجود اس اہتمام اور اس انتظام کے کہ قرآن مجید کی خداوند کریم نے خود حفاظت کی قرآن مجید غیر محفوظ اور غیر معتبر ہونے میں تورات و انجیل سے بڑھ گیا حالانکہ انکا محافظ خدا تعالیٰ نہ کوئی پیغمبر ہاں علماء دنیا پرست کہ آیات خداوندی کا بیچ دینا اور احکام کا بدل ڈالنا اور تحریف کا کرنا انکا کام ہی تھا فقط پڑھنے پڑھانیوالے اور جاننے پہچاننے والے تھے حافظ و نگہبان ہونا کجا تو اس فرقہ اہل سنت کے نزدیک کلام اللہ کی تورات و انجیل سے بڑھکر یہی معنی ہیں کہ بے اعتباری میں انسے بڑھا ہوا ہے **قال الشیخ الاشعری** یہاں علماء شیعہ دو احتمال پیش کرتے ہیں تو کرتے ہیں ایک تو یہ کہ کلام اللہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے دوسرا یہ احتمال کہ غار سر من رای میں حضرت امام مہدی حافظ قرآن موجود ہیں سو اول احتمال کا پوچ ہونا تو ظاہر ہے اول تو یہی کہ اگر بالفرض انا لہ لحافظون کا یہی مطلب ہے تو ہمیں کیا ہم اس وعدہ کرنیکی کیا معنے ہمارے مفید مطلب تو یہ بات تھی کہ اس قرآن کی حفاظت کرتے جو ہمارے پاس ہے تا کہ احکام خداوندی کے معلوم ہونے میں کچھ شک و شبہ نہ رہتا دوسرے وہاں کی حفاظت کرنیکی کیا ضرورت تھی اگر لوح محفوظ تک کسی بیدین کی دسترس ہوتی تو البتہ حفاظت کا موقع یہی تھا تیسرے آیت مذکورہ میں اول تنزیل کا ذکر فرمایا بعد اس کے حفاظت کا وعدہ کیا ہے اس ترتیب سے بلاغت شناسان قرآنی کو خود معلوم ہے کہ قرآن منزل کی حفاظت مد نظر ہے نہ کہ اس قرآن کی جو لوح محفوظ میں محفوظ ہے چوتھے اگر یہی مطلب ہے تو یہ فضیلت تو تورات و انجیل میں بھی موجود ہے قرآن ہی میں کیا فوقیت ہوئی علاوہ یہاں حفاظت کا وعدہ کیا ہے وہاں بجا اسکا کیا ثمرہ نکلا پانچویں یہ ہے کہ اس آیت میں اسماء قرآنی میں سے ذکر کو ذکر کیا لفظ قرآن یا کتاب وغیرہ ذکر نہ فرمایا تو بھی اسی غرض سے ذکر فرمایا ہے کہ قرآن میں کمی بیشی تغیر و تبدیل کا کسیکو احتمال باقی نہ رہے چونکہ یہ بات تمہید طلب ہے تو ہمیں لازم ہے کہ اسکی تمہید بیان کرکے اصل مطلب کو روشن کر دکھلائیں اسلئے یہ گزارش ہے کہ بسبب اعتبارات اور اوصاف مختلفہ اور حیثیات متعددہ کی ایک ایک چیز کے متعدد نام ہوا کرتے ہیں اور پھر وہ نام اپنے اپنے موقع پر استعمال ہوتے ہیں ایک کو دوسرے کی جگہ استعمال کرنا صحیح نہیں ہوتا مثلاً ایک شخص کسیکا باپ بھی ہوتا ہے اور کسیکا بیٹا بھی اور علی ہذا القیاس کسیکا بھائی کسیکا بھتیجا کسیکا چچا کسیکا بھانجا کسیکا ماموں ہوتا ہے غرض ایک شخص ہے اور اسکے القاب بہت ہیں پر وہ سب القاب یکساں برابر نہیں لیے جاتے اپنے اپنے موقع میں مستعمل ہوتے ہیں بیٹا اپنے باپ کو بیٹا کہکے نہیں پکار سکتا گو وہ کسیکا بیٹا ہے اور اسی طرح باپ بیٹے کو باپ کہکر نہیں پکار سکتا اگرچہ وہ اپنے بیٹے کا باپ ہے دوسری مثال یہ ہے کہ ایک حاکم کلکٹر بھی ہوتا ہے مجسٹریٹ بھی ہوتا ہے مگر چونکہ کام کلکٹری اور مجسٹریٹی کا مختلف اور جدا جدا ہے تو کلکٹری کے کاغذات میں بلقب کلکٹر لکھتے ہیں اور مجسٹریٹی کے کام کے کاغذ میں بلقب مجسٹریٹ اور برعکس نہیں کر سکتے اسی طرح قرآن شریف کے بھی بہت سے القاب اور اسماء ہیں اور ہر ایک لقب کا مدار ایک جدے اعتبار اور نئے نئے اوصاف پر ہے قرآن تو بلحاظ مقروء ہونیکے کہتے ہیں یعنی قرآن کو قرآن اس لحاظ سے کہتے ہیں کہ اسکی قرأت کا اتفاق ہوتا ہے اور مصحف اور کتاب بایں لحاظ کہتے ہیں کہ اسمیں صحف یعنی اوراق ہوتے ہیں اور ان اوراق میں اسکو لکھتے ہیں علی ہذا القیاس ذکر بایں وجہ کہتے ہیں کہ غافلوں اور جاہلوں کے لئے مذکر اور گنہگاروں کے واسطے پند دہ ہے یعنی باعث یادگاری باری ہے اور پند خداوندی سو اس لقب کا استعمال جب ہی صحیح ہوگا کہ مقابل میں غافل اور جاہل اور گنہگار ہوں مگر سب جانتے ہیں کہ موصوف بوصف غفلت و جہل وگناہ اگر ہے تو یہ انسان ہے ملائک ان عیوب سے مبرا ہیں تو جبتک کلام اللہ لوح محفوظ میں تھا اس لقب کا بولنا صحیح نہ تھا کیونکہ اس موقع میں کوئی غافل تھا نہ جاہل تھا نہ گنہگار تھا وہاں تک اگر رسائی تھی تو فقط ملائک کی تھی سو انکو ان باتوں سے کچھ سروکار ہی نہیں ہاں جب نوبت تنزیل کی پہنچی اور معاملہ حضرت انسان سے پڑا تو البتہ اس لقب کا استعمال صحیح ہوا کیونکہ غرض انزال و تنزیل سے یہی ہے کہ غافلان نوع بشر کے لیے مذکر اور واعظ ہو پھر جب انا لہ لحافظون فرمایا تو ضمیر اسی لفظ کی طرف راجع فرمائی اسلئے لازم پڑا کہ حفاظت بھی اسی

موقع میں ظہور میں آئی کہ جہاں اس لقب کا استعمال صحیح ہوا **اقول** شیعہ یہ احتمال ہرگز بیان نہیں کرتے ہیں تو اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتا ہے اور عبث فضول بک کر کاغذ کو سیاہ کرتا ہے اور غار سرمن رای کا جواب تو ہم بعد اسکے دینگے اور لوح محفوظ میں محفوظ رہنے کا جواب یہ ہے کہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ قرآن کثیر جاتا رہا ہے اور سورتیں اور آیتیں اسمیں سے نکلگئی ہیں اور خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ ہم قرآن کی حفاظت کرنیوالے ہیں کہ اسمیں کسی طرح کی تغییر اور تحریف نہونے پائے اور جسوقت کہ اسقدر اسمیں تحریف ہوئی تو حفاظت اسکی کہاں باقی رہی ہے اور خدا تعالیٰ کا جو وعدہ حفاظت کا تھا وہ وقوع میں نہ آیا تو اس حفاظت کا جواب اہل سنت پیش کریں تو احتمال یہ ہے کہ اس طرح سے کریں کہ وہ لوح محفوظ میں محفوظ ہے سو اس احتمال کا پوچ ہونا تو ظاہر ہے اول تو یہ کہ اگر بالفرض انا لہ لحافظون کا یہی مطلب ہے تو ہمیں کیا ہمسے اس وعدہ کرنیکے کیا معنی ہمارے مفید مطلب تو یہ بات تھی کہ اس قرآن کی حفاظت کرتے جو ہماری پاس ہے تاکہ احکام خداوندی کے معلوم ہونے میں کچھ غلط شبہ نہ رہتا دوسرے وہاں کی حفاظت کرنیکی کیا ضرورت تھی اگر لوح محفوظ تک کسی بیدین کی دسترس ہوتی تو البتہ حفاظت کا موقع بھی تھا تیسرے آیت مذکورہ میں الخ جو کچھ اس شیخ کا بیان آخر تک ہے وہ ہی ہمارا بیان بعینہ ہے مگر لکھنے کی احتیاج نہیں ہے! دریغا فائدہ عبارت کو اس شیخ نے خارج از مقصود طول دیا ہے قرآن شریف کے القاب بیان کرنے اور اسکی مثالیں لکھنے سے کیا فائدہ ہے اور ذکر مطلق یاد کرنیکو کہتے ہیں تو ضرور نہیں ہے کہ مقابل میں غافل اور گنہگار ہی کے ہو خدا تعالیٰ فرماتا ہے وَاِذَا ذُكِرَ الَّذِيْنَ مِنْ دُوْنِهٖۤ اِذَا هُمْ يَسْتَبْشِرُوْنَ یہاں کونسا مقابلہ گنہگار اور غافل اور جاہل کا ہے اور جسوقت کہ ذکر بمعنی مطلق یاد کردن آیا ہو تو ملائکہ لوح محفوظ میں سے دیکھ کر کیا قرآن کا ذکر نہیں کرسکتے ہیں اور اسکو پڑھ نہیں سکتے ہیں آخر سوائے قرآن کے بہتیری تسبیحیں اور اذکار الٰہی کرتے ہیں یہ بھی سہی گناہ اور جہالت کی کیا خصوصیت ہے اور ذکر سے مراد اگر قرآن لیویں اور ضمیر لہ کی اسکی طرف راجع کریں تو اسقدر معنی آیت کے تو صحیح ہوسکتی ہیں بنظر روایات کتب فریقین کہ خدا تعالیٰ حافظ ہے اسکے زوال اور بطلان کا کہ کوئی اسکو زائل اور نابود نہیں کرسکتا ہے اور اگرچہ وہ لوگ حافظ ہے اسکی کمی اور بیشی و تبدیل الفاظ کا تو یہ معنی ہرگز صحیح نہیں تھی اسواسطے کہ کثرت روایات معتبرہ اہلسنت دلالت کرتی ہیں ان امور پر اور خلف وعدہ الٰہی لازم آتا ہے اور بلا تکلف معنی آیت کے صحیح اور درست اسوقت ہیں کہ ذکر سے مراد رسول خدا صلعم ہو جیسا کہ ہم پہلے اس سے بیان کرچکے ہیں کہ ایک آیت میں بھی خدا تعالیٰ نے ان حضرت کو لفظ ذکر سے یاد کیا ہے اور دیا یہ کہ مراد ذکر سے تو قرآن ہو اور ضمیر لہ کی جناب رسول خدا صلعم کی طرف پھری جیسا کہ بعضے لکھتے ہیں اور بیضاوی میں بھی لکھا ہے اور یہ نہیں ہوسکتا کہ ذکر سے مراد قرآن ہو اور ضمیر لہ کی ذکر کی طرف پھری ورنہ معتبر روایتوں کو جھوٹا ٹھیراؤ اپنی خلاصی کے لئے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہا دوسرا احتمال اسکا یہ حال ہے کہ اول تو حضرت امام مہدی کا غار سرمن رای میں مخفی ہونا ہے ایک فسانہ غلط ہے جب کلام اللہ کا باوجود اسقدر تواتر کے اعتبار نہ ہو ایسی روایات بے سروپا کا جنکی راوی فقط دو چار مکار ہوں کیا اعتبار اور در صورتیکہ وہ بات بھی قرین قیاس ہو تب تو قابل قبول عقل کسی عاقل کے نزدیک بھی نہیں اور جن روایات سے حضرت امام مہدی کا یہ فسانہ مروی ہے وہ کچھ ایسے ہی ہیں بلکہ اس سے بھی کمتر با اینہمہ یہ بات تو ہرگز متصور نہیں کہ حضرت امام مہدی کو کلام اللہ یاد ہو یہ کام تو اہل سنت جماعت کا ہے حضرت امام مہدی کو انکا تشبیہ کا ہیکو گوارا ہوگا مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ ہاں انکے پاس کلام اللہ ہو اور حضرت امام اس کلام اللہ کو لیکر اسی اندیشہ سے اس غار میں جا بیٹھے ہوں کہ مبادا انکے پاس کا کلام اللہ معتقدان خلیفۂ ثالث کی نظر پڑجائے تو البتہ ایک ٹھکانے کی بات ہے لیکن اہل فہم سے سوال یہ ہے کہ یہ احتمال پہلے احتمال سے اسبات میں کیا کم ہے کہ ہمارے حساب سے ویسا ہی لوح محفوظ میں ویسا ہی غار سرمن رای میں نقل مشہور ہے کہ ویسا ہی کنواں ویسا ہی کھائی بلکہ بلحاظ وجہ پنجم اس کلام اللہ کی حفاظت کا وعدہ ہی نہیں جو بزعم شیعہ حضرت امام کے پاس ہو اہل فہم کے نزدیک اسکا ذکر کہنا ہی صحیح نہیں ذکر کہنا تو جب صحیح ہو کہ امتی اسے پڑھیں پڑھائیں غار سرمن رای میں کون جائے اور کون اس سے فائدہ اٹھائے بلکہ وعدہ تو اسی کلام اللہ کی حفاظت کا ہے کیونکہ اسکا ذکر ہونا ظاہر ہے پھر حضرت امام کا کلام اللہ اگر اسی کلام اللہ کے موافق ہے تو بہتر ورنہ اس صورت میں حضرت امام ہی کا کلام اللہ غلط ہوگا بالجملہ ایسے لغویات کو خداوند کریم کی طرف نسبت کرکے سفہاء دین اسلام کو بٹا لگاتے ہیں سبحان اللہ عجب تماشا ہے کہ جناب باری نے وعدہ حفاظت تو اسلئے کیا تھا کہ امت محمدی کو کل کو دربارۂ علم احکام کچھ دقت پیش نہ آئے دین محمدی میں کوئی رخنہ نہ پڑے یہ دین قیامت تک برابر روشن رہے مگر افسوس کہ تاہم وہی خرابی کی خرابی برسر رہی نعوذ باللہ غار سرمن رای میں محفوظ ہونیکے یہ معنی ہوئے کہ خداوند کریم حفاظت کے وقت اتنا بھی نہ سمجھے کوئی اجنبی آدمی سنیگا تو کیا کہیگا ہماری صلاح یہ ہے کہ اسبات کو شیعہ کسی نصرانی یہودی کے سامنے تو زبان پر بھی نہ لائیں ہمارے سامنے کہیں تو شاید ہم بپاس اتحاد کلمہ گوئی یوں سمجھکر کہ شیعوں کی خفت فی الجملہ اپنی ہی خفت ہے سکوت بھی کر جائیں کیونکہ اول تو یہودیوں کو اس قسم کے خرافات منکر اسبات کے کہنے کی گنجائش ملیگی کہ ہماری توریت بھی آخر لوح محفوظ میں محفوظ ہے

اقول حضرت امام مہدی علیہ السلام کا غار میں مخفی ہونا غلط نہیں ہے بلکہ بہت صحیح ہے اسواسطے کہ انکے موجود ہونے پر دلالت کرتی ہیں روایات فریقین چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور کچھ اور بھی بیان کرینگے اور کلام اللہ کو ہم تو نہایت معتبر جانتے ہیں اور اگر غیر معتبر ہے قرآن تو موافق روایات اہل سنت کے ہے کہ اسمیں کمی اور بیشی اور تبدیل الفاظ اور غلطی کا تبین ہوئی اور راوی امام مہدی کے پیدا ہونے کے مکار نہیں ہیں بلکہ بڑے معتبر علماء اہل سنت کے ہیں اور قیاس کو یہاں کچھ دخل نہیں ہے اور قیاس تیرا

باطل ہے کہ تو منکر قدرت خدا ہے اور قیاس تیرا ایسا ہے جیسے کہ کفار کہتے تھے قیامت کے مقدمہ میں کہ جسوقت مر کر خاک ہو جائینگے تو بھلا پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ اس خاک کے ریزوں کو جمع کر کے خدا تعالی پھر زندہ کرے ایسا ہی تیرا قیاس امام مہدیؑ کے مقدمہ میں ہے کہ تیرے قیاس میں نہیں آتا ہے کہ امام مہدیؑ پیدا ہو کر غار میں مخفی ہوئے ہوں سو حضرت امام مہدیؑ بیشک پیدا ہوئے اور غار سر من رای میں جا کر آدمیوں کی نظروں سے غائب ہوا اور اس غار میں سے نکلکر جس جگہ کہ انکو خدا تعالی لیگیا وہاں چلے گئے اور اب موجود ہیں اور بعضے اولیا اہل سنت کو انکی ملاقات سے شرف بھی حاصل ہوا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور دلالت کرتی ہے انکے وجود پر حدیث ثقلین اور وہ حدیث کہ حضرت نے فرمایا تھا میری اہل بیت امان ہیں اہل ارض کی کہ عترت رسول خدا صلعم میں سے قیامت تک کوئی شخص موجود ہونا چاہیے اور شیخ محی الدین عربی نے فتوحات مکیہ میں باب ۳۶۶ میں لکھا ہے کہ اِنَّ لِلّٰہِ خَلِیْفَۃً یَّخْرُجُ مِنْ عِتْرَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلعم مِنْ وَّلَدِ فَاطِمَۃَ اِسْمُہٗ اِسْمُ رَسُوْلِ اللّٰہِ جَدُّہُ الْحُسَیْنُ بْنُ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ یعنی خدا کے واسطے ایک خلیفہ ہے کہ خروج کریگا عترت رسول خدا صلعم میں سے اولاد فاطمہؑ سے کہ نام اسکا نام رسول خدا صلعم ہے دادا اسکا حسین بن علی بن ابیطالب ہے اور کتاب الیواقیت والجواہر میں امام مہدی علیہ السلام کے حال میں لکھا ہے کہ وہ اولاد امام حسن عسکری علیہ السلام سے ہے اور پیدائش اسکی نیمہ شعبان میں ہے ۲۵۵ھ ہجری میں اور وہ باقی ہے یہانتک کہ جمع ہو عیسی بن مریم کے ساتھ ایسی ہی خبر دی ہے شیخ حسن عراقی نے اور حال خروج کا اُن حضرت کے مفصل و مشرح تحریر کیا ہے اور لواقح الانوار میں بھی ایسا ہی لکھا ہے اور شیخ عبد الحق نے رسالہ مناقب ائمہ اطہار میں حال امام مہدی اور ولادت اس جناب میں لکھا ہے کہ حکیمہ کہتی ہے کہ ابو محمد حسن عسکری رضی اللہ عنہ کے پاس گئی میں اور ایک مولود کہ انکے پاس دیکھا میں زرد کپڑے میں لپٹا ہوا اور اسمیں ایک ایسا نور اور عظمت دیکھی میں نے کہ دل میرا اسمیں گرفتار ہو گیا میں نے کہا کہ اے آقا آپکو اس مولود مبارک کے حال کا کچھ علم ہے کہ مجھ کو اس سے خبر دو فرمایا کہ اے عمہ یہ مولود وہ منتظر ہمارا ہے کہ ہمکو بشارت اسکی دیگئی تھی اور روضۃ الاحباب میں امام دوازدہم حضرت امام مہدیؑ کے حال میں مذکور ہے کہ وہ امام ذوی الاحترام کنیت و نام میں جناب رسول خدا علیہ و علی آلہ تحف الصلوۃ والسلام کے موافق ہے اور مہدی اور خلف صالح اور صاحب الزمان اسکے القاب میں منتظم ہے اور یہ بھی لکھتے ہیں کہ واہب العطایا نے مثل حضرت یحیی کی حالت طفولیت میں اسکو حکمت کرامت فرمائی اور یہ بھی لکھتے ہیں صاحب روضۃ الاحباب کہ وہ سر من رای میں نظر سے آدمیوں کی غائب ہوا اور سبط ابن جوزی تذکرۃ خواص الامۃ فی معرفۃ الائمہ میں امام مہدی کے حال میں لکھتے ہیں کہ ھُوَ مُحَمَّدُ بْنُ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ مُوْسٰی بْنِ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ الْحُسَیْنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ وَ کُنْیَتُہٗ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰہِ وَ اَبُو الْقَاسِمِ وَھُوَ الْخَلَفُ الْحُجَّۃُ صَاحِبُ الزَّمَانِ الْقَائِمُ الْمُنْتَظَرُ الْبَاقِیْ وَھُوَ اٰخِرُ الْاَئِمَّۃِ اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور عبد اللہ بن محمد بن یوسف شافعی نے کتاب البیان میں اور کمال الدین بن طلحہ شافعی نے کتاب مطالب السئول میں اور شیخ نور الدین نے فصول مہمہ میں اور ملا جامی نے شواہد النبوۃ میں اور محمد پارسا نے فصل الخطاب میں اور سوا انکے اکثر علما اہل سنت نے حال امام مہدی میں کہ وہ موجود اور قائم ہیں لکھا ہے اور متعصبین انکی مثل ابن حجر اور صاحب تحفہ اثنا عشریہ کے انکار کرتے ہیں اور اسقدر روایتیں اہل سنت کے علما کی حضرت امام مہدیؑ کے مقدمہ میں ہمنے بیان کیں کہ وہ قائم اور موجود ہیں اب معلوم نہیں کہ یہ علما تیرے نزدیک مکار ہیں یا معتبر ہیں اور تو یہ جانتا ہے کہ جیسے کہ حضرت عمر کو کلام اللہ یاد نہوا اور بارہ برس کے عرصہ میں شواری تمام ایک سورۂ بقر یاد ہوا ایسے ہی امام مہدیؑ کو بھی یاد نہوگا یہ بات نہیں ہے بلکہ قرآن تو امام مہدیؑ کے واسطے ہے اور امام مہدی قرآن کے واسطے کہ انکے دادا کے حق میں رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے عَلِیٌّ مَعَ الْقُرْاٰنِ وَالْقُرْاٰنُ مَعَ عَلِیٍّ اور اسی طرح سب ائمہ کا حال ہے حضرت امام مہدیؑ تک کہ جو تفسیر قرآن کی ہے وہ انکے ہی پاس ہے پھر یہ کیونکر ہو سکتا ہے جو کہ صاحب قرآن ہو اسکو قرآن یاد نہوا اور قرآن کے حفظ کا حال ہم پہلے اس سے مفصل بیان کر چکے ہیں اور حافظ قرآن کے شیعہ بھی ہیں اور سنی بھی ہیں لیکن اہل سنت کے اس ملک میں کثرت ہے اسواسطے حافظ بھی انمیں زیادہ ہیں اور یہ جو کہتا ہے کہ شیعوں میں کوئی حافظ نہیں ہوتا اور حفظ کرنا قرآن کا شعار اہل سنت کا ہے غلط کہتا ہے اور جھوٹ بولکر لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہے اگر حفظ قرآن کا خاصہ اہل سنت کا ہوتا تو چاہیئے تھا کہ سب سنی حافظ ہوتے اور انمیں بھی بعض بعض ہی حافظ ہیں اور لاکھوں سنی ایسے ہیں کہ قرآن کو جانتے بھی نہیں اور ایسے ہی شیعہ ہیں کہ انمیں بعض بعض حافظ ہیں اور اکثر حافظ نہیں ہیں اور اگر اہل سنت نے طوطے کی طرح قرآن کے الفاظ کو یاد کر لیا تو ایسا ہے کہ جیسے کسی نصرانی نے یاد کر لیا اور جسوقت کہ سفینۂ اہل بیت سے خارج ہو تو انکو قرآن کے الفاظ کی حفظ کرنے سے کچھ فائدہ نہیں ہے مثل نصرانیوں کے اور مشابہت تو حفظ قرآن میں اہل سنت سے اسوقت ہو جسوقت کہ حفظ قرآن اہل سنت کے مذہب میں داخل ہو اور شیعوں کے مذہب میں داخل نہوا اور سنیوں کے مذہب میں اسکے حفظ کا ثواب ہو اور شیعوں کے نزدیک اسکا حفظ کرنا مذموم ہو اور حال یہ ہے کہ حفظ قرآن کی ثواب کی روایتیں شیعوں کی کتابوں میں کثرت سے موجود ہیں اور عین مذہب اپنا کہ یہ تشبیہ کا ذکر کرنا ایسا ہے جیسے کہ کوئی کہے کہ اہل سنت خدا تعالی سے اور رسول خدا سے کا ہیکو اعتقاد رکھیں گے کہ انکو تشبہ شیعوں کے ساتھ ہو جائیگا اور وہ کلام اللہ بھی اگر امام مہدی کے پاس موجود ہو تو کیا اشکال ہے اور اسی اندیشہ سے اس قرآن کو اگر ہمراہ اپنے لیگئے ہوں کہ معتقدان عثمان اسکو دیکھکر کچھ تکرار نکریں تو کیا تعجب ہے کہ جو قرآن کہ صحیح اور کامل تھا اور رسول خدا صلعم کے زمانہ میں جمع

جو سنے تھے اور جناب رسول خدا صلعم نے اُسپر عمل کرنیکا حکم دیا تھا اُنکو جلا کر خاک کر دیا اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جاری کرنیکی غایت کے واسطے تو اس قرآن کو کون سلامت رکھتا اور جمع کرنا حضرت علیؑ کا قرآن کو موافق ترتیب نزول کے اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے اور جن قرآنوں کو عثمان نے جلوایا ہے انمیں اسکا ذکر نہیں ہے پھر وہ قرآن کہاں گیا اور قرآن کا جمع کرنا تو ثابت لیکن یہ کسی نے نہیں لکھا ہے کہ اسکو حضرت علیؑ نے دفن کر دیا یا دھو ڈالا یا مثل عثمان کے جلا دیا کتابوں میں اہل سنت کی اسیقدر ہے کہ اسکو حضرت علیؑ نے جاری نہیں کیا بسبب اختلاف کے کہ اسلام میں دو قرآن مختلف ہوتے پھر وہ قرآن کہاں گیا اور ہماری کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے اس قرآن کو لوگوں کے روبرو ظاہر کیا تو عمر نے کہا کہ ہمکو تیرے قرآن کی حاجت نہیں ہے فرمایا کہ پھر اس قرآن کو نہ دیکھوگے یہانتک کہ خروج کرے فرزند میرا مہدی علیہ السلام اور جمع کرنا حضرت علیؑ کا قرآن کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ لَعَلَّ الْعُلَمَاءَ الرَّبَّانِيِّينَ وَالسِّتَّةَ الْمُنْتَهِيَ إِلَيْهِمْ وَاللّٰهُ أَعْلَمُ وَكَلِّ الْخُطَبَاءِ الْمَعْرُوفِينَ وَأَحَدٌ مِنْ جَمَعَ الْقُرْآنَ وَعَرَضَهُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ اس روایت سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کر کے رسول خدا صلعم کو بھی سنا دیا تھا اور شیخ عبد الحق دہلوی نے شرح مشکوٰۃ میں فضائل قرآن میں لکھا ہے کہ آوردہ اند کہ امیر المؤمنین علیؑ نیز جمع کرد قرآن را بر ترتیب نزول و گفتہ اند کہ اگر آن مصحف معمول شدے و مشہور گشتے علم کثیر از آن حاصل شدے کہ معرفت ناسخ و منسوخ است و ما نا کہ وے رضی اللہ عنہ ترس اختلاف اسرار بروے کار نیاورد تا ہمہ عالم بر یک نہج باشند انتہیٰ اور ایسے ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ مروی ہے جناب امیر سے کہ جمع کیا ہے اُس حضرت نے قرآن کو ترتیب نزول پر کہ اُس سے ناسخ و منسوخ معلوم ہوتا ہے اور اگر وہ قرآن معمول و مروج ہوتا تو تحقیق بہت علم اُس سے ظاہر ہوتا اور استیعاب میں لکھا ہے اور ابن سیرین سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے قرآن کو موافق نزول کے لکھا ہے اور اگر ہاتھ آتا وہ قرآن تو اس سے علم کثیر حاصل ہوتا اور جلال الدین سیوطی نے اتقان میں لکھا ہے وَمِنْهُمْ مَنْ رَتَّبَهَا عَلَى النُّزُولِ وَهُوَ مُصْحَفُ عَلِيٍّ كَانَ أَوَّلُهُ اقْرَأْ ثُمَّ الْمُدَّثِّرُ ثُمَّ نُونٌ ثُمَّ الْمُزَّمِّلُ الخ یعنی پس بعضے انمیں سے وہ ہیں کہ مرتب کیا ہے اُنہوں نے قرآنوں کو نزول پر اور وہ مصحف علیؑ کا ہے کہ تھا اول اسکے سورۂ اقرأ پھر مدثر پھر نون پھر مزمل الخ اور سوا اسکے بہت کتابوں میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کیا ہے اور تاریخ الخلفاء سیوطی میں ابو الطفیل سے روایت ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ بخدا کوئی آیت نازل نہیں ہوئی مگر یہ کہ میں خوب جانتا ہوں اسکو کہ کس چیز میں نازل ہوئی اور کہاں نازل ہوئی اور کسکے حق میں نازل ہوئی تحقیق کہ میرے پروردگار نے مجھکو دل دانا اور زبان گویا دی ہے اور یہی صواعق محرقہ میں اور اتقان سیوطی میں ہے اس روایت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ قرآن کے حال سے جیسے حضرت علیؑ واقف تھے دوسرا کوئی ایسا واقف نہ تھا پس جسوقت کہ ثابت ہوا کہ حضرت علیؑ نے قرآن کو جمع کیا ہے کہ وہ موافق نزول کے تھا اور کامل اور بسبب خوف اختلافِ امت کے اسکو جاری نہ کیا تو وہ قرآن اُنکی اولاد طاہرین کے پاس رہا یہانتک کہ حضرت امام مہدیؑ کو پہنچا اور جسوقت کہ اُنکو حکومت و شوکت حاصل ہوگی تو وہ اُس قرآن کو جاری کرینگے اور تمام قرآن اُسکے مطابق کر دیے جائینگے نہ یہ کہ جلائے جائیں جیسے کہ عثمان نے اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جاری کرنیکے واسطے سب قرآن جلوا دیے اور جسوقت کہ بخوف اختلاف امت اور عداوت و تعصب مطیعان عثمان وہ قرآن جاری ہونے نہ پایا تو امام مہدیؑ کے خروج کرنے سے پہلے ہمکو اسی قرآن موجود پر عمل کرنیکا حکم ہے جو اس زمانہ میں پایا جاتا ہے اور یہ جو کہتا ہے کہ جیسا کہ لوح محفوظ میں ہے ویسا ہی غار سر من رای میں ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جس قرآن کی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا اور جناب رسول خدا صلعم نے اُسپر عمل کرنیکا حکم دیا تھا وہ قرآن تو ابن مسعود اور ابی ابن کعب کا تھا اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کا حضرت کے زمانہ میں وجود بھی نہ تھا اور نہ اسکی حفاظت کا وعدہ اور اُسپر عمل کرنیکا حکم تھا کہ بعد عمر دراز کے عثمان نے ناقص ہی جمع کر لیا ہے موافق روایات اہل سنت کے اب کہو کہ وہ قرآن کہاں ہیں جنکی حفاظت کا وعدہ اور جنپر عمل کرنیکا حکم تھا اُنکو تو جلا دیا سو جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ تھا اُس سے تو سر من رای ہی کی قرآن کو اولویت حاصل ہے کہ نفس الامر میں اُسکا وجود تو ہے اور جس قرآن کی حفاظت کا وعدہ تھا اُسکا تو وجود ہی باقی نہیں ہے اور نہ کوئی اُسکو پڑھتا ہے نہ پڑھاتا ہے کہ وہ تو جلا دیا گیا اور عثمان کا جمع کیا ہوا قرآن ہرگز موعود حفاظت نہیں ہو سکتا اسواسطے کہ یہ قرآن اُسوقت میں موجود نہ تھا اور اہل سنت کی روایتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ عثمان نے اپنی خلافت میں بعد حذف اکثر آیات اس قرآن کو جمع کیا ہے یہ تو ایسا ہی ہے کہ جیسے اب کوئی اس قرآن میں سے کچھ آیتیں نکالکر اور کچھ آیات متروکہ اسمیں ملا کر ایک قرآن کو جمع کر لے اور اگر اس قرآن جمع کئے عثمان کی حفاظت کا وعدہ ہے کہ اس قرآن میں سے کوئی کسی آیت کو کم نہیں کرتا اور نہ اسمیں زیادہ کر سکتا ہے ہر چند کہ یہ بات نامعقول ہے لیکن اسمیں تو کسیکو نزاع ہی نہیں ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن میں سے آیتیں نکال ڈالی ہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ عثمان نے قرآن کو جو جمع کیا تو بہت سی آیتیں اسمیں داخل نہیں کی ہیں اور قرآن کو جو جمع کیا تو بے ترتیب اور کمی اور زیادتی اور تبدیل الفاظ کے ساتھ جمع کیا ہے جسپر دلالت کرتی ہیں روایات کتب اہل سنت اور وجہ ثانی تو بالکل باطل ہے اور ایک نامعقول سی بات ہے اور اگر وعدہ حفاظت صحیح ہے تو اُسی قرآن کا ہے کہ جو حضرت صاحب الزمان کے پاس ہے کہ وہ قرآن کامل اور پورا ہے اور کسیکا دست تصرف اُسپر نہیں پہنچا اور تجھ کو یہ کیا معلوم ہے کہ وہ قرآن پڑھنے میں نہیں آتا اور پڑھنے پڑھانے پر کچھ موقوف ہی نہیں ہے جو کہ پڑھے پڑھائے جاتے تھے اور جنکی حفاظت کا خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا تھا وہ ہی جلائے گئے اب ان قرآنوں کو کون پڑھتا ہے اور کون اُن سے فائدہ اُٹھاتا ہے اور اب پڑھنے پڑھانیکے واسطے یہ قرآن موجود بھی کفایت کرتا ہے

اسکے پڑھنے سے بھی ثواب حاصل ہے مالا یدرک کلہ لا یترک کلہ اور جسقدر کہ باقی اور موجود ہے اسی پر ہمارا اعتقاد ہے اور ہماری ایمان میں داخل ہے اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن کی حفاظت کا وعدہ ہرگز نہیں ہے جیسا کہ ہم کہہ چکے کہ یہ قرآن اُسوقت جمع ہو کر وجود میں آیا تھا اور اگر اسکی ہی حفاظت مراد ہے کہ اب اس قرآن میں کوئی کم و زیادہ نہیں کرسکتا تو اسمیں کسیکو بحث ہی نہیں ہے اور نہ ذکر تو ان قرآنوں کا بھی ہوا کرتا تھا جو کہ جلا گئے ہیں اور تراویح میں وہ ہی پڑھے جاتے تھے پھر وہ محفوظ کیوں نہ ہے اور یہ ہم پہلے ہی اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے کہ قرآن امام علیہ السلام کا کامل موافق تنزیل کے تھا کہ جس سے کثرتِ علوم ظاہر ہوتی ہے اور قرآن جمع کیا ہوا عثمان کا ایسا نہیں ہے لیکن اُسکو ہم غلط نہیں کہہ سکتے ہیں جیسا کہ تو نے حضرت علیؑ کے جمع کئے ہوئے قرآن کو غلط لکھ دیا ہے اور ہمارا اعتقاد تو سب قرآنوں سے یہی ہے اور جو کہ جلائے گئے اُنسے سب اور ہم سب کو منزل من اللہ جانتے ہیں اور جسوقت کہ تیرے نزدیک قرآن کا جلا دینا جائز ہے تو غلط کہنے میں اُسکے کیا پروا ہے اور مطابق نہونا اس قرآن کا امام علیہ السلام کے قرآن کی ترتیب میں اور بعض بعض آیات کی کم و زیادہ ہونے میں تیری ہی علما لکھتے ہیں اور ایسے لغویات کو خداوند کریم کی طرف نسبت کرکے تیری علما اپنے دین کو بٹا لگاتے ہیں اور ہم اپنا اعتقاد تو پہلے اس سے بیان کر چکے ہیں اس کلام اللہ کی نسبت کہ قرآن منزل من اللہ ہی ہے لیکن روایات اہل سنت کو دیکھکر اس شیخ کے اقوال کے رد میں ہم کہتے ہیں کہ: اللہ تعالیٰ نے محافظت قرآن کا وعدہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ جناب رسول خدا صلعم کی محافظت کا وعدہ کیا تھا سو حضرت کو محفوظ رکھا اسواسطے کہ مراد ذکر سے آیۃ انا نحن نزلنا میں رسول خدا صلعم ہیں اور اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو ضمیر لہ کی رسول خدا صلعم کی طرف راجع ہوگی اور اگر اس صورت میں بھی ضمیر لہ کی قرآن کی طرف پھر گئی تو مراد اُس سے یہ ہوگی کہ خدا تعالیٰ اُسکو زوال اور بطلان کا حافظ ہے کہ کوئی اسکو باطل نہیں کرسکتا اور اگر یہ مراد نہیں ہو سکتی ہے کہ اُسمیں کسی طرح سے تغیر نہونے پائے اور اگر یہ مراد ہوتی تو اسقدر اُسمیں نقصان نہونے پاتا اور روایات کتب اہل سنت کثرت سے اُسکے نقصان پر دلالت کرتی ہیں اور وہ روایتیں سب کی سب دروغ نہیں ہو سکتیں اور غار سر من رای میں محفوظ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جو قرآن کامل تھے اور اُنمیں سب احکام تھے اُنکو تو عثمان نے جلا دیا اور یہ ایک قرآن کامل جو باقی رہا تھا یہ قرآن بسبب جاری ہونے قرآن ناقص عثمان کے جاری نہونے پایا خوف اختلاف سے کہ دو قرآن مختلف جاری ہونے سے تو صورت اختلاف کی پیدا ہوتی چنانچہ شیخ عبد الحق دہلوی نے لکھا ہے اور حضرت علیؑ کا جمع کرنا قرآن کو روایات اہل سنت سے ثابت ہے اور یہ نہیں ہو سکتا تھا کہ قرآن کامل جو حضرت علیؑ نے جمع کیا تھا تو اسکو وہ ضائع کر دیتے وہ اُنکی اولاد کے پاس ہی رہا یہ وجہ ہے قرآن کی محفوظ ہونے کی غار میں اور تا خروج امام زمان اس قرآن موجود پر عمل کرنیکا حکم ہوا کہ گو اسکو عثمان نے جمع کیا ہے آخر کلام خدا ہے کلام عثمان نہیں ہے اور خرابی کی خرابی باقی ہے اور اگر عثمان اُن کامل قرآنوں میں سے کسیکو جاری کرتے تو کچھ دقت نتھی اور اب جسقدر دقت پیش آئی ہے اور رخنہ پڑا ہے عثمان کی جہت سے ہے کہ اُس نے کامل قرآنوں کو جلا کر اپنا قرآن ناقص جاری کیا اور درصورت فرض اگر خدا تعالیٰ نے وعدہ قرآن کی حفاظت کا کیا ہے تو حفاظت اُسکی وقوع میں آئی جہاں کہیں کہ قرآن ہو اور یہودی اور نصرانی اور اجنبی آدمی اگر کچھ کہیں گے تو عثمان کو کہیں گے کہ وہ کیسا مسلمان تھا کہ جس نے قرآن جلا دیئے اور خود جو قرآن جمع کیا تو وہ ناقص ہے اور ہمپر تو سنی مسلمان تحریف کا اعتراض کرتے تھے اور اُنکے یہاں تحریف اور جلانا دونوں ثابت ہیں سوا اس مادہ کی نصرانی مسلمانوں پر تحریف کا تو اعتراض کرتے ہی ہیں اور اپنے رسالوں میں لکھتے ہیں اور سر من رای میں ہونیکا کوئی اعتراض نہیں کرتا ہے اور جسوقت کہ عثمان نے قرآن جلا دیئے اور تحریف کی تو نعوذ باللہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ خداوند کریم حفاظت کیوقت اتنا بھی نہ سمجھے کہ کوئی اجنبی آدمی سنیگا تو کیا کہیگا کہ یہی وعدہ حفاظت کا تھا ہماری صلاح یہ ہے کہ اہل سنت اپنی کتابوں میں سے اُن روایتوں کو نکال ڈالیں اور کسی یہودی نصرانی کو نہ دکھلائیں اور اگر ہم دیکھیں تو شاید بپاس اتحاد کلمہ گوئی یوں سمجھکر کہ سنیوں کی خفت فی الجملہ اپنی ہی خفت ہے سکوت بھی کر جائیں کیونکہ اول تو یہود و نصاریٰ کو اس قسم کے خرافات سنکر ایسا بات کہنے کی گنجائش ملیگی کہ ہمپر تو صرف تحریف کا اعتراض کرتے تھے اور تمنے تو تحریف بھی کی اور قرآنوں کو جلا بھی دیا **قال الشیخ الاشعری** سوائے اسکے سورۂ احقاف سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ جنات کے پاس توریت بجنسہ موجود تھی اور اُسمیں بنی آدم کی طرح اُنہوں نے کچھ تغیر و تبدیل کی بھی ورنہ یوں نہ کہتے اِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أُنْزِلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَىٰ مُصَدِّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ یعنی بیشک ہمنے سنی ہے ایک کتاب جو نازل کی گئی ہے موسیٰ کے بعد تصدیق کرنیوالی ہے اُس کتاب کی جو اُس سے پہلی ہے یعنی توریت کی تصدیق کرتی ہے سو بات کا یقین کہ کلام اللہ توریت کی تصدیق کرتا ہے جبھی ہو سکتا ہے کہ اُنکو توریت کے بجنسہ ہونیکا یقین ہو یا کلام اللہ توریت محرف کا مصدق ہو سو دوسرا احتمال تو شیعوں کے نزدیک بھی غلط ہے کیونکہ جنات نے جو کلام اللہ سنا تھا تو پیغمبر خدا صلعم سے سنا تھا حضرت عثمان سے یا ایسے ہی کسی اور سے نہ سنا تھا اور اگر یہودیوں کی پرخاش کا کچھ اندیشہ نہو اور یہ سمجھکر کہ کچھ توریت بجنسہا باقی ہو اور فقط اُسمیں تحریف نہونیکا اُنکو ایسا یقین ہو جیسے امامیہ کو الحمد اور قل ہو اللہ کے بجنسہ ہونیکا یقین ہے فخریہ یوں کہنے لگیں کہ ہمارا قرآن تو سر من رای میں محفوظ ہے تمہاری توریت بتلاؤ کہاں محفوظ ہے یا اتفاقات سے وہ آیات سنی ہوں جو توریت کی اُن عبارات کے جو اب تک صحیح سالم ہیں موافق اور مطابق ہیں اور فقط اسی توافق اور تطابق کی باعث اُنہوں نے کلام اللہ کو مصدق توریت سمجھا ہو تو اس صورت میں ہو سکتی ہے کہ توریت محرف بھی ہو اور کلام اللہ غار سر من رای میں محفوظ ہو اور اسوجہ سے کلام اللہ کو توریت پر فوقیت ہو اور یہودی یہ شرمائیں لیکن قطع نظر اسکے کہ

یہ فوقیت کس وجہ کی ناکارہ فوقیت ہے مشکل ہی رہیگی بہ نسبت یہودیوں سے یا لاجیت بھی گئی تو انگریزوں سے کس منہ سے بات کرینگے کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام حافظ انجیل باتفاق شیعہ و سنی
آسمان چہارم پر زندہ موجود ہیں غار سر من رای میں تو حضرت امام کو اسباب کا بھی شاید اندیشہ ہو کہ مبادا کوئی معتقد خلیفہ ثالث رضی اللہ عنہ پھرتا پھرتا یہاں آنکلے اور انکے کلام اللہ کو چھپا کر
جلادے یا معاذ اللہ دشمنان امام کو شہید کریں اور جو مصلحت کہ اخفا اور اختفا ہی تھی ہاتھ سے نکلجائے حضرت عیسے علیہ السلام تو بے کھٹکے ہیں جو تھے آسمان تک کسکا مقدور جو جاکر کھٹکے ہاں البتہ
ایک بات ہو سکتی ہے کہ اُنسے یوں کہا جائے حضرت عیسے کا اول تو حافظ انجیل ہونا غیر مسلم مگر یہی بعینہ احتمال نسبت حضرت امام موجود ہے بلکہ بدرجہ اول کیونکہ حضرت عیسی علیہ السلام پر خود انجیل نازل ہوئی
انکا یاد نہونا نہایت مستبعد بخلاف حضرت امام کے کہ قرآن اُنپر نازل نہیں ہوا معہذا کلام اللہ کے یاد نہونے میں اہل سنت کی مشابہت لازم انجیل کے یاد نہونے میں کوئی خرابی نہیں دوسرے مانا
حضرت عیسے علیہ السلام نازل بھی ہونگے اور انکو انجیل بھی یاد ہو لیکن جونکہ انجیل منسوخ ہو چکی ہے تو بعد نزول حضرت عیسےؑ وہ یاد ہونا کچھ مفید نہوگا بخلاف حضرت امام کے کہ انکا کلام اللہ کا یاد رکھنا
بعد انکے خروج کے کام دیگا اور شیعیان علی کو جو مدت دراز سے بناچاری بیاض عثمانی پر عمل کرتے ہیں کلام اللہ اصلی ہاتھ آئیگا اور تمنائے دیرینہ پوری ہوگی **اقول** اس قول
میں اول سے آخر تک جو کچھ لکھا ہے سب فضول ہے اور کوئی مطلب کی بات اور مفید نہیں ہے اسکا جواب کیا ہو کہ خیالات واہیہ اپنے دل سے جوڑکر کاغذ کو سیاہ کیا ہے اور تسلیم کیا ہے کہ جو یہود
کے پاس توریت بجنسہا موجود ہوگی کہ جسمیں کسی نے تحریف نہ کی ہوگی اور کلام اللہ اُس توراتِ صحیحہ کی تصدیق بھی کرتا ہے نہ توریت محرفہ کی اور رسول خدا صلعم ہی سے جو انہوں نے قرآن کو سنا
تھا نہ عثمان سے پھر نتیجہ اسکا کیا ہوا اور یہودیوں کی پرخاش کا اندیشہ اگر ہے تو اہل سنت کو ہے کہ یہودی کہتے ہیں کہ تم ہمپر تحریف کا کیا اعتراض کرتے ہو دیکھو تمہاری کتابوں میں موجود ہے کہ عثمان
نے قرآن میں تحریف کی اور اپنی جمع کئے ہوئے قرآن کے سوا سب قرآن جلا بھی دیئے اور ہمارے اعتقاد کے موافق تو قول ہو اللہ کیا بلکہ سب قرآن موجود ہے مگر اسکے اقوال کو جو ہم رد کرتے ہیں تو اسلیئے کہ
یہ ہمپر دروغ باستے اعتراض کرتا ہے اور دروغ کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اور ہاں ہم فخریہ یہودیوں سے کہہ سکتے ہیں کہ ہمارا قرآن امام مہدیؑ کے پاس موجود ہے اور تمہاری توریت کہیں محفوظ نہیں
ہے لیکن یہودی جواب میں کہہ سکتے ہیں کہ اگر تم محرف نہیں کہتے تو اہل سنت کہ جو بڑا فرقہ مسلمانوں کا ہے وہ تو ہمارا شریک ہے اس تحریف میں کہ جیسے کہ توریت محرف ہے ایسے ہی عثمان بشمول
اہل سنت نے قرآن میں تحریف کی ہے اور ہم اور وہ دونو یکساں ہیں اس جرم میں انکا حشر ہمارے ہمراہ ہوگا اور ہمارا اور انکا حال یکساں ہوگا قیامت کے روز اور توریت کے محرف ہونے میں تو
کسی طرح کا شبہ نہیں ہے اور کلام اللہ کو توریت پر بہر نہج فوقیت بھی ہے خواہ غار سر من رای میں ہو خواہ کہیں اور ہو اور اگر انگریزوں سے پالا پڑا جبتبھی گئے تو ہار نہ گئے بھی نہیں کہ جیسے کہ حضرت عیسےؑ
کو انجیل صحیح یاد ہے ایسے ہی ہمارے امام کے پاس قرآن کامل موجود ہے اور امام علیہ السلام ایسے مقام میں نہیں ہیں کہ جہاں معتقد عثمان پہنچنے پائے اور خدا تعالیٰ انکا حافظ ہے اور کسی کے خوف سے وہ
پوشیدہ نہیں ہیں بلکہ انکے پوشیدہ رکھنے میں مصلحت خدا ہے اور عثمان کے معتقدین سے کچھ بعید نہیں ہے کہ اُس قرآن کو قابو پاکر جلادیں اسواسطے کہ عثمان اُن قرآنوں کو جو کہ کامل تھے پہلے آگ سے
جلا ہی چکا ہے اور حضرت امام کا شہید کرنا بھی معتقدین عثمان سے بعید نہیں ہے کہ پہلے اس سے معتقدین عثمان نے اکثر اولاد رسول کو قتل کیا ہے اور امام موسیٰ کو زہر دلوایا ہے اور معاویہ کہ جو اہل سنت کا
خلیفہ حق اور امام صدق ہے اور عثمان کے اقارب میں سے تھا اور اسکے انتقام کے لئے حضرت علیؑ سے جنگ کرتا تھا اُسنے حضرت امام حسنؑ کو زہر دلوایا اور اسکے فرزند یزید نے حضرت امام حسینؑ کو قتل کروایا معتقدین
عثمان ایذا اور آزار پہنچانے اولاد رسول مقبول میں کیا کچھ کمی کرتے ہیں مگر قابو ہو نہیں پاتے اگر قابو ہو تو اولاد رسول خدا صلعم میں سے کسیکو باقی نہ رکھیں اور انجیل حضرت عیسیٰؑ کو حفظ ہو یا نہو
اس سے کیا مطلب ہے لیکن قرآن شریف البتہ حضرت امام مہدیؑ کو حفظ ہوگا کہ جو مطلب قرآن کا ہے وہ انکے ہی پاس ہے اور کسیکے پاس نہیں ہے اور وہ ہی قرآن کے واسطے ہیں اور قرآن انکے واسطے ہے اور
حفظ قرآن کا میراث ہے انکے باپ دادا کی شواہد النبوۃ مولوی جامی میں اور سوا اسکے شیخ عبدالحق وغیرہ کی کتابوں میں لکھا ہے کہ معجزہ حضرت علیؑ کا یہ تھا کہ گھوڑے کی اس رکاب سے اس رکاب تک
سوار ہوتے ہوئے تمام قرآن کی تلاوت کو تمام کرتے تھے اور قرآن کے حفظ کرنے میں مشابہت سنیوں سے نہیں ہے بلکہ امام کے حفظ کرنے میں خلفائے ثلاثہ کی سراپا مخالفت ہے کہ انکو قرآن یاد نہیں ہوتا
تھا حضرت عمر نے بدقت تمام بارہ برس کے عرصہ میں سورہ بقرہ کو یاد کیا تھا اور بسبب یاد نہونے قرآن کے احکام خدا میں غلطیاں کرتے تھے اور یہ عوام اہل سنت معتقدین خلفائے ثلاثہ جو الفاظ قرآن کو
غلط سلط یاد کر لیتے ہیں اور مطلب قرآن سے کچھ غرض نہیں ہے تو یہ ایسا ہی ہے جیسے کہ یہود و نصاریٰ قرآن کو حفظ کر لیویں اور امام علیہ السلام کا قرآن یاد رکھنا بعد انکے خروج کے شیعہ کیا سب لوگوں
کو فائدہ بخشیگا کہ انکے ہی قرآن کے موافق انشاء اللہ تعالیٰ عملدرآمد ہوگا سب قرآن انکے قرآن کے موافق کر دیئے جائینگے اور ایک مذہب حق جو کہ مذہب شیعہ اثنا عشریہ ہے تمام عالم میں پھیلجائیگا
اور خلفائے ثلاثہ اور بنی امیہ اور بنی عباس کی بدعتیں جو کچھ کہ دنیا میں پھیلی ہوئی ہیں سب دور کر دی جائینگی اور عثمان کے جمع کئے ہوئے قرآن پر جو ہمارا عمل ہے یہ بھی موافق حکم کے ہے
کہ آخر یہ بھی تو کلام خدا ہے اگرچہ ناقص ہے موافق روایات اہل سنت کے اور کلام تو وہ خدا کا ہے اگر اس جہت سے اسکو بیاض عثمانی کہیں کہ اس قرآن کی سور اور آیات کی ترتیب عثمان کی رائے
کے موافق ہے تو کچھ مضائقہ بھی نہیں ہے لیکن موافق روایات اہل سنت کے اسکو بیاض عمری کہنا مناسب ہے کہ یہ قرآن موافق رائے عمر کے اہل سنت کے نزدیک نازل ہوا تھا کہ جو کچھ حضرت
عمر تجویز کرتے تھے اور سوچتے تھے اسی کے موافق قرآن کی آیت نازل ہوتی تھی اس جہت سے بیاض عمری اسکو کہنا موافق مذہب اہل سنت کے چاہئے اور بیاض عثمانی کہنا مناسب نہیں ہے
اور جس وقت کہ امام علیہ السلام خروج کرینگے تو بیشک تمنا شیعوں کی پوری ہوگی اور دل انکے شاد اور آنکھیں انکی روشن ہونگی اور مخالفین حزن و ملال میں گرفتار ہونگے **قال الشیخ الاشعری** گر یہ

تدبیر جب مفید ہی کہ شیعہ ہمارا کہنا سر دھریں اور اس اعتقاد سے کہ اماموں کو تبدیل احکام حلت اور حرمت وغیرہ کا اختیار ہی اطلاع دست بردار ہوں اور نوادر کی اس روایت پر قلم پھیر دیں عن محمد بن سنان عن ابی جعفر قال کنت عندہ فاجریت اختلاف الشیعۃ فقال یا محمد ان اللہ تعالیٰ لم یزل متفرداً بوحدانیتہ ثم خلق محمداً و علیاً و فاطمۃ والحسن والحسین فمکثوا الف دھر ثم خلق الاشیاء واشھدھم خلقھا واجری طاعتھم علیھا وفوض امورھا الیھم فھم یحلون ما یشاؤن ویحرمون ما یشاؤن حاصل اس روایت کا یہ ہی کہ محمد بن سنان بیان کرتا ہی کہ میں حضرت امام ابو جعفر محمد باقر پاس تھا اتفاق سے میں نے شیعوں کے باہم مختلف ہونیکا ذکر چھیڑا یعنی یہ پوچھا کہ اسکی کیا وجہ ہے کہ شیعیان علی دین میں باہم مختلف ہو گئی انہوں نے فرمایا کہ محمد بن سنان حق تعالےٰ پہلے تو ہمیشہ سے اکیلا تھا دوسرا تھا ہی نہیں پھر پنجتن کو پیدا کیا پھر بعد ہزار دہر کے اور اشیا کو پیدا کیا اور پنجتن کے سامنے سب کو موجود کیا اور پنجتن کی طاعت انکے ذمہ پر رکھی اور انکا کاروبار سب پنجتن کے حوالے فرمائی سو وہ جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں فقط انتہیٰ غرض روایت کے سیاق سے اختلاف شیعہ کی وجہ یہ نکلی کہ پنجتن میں ایک بات کسی نے حلال رکھی تو دوسرے نے حرام کر دی سو کوئی انکا مقلد ہو گیا کوئی انکا دوسری روایت کلینی کی بھی اس روایت کے ہمزبان ہی اس سے بھی دست برداری لازم ہی عن محمد بن الحسن المیثمی عن ابی عبد اللہ قال سمعتہ یقول ان اللہ ادب رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم حتی قومہ علی ما اراد ثم فوض الیہ دینہ فقال ما اتاکم الرسول فخذوہ وما نھاکم عنہ فانتھوا فما فوض اللہ تعالیٰ الی رسولہ صلی اللہ علیہ وسلم فقد فوضہ الینا اسکا حاصل یہ ہی کہ محمد بن حسن میثمی امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہی کہ میں نے انکو یہ کہتے ہوئے سنا کہ خدا تعالیٰ نے اپنے رسول صلی اللہ علیہ و آلہ کو ادب سکھلایا اور سیدھا جیسا اپنا جی چاہتا تھا بنایا پھر اپنا دین انکے سپرد کر دیا اور کلام اللہ میں سورۂ حشر میں سب کو حکم دیا کہ جو کچھ تمہیں رسول دیں یعنی جو کچھ فرماویں اُسے قبول کرو اور جس سے منع کریں اس سے ہٹ رہو سو جو کچھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سپرد کیا تھا وہی ہمارے سپرد کیا پہلی روایت سے فقط پنجتن ہی کا اختیار در باب تبدیل احکام معلوم ہوتا تھا اور اس روایت سے ثابت ہوا کہ وہ اختیار اور اماموں کو بھی حاصل ہی اسلیے کہ جو تفویض اول روایت میں تھی وہی اس روایت میں بھی ہی وہ ہی بلا شک مراد ہو گی **اقول** بنیاد اہل سنت کے مذہب کی جھوٹ پر ہی اور جھوٹ ہی سے انکے مذہب کی محافظت ہے اور اگر انکے علما جھوٹی باتیں شیعوں کی طرف منسوب کر کے اپنے عوام کو شیعوں کے مذہب سے نفرت نہ دلاتے تو ہزاروں سنی شیعہ ہو جاتے سو انکے بڑے بڑے ملا تو ایسی باتیں ایجاد کرنیوالے ہیں مثل مولوی عبد العزیز صاحب کے اور کٹھ ملا جیسے یہ شیخ نجدی انکے جھوٹے اقوال پر اعتماد کر کے اُسکو مشہور کرنیوالے ہیں اور از انجملہ ایک بات یہ ہی کہ اس شیخ نے لکھا ہی کہ شیعوں کے اعتقاد میں یہ ہی کہ جناب رسول خدا اور ائمہ ہدیٰ علیہم الصلوٰۃ والسلام حلال کر دیتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں اور حرام کر دیتے ہیں جو کچھ چاہتے ہیں اور یہ بات بالکل غلط ہی کہ ایسا اعتقاد شیعوں کا ہرگز نہیں ہے اور انکا اعتقاد تو یہ ہی کہ خدا تعالیٰ جو کچھ چاہتا ہی حلال کرتا ہی اور حرام کرتا ہی اور انبیا کو اُس سے مطلع کرتا ہی وہ اُن حکموں کو خدا کے اپنی امتوں کو پہنچا دیتے ہیں اور پیغمبر کا ہرگز مقدور نہیں کہ اپنی رای اور تجویز سے کسی چیز کو حلال یا حرام کرے چہ جائیکہ امام کہ وہ تو نائب پیغمبر کا ہوتا ہی جب پیغمبر ہی کو یہ منصب حاصل نہیں ہے تو اُسکے نائب کو کیونکر ہو گا اور جو کوئی اس عقیدہ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ بڑا مفتری اور مکار دغا باز ہی اسواسطے کہ شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ جو چیز کہ حلال محمد ہی وہ حلال ہی اور جو چیز کہ حرام محمد ہے وہ حرام ہے قیامت تک چنانچہ کافی کلینی میں لکھا ہی اور زرارہ سے روایت کی ہی کہتا ہے کہ سألت ابا عبد اللہ علیہ السلام عن الحلال والحرام فقال حلال محمد حلال ابداً الی یوم القیمۃ وحرامہ حرام ابداً الی یوم القیامۃ یعنی پوچھا میں نے حضرت صادق علیہ السلام سے حلال اور حرام کا حال تو فرمایا کہ حلال محمد کا حلال ہی ہمیشہ قیامت تک اور حرام اسکا حرام ہی ہمیشہ قیامت تک اور محمد بن یعقوب کلینی نے کافی میں ایک باب لکھا ہی کہ عنوان اُس باب کا یہ ہی باب الرد الی الکتاب والسنۃ وانہ لیس شیء من الحلال والحرام وجمیع ما یحتاج الناس الیہ الا وقد جاء فیہ کتاب او سنۃ یعنی باب ذکر نیکا قرآن اور حدیث کی طرف اور کوئی شے حلال اور حرام میں سے نہیں ہے اور تمام اس چیز میں سے کہ محتاج ہیں آدمی طرف اسکے مگر تحقیق کہ آیا ہی اسمیں حکم قرآن اور حدیث کا اور اس باب میں اس طرح کی حدیثیں بہت ہیں کہ حلال اور حرام موافق حکم کتاب اور سنت کے ہی اور کوئی اپنی رائے سے حلال اور حرام نہیں کر سکتا ہی اور آدمی کے اعتقاد کو دیکھا کرتے ہیں کہ اسکا اعتقاد کیا ہی اور اگر کوئی روایت اسکے اعتقاد کے مخالف آگئی تو اُسکا اعتبار نہیں ہوتا ہی اہل سنت کی کتابوں میں سینکڑوں روایتیں ایسی ہیں اور بخاری اور مسلم میں لکھی ہیں کہ اہل سنت ایسی روایتوں سے کوسوں بھاگتی ہیں انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے کسی موقع پر انکا ذکر آجائیگا اور اسنے جو یہ روایت شیعوں کی لکھی ہی اُسمیں بڑی ہی خیانت کی ہی کہ مولوی عبد العزیز صاحب کے پیروی سے کہ اُنہوں نے خیانت کی تھی اسنے بھی اُنکی کتاب کو دیکھکر ویسا ہی لکھا اور جو کہ مراد وہاں سے اُسکو سمجھا ہی نہیں کہ اس تفویض سے کیا مراد ہی اور جو کہ یہ شیخ لکھتا ہی ہرگز ہرگز یہ اعتقاد شیعوں کا نہیں ہے چنانچہ کافی ہی میں روایت ہے سماعہ سے کہ میں نے امام رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ رسول خدا صلعم وہ چیز لائے تھے کہ آدمیوں کو کافی ہو جاوے فرمایا کہ ہاں اور جس چیز کی کہ قیامت تک محتاج تھے وہ سب لائے میں نے پوچھا کہ اسمیں سے کچھ ضائع ہو گیا ہی فرمایا کہ نہیں اور وہ اسکے اہل ہیں انکے پاس وہ ہی پس جس صورت میں کہ جناب رسول خدا صلعم اس قدر احکام الٰہی لائے کہ قیامت تک آدمی جسکے محتاج تھے اور وہ احکام ائمہ علیہم السلام کے سپرد ہوئے بطور امانت کے اور حکم ہوا انکے جاری کرنیکا تو پھر شیعہ کیونکر قائل ہونگے اس امر کے کہ حضرت امام جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کر دیں اور سوا اسکے جناب رسول خدا صلعم تو خود وحی کے منتظر رہتے تھے اور اپنی طرف سے کچھ نہیں فرماتے تھے اور ائمہ کہ نائب انکے ہیں انکے واسطے یہ امر کیونکر جائز ہو سکتا ہی منصب سے بڑھکر کہ جو چاہیں حلال کریں اور جو چاہیں حرام کریں اور اول روایت محمد بن سنان کی جو اس شیخ نے لکھی ہے امام ابو جعفر علیہ السلام سے

اسمیں بڑی خیانت کی ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے اسنے لکھا ہے اُس روایت میں یُحِلُّونَ مَا یَشَاؤُنَ وَیُحَرِّمُونَ مَا یَشَاؤُنَ اور اُسکے بعد جو
وَلَنْ یَّشَاؤُا اِلَّا اَنْ یَّشَاءَ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی ہے اُسکو ترک کردیا ہے تاکہ اعتراض قایم ہوجاے اور معنی دونوں فقروں کے یہ ہوئے کہ حلال کرتے ہیں جو
چاہتے ہیں اور حرام کرتے ہیں جو چاہتے ہیں اور ہرگز نہیں چاہتے ہیں مگر یہ کہ چاہے خدا پس اُن کا چاہنا خدا کے چاہنے پر
موقوف ہے اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ بے مرضی خدا کے وہ کچھ چاہیں اور دوسری روایت میں جو اسی طرح کی ہے اِس
سے زیادہ توضیح ہے چنانچہ ریاض الجنان میں لکھی ہے اور اُس روایت میں یہ ہے کہ یُحِلُّونَ مَا یَشَاؤُنَ وَیُحَرِّمُونَ مَا یَشَاؤُنَ وَلَا
یَفْعَلُوْنَ اِلَّا مَا شَاءَ یعنی حلال کرتے ہیں وہ اُس چیز کو جو چاہے خدا اور حرام کرتے ہیں جس چیز کو کہ چاہے خدا پس حلال کرنا اور حرام
کرنا اُن کا خدا کے چاہنے پر موقوف ہے کہ جس کو خدا نے چاہا کہ یہ حرام ہے اُس کو انہوں نے حرام جانا اور اُس کی حرمت کا انہوں
نے حکم دیا اور جس کو خدا نے چاہا کہ یہ حلال ہے اُس کو انہوں نے حلال جانا اور اُس کی حلت کا حکم دیا اور تفویض سے مراد
یہ ہے کہ حلال و حرام اپنا خدا تعالیٰ نے انکو سپرد کیا کہ وہ جانتے ہیں کہ فلانی چیز حلال کی ہوئی خدا کی ہے اور فلانی چیز حرام کی ہوئی خدا کی اور جس طرح
واقع میں ہے اُسی طرح سے اُنکے پاس ہے اور اسی واسطے فرمایا ہے کہ جو کچھ پیغمبر تم کو دیوے لے لو اور جس چیز سے منع کرے اُس سے باز رہو اور ائمہ معصومین کو سینہ بسینہ جیسے
پہنچے ویسے ہی جناب رسولخدا صلعم سے پہنچا ہے تفویض سے مراد یہ نہیں ہے کہ بدون وحی اور الہام کے جو چاہو حرام کرو اور جو چاہو حلال کرو اسواسطے کہ بدون
خدا کے حلال و حرام کیے تو کوئی چیز حلال و حرام نہیں ہوسکتی خواہ پیغمبر ہو حلال و حرام کرنیوالا خواہ امام ہو اور ہمارے علمار رحمہم اللہ نے تفویض کے کئی وجوہ
بیان کئے ہیں از انجملہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے تفویض کے ائمہ علیہم السلام کو سیاست خلق کی اور تادیب اور تعلیم اُنکی اور خلقت کو حکم کیا کہ جمیع امور میں اطاعت
اُنکی کرو خواہ خلقت اُنکی اطاعت کو دوست رکھے اور خواہ نہیں اور اسی تفویض میں ہے قول حقتعالیٰ کا مَا اٰتٰکُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْہُ وَمَا نَہٰکُمْ عَنْہُ فَانْتَہُوْا اور
اسطرح سے بھی بیان کیے ہیں کہ حقتعالیٰ نے انکو تفویض فرمائی کہ جسوقت مصلحت جانیں تو مطابق ظاہر شرع کے حکم کریں اور جسوقت چاہیں مطابق علم اپنے
کام کریں کہ خدا تعالیٰ نے انکو الہام اُسکا فرمایا ہے اور ایک وجہ یہ بھی ہے کہ جسوقت کہ خدا تعالیٰ نے رسولخدا صلعم کو بجمیع وجوہ کامل کیا ہو بایں حیثیت کہ
اختیار نہیں کرتے تھے کسی امر کو مگر یہ کہ موافق حق و صواب کے ہوتا تھا اور جو چیز کہ مخالف مشیت خدا کی ہو وہ ہرگز حضرت کے خیال میں نہیں گذرتی تھی اور بعد
اُسکے واسطے مزید تاکید کے مطابق اُسکے وحی بھی نازل ہوتی تھی لیکن اہل سنت ایسے امور کو جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم و ائمہ
ہدیٰ کے حق میں بعید جانتے ہیں اور عمر بن خطاب کے حق میں تو بہی اور ثبوتی سمجھتے ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ حضرت عمر جو رای مارتے تھے اور تجویز کرتے تھے مطابق
اُسکے ہی وحی نازل ہوتی تھی اور بلکہ اہل سنت کے مذہب میں تفویض مطلق مسایل دین میں جائز ہے اور مجتہدین کو جائز ہے کہ حلال کا یا حرام کا جو چاہیں
حکم دیویں چنانچہ مسلم میں کہ جو اصول فقہ کی کتاب ہے اور درس طلبہ میں داخل ہے لکھا ہے هَلْ يَصِحُّ التَّفْوِيْضُ وَهُوَ اَنْ يُّقَالَ لِلْعَالِمِ اَوِ الْمُجْتَهِدِ اُحْكُمْ بِمَا شِئْتَ فَهُوَ صَوَابٌ فَقَوْمُ الْمُخْتَارِ
عِنْدَ الشَّافِعِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَبَعْضُنَا اَلْجَوَازُ عَقْلًا یعنی آیا صحیح ہے تفویض اور وہ یہ ہے کہ کہا جائے واسطے عالم کے یا مجتہد کے کہ حکم کرو جو چاہتے ہو کہ وہ ٹھیک اور صواب ہے اور مختار
نزدیک شافعیوں کے اور مالکیوں کے اور بعضے ہمارے علمار کے جائز ہونا ہے باعتبار عقل کے دیکھو کہ تجویز تفویض کے فرمائی ہے اپنے علمار کے حق میں گو کہ وہ بانواع فسق و فجور
مبتلا ہوں اور جناب رسولخدا صلعم اور ائمہ ہدیٰ کہ معصوم یا محفوظ ہیں اُنمیں تفویض کو یہ لوگ نہایت بعید جانتے ہیں اور میاں ابوحنیفہ تو وہ ہیں کہ جنہوں نے
خلاف کلام اللہ کے حکم دیے ہیں اور سیکڑوں احادیث کو اور قول صحابہ کو رد کیا ہے اور اپنی رائے اور قیاس سے جو کچھ چاہا حکم دیا ہے اور اکثر اہل سنت ہندوستان کے
اُسکی پیروی کرتے ہیں زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ کہا یوسف اسباط نے کہ رد کیے ابوحنیفہ نے چار سو یا اس سے زیادہ حدیثیں پیغمبر خدا کی رسولخدا نے فرمایا کہ سوار کے
دو سہم ہیں مال غنیمت میں اور پیادہ کا ایک سہم ابوحنیفہ نے کہا کہ میں چارپائی کا سہم مسلمان سے زیادہ نہیں کرتا پیغمبر خدا نے اونٹ کی قربانی کی کوہان لہو آلود کیا
ابوحنیفہ نے کہا کہ خون آلودہ کرنا کوہان کا عقوبت ہے رسولخدا نے فرمایا کہ بایع اور مشتری کو جب تک مجلس بیع میں بیٹھے ہیں اختیار ہے بیع کے فسخ کرنیکا ابوحنیفہ
نے کہا کہ اختیار نہیں ہے رسولخدا قرعہ ڈالتے تھے ازواج کے سفر میں لیجانیکا اور جسکا نام نکلتا تھا اُسکو ہمراہ اپنے لیجاتے تھے اور ابوحنیفہ نے کہا کہ قرعہ قمار ہے اور
ابن جوزی نے کتاب منتظم فی تاریخ الملوک والامم میں باسناد خود ابو اسحاق فزاری سے روایت کی ہے اُس نے کہا کہ میں نے ابوحنیفہ سے ایک مسئلہ پوچھا اور اُسنے

جواب دیا یعنی کہا کہ رسول نے تو ایسا فرمایا ہے ابو حنیفہ نے کہا کہ اسکو محو کر خون خوک سے اور بشیر بن مفضل سے روایت کی ہے کہ اُسنے کہا قتادہ سے بروایت انس
مروی ہے کہ ایک یہودی نے سر ایک دختر کا پتھر سے توڑا جناب رسولخدا نے سر اُس یہودی کا دو پتھروں میں رکھکر توڑا ابو حنیفہ نے کہا یہ قبیل ہذیان سے ہے
سوا اسکے امام کے تو احکام پر نظر نہیں ہے اور دوسروں پر اعتراض کرتے ہیں اور اسی جہت سے کہ ابو حنیفہ جو خلاف قرآن اور احادیث کے حکم دیتا تھا بعضے علما
اہل سنت نے مثل امام غزالی کے منخول میں اور صاحب تاریخ بغداد کے اور سوا اُنکے اور علما نے ابو حنیفہ کو ضال اور گمراہ بلکہ کافر لکہا ہے اور لکہتے ہیں کہ اسنے
شرع محمدی کو بالکل منقلب کر دیا اور پلٹ دیا ہے ایسی اور خلقت شر پر دنیا میں مثل ابو حنیفہ کے کوئی خلقت پیدا نہیں ہوئی ہے اور طرفہ یہ ہے کہ بعد اسکے یہ شیخ
نجدی فدک کے ذکر میں کہ جو بعد اسکے آئیگا لکہتا ہے کہ جسقدر احکام کہ کلام اللہ میں ہیں وہ سب ہی رسولخدا صلعم کی طرف سے ہیں اور خدا کی طرف سے کوئی حکم نہیں
ہے بلکہ یہ قرآن جو ہے سب کا سب رسولخدا صلعم کی طرف سے ہے نہ خدا کی طرف سے خدا نے تو رسول خدا صلعم کی طرف سے تصنیف کرکے بھیجدیا ہے اور خدا کیطرف سے یہ نہیں
ہے جیسے کہ کوئی عرضی کو کسی سے لکھوائے تو وہ عرضی اُس لکھوانے والے کی کہلائیگی نہ لکھنے والے کی ایسی ہی کلام اللہ ہے کہ خدا تعالی اُسکا لکھنے والا ہے تو خدا تعالی
کا نہ کہلائیگا بلکہ رسول خدا کا کہلائیگا کہ وہ حضرت اُسکے لکھوانیوالے ہیں اور یہ مضمون بلاغت مشحون شیخ جی کا بعد اسکے فدک کے ذکر میں انشاء اللہ تعالی آئیگا
ہے **قال الشیخ الاشعری** مگر شاید کوئی شیعہ مذہب اسکی یہ توجیہ کرے کہ اس تفویض اور تحریم اور تحلیل کے یہ معنی ہیں کہ وہ اجتہاد کرکے لوگوں کو احکام بتلاتے ہیں
آخر اہل سنت ہی تو انبیا اور علماء کے اجتہاد کے حجت ہونیکے قائل ہیں شیعہ اگر چاردہ معصوم کے اجتہاد کے معتبر ہونیکے قائل ہوگئے تو کیا گناہ ہوا یا یہ توجیہ کریگا
کہ خداوند کریم نے اُنکو سبکی استعدادیں اور قابلیتیں دکہلا کر چنانچہ ظاہر عبارت روایت اول ہی ہے پنجتن کو حکم دیا ہو کہ انکی استعدادوں کے موافق جو کچھ سمجھہ میں
آئے احکام مقرر کردو سو اگر یہ ہو تو کیا خرابی ہے لیکن اہل عقل پر پوشیدہ نہوگا کہ اجتہاد کی تاویل کرنی تو بعینہ ایسی ہی جیسے کہا کرتے ہیں من چہ میگویم
و تنبور من چہ میگوید چنانچہ استعداد والے سمجھتے ہیں کہ اس توجیہ کو عبارت روایت اول سے کچھہ علاقہ نہیں اور نیز مخالف مذہب شیعہ کہ وہ ائمہ کی نسبت
اجتہاد کے تہمت لگانی موجب نقصہ سمجھتے ہیں اُنکی فرمائی ہوئی باتیں منجملہ وحی آسمانی سمجھتے ہیں باقی رہا استعدادوں کو دکھلا کر خانہ دین کا یہ ذکر دینا
اگر ہم تسلیم کریں تو شیعہ تو تسلیم نکرینگے اثنا عشریہ چھوڑ تمام امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ امام کو تمام احکام کی تبدیل کا اختیار ہے اگر استعداد ہی پر مدار کار
ہے تو تبدیل کے اختیار کے کیا معنے جیسے استعداد ہو ویسے ہی حکم ہونا چاہئے بدلا کیوں جائے بہر حال کوئی توجیہ نہیں بن پڑتی اگر جواب مذکور سے سرخرو ہونا
منظور ہے تو اس روایت کو زیر قلم کریں اور ہر گز کچھہ اندیشہ نکریں کیونکہ جناب باری کا ہی اشارہ اسیطرف ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ کلام اللہ کی شان میں
کلام اللہ ہی میں یوں فرماتے ہیں تبیانا لکل شیئے مطلب یہ ہے کہ کلام اللہ میں ہر چیز کا بیورا ہے ہم نہیں سمجھتے تو کیا ہوا سمجھنے والے تو سمجھتے ہونگے خاص کر
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پھر جب کلام اللہ ہی میں سب کچھہ آگیا تو تفویض کہاں رہی بلکہ اس صورت میں تو لازم ہے کہ جو کچھہ حضرت نے یا ائمہ نے فرمایا ہو وہ
شرح قرآن مجید ہوا اپنے اختیار سے کچھہ نفرمایا ہوا **اقول** اپنی طرف سے توجیہیں نکالتا ہے اور پھر اُنکا جواب دیتا ہے اور حال یہ ہے کہ شیعہ اِن توجیہوں سے واقف
ہی نہیں ہیں اور اُنکو کیا احتیاج ہے توجیہوں کے کرنیکی وہ ایسی بات ہی نہیں کہتے جس میں توجیہ کرنی پڑے اور اس شیخ نے جو خیانت کرکے ایک روایت لکھی ہے
اُس غلط روایت پر بنا کرکے وہ توجیہیں پیدا کرتا ہے کہ شیعہ جسکو ہر گز پسند نہیں کرتے اور تفویض اور تحلیل اور تحریم کا حال تو ہم مفصل بیان کرچکے ہیں کہ جسمیں
اجتہاد کو کچھہ دخل نہیں ہے اور اجتہاد تو مذہب حق میں انبیاء اور ائمہ علیہم السلام پر جائز ہی نہیں ہے اور اہل سنت انبیاء علیہم السلام پر جو اجتہاد کو تجویز کرتے
ہیں بڑی غلطی پر ہیں چنانچہ اپنے محل میں مذکور ہوا ہے اور یہ کہنا بھی درست نہیں ہے کہ اُنکو سب کی استعدادیں دکھلا کر خدا تعالی نے فرمایا ہو کہ انکی استعدادوں
کے موافق جو کچھہ سمجھہ میں آئے وہ مقرر کردو بلکہ وہ تو وہ بات کہتے تھے کہ جو کچھہ اُنکے سینہ میں تہا اور رسولخدا صلعم سے اُنکو پہنچا تہا اور رسول خدا صلعم کو اُنکے پروردگار
کی سرکار سے پہنچا تہا چنانچہ کافی میں قتیبہ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے ابو عبداللہ علیہ السلام سے ایک مسئلہ پوچہا اُسکا اُنہوں نے جواب دیا اُس شخص نے
کہا کہ مجھکو خبر دو کہ اگر ایسا ایسا ہو تو اُسکا کیا جواب ہو فرمایا کہ خاموش ہو کہ جو کچھہ میں تجھکو جواب دیتا ہوں وہ رسول خدا صلعم کی طرف سے ہے اور ہم اپنی طرف
سے کچھہ نہیں کہہ سکتے ہیں دیکھو اس روایت سے کیا ثابت ہوتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کو کچھہ بھی دخل ہے احکام میں اور جناب رسولخدا صلعم کو تو حاصل ہی نہ تہا حضرت
ائمہ علیہم السلام کو ان حضرت سے بڑھ کر کیونکر ہوتا اور اجتہاد انبیاء اور ائمہ معصومین علیہم السلام کا شیعوں کے نزدیک تو بالکل باطل ہے کہ جسکو وحی سے معلوم ہوسکتا ہے
اُسکو اجتہاد کی کیا احتیاج ہے اجتہاد کا تو ذکر ہی کرنا بیجا ہے اور روایت میں خیانت کرکے توجیہیں ہی تو ہی نکالتا ہے ہم تو کچھہ نہیں کہتے اور جب ہمنے تجھکو

تیری خیانت پر مطلع کر دیا کل روایت کو بیان کرکے تو اب توجیہوں کے احتیاج ہی نرہی اور حلال و حرام کرنے سے جو کہ مقصود ہی اُسکو پہلے اس سے ہم بیان
کر چکے اور ائمہ علیہم السلام کی طرف اجتہاد کو منسوب کرنا البتہ موجب اُنکی منفعت کا ہے اور اُنکو ہرگز اجتہاد کی احتیاج نہتی سو واسطے کہ ایسا حکم کوئی باقی نرہا تہا کہ
جو رسولخدا صلعم کو درگاہ خدا سے نہ پہنچا ہو بلکہ بموجب آیت اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کے کل احکام رسولخدا صلعم کو پہنچے تہے اور رسولخدا سے ائمہ معصومین کو پہنچے
تہے اور بعد اُسکے کوئی حکم ایسا نتہا کہ جسکو اجتہاد کرکے نکالتے یا اپنی رائے سے حلال یا حرام کرتے بلکہ اُنکے پاس جو کچہہ کہ تہا وہ سب وحی آسمانی تہا کہ جناب رسولخدا
کو وہ وحی کے ذریعہ سے پہنچا تہا اور رسول خدا صلعم سے ائمہ معصومین کو پہنچا تہا اور کارخانہ دین اُنکا اسی طرح سے سر انجام ہوا تہا جیسے کہ ہمنے لکہا ہے اور یہہ
اعتقاد کسی شیعہ کا نہیں ہے کہ امام کو تمام احکام کے بانٹنے کا اختیار ہے تو جہوٹ بولتا ہے اور جہوٹ بولکر لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہے اور نہ کوئی شیعہ استعداد
کا قائل ہے اور اہل سنت کی کتابوں سے تو یہہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کچہہ احکام کہ قرآن مجید میں ہیں نہ پیغمبر کیطرف سے ہیں نہ خدا کی طرف سے بلکہ حضرت عمر کی طرف
سے ہیں کہ حضرت عمر جو رائے مارتے تہے اُسی کے موافق خدا تعالی حکم جاری کرتا تہا سو یہہ مرتبہ تو امام کیا بلکہ پیغمبر کو حاصل نتہا کہ جس حکم میں دشواری حضرت
کو ہوتی تہی تو وحی کے منتظر ہوتے تہے اور حضرت عمر کو کچہہ دشواری نتہی کہ جو کچہہ وہ تجویز کرتے تہے تو اُسیکے موافق خدا تعالی حکم نازل کر دیتا تہا سو جو شرف
کہ اہل سنت کے نزدیک حضرت عمر کو تہا نہ وہ شرف کسی پیغمبر کو تہا نہ کسی امام کو اور سب اہل سنت کا اسی پر اتفاق ہے اور ہم کسی توجیہ کے قائل نہیں ہیں اور دونو
روایتوں کے معنی جس طرح سے کہ ہمارے علما بیان کرتے ہیں اور ہم لکہہ چکے ہیں اُسمیں کچہہ قباحت نہیں ہے اور قلم پہیرنے کے لائق مذہب اہل سنت کا ہے کہ جو کچہہ مسلم میں تفویض
کے جواز میں لکہا ہے وہ ایسا ہی ہے اور بیشک کلام اللہ میں بیورا ہر چیز کا ہے لیکن موافق روایات اہل سنت کے ہر چیز کا بیورا عثمان کی جمع کی ہوئی قرآن میں نہیں
ہے کہ اُسمیں سے بہت ناقص کیا ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکہہ چکے ہیں اور بیورا ہر چیز کا تو مصحف ابن مسعود اور اُبی ابن کعب میں تہا جن پر عمل کرنیکا رسول خدا صلعم
نے حکم دیا تہا سو اُنکو تو عثمان نے جلوا دیا اگر وہ مصحف کہ جسکو حضرت علی نے جمع کیا تہا اور اُسمیں علم کثیر تہا موافق روایات اہل سنت کو وہ البتہ باقی ہے اور ہر ایک
امام کے پاس وہ رہا ہے اور اُسی قرآن کو دیکہکر وہ جو چاہتے تہے حلال و حرام کرتے تہے اُسکے حکم کے مطابق سو وہ کلام اللہ ہی تبیانا لکل شئی اور احکام کو بہی اُسمیں سے
جناب رسولخدا اور ائمہ ہدی علیہم السلام ہی سمجہتے تہے نہ وہ جہلا کہ نسوان پردہ نشین سے الزام کہاتے تہے اور اگر تفویض باقی نہیں رہی ہے تو تمہارا مذہب بہی باقی نرہا
ہے بلکہ باطل یہہ کہ تیرے مذہب کا مدار تو تفویض ہی پر ہے کہ جو کچہہ ابوحنیفہ وغیرہ نے اپنی رای سے کر دیا اُسپر عمل ہے گو خلاف قرآن اور حدیث کے ہو اور بیشک جو کچہہ
جناب رسولخدا اور ائمہ معصومین علیہم السلام فرماتے تہے وہ شرح قرآن کی ہے اور اپنی اختیار سے اور اپنی رائے سے کچہہ نہیں فرماتے تہے کہ جو کچہہ چاہیں حلال کر دیں
اور جو چاہیں حرام کر دیں بلکہ ہمارے مذہب میں تو یہہ ہے کہ اُنکے پاس جفر جامع تہا کہ اُس سے کوئی شئے باہر نتہی جو کچہہ کہتے تہے اُسکے موافق کہتے تہے اپنی رای سے کوئی
بات بیجا ذکر کرنے کی کیا احتیاج تہی **قال الشیخ الاشعری** القصہ ہماری صلاح یہہ ہے کہ ان دونوں روایت پر قلم پہیر کر پہر جواب مذکور بالا سے انگریزوں وغیرہ
اعداء دین کے مقابلہ میں اُمید ہے کہ خیر ہو نیکی رہیں نہیں تو اُنکے ہی منہ میں بان ہی سینوں کہ تو یوجہہ اتحاد ملت کے کچہہ لحاظ ہی ہوگا اُنہیں کیا لحاظ ہے
ایسا ہو کہ وہ یوں کہنے لگیں کہ ہماری انجیل اگر کلام اللہ سے منسوخ ہو گئی ہے تو سارے احکام تو منسوخ نہیں ہوئے آخر اخلاق کی باتیں اور بہت سے احکام حلت و
حرمت کے بدستور باقی ہیں اور عقائد میں تو مسلمانوں کے مقولہ کے موافق کچہہ فرق ہی نہیں حضرت آدم کے وقت سے لیکر اب تک وہی عقائد چلے آتے ہیں چنانچہ کلام اللہ
میں سورہ مائدہ میں خود موجود ہے وَاَنْزَلْنَا اِلَیْکَ الْکِتَابَ بِالْحَقِّ مُصَدِّقًا لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ مِنَ الْکِتَابِ یعنی نازل کی ہمنے اے محمد صلعم تیری طرف سچی کتاب کہ وہ پہلی
کتابوں کی بہی تصدیق کرتی ہے سو تمہارے کلام اللہ کا بہی یہی حال ہے کہ امام نے مناسب وقت دیکہکر بہت سے احکام تبدیل و تغیر کر دیئے چنانچہ پہلی روایت
سے یہہ خوب طرح واضح ہوئی کیونکہ اختلاف شیعہ کی وجہ حضرت امام باقر علیہ السلام نے یہی بیان کی ہے پہر حضرت امام مہدی کے پاس اگر وہ کلام اللہ محفوظ
بہی ہو تو کیا حاصل وہ دین تو بدل ہی گیا کوئی اور ہی کلام اللہ بنا چاہئے نہیں تو یہ ایسا ہی قصہ ہے جیسا حضرت عیسی تمہارے موافق آخری زمانہ میں
نازل ہوں گے اور باوجودیکہ انجیل کے حافظ ہیں پہر بسبب اپنے دین کے منسوخ ہوجانیکی انجیل پر عمل نکرینگے بلکہ کلام اللہ پر عمل کرینگے **اقول** روایتوں کا تو
جواب ہم دے چکے کہ تونے روایتوں کے بیان کرنے میں خیانت کی ہے اور تفویض کے معنے ہم بیان کر چکے کہ جو اُس سے مقصود ہے اُسکو تو نہیں سمجہا اور انصاف
ہمکو کچہہ نہیں کہہ سکتے کہ ہمارے نزدیک امام علیہ السلام نے کوئی حکم تبدیل نہیں کیا جس طرح سے کہ خدا تعالی نے احکام نازل کئے ہیں اُسی طرح بدستور قیامت
تک چلے جائیں گے چنانچہ ہم بیان کر چکے کہ حَلَالُ مُحَمَّدٍ حَلَالٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ وَحَرَامُهُ حَرَامٌ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَةِ کوئی حکم خدا کو بدل نہیں کر سکتا اور انصاف اگر

اعتراض کرینگے تو اہل سنت پر کرینگے اور کہینگے کہ تمہارا کیسا مذہب ہے کہ تمہاری نزدیک تمہاری اولیاء احکام خدا کو پلٹ دیتے ہیں کہ خدا کے نزدیک تو کچھ حکم ہے
اور اولیاء اُن حکموں کو اپنے واسطے منسوخ سمجھتے ہیں تلبیس ابلیس ابن جوزی کو اور شرح بزدوی کو دیکھنا چاہئے کہ اُن اولیاء کی حال میں کیا کیا لکھا ہے حبیبیہ انمیں سے کہتے ہیں کہ جسوقت
بندہ نے خدا کو اپنا حبیب کیا اور محبت مخلوقات سے منقطع ہو تو تکلیف شرع اُس سے ساقط ہوجاتی ہے اور عبادت اُس سے مرتفع ہوجاتی ہے اور جو چیز کہ شرع میں حرام ہے وہ اُنپر
حلال ہوجاتی ہے جیسے کہ زنا کرنا ماں سے اور بہن سے اور دختر سے اور شرب خمر اور اکل خنزیر اور قماربازی اور خیانت مال مردم اور سوائے اسکے اور ولائیہ انمیں سے کہتے ہیں کہ بندہ جسوقت
مرتبہ ولایت کو پہنچتا ہے تو خطاب امر و نہی کا اُس سے اُٹھ جاتا ہے نہ اسپر کوئی چیز حرام رہتی ہے اور نہ کوئی چیز واجب رہتی ہے جو چاہے سو کرے اور جو چاہے نکرے اور شمراخیہ انمیں سے کہتے
ہیں کہ جسوقت معرفت خدا حاصل ہوتی ہے تو تکلیف شرعی اُس سے دور ہوجاتی ہے اور واصلیہ انمیں سے کہتے ہیں کہ ہم وصل ہونے والے ہیں خدا تعالی میں اور تکلیف نماز اور روزہ
کی ہم سے ساقط ہے اور سب چیز حلال ہے ہمارے واسطے یہانتک کہ شراب پینی اور اغلام کرنا اور زنا کرنا اور عقیدہ اُنکا یہ ہے کہ اس فرقہ کے لوگو نکو بنات اور اُمہات سے مجامعت کرنی جائز ہے اور
اباحیہ انمیں سے کہتے ہیں کہ لوگوں کے مال و فروج عورتوں کی حلال ہے جسکا مال چاہو بے اجازت کھا جاؤ اور جس عورت سے چاہو مجامعت کرو بدون نکاح کی اور سوائے اسکے اور بہت
فرقے اہل سنت کے اولیا میں سے ہیں جنہوں نے حرام کو حلال کر دیا ہے اور واجب کو حرام کر دیا ہے اسکو کہتے ہیں تغییر اور تبدیل کہ ایسی تغییر و تبدیل کہ جو کفر پر دلالت کرتی ہے اور امام
ہمارے تو سراسر تہمت سے پاک ہیں اور امام کی تبدیل تغییر کی نہیں ہو سکتا اگر ایسا مقدور نہ تھا کہ جو حکم خدا کو بدلتے یہ تو منصب اہل سنت ہی کے اولیا کا ہے اور روایت پہلی میں خیانت کی ہے تونے
مولوی عبد العزیز صاحب [illegible] ہے اور اگر اُسکو ہم تسلیم بھی کریں تو اُسمیں کچھ قباحت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے بیان کر چکے لیکن تو نے اُسکے معنی نہیں سمجھا ہے اسواسطے
ہائے واویلا کرتا ہے اور اختلاف شیعہ کی بھی وجوہ ہم بیان کر چکے اور اُنکا مطلب یہ ہے کہ ایک شخص کو جو ایک امر کی حلت کا حکم دیتے تھے وہ موافق ظاہر شرع کے ہوتا تھا اور دوسرے
کو جو اُس امر کی حرمت کا حکم دیتے تھے وہ تقیہ کی راہ سے ہوتا تھا اگر تبدیل و تغییر امام [illegible] کرتے تھے اور حلال کو حرام کرتے تھے اور حرام کو حلال کرتے تھے تو اس بہت سے کرتے
اور یہ حکم حلت اور حرمت کا سب موافق حکم خدا کے تھا اور [illegible] علیہ السلام نے فرمایا کہ لن تسأوا الا ان یشاء اللہ تبارک و تعالی اور الا من اکرہ وقلبہ مطمئن کی تفسیر
لکھا ہے کہ عمار یاسر رضی اللہ عنہ نے [illegible] اعتقاد کے خلاف ظاہر کیا تو [illegible] مخالف اعتقاد کے بیان کیا تو وہ بھی پسند [illegible] کس حکم کو
اُن دونو حکموں میں سے خدا کا حکم ہو کر اور کسکو نہ کہو گے [illegible] وہ کلام اللہ جو حضرت امام مہدی کے پاس محفوظ ہے اُسی کے موافق تو ہر ایک امام حلت اور حرمت کا حکم دیتا تھا اور جسکو جانتے تھے کہ
حلال ہے تو اُسکو حلال کرتے تھے اور جس چیز کو جانتے تھے حرام کرتے تھے وہ اُس کلام اللہ ہی کے حکم سے کرتے تھے اور اپنی رائے سے کچھ نہیں کرتے تھے اور اُسی قرآن کے موافق ہمارا دین جسکا [illegible]
بدلا گیا ہے دین تمہارا کہ پہلے تو رسول خدا صلعم اور شیخین کے زمانہ میں تو تمہارا دین اُن مصحفوں کے موافق تھا کہ جلا کر خاک کر دیے ہیں اور عثمان نے جو قرآن جمع کیا کہ جسپر تمہارا عمل ہے تو قرآن
کثیر جو اُس سے اُسمیں داخل نہیں ہوا ہے تو بہت احکام خدا کے جاتے رہے اور تبدیل الفاظ جو ہوئی تو مطلب ہی کچھ کا کچھ ہوگیا اور پہلے دین میں فرق آگیا اور ہمارے دین میں کسی طرح کا فرق
نہیں ہے اور نیا کلام اللہ تو اہل سنت کو چاہئے کہ اُنکے کلام اللہ میں سے بہت کچھ جاتا رہا ہے اور حضرت عیسی جو آخر زمانہ میں نازل ہونگے بعد خروج حضرت امام مہدی کے تو کیا فقط انجیل کے
ہونگے لیکن اُنکی انجیل اور دین کا جو منسوخ ہے اُسپر عمل نہوگا بلکہ قرآن مجید پر عمل کرینگے اور ہمارا قرآن جو ہے تو یہ منسوخ نہیں ہے بلکہ ناسخ ہے اسکا حال انجیل کا سا نہیں ہے اور تغییر اور
تبدیل احکام کا جواب ہم دے چکے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہا یہ احتمال کہ شاید حضرت امام مہدی اُنہیں احکام پر عمل کریں جو رسول اللہ صلعم کے مقرر کیے ہوئے ہیں تو اسکا جواب یہ ہے
کہ محمد بن بابویہ نے حضرت امام جعفر صادق رضی اللہ عنہ سے یہ روایت کی ہے عن ابی عبد اللہ انہ قال ان اللہ تعالی آخی بین الارواح فی الازل قبل ان یخلق الاجسام بالفی عام
فلو قد قام قائم اہل البیت ورث الاخ من الذین آخا بینہما فی الازل ولم یورث الاخ من الولادۃ ۔ یعنی حضرت امام ابو عبد اللہ نے جو حضرت امام جعفر صادق
کا لقب ہے یوں فرمایا ہے کہ اللہ تعالی نے ازل میں روحوں کے پیدا کرنے سے دو ہزار برس پہلے روحوں میں آپسمیں بھائی بندی کرادی ہے جب امام مہدی علیہ السلام ازل کی بھائی
بندی کے حساب پر وراثت جاری فرمائینگے اور جو نسل کی رو سے بھائی ہوگا اُسے وراثت نہ دلائینگے اب دیکھیے کہ اس روایت سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت امام مہدی کلام اللہ کے احکام
کے موافق بالکل عمل نکرینگے اور یہ حکم جو نسبی بھائی کی وراثت کا ہو گیا ہے اُسے موقوف کرینگے اور اس روایت سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ بھائیونکی وراثت کا حکم جو سورۂ نساء یوصیکم اللہ کے رکوع
میں ہے وہ کوئی خلیفہ ثالث نے نعوذ باللہ کچھ اپنی طرف سے نہیں بلکہ عین حکم الہی ہے ورنہ اُسکے موقوف ہونیکی حضرت امام مہدی کے وقت پر کیا تخصیص تھی **اقول** بیشک حضرت امام مہدی انہیں احکام پر
عمل کرینگے جو کہ رسول اللہ صلعم کے مقرر کئے ہوئے ہیں نہ غیر اُنکے پر اور یہی اعتقاد ہمارا ہے اور جو روایت کہ ہمارے اعتقاد کے مخالف ہوگی وہ مطروح یا مأول ہوگی اور محمد بن بابویہ علیہ الرحمۃ
سے جو روایت لکھی ہے یہ نہیں لکھا کہ فلانی کتاب میں یہ روایت ہے تاکہ صدق و کذب شیخ کا دریافت کیا جاتا کہ واقع میں یہ روایت ہے یا نہیں اور اگر تسلیم کیا جائے کہ اس طرح کی
روایت بھی آئی ہوئی لیکن مخالف اعتقاد کے جو یہ روایت ہے تو قابل اعتبار نہیں ہے اور اُنکے عقیدہ پر نظر کرنی چاہئے کہ وہ کیسا ہے نہ روایت غیر معتبر پر اہل سنت کی کتب صحاح میں

ایسی روایتیں علم کو رہیں کہ جو متضمن ہیں خدا تعالی کے مجسم ہونے کو چنانچہ لکھا ہے کہ نیمہ شعبان کو خدا تعالی آسمان دنیا پر یعنی اول آسمان پر آتا ہے اور بہت آدمیوں کو بخشتا ہے اور لکھا ہے کہ خدا تعالی پنڈلی اپنی کھولیگا قیامت کے روز اور سوا اسکے بہت روایتیں صحاح ستہ میں ایسی ہیں کہ جو اہل سنت کے اعتقاد کے مخالف ہیں سو ایسی روایت کو دیکھکر اعتراض کرنا بڑی حماقت ہے اور اس روایت میں ایک حکم کا ذکر ہے کہ برادر ازلی کو دلوائینگے اور برادر نسبی کو حصہ دلوائیں گے اور یہ شیخ نجدی اپنی طبیعت سے ایجاد کر کے کہتا ہے کہ کلام اللہ کے احکام کے موافق بالکل عمل نکرینگے کیسا مفتری اور دروغگو ہے یہ شیخ اور اس روایت پر اعتراض کرتا ہے اور انبیا اولیا کے اعتقادات کی طرف نظر نہیں کرتا ہے کہ وہ تمام احکام خدا کو منسوخ اور شرع محمدی کو باطل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ مادر اور دختر اور خواہر سے زنا کرنا مباح ہو جاتا ہے اور نماز و روزہ وغیرہ ساقط ہو جاتے ہیں اور شراب پینی حلال ہو جاتی ہے چنانچہ شرح بزدوی اور تلبیس ابلیس ابن جوزی میں لکھا ہے کیا یہ احکام خدا کے نہیں ہیں کہ جو منسوخ ہونے اور اسی روایت ابن بابویہ علیہ الرحمۃ میں تو یہ ہے کہ حضرت امام مہدی اپنے زمانہ میں ایسا کرینگے اب معلوم نہیں کہ کریں یا نکریں اور ابو حنیفہ نے تو کرہی دکھلایا کہ صدہا روں احادیث منسوخ کر دیں اور باوجود یکہ امام غزالی وغیرہ علما اہل سنت اور خطیب بغدادی نے اسکو گمراہ مقرر کر دیا لیکن ہندوستان کے اہل سنت پھر اسی کی پیروی کرتے ہیں اور شیعوں کا اعتقاد امام مہدی کی طرف یہ نہیں ہے کہ وہ احکام خدا کو منسوخ کرینگے اور اگر کرینگے تو موافق حکم خدا کے نہ اپنی رائے سے سو ہو سکتا ہے کہ انکے پاس جو جفر جامع اور مصحف فاطمہ موجود ہے اسمیں یہ حکم بھی لکھا ہو اور جناب رسول خدا صلعم کے پاس تو سب احکام آچکے تھے اور ان حضرت کے سینہ بسینہ امام مہدی تک سب ائمہ کو احکام خدا پہنچے ہیں تو ان احکام میں یہ بھی ایک حکم ہوگا اور یا یہ کہ وہ کلام اللہ جو انکے پاس ہے اسمیں یہ حکم ہو اور عثمان نے اپنی قرآن میں اس حکم کو داخل نہ کیا ہو اور سورہ نسا میں جو نسبی برادر کے حصہ دینے کا ذکر ہے اسکو باقی رکھا ہو اور عثمان ہی کے مکر توت سے وہ پہلا حکم قرآن میں داخل نہونے پایا ہو اور اب ہم سب مورخے کرکے کہتے ہیں کہ اسی طرح کی روایت اہل سنت کی کتابوں میں بھی موجود ہے اور جس صورت میں کہ اپنی ہی کتابوں میں اس طرح کا حکم موجود ہو تو پھر دوسروں پر اعتراض کرنا بڑی مکاری اور دغابازی ہے چنانچہ مواہب لدنیہ میں لکھا ہے

فَاِنْ قُلْتَ قَدْ وَرَدَ فِیْ صَحِیْحِ مُسْلِمٍ فِیْ قَوْلِہٖ صلعم لَیُوْشِکَنَّ اَنْ یَنْزِلَ فِیْکُمُ ابْنُ مَرْیَمَ حَکَمًا مُقْسِطًا فَیَکْسِرُ الصَّلِیْبَ وَ یَقْتُلُ الْخِنْزِیْرَ وَ یَضَعُ الْجِزْیَۃَ وَاِنَّ الصَّوَابَ فِیْ مَعْنَاہُ اَنَّہٗ لَا یَقْبَلُ الْجِزْیَۃَ وَلَا یَقْبَلُ اِلَّا الْاِسْلَامَ اَوِ الْقَتْلَ وَ ھٰذَا خِلَافُ مَا حَکَمَ الشَّرْعُ الْیَوْمَ فَاِنَّ الْکِتَابِیَّ اِذَا بَذَلَ الْجِزْیَۃَ وَجَبَ قُبُوْلُھَا وَلَمْ یَجُزْ قَتْلُہٗ وَلَا اِکْرَاھُہٗ عَلَی الْاِسْلَامِ وَاِذَا کَانَ کَذٰلِکَ فَکَیْفَ یَکُوْنُ عِیْسٰی حَاکِمًا لِشَرِیْعَۃِ نَبِیِّنَا وَالْجَوَابُ اَنَّہٗ لَا خِلَافَ فَاِنَّ عِیْسٰی عَلَیْہِ السَّلَامُ اِنَّمَا یَنْزِلُ حَاکِمًا بِھٰذِہِ الشَّرِیْعَۃِ الْمُحَمَّدِیَّۃِ وَلَا یَنْزِلُ نَبِیًّا بِرِسَالَۃٍ مُسْتَقِلَّۃٍ وَ شَرِیْعَۃٍ نَاسِخَۃٍ بَلْ ھُوَ حَاکِمٌ مِّنْ حُکَّامِ ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ وَاَمَّا حُکْمُ الْجِزْیَۃِ وَمَا یَتَعَلَّقُ بِہٖ فَلَیْسَ حُکْمًا مُسْتَمِرًّا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ بَلْ ھُوَ مُقَیَّدٌ بِمَا قَبْلَ نُزُوْلِ عِیْسٰی وَقَدْ اَخْبَرَنَا نَبِیُّنَا صلعم بِنَسْخِہٖ وَلَیْسَ عِیْسٰی ھُوَ النَّاسِخُ بَلْ نَبِیُّنَا ھُوَ الْمُبَیِّنُ لِلنَّسْخِ فَدَلَّ عَلٰی اَنَّ الْاِمْتِنَاعَ فِیْ ذٰلِکَ الْوَقْتِ مِنْ قَبُوْلِ الْجِزْیَۃِ ھُوَ شَرْعُ نَبِیِّنَا اَشَارَ اِلَیْہِ النَّوَوِیُّ فِیْ شَرْحِ مُسْلِمٍ

حاصل اسکا یہ ہے کہ پس اگر کہے تو کہ تحقیق وارد ہوا ہے صحیح مسلم میں قول میں ان حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کہ قریب ہے کہ نازل ہو تم میں پسر مریم حاکم عادل ہو کر پس توڑ ڈالیگا وہ چلیپا کو کہ وہ شکل سولی کی ہے اور قتل کریگا خوک کو اور وضع کریگا جزیہ کو اور صواب اسکے معنی میں یہ ہے کہ تحقیق وہ نہ قبول کریگا جزیہ کو اور نہ قبول کریگا سوا اسلام اور قتل کے اور یہ خلاف ہے حکم شرع کے کہ جو آجکے دن ہے اس واسطے کہ کتابی یعنی یہودی یا نصرانی جسوقت خرچ کرے اور دیوے جزیہ کو تو واجب ہے قبول کرنا اسکا اور قتل کرنا اسکا جائز نہیں ہے اور نہ مسلمان ہونے پر زبردستی اسپر کرے کہ تو اسلام کو قبول کر اور جسوقت ایسا امر ہوا تو کیونکر ہو ویگا عیسے حاکم ہمارے پیغمبر کی شریعت کا اور جواب اسکا یہ ہے کہ نہیں ہے خلاف اسمیں کہ حضرت عیسے علیہ السلام ضرور نازل ہونگے حاکم ہو کر اس شرع محمدی کے اور نہ نازل ہونگے وہ نبی ہو کر ساتھ رسالت مستقلہ اور شریعت ناسخہ کے بلکہ وہ ایک حاکم ہونگے اس امت کے حاکموں میں سے اور لیکن حکم جزیہ کا اور جو کچھ کہ اسکے متعلق ہے یہ حکم ہمیشہ کا قیامت تک نہیں ہے بلکہ وہ مقید ما قبل نزول عیسے کے ہے اور تحقیق خبر دی ہے ہمارے پیغمبر نے منسوخ ہونے اسکے کی اور نہیں ہے عیسے منسوخ کرنیوالا بلکہ ہمارے پیغمبر ہیں اور وہ عیسے بیان کرنیوالا نسخ کا ہے پس دلالت کی اس امر پر کہ امتناع اسوقت میں قبول جزیہ سے وہ شرع پیغمبر ہمارے کی ہے اشارہ کیا ہے طرف اسکے نووی نے شرح مسلم میں فقط پس جیسے ہی امام مہدی مثل حضرت عیسے کے حاکم ہونگے اس امت کے اور منسوخ کرنے احکام کا انکو اختیار ہوگا مطابق منسوخ کرنے رسول خدا صلعم کے کہ جس حکم کو کہ رسول خدا صلعم نے موافق حکم خدا کے منسوخ کیا ہے اسکے نسخ کو امام مہدی ظاہر کرینگے سو وہ منسوخ کرنا انکا حقیقت میں منسوخ کرنا رسول خدا صلعم کا ہے اور روایت میں تصریح موجود ہے کہ حضرت عیسے وہ حکم دینگے جو اس زمانہ کے حکم کے مخالف ہے اور وہ حکم انکا جاری ہوگا اور ایسی ہی امام مہدی کا حال ہے قال الشیخ الاشعری الغرض جبتک اثنا عشریہ اس مذہب سے کہ امام کو سب احکام کے منسوخ کر دینے کا اختیار ہے دست بردار ہونگے تب تک انگریزوں کے سامنے اپنے کلام اللہ کے محفوظ ہونے کے مقدمہ میں جو آیت نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَہٗ لَحٰفِظُوْنَ سے مستفاد ہوتا ہے منہ نکر سکیں گے اور ہماری اس صلاح کے ماننے میں فقط انکا ہی فائدہ نہیں کہ نصارا اور یہود سے جیت جائیں نہیں بلکہ

لفظ خاتم النبیین جو سورۂ احزاب میں ہے اُسپر بھی ایمان درست ہو جائیگا نہیں تو یہودیوں کی طرح یہ عتاب تیرے ہی رہیگا کہ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْکِتٰبِ وَتَکْفُرُوْنَ
بِبَعْضٍ کیا تم تھوڑی سی کتاب پر تو ایمان لاتے ہو اور تھوڑی پر نہیں لاتے وجہ اسکی یہ ہے کہ یہ بات تو انبیاء میں سے بھی کسی کسیکو میسر آتی ہے کہ نئی شریعت لائے اور پہلے احکام
بدل جائیں بنی اسرائیل میں حضرت موسیٰ کے بعد حضرت عیسیٰ تک جتنے نبی ہوئے سب توریت ہی پر عمل کرتے رہے اور پھر حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ کو بھی کو یہ بات میسر نہیں
آئی کہ خدا نے دین کا مقدمہ انہیں سپرد کر دیا ہو بلکہ جو کچھ اُنہوں نے احکام مقرر کئے سب حسب فرمان خداوندی مقرر کئے حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ تو درکنار کلام اللہ سے تو یوں معلوم
ہوتا ہے کہ خود سید المرسلین محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بھی یہ اختیار نہ تھا کیونکہ سورۂ انعام میں یہ آیت موجود ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا الآیۃ جسکا حاصل یہ ہے
کہ کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم نہیں پاتا ہوں بیچ اس چیز کے جو میری طرف وحی کی گئی ہے کوئی چیز حرام کسی کھانیوالے پر مگر فلانی اور فلانی اس آیت کے مضمون سے صاف معلوم
ہوتا ہے کہ حرام کرنے اور حلال کرنے کا اختیار رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ کو نہ تھا حلت حرمت کا مدار وحی پر تھا دوسرے کئی جگہ آیا ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰہِ حاصل اسکا یہ ہے کہ سوائے
خدا کے اور کوئی حاکم نہیں اور اگر بالفرض خدا نے اُمت کے احکام انکے سپرد کر دیے ہوں تب بھی ہمارے امام کچھ انسے اسبات میں کم نہیں اور یہی احکام کی تبلیغ کے رسول اور نبی ہوا
کرتے ہیں چنانچہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے یٰۤاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ یعنی اے رسول پہنچادے جو تیری طرف نازل کیا گیا ہے الغرض اسی طرح سے
یہود اور نصاریٰ کی برخاش سے بھی نجات ہو جائیگی اور اپنا ایمان بھی درست ہو جائیگا **اقول** ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ امام کو بالاستقلال کسی حکم کے منسوخ کرنے کا
اختیار نہیں ہے مگر جسکا کہ نسخ سینہ بسینہ رسول خدا صلعم سے چلا آیا ہے اور یا یہ کہ اسکا نسخ جفر جامعہ میں مندرج ہے اُسکو امام منسوخ کرسکتا ہے بحکم خدا نہ اپنی رائے سے جیسے کہ
ابوحنیفہ اپنی رائے سے احکام خدا کو منسوخ کیا کرتا تھا اور ہمارا کلام اللہ بیشک محفوظ ہے ابتک اور کسی طرح کا تغیر اُسمیں نہیں ہوا ہے اور وہ روایت ضعیفہ ایک حکم کے منسوخ ہونے
کی زمانہ خروج امام علیہ السلام میں آیندہ کی خبر دیتی ہے کہ امام مہدی ایسا کرینگے قرآن کی حفاظت میں اس سے کیا خلل آیا قرآن کی آیت تو کوئی نکالی نہیں گئی ہے جسکے سبب سے
کہا جاسکے کہ قرآن محفوظ نہ رہا حکم کا منسوخ ہونا اور امر ہے اور قرآن کا ناقص ہو جانا اور امر ہے ایسے پاگل نہیں ہیں انگریز تیری طرح کہ ایسی صورت میں حفاظت پر طعن کریں اور امام
کا منسوخ کرنا ایسا ہو گا جیسا کہ حضرت عیسیٰ بعضی احکام کو منسوخ کرینگے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور علماء اہل سنت نے اُسکا جواب دیا ہے اور آیۂ اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ الخ قرآن کی حفاظت پر
یقیناً دلالت نہیں کرتی ہے بلکہ ایک احتمالی بات ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے بلکہ بنظر روایات کتب اہل سنت کہ قرآن کے نقصان اور تبدیل الفاظ قرآن پر دلالت کرتی ہیں حفاظت
قرآن آیت مذکورہ سے مراد لینی ہرگز صحیح و درست نہیں ہو سکتا بلکہ مراد حفاظت سے حفاظت رسول خدا صلعم ہے نہ حفاظت قرآن اور انگریزوں کے سامنے تو تم ہی مُنہ نہیں کرسکتے
اسواسطے کہ تمہارا دعویٰ بھی تو یہی ہے کہ یہ ہمارا قرآن محفوظ ہے اور اسمیں کسی طرح کا تغیر نہیں ہوا ہے لیکن روایتیں تمہاری کتابوں کی کثرت سے دلالت کرتی ہیں قرآن کے نقصان
ہونے پر اس صورت میں تم کلام اللہ کے محفوظ ہونے کے مقدمہ میں حجت آیت اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ سے مستفاد ہوتا ہے مُنہ نہ کر سکوگے اور یہود و نصاریٰ سے ہم ہمیشہ ہی جیتتے رہے ہیں اور ہارے
ہوئے اُنسے تم ہو اور خاتم النبیین پر بھی ہمارا ایمان صحیح اور کامل ہے اور تیرا ہی ایمان خاتم النبیین پر نہیں ہے کہ تونے چند خاتم النبیین اور مقرر کئے ہیں اور تیری اس بے ایمانی پر اہل مکہ نے
تیرے کفر اور ارتداد کا فتویٰ لکھا ہے اور بعضی کتاب پر بھی تمہارا ہی ایمان نہیں ہے کہ تمہارے پیشوا عثمان بن عفان نے بہت سے مصحف جلادیے کہ جنمیں وہ حکم بھی تھے کہ جو اس قرآن
میں نہیں ہیں اب کہاں ہے تمہارا ایمان ۔ کل قرآن منزل پر اور نئی شریعت کا لانا کام پیغمبر کا ہے اور سوائے اُسکے اور کوئی شرع جدید نہیں لاسکتا ہے اور نہ کسی شیعہ کا یہ اعتقاد ہے اور اگر
درصورت فرض کوئی روایت منسوخ کرنے حکم میراث برادر نسبی کے شیعوں کی کتابوں میں آئی ہے تو اس سے کیا ہوتا ہے شیعوں کا اعتقاد تو یہ نہیں ہے بلکہ تیری ہی کتابوں میں
لکھا ہے کہ بعضی احکام کو حضرت عیسیٰ منسوخ کرینگے چنانچہ صحیح مسلم میں ہے اور ابن حجر نے اُسکا جواب لکھا ہے اور مسلم الثبوت اصول فقہ کی کتاب میں لکھا ہے کہ تفویض کرنا احکام کا
علماء اور مجتہدین کو جائز ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اپنی کتابوں کی تو خبر نہیں لیتا ہے اور دوسروں پر اعتراض کرتا ہے اور نئی شریعت بھی ابوحنیفہ ہی لایا ہے جسکی تو پیروی کرتا ہے
اور تیرا وہ امام ہے اور نئی شریعت کر دینے کی جہت سے امام غزالی وغیرہ علماء اہل سنت نے لکھا ہے کہ ابوحنیفہ نے شرع کو بالکل منقلب کر دیا اور پلٹ دیا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں تیری کتاب ہی
سے ثابت ہوتا ہے منسوخ کرنا احکام کا اور سپرد کرنا دین کا اور تفویض کے معنی جو کچھ اس سے پہلے ہم بیان کر چکے ہیں وہ ہیں اور مراد تفویض سے یہ نہیں ہیں کہ جو چاہیں حلال کر دیں اور جو چاہیں حرام کریں اور منسوخ
کرنیوالے احکام خدا کی تو میاں عمر تھے جنہوں نے علی الاعلان فرمایا تھا کہ رسول خدا صلعم کے زمانہ میں متعۂ حج اور متعۂ زنان حلال تھے اور میں اُنکو حرام کرتا ہوں اسکو کہتے ہیں نسخ کہ حضرت عمر نے حکم خدا کو جو قرآن میں ہے منسوخ کر دیا
اور امام مہدی کی منسوخ کرنے کی جو ایک روایت ضعیفہ اس شیخ نے لکھی ہے اُسمیں یہ تو نہیں ہے کہ امام مہدی نے کوئی حکم خدا کا منسوخ کر دیا ہو بلکہ ایک خبر ہے کہ یوں کرینگے اور اعتقاد
ہمارا حلال اور حرام کے مقدمہ میں یہی ہے کہ حلال اور حرام کرنیکا سوائے خدا کے کسیکو اختیار نہیں ہے نہ پیغمبر کو نہ امام کو مگر ابوحنیفہ نے بہت سے احکام حلال اور حرام کئے ہیں
اپنی رائے سے اور یہود اور نصاریٰ کی برخاش سے تمکو ہی نجات حاصل کرنی چاہئے اور ہمکو تو ہر طرح سے نجات حاصل ہے **قال الشیخ الاشعری** اور شاید کچھ یہی سبب

سمجھکر شیخ صدوق قمی ابن بابویہ نے کتاب الاعتقاد میں اس عقیدہ سے ہاتھ اٹھایا اور ہمارے نزدیک اس حساب سے صدوق اسم بامسمیٰ ہوگئے مگر سنیوں نے دامن چھڑانے کے لئے سب اہل تشیع کی طرف سے نیابۃً یوں کہہ دیا وَمَنْ نَسَبَ اِلَيْنَا اَنَّا نَقُوْلُ اِنَّهٗ اَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ فَهُوَ كَاذِبٌ یعنی جو یوں کہے کہ شیعہ یوں کہتے ہیں کہ کلام اللہ اس سے زیادہ تھا جواب لوگوں کے پاس ہے اور جسکی ایک سو چودہ سورتیں ہیں وہ جھوٹا ہے انہوں نے چاہا تھا کہ سنیوں کو جھوٹا بتائیں پر خدا سچوں کو سچا ہی کرتا ہے خداساز علامۂ کلینی نے اس دروغ کا بار اپنے سر اٹھایا یا یوں کہئے علامۂ صدوق کو جھوٹا بنایا چنانچہ انکی روایت کلام اللہ کی سترہ ہزار آیت ہونے کے باب میں اوپر مرقوم ہو چکی کسی نے سچ کہا ہے حق بر زبان جاری شود خیر کہاں تک حضرات شیعہ کی ناانصافی اس باب میں بیان کیجئے منصفوں کے لئے اسیقدر بہت ہے **اقول** پہلے ہم بیان کر چکے ہیں کہ ہمارے علماء معتمدین مثل شیخ صدوق اور شیخ ابوجعفر طوسی اور سید مرتضیٰ اور صاحب مجمع البیان اور میر باقر داماد اور ملا محسن کاشانی اور شیخ حر عاملی وغیرہ کے یہی اعتقاد ہے کہ قرآن منزل من اللہ ہے وہ یہی قرآن ہے کہ جو فی زماننا سب کے پاس موجود ہے نہ اس سے کم ہے نہ اس سے زیادہ ہے کچھ شیخ صدوق تنہا ہی کے لکھنے پر موقوف نہیں ہے اور ہم اثبات بیشی اور کمی قرآن جو کرتے ہیں تو صرف اس شیخ نجدی کے اقوال کی رد کرنیکو کرتے ہیں کہ یہ شخص جھوٹی باتوں کو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اور اس امر پر اعتراض کرتا ہے کہ جو خود اسکی کتابوں میں موجود ہے اور اہل سنت دامن کیونکر بچا سکتے ہیں کہ اضعاف مضاعف روایات تنقیص قرآن انکی کتابوں میں موجود ہیں اور انکا کچھ عذر نہیں کرتے ہیں جیسے کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ احاد ہیں اور انکا کچھ اعتبار نہیں ہے اور اہل سنت کو اب چاہئے کہ کسی طرح اپنا دامن چھڑائیں سو مٹے کہ انکی کتابوں میں کثرت سے روایتیں نقصان اور زیادتی اور تبدیل الفاظ کی موجود ہیں اور شیخ صدوق کی راست گوئی میں کیا شک ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام کے مذہب کے علماء میں سے ہیں اور اسیواسطے صدوق انکا لقب مشہور ہوا ہے کہ وہ نہایت راست گو ہیں اور ہمارے تو کل علماء راست گو ہیں کہ وہ مطیعان اور غلامان آل رسول میں سے ہیں اور دروغگو تمہارے علماء ہیں کہ سفینۂ نجات سے خارج ہیں علی الخصوص مولوی عبدالعزیز صاحب کے علماء میں انکے برابر کوئی دروغگو نہوگا اور دروغ انکا واضح ہوتا ہے انکی کتاب تحفہ سے اور اہل سنت جو کہتے ہیں کہ شیعوں کے نزدیک یہ قرآن مروج ناقص ہے جھوٹ کہتے ہیں اسواسطے کہ اعتقاد علماء معتمدین شیعہ کا یہی ہے کہ قرآن میں نقصان نہیں ہوا ہے اور بعضی روایتیں جو اسکے نقصان پر دلالت کرتی ہیں وہ منجملہ احاد اور ضعاف ہیں کہ انکا اعتبار نہیں ہے اور علامۂ کلینی نے جو نقصان کی روایت بیان کی ہے تو اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ اعتقاد بھی انکا ایسا ہی ہوگا اسواسطے کہ وہ محدث تھے جیسی روایت انہوں نے سنی بیان کر دی انکے اعتقاد کے موافق ہو یا نہو دیکھو شیخ صدوق علیہ الرحمۃ جو لکھتے ہیں کہ قرآن یہی ہے اور اس سے زیادہ نہیں ہے تو وہ بھی نقصان کی روایتیں لکھتے ہیں اور اعتقاد انکا ان روایتوں کے مطابق نہیں ہے سو صاحب کافی کلینی نے شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کو جھوٹا نہیں ٹھیرایا کہ اعتقاد اور چیز ہے بیان کر دینا روایت کا اور بات ہے اور بخاری اور مسلم میں سینکڑوں روایتیں ایسی ہیں کہ اسمعیل بخاری کا اعتقاد انکے موافق نہیں ہے اور اگر روایتوں کے بیان کرنے ہی پر مدار ہے تو اہل سنت کی کتابوں میں سینکڑوں روایتیں نقصان قرآن کی موجود ہیں اور اگر صاحب کافی نے اس دروغ کو اپنے سر پر اٹھایا ہے تو صاحب بخاری اور صاحب مسلم اور صاحب درمنثور اور اتقان وغیرہ نقصان قرآن کی روایتیں لکھنے والے سب جھوٹے ہو جائیں گے اور بایں کہ اس زمانے کے اہل سنت کو جھوٹا بنائینگے اور اگر اہل سنت کا یہ دعویٰ ہے کہ قرآن میں نقصان نہیں ہوا تو وہ بڑے جھوٹے ہیں اور انہوں نے چاہا تھا کہ ہم اس دعوے میں سچے ہوں پر خدا جھوٹوں کو جھوٹا ہی کرتا ہے خداساز سینکڑوں روایتیں نقصان قرآن کی اہل سنت کی کتابوں میں موجود نکلیں اور بعضی روایتیں پہلے اس سے ہمنے بیان بھی کی ہیں سو ان روایتوں نے اہل سنت کو جھوٹا ٹھیرایا کہ وہ ہمیشہ کے جھوٹے ہی ہیں اور سچ انکے پاس کو نہیں گیا اور اہل سنت بڑے ناانصاف ہیں کہ نقصان قرآن کا شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور روایتیں نقصان کی خود انکی کتابوں میں موجود ہیں اور اگر شیعوں کی کتاب میں کوئی روایت نقصان قرآن کی ہے تو وہ اسکا عذر کرتے ہیں اور قابل اعتبار اسکو نہیں جانتے ہیں اور اہل سنت متغیر ہو جانے قرآن کی روایتوں کا کچھ عذر نہیں کرتے ہیں اور تماشا یہ ہے کہ طعن اسکا ہم پر کرتے ہیں چنانچہ مشہور ہے کہ الٹا چور کوتوال کو ڈانڈے کہاں تک اہل سنت کی ناانصافی اسباب میں بیان کیجئے منصفوں کے لئے اسیقدر بھی بہت ہے **قال الشیخ الاشعری** ہمیں کوئی عاقل منصف ایسا نظر نہیں آتا جو اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ سے بجز اسکے کچھ اور معنی سمجھے کہ اسمیں ہرگز کوئی کمی بیشی نہیں کر سکتا خلیفہ ثالث ہو یا خلیفۂ اول اور دوم بلکہ انصاف سے دیکھئے تو بشہادت عرف اس آیت میں سنیوں کی بڑی فضیلت نکلتی ہے شرح اس اجمال کی یہ ہے کہ جو کام کسی کے اہتمام اور انتظام اور حکم سے ہوا کرتا ہے اگرچہ حقیقت میں اسے اور ہی کوئی کرے پر عرف میں وہ مہتمم ہی کی طرف اور منتظم اور حاکم ہی کی جانب منسوب ہوا کرتا ہے مثلاً کوئی بادشاہ کسی رسالہ یا پلٹن کو خزانہ کی حفاظت کے لیے مقرر کرے اور رسالدار اور صوبہ دار دس پانچ سپاہیوں کو پہرہ پر مقرر کر دیتے ہیں اور پھر نوبت بنوبت اور نمبر بنمبر وار اس پہرہ کو بدلتے رہتے ہیں اور آپ آرام کرتے ہیں اور سپاہی پہرہ دیکر چوروں اور قزاقوں کو دفع کرتے رہتے ہیں اب دیکھئے حقیقت میں محافظ سپاہی پہرہ دار کرتے ہیں پر چونکہ رسالداروں اور صوبہ داروں کے حکم سے کرتے ہیں تو بڑی سرکاروں میں رسالداروں اور صوبہ داروں ہی کا نام ہوتا ہے اور سپاہیوں کا کیا ہوا رسالداروں اور صوبہ داروں ہی کا کیا ہوا سمجھا جاتا ہے اسیواسطے اگر کہیں ایسے موقع پر کوئی معرکہ کا کام آن پڑتا ہے تو گو سپاہیوں کو بھی قدر قلیل

انعام ہی پر سالداروں اور صوبہ داروں کو بیش قرار انعام ملتا ہے اور عہدوں کی ترقی ہوتی ہے اسی طرح سنی بھی موافق حکم الٰہی کے اس خزانہ بے بہا کی محافظت
کرتے ہیں اور چونکہ اوراق میں فقط خوب حفاظت نہو سکتی تھی تو اسلئے اسکو اپنے سینوں میں گویا جان کے ساتھ رکھتے ہیں تاکہ بے دینوں اور شیاطین کو اسکے چرانے کی دسترس
نہو سکے اور چور کو توال کو ڈانڈیں شیعہ سنیوں ہی کو چور بتانے لگے سو یہ ہی مثل ہے کہ نیکی برباد گناہ لازم اگر شیعوں سے سنی کچھ انعام اکرام اس خدمت کا مانگتے جب ہی یہ تہمت لگائی
ہوتی خدا کے دینے میں تا مجل کیوں ہے نیل جلی سرکار کا کلیجہ پھٹے مشعلچی کا ہم جو دنیا میں دیکھتے ہیں تو کلام اللہ کی محافظت سنی ہی کرتے ہیں ایک ایک بستی میں بعضی بعضی جا
پان پانسو حافظ موجود ہیں مگر چونکہ یہ انکی حفاظت موافق ارشاد خداوندی کی ہے تو یہ ان کا کیا خدا ہی کا کیا سمجھنا چاہئے اور سنیونکو ملازم خاص و محکوم با اختصاص سمجھئے اسی لئے خداوند
کریم نے اس محافظت کو اپنی طرف منسوب کیا اور فرمایا وانا له لحافظون یعنی ہمیں اسکے محافظ ہیں لیکن شیعوں کو محکومان نافرمان کی مانند چاہئے بلکہ بمنزلہ باغیوں یا چوروں کے
قرار دیجئے کیونکہ یہ فرقہ محافظان کلام ربانی کے جو ایک خزانہ بے بہا ہے دشمن ہیں اور خزانوں کے محافظوں کے قزاق اور باغی اور چور ہی دشمن ہوتے ہیں غرضکہ آیت انا نحن
نزلنا الذکر وانا له لحافظون بھی باواز بلند یہی کہتی ہے کہ مذہب اہل سنت حق ہے اور مذہب شیعہ باطل پر سننے کو کان شرط ہیں جن کانوں پر خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ
عَلٰى سَمْعِهِمْ کی مہر لگی ہوئی ہو یعنی یہ مضمون انپر صادق آتا ہے کہ اللہ نے انکے دلوں پر اور کانوں پر مہر لگائی ہے وہ کیا سنیں اور کس کی سنیں گو ہمیں اپنی طرف سے سمجھانے میں قصور
نکرنا چاہئے **اقول** ہم بھی یہی کہتے ہیں کہ اگر ذکر سے مراد قرآن لیا جاوے تو کمی بیشی اسمیں متصور نہیں ہوسکتی لیکن کمی بیشی تو اسمیں ضرور ہوئی ہے مع تبدیل الفاظ کے اسواسطے
کہ روایات کثیرہ صحیحہ کتب معتبرہ اہل سنت کی جن پر مدار اہل سنت کے مذہب کا ہے مثل بخاری اور مسلم اور جامع الاصول اور درمنثور اور اتقان وغیرہ کے قرآن کے متغیر ہوجانے پر
دلالت کرتی ہیں سو وہ روایتیں تو دروغ نہیں ہوسکتی ہیں اگر وہ دروغ ہوجائیں تو مذہب ہی سنیوں کا دروغ ہوجائے اسواسطے کہ ایک دو روایت نہیں ہے کہ اسکی تاویل
کی جاوے بلکہ اس طرح کی روایتیں کثرت سے ہیں اور وہ سب کے سب سینکڑوں ہیں دروغ یا ضعیف کیونکر ہوجائیں گی پس معلوم ہوا کہ مراد ذکر سے جناب رسول خدا صلعم ہیں نہ
قرآن اور دوسری جگہ بھی خداتعالی نے ان حضرت کو بلفظ ذکر یاد فرمایا ہے چنانچہ فرماتا ہے الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَدْ اَنْزَلَ اللّٰهُ اِلَيْكُمْ ذِكْرًا رَسُوْلًا يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِ اللّٰهِ مُبَيِّنٰتٍ
اور رہا یہ کہ اگر ذکر سے مراد قرآن ہو تو له کی ضمیر ذکر کی طرف راجع نکرنی چاہئے بلکہ رسول خدا صلعم کی طرف پھیرنی چاہئے تاکہ آیت کے معنی بنظر روایات کثیرہ اہل سنت صحیح ہوں ورنہ معنی آیت
انا نحن نزلنا الذکر کے ہرگز صحیح نہیں ہوسکتے آدمی کو چاہئے کہ پہلے اپنی کتابوں کی روایتوں کو دیکھ لے تب ارادہ گفتگو کا کسی سے کرے اور یہ خبر نہیں ہے کہ موافق روایات اہل سنت
ہی کے معنی آیہ کے درست نہیں ہوسکتے اور شیعوں پر وہ اعتراض کرتا ہے جو اہل سنت پر اعتراض ہوتا ہے اور کمی بیشی قرآن کی کچھ محال نہیں ہے اگر کوئی شخص عم کا پارہ لکھے اور
اسمیں سے ایک سورہ والفجر کو اگر کم کر دے ورنہ لکھے یا اپنی طرف سے کچھ زیادہ کر دے تو کیا جبرئیل اسکا ہاتھ پکڑنے کو آئینگے کہ تو کسواسطے بیش و کم کرتا ہے نہیں یہ بات عقل میں بھی آتی ہے
یہ شعر لا شعور یہ کہ عقل کے دشمن ہیں اسقدر بھی نہیں سمجھتے اور اس حماقت کو انکی دیکھنا چاہئے کہ طرح طرح کی روایتیں سورتوں اور آیتوں کی ناقص ہوجانیکی و بعضی آیتوں کے زیادہ ہوجانے
کی اور الفاظ کی بدل جانے کی اور مصحفوں کے جلا دینے کی کثرت سے اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ خداتعالی قرآن کا حافظ ہے اور آیہ انا نحن نزلنا الذکر الخ قرآن ہی کی
شان میں نازل ہوئی ہے کیسے بیوقوف عقل کے دشمن ہیں اور یہ جو لکھتا ہے کہ بشہادت عرف اس آیت میں سنیوں کی بڑی فضیلت نکلتی ہے اس احمق مرید تغفل سے کوئی پوچھے کہ وہ کونسی
بات فضیلت کی ہے اگر مراد تیری یہ ہے کہ اہل سنت قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور شیعہ حفظ نہیں کرتے سر سے یہی غلط ہے کہ شیعہ کوئی حافظ نہیں ہوتا ہے اور جھوٹ بولکر تو لعنت خدا میں گرفتار ہو
اگر کسیکو تمنا شیعہ سے قرآن کی حفظ سننے کی ہو تو باقی بہت سی بیت المقدس پھر تبریز وغیرہ شہروں میں چلا آوے جہاں کہ حافظ ہیں اور جھوٹ بولنے سے کیا فائدہ ہے اور اگر اہل سنت قرآن کو جو
حفظ کرتے ہیں تو اس قرآن ناقص کو حفظ کرتے ہیں جسکو عثمان نے جمع کیا ہے اور موافق روایات اہل سنت کے سورتیں اور آیتیں محذوف کر کے اور الفاظ کی تبدیل کر کے جمع کیا ہے اور جس
قرآن کی محافظت کا خداتعالی نے وعدہ کیا ہے اس قرآن کو اہل سنت ہرگز حفظ نہیں کرتے ہیں بلکہ اسکے ٹکڑے کو کہ جو بعد حذف کے باقی رہا ہے اسکو حفظ کرتے ہیں اور جس قرآن کی
کی محافظت کا خداتعالی نے وعدہ کیا تھا انکو تو عثمان نے جلا دیا تھا اور اس قرآن کی حفاظت کا ارادہ ہرگز نہیں کیا تھا اسواسطے کہ یہ قرآن تو وقت نزول آیت
محافظت کے جمع ہی نہوا تھا اور اگر اہل سنت یا کسی شیعہ نے اس قرآن کو جو قرآن کل کا ایک ٹکڑا ہے حفظ یاد کر لیا تو اسمیں زیادہ فضیلت کیا ہوئی قرآن کے حفظ کرنیکا جو ثواب
ہے وہ ہی ہے کچھ اور فضیلت نہیں ہے اور اہل سنت کی اسمیں تخصیص نہیں ہے اور ایک مثال ایک بادشاہ اور رسالدار اور صوبہ دار کی جو لکھی ہے نہایت پوچ ہے
اور یہاں سے اسکو کیا تعلق ہے اور اہل سنت اس قرآن کی محافظت ہرگز نہیں کرتے ہیں جسکا کہ خداتعالی نے وعدہ کیا تھا اور اگر اسکے ایک ٹکڑے کی
محافظت کرتے ہیں تو شیعہ بھی اسکی محافظت کرتے ہیں اہل سنت کی اسمیں تخصیص اور فضیلت کیا ہے اپنے منہ میاں مٹھو کہنے سے کچھ فضیلت نہیں ہوسکتی اور یہ کہو کہ
وہ کون تھے جنہوں نے قرآن کو چرایا تھا کیا تم انکو بے دین اور شیاطین کہتے ہو اور شیعہ اپنی طرف سے نہیں کہتے ہیں تم اپنی کتابوں کو دیکھو کہ اسمیں صاف لکھا ہے اور پہلے

اس سے ہم لکھ آئے ہیں اُن کتابوں کے حوالہ سے کہ عثمان نے قرآن جلوا دئے سوائے اپنے جمع کئے ہوئے قرآن کے جہاں کہیں کہ تھے اور لوگوں کے سینوں سے نکلوا ڈالے اور بعضی
سورتوں کو اور اکثر آیتوں کو قرآن میں داخل نکیا اور اہل سنت نے شیعوں سے زیادہ کونسی خدمت اور نیکی کی تہی جس کے سبب سے مستحق انعام کے ہوں اور تہمت جو رکھی
شیعوں کی لگائی ہوئی نہیں ہے بلکہ علماء اہل سنت کہ نہایت معتبر ہیں وہ اسکو لکھتے ہیں اور قرآن کی حفاظت کی تخصیص اہل سنت کیواسطے نہیں ہے تو دروغگو اور مفتری ہے
بلکہ شیعہ بھی قرآن کو حفظ کرتے ہیں اور اہل سنت جو ہندوستان میں زیادہ ہیں اور شیعہ کم ہیں تو حافظ بھی اہل سنت کے شیعوں کے حافظوں سے زیادہ ہیں مگر پانسو حافظ کسی
بستی میں نہیں ہیں اور شیعہ جو حفظ کرتے ہیں تو اُنکا کیا ہوا خدا ہی کا کیا ہو سمجھنا چاہیے کہ موافق ارشاد خدا کے کرتے ہیں اور ملازم خاص اور محکوم با اختصاص اُنکو سمجھنا چاہیے
اسلیئے کہ خداوند کریم نے محافظت کو اپنی طرف منسوب کیا اور یہہ فرمایا وانا لہ لحافظون یعنی ہمیں اُسکے محافظ ہیں اور اہل سنت کو محکومان نافرمان کی مانند کہنا چاہیے بلکہ بمنزلہ
باغیوں کے یا چوٹوں کے قرار دیجے کیونکہ بعضے انمیں سے اگرچہ قرآن کو حفظ کرتے ہیں لیکن سفینہ نجات سے جو خارج ہیں اور اہل بیت کی پیروی سے برگشتہ ہیں اور اہل بیت
کے دشمنوں کو اور باغیوں کو دوست رکھتے ہیں ثواب اور فضیلت حفظ سے محروم ہیں اور کلام ربانی جو ایک خزانہ بے بہا ہے اُس میں انکے بڑے عثمان نے مثل قزاقوں اور چوروں اور
باغیوں کے بڑی لوٹ ڈالی کہ کچھ تو جلا دئیے اور کچھ متغیر کر دئیے کمی اور بیشی کر کے اور یہ جو اُسکے پیرو ہیں تو یہ بھی ایسے ہی ہیں اور شیعہ ہی محافظ ہیں قرآن کے کہ جو قرآن کہ کامل ہے اور
کسی طرح سے اُسمیں نقصان نہیں ہوا ہے اور وہ علم کثیر اُس میں ہے وہ قرآن اُنکے امام مہدی علیہ السلام کے پاس موجود ہے بحفاظت تمام اور اہل سنت سے اور اُنکے امام سے جو حفاظت
اُسکی نہو سکی تو اس جہت سے آیہ انا نحن نزلنا الذکر و انا لہ لحافظون بھی باواز بلند یہی کہتی ہے کہ مذہب شیعہ حق ہے اور مذہب اہل سنت باطل ہے پر سننے کے کان شرط ہیں
جن کانوں پر ختم اللہ علی قلوبہم و علی سمعہم کی مہر لگی ہوئی ہو یعنی یہ مضمون اُنپر صادق آتا ہے کہ اللہ نے اُنکے دلوں پر اور اُنکے کانوں پر مہر لگا دی ہو وہ کیا سنیں اور کسکی سنیں
مگر ہمیں اپنی طرف سے سمجھانے میں قصور نکرنا چاہیئے **قال الشیخ الاشعری** جیسے شیخ صدوق ایک بات مان اُٹھے ہیں ایسی ہی شاید مولوی عمار علی صاحب یا کوئی اور عالم
یا جاہل اس بات کو بھی مان جاے مگر چونکہ متعصب کو حق بات کا ماننا ہر چند کتنی ہی صاف اور روشن کیوں نہو بہت دشوار ہوتا ہے **اقول** پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں
کہ شیخ صدوق علیہ الرحمۃ کیا بلکہ سب علماء معتمدین یہی کہتے ہیں لیکن افسوس ہے کہ شیخ صدوق وغیرہ محدثین شیعہ نے تو مانا اور صاحب بخاری اور مسلم اور فتح الباری
اور جامع الاصول اور درمنثور اور اتقان اور مستدرک وغیرہ نے نہ مانا کہ قرآن کی ناقص کر دینے کی روایتیں اپنی کتابوں میں درج کیں اور ابتدا میں ہم مفصل لکھ چکے ہیں کہ
ہمارے نزدیک قرآن یہی ہے کہ جواب موجود ہے لیکن تو جو شیعوں پر یہ تہمت کرتا ہے کہ یہہ قرآن کی تغیر کے معتقد ہیں سو سطے تم یہ ہی قول کے رد میں تغیر قرآن کا یہی کتابوں سے
ثابت کرتے ہیں اور وہ متعصب کہ جو حق کو باوجود صاف اور روشن ہونیکے نہیں مانتے ہیں وہ اہل سنت ہیں اور شیعہ ایسے نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر کو سنکر
شاید کوئی شیعہ مذہب یوں کہنے لگے ہمنے مانا کہ کلام اللہ سارا صحیح اور سنیوں کی روش کے حوالے ہے اُس سے ہویدا پر یہہ تو کہیں نہیں کہ ابوبکر کو بھی ماننا چاہیئے اس لئے
یہ آیہ سیوم مع اپنے ماحصل کے لکھی جاتی ہے تیسری آیہ اِلَّا تَنْصُرُوْهُ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اِذْ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثَانِيَ اثْنَيْنِ اِذْ هُمَا فِي الْغَارِ اِذْ يَقُوْلُ لِصَاحِبِهٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا
یعنی تم لوگ اگر ہمارے پیغمبر کی مدد نکروگے تو کیا ہوگا اللہ اُسکا مددگار ہے والا ہے پہلے ہی اُسنے مدد کی ہے جب کہ کافروں نے اُسنے نکال دیا تھا جب کہ ایک وہ تھا اور ایک اُسکے
ساتھ والا تھا جب وہ دونوں غار میں تہے کب جسوقت وہ اپنے ساتھ دینے والے سے یوں کہے تھا کہ تو غمگین مت ہو ہمارے ساتھ تو اللہ ہے اس آیت میں بنظر انصاف غور
کیجے اور منہ زوری کو چھوڑ دیجے دیکھیئے یہ آیت کدہر کو لئے جاتی ہے سنیوں کی طرف کھینچتی ہے یا شیعوں کے گھر کا رستہ بتلاتی ہے ہمیں اسجگہ مرزا کاظم علی صاحب لکھنویکا
مقولہ جو بڑے متبرک علماء شیعہ میں سے تھے اور قدوۃ الزمان مولوی دلدار علی صاحب مجتہد ہی اُنکے معتقد تھے یاد آتا ہے خلاصہ اُسکا یہ ہے کہ اور کسیکو تو جسکا
جو کچھ جی چاہے سو کہے پر خلیفہ اول کا بُرا کہنے والا تو ہمارے نزدیک بھی کافر ہے اہل محفل میں سے کسی نے عرض کی کہ قبلہ آپ کیا فرماتے ہیں مذہب تو اسکے خلاف
ہے اُنہوں نے جواب دیا کہ میں کیا کہوں ہوں خدا کہے ہے صحابی اور صاحب کے معنی میں کچھ فرق نہیں سو خدا ہی خلیفہ اول کے صحابی ہونیکا گواہ ہے کیونکہ صاحب
کے لفظ سے جو اس آیت میں موجود ہے شیعوں سنیوں کے اتفاق سے ابوبکر صدیق ہی مراد ہیں سبحان اللہ اہل انصاف ایسے ہوتے ہیں جیسے مرزا کاظم علی صاحب تھے
اور وہ کچھ ایسے ویسے نتھے علم و زہد میں شیعوں کے نزدیک وہ بھی شہرۂ آفاق تھے کونسا عالم شیعہ مذہب ہے جو اُنکو نہیں جانتا اور اُنکو بھی نہیں مانتا اور اُنکا
بھی اس آیت میں کچھ قصور نہیں اس آیت کو جس پہلو سے پلٹ کر دیکھیئے کہیں گنجایش گفت و شنود کی نہیں ہے ہر طرف سے سنیوں کا مطلب نکلتا ہے **اقول**
شیعہ یہ تو البتہ کہہ سکتے ہیں کہ قرآن سارا صحیح ہے اور یہ نہیں کہہ سکتے کہ سنیوں کی روش کی خوبی اُس سے ہویدا ہے اسواسطے کہ یہ تو بالکل خلاف واقع ہے اور خلاف کو
کون مانتا ہے بلکہ قرآن سے تو اہل سنت کے مذہب کی کجی پیدا ہے جیسے کہ ہم لکھ چکے اور آیندہ کو لکھینگے اور ابوبکر کو کس امر میں مانیں جس نے حقوق اہل بیت غصب کئے

اور فاطمہ زہراؑ کا دروازہ توڑا اور اُس مظلومہ کا گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں بھی بھیجی چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور اسقاط محسن کیا چنانچہ ملل نحل میں ہے اور یہ آیہ غار جو لکھی ہے اس سے کوئی فضیلت ابوبکر کی نہیں پائی جاتی اور یہ اسطرحکی آیت ہے کہ کوئی آدمی خواہ کافر ہو خواہ مومن ہو کسی بزرگ کے ہمراہ ایسی مقام میں کہ جہاں خطرہ جان کا ہے اور وہ ہمراہی اپنی جان کا رنج کرے کہ دیکھئے بچتے ہیں یا نہیں اور وہ بزرگ شخص اُس کو کہے کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمارے ہمراہ ہے تو اب دیکھئے کہ اُس ہمراہی کی اسمیں کیا فضیلت ثابت ہے ایسے ہی جناب رسول خدا اور ابوبکر کی نقل ہے کہ جناب رسول خدا شب ہجرت دولتسرا سے نکلکر متوجہ غار ثور کے ہوئے اور رستہ میں جو ابوبکر کو کھڑا ہوا دیکھا تو اُنکو بھی ہمراہ اپنے لیلیا اور غار کے اندر جا کر دونوں صاحب پوشیدہ ہوئے اور کفار بھی جناب رسول خداؐ صلعم کو تلاش کرتے ہوئے غار پر جا پہنچے اور ابوبکر نے کفار کو دیکھا کہ آپہنچے اور اگر خبر ہو جائیگی اُنکو تو ہمکو قتل کرینگے اس جہت سے ابوبکر کو اپنی جان کا رنج ہوا اور رسول خداؐ نے ابوبکر سے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمراہ ہمارے ہے اور خدا تعالی نے ابوبکر کو رسول خداؐ کا صاحب یعنی ہمراہی فرمایا کہ وہ اپنی ہمراہی سے کہتا تھا کہ تو رنج مت کر اب فرمائیے کہ اسمیں فضیلت ابوبکر کی کیا ظاہر ہوئی اور مرزا کاظم علی صاحب کی جو نقل لکھی ہے کہ اُنہوں نے ایسا فرمایا بالکل جھوٹ ہے اور غلط ہے اور تمام سُنّیوں کا بھی تو اتفاق اسپر نہیں ہے کہ ابوبکر کے بُرا کہنے سے کوئی کافر ہو جائے چہ جائیکہ شیعہ یہہ دروغ مولوی حیدر علی کفش فروش کا معلوم ہوتا ہے کہ وہ لکھنو میں رہتی تھی اور ایسی ایسی جعل سازیوں میں اُستاد تھے ایک جعل اُنکا یہ مشہور ہے کہ نورالدین مفروض کیطرف سے سبحان علی خاں صاحب مرحوم کو ایک عرصہ تک خطوط تحریر کئے اور جب اُنکو چھپوایا تو اُس میں جا بجا جعل سازی سے زیادہ کر دیا اور جو چاہا کم کر دیا اور ایسے ہی یہ تہمت مرزا کاظم علی صاحب پر کی ہے اور مرزا مرحوم جناب غفران مآب مولوی دلدار علی صاحب کے شاگردوں میں سے ایک دانے شاگرد تھے انکو اعتقاد اُن سے کیا ہوتا اور دوسرا اتہام اُنپر یہہ کیا کہ اُنہوں نے یہہ کہا کہ صاحب اور صحابی کے معنے میں کچھہ فرق نہیں ایسا مہمل کلمہ اُنہوں نے زبان سے ہرگز نہ نکالا ہوگا کہ ان دونوں میں کچھہ فرق نہیں اسواسطے کہ صاحب اُسکو کہتے ہیں کہ جو کسیکے ہمراہ کسیکی صحبت میں یار کسیکا ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو یا کسیکی قوم میں ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو جیسے کہ قال لصاحبہ یہاں مومن کو صاحب کافر کا فرمایا اور یا صاحبی السجن یہاں کافروں کو صاحب حضرت یوسف کا فرمایا بیضاوی میں لکھا ہے کہ یا صاحبی السجن اصل میں یا صاحبیّ فی السجن ہے یعنی ای دو صاحب میری بیچ قید خانہ کے سو معلوم ہوا کہ خدا تعالی نے ہمراہ ہونیکی اور صحبت میں ہونیکی جہت سے صاحب فرمایا ہے اسمیں کیا فضیلت ہے کہ کافر کو بھی تو صاحب مومن کا کہتے ہیں اور صحابی میں شرط یہ ہے کہ باوجود صحبت پیغمبر کے ایمان صحیح پر مرا ہو اور ابوبکر وہ ہیں کہ جنکو رسول خداؐ صلعم نے فرمایا تھا لا ادری ما تحدثون من بعدی چنانچہ جامع الاصول میں لکھا ہے یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے تم دین میں بعد میرے اور فرمایا انکم ستحرصون علی الامارۃ وتکون لکم ندامۃ یعنی حرص کروگے تم حکومت اور امیری کے اور ہوویگی وہ واسطے تمہارے ندامت انجام کو اور مرزا کاظم علی صاحب البتہ اہل انصاف تھے اور مشہور اور نامی بھی اُس زمانہ میں تھے لیکن یہ کلمہ کہ ابوبکر کا بُرا کہنا کفر ہے اور صاحب اور صحابی میں کچھہ فرق نہیں ہرگز اُنکی زبان سے صادر نہوا ہوگا کہ یہہ مذہب ہی اُنکا نہ تھا اور اگر اُنکا ایسا اعتقاد ہوتا تو سنی ہو جاتے شیعہ کا ہیکو رہتے اور اسطرح سے تو شیعہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مولوی رفیع الدین صاحب برادر شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے تھے کہ خدا تعالی نے اگرچہ ابوبکر صدیق کو صاحب رسول خدا صلعم کا فرمایا ہے لیکن اس سے کچھہ فضیلت خلیفہ صاحب کی ثابت نہیں ہوتی اسواسطے کہ کافر کو بھی مومن کا صاحب فرمایا ہے اور ایسے جھوٹے فقروں سے کوئی غالب نہیں ہو سکتا ہے اسواسطے کہ دروغ کو کچھہ فروغ نہیں ہے اور اس آیت سے اہل سنت کا مطلب ہرگز ثابت نہیں ہوتا ہے کیسی ہی تہہ پاؤں ماریں اہل سنت اور اپنا سر پھوڑیں بلکہ ابوبکر کی ضعف ایمانی ثابت ہوتی ہے چنانچہ معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** شرح اس معما کی یہہ ہے کہ اول تو لفظ صاحبہ جو لصاحبہ میں ہے وہ عربی زبان میں صحابی کے ہم معنی ہے دوسرے لفظ لاتحزن جسکا یہہ مطلب ہے غمگین مت ہو وہ اسی پر دلالت کرتا ہے کہ ابوبکر صدیق عاشق صادق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مومن با اخلاص تھے ورنہ اُن کو غمگین ہونے کی کیا ضرورت تھی بلکہ محل خوشی تھا کہ اُنکے دشمن موافق عقیدہ شیعہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت خوب قابو میں آئی ہوئے تھے کفار جو اسوقت پاس آگئے تھے پکار کے ہی نہیں تو کسی قسم کی کھڑکی ہی سے اُنہیں مطلع کر دیتی تاکہ نعوذ باللہ منہا وہ اپنا کام کرتے اگر کہیں انصاف کی آنکھیں ہول لیں تو ہم حضرات شیعہ کے لئے سول لیں اور اُنکو دیں تاکہ وہ کچھہ تو پاس رفاقت خلیفہ اول کریں جو پاس مہر و محبت یہاں کہیں ملتا تو مول لیتے ہم ایک اپنی مہربان کے سئے اور یہ بھی نہو تو یہی سمجھیں کہ اُنکو اسوقت اپنی جان کا خوف نہوا بلکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی تنہائی کا افسوس رہا اور غم ہوا تو اس بات کا کہ دیکھیے یہ دشمن حق یعنی کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دشمنوں کے ساتھہ کیا کر بیٹھیں اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنکی تسلی فرمائی اور فرمایا کہ غم کی کیا بات ہے اللہ تعالی ہمارے ساتھہ ہے تو غمگین مت ہو **اقول** ہم پہلے اس سے لکھہ چکے کہ صاحب کا لفظ ہمراہی یار پر بولا جاتا ہے جو کہ اپنی صحبت میں ہو اور اپنی قوم میں ہو خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو اور قرآن میں جس

آیت میں کہ صاحب کا لفظ آیا ہے وہاں یہی معنی مراد ہیں جیسے کہ اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ اور یَا صَاحِبَیِ السِّجْنِ اور اسیواسطے خدا تعالیٰ نے کفار کو رسول خدا صلعم کا صاحب فرمایا
ہے جیسے کہ مَا ضَلَّ صَاحِبُکُمْ وَمَا غَوٰی اور فرمایا کہ وَمَا صَاحِبُکُمْ بِمَجْنُوْنٍ اور صاحب کا لفظ قرآن میں صحابی کے معنی میں کسی جگہہ نہیں آیا ہے اور اگر ہم صحابی ہی کے معنے
میں صاحب کو لیویں تو بھی کچھہ فائدہ اہل سنت کو نہیں ہے جیسے کہ ہم اوپر کے قول میں لکھہ چکے اور لاتحزن جو حضرت نے ابوبکر کو فرمایا کہ مت غم کر تو تو اس سے بھی کچھہ
ابوبکر کی فضیلت ثابت نہیں ہے اسواسطے کہ جب ابوبکر نے دیکھا کہ ہم گھر گئے اور اب یہاں سے کہیں نہیں جا سکتے کہ اگر باہر نکلے تو یہہ کفار ہمکو قتل کر ڈالینگے اس لئے
ابوبکر کو اپنی جان کا نہایت رنج ہوا کہ مفت ماری گئی رسول خدا صلعم نے علم نبوت سے دریافت کر کے فرمایا کہ تو رنج مت کر خدا تعالیٰ کہ جو حافظ حقیقی ہے وہ ہمکو بچا لیگا کہ وہ ہمارے
ہمراہ ہے اور اہل سنت کی تفسیروں میں لکھا ہے کہ غار کے دروازہ پر کبوتری نے انڈے دیئے تھے اور مکڑی نے جالا تنا تھا اور درخت خاردار پیدا ہو گیا تھا سو ہم کہتے ہیں
کہ حقیقت میں ابوبکر کو خدا پر اعتماد نتھا کہ جانتے کہ خدا ہمارا حافظ ہے اور حزن سے باز رہتے بلکہ اس مقام میں بڑی غفلت ہے خلیفہ صاحب کی جیہ جائے کہ فضیلت
اسواسطے کہ خدا تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں اور رسول خدا صلعم کے معجزہ کو کہ وہ انڈے دینے کبوتری کے اور جالا تننا مکڑی کا اور پیدا ہو جانا درخت خاردار کا دروازہ
میں تہا یہہ سب سامان حفاظت کا ملاحظہ کرتے تھے اور پھر یقین انکو نتھا کہ ہم بچیں گے اور نہ رسول خدا صلعم کے فرمانیکا یقین تھا کہ حضرت اکثر فرمایا کرتے تھے کہ ہم ہجرت
کر کے مدینہ میں پہنچینگے اور ہمارا دین سب دینوں پر غالب ہوگا لیکن اپنی جان کا خوف تھا خلیفہ صاحب کو اسواسطے رنج کرتے تھے اور اگر وقت نکلنے کے مکہ سے معلوم
ہوتا کہ ہم ایسی بلا میں گرفتار ہو جائیں گے تو ہرگز ہمراہ حضرت کے نہ آتے امر سہل سمجھکر ہمراہ ہو لیئے تھے اور اب مشکل پڑی اسواسطے رنج کرتے تھے اور دعا مانگتے تھے خدا سے کہ اس
بلا سے نکلیں چنانچہ حافظ شیرازی لکھتے ہیں کہ ؎ الا یا ایہا الساقی ادر کاسا و ناولہا ؛ کہ عشق آساں نمود اول ولی افتاد مشکلہا ؛ اور رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی جان کی
کچھہ پروا نتھی ابوبکر کو اور نہ حضرت کی جان کا کچھہ رنج تھا اسواسطے کہ ایسا تو بعد اسکے بارہا وقوع میں آیا ہے کہ ہزاروں کافروں میں رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہاد
میں سے بھاگ جاتے تھے اور اگر کوئی راہ بہاگنے کی یہاں بھی پاتے تو یہاں سے بھی بھاگ جاتے کیا اسیکو عشق اور محبت اور ایمان داری کہتے ہیں کہ اپنی جان کو رسول خدا
صلعم کی جان پر مقدم جانکر حضرت کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ جانا اور غمگین جو ہوتے تھے تو اپنی جان کے واسطے ہوتے تھے نہ رسول خدا کے واسطے کہ دیکھئے آج بچتے
ہیں یا نہیں کفار کے ہاتھہ سے اور یہ جو لکھتا ہے کہ بلکہ محل خوشی تھا کہ انکے دشمن موافق عقیدہ شیعہ قابو میں آئی ہوئے تھے یہہ بھی ایک تہمت ہے اس شیخ نجدی
کے شیعوں پر اسواسطے کہ شیعہ ہرگز یہہ نہیں کہتے کہ رسول خدا صلعم ابوبکر کے دشمن تھے اور ابوبکر انکو اپنا دشمن جانتے تھے اس لئے کفار کو خبر کر دیتے بلکہ ابوبکر تو ہمیشہ مطیع
اور تابع حضرت کے رہے ہیں اور رسول خدا صلعم سے جو سنا کرتے تھے کہ ہمارا غلبہ سب ہو جائیگا اور اخبار کو حضرت کے راست پاتے تھے تو امیدوار ریاست کے رہتے تھے
کہ کسی پیچ سے بعد حضرت کی ریاست ہمارے ہاتھہ آئی اسی لئے حضرت کے روبرو نہایت خلوص اپنا ظاہر کرتے تھے اور حضرت کے مارے جانیمیں ابوبکر کا کیا فائدہ تہا کیونکہ
تو انکا حضرت کی حیات کے ذریعہ سے تہا کہ بعد حضرت کے کسی حیلہ سے ریاست کے مالک ہو جائیں اسواسطے ہمیشہ حضرت کی اطاعت میں رہتے تھے مگر بعد وفات رسول خدا
صلعم کے انکی اہل بیت سے انہوں نے البتہ بے مروتی کی اور حقوق انکے غصب کر لئے اسواسطے ابوبکر کو ہم اچھا نہیں جانتے اور طعن انپر کرتے ہیں اور دشمنی کی جہت سے
تو نہیں لیکن از راہ جہالت کثرت رنج سے ہائے اور وائے کر کے کفار کو اگر خبر کر دیتے تو کچھہ تعجب بھی نتھا اسواسطے کہ اگر خلیفہ صاحب حضرت کے دوست بھی تھے تو دوست
نادان تھے اور آدمی نادان ہے سانپ اور بچھو بہتر ہوتے ہیں اگر آدمی کے ہمراہ ہوں چنانچہ شیخ سعدی کے شعر میں اسی مقدمہ کی طرف اشارہ ہے ؎ ترا
اژدہا گر بود یار غار ؛ ازاں بہ کہ جاہل بود غمگسار ؛ سو ابوبکر حضرت کے دوست نادان تھے اور اندھے انصاف کے شیعہ نہیں ہیں بلکہ اہل سنت اندھے ہیں کہ
جب انکو جواب نہیں آتا ہے تو شیعوں پر تہمتیں کرتے ہیں اور دروغ اور بے اصل مقدمہ کو انکی طرف منسوب کرتے ہیں اور ثلثہ کے عیبوں کو ایسا چھپاتے ہیں کہ جیسے
بلی اپنے گوہ کو چھپاتی ہے اور انصاف ہرگز نہیں کرتے ہیں اسواسطے اگر انکھیں انصاف کی بکتی ہوں تو اہل سنت کے واسطے خرید کرنی چاہئیں اور خلیفہ اول
نے رفاقت کیا کی تھی جس کا پاس کیا جائے بلکہ باوجود ممانعت کے گہر سے اپنے باہر چلے آئے اور حضرت نے رستہ میں کھڑا ہوا دیکھہ کر ہمراہ اپنے لیلیا اور پہلے
حضرت نے ابوبکر سے یہہ نہیں کہدیا تھا کہ تو ہمراہ میرے غار میں چلنا اگر کوئی اور شخص مسلمانوں میں سے ملتا تو اسکو ہمراہ اپنے لے لیتے کہ مصلحت انکے پوشیدہ رکھنے میں ہی تھی
اور فائدہ حضرت کو ابوبکر کی رفاقت سے کیا ہوا بجز اسکے کہ کفار کے خوف سے باوجود ملاحظہ علامات حفاظت کے رنج کرنے لگے اور چاہتے تھے کہ اپنی نادانی کی جہت
سے زیادہ رنج کر کے جزع اور فزع اور ہائے اور وائے واویلا کرنے لگیں جس سے کفار کو خبر ہو جائے اسواسطے حضرت نے منع کیا اور فرمایا کہ تو غم مت کر اور ابوبکر کو اسوقت بالکل
اپنی جان کا خوف تھا کہ ہائے کیسے مفت مارے گئے اور رسول خدا صلعم کی تنہائی کا کچھہ افسوس اور غم نتھا اسواسطے کہ بعد اسکے کئی مرتبہ جناب رسول خدا صلعم کو

معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر اپنی جان کو سلامت لیگئے ہیں اور حضرت کو ہزاروں آدمیوں کے نرغہ میں اکیلا چھوڑ کر بھاگ گئے ہیں اگر رنج تھا ابوبکر کو تو اپنی جان کا تھا اور منع کیا حضرت نے رنج کرنے سے تو اسواسطے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے حالت بیخودی میں ہائے ہائے کر کے کفار کو خبر کر دے **قال الشیخ الاشعری** اس جگہ بعضے ناانصاف یوں کہتے ہیں کہ ابوبکر صدیق کو اسوقت اپنی جان کا ہراس تھا کچھ پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نتھا غور کرنے کی جگہ ہے اسبات کا یہ مطلب ہوا کہ خداوند کریم کو نعوذ باللہ عربی بولنی بھی نہیں آتی فصاحت و بلاغت تو در کنار اور یہ جو کلام اللہ کے اعجاز بلاغت کا شہرہ ہے یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی بات ہے تفصیل اسکی یہ ہے کہ جو کچھ بھی عربی جانتے ہیں وہ بھی اتنی بات تو جانتے ہیں کہ عربی زبان میں حزن کا لفظ غم کی جگہ اور فراق محبوب یا تمنا کی فوت ہو جانیکے محل میں استعمال کرتے ہیں اور جہاں جان پر بنتی ہے اور وہ ڈر کا مقام ہوتا ہے خوف کا لفظ استعمال کرتے ہیں کلام اللہ سے زیادہ تو کوئی کتاب عربی زبان کی فصیح اور بلاغت آمیز نہیں دیکھی جب حضرت موسیٰ کوہ طور پر گئے اور خداوند کریم نے پوچھا کہ موسیٰ تیرے ہاتھ میں کیا ہے انہوں نے عرض کی کہ یہ میری لاٹھی ہے چلتے پھرتے اسپر سہارا رکھتا ہوں اور بکریوں کے لئے اس سے پتے جھاڑتا ہوں اور اسمیں میرے اور بھی بہت سے فائدے ہیں ادھر سے حکم ہوا کہ اسے ڈالدو انہوں نے جو ڈالا تو وہ ایک اژدہا تھی یہ الٹے پاؤں ایسے بھاگے مڑکے بھی نہ دیکھا اسوقت خداوند کریم نے فرمایا اَقْبِلْ وَلَا تَخَفْ اِنِّیْ لَا یَخَافُ لَدَیَّ الْمُرْسَلُوْنَ یعنی ادھر آ اور ڈر مت میرے پاس رسول ڈرا نہیں کرتے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ کو اس اژدہا سے اپنے تئیں جان کا اندیشہ ہوا تب بھاگے اسلئے خدا نے تسلی فرمائی کہ ڈر مت یوں نفرمایا لاتحزن یعنی رنجیدہ نہو اور اسیطرح جب انہوں نے ایک قبطی کو مار ڈالا اور فرعون کے لوگوں نے انکے مار ڈالنے کا ارادہ کیا تو یہ وہانسے ڈر کے بھاگے اس موقع میں فرماتا ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا یعنی نکلے وہانسے موسیٰ ڈرتے ہوئے اور سوا اسکے اور بیسیوں جگہ خوف کا لفظ کلام اللہ میں موجود ہے جہاں کہیں ہے یہی معنی ہیں اور جہاں غم کا مقام دیکھا ہے وہاں حزن کا لفظ استعمال کیا ہے سو سورۂ یوسف میں جس موقع میں حضرت یعقوب غم فراق یوسف میں ہائے یوسف ہائے یوسف کہا کرتے تھے اور انہیں یاد کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب کے بیٹوں نے یوں کہا کہ تم یوسف کو یاد ہی کرتے کرتے مر جاؤ گے حضرت یعقوب کی طرف سے یہ جواب منقول ہے اِنَّمَا اَشْکُوْ بَثِّیْ وَحُزْنِیْ اِلَی اللّٰہِ یعنی میں اپنے رب سے اپنی پریشانی اور اپنا غم کہوں ہوں بلکہ بہت سی آیات سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ حزن کے اور معنی ہیں اور خوف کے اور معنی ہیں ایک دوسرے کی جگہ نہیں بولا جا سکتا تَتَنَزَّلُ عَلَیْهِمُ الْمَلٰٓئِکَةُ اَلَّا تَخَافُوْا وَلَا تَحْزَنُوْا یعنی جب مسلمان مرنے لگتے ہیں تو فرشتے رحمت کے انپر اترتے ہیں اور یہ کہتے ہیں کہ نہ ڈرو تم اور نہ غمگین ہو اگر خوف اور حزن کے دونو کے ایک معنی ہوتے تو مکرر کہنے کی کیا ضرورت تھی صحیح یہی ہے کہ غم اور چیز ہے اور خوف اور چیز ہے خوف اسے کہتے ہیں کہ کچھ آگے کو اندیشہ ہو اور غم یہ ہے کہ بالفعل دل کی تمنا ہاتھ سے نکل جائے غم خوشی کے مقابلہ میں بولتے ہیں خوف اطمینان کے مقابلہ میں خوشی اور اطمینان اور غم اور خوف کے بیان کرنے میں مجھے یہ شرم آتی ہے کہ کوئی کیا کہیگا یہ کونسی مشکل باتیں ہیں جنہیں کوئی نہ سمجھتا ہو پر کیا کیجے ایسے ناانصافوں سے پالا پڑا ہے کہ شاید اب بھی انکی سمجھ میں آئے لہذا اتنا اور کہنا پڑا کہ جب کوئی کسیکا مر جاتا ہے تو اسپر جو حالت پیش آتی ہے اسے غم تو کہتے ہیں پر خوف اور ڈر کوئی نادان بھی نہیں کہتا ہاں مرنے سے پہلے جس موقع میں موت کا اندیشہ ہوتا ہے اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں پر رنج کوئی نہیں کہتا اگر کسیکا لڑکا کسی دیوار پر چڑھ جائے اور وہاں سے اندیشہ گر مرجانیکا ہو تو اس اندیشہ کو البتہ خوف کہتے ہیں لیکن کوئی نادان بھی اسے غم نہیں کہتا القصہ غم عین مصیبت کے وقت جو حالت ہوتی ہے اسے کہتے ہیں اور خوف مصیبت کی آمد آمد کیفیت کا نام ہے ایک کو دوسرے سے کچھ لگاؤ نہیں جو حضرات شیعہ ہٹ دھرمی کر کے لاتحزن کے معنے لاتخف گھڑیں **اقول** آدمی پہلے دوسرے آدمی کے مطلب کو سمجھ لے تب اس سے ارادہ گفتگو کا کرے اور خوف اور حزن کی جو ایک تفصیل کو بیان کر کے طول دیا ہے اور خوف اور حزن میں فرق نکالتا چلا گیا ہے اس سے کیا فائدہ ہے بجز سیاہ کرنے کاغذ کے اور خوف اور حزن کو نہیں جانتا ہے اور وہ کونسا شیعہ ہے کہ جس نے حزن کو خوف کے معنی میں لکھا ہے اور یہ کہا ہے کہ حزن کے معنی ہراس اور ڈرنے کے ہیں تو کوئی بھی نہیں کہتا ہے تو اپنی طرف سے بنا کر لکھتا ہے مگر تفسیر لاتحزن کی لاتخف البتہ بعضوں نے کی ہے کہ مراد لاتحزن سے لاتخف ہے اسواسطے کہ باعث حزن کا تو وہی خوف کفار تھا اور سوائے خوف کفار کے اور کوئی سبب حزن کا نتھا سوا ابوبکر کا نہ تو اسوقت باپ مرا تھا اور نہ انکی مادر گرامی نے وفات پائی تھی کہ اسکا رنج کرتے یہاں تو وہی خوف کفار باعث حزن تھا اسواسطے تفسیر لاتحزن کی لاتخف کی ہے اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کا جملہ اسی امر پر دلالت کرتا ہے کہ ابوبکر کو خوف کفار جو بہت تھا کہ ایسا نہو کہ ہماری انکو خبر ہو جائے اور ہمکو یہ قتل کر ڈالیں تو اس جہت سے اپنی جان کا رنج کرتے تھے حضرت نے فرمایا کہ تو مت رنج کر خوف کفار سے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے ہمکو انکے ظلم سے محفوظ رکھیگا کہ وہ ہمارا نگہبان ہے اور لاتحزن کا لفظ لاتخف کے قائم مقام نہ سہی بلکہ وہ رنج اور غم ہی کے معنی میں مستعمل ہو ہمارا مطلب تو اس سے بھی ثابت ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے لیکن خوف کو رنج لازم ہے اگر کسی شے سے خوف ہوگا تو اس سے رنج بھی عارض ہوگا کہ دیکھیے اس سے نجات ہوتی ہے یا نہیں اسواسطے خوف کی جگہ کہ جو سبب حزن کا ہے لفظ حزن کا کہ جو مسبب ہے مذکور ہو جاتا ہے اور اس طرح سے کلام عرب میں بہت آیا ہے اور اگر لاتخف کی جگہ لاتحزن کو نہ کہیں بلکہ حزن کو رنج اور غم ہی کے معنے میں استعمال کریں تو تمکو اس سے کیا فائدہ ہے اور وہ تمہارا کونسا مطلب ہے کہ جو لاتخف کہنے سے ثابت نہیں ہوتا ہے اور حزن و ملال اد

اس سے ثابت ہوتا ہی اور ہمارا جو کچھ مطلب تھا ہمنے تو لا تحزن کے لفظ سے رنج اور غم ہی مراد لیکر ثابت کردیا ہی اور تو نے جو اسقدر طول دیا ہی خوف اور حزن کے بیان میں اور دونو کے معنی
میں فرق بیان کیا ہی اسکا کون منکر ہی اور شیعہ لا تحزن کو لا تخف کے معنی میں نہیں کہتے ہیں بلکہ یہ کہتے ہیں کہ لا تخف کی جگہ لا تحزن مذکور ہوا ہی کہ حزن مسبب اسکا ہی اور خوف
سبب اسکا ہی اور لا تخف و لا تحزن اور لا تخافوا و لا تحزنوا کے فرمانے سے یہ معلوم ہوا کہ ایک مرتبہ خوف اور حزن دونوں بولے جاتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** مگر ایک طرح وہ
بھی سچے ہیں انکے یہاں تو قاعدہ کلیہ ہے کہ الٹے معنی سمجھتے ہیں مولوی عمار علی صاحب نے ناحق کے معنی حق سمجھے چنانچہ بیان اسکا گزر چکا اور تمام شیعوں نے محافظوں کا
نام چور رکھا علی ہذا القیاس اگر یہاں بھی وہ ایسا کریں تو سنیوں کو کیا شکایت ہے بلکہ خوش ہونیکی جگہ ہی کیونکہ اصل مطلب میں تو شریک ہے انکی لفظوں اور اصطلاح ہی کا فرق رہا تو
کیا بڑی بات ہے ہر یکے را اصطلاحے دادہ ایم حاصل تمہارے انکے اختلاف کا یہ نکلا حق کا نام انکی اصطلاح میں ناحق ہی اور محافظ کا نام انکی اصطلاح میں چور اور حزن کا
نام انکے نزدیک خوف ہے مگر جیسے کوئی انگریز یا بنیا مسلمانوں کی محفل میں کسیکو کسی کی نسبت بابا کہتے ہوئے سنتا ہی تو اپنی اصطلاح کے موافق اسوقت انگریز بیٹی کے معنی اور بنیا
دادا کے معنی سمجھتا ہی ایسے ہی حضرات شیعہ اس لا تحزن کو معنی لا تخف کے سمجھ گئے تو انکا کچھ قصور نہیں سنیونکو لازم ہی کہ انکی اصطلاح کے موافق ان سے باتیں کریں آخر حدیث میں
بھی تو یہ مضمون ہی کلموا الناس علی قدر عقولہم یعنی لوگوں سے انکے فہم و عقل کے موافق گفتگو کیا کرو اور اگر بپاس خاطر شیعہ لا تحزن کو ہم معنی لا تخف ہی سمجھیں تب بھی ہمارا چنداں
نقصان نہیں ہمارا ادھر بھی بھلا ہی اسلئے کہ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ اے ابوبکر مت ڈر سو ظاہر ہی کہ ابوبکر خوفناک ہونگے اور انکو اپنی جان کا کھٹکا ہوگا تو اسی سبب سے ہوگا
کہ کفار کو انکے ساتھ دشمنی ہوگی اور وہ دشمنی بھی بوجہ اسلام و ایمان ہوگی نہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تسلی کے کیا معنی **اقول** جس شخص نے کہ لا تحزن کی تفسیر میں
لا تخف لکھا ہی اور تو نے اسپر اعتراض کیا ہی اسکا جواب تو ہم پہلے اس سے دے چکے ہیں اور اب تیرے اس قول کا جواب یہ دیا جاتا ہی کہ ہم تو ہرگز الٹے معنی نہیں سمجھتے ہیں اور حقیقت
میں اگر الٹے معنی سمجھتے ہو تو تم ہی سمجھتے ہو اور یہی قاعدہ کلیہ تمہارے مذہب کا ہی کہ تم الٹے سمجھتے ہو اسواسطے کہ خدا تعالیٰ قرآن میں فرماتا ہے انما المشرکون نجس اور تمہارا
امام ابوحنیفہ کوفی کہتا ہی کہ مشرکین طاہر ہیں اور اسکی پیروی سے تم سب کا یہی مذہب ہے کہ مشرکین طاہر ہیں اور انکا جھوٹا بھی پاک ہے اور مومنین کہ جو طاہر ہیں انکے بدن سے ٹپکے
ہوئے پانی کو حالت وضو و غسل میں تمہارا امام نجس جانتا ہی اسکو کہتے ہیں الٹا قاعدہ کلیہ کہ ناپاک کو پاک جاننا اور پاک کو ناپاک جاننا اور مولوی صاحب ہمارے ناحق کے
معنی ہرگز حق نہیں سمجھتے ہیں یہ بھی تمہارے ہی بزرگوں کا کام ہی کہ حق کو ناحق سمجھتے ہیں اور ناحق کو حق سمجھتے ہیں جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم نے فرمایا تھا
علی مع الحق والحق مع علی تمنے علی کو جو حق تھا اسکو ناحق سمجھا اور اسکی جگہ اس شخص کو کہ جو ناحق تھا باعتبار علم اور شجاعت اور سخاوت اور عبادت وغیرہ سب صفات
حمیدہ کے اسکو مقرر اور قائم کیا اور نحن معاشر الانبیاء لا نرث و لا نورث قول ناحق ابوبکر کا جو ہی اسکو تم حق سمجھے جو کہ خلاف قرآن کے ہے اور محافظوں کو تو شیعہ ہرگز چور نہیں کہتے ہیں
البتہ چور ان لوگوں کو کہتے ہیں کہ جنہوں نے کلام اللہ جلوائے اور قرآن کو جمع کیا تو سورتیں اور آیتیں اسمیں سے نکال ڈالیں اور حق کا نام ناحق اہل سنت ہی کی اصطلاح میں ہے
کہ اولاد رسول مقبول کو جو کہ حق تھی ناحق سمجھکر مروا ڈالا اور چور انکی ہی اصطلاح میں محافظ ہی اور نجاست کا نام انکے نزدیک طہارت ہے مگر جیسے کوئی انگریز یا بنیا مسلمانوں کی محفل
میں کسیکو کسی کی نسبت بابا کہتے ہوئے سنتا ہی تو اپنی اصطلاح کے موافق اسوقت انگریز بیٹی کے معنی اور بنیا دادا کے معنی سمجھتا ہی ایسے ہی حضرات اہل سنت نے اگر نجاست کے معنی
طہارت کے سمجھ لئے تو انکا کچھ قصور نہیں ہے شیعوں کو لازم ہی کہ انکی اصطلاح کے موافق ان سے باتیں کریں آخر حدیث میں بھی تو یہ مضمون ہے کلموا الناس علی قدر عقولہم
یعنی لوگوں سے انکی عقل و فہم کے موافق گفتگو کیا کرو اور ہم یہ نہیں کہتے کہ لا تحزن کو تم لا تخف کے معنی میں کہو بلکہ جو معنی کہ لا تحزن کے باعتبار لغت کے ہیں اسمیں اسکا
استعمال رکھو لیکن فضیلت ابوبکر اس سے کسی طرح ثابت نہیں ہوسکتی اور ابوبکر خوفناک تھے اور انکو اپنی جان کا کھٹکا تھا تو وہ البتہ اسی جہت سے تھا کہ کفار کو بوجہ اسلام
انسے دشمنی تھی لیکن یہ دشمنی انکی ابوبکر کو کچھ فائدہ نہیں بخشتی جسوقت کہ بعد اسکے ابوبکر سے افعال ناشایستہ صادر ہوئے ہوں اور دشمنی بوجہ اسلام تو کفار کو
سب مسلمانوں سے تھی کچھ خصوصیت ابوبکر کی نہیں ہے اور فائدہ اس دشمنی سے ابوبکر کو کیا ہے جسوقت اور افعال موجب ہلاکت ہوئے ہوں اگر ایسا ہی ہی کہ دشمنی کفار کی بوجہ
اسلام مسلمان کے ساتھ واسطے نجات کے کافی ہوجاوے اور اس مسلمان کے اور افعال بد پر نظر نہو تو چاہئے کہ ابن ملجم اور یزید اور عمر سعد اور شمر کہ انسے بھی کفار بوجہ اسلام دشمنی رکھتے تھے
بخشے ہی جائیں اور انکی نجات کے لئے یہ دشمنی انکی کافی ہو اور انکے افعال پر نظر نہو **قال الشیخ الاشعری** اور وہ بھی پھر اسقدر کہ خدا ہمارے ساتھ ہی خدا تو مسلمانوں کی مدد
اور حمایت کرتا ہی ان اللہ مع المؤمنین ان اللہ مع المتقین ان اللہ مع المحسنین اور اس قسم کے کلمات سے کلام اللہ بھرا ہوا ہی سب کا ماحصل یہی ہی کہ اللہ انہوں کے ساتھ ہے مومنوں
کے متقیوں کے اچھے کاموں کے کرنیوالوں کے ساتھ ہی کہیں اول سے آخر تک کلام اللہ میں نہیں کہ اللہ کافروں کے مرتدوں کے منافقوں کے ساتھ ہی اور کوئی کہے کہ اللہ تو سب کے ساتھ ہی مومن ہو
یا کافر کلام اللہ میں موجود ہی انہ بکل شیء محیط یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہی جب ہر چیز کو محیط ہوا تو ہر چیز کے ساتھ بھی ہوا تو اسکا جواب یہ ہے کہ ساتھ ہونا دو طرح کا ہوتا ہے ایک تو

یہی کہ ایک مکان میں رہنا اسمیں فقط تن بدن کا ساتہہ ہوتا ہی اگرچہ دلوں میں فرق ہو اس قسم کی ہمراہی تو طوطی او زاغ کی سی ہے دوسرا دلوں سے ساتہہ رہنا جیسے کوئی بادشاہ کسی بیکس کو جسکے سب دشمن ہوں یوں کہے کہ تو اندیشہ نکر ہم تیرے ساتہہ ہیں اسکے یہہ معنی ہوتے ہیں کہ ہمیں تیرا خیال ہی دل میں تیرا دہیان رہے گا ہم تیری حمایت پر ہیں اس صورت میں کچہہ لازم نہیں کہ بادشاہ اور وہ ایک مکان میں ہوں تو وہ اُسکے ساتہہ ہو نہیں تو نہیں ہاں البتہ تا مقدور امداد اور اعانت چاہئے سو جہاں کہیں اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ یا اسی طرح اور کچہہ آیا ہی تو اُس سی دوسرے معنی مراد ہیں چنانچہ سب جانتے ہیں نہیں تو اسمیں متقیوں ہی کی کیا تعریف نکلی اور اُنہیں کی کیا تسلی ہوگی سو خاص کر اس آیت میں تو محض تسلی ہی کے لئے یہہ کہا گیا ہے اور اوپر سے مددگاری ہی کا بیان ہی باقی کوئی یہہ شبہہ کرے کہ اوپر سے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدد کرنیکا بیان ہی ابوبکر صدیق کے مدد تو نہیں سو اسکا جواب یہ ہی کہ اتنی بات تو ادنیٰ بلکہ جولاہی کی پونڈیاں بہی جانتے ہیں کہ غلام کی اہانت اور اُسکی رسوائی نہ میاں ہی کے رسوائی کہے جاتی ہے انگریزوں کی رعیت کو اور ملازموں کو اگر اُنکے غنیم ستاتے ہیں تو اُنہیں کیوں ستانا معلوم ہوتا ہے کہ فوج کشی کرتے ہیں اور ہزاروں آدمیوں کا خون کراتے ہیں معہذا ہمنے غدر کے ایام میں دیکہا ہی کہ جس نے تحصیلدار یا پولس دار کو بچا لیا تہا وہ خیر خواہ سرکار گنا جاتا تہا تو ابوبکر صدیق کی مددگاری ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کی مددگاری ہی **اقول** خدا تعالی نے جو قرآن شریف میں فرمایا ہے اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اِنَّ اللہَ مَعَنَا یہ معیتیں یکساں نہیں ہیں بلکہ ان معیتوں میں فرق ہی جس جگہہ کہ خدا تعالی نے فرمایا ہی اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ وہاں مراد یہ ہی کہ خدا اُنسے راضی ہے اور اُنکے افعال کو پسند کرتا ہے اور جس جگہہ کہ فرمایا ہی اِنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ وہاں مراد یہہ ہی کہ واسطے نصرۃ کے ہمراہ مومنین کے ہے چنانچہ جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا ہی وَاَنَّ اللہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور غار میں جو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہی کہ اِنَّ اللہَ مَعَنَا وہاں حفاظت خدا مراد ہی جیسے کہ قرینہ ہی خوف او حزن کا اسی پر دلالت کرتا ہی اور حفاظت خدا جیسے کہ مومنین کے واسطے ہوتی ہے ایسی ہی کفار کے واسطے ہوتی ہی کہ اُنکے جہازوں کو بلا کی آفتوں سے اور اُنکے قافلوں کو صحرا کے درندوں سے خدا تعالی ہی محفوظ رکھتا ہی اسمیں کچہ فضیلت نہیں ہے اور غار میں تو خدا تعالی کو حفاظت رسول خدا صلعم کی منظور تھی کہ کفار حضرت کے درپے تھے اور ارادہ حضرت کے قتل کا رکھتے تھے اور ابوبکر کے درپے کون تہا کہ حفاظت اُنکی منظور ہوتی مکہ میں جو مسلمان اُسوقت باقی رہگئے تھے کسی نے اُنکو کچہ بھی نہ کہا نہ مارا نہ قتل کیا اور اگر کفار کو خبر ہوجاتی کہ رسول خدا صلعم مع ابوبکر غار میں بیٹھے ہیں تو وہ لوگ جناب رسول خدا صلعم کو تو آزار پہنچاتے اور ابوبکر کو کوئی کچہ نہ کہتا چنانچہ حضرت علیؑ رسول خدا صلعم کے بستر پر مقیم رہے تمام شب اور علی الصباح کفار حضرت کی تلاش میں حضرت کی دولتسرا میں درانہ چلے آئے تو حضرت علی تلوار لیکر اُنکے سامنے ہوگئے اور کہا کہ تم کسواسطے آئے ہو اُنہوں نے کہا کہ تجہہ سے تو ہمکو کچہہ مطلب نہیں ہے اور رسول خدا کو اُنہوں نے پوچہا کہ محمد کہاں ہی تو حضرت علی نے فرمایا کہ جہاں اُسکا خدا اُسکو لیگیا ہے وہاں ہے اور حضرت علیؑ سے کچہہ تعرض نکیا کہ تو اُنکے بستر پر موجود ہی بتا کہ وہ کہاں گیا ہے ایسے ہی وہ ابوبکر کے خواہاں نتہے اور ابوبکر اُسوقت اپنی نادانی اور عدم وقوف کی جہت سے جو اُنکے خوف سے رنج کرنے لگے تو حضرت نے اُنکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ تو رنج مت کر اپنی جان کا اُنکو خوف ہے کہ خدا تعالی ہمارے ہمراہ ہے کہ ہمارے حال کو خوب جانتا ہی وہ ہمکو اُنکے شر سے محفوظ رکہیگا اسواسطے حضرت نے ابوبکر کی تسلی کے واسطے معنا کا لفظ فرمایا ہے ورنہ معی نفرمایا ورنہ خدا تعالی کو حفاظت رسول خدا صلعم ہی کی منظور تہی نہ ابوبکر کی اور رسول خدا صلعم کی حفاظت کے لئے فرمایا کہ وَاَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ لَّمْ تَرَوْهَا اور حضرت کی حفاظت کے لیئے غار پر فرشتے بہیجے اور اگر ابوبکر کی حفاظت ملحوظ ہوتی تو خدا تعالی فرماتا کہ وَاَیَّدَهُمَا بِجُنُوْدٍ الغرض یہاں خدا کی ہمراہ ہونے سے مراد حفاظت خدا کی ہی گو رسول خدا صلعم کے واسطے اصالتاً ہی اور ابوبکر کے واسطے تبعاً لیکن حفاظت خدا کی علی العموم سب بندوں کے واسطے ہوتی ہی مومن کے واسطے بہی اور کبہی ضمیر متکلم مع الغیر کے ایک شخص کے واسطے بہی آتی ہی چنانچہ قرآن میں ہے کہ رسول خدا صلعم کو حکم ہوا کہ تو کفار سے کہہ کہ لَا حُجَّةَ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ اور اگر جناب رسول خدا صلعم ضمیر بیننا و لنا میں مع سب مسلمانوں کے مراد ہیں تو ان اللہ معنا میں بہی مع کل مسلمانوں کی مراد ہونگی کہ سب مومنین کے ہمراہ خدا ہے اور خصوصیت کسیکی باقی نرہے گی اور بعضی روایت میں آیا ہی کہ ابوبکر نے رسول خدا صلعم سے عرض کی کہ علی آپکے بستر پر تنہا ہے مجہکو اُسکی طرف سے بہت رنج ہے جناب رسول خدا صلعم نے سنکر فرمایا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللہَ مَعَنَا یعنے مت رنج کر تو کہ تحقیق خدا ہمراہ ہمارے ہے یعنی ہمراہ میری اور علی کے اور یہ معنی بہت درست ہیں اور یہ کہنا کہ خدا اچہوں کے ہمراہ ہے اور بروں کے ہمراہ نہیں ہی یہ بالکل غلط ہی اور جو کوئی کہے کہ بروں کے ہمراہ خدا نہیں ہی وہ منکر قران ہے اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہی وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور فرماتا ہے کہ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا هُوَ مَعَهُمْ لیکن مراد معیت سی کسی جگہہ تو کچہہ ہوتی ہی اور کسی جگہہ کچہہ اور اِنَّ اللہَ مَعَنَا میں سوائے حفاظت کے اور کچہہ مناسب نہیں ہی اور حفاظت عام ہے کہ مومن اور کافر کے دونوں کے واسطے ہوتی ہے اور خدا تعالی نے گو قرآن میں یہ نہیں فرمایا ہے

ے اور کافر کے واسطے ہی

کہ اللہ کافروں اور مرتدوں کے ہمراہ ہے لیکن عمومات قرآنیہ سے اُسکا ہمراہ ہونا کفار اور مرتدین کے بھی ثابت ہے اور اہل سنت کا مذہب ہے کہ خیر اور شر دونو خدا کی طرف سے ہیں کہ خالق دونوکا وہی ہے اور حال یہ ہے کہ قرآن میں بِیَدِكَ الْخَیْرُ تو موجود ہے اور بِیَدِكَ الشَّرُّ کہیں نہیں ہے جو اسکا جواب ہے وہی اُسکا جواب ہے اور خدا تعالیٰ کی ہمراہی اس طرح کی نہیں ہوتی ہے جیسے کہ بیان کیا ہے اس شیخ نجدی نے کہ ایک تو مکان میں تن بدن ساتھ ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ دلوں سے ساتھ رہنا بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ اُسکا علم و قدرت ہر انسان مخصوص سے تعلق رکھتا ہے اور رسول خدا صلعم نے جو فرمایا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا تو مراد اُس سے یہ ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے احوال کا عالم ہے اپنی قدرت سے وہ ہمکو محفوظ رکھیگا سو خدا تعالیٰ نے دونو کو محفوظ رکھا حضرت کو اصالۃً اور ابوبکر کو تبعاً اگرچہ ابوبکر کے درپے کوئی نتھا اور خدا تعالیٰ نے ابوبکر کو یہ نہیں فرمایا ہے کہ تو اندیشہ نکر ہم تیرے ساتھ ہیں اور نہیں تیرا خیال ہے بلکہ جناب رسول خدا صلعم کا قول نقل کردیا ہے جو کہ ابوبکر کی تسلی کے لیے حضرت نے فرمایا تھا کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اور خدا تعالیٰ نے ابوبکر کی تو کسی جگہ مدد اور اعانت نہیں کی ہے اور اگر خدا تعالیٰ ابوبکر کا معین اور ناصر ہوتا تو جنگ خیبر اور اُحد اور حنین میں کیکا ہیکو بھاگتے اور اکثر جہادوں میں سے بھاگے ہیں اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر مؤمنین میں سے نتھے اور اگر مؤمنین میں سے ہوتے تو خدا اُنکے ہمراہ ہوتا اور اُنکی مدد کرتا کہ بھاگتے نہیں عثمان غنی رمیں کو بی راہ بھاگنے کی نہیں ملی ورنہ وہاں سے بھی بھاگتے اور اگر ابوبکر کی حفاظت کے واسطے خدا ابوبکر کے ہمراہ ہوا تو اسمیں کیا بزرگی ہے کہ حفاظت تو خدا تعالیٰ کفار کی بھی کرتا ہے اور تسلی کا ذکر ہم اوپر کرچکے اور نصرت بیشک رسول خدا صلعم ہی کی ملحوظ ہے نہ ابوبکر کی اور اگر ابوبکر کی نصرت منظور ہوتی تو باوجود معیت خدا جہادوں میں سے بھاگتے نہیں پس معلوم ہوا کہ حضرت کے ہمراہ تو خدا تعالیٰ واسطے نصرت کے تھا اور ابوبکر کے ہمراہ ہونا خدا کا ایسا تھا جیسا کہ مؤمن اور کافر کے کل آدمیوں کے ہمراہ ہوتا ہے اور حضرت ہی کی نصرت چاہیے بھی تھی کہ کفار حضرت کی آزار رسانی کے درپے تھے اور ابوبکر کا تو کوئی بھی خواہاں نتھا تاکہ اُسکی نصرت پر نظر ہوتی جیسے کہ اور مسلمان مکہ میں تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں تھا ایسے ہی ابوبکر غار میں تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں نتھا اور ابوبکر جو اُن کفار کو دیکھکر اُنکی خوف سے رنج کرنے لگے اپنی نادانی کی جہت سے تو اسواسطے رسول خدا صلعم نے اُنکی تسلی کی اور اُس رنج سے بند کرنیکے واسطے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے ہائے ہائے کرنے لگیں اور کفار کو خبر ہو جائے ابوبکر کی تسلی کی واسطے اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا فرمایا اسمیں فضیلت ابوبکر کی کیا ہوئی اور ہم نے تسلیم کیا کہ غلام کی اہانت اور ضرب میں اُسکے آقا کی رسوائی شمار کی جاتی ہے اور انگریزوں کی رعیت کو جو کوئی غنیم ستاتا ہے تو انگریز اُسپر فوج کشی کرتے ہیں اور جسنے تحصیلدار... پولیس افسر کو بچایا وہ خیرخواہ گنا جاتا تھا سب صحیح ہے لیکن یہاں تو وہ بات ہی نہیں ہے اور نہ کوئی غلام کی آزار کا خواہاں ہے اُسکو تو کوئی کچھ کہتا ہی نہیں ہے یہاں تو کفار آقا ہی کی تکلیف کے درپے ہیں غلام کی تکلیف کے پھر نصرت غلام کی کیونکر متصور ہو اور ابوبکر کی نصرت کہیں واقع ہوئی تاکہ اُسکی نصرت رسول خدا صلعم کی نصرت ٹھیری ابوبکر کی نصرت پر تو ابتدا سے نظر ہی نہیں ہے کہ ابوبکر ایک شخص اجنبی محض اور بے تعلق تھا کہ ہمراہ رسول خدا صلعم کے ہولیا تھا اور ابوبکر کی نصرت کا قرآن میں تخصیص کہیں ذکر نہیں ہے اور یہاں ابتدا سے رسول خدا صلعم ہی کی نصرت کا ذکر چلا آتا ہے نہ ابوبکر کی نصرت کا کہ اُسکے آزار کا کون خواہاں تھا کہ اُسکی نصرت بھی ملحوظ ہوتی اور ابوبکر کی اہانت و ضرب اگر رسول خدا صلعم کی رسوائی کا موجب تا تو مکہ معظمہ میں جسوقت عتبہ بن ربیعہ نے ابوبکر کے منہ پر جوتیاں ماری تھیں اسقدر کہ ابوبکر کا منہ سوجکر ناک اُنکی رخساروں کے برابر ہوگئی تھی چنانچہ معارج النبوت وغیرہ میں لکھا ہے تو اُسوقت تو ابوبکر کی نصرت کا... لحاظ ہوا ہی نہیں کہ اُسکی ضرب سبب رسوائی رسول خدا صلعم تھا اور یہاں تو ابوبکر سے کچھ واسطہ ہی نہیں ہے نصرت کرنیکا **قال الشیخ الاشعری** اسلئے ہمارے سناتے وقت یوں فرمایا فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اور مدد کے وقت دونو ہی کی مدد کی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق کو جو خدا کی مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی خداوند کریم خبر رسانی ہیں اُس قصہ کے تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کا ذکر فرماتے ہیں اور یوں کہتے ہیں فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ یعنی اللہ نے اپنے پیغمبر کی فلانے وقت مدد کی اور جسوقت مدد کی تو دونو کی مدد کی چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی مدد کی اطلاع کی تو یوں کی اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنی اللہ تعالیٰ ہم دونو کے ساتھ ہے اور چونکہ ایک لفظ مَعَنَا سے دونو کی مددگاری کا بیان فرمایا اور دو لفظ یعنی معی و معک نفرمایا جسکے یہ معنی ہوتے کہ خدا میرے بھی ساتھ ہے اور تیرے بھی ساتھ ہے تو اس سے اور بھی واضح ہوگیا کہ جس طرح سے خدا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا اُسی طرح حضرت صدیق اکبر کے ساتھ تھا تو اسمیں تو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی بناچاری ہمارے شریک ہونگے کہ خداوند کریم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ امداد اور عنایت اور محبت اور اعانت سے تھا تو حضرت صدیق کے ساتھ بھی اسی انداز سے سمجھنا چاہیے مع ہذا لفظ ثَانِیَ اثْنَیْنِ جسکا یہ مطلب ہے کہ پیغمبر خدا اُسوقت اکیلے نتھے بلکہ اُنکے ساتھ ایک اور بھی تھا یعنی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ضمیر مفعول نَصَرَهُ سے حال واقع ہوا ہے اور اس صورت میں یہ لفظ بھی بآواز بلند یہی کہی ہے کہ حضرت صدیق بھی مددگاری خداوندی میں شریک ہیں اور اگر شیعہ یوں کہنے لگیں کہ یہ لفظ اَخْرَجَهُ الَّذِیْنَ کے ساتھ مربوط ہے اور اُسکی ضمیر مفعول سے حال واقع ہوا ہے اور یہ مطلب ہے کہ جسوقت کفار نے پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو مکہ معظمہ سے نکالا تھا اُسوقت وہ اکیلے نتھے اُنکے ساتھ ایک اُنکا رفیق بھی تھا اور اُسکو نصرت سے کچھ تعلق نہیں نصرت سے تعلق جب ہو کہ اس لفظ کو لفظ نَصَرَهُ اللّٰهُ سے علاقہ ہو تو اس تقدیر پر ہماری طرف سے یہی جواب ہے۔ شکر بدہان تو چشم ما روشن دل ما شاد اگر

یہ مطلب ہو تو ہماری عین تمنا ہے کیونکہ اتنا تو شیعوں کو معلوم ہوا کہ کفار کو جیسے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم سے عداوت تھی ویسے ہی ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے
عداوت تھی **اقول** ابوبکر کی خدا تعالیٰ نے ہرگز نصرت نہیں کی صرف رسول خدا صلعم کی نصرت کی تھی جیسے کہ دلالت کرتی ہے اسپر ضمیر مفعول کی کہ جو واخذ کر
کی ضمیر نَصَرَهُ اللهُ میں ہے اور ابوبکر کی نصرت کرنے کی وجہ کیا ہے نصرت تو اس شخص کی کی جاتی ہے کہ جسکے درپے کوئی ہو واسطے ایذا رسانی کے سو جناب رسول خدا صلعم
کے قتل کی فکر میں کفار تھے اسواسطے خدا تعالیٰ نے انکی نصرت کی اور ابوبکر کے تو کوئی درپے آزار ہی نہ تھا کہ انکی نصرت کی جاتی اور ہم اوپر کے قول میں مفصل بیان
کر چکے کہ خدا تعالیٰ نے کسی مقام میں ابوبکر کی نصرت نہیں کی ہے کہ وہ ہمیشہ جہادوں میں سے بھاگتے رہے ہیں باوجودیکہ خدا واسطے نصرت کے ہمراہ مومنین کے تھا ہے چنانچہ
فرماتا ہے اِنَّ اللهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر مومنین میں سے نہ تھے اور ابوبکر کی خلافت میں جو فتح ہوتی تھی تو سبب اسکا یہ تھا کہ وہ مجاہدین کے ہمراہ نہ ہوتے تھے اور اگر خود بھی
ہوتے تو ہرگز فتح نصیب مسلمانوں کے نہ ہوتی اور خدا تعالیٰ نے اس مقام میں کسی طرح سے ابوبکر کا ذکر نہیں کیا ہے اور نہ کوئی ضمیر ابوبکر کی طرف راجع ہے اور جملہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ
مَعَنَا جو قرآن میں ہے یہ قول رسول خدا صلعم کا ہے کہ جسکو خدا تعالیٰ نے نقل کر دیا ہے اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللهَ مَعَنَا جو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے پہلے اس سے ہم بیان کر چکے ہیں
کہ ابوبکر جو خوف کفار سے رنج کرتے تھے تو رسول خدا صلعم نے انکی تسلی کے واسطے اپنے میں شریک کر کے فرمایا کہ اِنَّ اللهَ مَعَنَا یعنی خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے حفاظت کے لیے وہ ہمکو انکی شر سے محفوظ
رکھیگا اور درپے ابوبکر کے تو کوئی نہ تھا اور نہ انکی تلاش تھی کسیکو کہ خدا تعالیٰ انکی نصرت کر کے انکو بچا لیتا اور اِنَّ اللهَ مَعَنَا اسواسطے نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ نے مدد کی دونو
کی بلکہ ابوبکر کی تسلی کی اور اُسکے دفع جزع فزع کے واسطے ہے کہ ایسا نہو کہ کثرت رنج سے بیخود ہو کر ہائے ہائے کرنے لگیں اور کفار کو ہماری اطلاع ہو جائے اور نصرت خدا کی دو جگہ مذکور ہے
ایک تو فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ میں اور دوسری وَاَيَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ میں اور اگر خدا تعالیٰ نے ابوبکر کی بھی نصرت کی ہوتی تو وایدہما فرماتا اور جسوقت کہ واحد ہی کی ضمیر آئی تو معلوم ہوا کہ رسول خدا
صلعم ہی کی نصرت کی نہ ابوبکر کی اور آیت بھی تو اسی پر دلالت کرتی ہے کہ صرف اور تنہا رسول خدا ہی کی نصرت کی ہے اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر تم میرے حبیب کی
نصرت نکروگے تو خدا اُسکی نصرت کریگا جیسے کہ پہلے اسکی نصرت کی ہے جسوقت کفار نے اسکو نکالدیا تھا اور ابوبکر کی نصرت کی کوئی وجہ بھی تو نتھی کہ انکی تو کوئی درپے آزار ہی نتھا کیسے
کیسے تکلف سے اہل سنت ابوبکر کے واسطے فضیلت ثابت کرتے ہیں کہ جسکا کوئی سر ہی نہ پاؤں ہیں اور حضرت نے مَعَنَا فرمایا اور معی اور معک نفرمایا اسواسطے کہ حقیقت میں تو خدا تعالیٰ
رسول خدا صلعم کی حفاظت کے واسطے ہمراہ ہے اور ابوبکر کو شریک اپنی حضرت نے کر لیا۔ تو وہ انکی تسلی کے واسطے ورنہ انکو تو کسی طرح کا کھٹکا ہی نتھا اور معنا فرمانا مقام معی معک کے
عین محاورہ عرب کا ہے اگر ابوبکر کی جگہ کوئی اور کافر مشرک ہوتا تو وہ حضرت ایسا ہی فرماتے اسمیں کوئی بزرگی کی بات نہیں ہے اور نہ ہمراہی خدا کی دونو کے ساتھ یکساں ہے
چہ نسبت خاک را با عالم پاک ایسا ہی ابوبکر کو سمجھنا چاہئے اور معی معک جو فرماتا تو معلوم ہوتا کہ باعتبار حقیقت کے دونو کی حفاظت کے واسطے خدا ہے اور معک کے لفظ سے ابوبکر کے ہمراہ ہونا
واسطے حفاظت کے تصریحاً اور حقیقۃً معلوم ہوتا اور ایسا ہرگز نہیں ہے چنانچہ ہم بیان کر چکے اور خدا تعالیٰ کا ابوبکر کے ہمراہ ہونا مثل ہمراہ ہونے رسول خدا کے کیونکر ہو سکتا ہے کہ رسول
خدا صلعم کی تو خدا تعالیٰ کو حفاظت ملحوظ تھی کہ کفار انکے قتل کے درپے تھے اور ابوبکر کا قتل کرنا کون چاہتا تھا اور ہم کہہ چکے کہ معنا جو حضرت نے ابوبکر سے فرمایا محض انکی تسلی کے
کے لیے اور حفاظت کی احتیاج ابوبکر کو ہرگز نتھی اور شیعہ اس مقدمہ میں ہرگز شریک اہل سنت کے نہیں ہیں کہ اہل سنت تو ابوبکر کی فضیلت کے واسطے اسمیں تکلفات اور تاویلیں پیدا
کرتے ہیں اور شیعہ جو امر کہ واقعی ہے اسکو بیان کرتے ہیں اور اعانت اور عنایت خدا کی اُسوقت جو کچھ کہ تھی اُسوقت رسول خدا صلعم کے واسطے تھی کہ لوگ انکی گرفتاری کی فکر میں
تھے اور ابوبکر کا کون خواہاں تھا کہ خدا تعالیٰ کو انکی بھی اعانت ملحوظ ہوتی اور ثَانِيَ اثْنَيْنِ سیاق عبارت سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ میں جو ضمیر مفعول کی ہے اس سے
حال واقع ہوا ہے اور اگر تم بپاس خاطر ابوبکر قرآن میں تحریف کرو اور لَا تَنْصُرُوْهُ کی ضمیر مفعول سے حال ڈالو تو اختیار ہے اور اگر اس سے حال ڈالو تو بھی تمہارا مطلب ثابت نہیں ہوتا
ہے اور نصرت صرف رسول خدا صلعم ہی کے واسطے ظاہر ہوتی ہے نہ ابوبکر کے واسطے بھی اسواسطے کہ ثانی اثنین وہ تھے ایک شخص رسول خدا صلعم ہیں ابوبکر اُسمیں کہاں سے دخل ہو
گئے معلوم نہیں ابوبکر کے واسطے کہاں سے کہتا ہے کہ حضرت صدیق بھی مددگاری خداوندی میں شریک ہیں اور اگر فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ کی ضمیر مفعول سے حال ڈالیں تب بھی وہ
رسول خدا صلعم تنہا منصور ثابت ہوتے ہیں ابوبکر لیکن بظاہر اسکے بھی متعلق نہیں ہے بلکہ اَخْرَجَهُ الَّذِيْنَ کے تحت میں جو واقع ہوا ہے اُسی کی ضمیر مفعول سے حال واقع ہوگا اور
بیوجہ اور بخلاف سیاق کلام کوئی لَا تَنْصُرُوْهُ یا فَقَدْ نَصَرَهُ اللهُ کی ضمیر سے کوئی حال کہے جیسے وہ حکم کا عطف خلاف سیاق کلام وجو بکم پر کرتے ہیں تو کیا کسی کی زبان اور قلم پکڑی
جاتی ہے اور اگر کفار کو ابوبکر سے ایسی عداوت ہو کہ جیسی رسول خدا صلعم سے عداوت تھی تو اس سے کیا فائدہ ہے یزید اور شمر سے بھی کفار کو ایسی ہی عداوت تھی جیسی کہ رسول خدا سے
تھی لیکن وہ عداوت کفار کی یزید اور شمر کو کچھ فائدہ نہ بخشیگی ایسی ہی عداوت کفار کی ابوبکر کو کچھ فائدہ نہ بخشیگی اور کفار دشمنی تو سب مسلمانوں سے رکھتے تھے خصوصیت کسی کی نہ تھی لیکن دپے
آزار کہ وہ قتل یا قید یا اخراج ہی کیسکے نہ تھی سوائے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کے کہ انکی ہی جان کی خواہاں تھے قال الشیخ الاشعری باقی کوئی یوں کہے کہ ابوبکر صدیق کو تو کفار نے

نہیں نکالا تھا رسول خدا صلعم نے انہیں لے لیا تھا سو اسکا جواب شیعہ دیں کیونکہ یہ معنی تو ہمنے انہیں کی طرف سے بیان کئے ہیں اور اگر ہمیں سے پوچھیں تو ہمیں سے سنئے جناب من
کلام کفار نے رسول اللہ صلعم کو بھی اسطرح نہیں نکالا کہ ہاتھ پکڑ کر باہر کر دیا ہو یا دھکے دینے کا اتفاق ہوا ہو مثلاً بلکہ صورت یہ ہوئی تھی کہ دار الندوہ میں جو ابوجہل کی بیٹھک کا نام تھا
اور وہ خانہ کعبہ کے پاس تھی جہاں اب حنفی مصلے بنا ہوا ہے اور اب وہ جگہ داخل حرم محترم ہو گئی ہے وہاں کفار مجتمع ہوئے اور اسبات کا مشورہ کیا کہ رسول اللہ صلعم کو قید کرنا چاہیے
یا مار ڈالنا مناسب ہے یا انہیں کہیں نکال دیجے اس مشورہ کی اطلاع خداوند کریم نے اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کر دی آپ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کو رفیق دلی سمجھکر
ساتھ لیا اور غار ثور میں تشریف لیگئے بعد تین دن کے سواری اور راہ کا بندوبست کر کے دونو صاحب مدینہ منورہ کو روانہ ہوئے چنانچہ اسبات کی طرف بطور اختصار سورہ انفال
میں جناب خداوند کریم اشارہ فرماتے ہیں وَاِذْ یَمْکُرُ بِکَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِیُثْبِتُوْکَ اَوْ یَقْتُلُوْکَ اَوْ یُخْرِجُوْکَ وَیَمْکُرُوْنَ وَیَمْکُرُ اللّٰہُ وَاللّٰہُ خَیْرُ الْمَاکِرِیْنَ یعنی وہ بھی یاد ہے
اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کفار تیرے ساتھ مکر کرنا چاہتے تھے اور انکا یہ ارادہ تھا کہ تجھے قید کریں یا قتل کر دیں یا نکال دیں الغرض وہ یہ مکر کر رہے تھے اور خدا انکے ساتھ مکر کر رہا تھا یعنی
اطلاع کر دی پھر غار میں تیری حفاظت کی یہانتک کہ مدینہ منورہ خیریت سے پہنچا دیا اور کیوں نہو اللہ تو سب سے زیادہ مکر جانتا ہے اس قصہ کو غور کیجے تو رسول اللہ صلعم کو بھی
ہاتھ پکڑ کے نہیں نکالا تھا اور اگر یوں کہئے کہ اندیشہ کے سبب ہونا نکالنا ہی ہے تو ابوبکر صدیق کے ہونیکی انہیں کونسی راحت تھی بلکہ اس سے پہلے ہی نہیں تو نکال دیا تھا ابن دغنہ انہیں
ہٹا کے لائے اور کفار سے انکے باب میں گفت و شنود کر کے نہ وہ شیعوں کی روایت سنیوں کی کتابوں میں تو موجود ہی ہے پر عقل بھی یوں ہی کہتی ہے کہ یوں ہی ہوا ہو تو کچھ عجب نہیں کیونکہ
خداوند کریم نے اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا کے ضمن میں اسبات سے متنبہ کر دیا کہ ابوبکر صدیق سے بھی کفار دشمنی رکھتے تھے نہیں تو رسول اللہ صلعم انکی کیوں تسلی کرتے اور
خدا کیوں انکے ساتھ ہوتا **اقول** بیشک ابوبکر کو کسی نے نہیں نکالا تھا اور نہ کوئی ابوبکر کے درپے تھا بلکہ انکو رسول خدا صلعم نے راہ میں کھڑا ہوا دیکھکر ہمراہ اپنے لے لیا تھا اور شیعوں کو اسکے جواب کی کیا حاجت
ہے کہ شیعوں کا تو وہ دعوی ہی ہے اور رسول خدا صلعم کے قتل کا جو کفار نے ارادہ کیا تو یہ ہاتھ پکڑ کر نکالنے سے زیادہ ہے اور ابوبکر کی یا اور کسی مسلمان کی نسبت تو کوئی کچھ بھی نہیں کہتا تھا اور نہ کسیکو انپر
کسی طرح کا دعوی تھا جو کچھ تھا جناب رسول خدا صلعم سے تھا نہ ابوبکر سے اور خدا تعالی نے کفار کے مشورہ کی حضرت کو اطلاع کی اور حضرت اپنی بستر پر حضرت علیؑ کو قائم کر کے پوشیدہ نظر اغیار
سے اپنی دولتسرا سے شب کو طرف غار ثور کی روانہ ہوئے رستہ میں ابوبکر کو کھڑا ہوا دیکھکر ہمراہ اپنے لیا کہ مصلحت راز کے پوشیدہ رکھنے میں تھی اور اسوقت رفیق دلی سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی بلکہ حضرت نے منع
کر دیا تھا اپنی یاروں کو کہ آجکی شب کوئی اپنی گھر سے باہر نہ نکلے لیکن باوجود ممانعت کے ابوبکر کو جو کھڑا ہوا دیکھا تو ہمراہ لیجانا ہی مناسب جانا اس اندیشہ سے کہ ابوبکر نے مجھکو دیکھ لیا ہے ایسا نہو کہ
یہ اور مسلمانوں کے روبرو ظاہر کر دے اور رفتہ رفتہ کفار کو خبر ہو جائے اور خدا تعالی کا کام مکر کرنا نہیں ہے یہ بڑی بے ادبی ہے جو مکر کو خدا تعالی کی طرف منسوب کیا اور صحیح معنی یہ ہیں کہ
خدا تعالی جزا مکر کی دینے والا ہے اور رسول خدا صلعم کا نکالنا ہاتھ پکڑ کر نکالنے سے زیادہ تھا کہ حضرت کے درپے تھے اور ابوبکر سے تو کفار کو کچھ واسطہ ہی نہ تھا اور نہ اور کسی مسلمان سے واسطہ تھا
انکے رہنے کو راحت جانتے ہوں یا مصیبت اور ابوبکر کو کفار نے پہلے اس سے کب نکالا تھا یہ روایت پہلے نکالنے کی معتبر نہیں ہے اور اگر تسلیم بھی کیجائے تو ہمکو اس سے کیا ضرر ہے اور ابوبکر ہی کیا بلکہ سب
مسلمانوں سے کفار دشمنی رکھتے تھے اسکا کون منکر ہے اور رسول خدا نے تسلی ابوبکر کی انکا جزع و فزع دیکھ کے بے محل باوجود ملاحظہ سامان اطمینان کے اپنی جان کی گرفتاری کا رنج کرتے تھے اور واسطے
حفاظت کے تو خدا تعالی ہمراہ سب سے مومن کے بھی اور کافر کے بھی اور ایسا ہی یہاں بھی ہمراہ تھا ہے اسیواسطے حضرت نے فرمایا کہ وہ ہمکو محفوظ رکھیگا کفار کے شر سے **قال الشیخ الاشعری** اور نہیں تو
اتنا بھی بہت ہے کہ خدا انکے ساتھ اسیطرح ہے جسطرح رسول اللہ صلعم کے ساتھ ہے اس تقریر کے سننے کے بعد یقین یوں ہے کہ شیعہ اس احتمال کو زبان پر بھی نہ لائیں کہ رسول اللہ صلعم نے ابوبکر کو اسلئے
ساتھ لے لیا تھا کہ وہ کہیں کفار کو اطلاع نکر دیں کیونکہ اس احتمال کی جڑ بنیاد تو اس آیت کے ہر ہر لفظ نے ایسی اکھاڑی ہے کہ شیعہ اپنے سر کو قیامت تک پیٹیں تو نہ جمیگی سو اول جناب رسالتمآب
صلی اللہ علیہ وسلم نعوذ باللہ کچھ ایسے کم فہم نہ تھے انکی عقل کا تو ایک عالم دیوانہ ہے کیا وہ اتنی بھی نہ سمجھے کہ اس اندیشہ کے دفعیہ میں اگر ابوبکر صدیق کو جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسبات کی
اول سے اطلاع بھی نکرتے کہ میں غار ثور میں جا کر چھپونگا تو ابوبکر صدیق کچھ شیعوں کے امام تو نہ تھے کہ انکو علم ما کان و ما یکون یعنی ازل ابد کے سب وقائع کی خبر تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بتلاتے
نہ بتلاتے انکو آپ اطلاع ہو جاتی ماسوا اسکے تقیہ تو ایسے وقت میں ضروری ہو جاتا ہے چنانچہ شیعوں کے نزدیک ایک تقیہ کی اصل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا غار میں چھپ جانا بھی ہے
خیر یہ تقیہ تو تقیہ کی اصل جیسی ہے سو ہے انشاء اللہ تعالی آگے معلوم ہو جائیگا پر شیعوں کے مذہب کے موافق تو ایسے وقت میں تقیہ فرض ہو جاتا ہے اور جھوٹ بولنا مباح بلکہ ضروری چنانچہ اماموں نے جو
اصحاب ثلاثہ یا اور اصحاب کی تعریف کی ہے اور وہ انکی کتابوں میں موجود ہے اسکو شیعہ یوں کہتے ہیں کہ اماموں نے بوجہ تقیہ جھوٹ کہدیا تھا نعوذ باللہ منہا القصہ حضرت رسالت پناہ صلی اللہ
علیہ وآلہ وسلم نے کچھ جھوٹ بول کر ابوبکر کے دل سے غار ثور کی طرف جانیکا احتمال نکالدیا ہوتا اسی کی کیا ضرورت تھی کہ انکو ساتھ لیا اور ایک جان کا وبال خریدا تنہا ہوتے تو
بے کھٹکے ہوتے انکے ساتھ وہ اندیشہ جس اندیشہ کے لئے انہیں ساتھ لیا تھا اور دو بالا ہو گیا اگر وہ کسی بہانہ سے وہاں نکل کر کفار کو اطلاع کر دیتے تو بظاہر کون
مانع تھا یا جسوقت کفار وہاں آ کھڑے ہوئے اسوقت بول اٹھتے تو وہی مثل ہو جاتی کہ مینہ سے بھاگے اور پرنالے کے نیچے جا کھڑے ہوئے اور دو ہوتے

سے بچے پر آگ میں گر پڑے **اقول** خدا تعالیٰ جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ واسطے محافظت کے تھا اسواسطے کہ ابوبکر کے اندوہ اور رنج کرنے پر کہ وہ کفار کے خوف سے نہایت رنجیدہ اور بیقرار تھے حضرت نے فرمایا کہ تو کیوں رنج کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے کہ وہ ہمکو اُنکے شر سے محفوظ رکھیگا اور سوائے محافظت کے ایسے وقت میں اور کیا مراد ہو سکتی ہے خدا کی ہمراہی سے ایسے ہی ابوبکر کے ہمراہ خدا تعالیٰ محافظت کے واسطے تھا اور محافظت اُسکی ہر بندہ کے واسطے ہوتی ہے کہ آفات اور بلاؤں سے بچاتا ہے یہانتک کہ جانوروں کی محافظت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ مَا یُمْسِکُھُنَّ اِلَّا الرَّحْمٰنُ اِنَّہٗ بِکُلِّ شَیْءٍ بَصِیْرٌ اور شیعہ ہرگز ایسا نہیں کہتے ہیں کہ ابوبکر کو حضرت نے اس لئے اپنے ساتھ لے لیا تھا کہ وہ کہیں کفار کو اطلاع نکردے شیعہ ہرگز ایسا نہیں کہتے ہیں یہ کام دشمن کا تو دشمن کا تھا ہی ضرر رسانی کا اور شیعہ رسول خدا صلعم کو دشمن ابوبکر کا اور نہ ابوبکر دشمن رسول خدا صلعم کا بلکہ یہ جانتے ہیں کہ ابوبکر رسول خدا صلعم پر ایمان لائے اور قائل شہادتین کے ہوئے اور ہمیشہ مطیع اور فرمانبردار حضرت کے رہے لیکن حب ریاست اور حکومت نے اُنکو راہ حق سے منحرف کر دیا تھا اور اسلام میں ہی تو وہ اپنے بڑے فائدہ سمجھے ہوئے تھے اسواسطے کہ وہ حضرت کے اخبار آیندہ کو جو راست پاتے تھے اور یہ بھی حضرت سے سنتے تھے کہ دین اسلام کو ترقی ہوگی تو ریاست کی اُنکو طمع اور اُمید ہوتی تھی کہ کسی طرح سے بعد رسول خدا صلعم کے حکومت اسلام ہمارے ہاتھ آجائے پھر وہ حضرت سے دشمنی کس واسطے کرتے کیا اپنے فائدہ کو ضایع کرتے حضرت سے دشمنی کرکے اور قتل کروا کے اور ابوبکر کو جو ہمراہ اپنے لیلیا تھا غار کیطرف جاتے ہوئے اسواسطے نہیں لیا تھا کہ اگر میں اسکو ہمراہ اپنے نہ لونگا تو یہہ کفار کو خبر کردیگا بلکہ رستہ میں کھڑا ہوا جو دیکھا تو اس اندیشہ سے ہمراہ اپنے لیا کہ اگر یہ یہاں رہا تو میری خبر پوشیدہ نرہیگی اور حکم خدا کا اسکے اخفا کا ہے اور مسلمانوں میں اسکا چرچا ہوتے ہوتے کفار کو خبر ہوجائیگی اور یا اسواسطے اپنے ہمراہ لے لیا کہ تنہائی میں مونس ہوگا اور ایک سے دو بھلے جو کچھ شیعوں کا عندیہ تھا اُسکو میں لکھہ چکا اور یہہ جو لکھتا ہے یہ کہ اس آیت کے ہر ہر لفظ نے ایسی جڑ اُکھاڑی ہے کہ شیعہ اپنے سر کو قیامت تک پیٹیں تو نہ جمیگی یہہ کہنا اسکا غلط اور لغو ہے اسواسطے کہ یہ آیت اس احتمال کو دفع نہیں کر سکتی ہے اسواسطے کہ کہہ سکتے ہیں کہ ہمراہ اپنے حضرت نے ابوبکر کو اسواسطے لیا ہو کہ ایسا نہو کہ اگر وہ یہاں رہے تو کفار کو میری خبر کردے اور اس آیت میں اسیقدر ہے کہ ابوبکر خوف کفار سے رنج کرنے لگے تو جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خدا تعالیٰ ہمارے ہمراہ ہے کہ وہ ہمکو بچالیگا اور اصل مقصود اس کلام سے حفاظت اپنی تھی اور ابوبکر کی حفاظت کہ جو اُسکے ضمن میں تھی وہ اُسکے دفع وہم کے واسطے تھی بھلا اس آیت نے اُس احتمال کی جڑ کیونکر کاٹی اور اکثر ایسا ہوتا ہے کہ اپنی ذات کے واسطے بھی جمع کا صیغہ لاتے ہیں جیسا کہ خدا تعالیٰ نے حضرت کو حکم دیا کہ تو کہہ اُن کفار سے کہ اَللّٰہُ رَبُّنَا وَرَبُّکُمْ لَنَا اَعْمَالُنَا وَلَکُمْ اَعْمَالُکُمْ اور اگر نا سے سب مسلمان مراد ہوں تو معنا سے بھی یہی ہو سکتے ہیں کہ حضرت نے جو فرمایا کہ ان اللہ معنا تو مراد یہ ہے کہ ہم جو موحدین ہیں تو ہماری طرف خدا ہے وہ ہمکو محفوظ رکھیگا اور خصوصیت کسی ایک دو کی نہیں ہے بلکہ سب مسلمانوں کی طرف خدا ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے غار میں جانے سے پہلے کسیکو مطلع نکیا تھا کہ میں غار ثور کو جاؤنگا بلکہ ممانعت کی تھی اپنے اصحاب کو کہ آجکی شب کوئی گھر سے باہر نہ نکلے ابوبکر سے یہ سنکر نرہا گیا آخر کو گھر سے نکلے اور رسول خدا صلعم نے اُنکو اپنے ہمراہ لے لیا اور ابوبکر کو غار ثور کے جانیکی کچھہ خبر نہ تھی بلکہ حضرت نے جو منع کیا تو یہہ نکر خواہ مخواہ باہر نکلے اور حضرت کے ہمراہ ہو لئے اور علم تو ابوبکر کو کسی طرح کا بھی نتھا جاہل بحت تھے بلکہ اور لوگوں کو اُن سے زیادہ علم تھا اور علم ماکان و مایکون ائمہ علیہم السلام کو جو تھا اُس سے یہ مراد نہیں ہے کہ اُنکو گزشتہ اور آیندہ کا حال سب حاضر تھا بلکہ متمکن ہر چیز کے علم پر تھے کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے تو خدا تعالیٰ اُنکو الہام کر دیتا تھا اور کافی میں ایک باب اسی متمکن ہونیکا ہے اور اہل سنت کی بعضی کتابوں میں لکھا ہے کہ ائمہ معصومین علیہم السلام کو علم ماکان و مایکون تھا چنانچہ شواہد النبوت میں مولوی جامی نے لکھا ہے اور بعد اسکے بھی یہ شیخ کئی جگہہ اسکا ذکر کریگا اور ہم اسکو رد کر دینگے اور تقیہ قرآن اور حدیث اور روایات اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے اس شیخ کے رد میں ہم مفصل لکھینگے اور غار میں پوشیدہ ہونا اور چھپ کر بیٹھنا تقیہ نہیں تو اور کیا ہے اور اماموں نے جو خلفاء ثلثہ کے بظاہر تعریف کی ہے اول تو وہ تعریف ہی نہیں ہے اور اگر از راہ تقیہ کچھہ ہے تو ایسی تعریف تو تقیہ سے اہل سنت کی کتابوں میں بھی لکھی ہوئی ہے چنانچہ تقیہ کے ذکر میں معلوم ہوگا اور اگر کسی امام نے جھوٹ بولا تو تقیہ سے بولا کہ جو قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور تمہاری احادیث صحاح میں تو یہ ہے کہ حضرت ابراہیم بدون تقیہ تین جھوٹ بولے ایک روایت میں تو یہ ہے کہ قیامت کے روز جس وقت اہل محشر واسطے سفارش کی حضرت ابراہیم کے پاس جائینگے تو وہ فرمائینگے کہ میں تین جھوٹ بولا ہوں اور خدا تعالیٰ آجکے دن غضب میں ہے تین بار نفسی نفسی کہکر فرمایا کہ تم کسی اور پاس شفاعت کے واسطے جاؤ اور ایک اور روایت میں ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ حضرت ابراہیم کبھی جھوٹ نہیں بولے مگر تین جھوٹ اور انبیاء کا جھوٹ بولنا اہل سنت ہی کی مذہب ہے اور شیعوں کے مذہب میں نہیں ہے اور مشکوٰۃ میں عائشہ سے روایت ہے کہ اِنَّ رَجُلًا اسْتَاْذَنَ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ ائْذَنُوْا لَہٗ فَبِئْسَ اَخُو الْعَشِیْرَةِ فَلَمَّا جَلَسَ تَطَلَّقَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ وَجْہِہٖ وَانْبَسَطَ اِلَیْہِ فَلَمَّا انْطَلَقَ الرَّجُلُ قَالَتْ عَائِشَةُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قُلْتَ لَہٗ کَذَا وَکَذَا ثُمَّ تَطَلَّقْتَ فِیْ وَجْہِہٖ وَانْبَسَطْتَ اِلَیْہِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَتٰی عَہِدْتِنِیْ فَحَّاشًا اِنَّ شَرَّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰہِ مَنْزِلَةً یَوْمَ الْقِیٰمَةِ مَنْ تَرَکَہُ النَّاسُ اتِّقَاءَ شَرِّہٖ وَفِیْ رِوَایَةٍ اتِّقَاءَ فُحْشِہٖ

حاصل یہہ کہ ایک مرد نے اذن چاہا رسول خدا صلعم کے پاس جانیکا حضرت نے فرمایا کہ اذن دیدو اُسکو کہ بُرا ہے یہ آدمی اپنی قوم میں اور جسوقت جاکر بیٹھا وہ رسول خدا صلعم کے پاس تو بشاشت
ظاہر کی رسول خدا صلعم نے اُسکے روبرو اور خاطرداری سے پیش آئے اور جسوقت چلا گیا وہ شخص تو عایشہ نے کہا کہ یارسول خدا آپنے پہلے تو اُسکو ایسا فرمایا تہا کہ وہ بدآدمی ہے اور
جسوقت وہ آپکے پاس آیا تو اُسکے روبرو آپنے بشاشت ظاہر کی اور خوش ہوکر اُس سے ملاقات کی رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ کب دیکھا ہے تونے مجہکو فحش کہنے والا تحقیق کہ بدتر آدمیوں
خدا کے نزدیک قیامت کے روز وہ شخص ہے کہ ترک کریں اُسکو آدمی اُسکے شر سے بچنے کے واسطے اور ایک روایت میں ہے کہ اُسکے فحش سے بچنے کے واسطے اور یہ روایت متفق
علیہ بخاری اور مسلم کی ہے اب فرمائیے کہ رسول خدا صلعم نے پیٹ پیچہے تو اُسکی مذمت کی اور اُسکے مونہہ پر بشاشت سے پیش آئے اور مہربانوں اور دوستوں کی سی باتیں کیں
تو اس میں ایک امر واقع میں راست ہوگا اور دوسرا دروغ اور اُس بدآدمی کے سامنے بشاشت سے پیش آئے یہ حالت تقیہ میں دروغ اور بناوٹ نہیں تو کیا ہے اور اسیکو تقیہ
کہتے ہیں کہ بدآدمی کی تعریف اُسکے مونہہ پر یا اُسکے دوستوں کے مونہہ پر کرے اور اسیطرح ائمہ معصومین خلفاء ثلثہ کے دوستوں کے اور مریدوں کے روبرو ثلثہ کی تعریف کرتے ہونگے
اُنکے دوستوں کے شر سے بچنے کے واسطے پہر ہم پر طعن کرنے کی کیا وجہ ہے یہ تو تمہارے ہاں بہی موجود ہے اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ابو بکر سے جہوٹ کیوں بیان کرتے
کہ میں غار ثور کیطرف نہیں جاتا ہوں اور یہ محل تقیہ کا کون ہے کہ جو ابو بکر سے تقیہ کرتے اور ابو بکر کے ہمراہ لیجانیکی ضرورت یہ ہوئی کہ تاکہ میرا جانا کسی کافر پر ظاہر نہو جاے
اور ابو بکر نے حضرت کو جاتے ہوئے دیکھ تو لیا ہی تہا اگر اُسکو ہمراہ اپنے نہ لیجاتے تو احتمال کے راز کے ظاہر ہو جانیکا تہا کہ ابو بکر کی زبان سے اصحاب میں سے کسیکے روبرو نکلتا
اور رفتہ رفتہ کفار تک جا پہنچتا اور اس اندیشہ سے ابو بکر کو ہمراہ نہیں لیا تہا کہ اگر یہ یہاں رہیگا تو کفار سے میرے جانیکی خبر کردیگا اور نہ ہم اس واہی قول کے قائل
ہیں اگر کسی نے ازراہ تعصب ایسا کہا تو اُسکا کیا اعتبار ہے اور ہم تو یہہ کہتے ہیں کہ ابو بکر کو رسول خدا صلعم سے ہرگز دشمنی نہتی بلکہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم
پر وہ تو ایمان لائے تہے اور حضرت کو پیغمبر خدا ہی جانتے تہے اور رسول خدا صلعم نے ابو بکر کو جو ہمراہ اپنے لیا تہا تو اپنا دوست ہی سمجہ کر لیا تہا اور اگر دشمن جانتے
تو ہرگز اپنے ہمراہ نہ لیتے ایسی باتوں کا ہماری طرف منسوب کرنا بالکل اتہام اور دروغ ہے اور ابو بکر کو جو ہم اچہا نہیں جانتے ہیں تو اس لیے کہ بعد اُسکے اُنہوں نے
طمع ریاست اور حکومت کر کے حقوق اہلبیت کو غصب کیا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اگر ابو بکر کے ساتھ لینے میں یہی مصلحت تہی تو یہ مصلحت بہی کوسوں دور ہے
اسیواسطے ملا عبد اللہ مشہدی نے اظہار الحق میں لاچار ہو کر انصاف کی راہ سے یہی کہا کہ نفس الامر یوں ہے کہ یہہ احتمال بہت بعید ہے مگر وہ نقل مشہور ہے کہ ستر برس
کا رام جی میں بیٹہا ہوا نکلتے ہی نکلے ہے اتنی توفیق نہیں ہوئی کہ حق بول اُٹہیں اور اپنے بیگانے کا کچہ لحاظ نکریں اب ہم سے سنئے کہ ملا عبد اللہ مشہدی کا کہنا
سب بجا اور درست اور اُسکے حق ہونے میں کچہ شک نہیں اور اس وجہ سے اگر اُنکی کتاب مذکور اظہار الحق کہیں تو بیجا نہیں اور ہمکو بہی اس بات کی تسلیم سے انکار نہیں
اگرچہ ملا مذکور شیعہ مذہب ہیں ؎ متاع نیک ہر دکاں کہ باشد ۔ مگر ستم تو یہہ ہے کہ شیعہ حتی کہ علماء بہی باوجودیکہ ملا عبد اللہ مذکور کو اپنا مقتداء دین سمجہتے ہیں
اس بات کی اُنکی بہی نہیں سنتے ہر چند ملاء مذکور آخر کو یہی کہہ اُٹہے کہ عجب کیا ہے کہ جو خلیفہ اول کو جناب رسول خدا صلعم نے ہمراہی اور ہمدمی کے لئے اختیار کیا ہو کہ
اُنہوں نے اپنی بیٹی کا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتہہ نکاح کر دیا تہا اور اکثروں سے پہلے مسلمان ہوئے تہے اور اکثر ملازم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تہے
لیکن کیا امکان کہ جو حضرات شیعہ روبراہ ہوں بلکہ عجب نہیں کہ مجتہد الزمان کے یہاں سے اُنکے لئے یہی حکم تبرا صادر ہوا **قول** اس مصلحت کے واسطے ہم لیجانا
نہیں کہتے ہیں اور نہ ابو بکر کو ہم دشمن رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانتے ہیں اور جس مصلحت کے واسطے ابو بکر کو جناب رسول خدا صلعم ہمراہ اپنے لیگئے تہے اسکو
ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ بیان کر چکے اور ملا عبد اللہ مشہدی شیعوں میں کوئی نامی اور مشہور نہیں ہے اُنکو تو کوئی جانتا ہی نہتا کہ کون ہیں اور مقتدائی دین
ہونے سے کیا واسطہ مولوی عبد العزیز صاحب نے جو تحفہ میں اظہار الحق عبد اللہ مشہدی کا حوالہ دیا تو اس سے ہمنے بہی جانا کہ ملا مشہدی کوئی شیعوں میں ہے ایسے ایسے
تو ہر مذہب میں بہت ہوتے ہیں لیکن قول اُنکا مستند نہیں ہوتا اور اگر اُنہوں نے لکہا ہے کہ یہ احتمال بہت بعید ہے تو ہم بہی کہتے ہیں کہ یہہ احتمال درست نہیں ہے
اور رام تو ثلثہ کے جی میں بیٹہا ہوا تہا کہ برسوں بت پرستی کیا کئے اور جب رام جی سے نکلا تو بعد اُسکے نبی کے رغبت کر کے پہر ویسے ہی ہو گئے اور حق بولنے میں ملا
مشہدی نے کس بات کی کمی کی ہے اگر مراد حق سے یہ ہے کہ وہ یہ لکہتے ہیں کہ رسول خدا صلعم ابو بکر کو اپنا ہمدم اور مونس سمجہکر اپنے ہمراہ لیگئے تہے سو تو خود لکہتا ہے کہ اُنہوں
اپنی کتاب اظہار الحق میں لکہا ہے کہ عجب کیا ہے کہ جو خلیفہ اول کو جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمراہی اور ہمدمی کے لئے اسلیئے اختیار کیا ہو کہ اُنہوں نے
اپنی بیٹی کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتہہ نکاح کیا تہا اور اکثروں سے پہلے مسلمان ہوئے تہے اور اکثر ملازم خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم رہتے تہے لیکن ہمکو معلوم نہیں کہ
اُنہوں نے لکہا ہے یا نہیں اور ہمنے تسلیم کیا کہ اُنہوں نے لکہا ہوگا لیکن اُنہوں نے محتمل کر کے لکہا ہے اس طرح سے کہ عجب نہیں اگر اسواسطے ہمراہ لیگئے ہوں اُنکے

نزدیک بھی یہ بات احتمالی ہے اور معتبر اور یقینی اور منقول کسی امام علیہ السلام سے نہیں ہے اور ہمنے تسلیم کیا لکھنا ملا عبداللہ مشہدی کا ہرچند کہ وہ معتمد شیعوں کے
علما ہے کے اور مشہور اور ملا نامی تو نہیں ہیں ہمارے نزدیک سب سے ثابت اور درست ہے کہ ابوبکر نے اپنی بیٹی کا حضرت کے ساتھ نکاح کر دیا تھا اور اکثروں سے پہلے مسلمان
بھی ہوئے تھے اور اکثر ملازم خدمت میں رہتے تھے اور بڑے یار اور مونس اور ہمدم تھے حضرت کے اور اسیواسطے انکو انکے گھر سے بلاکر ہمراہ اپنے لیگئے تھے لیکن
جبتک اُسکا انجام بخیر نہو تو ان باتوں سے کیا فائدہ ہے اور ان لوگوں ہی کے حق میں تو خدا تعالی فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ
كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور بد افعالیاں خلیفہ صاحب کی ایسی ہیں کہ جن سے
اُنکے ایمان صحیح میں بالکل فرق آگیا ہے اور اہل سنت کی کتابوں میں وہ سب مسطور ہیں اور بجز عذر نا معقول کے اُسکے جواب میں اہل سنت سے کچھ نہیں بن پڑتا ہے اس
صورت میں اگر ابوبکر جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ابتدا میں مونس اور ہمدم رہے اور بعد اُنکے اُنکی اہل بیت کے حقوق غصب کیے اور اس جہت سے اُن کو
آزار پہنچائے تو وہ ہمدمی اور مونسی اُنکو کچھ فائدہ نہ بخشے گی ابلیس نے عبادت خدا کی اسقدر کی تھی کہ معلم الملکوت مشہور ہو گیا تھا لیکن ایک نافرمانی میں کہ وہ
سجدہ نکرنا آدم علیہ السلام کا تھا ملعون دنیا و آخرت ہو گیا **قال الشیخ الاشعری** خیر کوئی مانے یا نمانے پر دل سب کا سنی ہوں یا شیعہ یہی گواہی دیتا ہے کہ
ابوبکر صدیق کا ہمراہ لیجانا فقط اس وجہ سے تھا کہ انکو کفار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر مشیر اور معین و مددگار سمجھتے تھے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا
محب خاص اور ہمدم با اختصاص جانتے تھے اور کیوں نہ سمجھیں شیعہ سنی کون نہیں جانتا کہ اُنہوں نے ابتدا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی رفاقت میں
کفار کے ہاتھ سے کیا کیا ایذائیں سہیں اور کسقدر جفائیں اُٹھائیں اور کسقدر مال لٹایا اور کیا کیا کر دکھلایا بلال رضی اللہ عنہ کو مول لیا اور قید کفار سے چھڑا کر
آزاد کیا اور علیٰ ہذا القیاس اللہ اور رسول کی خوشنودی کی اور سب اپنا خانمان برباد کیا پس درصورت اُنکے مکہ میں چھوڑ جانیکی ایک تو جناب سرور کائنات صلے اللہ
علیہ وآلہ وسلم کو یہ یقین کامل تھا کہ کفار انکو اور مجھے یکساں سمجھتے ہیں جو کفار نابکار نے میرے لئے تجویز کیا ہے انکے لئے پہلے ہی اُنہوں نے بیشتر کفار سے مقابلہ کیا ہے اور
اُنکو بارہا بہ وعظ و پند کیا ہے کہ دین اسلام دین حق ہے بت پرستی چھوڑو اگر سعادت مدنظر ہے اتباع نبوی اختیار کرو اگر انکو یہاں ہی چھوڑ گیا تو کفار انکو ہرگز
زندہ نہ چھوڑینگے ہاں اگر عمر کو ساتھ نہ لوں تو کچھ مضایقہ نہیں کہ اُنسے کفار کو چنداں پرخاش نہیں اور با اینہمہ اُنکی طرح طرح کے لحاظ پاس ہیں منجملہ اُنکے یہ بھی ہے
کہ ابوجہل کے جو رئیس کفار ہے بھانجے ہیں باقی اور اصحاب کو کفار نگونسار کچھ راس و رئیس دین و ایمان نہیں سمجھتے بہر تستیر اُنکی بچاؤ کے اور بہت وجوہ ہیں پر
ابوبکر کی رفاقت کفار کی آنکھوں میں خار ہے انکو دیکھ دیکھ لہو کے گھونٹ پیتے ہیں یہ اگر مارے گئے تو ارکان ایمان و اسلام ڈھ جائیگا اور ایسا رفیق شفیق اور
ایسا مخلص کہ اُسکا اخلاص و محبت دل میں اثر کرتا ہے ہاتھ سے جاتا رہیگا با اینہمہ ایسے سفر پر خطر میں بے رفیق کے نہیں گزرتی پھر رفیق بھی ایسا چاہیئے کہ نہ جان سے
دریغ ہو نہ پاس آبرو ہو نہ فرزند کی محبت سے خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اُسکے دل پر غالب ہو اور تسپر گرم و سرد زمانہ دیکھتے ہوئے تجربہ کار سیر سفر و حضر
ہوشیار یگانہ روزگار بلند ہمت عالی فطرت یار بے تکلف محب صمیم راز دار قدیم ہو جس سے دل کی بات کہکے دل خالی ہو غم و حیرانی سے وحشت و پریشانی اُسکی صحبت سے
دور ہو سو مجموعہ ان اوصاف کا سوا جناب صدیق کے کسی اور میں نپایا اسی لئے عین دوپہر کے وقت آپ انکے گھر تشریف لائے اور حاضری پکوا کر دونوں مخدوم عالم
اور خادم ہمدم رونق افروز غار ثور ہوئے اور عبداللہ بن ابی بکر کو کہ فرزند ارجمند پسر کلاں حضرت صدیق کے تھے جاسوسی کے لئے مقرر کیا کہ مشورہ کفار سے جو کچھ ہو
وہ درباب طلب و تلاش حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کریں سب آگاہ کرتے رہیں **اقول** پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم جو ابوبکر کو ہمراہ
اپنے لیگئے ہیں ابوبکر کو رستہ میں کھڑا ہوا دیکھ کر لیگئے ہیں اور ابوبکر کو انکے گھر سے بلاکر نہیں لیگئے کہ حکم حضرت کو تنہا گھر سے نکلکر جانیکا تھا کہ کسیکو حضرت کے
روانہ ہونیکی اطلاع نہو تاکہ کفار حضرت کے جانے پر مطلع نہو جائیں اور شیعہ تو کاہیکو گواہی دینگے ابوبکر کو رسول خدا کے وزیر اور مددگار ہونے پر اور اہل سنت کی
کتابوں میں بھی ثابت ہے کہ ایک حیلہ اور چالاکی سے وزیر بن بیٹھے ہیں اور مدد حضرت کی کبھی نہیں کی ہے ہمیشہ حضرت کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے
تھے اور مشورہ کا حکم حضرت کو موافق حکم وشاورہم کے سب اصحاب کے ساتھ تھا اور محب اور ہمدم بھی اپنا حضرت کو سمجھتے تھے کہ وہ لوگ حضرت پر ایمان لائے تھے اور اپنا
پیغمبر اُنکو جانتے تھے ابوبکر کی خصوصیت اسمیں کچھ نہیں تھی کہ اُن اوصاف کی جہت سے اُنکو ہمراہ اپنے لیجاتے اور ایذا بھی کفار کے ہاتھ سے بدولت اسلام حضرت کی رفاقت
میں سب اصحاب نے پائی ہے مگر جوتیاں اپنی بیوقوفی سے سوائے ابوبکر کے کسی نے نہیں کھائیں اور لٹانا مال کا اور حضرت بلال کا قید سے چھڑانا مول لیکر ہمارے نزدیک
ثابت نہیں ہے یہ سب اہل سنت کا ساختہ اور پرداختہ ہے کہ واتقی و صدق کی تفسیر میں بیان کرتے ہیں لیکن اتفاق انمیں بھی نہیں ہے بلکہ واحدی نے تو موافق

شیعوں ہی کی اپنی تفسیر میں لکھا ہی اور باسناد متصل عکرمہ سے اور اُس نے ابن عباس سے روایت کی ہی کہ یہ آیت ابو دحداح کی شان میں نازل ہوئی ہی کہ اُس نے درخت خرما خرید کر کے راہ خدا میں دیا تھا اور ابوبکر نے اپنا خانمان خوشنودی خدا و رسول میں کسوقت برباد کیا تھا یہ بھی ایک بناوٹ اہل سنت کی ہی ابوبکر کی فضیلت میں کہ سراسر دروغ ہے اور کفار ابوبکر کو اور رسول خدا صلعم کو ہرگز یکساں نہیں جانتے تھے بلکہ کفار تو رسول خدا صلعم کے درپے تھے اور ابوبکر سے تو اُنکو کچھ واسطہ ہی نتھا اور نہ ابوبکر کے خیال میں تھا کہ اُسکو خاصکر آزار پہنچانا چاہئے اور اگر دشمنی تھی کفار کو تو سب مسلمانوں سے برابر تھی ابوبکر سے کچھ زیادہ دشمنی ہرگز نہ تھی اور نہ ابوبکر کے کوئی درپے تھا جھوٹی باتیں لکھکر کیوں کاغذ سیاہ کرتا ہی اور ابوبکر رسول خدا صلعم کے برابر ایذا رسانی نہیں کیونکر ہو سکتا ہی رسولخدا صلعم کے واسطے تو کفار نے تجویز کیا تھا کہ انکو قتل کرنا چاہئے جسکا کلام اللہ گواہ ہی اور ابوبکر کے واسطے کیا تجویز کیا تھا کہیں اُسکی ایذا رسانی کا بھی قرآن میں ذکر ہی فقط اسیقدر وقوع میں آیا ہی کہ رسول خدا صلعم ابوبکر کو راہ میں دیکھکر اپنے ہمراہ غار میں لیگئے تھے اور ابوبکر غار میں کفار کے خوف سے رنج کرنے لگے تو رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ تو رنج مت کر کہ خدا ہمارے ہمراہ ہی جسکو خدا تعالی نے اپنی کتاب میں باین لفاظ نقل کیا کہ اِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا سو اسمیں فضیلت کی کوئی بات نہیں پائی جاتی ہی لیکن اہل سنت نے اس مقدمہ میں ابوبکر کی فضیلت میں طومار لکھے ہیں کہ جسکا نہ کوئی سر ہی نہ پاؤں ہے اور وعظ و پند کفار کو سبھی مسلمان کرتے تھے ابوبکر کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور اگر ابوبکر کو حضرت مدینہ میں چھوڑ جاتے تو جو حال اور مسلمانوں کا ہوا بعد حضرت کے وہی ابوبکر کا ہوتا ابوبکر کے واسطے کسی طرح کی مزیت نتھی اور یہ جو بے سند لکھتا ہی کہ حضرت نے یقین کیا کہ ابوبکر کو یہاں چھوڑ گیا تو کفار انکو زندہ نہ چھوڑینگے بالکل غلط ہی یہ سارا مضمون جھوٹا اس شیخ نجدی کا اپنے دل سے جوڑا ہوا ہے اور اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور کفار ابوبکر کو اور عمر کو دونو کو یکساں سمجھتے تھے بلکہ عمر سے انکو زیادہ عداوت تھی کہ عمر بہ نسبت ابوبکر کے بہت تند خو اور بدمزاج تھے اور یہ خیال عمر کے اس جہت سے ہمراہ نہ لیجانیکا بھی بالکل غلط ہی اور اسکی کچھ اصل نہیں ہے اور اس شیخ نجدی کی من گھڑی بات ہے اور نہ ابوبکر کو کفار زیادہ رفیق حضرت کا سمجھتے تھے یہ بھی سب جھوٹ ہی اور ابوبکر کی رفاقت خاص تو کیا کفار کے خیال میں بھی نہ تھی اور معلوم نہیں کہ ابوبکر کو رکن ایمان و اسلام اس شیخ نجدی نے کسوجہ سے لکھا ہی یا تو اسواسطے کہ ابوبکر رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر سب سے پہلے بھاگ جاتے تھے اور یا انکی جہالت اور بے علمی کے سبب سے کہ مسائل دین میں غلطیاں کرتے تھے اس جہت سے رکن ایمان ہوئے ہوں نہ ابوبکر میں کونسی خصلت مزیت کی اور دوستی تھی اور جیسے کہ ابوبکر رفیق شفیق اور مخلص حضرت کے تھے ایسے ہی سب مسلمان تھے خصوصیت ابوبکر کی کچھ نہیں ہے اور سینکڑوں مسلمان جہادوں میں مارے گئے اگر ابوبکر بھی مارے جاتے تو کیا نقصان اسلام میں ہوتا بلکہ وہ مارے جاتے تو یہ گمراہی جو بدولت انکے لوگوں کو حاصل ہوئی ہی کاہیکو ہوتی اور جان کا دریغ کرنا ابوبکر کا تو جنگ احد اور حنین اور خیبر میں بخوبی معلوم ہو گیا تھا کہ جنگ حنین میں رسولخدا صلعم پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو میں رسولخدا یہاں ہوں کوئی پھر کر نہ دیکھتا تھا تب حضرت عباس ٹیلے پر چڑھ کر پکارے کہ اے بیعت رضوان والو اے سورہ بقرہ والو کہاں بھاگے جاتے ہو یہاں آؤ تب مسلمان اُلٹے پھرے اور میاں ابوبکر صاحب بھی اُن بھگوڑوں ہی میں تھے جنکو یہ شیخ نجدی لکھتا ہی کہ ایسا رفیق چاہئے کہ نہ جان سے دریغ ہو نہ پاس آبرو ہو اور سوائے نو آدمی بنی ہاشم کے اُسوقت حضرت کے پاس کوئی باقی نرہا اپنے کنبہ ہی کے آدمی رفاقت میں رہے اور کھانے چاٹنے والے سب بھیجے ہوئے اور حضرت کی جان کا کچھ پاس نکیا اور پھر یہ دروغگو ابوبکر کو حضرت کا رفیق شفیق اور مخلص اور محب اور جان کا دریغ نکرنیوالا لکھتا ہی برعکس نہند نام زنگی کافور۔ اور اگر محبت خدا اور رسول خدا زن و فرزند کی محبت سے زیادہ دل پر غالب ہوتی تو جہاد سے ہرگز نہ بھاگتے بلکہ اگر دوست خالص خدا اور رسول خدا کے ہوتے تو انکی اطاعت میں ہیں جان دیتے اور بھاگتے نہیں لیکن وہ کچھ جان دینے کو تو کچھ مسلمان ہوئے ہی نتھے بلکہ اسواسطے ہوئے تھے کہ یہ ریاست مسلمانوں کی بعد رسول خدا صلعم کے کسی طرح ہمارے ہاتھ آجائے جب انکی یہی آرزو تھی تو وہ کیونکر مفت اپنی جان دیتے اور جہاد میں سے نہ بھاگتے اور سرد و گرم زمانہ کا البتہ دیکھے ہوئے تھے اور تجربہ کار بھی تھے اور ہر چیز سے اور ہر پیچ سے دنیا کی خبردار تھے اور اپنے ان تحریروں ہی سے تو پیچ کر کے خلافت کو کہ جو حق علی کا تھا غصب کیا لیکن بلند ہمت اور عالی فطرت ہرگز نتھے کہ اپنے ایسے محسن کی اہل بیت سے ایسی بدسلوکی کی کہ انکے حقوق غصب کئے اور ان امور کا ابوبکر میں مجتمع ہونا اگر تھا تو سب ظاہرداری اور دنیا سازی کے اعتبار سے تھا اور اگر محب صمیم ہوتے تو جہاد میں جاکر اگر مارے نہ جاتے تو کوئی زخم تو کفار کے ہاتھ سے کھاتے لیکن نکسیر بھی انکی کسی جہاد میں جاری نہوئی اور یہ جو لکھتا ہی کہ عین دوپہر کے وقت غار کی طرف روانہ ہوئے یہ بھی غلط ہی جسوقت کہ بے اطلاع کفار کے اور انسے پوشیدہ ہو کر جانا منظور تھا تو دوپہر کو روانہ ہونیکی کون صورت تھی بلکہ کفار نے تو حضرت کے قتل کا مشورہ کیا تھا اور حضرت جبرئیل نے خدا تعالی کا حکم اُسیوقت اُن حضرت کو سنایا کہ تو اپنے بچھونے خواب پر علی کو لٹا آج کی شب مدینہ کو روانہ ہو جا حضرت اسی شب روانہ ہو گئے اور ایسی حالت میں دن کو روانہ ہونا کہیں عقل میں بھی آتا ہی اور ابوبکر کے گھر جاکر حاضری کا پکوانا اور دوپہر کو وہاں سے روانہ ہونا بالکل غلط ہی نہ تو حضرت ابوبکر کے گھر تشریف لیگئے اور نہ اُنکے گھر جاکر حاضری پکوائی اور نہ دوپہر کو روانہ ہوئے اگر دوپہر کو روانہ ہوتے تو تمام مکہ میں شور و غل مچ جاتا اور اسقدر مہلت کہاں تھی کہ دوپہر کو باطمینان قلب تمام حاضری پکواکر اور اپنے ہمراہ لیکر جاتے کس طرح کا دروغگو اور کذاب ہے یہ شیخ کیسے کیسے مضمون اپنے دل سے تراشتے ہیں قال الشیخ الاشعری اگر خاندان صدیقی کو کچھ بھی عداوت

ہوتی تو یہ معاملے کہیں ہو سکتے اور اگر بالفرض والتقدیر بفرض محال ایسے مشورے پیش بھی آئے تو اس سے بہتر کینہ کشی کا وقت آئندہ پھر کونسا ہاتھ آتا انعام کفار جدا لیتے اور اپنا کام جدا کرتے حضرات شیعہ ہی اپنی کتابوں کو دیکھکر فرمائیں کہ میں نے اس قصّہ میں کیا جھوٹ ملا دیا ہے سر مو اگر فرق پائیں تو جو چاہیں سو کریں منصفوں کو تو بلا کہے نہیں بن پڑتی کہ ایسے وقت کی ہمدمی اور ہمرہی اور اس اہتمام اور انتظام سے انکا ساتھ لینا ایسی بڑی فضیلت ہے کہ حضرت علیؑ کا اُس شب بستر پر سو رہنا اُسکے ہمسنگ نہیں ہو سکتا غدر میں سب نے دیکھا ہوگا کہ تلاشی کے وقت اگر مجرم نہیں ملا تو حکام نے ان لوگوں سے کچھ پرخاش نہیں کی جو اُس مقام پہ ملے ہاں جسکو رفیق و مددگار مجرم دیکھا اُسکو بھی مجرم ہی سمجھا ہائے افسوس کہ خدا تعالی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت حضرت صدیق کے حق میں مقبول نہو فقط اس شرم سے کہ مسلمان کہلاتے ہیں اگر خدا کے کلام کو نہ مانیں گے تو جواب کیا دینگے اس آیت کو جبراً قہراً اگر سر دھرتے ہیں تو ہزار طرح کی نامعقول تاویلیں گھڑتے ہیں پر چند مفتریان سیہ باطن تیرہ درون کے گھڑی ہوئی باتوں کو ایسا دل و جان سے بے حیلہ و حجت قبول کرتے ہیں کہ اگر اُسکے قبول کرنے کو کلام اللہ کے قبول کرنے سے موازنہ کریں تو کلام اللہ کا تسلیم کرنا اُسکی پاسنگ بھی نہیں ہوتا ہمیں اس میں شک بھی نہیں کہ حضرات شیعہ کے دل میں اس آیت کے اول ہلہ یہی معنی آتی ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق کو اُسوقت اگر رنج تھا تو یہی تھا کہ جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اسوقت بے بس و بیکس ہیں میں ایک تن تنہا کیا کر سکتا ہوں مبادا دشمنان دین جو پاس پاس کو پھرتے ہیں اس طرف کو جھانک اُٹھیں اور حضرت صلی اللہ علیہ سلم کے دشمنوں کو ہلاک کر جائیں اور ہماری حسرتیں اور تمنائیں سب دل کی دل میں رہجائیں مگر چونکہ کمال درجہ کی بے بسی اور بے سر و سامانی کو امداد و اعانت لازم ہے چنانچہ کلام اللہ میں ہے حَتّٰۤى اِذَا اسْتَيْــٴَـسَ الرُّسُلُ وَظَنُّوْۤا اَنَّهُمْ قَدْ كُذِبُوْا جَآءَهُمْ نَصْرُنَا یعنے جبکہ ناامید ہو گئے رسول اور اُنہیں یہ وہم ہوا کہ یہ وعدے جو درباب نصرت اور مددگاری کے ہمسے تھے مبادا خیال شیطانی ہوں ہم اپنی غلط فہمی سے اُسکو وعدۂ خداوندی سمجھتے ہوں آئی اُنکو ہماری مدد اس مایوسی میں جو حضرت ابوبکر باعتبار ظاہر پیش آئی تھی نزول امداد ہوا اور یہ بشارت ہوئی لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اے ابوبکر مایوس اور غمگین مت ہو تسلی رکھ ہمارے ساتھ خدا ہے **اقول** شیعہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں کہ ابوبکر کو رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عداوت تھی بالکل تہمت ہے یہ شیعوں پر بلکہ دوست رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جانتے ہیں اور یہ جانتے ہیں کہ ابوبکر اور عمر وغیرہ دنیادار طالب ریاست عاشق مال و دولت کے تھے کہ اُنہوں نے امور دنیائی اور حُبِ جاہ کے سبب سے حقوق اہل بیت علیہم السّلام غصب کئے اور اُنکے باب میں جناب رسول خدا صلعم کی بھی رعایت نہ کی اور اس قصّہ کو جو کچھ تو نے لکھا ہے اکثر اسمیں جھوٹ اپنی طرف سے ملایا ہے شیعہ کیا اہل سنت کی کتابوں میں بھی یہ طومار نہیں ہے اور اگر تو نے لکھا تو تیرا کیا کر سکتے ہیں بہت سے مضامین تو نے اس کتاب میں اپنی رائے سے ایجاد کرکے لکھے ہیں کہ وہ فریقین کے کتابوں میں نہیں ہیں ایک یہ مضمون بھی ہے اور یہ ہمدمی اور ہمرہی ابوبکر کی کسی کام کی نتھی راہ میں کھڑا ہوا دیکھکر ہمراہ اپنے لیگئے اس جہت سے اور یہ خیال کرکے کہ ابوبکر نے مجھ کو دیکھ لیا ہے اور اسکے یہاں رہنے میں احتمال ہے کہ کسی وجہ سے کفار کو میری خبر ہوجاے اسواسطے اپنے ہمراہ لیا اور معلوم نہیں وہ اہتمام اور انتظام کونسا ہوا تھا ابوبکر کے لیجانے میں پوشیدہ ہوکر تو حضرت خود جاتے تھے ابوبکر کے واسطے کیا اہتمام کرتے اور جب غار میں پہنچے ہیں تو اُس غار میں کسی طرح کا خوف اور کھٹکا نہ تھا کہ اُس غار کے دروازے میں کبوتری نے انڈے دیے تھے اور مکڑی نے جالا تنا تھا اور درخت خاردار دروازہ میں اُسکے بقدرت خدا اُسیوقت پیدا ہوگیا تھا کہ اسکی جہت سے کفار کو وہم بھی اُس غار میں کسی آدمی کی ہونیکا نتھا اور ایسا سامان خدا تعالے نے حفاظت کا اپنے حبیب صلعم کے واسطے مہیا کردیا تھا کہ وہ غار مثل حصن حصین کے ہوگیا تھا اور کسی طرح کا وہم بھی خوف کا اُس غار میں باقی نرہا تھا اور ابوبکر جو خوف کفار سے رنج و غم کرتے تھے باوجود ملاحظہ اس قدرت خدا اور معجزہ رسول خدا کے کہ کیسا سامان حفاظت کا کردیا تھا تو خدا تعالی پر اُنکو اعتماد نتھا باوجود دیکھنے اس سامان حفاظت کے اور اپنی جان کا اُنکو رنج تھا کہ ہائے کیسی بلا میں پھنسے اب یہاں سے کیونکر نکلنا ہوگا اور اگر خدا تعالی پر اُنکو اعتماد ہوتا تو بدون ملاحظہ سامان حفاظت کے خدا پر توکل کرکے صبر کرتے اور رنج اور جزع و فزع نکرتے اور جسوقت سامان حفاظت کا دیکھا تو اُسوقت تو کوئی صورت ہی رنج کرنے کی نتھی جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دیکھا کہ ابوبکر پر نہایت غلبہ اندوہ اور رنج کا ہے اپنی جان کے واسطے اور احتمال ہوتا ہے کہ کثرت رنج سے ہائے اور واویلا کرنے لگے جس سے کفار کو خبر ہوجائے اُسوقت اُسکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ رنج مت کر کہ خدا تعالی ہمارے ہمراہ ہے ورنہ وہ غار ایک ایسا قلعہ محکم ہوگیا تھا کہ وہاں کسی طرح کی دہشت باقی نرہی تھی اور مقام خوف حضرت کی خوابگاہ تھی کہ جہاں حضرت علی ابن ابیطالبؑ کہ سیکڑوں کفار حضرت کی دو تسرا میں درانہ داخل ہوگئے اور حضرت علیؑ تن تنہا تلوار لیکر اُنکے مقابلہ میں کھڑے ہوگئے اور کسی طرح کا اندیشہ نکیا اگر حضرت ابوبکر اس مقام میں ہوتے تو یقین ہے کہ کفار کے انبوہ کو دیکھکر اپنے لنگ میں ہگ بھرتے مارے خوف کے اسی لئے رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو اپنے فرش خواب پر مقرر کیا کہ یہ کفار کا خوف نکریگا اور حضرت علیؑ کی شان میں تو خدا تعالی نے فرمایا کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ یعنی بعضے آدمی وہ ہیں کہ فروخت کرتے ہیں اپنے نفس کو واسطے طلب کرنے خوشنودی خدا کے اور ابوبکر کی شان میں کونسی آیت نازل ہوئی ہے بجز اسکے کہ خدا تعالی نے قول رسول خدا صلعم کا جو ابوبکر کی محض تسلی کے واسطے تھا قرآن میں نقل کردیا اس شیخ

بخاری بے انصافی کو دیکھنا چاہئے کہ ابوبکر کی بے اعتمادی کو قدرتِ خدا پر اور اُسکی جزع اور فزع اور بزدلی کو فضیلت ابوبکر کی قرار دیتا ہی اور علی بن ابی طالب کی شجاعت اور بہادری پر کہ جو حضرت کے بستر پر سور ہے اور کچھ پروا نکی اور ہزاروں کفار کا تلوار لیکر مقابلہ کیا ابوبکر کی بزدلی کو ترجیح دیتا ہی اور اُسکی فضیلت مقرر کرتا ہی اِنَّ هٰذَا الشَّيْءٌ عُجَابٌ اور زیادہ تعجب یہ ہے کہ حضرت علی کی شجاعت کو کہتا ہی کہ یہ ابوبکر کی اُس بزدلی کی ہمسنگ بھی نہیں اور غدر میں انگریزوں نے اگر کسی کو مددگار مجرم کا سمجھا ہی تو البتہ اُسکو بھی مجرم سمجھا ہی اور ابوبکر نے تو رسول خدا صلعم کی کچھ بھی مدد نہیں کی بلکہ رنج اور جزع اور فزع کر کے زیادہ خوف دلانے لگے ایسے مقام میں تو تسلی کی اور دل کے بڑھانے کی باتیں چاہئیں تھیں کہ رنج اور گھبرانے کی کہ جس سے مرد بھی نامرد ہو جاوے اور رفیق کو مجرم کے انگریزوں نے اگر بے قصور جانا ہی تو اُسکو کچھ نہیں کہا ہی اور ایسے ہی ابوبکر تھے کہ اُنکا کوئی خواہاں تھا اور نہ اُنکی تلاش کسی کو تھی اور معلوم نہیں کہ وہ خدا تعالیٰ کی شہادت کونسی ہی ابوبکر کے حق میں جسکو شیعہ قبول نہیں کرتے خدا تعالیٰ نے صاحب کا لفظ قرآن میں بہ فرمایا ہی کہ پیغمبر اپنی اُس ہمراہی سے کہتا تھا اور صاحب کا لفظ وہ ہی کہ مومن اور کافر پر دونوں پر بولا جاتا ہی اور رسول خدا صلعم نے یہ فرمایا تھا ابوبکر کو کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اس سے فقط یہ ثابت ہی کہ حضرت نے فرمایا تو ان کافروں کے خوف سے رنج مت کر خدا تعالیٰ ہمارا ہماری حفاظت کے واسطے ہمارے ہمراہ ہے کہ ہم کو اُنکی شر سے بچا لیگا اور ایسے مقام میں اکثر ایسا کہا کرتے ہیں اور حفاظت خدا کی مومن اور کافر دونو کے واسطے ہوتی ہی کیا کفار کا بچانیوالا آفات بحری اور بری سے سوائے خدا کے کوئی اور ہوتا ہی اور لصاحبہ اور ان اللہ معنا کو پہلے اس سے ہم مفصل بیان کر چکے ہیں لیکن وہ شہادت خدا کی اور رسول خدا کی معلوم نہیں کونسی ہی کہ جسکو شیعہ قبول نہیں کرتے ہیں اور جس طرح کی شہادت کہ ہی اُسکو قبول کرتے ہی ہیں کیوں نہیں قبول کرتے لیکن فضیلت ابوبکر کی اس سے ثابت نہیں ہوتی اور اس قرآن پر ہمارا ایمان ہے اور جو کچھ اُس میں ہی وہ سب حق ہی لیکن جو بات کہ تمہاری مرضی کے موافق قرآن سے ثابت نہو تو اُسکو ہم کیونکر تسلیم کریں اور خلاف کلام اللہ کے تمہاری مرضی کے موافق کیونکر کہدیں اور ہم وہ بات بیان کرتے ہیں جو قرآن کے ظاہر سے مفہوم ہوتی ہی اور واقعی ہی کہ جس میں تاویل کو کسی طرح کا تعلق نہیں اور ہم کسی طرح سے تاویل نہیں کرتے ہیں تو تاویل کرتا ہی کہ جو امر کہ قرآن سے ثابت نہیں ہے اُسکو اپنی طبیعت سے ایجاد کر کے لکھتا چلا جاتا ہی صفحہ کے صفحہ چار پانچ لفظوں کے معنی میں اپنی رائے ناقص سے پیدا کر کے عبث اور فضول طول دیتا ہی اور ہم کلام اللہ کے مضمون کو اُن لوگوں سے لیتے ہیں کہ جو وارثان علم نبی تھے اور تم اُن لوگوں سے لیتے ہو کہ جو اعدا آل رسول تھے اور تم پیروی کرتے ہو ابوحنیفہ کی جو کہ قرآن اور حدیث کے خلاف حکم دیتا تھا اور اہل سنت کی کتابوں میں مثل ربیع الابرار وغیرہ کے لکھا ہی کہ اس نے چار سو حدیثیں رد کی ہیں اسیواسطے خطیب بغدادی اور امام غزالی وغیرہ نے ابوحنیفہ کو گمراہ اور گمراہ کرنیوالا لکھا ہی اور لکھا ہی کہ ایسی خلقت بد مثل ابوحنیفہ کے دنیا میں کوئی پیدا نہیں ہوئی ہی اور اگر تیرا دل چاہتی تو اب بھی دلی میں جا کر سن لے کہ ایک شخص مولوی نذیر حسین صاحب کے معتقدین میں سے چاندنی چوک میں کھڑا ہو دو سو تین سو آدمیوں کے روبرو علانیہ اپنے وعظ میں کہتا ہی کہ ابوحنیفہ گمراہ تھا اور جو کوئی اُسکی پیروی کریگا وہ بھی گمراہ ہی سو تم اپنے دین کو ایسے گمراہوں سے لیتے ہو اور پیروی اُنکی کرتے ہو کہ جنکو خود علمائے محققین اہل سنت گمراہ لکھتے بھی ہیں اور کہتے بھی ہیں اس صورت میں تمہارا دین اور نماز اور روزہ اور حج وغیرہ عبادات سب باطل ہی تمہارے آوارسی اور شیعوں کے دل میں سن سے اہل وہلا میں ہرگز یہ مضمون سمجھ میں نہیں آتا ہی کہ ابوبکر کو اُسوقت رسول خدا کے لئے بے بس اور بیکس ہونے کا رنج تھا بلکہ ابوبکر کو اُسوقت اپنی جان کا رنج تھا کہ حضرت کی ہمراہی میں مفت مارے گئے اور اگر کوئی صورت غار سے باہر نکلنے کی نظر آتی تو ابوبکر بلا تامل اور بے تردد حضرت کو غار میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے جیسا کہ بعد اسکے حضرت کو تنہا چھوڑ کر جہادوں میں سے بھاگ جاتے تھے اور رسول خدا صلعم کی طرف سے رنج کرنا تو ابوبکر سے کوسوں بعید تھا اگر حضرت کی تنہائی اور بیکسی کا رنج ہوتا تو بعد اسکے حضرت کو ہزاروں کفار میں تنہا چھوڑ کر کیوں بھاگتے اور غار کے باہر تو چند ہی کفار ہونگے ہزاروں آدمیوں کی بھیڑ نتھی اور غار بھی علامات قدرتِ خدا اور معجزات سرور دوسرا سے مثل حصن حصین اور قلعہ مستحکم کے ہو رہا تھا کہ وہاں کسی طرح کا خوف اور کھٹکا نتھا لیکن پھر بھی ابوبکر بسبب اسکے کہ اُنکو قدرت خدا پر اعتماد نتھا باوجود ملاحظہ سامان حفاظت کے اپنی جان کے واسطے رنج کرتے تھے اور رسول خدا صلعم کی جان کا رنج تو اُنکے وہم میں بھی نہوگا اور خدا تعالیٰ نے وعدہ نصرت اور امداد کا جو اپنے حبیب سے کیا تھا اُسکا ایفا کیا چنانچہ فرماتا ہی کہ فَقَدْ نَصَرَهُ اللّٰهُ اور اَیَّدَهٗ بِجُنُوْدٍ اور ابوبکر کی نصرت سے کیا تعلق ہی کہ اُسکے کوئی درپے آزار ہی نتھا اور اگر ان اللہ معنا میں سے ابوبکر کی بھی نصرت مفہوم ہوتی تو خدا تعالیٰ بعد اسکے فرماتا کہ وایدہما لیکن کسی جگہ ابوبکر کی نصرت کا قرآن میں کہیں ذکر نہیں ہے اور کیونکر اُس کی نصرت کا ذکر ہو کہ وہ تو ایک اجنبی شخص تھا کہ اُسکے کوئی درپے تکلیف اور ایذا ہی نہ تھا صرف جانِ واحد جناب رسول خدا صلعم کے قتل اور آزار کے درپے تھے سو اُن حضرت ہی کی نصرت کی قرآن میں اُس کا ذکر کیا اور ابوبکر کی نصرت سے کیا تعلق ہے اور نہ خدائے تعالیٰ نے ابوبکر سے نصرت کا وعدہ کیا اور کیونکر وعدہ کرتا نصرت کا کہ ابوبکر کی تو کسی کو تلاش ہی نتھی آزار دینے کے واسطے اور لاتحزن ان اللہ معنا حضرت نے جو فرمایا اُس میں ابوبکر کی نصرت کی بشارت نہیں ہے بلکہ ابوبکر جو خوف کفار سے رنج کرتے تھے تو حضرت نے اُن کی

تسلی کے لئے ایسا فرمایا کہ خدا تعالے نے ہماری حفاظت کے لئے ہمارے ہمراہ ہے اور حفاظت بھی حقیقت میں رسول خدا صلعم ہی کی تھی کہ کفار اُنکے درپے آزار تھے اور حضرت کی حفاظت کے ضمن میں ابوبکر کی حفاظت بھی آگئی اور آیت جو اس نے لکھی ہے اور ناامیدی نصرت کی جو اس سے سمجھا ہے بالکل غلط ہے اسواسطے کہ رحمت خدا سے انبیاء مایوس نہیں ہوتے ہیں بلکہ مراد یہ ہے کہ جسوقت کہ مایوس ہو پیغمبران خدا ایمان لانے سے کفار کے اور اسی آیت کو فدک کے مقدمہ میں بھی آیت وَ هَبْ لِیْ مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا کے ذیل میں لکھا ہے اور ہمنے وہاں جواب معقول اسکو دیا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اُس وعدہ صادق نے ظہور فرمایا اور کفاروں نگونسار کے شر سے اُن دونو بندگان خاص کو بچاکر بحفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر دین کو یہ رونق دی کہ اظہر من الشمس ہے سو غادینی چاہئے ابوبکر صدیق کی جان کو کہ وہ اتنے غمگین ہوتے نہ اُسکا یہ ثمرہ مرتب ہوتا کہاں اُنکے صدقہ سے یہ نصرت ہو کہاں ملک ایران وغیرہ قبضہ کفار سے چھوٹیں اور شیعوں کو ٹھکانا ملے مگر اس نااہلی کو دیکھئے کہ شکرانہ کے بدلے کہتے ہیں کہ کوئی اپنی محو کے ساتھ نکرے ؏ مرا بخیر تو امید نیست بد مرساں ❊ اس مقام میں بعضے متعصب لاچار ہو کر بہت پیچ و تاب کھا کر شاید کہیں تو یہ کہیں کہ واقعی اُس زمانہ تک تو ابوبکر ایسے ہی تھے جیسے خدا کے کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بات پھر نہ رہی ہوگی یہ شبہ اس قابل نہیں کہ اُسکے جواب کی طرف متوجہ ہو بلکہ شیعوں کو لازم ہے کہ اسبات کو منہ پر نہ لائیں مبادا کوئی ہندو انگریز سنکر یوں کہنے لگے کہ ایسے خدا ہی کو سلام ہے جسے چار دن کی خبر نہو **اقول** البتہ وہ وعدہ کہ جو واسطے جناب رسول خدا صلعم کے تھا نہ واسطے ابوبکر کے اُس عہد نے ظہور فرمایا اور جناب رسول خدا صلعم کو کفار نگونسار کے شر سے بچاکر مع ابوبکر کے بحفظ تمام مدینہ میں پہنچایا اور پھر خدا تعالیٰ نے دین کو رونق بخشی ذو الفقار حیدری کے دبدبہ سے جسوقت کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ جہاد کفار سے بھاگ جاتے تھے رسول خدا صلعم کو ہزاروں کفار میں تنہا چھوڑ کر ؏ گر نبودے دست حیدر ذو الفقار ❊ کے شدی اللہ اکبر آشکار ❊ سو دعا دینی چاہئے علی بن ابی طالب علیہ السلام کی جان کو کہ اُنہوں نے کفار کو نگونسار کرکے دین کو جاری کیا اور بطفیل ذو الفقار حیدر کرار مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو اب جہاد کرنا بھی آسان ہوگیا مفت کی فوج بہم پہنچی اور بعد اسکے جو ابوبکر اور عمر نے اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے جہاد کروائے ہیں اور ایران وغیرہ فتح کیا ہے اور اسی طرح معاویہ اور یزید اور عبد الملک وغیرہ نے فیقان اور قہستان اور سجستان اور دوان وغیرہ فتح کئے یہ سب بطفیل ذو الفقار علی بن ابیطالب علیہ السلام ہے کہ اسلام کی جڑ باندھ دی تھی اور مستحکم کردی تھی کفار کو نگونسار کرکے اور ثلاثہ وغیرہ خود تو کسی جہاد میں گئے نہیں لیکن اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے مسلمانوں کو واسطے جہاد کے بھیجدیتے تھے اور مسلمان ترقی اسلام اور بامید حصول مال غنیمت جہاد کرتے تھے اور اُنکی ریاست مفت گھر بیٹھے ہوئے ترقی پکڑتی تھی اور کوئی اس عقل کے دشمن سے پوچھے کہ ابوبکر کے غمگین ہونے سے کونسا فائدہ حاصل ہوا اور اُنکے غمگین ہونے سے نصرت کیونکر ہوئی اور غمگین ہونے سے اُنکے کیا ہوا بلکہ وہ غمگین ہونا ابوبکر کا موافق مرضی خدا اور رسول خدا کے نہ تھا ورنہ غمگین ہونے سے کیوں منع کرتے اُنکو جناب رسول خدا صلعم اور اگر نصرت ہوئی تھی تو جناب رسول خدا صلعم کے واسطے ہوئی کہ کفار اُنکے درپے قتل اور ایذا رسانی تھے اور ابوبکر کے واسطے نصرت کی وجہ کیا تھی کہ ابوبکر کا تو کوئی خواہاں بھی نہ تھا اور رسول خدا صلعم ہی کی نصرت کا خدا تعالے نے ذکر کیا ہے نہ ابوبکر کی نصرت کا چنانچہ فرماتا ہے کہ فقد نصرہ اللہ اور فرمایا کہ وایدہ بجنود اور ابوبکر کے واسطے کہیں بھی کچھ نہیں فرمایا بلکہ جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ و آلہ کا قول نقل کردیا ہے کہ وہ اپنے ہمراہی سے کہتا تھا کہ تو غمگین مت ہو خدا تعالے جو ہمارے ہمراہ ہے وہ ہم کو اُنکے شر سے محفوظ رکھیگا اور ابوبکر کا شکرانہ کس بات کا کریں اُس نے ہمپر کیا احسان کیا ہے اور اپنے زمانہ میں جو اُنہوں نے جہاد کروائے ہیں وہ اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے نہ اسلام کی ترقی کے واسطے اور ابوبکر کے زمانہ میں تو ایران مسلمانوں کے قبضہ میں آیا بھی نہ تھا عمر کے زمانہ میں آیا تھا سو وہ بھی حضرت علیؑ کے مشورہ سے اور شیعوں کے واسطے ایران کی خصوصیت کیا ہے شیعہ تو سب جگہ موجود ہیں اور کثرت شیعوں کی البتہ ایران میں ہے اور وہ ہی حق پر ہیں موافق ارشاد رسول خدا صلعم کے چنانچہ بیضاوی اور معالم التنزیل میں لکھا ہے تفسیر میں آیت وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا یَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَیْرَكُمْ ثُمَّ لَا یَكُوْنُوْۤا اَمْثَالَكُمْ کے جو کہ سورہ محمد میں ہے کہ لوگوں نے رسول خدا صلعم سے پوچھا زیادہ فرمانبردار کو کہ وہ کون ہیں حضرت نے دست مبارک اپنا حضرت سلمان کے شانہ پر مارا یا ران پر اور فرمایا کہ یہ اور قوم اُسکی قسم ہے خدا کی اگر بالفرض ایمان دنیا سے اُٹھ جاوے یہانتک کہ ثریا سے آمیختہ ہو جائے تو البتہ جماعت فارس کی اُس پر ہاتھ ماریں اور اُسکو حاصل کریں اور آیت فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَ یُحِبُّوْنَهٗۤ کی تفسیر میں بھی یہی لکھا ہے کہ وہ لوگ کہ جنکو خدا دوست رکھیگا اور وہ خدا کو دوست رکھیں گے فارس کے آدمی ہیں اور یا یمن کے آدمی ہیں اور یمن میں بھی اکثر شیعہ ہی ہوتے تھے اور خدا تعالے کے کلام سے ابوبکر کی کوئی فضیلت نہیں سمجھی جاتی بجز اسکے کہ خدا تعالے نے ابوبکر کو صاحب رسول خدا صلعم کا فرمایا ہے اور صاحب اُسکو کہتے ہیں کہ جو اپنی صحبت میں ہمراہ اپنے ہو اور وہ عام ہے خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو چنانچہ ہم مفصل پہلے اس سے کئی جگہ بیان کرچکے اور یا یہ ہے کہ جسوقت ابوبکر خوف کفار سے رنج کرنے لگے تو رسول خدا صلعم نے واسطے تسلی کے ابوبکر سے فرمایا ہے کہ تو رنج مت کر خدا ہمارے ہمراہ ہے سو خدا تعالیٰ ہمراہ تو ہر بندہ کے ہوتا ہے مومن کے اور کافر کے لیکن

حضرت کا فرمانا کہ خدا ہماری ہمراہ ہے تو مراد اُس سے یہ ہوئی کہ وہ جو ہمارے ہمراہ ہے وہ ہمکو محفوظ رکھیگا اُنکے شر سے اور سوائے اسکے یہاں اور کچھ مراد نہیں ہے اور خدا تعالیٰ محفوظ بھی سب بندوں ہی کو رکھتا ہے اور حافظ کفار کا بھی ہر آفت اور بلا سے سوائے خدا کے اور کون ہے اگر کوئی اور ہو تو اُسکو بتادو سو ابوبکر کی کوئی فضیلت اور تعریف اس آیت سے ثابت نہوئی پھر شیعہ کاہیکو کہیں گے کہ ابوبکر اُس زمانہ تک تو ایسے ہی تھے جیسے خدا کے کلام سے سمجھا جاتا ہے مگر وہ بات پھر نرہی معلوم نہیں کہ جو پہلے ابوبکر میں ایک بات تھی اور شیعوں کے نزدیک وہ اب نرہی وہ کیا بات ہے شیعہ تو ابوبکر کو ابتدائے قبول اسلام سے تا وفات رسولخدا ایک حالت پر جانتے ہیں اور بعد رسولخدا صلعم کے بھی کچھ مشرک نہیں ہوگئے تھے مگر خلافت کے غصب کرنے سے جو موجب ضلالت بندگان خدا ہوگئی تھی اسواسطے شیعہ اُن کو اچھا نہیں جانتے ہیں اور انجام اُنکا کفار کا سا سمجھتے ہیں اور شیعوں کو تو وہ شبہ ہی نہیں ہوتا ہے کہ جسکا تم جواب دو اور جو بات کہ حق ہے اُسکو تو شیعہ اپنی زبان پر لاتے ہیں اور جو شبہ کہ شیعوں کی طرف سے تو نے ایجاد کیا ہے شیعہ وہ شبہ کرتے ہی نہیں ہیں اسواسطے کہ وہ اس آیت میں کوئی فضیلت یا تعریف ابوبکر کی پاتے ہی نہیں ہیں تا کہ ابوبکر کو کہیں کہ وہ اپنی پہلی حالت سے پھر گئے اور ہندو اور انگریز کیا تیری طرح دیوانے اور پاگل ہیں کہ جن باتوں کو شیعہ نہ کہتے ہوں اُن باتوں کو شیعوں کی طرف منسوب کرکے اُنپر طعن کریں جیسے کہ تو جھوٹے مقدمات شیعوں کی طرف منسوب کرکے اُنپر طعن کرتا ہے اور وہ کوئی ایسی بات ہے چار دن کی نہیں ہے کہ جسکو خدا نہ جانتا ہو بلکہ جو کچھ کہ ابوبکر سے بعد اسکے وقوع میں آیا سب جانتا ہے اور ابتدا میں کی کوئی ابوبکر کی ایسی مدح اور فضیلت بھی تحریر نہیں فرمائی ہے کہ جو مخالف ہو ابوبکر کے اطوار مابعد کے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر بفرض محال حسب گفتار شیعہ نقل کفر کفر نباشد خدا کو ابوبکر صدیق کے اُن اطواروں کی جو اُن سے بعد میں ظہور میں آئی خبر نہیں بھی تھی اور بھولے چوک کے منہ سے یہ بات نکل گئی تھی تب لازم تھا کہ اپنی اس بات کی پیچ کرتا اور جو بقول ابوبکر کو راہ راست پر لاتا خدا تھا کچھ ناخدا تو نتھا کہ بادِ مخالف میں لاچار ہو کر بیٹھ رہے بندوں کو اپنی بات کی پیچ ہوتی ہے خدا تو خدا ابوبکر صدیق کے حق کی تو یوں کہا کہ ہم اسکے ساتھ ہیں اور دوسرے یوں سنادیا کہ لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ یا مَا یُبَدَّلُ الْقَوْلُ لَدَیَّ تو دونوں آیتوں کا یہی مطلب ہے کہ خدا کی بات بدلی نہیں جاتی اور پھر تسپر ابوبکر کا ساتھ چھوڑ دیا یہانتک کہ شیطان نے اُسے آدبایا یوں کہئے نعوذ باللہ خدا ساتھ تھا پر خدا سے شیطان سے مقابلہ میں کچھ نہو سکا تَعَالَی اللّٰہُ عَنْ ذٰلِکَ عُلُوًّا کَبِیْرًا بجز شیعوں کے اور کسے یہ دلیری ہے کہ ایسی بات منہ پر لاسکے یہ نہیں سمجھتے کہ اول تو ان اللہ معنا یہ ایسا جملہ ہے کہ عربی کے محاورہ کے موافق اسمیں ہمیشگی کی بو آتی ہے جو لوگ عربی جانتے ہیں اور فن بلاغت کے قواعد سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں بلکہ اتنی بات تو یقین یوں ہے مولوی عمار علی صاحب بھی جانتے ہوں دوسرے ہم نے مانا اس جملہ سے کچھ ہمیشگی نہیں نکلتی پر اتنی بات تو شیعوں کو بھی تسلیم کرنی پڑیگی کہ اُسوقت غار میں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ابوبکر صدیق اس خدا کی ہمراہی اور ہمدمی میں شریک تھے اور یہ ممکن ہی نہیں کہ رسولخدا صلعم سے خدا کبھی علیحدہ ہو گئی ہوں اور اُنکی ہمراہی اور طرفداری چھوڑ دی ہو سو ان اللہ معنا میں سو رسولخدا صلعم کا حصہ تو دائمی نکلا اس صورت میں ابوبکر صدیق کا حصہ بھی دائمی ہوگا کیونکہ دونوں کے حصے رلے ملے ہوئے ہیں بٹے ہوئے نہیں ایک مع کا لفظ دونوں کے واسطے ہے دو لفظ جدی جدی نہیں یعنی معی و معک نہیں فرمایا **اقول** خدا تعالیٰ کو ابوبکر کے سب اطوار کی پہلے ہی سے خبر تھی کہ وہ گزشتہ اور آیندہ کے حال کو جانتا ہے اور سہو اور نسیان اُسکو ہرگز نہیں ہوتا ہے اور ابوبکر کے حق میں کوئی ایسی بات بھی نہیں فرمائی ہے کہ وہ آیندہ کو ابوبکر سے افعال ناشایستہ کے صادر ہونے کو مانع یا مخالف ہو اور کوئی بات ابوبکر کی فضیلت اور مدح کی خدا تعالیٰ نے قرآن میں نہیں لکھی ہے کہ جسکو دیکھکر کہا جائے کہ ابوبکر نزدیک خدا کے ایسا تھا تو اُس سے ایسے افعال بد کیونکر وقوع میں آئے ہونگے اور خدا تعالیٰ کا کام راہ راست کا دکھانا ہے اور بھلے اور برے سے مطلع کر دینا ہے اور جبر کرنا اُسکا کام نہیں ہے اور راہ راست اُس نے سب کو بتا دی اگر ابوبکر اپنی رائے ناقص سے راہ راست کو ترک کرکے واسطے حب جاہ کے راہ بد اختیار کرے تو خدا کے ذمہ کچھ نہیں ہے اور خدا تعالیٰ نے ابوبکر کے حق میں کوئی ایسی بات نہیں فرمائی ہے کہ جسکی پچ کے واسطے ابوبکر پر جبر کرتا اور خواہ مخواہ اُسکو پہلی بات کے مطابق رکھتا اسواسطے کہ خدا تعالیٰ نے بندوں کو نیک و بد سے آگاہ کر دیا ہے اب بندہ اپنے اختیار سے چاہے راہ نیک اختیار کرے چاہے بد چنانچہ فرماتا ہے کہ مَنْ عَمِلَ صَالِحًا فَلِنَفْسِہٖ وَمَنْ اَسَآءَ فَعَلَیْھَا وَمَا رَبُّکَ بِظَلَّامٍ لِّلْعَبِیْدِ اور خدا تعالیٰ نے کسی جگہ یہ نہیں فرمایا ہے کہ ہم صرف ابوبکر کے ہمراہ ہیں خدا تعالیٰ تو یہ فرماتا ہے کہ ہم ہر بندہ کے ہمراہ ہیں چنانچہ فرماتا ہے کہ وَلَآ اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَآ اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اور فرماتا ہے کہ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَیْہِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِیْدِ اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جو فرمایا ہے تو وہ جناب رسولخدا صلعم کا قول کو نقل کیا ہے کہ وہ اپنی ہمراہی ایسا کہتے تھے سو وہ اپنی ذات کے واسطے کہتے تھے کہ ہمارے ہمراہ خدا ہے ہمکو محفوظ رکھیگا نہ ابوبکر کے واسطے البتہ بالتبع ابوبکر بھی ہے اور اگر ابوبکر کے واسطے فرماتے تو ان اللہ معک فرماتے غرض یہ ہے کہ ابوبکر کے ہمراہ ہونیکا کسیکو انکار نہیں ہے اگر اسکا انکار کیا جائے تو قرآن کا انکار کیا جائے لیکن اگر خدا ہمراہ ابوبکر کے ہے تو کیا فضیلت ہے سب بندوں کے ہمراہ ہے اور لَا تَبْدِیْلَ لِکَلِمٰتِ اللّٰہِ بھی حق ہے اور خدا کی بات بدلی نہیں جاتی اور خدا نے ساتھ ابوبکر کا ہرگز نہیں چھوڑا اور وہ ہمیشہ ابوبکر کی بلکہ سب بندوں کے ساتھ ہے اور فرمادیا ہے کہ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ لَا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ لیکن ابوبکر نے باوجود ہمراہ ہونے خدا کے شیطان کی فرمانبرداری کی اور خدا کی فرمانبرداری ترک کی اور ابوبکر کو شرم نہ آئی خدا سے اور یہ نجانا کہ ہمراہ میرے تو خدا ہے میں اُسکے سامنے ایسے افعال عمل میں نہ لاؤں اور شیطان کو کیوں بدنام کرتے ہو ابوبکر نے تو خود اپنے آپ حب جاہ اور طمع ریاست کی جہت سے ایسے افعال اختیار کئے ہیں اور شیطان تو کل کو یہ کہیگا کہ رَبَّنَا مَآ اَطْغَیْتُہٗ وَلٰکِنْ کَانَ فِیْ ضَلٰلٍۢ بَعِیْدٍ

شیطان کے مقابلہ میں خدا سے کچھ نہو سکا اور اگر یہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ بھی تو خدا تھا اور جسوقت کفار نے حضرت کے قتل کا ارادہ کیا تو کفار سے حضرت کو خدا بچا نہ سکا اور کفار کی تعدی سے وطن کے چھوڑ دینے کا حکم دیا اب یوں کہئے کہ نعوذ باللہ خدا تو ساتھ تھا پر خدا سے کفار کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا تعالی اللّٰہ عن ذٰلک علوًا کبیرًا اور حضرت زکریا اور یحیی کے ہمراہ خدا تھا اور انکو قتل کروا دیا اور کفار کے مقابلہ میں خدا سے کچھ نہو سکا کہ انکو بچا تا جو تم یہاں کہو گے وہی ہم وہاں کہینگے اور اگر شیطان کے اغوا سے یہہ خیال ابوبکر کے تھے تو ابوبکر نے خود اپنی ذات سے شیطان کی پیروی کو باوجود منع کرنے خدا کے اختیار کیا چنانچہ فرمایا خلیفہ صاحب نے کہ اِنَّ لِیْ شَیْطَانًا یَعْتَرِیْنِیْ یعنی تحقیق کہ واسطے میرے شیطان ہے ہمراہ میرے کہ آدباتا ہے وہ مجھکو اور جب شیطان موافق ارشاد خلیفہ صاحب کے خلیفہ صاحب پر غالب ہو گیا اور خدا تعالے سے شیطان کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا کہ ابوبکر پر شیطان کو غالب ہونے دیتا تو یہ بات سنیوں ہی کے مذہب میں بلکہ خلیفہ صاحب کے اعتقاد میں پائی گئی کہ خدا تعالی سے شیطان کے مقابلہ میں کچھ نہو سکا اور شیعہ تو ایسی باتوں سے بری ہیں اگر نعوذ باللہ یہ بات ہے تو اہل سنت ہی کے نزدیک ہے اور جملہ ان اللہ معنا کا بے شک ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے ہم بھی یہی کہتے ہیں لیکن معلوم نہیں اس سے مراد کیا ہے اگر یہ مراد ہے کہ خدا تعالی ہمیشہ ہمارے ہمراہ ہے تو ہمتو بے فرمانے حضرت کے بھی جانتے ہیں کہ ہمیشہ خدا تعالے ہمراہ ہے اگر یہ جملہ حضرت نفرماتے تو بھی ہم جانتے کہ خدا ہمیشہ ہمراہ ہے لیکن حضرت نے ابوبکر کی تسلی کے واسطے کہ وہ خوف کفار سے غمگین تھے اپنے زبان مبارک سے ایسا فرمایا ورنہ ہمراہ تو خدا پہلے ہی سے تھا کچھ اُسوقت کے ہمراہ ہونیکی خصوصیت نہیں ہے اور جملہ اسمیہ کے ہمیشگی پر دلالت کرنیکو تو ہم خود کہتے ہیں فن بلاغت والوں کی طرف رجوع کرنے کی کیا احتیاج ہے اور خدا تعالی کو ہمیشہ ابوبکر کے ہمراہ ہونیکو بھی کہتے ہیں لیکن اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور جناب رسول خدا صلعم نے صرف حفاظت کے واسطے ان اللہ معنا فرمایا تھا سو خدا تعالی نے محفوظ رکہا اور سوائے اسکے اور کوئی مطلب نہیں ہے اور خدا تعالی کے ہمراہ ابوبکر کے کیا بلکہ ہمراہ کل بندوں کے ہمیشہ ہونیکا کوئی منکر نہیں ہے اور بے ثبات جملہ ہمیشگی پر دلالت کرتا ہے اور اُسوقت خاص میں کیا بلکہ جمیع اوقات میں جناب رسول خدا صلعم اور ابوبکر ہمراہی اور ہمدمی خدا میں شریک تھے اور خدا تعالی جیسے کہ رسول خدا صلعم سے علیحدہ نہیں ہے ایسی ہی ابوبکر کا طرفدار ہے علی الخصوص مومنین کا کہ وقت پڑی پر انکی مدد کرتا ہے اور آفات اور بلیات سے کفار کو بھی محفوظ رکھتا ہے اور رہاں حصہ رسول خدا صلعم کا ان اللہ معنا میں باعتبار حفاظت کے بالذات ہے اور واسطے ابوبکر کے بالعرض جیسے کہ آدمی کوٹھے کے اوپر جاتا ہے تو اسکے ہمراہ اسکے بدن کے کپڑے بھی جاتے ہیں سو واسطے حضرت نے مع کا لفظ فرما کر اپنے میں ابوبکر کو شریک کر لیا اور اگر معی اور معک فرماتے تو اس سے یہ ثابت ہوتا کہ جیسے کہ حضرت کی حفاظت بالذات ملحوظ ہے ایسے ہی ابوبکر کی ہے اور ایسا ہی نہیں ہے اسواسطے کہ ابوبکر کے آزار کی تو کوئی درپے ہی نتہا کہ بالذات انکی حفاظت ملحوظ ہوتی اسواسطے معی اور معک نفرمایا اور معنا فرمایا **قال الشیخ الاشعری** ۔ تیسرے ہم اس سے بھی درگزرے ہم یوں کہتے ہیں کہ شیطان کا مقولہ سورہ ص میں یوں منقول ہے فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّهُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ یعنی شیطان قسم کہا کے کہتا ہے کہ اے اللہ مجھے قسم ہے تیری عزت کی میں سبھی بنی آدم کو بہکاؤنگا مگر جو تیری چھنٹے ہوئے بندے ہیں تو نے انہیں اپنے لئے چھانٹ لیا ہے کیونکہ وہ میری دست قدرت سے باہر ہیں تیری پناہ میں آ گئے ہیں سو چونکہ تو انکے ساتھ ہے اور وہ تیری پناہ میں ہیں وہاں میرا کچھ قابو نہیں چل سکتا اور سورہ حجر میں اِلَّا عِبَادَکَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِیْنَ کے بعد بطور تصدیق کے شیطان کے مقولہ کے جواب میں خداوند کریم کی طرف سے یوں ارشاد ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْهِمْ سُلْطَانٌ یعنے شیطان کو کہا جاتا ہے کہ تو اس بات میں سچا ہے جو میری پناہ میں آ گئے ہیں ان پر تیرا بس نہیں چل سکتا اب بعد اسکے غور فرمائے کہ حضرت ابوبکر صدیق کا پناہ خداوندی میں آ جانا تو اس آیت ہی سے ثابت ہے ان اللہ معنا سے صاف اتنی بات ثابت ہوتی ہے کہ ایکدفعہ تو صدیق اکبر پناہ خداوندی میں آ گئے اور خدا کے دربار میں اور سرحد میں گویا داخل ہو گئے پھر وہاں سے جو نکلے تو شیطان کے نکالے تو نکل ہی نہیں سکتے اور کس نے نکالا اور اگر یوں کہئے کہ خدا ہی نے اپنی پناہ سے نکال دیا تو یہہ خیال خود غلط ہے کیونکہ خداوند کریم ارشاد فرماتا ہے اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ یعنی اللہ تعالی اپنی راہ و رسم کو کسی قوم کے ساتھ جب تک نہیں بدلتا جبتک کہ وہ اپنے طور انداز نہ بدلدیں اور خود حضرت ابوبکر صدیق نے اغوای شیطانی اور بے استدراج خداوندی اپنی روش بدل لیں یہ محالات میں سے ہے اسواسطے کہ یہ بدیہیات میں سے ہے بلکہ اظہر من الشمس ہے کہ ہر قسم کے کام کے لئے ایک استعداد ہے داد و دہش کے لئے سخاوت کرنی چاہئے مارنے کے لئے شجاعت چاہئے سو ایسی ہی بُرے کاموں اور گناہ کی باتوں کے لئے بھی ایک استعداد اور قابلیت چاہئے سو وہ قابلیت اگر تھی تو خدا نے چھانٹا ہی تہا کس خوبی پر نعوذ باللہ خود کلام ربانی ہی میں موجود ہے اَلْخَبِیْثَاتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثَاتِ وَالطَّیِّبَاتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبَاتِ یعنی بری چیزیں بروں کے لئے اور برے بری چیزوں کے لئے اور اچھی چیزیں اچھوں کے لئے اور اچھے اچھی چیزوں کے لئے بلکہ اس موقع میں جو یوں ارشاد ہوا اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا یعنے اللہ ہماری ساتھ ہے اس سے یہ ثابت ہو گیا کہ اللہ اُن سے جدا نہو گا سو وجہ اسکی یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ یعنی اللہ مومنوں کے ساتھ ہے بعد لفظ تحزن کے فرمانے

تو یہ بھی گمان ہوتا کہ اللہ کی ہمراہی ایمان کے ساتھ مشروط تھی جب ایمان گیا ہمراہی بھی ساتھ گئی اور درصورتیکہ بے کسی شرط کے ہمراہی ہو تو وہ دائمی ہوگی اُس میں زوال کا احتمال نہیں قرابت کی وجہ سے جو ارتباط ہوتا ہے وہ قابل زوال نہیں ہوتا اور آپس کی دوستی میں جو بوجہ اخلاق اور احسانات باہمدگر ہی کے ہوتے ہیں وہ جبھی تک رہتے ہیں کہ اخلاق اور احسان باقی رہیں اسیواسطے دوستی ٹوٹ جاتی ہے رشتہ نسبی نہیں ٹوٹتا القصہ نسب کے حقوق جان کے ساتھ ہوتے ہیں اور دوستی کے حقوق احسان کے ساتھ سو چونکہ ان اللہ معنا فرمایا ہے اور ان اللہ مع المومنین وغیرہ جو کسی صفت پر دلالت کرے نہیں فرمایا تو معلوم ہوا کہ ابوبکر کے ساتھ خدا تعالیٰ کی ہمراہی جان کے ساتھ ہے کسی وصف کے ساتھ نہیں پھر اگر خدا کی ہمراہی بدلجائے تو موافق آیت مذکورہ بالا اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ الآیۃ کے کسی وصف میں تغیر آنا ضرور ہے اور جب اوصاف کے تغیر اور تبدل پر معیت اور ہمراہی میں بھی تغیر آیا تو معلوم ہوا کہ وہ معیت اور ہمراہی اُن اوصاف ہی کے سبب تھی بوجہ تھی اس صورت میں لازم آویگا کہ خدا سے بڑی چوک ہوئی کہ آیت میں صفت کا نام نلیا یا خداوند کریم بھول گیا اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ کی جگہہ مثلاً اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا فرمایا نعوذ باللہ من سوء الفہم خداوند کریم اور چوک جاے یا بھول جائے خدا کی تو یہ شان ہے جیسے کلام اللہ میں آیا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میرا رب چوکے نہ بھولے **اقول** یہ شیطان کا مقولہ جو سورہ ص میں ہے فَبِعِزَّتِکَ لَاُغْوِیَنَّہُمْ اَجْمَعِیْنَ اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ اسکا کون منکر ہے اور جو کچھ شیطان نے کہا کہ قسم ہے تیری عزت کی میں سبھی بنی آدم کو بہکاؤنگا مگر جو تیری چھنٹے ہوئے بندے ہیں کہ تو نے انہیں اپنے لئے چھانٹ لیا ہے اُنکو نہ بہکا سکونگا کیونکہ وہ میری دست قدرت سے باہر ہیں وہ تیری پناہ میں آگئی ہیں سو چونکہ تو اُنکے ساتھ ہے اور وہ تیری پناہ میں ہیں وہاں میرا کچھہ قابو نہیں چل سکتا اور شیطان کے مقولہ کے جواب میں جو کچھہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ عِبَادِیْ لَیْسَ لَکَ عَلَیْہِمْ سُلْطَانٌ یہ سب سچ ہے اور ابوبکر کا پناہ خدا میں ہونا ایک دفعہ کیا بلکہ ہمیشہ کو ثابت ہے کہ تمام بندے اسکے کیا مومن کیا کافر سب اُسکی ہی پناہ میں ہیں اور وہ ہی سب کو ہر ایک بلا سے محفوظ رکہتا ہے ایک سفر دریا ہے کہ اُس میں طرح طرح کے خطرات ہیں اور لاکہہ من کے بار کو جہاز اپنی قدرت سے خدا تعالیٰ لیے جاتا ہے اور منزل مقصود پر پہنچا دیتا ہے اب تبلاؤ کہ اُنکو آفات دریائی سے کون بچاتا ہے سوا خدا کے کوئی اور بھی ہے سو سب بندے خدا کی پناہ میں ہیں سو مومن بھی اور کافر بھی اور ابوبکر کی پناہِ خدا میں ہونے کی کچھہ خصوصیت نہیں ہے اور جناب رسول خدا نے جو فرمایا تہا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا ابوبکر کی تسلی کے واسطے فرمایا اگر کوئی کافر حضرت کا دوست حضرت کے ہمراہ ہوتا اور کفار کے خوف سے رنج کرتا تو حضرت اُسکی تسلی کے واسطے بھی ان اللہ معنا فرماتے اور خالی معیت سے خدا کی کون ہے اور پناہ خداوندی میں ابوبکر ہمیشہ ہی سے ہیں جیسے کہ اور بندے ہیں اور پناہ خدا میں ہونیکو یہ لازم نہیں ہے کہ انسے افعال بد صادر نہوں اکثر بندوں سے افعال بد صادر ہوتے ہیں باوجودیکہ وہ پناہ خدا میں ہیں اور مقصود آیت اِلَّا عِبَادَکَ مِنْہُمُ الْمُخْلَصِیْنَ سے یہ ہے کہ جو کہ بندگان مخلص تیرے ہیں وہ میرے اغوا سے گمراہ نہونگے اور وہ میرا کہنا نہ مانینگے اور یہ مطلب اس آیت سے نہیں ہے کہ وہ تیری پناہ میں آگئے ہیں پناہ میں اُسکے تو سب بندے اُسکے ہیں ہمیشہ سے اور اگر سب بندے خدا کی پناہ میں نہوں تو توام اجنہ ہی اُنکو ہلاک کر ڈالیں اور ابوبکر بندگان مخلصین میں نہ تھے کہ شیطان کے کہنے میں آتے بلکہ وہ خود کہتے ہیں اِنَّ لِیْ شَیْطَانًا یَعْتَرِیْنِیْ یعنی تحقیق واسطے میرے شیطان ہے کہ آ دباتا ہے وہ مجھکو اور جناب رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تہا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اُس سے مراد یہ تھی کہ ہمارے ہمراہ خدا ہے اور ہم اُسکی پناہ میں ہیں وہ ہمکو ان کفار کی تہمت سے محفوظ رکہیگا اور یہ فقرہ اسبات پر دلالت نہیں کرتا ہے کہ خدا تعالیٰ ہمراہ ہوتا تو افعال بد صادر نہیں ہوتے اسکو اس کیا تعلق ہے اور خدا کی پناہ میں سے نکل جانیکو کوئی بھی نہیں کہتا ہے اور اگر ابوبکر افعال بد کریں تو کچھہ محال ہی نہیں ہے اور مثل سب بندوں غیر معصوم کے ایک وہ بھی تھے کہ جن سے افعال ناشایستہ صادر ہوتے تھے وہ بسبب حب جاہ و ریاست کے خود ابوبکر نے ایسا ہی کیا اور قابلیت ابوبکر میں مراد استعداد ہر ایک فعل نیک و بد کی صادر ہونیکی تھی اس سے خالی نہ تھی مثل اور بندوں کے اور افعال نیک و بد دونو صادر ہوتے تھے وہ خدا نے ابوبکر کو جانا تہا ہرگز نتھا اور وہ بندگان مخلصین میں سے تھے بلکہ ایسے بشر تھے کہ اُنسے نیکی اور بدی دونو صادر ہوتی تھی اور ابوبکر طیبین میں سے ہرگز نتھے کہ بُری باتیں اُنسے صادر نہوتیں اور ان اللہ معنا کا حکم کلمہ ہرگز ہرگز اسپر دلالت نہیں کرتا ہے کہ ابوبکر کے ہمراہ اگر خدا ہوا تو اُس سے کوئی بدی ہی صادر نہوا اور ہمراہ تو خدا تعالیٰ سب کے ہے اور معیت سے اُسکی خالی کوئی بشر نہیں ہے مگر معیتوں میں فرق ہے جس جگہہ کہ فرمایا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا اور وہ مقام خوف ہے تو وہاں مراد ہمراہی خدا سے حفاظت اُسکی ہے اور جس جگہہ قرآن میں فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ چنانچہ بدر کی لڑائی کے ذکر میں ہے وہاں ہمراہی خدا سے نصرت خدا کی ہے مومنین کے واسطے و علی ہذا القیاس اور مراد اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ سے یہ مراد نہیں ہے کہ ایمان کی جہت سے خدا تعالیٰ اُنکے ہمراہ ہے بلکہ ہمراہ تو وہ سب کے ہے ایمان رکہتا ہو یا نہ رکہتا ہو اور ہمراہی بھی سب کے ساتھ دائمی ہے جیسا کہ ہم لکھہ چکے اور ہمراہی خدا کی کسی وصف کی جہت سے نہیں بلکہ مطلق ہے اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ تو قول خدا ہے اور اِنَّ اللّٰہَ مَعَنَا جناب رسول خدا صلعم کے قول کی نقل ہے کہ واسطے تسلی ابوبکر کے حضرت نے فرمایا تہا جسوقت وہ مارے جانیکے خوف سے رنج کرتے تھے اور تسلیم کیا ہمنے کہ ہمراہی خدا کی ابوبکر کی جان کے ساتھ ہے کسی صفت کے ساتھ نہیں ہے لیکن سب کی ہمراہی جان کے ساتھ ہے مگر فرق یہ ہے کہ مومنین کی ہمراہی

[illegible] نصرت کے واسطے ہوتی ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ ان اللہ معنا یہ ہمراہی واسطے حفاظت کے تھی سو خدا نے محفوظ رکہا اور حفاظت کے ذکر کی کچھ احتیاج نہتی قرینہ اُسپر دلالت کرتا تھا اور معیت خدا کی اوصاف کی جہت سے نہیں ہے کہ اوصاف کے تغیر سے ہمراہی میں اُسکی تغیر آوے اور مقصود ان اللہ معنا اور ان اللہ مع المومنین سے دونوں سے ایک ہے کہ وہ حفاظت اور نصرت مومنین کی ہے اور ابوبکر کی حفاظت یا نصرت ان اللہ معنا میں بالذات ملحوظ ہی نہیں ہے اسواسطے کہ اُنکا تو خواہاں ہے کوئی نتہا اور حفاظت ابوبکر کی جو ہوئی ہے وہ ہمراہی میں رسول خدا کی بالتبع ہوگئی ہے اور جو کہ اصل معیت خدا کی ہے اُس میں تو کسی طرح سے تغیر نہیں ہوتا ہے اور وہ ہمیشہ اپنے بندوں کے ہمراہ ہوتا ہے اس صورت میں تو خدا تعالی کی کوئی ہول ورچوک مفہوم نہیں ہو سکتی تو ہی وہ بات ایجاد کرتا ہے کہ جس سے خدا تعالے کی ہول متصور ہو اور جو کچھ تو بیان کرتا ہے اُسکا کوئی قائل ہی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** انصاف اگر ہو تو اس لفظ معنا سے یوں سمجھ میں آتا ہے کہ ابوبکر صدیق کا رتبہ کچھ لگ بہگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رتبہ کے ہے کہ جو ایک قسم کی معیت اُن دونوں کے واسطے خداوند کریم نے بیان فرمائی سو یہہ بات بجز اسکے نہیں ہو سکتی کہ صدیق اکبر اُنکو کہا جاوے اور تمام اُمت محمدی اور سوا اسکے اور امتہای ماضیہ سے اُنکو افضل سمجھا جاوے جب کہیں رتبہ اور مقام کی سرحد اعلے مقام نبوت کی سرحد اسفل سے متصل ہو اور یہ لیاقت بہم پہنچے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بات میں شریک ہوں سو یہ بات شیعہ سنی جانتے ہیں کہ ایسا مقام جو مقام نبوت سے متصل ہو بجز صدیقیت اور کوئی نہیں کیونکہ کلام اللہ میں بعد انبیاء کے صدیقین ہی کو ذکر کرتے ہیں سو اس سے معلوم ہوا کہ ہر نبی کی اُمت کے صدیق اکبر کا رتبہ اُس نبی کے رتبہ کے متصل ہی نیچے ہوتا ہے سو جبکہ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت تو اور نبیوں کی نبوت سے بالاتر ہے تو ہر اُمت کے صدیق اکبر کا رتبہ اپنی اُمت کے صدیقوں کے مرتبہ سے تو بڑہ کر ہی ہے اور اُمتوں کی صدیقوں کے مرتبہ سے بھی بالاتر ہوگا اب بس کیجئے کہ منصفوں کے لئے یہ بہی بہت ہے اور متعصبوں کو خداوند کریم اگر سمجھائے تو شاید مانیں ہم جیسوں کی کاہیکو مانینگے مگر ہمیں بطور نصیحت اسقدر کہنا لازم ہے کہ خداوند کریم جسکے ساتھہ ہوتا ہے اُسکی دشمنوں کی خیر نہیں ہوتی **اقول** کیا خوب جہ معقول اس شیخ نے پیدا کی ہے ابوبکر کے مساوی رسول خدا صلعم کے ہونے کی مرتبہ میں مگر کچھہ ایسی کم کہ حضرت کے مرتبہ کے قریب ہے مرتبہ ابوبکر کا سو یہہ لوگ ڈرتے ڈرتے اسقدر رکہتے ہیں اگر اُنکو خلقت کی ملامت اور طعن کرنیکا اندیشہ نہو تو یہہ تو ابوبکر کو کیا بلکہ عمر اور عثمان اور معاویہ وغیرہ کو سبکو خدا تعالی کے مرتبہ کے لگ بہگ کہدیں چنانچہ بایزید بسطامی اور منصور حلاج کہ اہل سنت کی اولیاء کبار میں سے ہیں اپنی تئیں خدا کہتے ہی تہے چنانچہ بعد اُسکے ہم خط کے جواب کے رد میں لکھینگے اور دلیل اُسکی معیت خدا بیان کی ہے اور خدا تعالی تو مومنین کے بہی ہمراہ ہے چنانچہ فرماتا ہے اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ اور رسول خدا بہی مومنین میں داخل ہیں اور ایک ہی قسم کی معیت رسول خدا اور مومنین کے واسطے ہے تو اس صورت میں چاہئے کہ سب مومنین رسول خدا کے مرتبہ کے لگ بہگ ہوں بلکہ چاہئے کہ سب آدمی مومن اور کافر رسول خدا صلعم کے مرتبہ کے لگ بہگ ہوں اسواسطے کہ خدا تعالی قرآن میں سب آدمیونکے ساتھہ اپنی معیت کو بیان کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے کہ وَلَا اَدْنٰی مِنْ ذٰلِکَ وَلَا اَکْثَرَ اِلَّا ھُوَ مَعَھُمْ اور اس دلیل سے چاہئے کہ سب آدمی صدیق اکبر ہو جائیں ابوبکر کی خصوصیت کہاں سے نکلی اور قرآن سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کوئی خدا پر اور پیغمبروں پر ایمان لایا وہ ہی صدیق ہے چنانچہ فرماتا ہے وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرُسُلِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصِّدِّیْقُوْنَ وَالشُّھَدَآءُ عِنْدَ رَبِّھِمْ یعنے اور جو لوگ کہ ایمان لائے خدا پر اور پیغمبروں پر وہ ہی لوگ صدیقین اور شہدا ہیں نزدیک پروردگار اپنے کے کہ صدیقین کا سا مرتبہ اُنکا ہے اور اُنکا سا ثواب پاتے ہیں اور روایتوں سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جو کہ صدیقین ہیں وہ تین شخص ہیں خرقیل مومن آل فرعون اور حبیب نجار صاحب یسین اور علی ابن ابیطالب کہ یہ صدیق اکبر ہیں چنانچہ اہل سنت کی ہی کتابوں میں لکہا ہے[1] کہ حضرت علی نے فرمایا کہ میں ہوں صدیق اکبر اور فاروق اعظم معلوم نہیں ابوبکر کیسے صدیق ہو گئے بلکہ آیت اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُؤْمِنِیْنَ سے تو ابوبکر کا عدم ایمان ثابت ہوتا ہے اسواسطے کہ مراد مومنین کے ہمراہ ہونے سے نصرت مومنین کی ہے کہ خدا ناصر اور مددگار اُنکا ہوتا ہے چنانچہ جنگ بدر کے قصہ میں فرمایا ہے اور خدا تعالی نے جہادوں میں نصرت ابوبکر کی نکی خیبر میں افسر بنکر گئے تہے اور وہاں سے بہاگ کر چلے آئے لیکن خدا تعالی نے نصرت اُنکی نکی اگر مومن ہوتے تو نصرت اُنکی کرتا اور مرتبہ صدیق کا تو بہت اعلے ہوتا ہے کہ وہ زاہد ہوتے ہیں اور دنیا سے اور مال دنیا سے اُنکو محبت نہیں ہوتی بلکہ دنیا سے نفرت ہوتی ہے اور ابوبکر ایک دنیادار آدمی طالب اور راغب زر تہے چنانچہ خدا تعالی اُنکے حق میں فرماتا ہے تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا یعنے چاہتے ہو تم مال دنیا کو اور وجہ ابوبکر کی اور اُنکے ہمراہیوں کے حق میں اس آیت کے نازل ہونیکی یہ ہے کہ جنگ بدر میں کفار اسیر ہوکر آئے تو جناب رسول خدا صلعم نے شورہ کیا کہ اُنکے حق میں کیا کرنا چاہئے کسی نے تو کچھہ کہا اور کسی نے کچھہ کہا اور عمر جو بڑی فظ غلیظ اور تند خو اور سنگدل تہے اُنہوں نے کہا کہ اُنکو قتل کرو اور ابوبکر نے شورہ دیا کہ اُنسے فدیہ لیکر چھوڑ دو کہ مال فدیہ کا مومنین کے کام آئیگا خدا تعالی کو یہ بات پسند نہ آئی اور ناراض ہوکر یہ آیت نازل کی سو کہاں تو مرتبہ صدیق ہونیکا اور کہاں ابوبکر طالب مال دنیا اور جسوقت ابوبکر صدیق نہ ٹہیرے تو کسی سے

[1] اور دیلمی اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے

افضل نہیں ہو سکتی نہ اُمت محمدی سے نہ اور اُمتوں سے اور کیونکر افضل ہو وہ شخص کہ جس نے سالہا سال بت پرستی کی ہو حالت کفر میں اُن لوگوں سے کہ جنہوں نے طرفۃ العین بت پرستی نکی ہو اور صدیقیت گو مقام نبوت کے متصل ہے لیکن ابو بکر کا صدیق ہونا ثابت کرو تب ایسا کلمہ زبان پر لاؤ اور معیت خدا کو صدیق ہونا لازم نہیں ہے کہ خدا تعالی سب مومنین کے بلکہ کل آدمیوں کے ہمراہ ہے اور صدیق اکبر ہونا تو ایک امر عظیم ہے پہلے ادنی صدیق ہونا تو ثابت کرلو اور اہل سنت جو ابو بکر کو صدیق کہتے ہیں تو اس جہت سے کہتے ہیں کہ اُنہوں نے سب سے پہلے حضرت کے معراج کی تصدیق کی تہی سو یہ امر تو صدیق کہنے کو کچھ مناسبت بھی رکہتا ہے اگر وقوع میں آیا ہو لیکن یہ شیخ معلوم نہیں معیت کے سبب سے کس وجہ صدیق رکہتا ہے اور اُس میں تصدیق کس امر کی ہوئی تہی اور جو کچھ لکہا ہے انصاف سے نہایت بعید ہے کہ اپنی رائے ناقص سے غیر واقعی اُمور تحریر کئے ہیں اسکو کون پسند کریگا اور جو کوئی پسند کریگا وہ بہی نا انصاف ہے اور تیری بات تو اُسوقت تسلیم کی جائے کہ جسوقت تو انصاف کی بات کہے اور جسوقت تو بیراہ چلے تو کون پسند کرے اور خدا تعالی ہمراہ تو سب کے ہے لیکن ہمراہی کے مقام کو دیکہنا چاہئے جس جگہہ کہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِيْنَ فرمایا ہے وہاں مراد یہ ہے کہ واسطے نصرت کے ہمراہ ہے اور جس جگہہ کہ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ فرمایا ہے اُس سے مراد یہ ہے کہ اُنسے راضی ہے اور اُنکے اعمال کو پسند کرتا ہے اور جناب رسول صلعم نے جو فرمایا لاتحزن ان اللہ معنا وہاں مراد یہ ہے کہ خدا تعالی واسطے حفاظت کے ہمراہ ہمارے ہے اور ہمراہ تو سب کے ہوتا ہے خصوصیت کسیکی نہیں ہے اور اگر تیرے نزدیک یہی ہے کہ جسکے ہمراہ خدا ہوتا ہے اُسکے دشمنوں کی خبر نہیں ہے سو خدا تو سب آدمیوں کے ہمراہ ہے اور دشمن اُنکا شیطان ہے اسکی خبر نہوگی اور اگر ان اللہ معنا سے ہمراہی مراد ہے تو وہاں سے لئے ہمراہی مقصود تہی حضرت کی حفاظت کے واسطے اور ابو بکر کی ہمراہی بالتبع ہے نہ بالذات اور ابو بکر نے باوجود ہمراہ ہونے خدا کے ایسے افعال ناشایستہ کئے کہ دشمنی اُنکی واجب ہوئی اُس سے معلوم ہوا کہ اگرچہ خدا ابو بکر کے ہمراہ تہا اسو سطے کہ خدا سب کے ہمراہ ہوتا ہے لیکن وہ ہمراہی ابو بکر کی ہمراہ ایسی نہ تہی کہ جس سے کچھ فائدہ ہوا اور غار میں جو محفوظ رہے تو رسول خدا صلعم کے طفیل سے کہ بالذات ہمراہی جناب رسول خدا صلعم کے واسطے تہی نہ ابو بکر کے واسطے ابو بکر کی حفاظت تو رسول خدا کی حفاظت کی تبعیت سے تہی **قال الشیخ الاشعری** اسکے بعد کوئی کہیگا تو یہی کہیگا کہ لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا حقیقت میں خدا کا مقولہ نہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مقولہ ہے خداوند کریم ناقل ور راوی ہے کچھہ اپنی طرف سے نہیں فرماتے جو کچھہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے اُسوقت صادر ہوا اُسے بعینہ نقل کر دیا جیسے فرعون کا انا ربکم الاعلی کہنا یعنی میں تمہارا بڑا رب ہوں یا ابلیس کا انا خیر منہ کہنا یعنی میں آدم سے بہتر ہوں بعینہ نقل کر دیا ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند رسول ہیں لیکن یہہ بہی انسان ہیں اور یہ مثل مشہور ہے الانسان مرکب من الخطاء والنسیان سو اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ غلطی ہوگئی ہو تو کیا بعید ہے جواب اسکا یہ ہے کہ واقعی شیعوں کے لئے یہ بات بڑی ہی افتخار کی لازم تو یوں ہے کہ عید با شجاع سے اسکی خوشی کم نہو اگرچہ کسی سُنی کی تبلائی سہی مطلب کے وقت تو گدہے کو بہی باپ بنا لیا کرتے ہیں سنی تو اُنکے قدیمی اُستاد ہیں اُستاد ہی کون سے جن سے کلام اللہ سیکہا ہے جسکا رتبہ حقیقی باپ سے بہی بڑہ کر ہے یہ بات بہی اگر اُن سے سیکہ لے تو کیا مضایقہ ہے مگر اتنا کہنا میرا بہی ماننا چاہئے کہ سورۂ نجم کو ساری نہیں تو اتنے ہی کلمہ کو ساقط کر دو وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى یعنی ہمارا پیغمبر جو کچھہ ہمارے حوالے سے کہے ہے وہ کچھہ اپنی جیب سے نہیں اٹہا لیتا بلکہ وہ نری وحی ہے اُس میں کسی طرح کا لگاؤ نہیں نہ کچھہ دخل فصل ہے نہ وہم کا یا عقل کا کچھہ دخل ہے **اقول** کلمہ ان اللہ معنا اگرچہ قول رسول خدا کا ہے اور لیکن خدا تعالی نے قرآن میں اپنی طرف سے بیان نہیں کیا ہے بلکہ یہ قول رسول خدا صلعم کا قرآن میں نقل کر دیا ہے لیکن جو ارشاد رسول خدا صلعم کا ہے وہ سب خدا تعالی کی طرف سے ہے شیعوں کے نزدیک اور نہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے غلطی ہوتی ہے اور نہ ذات پاک حضرت کی مرکب خطا اور نسیان سے ہے اور جو کچھہ ہے وہ اہل سنت کے نزدیک ہے کہ حضرت حوا اور موسی سے فرماتے ہی ہیں اور نہ قول حضرت کا قول خدا کا ہے مواقف میں اور شرح مواقف میں لکہا ہے کہ صدور کذب کا انبیا سے بسبیل سہو و نسیان اختلافی ہے اور قاضی ابو بکر نے حکم جواز کا دیا ہے اور قاضی ابو بکر متکلمان علماء اہل سنت میں سے ہے اور اس صورت میں جایز ہے کہ جو کچھہ رسول خدا صلعم نے خبر دی ہو وہ سہواور خطا خلاف واقع کے غلط فرمایا ہو اور بعد اسکے لکہا ہے کہ صدور کبائر کا سہواً یا خطائی التاویل اکثر علما نے اسکو تجویز کیا ہے انبیا پر اور بعد اسکے لکہا ہے کہ صغائر خسیسہ کو جمہور علما نے انبیا پر تجویز کیا ہے از روی عمد کی اور یہ تو ذکر حالت نبوت کا ہے اور قبل نبوت کو لکہتے ہیں کہ اکثر اصحاب ہمارے اور ایک جماعت معتزلہ صدور کبائر کو انبیا سے جائز رکہتے ہیں اور جواز صدور کبائر کو انبیا سے عمداً اور سہواً قبل نبوت امام فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں اور شارح مقاصد اور قاضی بیضاوی اور سوای انکے بہت سے علما لکہتے ہیں اس صورت میں ہو سکتا ہے کہ اگر انبیا نے قبل نبوت خوب شرابیں پی ہوں اور زنا محرمات کئے ہوں اور کذب اور دروغ کو اختیار کیا ہو تو کچھہ مضایقہ نہیں ہے لیکن ایسے بدکاروں کی رسالت کو لوگوں نے کیونکر قبول کیا ہوگا اور گناہ کبائر تو کیا امام غزالی نے منخول میں لکہا ہے کہ جائز ہے کہ خدا کافر کو پیغمبر کرکے بہیجے اور معجزات سے اُسکی تائید کرے سو یہ سب اہل سنت کے نزدیک ہے اور شیعہ ایسے عقیدہ باطلہ سے بری ہیں اور انبیاء کو قبل نبوت اور بعد نبوت کذب اور غلطی سے عمداً اور سہواً اور جمیع کبائر اور صغائر سے پاک اور معصوم جانتے ہیں اور رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حکم کو شیعہ تو حکم خدا ہی سمجہتے ہیں لیکن اہل سنت حضرت کے حکم کو حکم خدا

نہیں جانتے چنانچہ رسول خدا صلعم نے مرض الموت میں فرمایا کہ مجھکو دوات وقلم اور کاغذ دو کہ میں تمکو ایک نوشتہ لکھکر دیدوں کہ بعد میرے تم گمراہ نہو اگر نوشتہ پر عمل کرو عمر نے اُسکے جواب میں کہا کہ یہہ سر دبیماری میں بکتا ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور اسکی نوشتہ کی کچھہ احتیاج نہیں ہے اور حکم رسولخدا کو عمر نے حق تعالیٰ کا حکم نجانا اور آیت ماینطق عن الہویٰ الخ اسپر دلالت کرتی ہے کہ رسولخدا جو کچھہ حکم کرتے ہیں وہ وحی خدا سے ہے اسکو عمر نے رد کیا اور یہ لوگ عمر کی رعایت سے اُس آیت مذکورہ میں تاویلیں کرنے لگے چنانچہ ذکر اسکا بعد اسکے انشاءالله تعالیٰ مفصل آئیگا سو یہہ امر کہ جو حکم رسول خدا ہے وہ وحی ربانی ہے یہ شیعوں کے نزدیک ہے اور سنیوں کے نزدیک نہیں ہے اور اہل سنت ہی کے لئے یہ بات مایۂ افتخار ہے لازم تو یوں ہے کہ وہ عمر کے شور کی خوشی اسکی خوشی سے کم نہو اور عید بابا شجاع کی خوشی کو جو لکھا ہے تو شیعہ کیونکر خوش نہوں اُس روز کہ انکی پیغمبر کی اہل بیت کا دشمن اور انکے حقوق کا غصب کرنیوالا اور اُمت محمدی کو گمراہی میں ڈالنیوالا اگیا اور اہل سنت تو اُستاد شیعوں کے کاہیکو ہو سکتے ہیں اور شیعہ انکی پیروی کاہیکو کرینگے کہ اہل سنت تو بالکل گمراہ ہیں اور گمراہوں کی ہی پیروی کرتے ہیں اور ایسے گدہوں اور جاہلوں کو اپنا پیشوا اور مقتدا بنایا ہے اور باپ سے زیادہ انکی بزرگی کرتے ہیں کہ قیامت کے روز اپنے عقیدہ باطلہ کے طفیل بہت نادم اور پشیمان ہوں گے اور سنیوں سے شیعوں نے کلام الله کیوں سکہا تہا عثمان نے جو کلام الله کہ رائج تہی اپنی حکومت کے زور سے جلوا دئیے اور قرآن ناقص جمع کیا اور لوگوں کے سینوں سے آیات کو نکلوا ڈالا اور اپنا ہی قرآن باقی رکہا تو اب شیعہ کیا کرتے بجز اسکے کہ عثمان کے قرآن سے لیویں اور اگر اب کسی کافر کے پاس قرآن ہو اور اپنے پاس نہو تو کیا اُس کافر سے قرآن لیکر اُس پر عمل نکرینگے اور اس آیت وَمَا يَنطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ کا جو تو نے ترجمہ کیا ہے اُس میں اپنی طرف سے اُسکے معنے میں تحریف کی ہے اور اُس آیت میں یہ کہاں ہے کہ پیغمبر ہمارے حوالہ سے کہے اسمیں تو یہ ہے کہ جو کچھہ پیغمبر گویا ہوتا ہے اور کہتا ہے وہ وحی کے سوا اور کچھہ نہیں ہے اور ہمارا حوالہ تو نے کہاں سے نکالا ہے قرآن کی آیت میں تو یہہ نہیں ہے اور رسول خدا صلعم نے جو لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا فرمایا ہے وہ خدا کے حوالہ سے کہاں ہے کہ خدا نے ایسا فرمایا ہے وہ تو حضرت اپنی طرف سے کہتے ہیں کہ خدا ہمارے ہمراہ ہے اس صورت میں تیرا دعوی جو خلاف عقیدہ اہل سنت کے یہ تہا کہ پیغمبر خدا جو کہتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے اس قول میں سو دعوی تیرا جیسے کہ تہا باطل ہوا اسواسطے کہ پیغمبر خدا نے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللَّهَ مَعَنَا کو خدا کے حوالہ سے نہیں فرمایا ہے **قال الشیخ الاشعری** خلیفہ ثالث نے امیر المومنین علی مرتضیٰ یعنی رسول خدا صلی الله علیہ وسلم کے فضائل کے کلمات اور آیات کیا سورتیں کی سورتیں جو خلافت پر دلالت کرتی تہیں کلام الله سے نکالڈالیں تم اُسکی پاداش میں ایک آیت جو فی الجملہ اثبات فضیلت خلیفہ اول میں کارآمد ہے اگر نکالڈالو تو از قبیل جَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا ہوگی بلکہ اُس سے بہی کم کیونکہ اس آیت کے معنے تو فقط اتنے ہی ہیں کہ بدی کا بدلہ ویسی ہی بدی ہے سو یہاں برابری کیا آدہوں آدہ کے بہی نسبت نہیں تقریباً گیارہ ہزار آیت کے بدلہ میں تو ایک آیت کو کون برابر کریگا اور بیہودہ ہی ایسے کہ اُسکے جاتے رہنے سے کوئی حق تلف نہیں ہوتا خلیفہ ثالث نے تو یہ کمال کیا کہ اتنی آیتیں بہی نکالدیں اور آیتوں کو نکالکر عوام کی آنکھوں میں حضرت علی کا حق بہی نرکہا خیر یہ بات تو دور جا پڑی حاصل یہہ ہے کہ وَمَا يَنطِقُ الخ صاف اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ رسول الله صلی الله علیہ وسلم کا کہا خدا ہی کا کہا ہے خاصکر ایسی بات کہ جو منجملہ اخبار غیب ہے کیونکہ معیت تو کچھہ آنکھوں سے نظر نہیں آتی بلکہ اخبار غیب میں سے بہی اول قسم اس لئے کہ ان الله معنا ہمسنگ آیات متشابہات ہے ان میں عقل کو کسیطرح دخل نہیں ہو سکتا جو کوئی یوں نہیں کہے کہ عقل کے وسیلہ سے بہت سی وقائع آیندہ کی اطلاع ہو جاتی ہے خسوف کسوف اکثر واقفان علم ہیئت کو معلوم ہو جاتے ہیں سو اگر ایک واقعہ بالفعل کے کچھہ اطلاع عقل کے وسیلہ سے ہو گئی ہو کیا عجب ہاں اگر کوئی حکم حلت حرمت کا ہوتا تو البتہ اُس میں اجتہاد کے گنجایش تہی احتمال ہو سکتا تہا کہ جیسے پچھلے اماموں نے اجتہاد کئے ہیں اگر کسی بات میں رسول الله صلی الله علیہ وسلم نے بہی کیا ہو تو کیا عجب ہے چنانچہ سنی اجتہاد نبی کے قائل ہیں **اقول** حضرت علی کے فضائل کے آیتوں کے نکالڈالنے کو کچھہ شیعہ تنہا ہی نہیں کہتے ہیں بلکہ علماء اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں چنانچہ جلال الدین سیوطی نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے ابن مسعود کہتے ہیں کہ آیہ يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ کو زمانہ رسولخدا صلعم میں اسطرح پڑہا کرتے تہے يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ إِنَّ عَلِيًّا مَوْلَى الْمُؤْمِنِينَ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ اس آیت میں سے ان علیا مولی المومنین کو جو کہ حضرت علی کے خلافت اور فضیلت پر دلالت کرتا تہا نکالڈالا اور یہی مرزا محمد بن معتمد خاں بدخشی نے مفتاح النجا میں لکہا ہے اور تفسیر درمنثور اور معارج النبوت میں لکہا ہے اور ابن مسعود سے روایت کی ہے کہ آیت کفی الله المومنین القتال اس طرح سے تہا کہ كَفَى اللَّهُ الْمُؤْمِنِينَ الْقِتَالَ بِعَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ وَكَانَ اللَّهُ عَزِيزًا حَكِيمًا اس میں سے بعلی بن ابی طالب کو نکالڈالا کہ اس میں بڑی فضیلت و منقبت تہی علی کی اور ثعلبی نے اپنی تفسیر میں لکہا ہے کہ ابن مسعود کے مصحف میں آیت ان الله اصطفے آدم و نوحا اسطرح سے تہا کہ إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ وَآلَ مُحَمَّدٍ عَلَى الْعَالَمِينَ اس آیت میں سے آل محمد کو نکالڈالا اسی طرح سے اکثر آیتیں نکالڈالیں اور نکالڈالنا آیتوں کا قرآن میں سے ہمارا کام نہیں ہے کہ اسکو ہم خلاف ایمانداری کے جانتے ہیں یہ فضیلت اہل سنت ہی کو

مبارک رہے اور ابوبکر کی فضیلت پر کوئی آیت دلالت نہیں کرتی ہے اور جسکو اہل سنت فضیلت مقرر کرتے ہیں وہ فضیلت ہی نہیں اور اگر کوئی آیت ابوبکر کی فضیلت پر دلالت کرتے تو ہم اسکو نکالتے کیوں بلکہ اُسپر عمل کرتے لیکن ہماری نزدیک تو ابوبکر کی کوئی فضیلت ثابت ہی نہیں ہے اور نکالنا ان آیتوں کا اور قرآن کو ناقص کرنا اہل سنت کے مقتداؤں کا کام ہے اور بدی کا بدلا بدی ہے شیعوں کا شعار نہیں ہے اور ہمارا طریقہ یہ نہیں ہے کہ ہم بدی کریں بلکہ بے ایمانی تھی کہ تورع میں آئی قرآن کے ناقص کرنے میں اور اگر تم ایسی بے ایمانی اختیار کرو تو کرو ہم کیوں اختیار کریں اور گیارہ ہزار آیتیں کیا اہل سنت کی کتابوں سے تو گیارہ ہزار سے زیادہ کا نکلجانا قرآن سے واضح ہوتا ہے اور لکھا ہے کہ قرآن کثیر جاتا رہا ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ لَا يَقُوْلَنَّ اَحَدُكُمْ قَدْ اَخَذْتُ الْقُرْاٰنَ كُلَّهٗ مَا يُدْرِيْهِ مَا كُلُّهٗ قَدْ ذَهَبَ مِنْهُ قُرْاٰنٌ كَثِيْرٌ وَلٰكِنْ يَقُلْ قَدْ اَخَذْتُ مَا ظَهَرَ مِنْهُ حاصل یہ ہے کہ ابن عمر سے روایت ہے کہتا ہے کہ نہ کہے کوئی تم میں سے کہ تحقیق لیا ہے میں نے کل قرآن کو کیا جانے وہ کہ کیا ہے کل تحقیق کہ گیا ہے اُس میں سے قرآن بہت اور لیکن کہے کہ تحقیق لیا ہے میں نے جو کچھ کہ ظاہر تھا اُس میں سے انتہی اس لفظ کثیر سے معلوم ہوتا ہے کہ گیارہ ہزار آیتیں کیا اس سے بھی زیادہ گیا ہے اور اہل سنت کے بھی روایتوں سے ثابت ہوتا ہے کہ آیتوں کو نکالکر حضرت علی کی حق تلفی کی اور جناب رسول خدا صلعم کا کہا ہوا وہ خدا ہی کا کہا ہوا ہے اسکو ہم بھی مانتے ہیں اور آیت وما ینطق اسی پر دلالت کرے ہے لیکن یہ ہمارے لئے مفید ہے اور تمہارے لئے مفید نہیں ہے کہ تمہارے عمر نے اس آیت پر عمل کیا اور نہ رسول خدا صلعم کے قول کو موافق اس آیت کے حکم کے خدا تعالیٰ کا قول جانا بلکہ حضرت کے قول کو ہذیان کی طرف منسوب کیا اور خدا کی معیت کو بندوں کے ساتھ سب جانتے ہیں اور قرآن اسی پر دلالت کرتا ہے اور اسیواسطے جناب رسول خدا صلعم نے ان اللہ معنا فرمایا تھا گو ہم خدا کی معیت کو آنکھوں سے نہیں دیکھتے ہیں اور عقل کو یہاں کچھ دخل نہیں ہے اور نہ کچھ علم ہیئت کو دخل ہے یہاں تو قرآن کو دخل ہے کہ جو اُس میں ہے سب حق ہے اور نہ کچھ اجتہاد سے کام ہے اور رسول خدا صلعم ہرگز اجتہاد نہیں کرتے تھے انکو کیا احتیاج تھی اجتہاد کی جسوقت کہ خدا تعالیٰ بوسیلہ وحی حضرت کے مشکل کا حل کرنیوالا موجود ہو اور مذہب اہل سنت کا اسمقدمہ میں باطل ہے **قال الشیخ الاشعری** مضمون ان اللہ معنا میں کوئی احتمال بجز اسکے نہیں کہ جو کچھ آپکی زبان پر جاری ہوا وہ سب اقرار بانی تھا کوئی احتمال مفید مطلب شیعہ اس آیت کے پاس کو بھی نہیں پھٹکتا چہ جائیکہ تو جیہ دیگر حق یہی ہے کہ اگر ابوبکر حسب اعتقاد شیعہ مقبولان بارگاہ الٰہی میں سے نہوتے اور انجام انکا ارتداد اور کفر پر ہوتا تو اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکی تسلی ہی نفرماتے کیا ضرورت پڑی تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جھوٹ بولتے اور تقیہ کوئی کہے تو اول تو تقیہ وہاں ہوتا ہے جہاں اندیشہ کسی قسم کا ہو ابوبکر صدیق کچھ پہلوان نتھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کمزور نتھے اُن میں تو ایک پہلوان کیا بہت سے پہلوانوں کا زور تھا تنہائی میں ابوبکر کے مار ڈالنے کا بہت عمدہ موقع ہاتھ آگیا تھا وہاں کون پوچھتا تھا مار کہیں چلدیتے دوسرے تقیہ کرنا تھا تو تلطف اور اخلاق زبانی لفایت کرتے تھے سو وہ کچھ تسلی اور تشفی ہی کے الفاظ میں منحصر نہیں ہم جیسے جنہیں گفتگو کا سلیقہ نہیں بہت سے تلطف کے الفاظ تراش سکتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو افصح العرب والعجم تھے اور اگر تسلی ہی کے الفاظ ضرور تھے تو اور بہت سی صورتیں تھیں اس جھوٹ لی کیا ضرورت تھی اور نعوذ باللہ منہا ایسے تو نہیں کہا جاتا اگر شیعوں کے کہے موافق جھوٹ ہی بولنا تھا تو کچھ طوریہ کرلیتا تھا ان اللہ معنا کی جگہ ان اللہ مع المومنین فرمادیتے تو تسلی کی تسلی ہو جاتی بات کی بات بن جاتی انکی تسلی ہو جاتی آپ جھوٹ سے بچ جاتے ابوبکر اگر نعوذ باللہ منہا منافق تھے تو یوں سمجھ جاتے کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مومن اور اپنا رفیق سمجھتے ہیں اور اگر مومن تھے اور پھر مرتد ہوگئے تو اپنے کلام سچے رہتے خدا کی طرف بھول چوک کا احتمال نہوتا کیوں کہ جبتک وہ مومن رہے جبتک اللہ تعالیٰ بھی انکے ساتھ رہے جب انکے دل سے ایمان نکل گیا خدا نے بھی انکی ہمراہی چھوڑدی **اقول** جناب رسول خدا صلعم پہلے ہی جانتے تھے بموجب اطلاع خدا تعالیٰ کہ ہماری ہمراہ خدا تعالیٰ ہے اور خدا تعالیٰ کے آگاہ کرنے سے یقین تھا صحیح اور سلامت مدینہ منورہ میں پہنچینگے اور کفار کے شر سے محفوظ رہینگے اسواسطے حضرت نے فرمایا تھا کہ ہمارے ہمراہ خدا ہے وہ ہمکو نگاہ رکھیگا تو کسواسطے انکے خوف سے رنج کرتا ہے جنکو کیا خدا تعالیٰ پر اعتماد نہیں ہے اور اُسکی قدرت کا کیا تو منکر ہے اور تجھکو یہ خبر نہیں ہے کہ میں خدا تعالیٰ کا بھیجا ہوا یہاں آیا ہوں اُس نے کیا یہاں مجھے اسواسطے بھیجا ہے کہ کفار کے دام میں گرفتار ہوجاؤں اُس نے جو مجھے یہاں بھیجا ہے تو وہ میرا حافظ ہے کہ وہ میرے ہمراہ ہے وہ مجھے نگاہ رکھیگا اسواسطے حضرت نے فرمایا کہ لاتحزن ان اللہ معنا ورنہ ہمراہ تو خدا تعالیٰ ہر بندہ کے ہے اور یہی ہے مقصود اس آیت سے اور پہلے سے جناب رسول خدا صلعم خدا تعالیٰ کے ہمراہ ہونے سے بے خبر نتھے کہ اسیوقت خدا تعالیٰ نے حضرت کے دل میں القا کیا ہو اور شیعوں کا تو سوا اسکے کہ ابوبکر کو ہمراہ اپنے لیگئے اور ابوبکر خوف کفار سے غمگین ہونے لگے تو حضرت نے انکی تسلی کے واسطے فرمایا کہ خدا تعالیٰ ہمراہ ہماری ہے ہمکو محفوظ رکھیگا اور کچھ مطلب نہیں ہے سوا اسکے اور شیعہ کہتے ہیں البتہ اہل سنت کا اس آیت سے کچھ مطلب ثابت نہیں ہوتا کہ وہ تاویل کہے اور ڈھال ڈھول کے ابوبکر کی فضیلت میں لاتے ہیں اور ابوبکر شیعوں کے نزدیک کیا بلکہ واقع اور نفس الامر میں مقبولان بارگاہ الٰہی سے ہرگز نہیں ہیں اور جناب رسول خدا

صلعم کو ابوبکر کے انجام کی کیا خبر تھی کہ یہ کیسے ہونگے کچھ عالم الغیب تو حضرت تھے ہی نہیں اور جو لوگ کہ ہمیشہ حضرت کی صحبت میں رہتے تھے اور وہ منافق تھے اُنکے نفاق سے
تو حضرت کو خبر تھی ہی نہیں چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنُعَذِّبُهُم مَّرَّتَيْنِ یعنی نہیں جانتا ہے تو اُنکو ہم جانتے ہیں اُنکو قریب ہے کہ عذاب کریں ہم اُنکو
دو مرتبہ اور ابوبکر کے خاتمہ کے حضرت کو خبر کیونکر ہو جب تک کہ خدا تعالیٰ حضرت کو خبر نکرے البتہ جس امر سے خدا تعالیٰ حضرت کو مطلع کرتا تھا اُسکو حضرت جانتے
تھے او بھی اسکے حضرت ابوبکر کے انجام سے مطلع ہوئے تو فرمایا ابوبکر سے کہ مَا اَدْرِي مَا تُحْدِثُونَ مِنْ بَعْدِي یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے بعد میرے
دین میں اور فرمایا کہ سَتَحْرِصُونَ عَلَى الْاِمَارَةِ وَتَكُونُ لَكُمْ نَدَامَةٌ یعنی قریب ہے کہ حرص کرو تم حکومت پر اور ہو وے گی وہ واسطے تمہارے ندامت اور پشیمانی اور یہ مسئلہ
جامع الاصول میں لکھا ہوا ہے جو کہ جامع صحاح ستہ کے ہے اور ابوبکر کو جو حضرت نے اپنے ہمراہ لیا تھا تو مسلمان اور دوست جانکر ہمراہ لیا تھا اور تسلی تو حضرت اُسکی
کی ہی فرماتے اگر ہمراہ حضرت کے ہوتا اور حضرت کے دوستوں میں سے ہوتا او خوف کفار سے رنج کرتا اور ابوبکر کو تو حضرت مسلمان جانتے تھے اور جھوٹ حضرت نے ہرگز نہ
اور لَا تَحْزَنْ اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا جو حضرت نے فرمایا تو یہ سب درست تھا کہ بے شک ہمراہ حضرت کے اور ابوبکر کے خدا تھا کہ کوئی بندہ ہمراہی سے خدا کی خالی نہیں ہے اور تقیہ کو یہ
کیا دخل ہے اور کوئی بھی تقیہ کا اس مقام میں قائل نہیں ہے اپنی طبیعت سے جو کچھ تو چاہتا ہے ایک بات ایجاد کرتا ہے کہ جسکا کوئی بھی قائل نہیں ہے اور پھر آپ ہی اُسکا جواب
دیتا ہے پس جو مضمون کہ تقیہ پر بنا کرکے لکھا ہے وہ سب باطل ہے اور یہاں پہلوانی کو کیا دخل ہے حضرت نے اور ابوبکر کو کس دلیل پر بار ڈالتے اُنکو تو مسلمان اور اپنا دوست
سمجھکر اپنے ہمراہ لیا تھا اور جھوٹ حضرت ہرگز نہیں بولے ہیں اگر جھوٹ ہوگا تو تیری عقیدہ کے موافق ہوگا اور ہماری نزدیک تو حضرت کا فرمانا سب راست اور درست تھا
لیکن تیری مفید مطلب کوئی بات نہیں ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَنَا اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُؤْمِنِينَ کا ایک ہی حاصل ہے اس میں کچھ فرق نہیں ہے اور اِنَّ اللّٰهَ مَعَكُمْ میں
کی کوئی فضیلت نہیں پائی جاتی کہ کئی مرتبہ اسکا ہم ذکر کر چکے ہیں اور رسول خدا صلعم نے کچھ جھوٹ نہیں فرمایا اور ابوبکر خواہ مومن تھے خواہ منافق اُسوقت تو
رسول خدا اُنکو مسلمان اور اپنا رفیق ہی جانتے تھے اور ابوبکر نے بھی ایسا ہی سمجھا تھا اور خدا کی بھول چوک کا احتمال بھی تیری ہی نزدیک ہوگا نہ ہماری نزدیک اور
خدا تعالیٰ ہمراہ ابوبکر کے ہمیشہ رہا ہے حالت اسلام میں بھی اور حالت کفر میں بھی اور اپنی ہمراہی کو کبھی چھوڑا نہیں ہے جبتک کہ ابوبکر زندہ رہے **قال الشیخ الاشعری**
اس تقریر کے بعد ایک تنبیہ پر خاتمہ کرتا ہوں اتنا یاد رہے کہ شاید بعضی عقل کے دشمنوں کو یہاں یہ خلجان پیش آئے کہ کلام اللہ میں یوں ارشاد ہے وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُولٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ
یعنی نہیں بھیجا ہمنے کوئی رسول مگر اُسکی زبان وہی تھی جو اُسکی قوم کی زبان تھی سو جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم بھی موافق اس قاعدے کے عرب کے محاورہ میں گفتگو
کرتے ہونگے اور چونکہ اس بات کی علت یہ معلوم ہوتی ہے کہ تفہیم مطالب میں فرق نہو تو یوں سمجھ میں آتا ہے کہ کلام اللہ بھی عرب کے محاورہ میں ہو اور یہ ظاہر ہے کہ صاحب عربی
زبان میں لفظ بمعنی ہمراہی ہے اُسکو صحابی کے ہم معنی سمجھنا ایک طرح کی نا انصافی ہے کیونکہ صحابی اصطلاح شرع میں اُس شخص کو کہتے ہیں کہ ایمان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کے ساتھ تھوڑی دیر یا بہت دیر رہا ہو اور بعضے علماء کا یہ مذہب ہے کہ طول صحبت بھی شرط ہے بہر حال ایمان داخل مفہوم صحابی ہے سو لفظ صاحب اول تو اصطلاح میں معروف
نہیں بلکہ اصطلاح شرع میں لفظ صحابی مستعمل ہوتا ہے دوسرے سلمنا کہ صاحب بھی مستعمل ہو لیکن کلام اللہ تو عرب کے محاورہ موافق اُترا ہے اصطلاح کے محاورہ موافق
نہیں اُترا تیسرے یہ بھی مانا کلام اللہ سے ابوبکر صدیق کا صحابی ہونا ہی ثابت ہو اور اس جہت سے التزامی اُنکے ایمان کا بھی پتا لگا مگر کوئی یہ تو بتلائے کہ اس آیت سے تا دم مرگ
اُنکا ایمان پر قایم رہنا کہاں سے نکلا جو شخص اُنکی ارتداد کا قائل ہو اس آیت سے اُسکا الزام معلوم **اقول** یہ سوال بجا ہے لیکن صاحب صحابی کے معنے میں مستعمل
نہیں ہوتا اور نہ کلام اللہ سے ابوبکر کا صحابی ہونا ثابت ہے **قال الشیخ الاشعری** جواب اس وہم کا یہ ہے اُنکا ایمان اور پھر ایمان پر قایم دائم رہنا تو بایماء کلمات طیبات
اِلَّا عِبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصِينَ اور اِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ اوپر مرقوم ہو چکا حاجت تکرار نہیں پھر جب ایمان تو یوں ثابت ہوا اور ہمدمی اور مصاحبت لفظ صاحب سے ثابت ہوئی
تو صحابیت میں کیا کسر باقی رہ گئی جسکا انتظار ہے اس صورت میں اگر صاحب مرادف صحابی بھی نہیں تو نہو صرف لفظ صاحب کا غیر مشہور ہونا اور صحابی کا اصطلاح شرع
مشہور ہونا تو باعتبار اُس زمانہ کے ہے اور اگر اُس زمانہ میں بھی یوں ہی تھا تو یہ ایسا قصہ ہے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بنام محمد مشہور تھے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام
نے تو اپنی بشارت دی تو احمد کے نام سے بشارت دی چنانچہ سورہ صف میں مذکور ہے القصہ جب دو لفظ مرادف وہم معنی ہوا کرتے ہیں گو ایک مشہور ہو مگر وہ بیگانہ اُسکے جگہہ
وہ لفظ بھی بولا کرتے ہیں **اقول** یہ سوال وہم نہیں ہے بلکہ بہت معقول ہے اور ابوبکر کا ہمیشہ ایمان پر قایم رہنا ان دونوں آیتوں سے ہرگز ثابت نہیں ہوسکتا
پہلے ابوبکر کا زمرہ مخلصین میں داخل ہونا ثابت کرو تب اس میں کلام کرو اور پہلے اس سے معیت خدا کو جو علت مخلص ہونیکی لکھا ہے وہ باطل ہے اور ہم اُسکو رد کر آئے
ہیں اور سوا اسکے کہ خدا سب مومنین کے کیا بلکہ سب بندوں کے ہمراہ ہے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور سب بندے اُسکی پناہ میں ہیں اور ہر ایک بندہ کو ہر آفت اور بلا سے

محفوظ رکہتا ہے اس علت سے تو چاہئے کہ سب بندے مخلصین ہی ہو جائیں اور ابو بکر کی کیا خصوصیت اس میں ہے اور جب ابو بکر کا مخلصین میں سے ہونا ثابت نہوا تو
ان کا دائمی بھی انکا ثابت نہوا صرف ہمراہی رسول خدا صلعم کی باقی رہ گئی سو اس سے کیا ہوتا ہے بہت سے منافقین بھی شب و روز حضرت کی صحبت میں رہتے تھے اس
صورت میں تو ابو بکر کی صحابیت ثابت نہوئی کہ اس میں تا دم واپسیں ایمان شرط ہے اور صاحب کا لفظ عام ہے کہ سانب مومن بھی ہوتا ہے اور کافر بھی ہوتا ہے اور بیشک
اصطلاح شرع میں صحابی مشہور ہے نہ صاحب اور ہمیشہ سے اسیطرح سے ہی حال کی زمانہ کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور صاحب اور صحابی مثل دو نام حضرت کے کہ وہ محمد اور احمد ہیں ہرگز نہیں ہو سکتا کہ
یہ دو نام ایک شخص کی ہیں گو ایکنام زیادہ مشہور ہے کہ یہ دونوں نام ایک ہی شخص پر بولے جاتے ہیں بخلاف صاحب اور صحابی کی کہ ان دونوں لفظوں کا ایسا حال نہیں ہے بلکہ جس شخص پر اطلاق صحابی کا ہوتا ہے تو وہ
صاحب بھی ہو سکتا ہے اور ہر صاحب صحابی نہیں ہو سکتا اور یہ دونو لفظ اپنے اپنے معنی میں مشہور ہیں یہ کہ ایک مشہور ہو اور دوسرا غیر مشہور جیسے یہ شیخ محمد اور احمد کو کہتا ہے کہ محمد تو مشہور ہے اور احمد
غیر مشہور ہے اور صاحب اور صحابی ہرگز مرادف نہیں ہیں اور نہ متحد المعنی ہیں کہ گاہ گاہ ایک کی جگہہ دوسرے کو بولتے ہوں اور عرب تو گدہے کو بھی صاحب کہتا ہے مگر
صحابی نہیں کہتا **قال الشیخ الاشعری** باقی یہہ کہنا کہ کلام اللہ عربی محاورہ میں ہے اسکا کسی انکار ہے پر اسکے یہ معنی نہیں کہ جو لفظ کلام اللہ میں ہے اسکے وہی معنی
مراد ہیں جو عرب کی زبان میں اسکے معنے تہے صلوۃ زکوۃ روزہ صوم حج یہ جتنے اس قسم کے الفاظ ہیں سب کے سب اپنے معانی اصلی سے منقول ہیں اور اصطلاح شرعی مراد
ہیں سو ایسے ہی لفظ صاحبہ کو سمجھنا چاہئے اور قاعدہ کلیہ اسکا یہ ہے کہ جب کوئی رسول آتا ہے تو وہ کچھ نہ کچھ نئے احکام لاتا ہے اور ایک کارخانہ ہی نیا ہو جاتا ہے اور اکثر ایسے
نئے نئے مضمون پیش آتے ہیں کہ اسکو اور اسکی توابع کو انکی تفہیم کی ضرورت پڑتی ہے مگر چونکہ وہ احکام اور وہ مضامین پہلے سے معلوم نہیں ہوتے تو انکے مقابلہ میں
کوئی لفظ موضوع اس زبان میں نہیں ہوا کرتا ناچار وضع کرنا پڑتا ہے لیکن ہر زبان کا دستور ہے کہ جب اس زبان کے مشاقوں کو کسی نئے وضع کی ضرورت ہوتی ہے تو پہلے ہی
الفاظ مستعملہ میں سے کسی ایسے لفظ کو مقرر کر لیتے ہیں کہ اسکے معنے اول سے نئے معنے کو کچھ مناسبت ہو چنانچہ واقفان فن عربیہ کو لفظ صوم و صلوۃ کے دونوں معنی قدیم اور
جدید کے تصور سے یہ عقدہ اچھی طرح واضح ہو جائیگا سو ایسا ہی لفظ صاحب اور صحابی کو سمجھئے مگر چونکہ لفظ صاحب کے اصلی معنی کی تفہیم کی بھی اکثر ضرورت پڑتی ہے اور
علی ہذا القیاس اس لفظ کے معنی شرعی کے بھی اہل زبان کو اکثر ضرورت ہوتی ہے تو باین لحاظ فرق کے لئے صاحب کو اکثر پہلے معنوں میں بولتے ہیں اور صحابی کو اکثر دوسرے
معنی میں مگر باینہمہ صاحب دوسرے معنوں میں بھی اطلاق کیا جاتا ہے لیکن اضافت کے وقت چونکہ توہم التباس نہیں رہتا تو لفظ صاحب ہی کو اصطلاح شرع میں استعمال
کرتے ہیں چنانچہ جو لوگ احادیث پر اور خطب ائمہ پر غور کرتے ہیں وہ خوب جانتے ہیں **اقول** کلام اللہ اگر عربی کے محاورہ میں ہے اور اس سے انکار نہیں ہے تو جیسے کہ کلام اللہ میں
استعمال الفاظ عربیہ کا ہوا ہے اسکی موافق ہی کہنا چاہئے اور اسکے خلاف سے دست بردار ہونا چاہئے سو کلام اللہ میں لفظ صاحب کا کسی جگہہ معنی اصطلاحی میں بجز معنے اصلی
کے نہیں آیا ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور یہہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ کلام اللہ میں جو لفظ ہے وہ اپنی معنی اصلی ہی میں مستعمل ہوتا ہے بلکہ کوئی لفظ تو معنی اصلی میں مستعمل ہے اور
کوئی لفظ معنی اصطلاحی میں اور صلوۃ زکوۃ روزہ صوم حج یہ جتنے الفاظ ہیں البتہ معنی اصطلاحی میں مستعمل ہیں اسکا کون انکار کرتا ہے اور صاحب کا لفظ قرآن میں بجز اصلی معنی کے اصطلاحی معنی
میں کسی جگہہ مستعمل نہیں ہے جیسے کہ یا صاحبی السجن اور قال لہ صاحبہ وہو یحاورہ اور وما صاحبکم بمجنون یہاں صاحب کا لفظ صحبت کے یار کے معنی میں ہے اور سوائے اسکے تبلاؤ کہ ان آیتوں
میں وہ کونسا لفظ صاحب کا ہے اور وہ کون صاحب ہے کہ جو اسنے ادراک صحبت نبی بحالت ایمان میں کیا ہو اور ایمان پر مرا بھی ہو اور ایسے ہی اذ یقول لصاحبہ ہے اور سب جگہہ تو صاحب کے
معنی ہم ایکسے ہیں ایک جگہہ اذ یقول لصاحبہ میں معنی اصطلاحی کیونکر ہو جاینگے بدون قرینہ کے اور یہ تمنا کہ قاعدہ کلیہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر آتا ہے تو کچہہ نہ کچہہ نئے احکام لاتا ہے اور بعضے
مضامین کے لئے وضع الفاظ کی احتیاج ہوتی ہے تو انہیں الفاظ مستعملہ کو ان مضامین جدید کے واسطے وضع کرتا ہے جیسے کہ لفظ صلوۃ اور صوم کا لیکن صاحب کے لفظ کو کسی
معنی جدید کے لئے وضع نہیں کیا ہے قرآن میں جس جگہہ کہ لفظ صلوۃ اور صوم کا ہے وہ معنی اصطلاحی میں موضوع ہے اور لفظ صاحب کا بجز معنے اصلی کے کسی مقام میں معنی اصطلاحی
میں موضوع نہیں ہے البتہ لفظ صحابی کا معنی اصطلاحی میں موضوع ہے اور صحابی اسکو کہتے ہیں کہ جس نے حالت ایمان میں ادراک صحبت نبی کیا ہو اور ایمان پر مرا ہو اور صاحب کے اصلی معنی
مشہور ہیں اسکی تفہیم میں کچھ دقت نہیں ہے اور شرعی معنی اسکے واسطے کوئی نہیں ہیں بجز معنے اصلی کے اور صاحب کو سب جگہہ اصلی معنی میں بولتے ہیں اور شرعی معنی اسکے واسطے کہیں
نہیں ہیں اور صحابی کے معنی بھی ایک ہی ہیں جو کہ مذکور ہوئے اور فرق ان دونوں لفظوں میں ظاہر ہے اور یہ بات نہیں ہے کہ صاحب کو انکے معنے اصلی میں بولتے ہوں اور کم اصطلاحی معنی میں
بولتے ہوں بلکہ اصطلاحی معنی تو اسکے واسطے ہیں ہی نہیں اور نہ کہیں مستعمل ہے اور قرآن میں صاحب کا لفظ اضافت ہی کے ساتھ آیا ہے اور بجز معنے اصلی کے اسکے واسطے اور کوئی معنی نہیں
اور احادیث اور خطب میں خلاف قرآن کے نہیں ہو سکتا اور بعضی جگہہ جو آیا ہے کہ یا صاحب رسول اللہ تو وہاں صحبت کا یار مراد ہے اور اصحاب بھی جو کہ جمع صاحب کی ہے وہ
یاروں کے معنی میں ہے اور یہی لغت میں لکہا ہے لیکن جس جگہہ کہ تعریف اصحاب کی ہے اور درود و سلام آنپر بھیجا ہے وہاں مومنین مراد ہیں بدلالت قرینہ

اور ایمان پر انکے مرنیکا یقین ہے اور اذ یقول لصاحبہ لا تحزن ان اللہ معنا میں صاحب کی کوئی مدح نہیں ہے اور نہ اُسوقت ابوبکر کے ایمان پر مرنیکا یقین تھا

قال الشیخ الاشعری القصہ اصطلاحات شرع سے کلام اللہ خالی نہیں بلکہ جو لفظ کہ شرع میں کسی معنی کے لئے مقرر ہے جب وہ کلام اللہ یا حدیث میں پایا جائیگا تو معنی شرعی ہی مراد ہوں گے احتمال معنی اصلی کا کرنا محض سفاہت ہوگی صوم صلوۃ زکوۃ سے کلام اللہ میں معنی شرعی کے مقابل میں مستعمل ہوا ہے اور اس سے معنی لغوی مراد لینی دیانت سے بہت دور ہے اور مسلمنا کہ لفظ صاحب سے جو صاحب میں ہے معنی شرعی مراد نہوں تب عرفی معنی اس لفظ کے وقتیکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف ہو معنی شرعی کے مطابق ہونگے کیونکہ کفار زمانہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو اہل زبان تھے جب اس لفظ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف مضاف کرتے تھے اور اس سے کسی طرف اشارہ کرنا مدنظر ہوتا تھا تو یہی معنی مراد لیتے تھے کہ فلانا شخص ہمارے بیچ سے نکل گیا اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوگیا اور انکے زمرہ میں داخل ہوگیا ہمارے دین سے نکل بھاگا محمدی دین اختیار کرلیا اس مضمون کا ماحصل علمائے شیعہ فرمائیں کہ کیا ہوتا ہے پھر جائے حیف ہے کہ کفار تک اس لفظ سے وقت اضافت یہی معنی سمجھتے ہوں حالانکہ انکی اصطلاح اصطلاح نہیں سمجھیں تو حضرات شیعہ سمجھیں گر ہم جانیں بزعم خود اپنا کرتے ہیں کفار سے مطابقت و موافقت تو آخر ممنوعات شرعی میں سے ہے اور یہ کیا ابھی تو نہ سہی رفتہ رفتہ کفار سے یہ خلاف پیدا کرینگے کہ برخلاف انکے صوم و صلوۃ وغیرہ الفاظ سے بلکہ ساری کلام اللہ سے حتی المقدور کچھ اور ہی معنی سمجھا کرینگے

اقول۔ البتہ اصطلاحات شرع کے الفاظ کلام اللہ میں بہت ہیں اور الفاظ مصطلحہ شرع جس جگہ پائے جائیں گے قرآن اور حدیث میں یا فقہ میں معنی شرعی مراد ہوں گے اسکا کون انکار کرتا ہے لیکن صاحب کا لفظ اصطلاحات شرعیہ میں سے نہیں ہے وہ جہاں پایا جائیگا اسکے معنی لغوی ہی مراد ہوں گے اور صاحب کا لفظ جسوقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف مضاف ہو تو اُسوقت معنی اسکے صحبت کا یار مراد ہونگے جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے اور معنی شرعی کے مطابق نہوں گے اور صحبت کا یار عام ہے خواہ مومن ہو خواہ کافر ہو اور اسواسطے اکثر منافق بھی اصحاب میں شامل تھے اور لوگ آنحضرت کے اصحاب ہی جانتے تھے اور عرصہ دراز تک حضرت کو بھی خبر نہوئی تھی کہ یہ منافق ہیں چنانچہ خداتعالی فرماتا ہے لا تعلمھم نحن نعلمھم اور حضرت انکو مسلمان اور اپنے اصحاب میں سے جانتے تھے بعد عرصہ دراز کے خداتعالی نے مطلع کیا تو انکا حال معلوم ہوا اور کفار اگر اس لفظ کو رسول خدا صلعم کی طرف مضاف کرتے تھے اور اس سے کسی کی طرف اشارہ کرنا مدنظر ہوتا تھا کہ فلانا شخص ہم میں سے نکل گیا اور پیغمبر کے ساتھ ہوگیا تو اسکو تو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں اور ابوبکر کو بھی کہتے ہیں کہ وہ مشرکین میں سے نکلکر مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہوگئے تھے اور دین محمدی اختیار کرلیا تھا لیکن بعد رسول خدا صلعم کے محبت جاہ اور طلب ریاست کی جہت سے استقامت ایمان سے خارج ہوگئے تمکو چاہیئے کہ تا دم واپسیں انکا ایمان صحیح پر باقی رہنا ثابت کرو اور ہمارے نزدیک تو ثابت نہیں ہے اور جو کچھ کہ آپکی تحریر کا ماحصل تھا وہ ہم بیان کرچکے اور ابوبکر کے مسلمان ہونیکا اور مسلمانوں کے زمرہ میں داخل ہونیکا اور صاحب رسول اللہ ہوجانا کہ جو معنی یار صحبت رسول خدا ہے اسکا ہم انکار نہیں کرتے اور جو کچھ اس لفظ سے وقت اضافت کفار سمجھتے تھے ہم بھی کہتے ہیں اس سے ہمکو کب انکار ہے لیکن فائدہ اس سے کچھ نہیں ہے جب تک کہ ابوبکر کا ایمان صحیح پر باقی رہنا آخر دم تک ثابت نہو اور خداتعالی ہمکو بھی توفیق دے کہ تم کفار سے ہمیشہ مخالفت رکھیں اور وہ نماز اور روزہ نہیں رکھتے ہیں اور ہم نماز اور روزہ میں مشغول رہیں اور تمہارے واسطے بھی یہی دعا ہے کہ تمکو خدا ہدایت کرے اور شریک ہمارے ہوکر مخالفت کفار کی اختیار کرو اور انکی موافقت کو ترک کرو اور جو کچھ معانی صحیحہ قرآن سے ہم مراد لیتے ہیں تم بھی وہی لیا کرو اور معانی غیر صحیحہ پر عمل نکرو

قال الشیخ الاشعری اور ہم اس سے بھی درگزرے صاحب کے لغوی ہی معنی ہیں اور کسیطرح معنے شرعی کر کے لینی کی کوئی پیش نہیں ہے تب لفظ لا تحزن اور ان اللہ معنا کو کہاں کہو دینگے صاحب کے لفظ سے نہیں تو ان دونوں سے ایمان ثابت ہوگیا چنانچہ اوپر مذکور ہوچکا بہرحال انکا صحابی ہونا بطور اصطلاح شرع کے اس آیت سے ثابت ہوگیا بلکہ ہمارے نزدیک اس صورت سے دوہری فضیلت ہوجائیگی لفظ صاحب سے اصطلاح شرعی مراد ہوتی تو وہ بات ہرگز نہوتی شرح اسکی یہ ہے کہ اس صورت میں صاحب کے لفظ سے جو ہمراہی مراد ہوگی تو اسی ہمراہی کیطرف اشارہ ہوگا جو اذ ہما فی الغار سے ثابت ہوتی ہے چنانچہ لفظ اذ جو اذ یقول میں ہے وہ پہلے اذ کا جو اذ ہما میں ہے بدل ہے مطلب یہ ہوا کہ یہہ ہماری نصرت اسوقت ہوئی ہے جب وہ دونوں غار میں تھے اور پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ہمراہی سے یوں کہہ رہے تھے اور ظاہر ہے کہ ایسے وقت کی ہمراہی اسیکا کام ہے کہ اس سے زیادہ کوئی مخلص نہو اور سچ ہی تو ہے ابوبکر صدیق کی جانبازی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں خاص کر اسوقت دشوار کی ہمراہی اور رفاقت ایسی نہیں کہ اسکا انکار کیا جائے اگر خداوند کریم اسکی طرف اشارہ نفرماتا تب کچھ حاجت نتھی ابوبکر رضی اللہ عنہ کی یہ رفاقت اور انکا اخلاص ایسا شہرۂ آفاق ہوگیا ہے کہ ضرب المثل ہوگئی ہیں شیعہ زبان سے انکار کریں تو کیا ہوا دل میں تو انکے بھی یہی ہے کہ ابوبکر صدیق کی برابر دنیا میں کوئی کسیکا رفیق نہیں ہوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیقوں میں کچھ انکا رتبہ بڑھ کر ہی نہیں دیکھتے نہیں کہ جنکی رفاقت و اخلاص نہایت کو پہونچ جاتے ہیں تو عرف میں اسے شیعہ سنی ہندو مسلمان یار غار کہتے ہیں رفاقت میں ایسا رتبہ کہ ضرب المثل درشبہ ہو جائے بجز اسکے نہیں ہوسکتا

کا اور نبی کی رفاقت کو اُنکی رفاقت کے ساتھہ ایسی نسبت ہو جیسے نور چہرہ کو نور قمر یا نور خورشید کے ساتھہ نسبت ہی کون نہیں جانتا کہ کجا آفتاب کجا آدمی کا چہرہ آدمی کیسا ہی
خوب صورت کیوں نہو آفتاب کے نور سے لاکھوں درجہ کم اُسکا نور رہتا ہے اُسکے شرف کے لیے یہی بہت ہی کہ اُسکے ساتھ تشبیہ دیتے ہیں ایسا ہی اور نبی کی رفاقت اور دوستی
کا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی رفاقت اور دوستی سی بمدارج کم سمجھنا چاہیئے اُنکو یہی شرف بہت ہی کہ اُنکے ساتھہ اوروں کو تشبیہ دیتے ہیں اور جسکی رفاقت اور
دوستی کی تعریف کرتے ہیں تو اُسکو یار غار کہتے ہیں، **اقول** بے شک صاحب کا لفظ لغوی معنی میں ہی اور ان اللہ معنا کو برابر لکھتا چلا آتا ہے اور ہم اُسکا
جواب لکھتے چلے آتے ہیں کہ جیسے تو کہتا ہے وہ مراد یہاں نہیں انتہای کار یہہ ہے کہ اگر ہم بھی موافق تیرے کہنے کے تسلیم کریں تو اُس سے یہہ ہی ثابت ہوگا کہ ابوبکر اُسوقت
مومن تھے اور یہی مقصود اس شیخ نجدی کا ہی لیکن یہ بتاؤ کہ اُنکا صحابی ہونا بطور اصطلاح شرع کے اس آیت سے کیونکر ثابت ہوا اصطلاح شرع میں تو صحابی اُسکو
کہتے ہیں کہ جو ایمان صحیح پر مرے اور ابوبکر کا ایمان صحیح پر مرنا ثابت نہیں ہی اور اُن سے ہمیشہ امور صادر ہوئے میں طمع ریاست اور حب جاہ میں کہ وہ ایمان سے خارج ہوگئے
ہیں اور وہ کونسی فضیلت ہی کہ جو اصطلاح شرعی صاحب کے لفظ سے مراد لینی [illegible] ہی اس آیت سے تو ثابت نہیں ہی اور اذ ہما فی الغار [illegible] میں کیا فضیلت
ہے اگر غار میں رسول خدا صلعم کے ساتھہ ابوبکر [illegible] تو اس سے کونسی فضیلت ثابت ہوئی ابوبکر کی اکثر مومن اور کافر ایک مکان میں مجتمع ہوتے ہیں حضرت نوح اور حضرت لوط کی
بیبیاں حضرت نوح اور حضرت لوط کے ہمراہ ایک مکان میں ہوتی تھیں یہ ایک مکان میں ہونے سے کیا فضیلت اُنکی [illegible] کہ وہ مومنہ تھیں اور اگر دوسرا [illegible]
بدل ہی تو تمہارا مطلب اس سے کیا ثابت ہوا [illegible] اور اگر نصرت ہوتی تو رسول اللہ صلعم کی [illegible] تھا اور ابوبکر کا کون طالب تھا ابوبکر تو حضرت
کے ہمراہ ایسے تھے جیسے کہ کسیکے ہاتھہ میں رومال و چھڑی اور پاؤں میں جوتیاں ہوتی ہیں کہ جو کچھہ ایذا اور راحت اور نصرت ہوتی ہی وہ اُس آدمی کے واسطے ہوتی
نہ اُسکی ہمراہی چیزوں کو اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نصرت کے واسطے تو خدا تعالی نے فرمایا کہ فقد نصرہ اللہ اور فرمایا [illegible] اور ابوبکر کی نصرت کے واسطے کیا فرمایا
اور لا تحزن ان اللہ معنا جو حضرت نے فرمایا تو ابوبکر کی تسلی کے واسطے کہ وہ خوف کفار سے رنج کرتے تھے اور احتمال تھا کہ کثرت رنج سے [illegible] رونے لگیں سو واسطے اُنکے
خاموش اور مطمئن ہونیکو ایسا فرمایا اور اُسوقت کی ہمراہی کونسی بڑی ہمراہی تھی کہ وہاں تو کسی طرح کا خوف و کھٹکا نہ تھا سوائے اسکے کہ مکڑی نے تو غار کے دروازہ
پر جالا تنا تھا اور کبوتری نے انڈے دئے تھے اور درخت خار دار بقدرت خدا دروازہ میں [illegible] پیدا ہوگیا تھا کہ [illegible] کہ اس غار میں کوئی آدمی
گیا ہوگا وہ تو بمنزلہ حصن حصین کے ہو گیا تھا اور کسی طرح کا خوف اُس غار میں نہ تھا لیکن ابوبکر باوجود [illegible]
کفار سے رنج کرتی تھی تو اُنکو خدا پر اعتماد نہ تھا اور وہ رفیق [illegible] اپنی نادانی سے جزع اور فزع کر کے ایسا حال [illegible] اور آدمی نادان کی
رفاقت سی سانپ و بچھو کی رفاقت بہتر ہے کہ سانپ و بچھو کی رفاقت میں خوف [illegible] اور آدمی نادان کی رفاقت میں خوف جان کا ہی اور [illegible] سعدی
نے اسی رفاقت ابوبکر کی مقدمہ میں کہا ہے ع [illegible] یار غار [illegible] کونسا بڑا کام ابوبکر نے وہاں بجز اسکے کہ جزع اور فزع
کر کے رنج کو بڑھاتے تھے اور کونسی جانبازی کی ابوبکر نے بجز جزع اور فزع کے خوف کفار سے اور کس بلا و آفت دنیا سے حضرت کو بچایا تھا اور جانبازی وہ تھی
کہ جو حضرت علی سے وقوع میں آئی کہ شب کو تو حضرت کے بستر پر [illegible] تن تنہا تلوار لیکر سیکڑوں کفار کا مقابلہ
کیا اور جانبازی کا کام تو جہاد میں تھا سو وہاں ابوبکر حضرت کو تنہا چھوڑ کر [illegible] کیا اسکو جانبازی کہتے ہیں اور یہی اخلاص حضرت کا تھا اور غار میں
اگر حضرت کے ہمراہ رہے اور رفاقت کی حضرت کے ایسے مقام محفوظ میں کہ جہاں کچھہ کھٹکا نہ تھا بقدرت خدا تو کیا بڑا کام کیا اور ایسے بیفائدہ رفاقت کا انکار کون کرتا ہی
اور یہہ کس کام کا اخلاص تھا کہ جس سے بجز [illegible] شہرت کے کچھہ بھی فائدہ حاصل نہ ہوا اور اہل سنت ہی نے اسکو ضرب المثل کر دیا ہے اور شیعوں کے دل میں کوئی بات بھی
ابوبکر کی رفاقت کے نہیں [illegible] ایسی رفاقت کس کام کی کہ جس میں [illegible] پاس بیٹھنے کے اور [illegible] اور کچھہ نہ تھا اس مقام میں تو رسول خدا صلعم کو [illegible] جانتے ہی
کہ کفار اُنکے آزار کے درپے تھے نہ یہہ کہ اپنی جان کا رنج کرنے لگا اور اس رفاقت بیفائدہ کا کچھہ [illegible]
سے اس رفاقت کی کونسی فضیلت ہی اور یہہ جو کہتے ہیں کہ فلانا فلانے کا یار غار ہے اول تو یہ اہل سنت کا مشہور کیا ہوا ہے اور دوسرے یہہ کہ [illegible]
اور صحبتی یار ہونے سے ہی اس میں کچھہ فضیلت نہیں ہی ہاں اگر ابوبکر نے حضرت کی رفاقت میں کسی آفت کو یا بلا کو حضرت سے دفع کیا ہوتا یا کفار کے حملہ و غارت سے
حضرت کو بچایا ہوتا تو یہہ رفاقت کام کی تھی اور محض ہمراہی کو ابوبکر کی اگر ضرب المثل بھی کر دیا تو اس میں کونسی فضیلت ابوبکر کی نہیں [illegible]
ابوبکر کی بد انجامی کو کچھہ فائدہ نہیں بخشتی اور بڑی رفاقت ابوبکر کی کہ جو ضرب المثل ہوئی ہی اگر تھی تو یہہ تھی کہ رسول خدا صلعم کے پاس بیٹھے رہے [illegible]

تنہا نہیں چھوڑا اور کفار کو حضرت کی خبر نکی اسمیں کونسی فضیلت ہوئی اور ہم نے مانا کہ ابو بکر نے بڑی رفاقت کی حضرت کے اخلاص کیساتھ ایسی رفاقت کہ جو ضرب المثل ہوگئی کہ جو کوئی کسیکا بڑا یار اور دوست ہوتا ہے تو اسکو کہتے ہیں کہ فلانا فلانے کا بڑا یار غار ہے اور شبہ بیشبہ سے بہتر ہوتا ہے لیکن یہ رفاقت ابو بکر کی سب خاک میں ملگئی جس وقت بعد اسکے ترک کیا حضرت کی رفاقت کو جسکا کہ بجا لانا واجب تھا اور ترک کرنا حرام تھا اور وہ رفاقت حضرت کے جہاد میں تھی کہ مقابلہ کفار سے تھا اور ہتیار چل رہا تھا اور وہاں حضرت کی رفاقت سے منہ موڑنا نہیں چاہئے تھا وہاں سے تو حضرت کو کفار کے بلوہ میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور اپنی جان کو حضرت کی جان پر مقدم رکھتے تھے کیا اسیکو رفاقت کہتے ہیں کہ حضرت کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جانا اپنی جان کی حفاظت کے واسطے اگر غار میں کہ جہاں کسی طرح کا خوف تھا رفاقت کی تو کیا فائدہ ہوا اُس رفاقت سے کہ جو کہ محل رفاقت کا تہا وہاں تو رفاقت کی ہی نہیں اور ایسے محل میں رفاقت نکرنے سے باطل ہوئی رفاقت غار کی بھی اور انصاف سے دیکھو تو یہہ رفاقت قابل مدح کے نہیں ہے اسواسطے کہ یہہ رفاقت اگر پسندیدہ اور ممدوح ہوتی تو ابو بکر کی شان میں کوئی آیت نازل ہوتی جیسے کہ حضرت علی کی شان میں آیت نازل ہوئی ہے حضرت صلعم کے بستر پر سونے سے اور وہ آیت یہہ ہے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْرِي نَفْسَهُ ابْتِغَاءَ مَرْضَاتِ اللهِ چنانچہ پہلے اس سے مذکور ہوئی ہے اور ابو بکر کا جو جزع اور فزع رسول خدا صلعم نے دیکھکر اُسکے واسطے تسلی اور خاموش کرنے ابو بکر کے لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا فرمایا تھا اُسکو خدا تعالی نے قرآن میں نقل کر دیا ہے سو اُسکا بڑا اہتمام ہے انکے نزدیک اور طرح طرح سے اُس میں تاویلیں کر کے ابو بکر کے فضائل میں لیجاتے ہیں اور حال یہہ ہے کہ اُس سے کوئی فضیلت ابو بکر کی ثابت نہیں ہوتی ہے جیسا کہ ہم بیان کر چکے اس شیخ نجدی کے جواب میں

قال الشیخ الاشعری القصہ اس تقدیر پر وہ صحابہ میں ہی فرد اکمل ہوں گے اور کیوں نہو زبان خلق نقارہ خدا انکا یار غار ہونا اور صدیق ہونا سب علم و خاص پر روشن ہے دوست دشمن سب اُنکو اسی لقب سے پکارتے ہیں اب یہاں بس کیجے مگر شاید کسیکو یہاں یہ شبہ ہو کہ ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ اگر افضل ہی ہوئے تو کیا ہوا خلافت تو بظاہر علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا حق تھا کیونکہ وہ چچا کے بیٹے اور داماد تھے اور مشہور ہے کہ داماد بمنزلہ فرزند ہوتا ہے تو اس صورت میں خلافت بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگر پہونچتی تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کو پہنچتی ابو بکر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کون ہوتے تھے جو خلافت دبا بیٹھے اور اس سے ہی قطع نظر کیجے اپنے بعد ہی حضرت علی رضی اللہ عنہ کو خلیفہ کر دیا ہوتا وہ ہی نہوا وصیت کی تو خلیفہ ثانی کے لئے کی سو اس توہم کا جواب اول تو یہی ہے کہ خلافت کو سلطنت پر قیاس کیجے تو البتہ یہی توہم پیدا ہوتا ہے لیکن اہل فہم پر پوشیدہ نہوگا کہ خلافت نبوت ارکان دین میں سے ہے رکن عظیم اور سلطنت دنیا کے امور دنیا میں سے بھی نہایت درجہ کو قبیح ہے بحسب حقیقت دنیا اور دین ہی میں اتنا تفاوت ہو کہ اس سے زیادہ اور کیا ہوگا تو اسکے اعلے درجہ اور اُسکے اعلے درجہ میں کچھ لگاؤ ہی نہوگا جو ایک کو دوسرے پر قیاس کیا جاوے ببین تفاوت رہ از کجاست تا بکجا ہاں خلفاء انبیا کو اگر خلفاء علماء اور خلفاء فقرا پر قیاس کیجے تو البتہ قیاس کا موقع بھی ہے علم اور فقر بھی امور دینی میں سے ہیں مگر یہ بھی سب جانتے ہیں کہ خلافت علم و خلافت فقر میں نگا نسبت اور قرابت کی وجہ سے ترجیح نہیں ہوتی فضیلت اور کمالات کی باعث ہوتی ہے چنانچہ لفظ خلافت خود بھی اسپر دلالت کرتا ہے اسلئے کہ خلافت بمعنی نیابت ہے اور نیابت کا استحقاق اسکے لئے ہوتا ہے جو منیب کا کام دیسکے اور اگر چند آدمی موصوف بایں صفت ہوں تو انمیں وہ مقدم ہوگا جسمیں کمالات اور فضائل منیب و منوب سے زیادہ تر ہوں

اقول اس تقدیر نے کچھہ فائدہ نہ بخشا چنانچہ ہم لکھ چکے اور جس جہت سے لوگ اُنکو یار غار کہتے ہیں وہ جہت ہی ابو بکر نے باقی نرکہی کہ رسول خدا صلعم کی رفاقت کو ترک کر کے جہادوں میں بہاگتے رہے اور یار غار ہونا سب باطل ہوگیا اور نہ ابو بکر کو ہم صدیق جانتے ہیں تم جو چاہو سو کہو کہ تم تو معاویہ کے بھی فضائل بیان کرتے ہو اور صدیق ہمارے نزدیک علی بن ابیطالب ہیں کہ جو حضرت کے بستر خواب پر قائم رہے اور بعد اُسکے جہادوں میں بڑی جانبازی کی اور ابو بکر اگر حضرت کے ہمراہ ہی غار میں تو اُنہوں نے کونسا کام بنایا اور اگر غار میں حضرت کے پاس بیٹھے رہے اور اُس پاس بیٹھنے کی جہت سے لوگ اُنکو یار غار کہتے ہیں اور اُنکی یار غار ہونیکے ساتھہ تشبیہ دیتے ہیں اور انکی یاری کو تو ابو بکر کے واسطے کیا فضیلت ہوئی بہت ہوگا تو یہہ ہوگا کہ ایسے یار تھے کہ حضرت کی پاس سے ٹلے نہیں اور وہیں بیٹھے رہے حضرت کے پاس جبھی ہوئی اور حضرت کو تنہا نچھوڑا لیکن ابو بکر کے پاس بیٹھنے سے حضرت کو کیا فائدہ ہوا اور کس ضرر کو حضرت کے ابو بکر نے دفع کیا اور ابو بکر جو ایک شخص جاہل تھے کہ جنکی جہالتیں اہل سنت کی کتابوں میں مندرج ہیں اور ہمیشہ جہادوں میں بہاگتے تھے کفار کے مقابلہ میں سے وہ کیونکر افضل ہو جاتے علما سے اور جرأت کر کے جہاد کرنیوالوں سے جو کہ زخم پر زخم کہاتے تھے اور میدان کو چھوڑتے نہیں تھے کہیں عقل میں بھی آتا ہے اور بدون دلیل کے جو چاہو سو کہدو تمہاری زبان کس نے پکڑی ہے اور بیشک خلافت حضرت علی کا حق تھا محض قرابت کی جہت سے نہیں بلکہ علم کی جہت سے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے أَفَمَنْ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ أَحَقُّ أَنْ يُتَّبَعَ أَمَّنْ لَا يَهِدِّي إِلَّا أَنْ يُهْدَى فَمَا لَكُمْ كَيْفَ تَحْكُمُونَ یعنی پس جو شخص رہنمائی کرے طرف حق کے زیادہ سزاوار اور حقدار ہے کہ اُسکی پیروی اور متابعت کریں یا وہ شخص کہ نہیں رہنمائی کر سکتا ہے مگر یہہ کہ ہدایت کیا جاوے کہ اُسکو اور کوئی ہدایت کرے پس کیا ہے واسطے تمہارے کیونکر حکم کرتے ہو تم اور دوسری جگہہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ هَلْ يَسْتَوِي الَّذِينَ يَعْلَمُونَ وَالَّذِينَ لَا يَعْلَمُونَ یعنے جاننے والے اور نہ جاننے والے برابر نہیں ہیں کہ جاننے والوں اور علماء کو فضیلت ہے نہ جاننے والوں اور جہلا پر

یہہ وجہ تھی علی کے حقدار ہونے خلافت کے کہ علم علی کا سب صحابہ سے زیادہ تھا اور ابن مردویہ اور ابن جریر نے اپنی تفسیروں میں اور دیلمی نے مسند الفردوس میں اور حاکم نے مستدرک
میں اور ابن عساکر نے ابن تاریخ میں اور احمد حنبل نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ جب آیت اِنَّمَا اَنْتَ مُنْذِرٌ وَّلِکُلِّ قَوْمٍ هَادٍ تو رسول خدا صلعم نے اپنے سینہ پر ہاتھ رکھا اور فرمایا
کہ میں منذر ہوں یعنی ڈرانیوالا اور اے علی تو ہادی ہے کہ بعد میرے تجھ سے ہدایت پائیں گے ہدایت پانیوالے اب انصاف کرنا چاہئے کہ جو شخص کہ ہدایت کرے وہ سزاوار
خلافت کا ہے یا جو شخص کہ محتاج ہدایت کا ہو کہ اُسکو کوئی اور ہدایت کرے اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے اور سعید بن المسیب سے روایت ہے قَالَ کَانَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ يَتَعَوَّذُ بِاللّٰهِ مِنْ
مُعْضِلَةٍ لَيْسَ لَهَا اَبُو الْحَسَنِ یعنی کہا کہ تھا عمر بن خطاب کہ پناہ مانگتا تھا ساتھ خدا کے اُس مشکل سے کہ نہوتا تھا واسطے حل کرنے اُسکے کے ابوالحسن یعنی علی بن ابیطالب پھر لوگ
کیونکر ہوسکتا ہے کہ جسکی طرف رجوع کریں مشکل دینی میں وہ تو مستحق خلافت نہو اور رجوع کرنیوالے اُسکی طرف مستحق ہوجائیں اور ابن عبدالبر نے کتاب استیعاب میں لکھا
ہے اور ابن عباس سے روایت کی کہ قَالَ قَالَ لِیْ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اِنِّیْ اَدْرَاکَ تَقُوْلُ اِنَّ صَاحِبَکَ اَوْلَی النَّاسِ بِهَا یَعْنِیْ عَلِیًّا قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ اِنِّیْ لَاَقُوْلُ ذٰلِکَ فِیْ
سَابِقَتِهٖ وَعِلْمِهٖ وَقَرَابَتِهٖ قَالَ اِنَّهٗ کَمَا ذَکَرْتَ وَلٰکِنَّهٗ کَثِیْرُ الدُّعَابَةِ یعنی کہا ابن عباس نے کہ کہا مجھ سے عمر بن خطاب نے کہ تحقیق میں پاتا ہوں تجھکو
کہ کہتا ہے تو کہ صاحب تیرا اولے اور سزاوار تر لوگوں کا ہے ساتھ خلافت کے یعنی علی کہا میں نے کہ ہاں قسم ہے خدا کی تحقیق میں البتہ کہتا ہوں اس بات کو سابق ہونے میں
اُسکے اسلام میں اور علم میں اور قرابت میں رسول خدا صلعم سے کہا عمر نے کہ تحقیق وہ امر ایسا ہی ہے جیسے کہ تو نے کہا ہے اور لیکن وہ یعنی علی کثیر المزاح ہے کہ اُسکی طبیعت میں
خوش طبعی بہت ہے اب دیکھئے کہ علی کو حقدار خلافت کا جانتے تھے اور پھر اُنکو خلیفہ نکیا اور مزاح اور خوش طبعی مانع اس امر کی نہیں ہوسکتی اگر اُن میں خوش طبعی تھا
اور اگر یہی عذر تھا تو بعد عثمان کے اُنکو خلیفہ کیوں کیا اور علم میں علی کے اور ابوبکر کے اسقدر فرق تھا کہ تاریخ الخلفاء میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے کہ قال واللّٰه
مَا نَزَلَتْ اٰیَةٌ اِلَّا وَقَدْ عَلِمْتُ فِیْمَا نَزَلَتْ وَاَیْنَ نَزَلَتْ یعنے کہا علی نے قسم ہے خدا کی کہ نہیں نازل ہوئی ہے کوئی آیت مگر کہ تحقیق جانتا ہوں میں جس چیز میں نازل
ہوئی ہے اور کہاں نازل ہوئی ہے اور جس پر کہ نازل ہوئی ہے اور یہی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ قَالَ عَلِیٌّ سَلُوْنِیْ عَنْ کِتَابِ اللّٰهِ فَاِنَّهٗ لَیْسَ مِنْ اٰیَةٍ اِلَّا وَقَدْ عَرَفْتُ
بِلَیْلٍ نَزَلَتْ اَمْ بِنَهَارٍ اَمْ فِیْ سَهْلٍ اَمْ فِیْ جَبَلٍ یعنی کہا علی نے کہ سوال کرو تم کتاب خدا سے پس تحقیق کہ نہیں ہے کوئی آیت مگر کہ پہچانتا ہوں میں کہ رات کو نازل ہوئی ہے
یا دن کو یا زمین نرم میں یا پہاڑ میں اور طبرانی نے لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے حضرت فاطمہ کی طرف خطاب کرکے فرمایا کہ وَاللّٰهِ لَقَدْ اَنْکَحْتُکِ اَکْثَرَهُمْ عِلْمًا وَاَفْضَلَهُمْ حِلْمًا
قسم ہے خدا کی البتہ تحقیق نکاح میں دیا میں نے تجھکو اُس شخص سے کہ علم اُسکا سب آدمیوں سے زیادہ ہے اور حلم اُسکا سب سے زیادہ بزرگ ہے اور یہی ابن جریر نے لکھا ہے اور جسوقت خداتعالی
نے ملائکہ سے خطاب کیا اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً یعنی میں کرنیوالا ہوں زمین میں خلیفہ کہ وہ حضرت آدم تھے تو ملائکہ نے خداتعالی کے جواب میں کہا کہ اَتَجْعَلُ فِیْهَا مَنْ یُّفْسِدُ فِیْهَا
یعنی کیا کریگا تو اُس میں خلیفہ اُس شخص کو کہ فساد کرے اُس میں پس خداتعالی نے حضرت آدم کو تعلیم اسماء کرکے ملائکہ پر حجت پکڑی اور علم کی حیثیت سے آدم کو خلیفہ کیا کہ پھر
ملائکہ چون و چرا نکرسکے اور بنی اسرائیل نے طالوت کی خلیفہ ہونے میں بہت قیل و قال کے لیکن خداتعالی نے اُنکا کہنا منظور نکیا اور طالوت کو علم و شجاعت کی جہت سے خلیفہ کیا چنانچہ
خداتعالی فرماتا ہے وَقَالَ لَهُمْ نَبِیُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰهُ عَلَیْکُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِی الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ یعنی اور کہا واسطے بنی اسرائیل کے پیغمبر اُنکے نے کہ تحقیق برگزیدہ کیا ہے خدا نے اُس طالوت کو تمپر باعتبار علم
اور جسم کے اور مراد فراخی جسم سے شجاعت ہے اور ابوبکر میں نہ جسکو علم تھا کہ مسائل میں غلطیاں کرتے تھے اور نہ شجاعت تھی کہ جہادوں میں سے بھاگ کرتے تھے وہ کیونکر حقدار اور
سزاوار خلافت کے ہوں گے اور حقدار خلافت کا تو وہ ہی ہے کہ جسمیں یہ دو خصلتیں تھیں اور سوائے علی بن ابیطالب کے اور کوئی ایسا اُسوقت نتھا اور اب ابوبکر کا حال سنیئے کہ تاریخ الخلفاء
میں جلال الدین سیوطی نے لکھا ہے اَخْرَجَ الْبَیْهَقِیُّ وَغَیْرُهٗ عَنْ اَبِیْ بَکْرٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنِ الْکَلَالَةِ فَقَالَ اِنِّیْ سَاَقُوْلُ فِیْهَا بِرَأْیِیْ فَاِنْ یَّکُنْ صَوَابًا فَمِنَ اللّٰهِ وَاِنْ یَّکُنْ خَطَأً فَمِنِّیْ
وَمِنَ الشَّیْطَانِ اُرَاهُ مَا خَلَا الْوَلَدَ وَالْوَالِدَ فَلَمَّا اسْتُخْلِفَ عُمَرُ قَالَ اِنِّیْ لَاَسْتَحْیِیْ اَنْ اَرُدَّ شَیْئًا قَالَهٗ اَبُوْبَکْرٍ یعنی سوال کیا گیا ابوبکر سے معنی کلالہ کے پس کہا
تحقیق قریب ہے کہ کہونگا میں اُسمیں ساتھ رای اپنی کے اگر صواب ہے تو جانب خدا سے ہے اور اگر خطا ہو تو جانب میری سے اور شیطان سے ہے دیکھتا ہوں معنے کلالہ کو سوا پسر اور پدر کے جبکہ ہوئے پس جسوقت خلیفہ ہو عمر اور معنی کلالہ کو بھی نہیں سمجھے
تو کہا کہ تحقیق میں حیا کرتا ہوں اُس سے کہ رد کروں میں اُس چیز کو کہ کہا ہو اُسکو ابوبکر نے اور یہی تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ ابوبکر سے قول حق تعالی کا معنی پوچھے وَفَاکِهَةً
وَّاَبًّا کے تو فَقَالَ اَیُّ سَمَاءٍ تُظِلُّنِیْ وَاَیُّ اَرْضٍ تُقِلُّنِیْ اِنْ قُلْتُ فِیْ کِتَابِ اللّٰهِ مَا لَا اَعْلَمُ پس کہا کہ کونسا آسمان سایہ کریگا مجھکو اور کونسی زمین نہاں کریگی مجھکو اگر کہوں میں
کتاب خدا میں وہ بات کہ جو نہیں جانتا ہوں میں یہ حال تھا علم علی اور ابوبکر کے علم کا اور سوائے اسکے بہت غلطیاں ابوبکر کی اہل سنت کی کتابوں میں لکھی ہیں جو کچھ ہم
پہلے اس سے بھی لکھ چکے ہیں پھر باوجود موجود ہونے ایسے عالم علی کے ایک شخص جاہل کیونکر سزاوار خلافت کا ہوجائیگا اور سوائے اسکے یہ بات ہے کہ مسند احمد حنبل میں ابن
عباس سے روایت ہے کہ نہیں ذکر کیا ہے خدا نے قرآن میں یا ایہا الذین آمنوا مگر کہ علی سر اُسکا اور امیر اور شریف اُسکا ہے اور سید و سردار اُسکا ہے اور عتاب کیا ہے اللّٰه نے اصحاب

محمد فی القرآن وما ذکر علیا الا بخیر یعنی اور تحقیق عتاب کیا ہی خدا نے اصحاب محمد کو قرآن میں اور نہیں ذکر کیا ہی علی کو مگر بخیر یہہ وجہ بھی استحقاق کی ہی سب سے بڑھکر
اور حضرت علی خود فرماتے ہیں کہ خلافت حق میرا تھا چنانچہ استیعاب میں کہ کتب معتبرہ اہل سنت میں سے ہے ترجمہ میں قاعہ بن رافع کے لکھا ہی عن جابر عن الشعبی
قال لما خرج طلحة والزبیر کتبت ام الفضل بنت الحارث بخروجهم فقال علی العجب لطلحة والزبیر ان اللہ عز وجل لما قبض رسوله قلنا نحن اهله واولیاءه
فلا ینازعنا سلطانه احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا وایم اللہ لولا مخافة الفرقة وان یعود الکفر ویبور الدین لغیرنا فصبرنا علی بعض الالم ثم
لم نر بحمد اللہ الا خیرا ثم وثب الناس علی عثمان فقتلوه ثم بایعونی ولم استکره احدا وبایعنی طلحة والزبیر ولم یصبرا شهرا واحدا کاملا حتی خرجا الی العراق ناکثین اللهم فخذهما بفتنتهما للمسلمین
یعنی روایت ہی شعبی سے کہ کہا اُس نے کہ جسوقت خروج کیا واسطے علی کے طلحہ اور زبیر نے تو لکھا علی کو ام الفضل دختر حارث نے اور خبر کے ساتھہ خروج اُنکے کے پس کہا علی
نے تعجب ہے ساتھہ طلحہ اور زبیر کے تحقیق خدا عز وجل نے روح قبض کی پیغمبر اپنے کی تو کہا ہمنے کہ ہم ہیں اہل اُسکی اور اقارب اُسکے پس نزاع کریگا ہمسے سلطنت اُسکی میں کوئی
پس انکار کیا ہمپر قوم ہماری نے پس حاکم اور والی کر دیا اُنہوں نے غیر ہمارے کو قسم ہی خدا کی کہ اگر نہوتا خوف مفارقت کا اور اسکا کہ پھر عود کری کفر اور ہلاک اور فاسد ہو وے دین البتہ تغیر
کر دیتے ہم پس صبر ہو بعض الم پر بعد اُسکے نہ دیکھا ہمنے بحمد و شکر خدا اگر خیر کو پھر کود پڑے آدمی عثمان پر پس قتل کیا اُسکو پھر بیعت کی مجھہ سے اور نہ جبر کیا تھا مینے کسی پر اور بیعت کی
مجھہ سے طلحہ اور زبیر نے اور نہ صبر کیا اُن دونوں نے ایک مہینے کامل یہانتک کہ نکلے وہ طرف عراق کے جسوقت کہ بیعت توڑنیوالے تھے میری ای خدا پس پکڑ تو اُنکو سبب قتل
کرنے اُنکے کے مسلمانوں کو اور ایسے ہی عقیلی محدث اہل سنت نے ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے روایت کی ہی اور خلاصہ اُسکا یہ ہی کہ بروز بیعت عثمان علی کہتے تھی کہ بعد رسول خدا
صلعم کے خلافت حق میرا تھا اور بعد ابوبکر کے بھی حق میرا تھا اور اب بھی حق میرا ہی ہی اور ہر وقت میں اطاعت کی مینی اس خوف سی کہ اگر میں کچھہ کہری کرتا ہوں تو لوگ
کفر کی طرف پھر جائینگے اور مرتد ہو جائینگے اور بعض بعض کی گردن ماریگا اور عمر نے مجھکو پانچ آدمیوں میں مقرر کیا ہی اور چھٹا اُنکا میں ہوں کہ کوئی نہین جانتا ہی میری فضیلت
کو گویا میں فضیلت ہی نہیں رکھتا ہوں اور سب کے برابر ہوں اور اگر میں گفتگو کروں تو کوئی میری خصلت اور فضیلت کو رد نہیں کر سکتا ہی اور یہ روایت لسان المیزان ابن حجر
اور کتب دار قطنی میں بطریق متعددہ لکھی ہوئی ہی سو حضرت علی بموجب آیت واولو الارحام بعضهم اولی ببعض قرابت کی جہت سے اور کثرت علم کی جہت سے کہ جسکا بیان ہو چکا اور
سابقہ اسلام کی جہت سے حقدار خلافت کے تھے اور اسی سبب سے حضرت نے خم غدیر پر حضرت علی کو خلیفہ اور جانشین اپنا کیا تھا کہ بدلائل کثیرہ خلیفہ ہونا اُنکا ثابت ہے اور ابوبکر کو نہ قرابت
حضرت کی حاصل تھی نہ کچھہ علم تھا اور اسواسطے اُسکو خلیفہ اپنا نہ کیا یہ کون کہتا ہی کہ اپنے بعد ہی علی کو خلیفہ کر دینا تھا وہ کون تھے خلیفہ کر لینے کہ خود اُنکی ہی خلافت صحیح نہ تھی
اور عمر کے لئے وصیت اسواسطے کی کہ عمر نے اُنکو خلیفہ کیا تھا اور بعد رسول خدا کے دونو کا یہی مشورہ ہو گیا تھا کہ اب تو ابوبکر خلیفہ ہو اور بعد اپنے ابوبکر عمر کو خلیفہ کری اور اگر عمر کی اعانت اور
کمک ابوبکر کی خلافت کے واسطے نہوتی تو خلافت ابوبکر کی ہرگز نہ جمتی یہ تو عمر ہی نے دھول دھپا کرکے اور فاطمہ زہرا کے گھر کے جلانے کا ارادہ کرکے اور بعضے بعضے اصحاب کو مثل سعد وغیرہ
کے ذلیل کر کے خلافت کو ابوبکر کی مستحکم کیا اُس احسان کے عوض میں ابوبکر نے عمر کو خلیفہ کیا باوجودیکہ کوئی شخص عمر کی خلافت سے راضی نہ تھا چنانچہ ولی اللہ محدث پدر مولوی عبد العزیز صاحب نے
ازالة الخفاء میں ترمذی اور مستدرک سی روایت کی ہی کہ لما ان ابابکر لما حضرته الموت ارسل الی عمر یستخلفه فقال الناس تستخلف علینا فظا غلیظا ولو قد ولینا کان
افظ واغلظ فما تقول لربک اذا لقیته وقد استخلفت علینا عمر یعنی تحقیق ابوبکر کو جسوقت حاضر ہوئی موت کہ وقت مرنیکا قریب پہنچا تو کسیکو عمر کے پاس بھیجا تاکہ خلیفہ کری اُسکو
اپنے پاس بلا کر پس کہا آدمیوں نے کہ کیا خلیفہ کرتا ہی تو ہمپر تند خو اور بد مزاج کو اور اگر خلیفہ کریگا تو ہمپر تو ہو جاویگا وہ زیادہ تند خو اور بد مزاج پس کیا کہیگا تو جواب میں پروردگار اپنے
کے جسوقت ملاقات کریگا تو اُس سے اور حال یہ ہی کہ تحقیق خلیفہ کیا ہی تونے ہمپر عمر کو اور ریاض النضرہ میں لکھا ہی کہ ان جماعة من الصحابة دخلوا علی ابی بکر لما عزم علی استخلاف عمر
فقال له القائل منهم ما انت قائل لربک اذا سألک عن استخلاف عمر علینا وتری غلظته یعنی تحقیق کہ ایک جماعت صحابہ کی داخل ہوئی ابوبکر پر یعنی ابوبکر کے پاس
جسوقت کہ قصد کیا ابوبکر نے اوپر خلیفہ کرنے عمر کے پس کہا ابوبکر سے ایک کہنے والے نے اُس جماعت صحابہ میں سے کہ کیا ہی تو کہنے والا اپنے پروردگار کو جسوقت پوچھیگا تجھ سی خلافت کرنے
عمر کے سے ہمپر اور حال یہ ہی کہ تحقیق دیکھتا ہی تو بد مزاجی اور سختی اُسکی اور تاریخ خمیس میں تو لکھا ہی کہ وہ کہنے والا جسنے ابوبکر کو کہا تھا کہ تو کیا کہیگا جواب میں پروردگار اپنے کو طلحہ اور زبیر تھے
اور کنز العمال میں لکھا ہی کہ وہ حضرت علی اور طلحہ تھے لیکن ابوبکر نے کہنا صحابہ کا نہ منظور کیا اور باوجود عدم رضا صحابہ کے عمر کو خلیفہ کیا موافق وعدہ کے کہ جو اُن دونوں میں قرار پایا تھا کہ تو مجھ
کو خلیفہ کریگا تو میں تجھکو خلیفہ کرونگا اور استحقاق حضرت علی کا محض قرابت کی جہت سے نہیں ہے بلکہ قرابت اور علم اور سابقیت اسلام اور شجاعت اور سخاوت وغیرہ جمیع فضائل کی جہت
سے ہی اور خلافت ابوبکر کی مثل سلاطین دنیا کی تھی اور موافق مذہب اہل سنت کے خلافت ارکان دین میں سے بھی نہ تھی اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہی کہ الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج
کے دن کامل کیا مینے دین تمہاری کو سو اب ہم پوچھتے ہیں کہ اگر خلافت دین میں داخل ہی تو بتلاؤ کہ جناب رسولخدا صلعم نے کس کو خلیفہ کیا تھا بحکم خدا جس سے دین کامل ہوا اور اگر کسی کو خلیفہ

نہیں کیا تو دین ناقص رہا۔ کہ خلافت دین میں سے تھی اور ظہور میں آئی کہ کوئی خلیفہ ہو جاتا اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے اور خدا فرماتا ہے کہ ہمنے دین کو کامل کیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت دین میں داخل نہیں ہے اور خلافت ابوبکر کی بھی ایسی ہی ہے کہ دین میں داخل نہیں ہے اور لوگوں کو متفق کر کے بادشاہ بنگئے جیسے کہ شاہان دنیا کا دستور ہے اور رسولخدا صلعم نے خلیفہ انکو نہیں کیا ہے کہ انکے خلیفہ ہونے لیکن موافق مذہب شیعوں کے خلافت دین میں داخل ہے کہ زندگی ہی میں جناب رسولخدا نے خلیفہ علی کو کیا تھا اور خلیفہ کرنے کی بعد ہی آیت اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ نازل ہوئی اور خلفاء علماء اور خلفاء فقراء بھی قیاس حضرت علیؑ ہی کا ہوسکتا ہے نہ ابوبکر کا کہ ابوبکر کو علم اور فقر تھا اور علی ہی جامع جمیع فضائل اور کمالات کے تھے اور قرابت بھی حضرت سے رکھتے تھے اور نیابت کا کام حضرت علی ہی دے سکتے تھے نہ ابوبکر اسواسطے کہ کام نیابت کا ہدایت تھی اور وہ موقوف تھی علم اور شجاعت پر اور یہ دونو امر علی ہی میں تھے نہ ابوبکر میں کہ جسکو سب مسلمان جانتے ہیں بلکہ ابوبکر ہی تو سوای علیؑ کے اور بہت صحابہ زیادہ علم اور شجاعت رکھتے تھے **قال الشیخ الاشعری** جب حضرت صدیق اکبر کی فضیلت مابعد انبیا کی سب پر ثابت ہوگئی تو پھر حضرت علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ کے حق کے ہونے کی کیا معنی ہاں یہ مسلم کہ خلافت کی لیاقت حضرت علی رضی اللہ عنہ بھی رکھتے تھے لیکن افضل پھر افضل ہے باقی رہا دبا بیٹھنا کیا ہم پوچھتے ہیں کہ جب سب میں زیادہ استحقاق خلافت حضرت ابوبکر صدیق ہی میں ہوا تو خلافت کو اگر دبا بھی لیا تو کیا بیجا کیا اپنا حق تھا دوسروں کا حق چھینتے تو جای گرفت بھی تھی معہذا واقفان فن سیر جنکو حضرت صدیق اکبر کے خلیفہ ہونے کی قصہ کی خبر ہے خود جانتے ہیں کہ انہوں نے خلافت دبائی تھی یا بجبر و اکراہ انکو سر دھرنی پڑی باقی رہا حضرت عمر کا خلیفہ کر دینا اسکا جواب بھی یہی ہے کہ خلافت میں قرابت کو مداخلت نہیں ورنہ حضرت فاطمہ زہرا اور حسنین رضی اللہ عنہم حضرت علی رضی اللہ عنہ سے بھی مقدم تھے رہا حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کا عورت ہونا اور علی ہذا القیاس حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا لڑکا ہونا موافق آئین سلطنت کچھ مانع جانشینی حضرت رسول صلی اللہ علیہ وسلم نہ تھا سلطنت میں بوقت ضرورت اکثر عورتوں اور لڑکوں کو قائم مقام کر دیتے ہیں گو اور ہی نگران حال رہے القصہ اگر حال نبوت مثل حال سلطنت دنیا ہے اور قرابت باعث ترجیح ہے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ پھر بھی مستحق نہ تھے نہ وقت وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انکا حق تھا نہ اپنی خلافت کے وقت اسوقت حق تھا تو حضرت حسنین رضی اللہ عنہما کا تھا اور اگر حال نبوت مثل حال سلطنت نہیں اور قرابت کو اسمیں کچھ دخل نہیں بلکہ افضلیت باعث تقدیم ہونی چاہئے تو پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر کو خلیفہ کر دیا تو کیا بیجا کیا کسی اپنے کو کر دیتے یا حضرت عمر انکے نزدیک اوروں سے افضل نہوتے تو البتہ جای اعتراض تھی معہذا کلام اللہ سے بھی یہی نکلتا ہے کہ جو کچھ ہوا بجا ہوا اور یہی عین صواب تھا اگر یقین نہو تو یہ آیت چہارم موجود ہے **اقول** ابوبکر کی فضیلت کسی کے نزدیک ثابت نہیں ہے اور جناب رسولخدا صلعم ہمراہ غار میں ہونے کو جو تو نے فضیلت قرار دیا ہے اسکو ہم باطل کر آئے ہیں کہ وہ فضیلت نتھی بلکہ جو کچھ ابوبکر سے غار میں عمل میں آیا ہے وہ عقلا کے نزدیک عیب کی بات تھی اور حضرت علی مرتضیٰ کے حق کے ہونے کو ابھی ہم ثابت کر چکے ہیں اس سے پہلے قول میں جا دیکھ لے کہ حق علی کا ثابت ہے یا نہیں اور افضل تو وہ ہے کہ جو خدا اور رسول خدا کے نزدیک افضل ہو اور قرآن اور حدیث سے افضلیت اسکی ثابت ہو۔ اگر کوئی کسی جاہل دبنگ بد دل کو تمام دنیا کے آدمیوں پر بوجہ معقول فضیلت دی تو اسکی زبان کس نے پکڑی ہے اور ابوبکر کی فضیلت کوئی ثابت نہیں ہے اور اولی تو اہل سنت کے نزدیک افضلیت شرط خلافت کی نہیں ہے اور اگر تیری نزدیک باعث خلافت افضلیت ہے تو چاہیے کہ جنکو ابن حجر خلیفہ حق و امام صدق صواعق محرقہ میں اور پیر دستگیر غنیۃ الطالبین میں لکھتے ہیں وہ بھی افضل الناس ہونگے اور انہوں نے اپنے فرزند ارجمند یزید کو جو خلیفہ کیا ہے جیسے کہ ابوبکر نے عمر کو تو وہ بھی خلیفہ حق اور امام صدق اور افضل الناس ہونگے اور اگر یزید کی خلافت حق نہو تو عمر کی خلافت بھی حق نہو کہ دونو خلافتیں یکساں ہیں اور امام فسق کے اختیار کرنے سے امامت سے معزول نہیں ہوسکتا ہے چنانچہ شرح عقائد نسفی میں ہے کہ ولا ینعزل الامام بالفسق اور امام غزالی اور ملا علی قاری نے یزید کو مومنین میں سے لکھا ہے اور حال یہ ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے ابوسفیان اور معاویہ اور یزید تینوں پر لعنت کی ہے چنانچہ زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے انہ رای رسول اللہ صلعم ابا سفیان مقبلا علی حمار ومعاویۃ یقودہ ویزید یسوق بہ فقال صلعم لعن اللہ الراکب والقائد والسائق یعنی تحقیق دیکھا رسولخدا صلعم نے ابوسفیان کو آتے ہوئے گدھے پر اور ہمراہ اسکے بیٹا اسکا معاویہ تھا کہ کھینچتا تھا اسکو اور یزید ہانکتا تھا اسکو پس کہا رسولخدا صلعم نے کہ لعنت کی ہے خدا نے سوار کو اور کھینچنے والے کو اور ہانکنے والے کو اور امام فخر الدین رازی نے کتاب محصول میں باب جرح اور تعدیل میں لکھا ہے کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو طلب کیا اپنی مجلس میں اور جسوقت وہ حضرت آئے تو ابوالعاص نے حضرت علی کا ذکر شروع کیا کہ علی ابوبکر کو گالیاں دیتا تھا اور جسوقت نوبت امام حسن کی پہنچی تو فرمایا کہ ای معاویہ تجھ کو یاد ہے کہ ایک روز باپ تیرا خچر پر سوار تھا اور تو اسکو کھینچتا تھا اور یزید اسکو ہانکتا تھا اور رسول خدا صلعم نے تم تینوں پر لعنت کی پس جسوقت کہ تمہارے نزدیک ملعونان خدا و رسول افضل اور خلیفہ حق و امام صدق ٹھیرے تو ابوبکر بھی ہیں اور ابوبکر میں اور انمیں کیا فرق ہے خلافت کے باب میں نہ کچھ معاویہ اور یزید کے واسطے استحقاق خلافت تھا نہ ابوبکر کے واسطے اپنی بانہہ بازو کے اور تہ کے وسیلے سے خلیفہ بلکہ ابوبکر بن بیٹھے اور حقداروں کا حق غصب کیا اور ابوبکر میں استحقاق خلافت کا کسی جہت سے نہ تھا اور کوئی فضیلت ابوبکر میں خلیفہ ہونے کی نتھی نہ علم نہ شجاعت نہ قرابت اور پھر جو وہ عمر کی

ملک سے خلیفہ بن بیٹھے بدون استحقاق کے اور دوسروں کا حق چھین لیا تو اسواسطے کہتے ہیں کہ بلا وجہ خلافت کو دبا بیٹھے اور انکا حق کیونکر تھا کہ جو وہ حقدار ہوتے انکا حق تو کسی طرح
تھا اور کتب تواریخ سے بیشک یہی ثابت ہوتا ہی کہ خلافت انہوں نے خود دبائی اسواسطے کہ انہوں نے خلافت کے دبانے میں نہایت سعی کی کہ بڑا موقع پایا اور دیکھا کہ اسوقت جناب رسولخدا
صلعم نے وفات پائی ہی اور حضرت علی اور انکی اہل بیت اسوقت کمال رنج والم میں اور حضرت کے غسل وکفن میں مشغول ہیں ایسے وقت میں ابوبکر عمر وغیرہ اپنے پیغمبر کی لاش
کو بے غسل وکفن ڈالکر کہ اگر کوئی دشمن مرتا ہی تو بھی کچھ نہ کچھ درد اور افسوس ہوتا ہی لیکن ان لوگوں کو کچھ رنج پیغمبر کے مرنیکا ہوا بلکہ خلافت کے دبانے کی خوشی میں پیغمبر کی لاش کو
بے غسل ڈالکر چنانچہ شاعر کہتا ہی ؎ چوں صحابہ جاہ و دنیا خواستند ٭ مصطفے را بے کفن بگذاشتند ٭ سقیفہ بنی ساعدہ میں جا پہنچے اور ایک بحث نامعقول الائمہ من قریش پیدا کرکے
انصار پر غلبہ ڈھونڈا اور عمر کہ پہلے سے انسے ملی بھگت ہو رہی تھی انہوں نے پہلے سب سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابوعبیدہ کہ وہ بھی انکا رازدار تھا اور بہت خلوص انسے رکھتا تھا
اس سے بیعت کروائی اور پھر اپنے ہمجنسوں سے جو کہ دشمنانِ علیؑ تھے انسے بیعت کرائی اور جب قوت بہم پہنچی تو کسی سے ترغیب سے اور کسی سے ترہیب سے بیعت لی اور باقی عوام لوگ جو
کچھ نہیں سمجھتے ہیں انہوں نے جدھر کو کثرت دیکھی بیوجہ اُدھر کو ہو گئے اور تمام بنی ہاشم اور اصحاب خاص مثل سلمان ابوذر عمار وغیرہ کے یہ حضرت علیؑ کے ہمراہ خانۂ فاطمہ زہرا میں
مجتمع تھے اور خلافت ابوبکر سے کنارہ اور منکر تھے ابوبکر نے عمر کو حکم دیا وہ واسطے جلانے گھر فاطمہ کے مع ان آدمیوں کے جو اس گھر میں تھے مثل علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنینؑ
اور عباسؓ وغیرہ کے آگ اور لکڑیاں لیکر گئے اور دروازہ فاطمہ زہرا کا توڑا اور لوگوں کی بےعزتی کی سعد عبادہ وغیرہ کی اور زبیر کی تلوار توڑی اور فاطمہ زہرا کے گھر میں سے
لوگوں کو پکڑ لائے اور زبردستی جبراً اور قہراً انسے بیعت لی اور یہ سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہی اور پھر لکھتا ہی یہ شیخ نجدی کہ بجبر و قہر انکو سر دمعرتی پڑی او
جو کچھ کہ تعدی اور ظلم انکا اس بروز نسبت صحابہ کے ظہور میں آیا ہی انکی تواریخ میں موجود ہی جن تواریخ کے کہ علماء اہل سنت لکھنے والے ہیں یہ وجیزہ گنجائش تفصیل
رکھتا ہی ورنہ میں سب زیادتیاں اور تعدیاں انکی لکھتا اور عمر کو جو خلیفہ کیا تو ان مواثیق اور عہود کی رعایت سے کہ جو آپسمیں ٹھیری تھی کہ تو مجھ کو خلیفہ کروائیگا تو میں بعد اپنے
تجھ کو خلیفہ کرونگا اور عمر میں فضیلت کونسی تھی جسکے سبب سے ابوبکر انکو خلیفہ کرتے صحابہ تو عمر کے خلیفہ کرنے سے بہت ناخوش اور ناراض تھے اور کہتے تھے ابوبکر سے کہ تو اپنے پروردگار کو
کیا جواب دیگا اگر عمر کو تو ہمپر خلیفہ کریگا چنانچہ پہلے اس سے ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور اگر ان دونوں کی ملی بھگت نہوتی تو ابوبکر عمر کو کاہیکو خلیفہ کرتا اور اگر ملی بھگت نہوتی تو عمر کو
کیا غرض تھی کہ ابوبکر کے کہنے سے فاطمہ زہرا کا گھر جلانے کو جاتا آگ اور لکڑیاں لیکر اور کیوں جناب رسولخدا صلعم کو وصیت کے لکھنے سے مانع ہوتا اور قرابت محض کی جہت سے
ہم استحقاق حضرت علی کا نہیں کہتے ہیں بلکہ اُسکے ہمراہ اور وجوہ اور فضائل علیؑ میں تھی جنکی سبب سے ہم مستحق خلافت ہونا انکا بیان کرتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو ثابت ہے کہ جناب
رسولخدا صلعم اپنی زندگی میں علی کو خلیفہ کر گئے تھے اور استحقاق انکی ہی واسطے رسولخدا کی زندگی میں بھی اور بعد اُن حضرت کے بھی کہ رسولخدا صلعم سے انکو علم پہنچا تھا
سینہ بسینہ جسکا ذکر اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہی اور انسے حسنینؑ کو ایک کے بعد دوسرے کو علیؑ کی ہوتی نہ کیونکر خلیفہ ہو سکتے تھے اور رسولخدا نے فرمایا ہی کہ وابوہما
افضل منہما اور عورت کا بادشاہ ہونا بعید نہیں لیکن فاطمہ زہرا کی شان کی مناسب تھا کہ وہ ایک گوشہ نشین صابرہ تارک الدنیا اور ایک صابر تارک الدنیا کی دختر تھی کہ
جسکے گھر میں اکثر فاقہ رہتا تھا البتہ حضرت عائشہ کو تمنا سلطنت کی تھی کہ حکم خدا پس پشت ڈالکر طلب سلطنت میں بصرہ کو روانہ ہوئیں اور چاہا کہ حضرت علیؑ سے جنگ کرکے
سلطنت کو چھین لوں اور انکی بد عالی قدر نے تو حضرت علیؑ کو سرے ہی سے خلیفہ نہیں ہونے دیا تھا اور خود انہوں نے چاہا کہ بنی بنائی خلافت کو علیؑ سے چھین کر ملکہ معظمہ بن
بیٹھوں اور اپنے باپ کا نام روشن کروں لیکن تقدیر نے یاری نہ کی اور ہم پہلے اس سے ذکر کر چکے کہ موافق حکم آیت وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ کے قرابت کو بھی
دخل ہی اور علم اور شجاعت وغیرہ سب صاف حمیدہ چاہئیں جس سے افضلیت ثابت ہو قرابت مجرد کو ہم نہیں کہتے اور افضلیت اگر تھی تو حضرت علی میں تھی کہ انمیں
سب فضائل موجود تھے اور ابوبکر میں ایک فضیلت بھی نہ تھی تقدیم کی اور ابوبکر نزدیک خدا کے اور رسولخدا کے خود تو خلیفہ تھے ہی نہیں انکے خلیفہ کرنے سے عمر کیسے خلیفہ
ہو جاتے اور خدا اور رسول خدا کی نزدیک ابوبکر خلیفہ اسواسطے نتھے کہ رسول خدا نے انکو خلیفہ نہیں کیا تھا لوگوں نے کیا تھا بلکہ عمر تنہا ہی نے کیا تھا کہ پہلے سب سے بیعت کرکے
کہا کہ ہم تو اسکو کرتے ہیں اور لوگوں کے خلیفہ کرنے سے پیغمبر خدا کا خلیفہ کیونکر ہو سکتا ہی اور اگر لوگوں ہی کے کرنے پر موقوف ہے تو ابھی چند آدمی متفق ہو کر خلیفہ کر دیں کسیکو
اور کہدیں کہ یہ خلیفہ پیغمبر کا ہی اور ابوبکر نے جو عمر کو خلیفہ کیا تو بہت بیجا کیا اسواسطے کہ اصحاب رسول مقبول انکی خلافت سے راضی نہ تھے چنانچہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور
کسی ایک کو خلیفہ کیونکر کرتے کہ عمر سے تو ایک عرصے سے پیمان ہو رہا تھی کہ اگر تو مجھے خلیفہ کریگا تو میں تجھ کو خلیفہ کرونگا اور عمر کی کونسی فضیلت کا ذکر کیا تھا ابوبکر نے جس کے سبب سے
خلیفہ کیا بڑی صفت انکی یہی تھی کہ وہ فظ غلیظ تھے اور اسی جہت سے اصحاب رسولخدا انکا خلیفہ ہونا نہیں چاہتے تھے اور کہتے تھے کہ اگر اسکو تو خلیفہ کریگا تو یہ اور زیادہ بدمزاج
اور تند خو ہو جائیگا اور اگر تو اسکو خلیفہ کریگا تو اپنے پروردگار کو تو کیا جواب دیگا اور لوگوں کا کہنا ابوبکر نے کچھ نہ سنا اور عمر کو خلیفہ کر دیا اُن مواثیق اور عہود کی جہت سے اور فضیلت عمر

میں کونسی بات تھی جو کلام اللہ میں ہرگز یہ نہیں ہے کہ جو کچھ ہوا اچھا ہوا اور عین صواب تھا اور آیت چہارم جو لکھی ہے بعد اسکے اُس سے ہرگز خلافت ثلاثہ کی ثابت نہیں ہے چنانچہ معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** جو تھی آیت وعد اللہ الذین امنوا منکم وعملوا الصلحت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضی لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امنا یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا ومن کفر بعد ذلک فاولئک ہم الفاسقون یعنی وعدہ دیا ہے اللہ نے بعضے ان لوگوں سے جو تم میں سے ایمان لائے ہیں اور اچھے اچھے عمل کئے ہیں اس بات کا کہ انکو زمین کا خلیفہ اور بادشاہ بنا دیگا جیسا اُنسے پہلوں کو اور انکے لئے اُس دین کو جو انکے لئے اللہ تعالیٰ نے چھانٹ رکھا ہے اور پسند کر رکھا ہے خوب جما دیگا اور انکو بعد اسکے کہ اندیشہ اور خوف رہا کرتا تھا امن دیگا کہ وہ پھر میری ہی عبادت کیا کرینگے اور کسیکو ذرہ برابر عبادت میں میرا شریک نہ کرینگے اور جو لوگ بعد اس نعمت کے کفران نعمت کریں اور ناشکری کریں وہی ہیں اصلی فاسق طاعت سے نکلے ہوئے اس آیت کا حاصل یہ ہوا جو کلام اللہ کو سمجھتے ہیں وہ تو سمجھتے ہیں اور جو نہیں سمجھتے وہ ترجموں سے مطابق کر دیکھیں آجکل سینکڑوں ترجمے کے کلام اللہ ملتے ہیں کچھ کمی نہیں اب میری سنئے یہ وعدہ ہرکسی سے نہیں ہوا اُس زمانہ کے مومنوں بعضے صحابہ سے ہوا ہے کیونکہ الذین آمنوا کے بعد منکم بھی بڑھایا ہے اسکا حاصل یہی ہوا کہ یہ وعدہ انہیں سے ہے کہ جو تمہارے زمانہ میں مومن ہیں پہلوں کو اس لفظ کے ذکر کرنے سے اس وعدہ سے علیحدہ کر دیا ہے تو اب حضرت امام مہدیؑ کا تسلط روئے زمین پر اس وعدہ سے علیحدہ ہے اور پھر تسپر یہ وعدہ بھی اُس زمانہ کے تمام مومنوں سے نہیں ہوا بلکہ بعضے سے چنانچہ لفظ من جو منکم میں ہے اسکا حاصل یہی ہے بلکہ لفظ من ضمیر کے اوپر داخل ہوگا اسکا یہی مطلب ہوگا یا ابتدا کے معنی ہونگے سو اس جگہ ابتدا کے معنی کسی کے نزدیک بن ہی نہیں سکتے تو بیشک بعضے ہی کے معنی ہونگے کیونکہ بیان کے لئے تو فصحا اسکے کلام میں ضمیر پر آتا ہی نہیں **اقول** یہ شیخ نجدی اس آیت کے معنی ہی نہیں سمجھا اور اگر سمجھتا تو بعضے ان لوگوں میں سے منکم کا ترجمہ نکرتا اور خلافت مصطلحہ جو کہ نیابت پیغمبر ہے مراد نہ لیتا اور وعدہ تو سب مومنین صالحین سے ہے چاہئے کہ سبھی بادشاہ ہو جائیں خصوصیت کسی کی کیا ہے اور اگر کسی اور نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے تو بڑی غلطی کی ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور معلوم نہیں یہ لفظ سینکڑوں کس زبان کا ہے نہ ہندی نہ فارسی نہ ترکی ہے خاص گھڑت یہ مرد ترکی کا اور وعدہ میں تخصیص بھی ان مومنین کی نہیں ہے جو کہ اس زمانہ میں موجود تھے اسواسطے کہ اکثر احکام ایسے ہیں کہ خطاب تو انہیں مومنین موجودین کی طرف ہے اور مراد جمیع مومنین ہیں قیامت تک اور اگر جمیع مومنین مراد نہوں تو وہ احکام اُن لوگوں ہی کے واسطے ہوں جو کہ اُس زمانہ میں موجود تھے اور جو مومنین کہ بعد انکے ہوئے ہیں وہ اُن احکام سے خارج ہوں اور صلوۃ و صوم و زکوۃ کچھ اُنپر واجب نہو اور خدا تعالیٰ اُس زمانہ کے حاضرین کی طرف خطاب کر کے فرماتا ہے کہ مَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَیَمُتْ وَهُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِیْهَا خٰلِدُوْنَ پس چاہئے کہ جو لوگ کہ بعد انکے ہونگے اگر وہ مرتد ہو جائیں تو وہ مومن کے مومن ہی رہیں اسواسطے کہ خطاب تو اُن لوگوں کی طرف ہے کہ جو وقت نزول آیت کے موجود تھے اور جو کہ بعد انکے ہونگے اُنکی طرف خطاب نہیں ہے اور یہ کہ حقیقت میں زمانہ رجعت کا ہے کہ اسوقت ائمہ معصومین علیہم السلام کو تسلط فی الارض حاصل ہوگا اور جملہ مخاطبین میں سے جناب رسولخدا صلعم اور حضرت امیر اور حضرت حسنین علیہم السلام وقت نزول آیت کے موجود تھے اور یہی صورت خطاب کی ہے کہ بعضے مخاطبین موجود ہوں جیساکہ اصول فقہ میں مقرر ہو چکا ہے اور یہی حال کل خطابات قرآنیہ کا ہے اور سوائے زمانہ امام مہدیؑ کے اس آیت کا مصداق پایا نہیں جاتا اور انکے زمانہ کے سوا اور کوئی زمانہ ہو ہی نہیں سکتا اسواسطے کہ اس آیت میں خطاب جمیع مومنین کی طرف ہے جو کہ اس زمانہ میں تھے اور من کا لفظ منکم میں اسواسطے بیان کے ہے چنانچہ کشاف اور بیضاوی وغیرہ میں لکھا ہے پس غلبہ سے مراد اگر غلبہ فی الجملہ ہے کہ بعضے جگہ ہوا اور بعضی جگہ نہو تو وہ تو زمانہ رسولخدا صلعم میں بھی حاصل تھا اور صاحب بیضاوی آیت الیوم اکملت لکم دینکم الخ کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت صلعم کے زمانہ میں غلبہ ہوگیا تھا پس ثلاثہ کا زمانہ خارج ہوا کہ انکا زمانہ اس سے مراد ہو اور ترقی تو روز بروز ہوتی ہی رہتی تھی معاویہ کے زمانہ میں اس سے زیادہ ترقی ہو گئی تھی اور عبدالملک کے زمانہ میں اور زیادہ ترقی تھی اور یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا کے کہنے سے رسولخدا صلعم کا زمانہ اور ثلاثہ کا زمانہ اور انکے بعد معاویہ وغیرہ کا زمانہ سب خارج ہو گئے اسواسطے کہ انکے زمانوں میں شرک موقوف نہیں ہوا تھا چنانچہ اب تک شرک چلا آتا ہے اور نہ خوف سب جگہ سے موقوف ہوا تھا اور بعضی جگہ کا خوف اور شرک مراد ہو تو یہ ہو نہیں سکتا اسواسطے کہ یہ سورہ مدنی ہے اور یہ آیت بھی مدنی ہے اور جسوقت یہ آیت نازل ہوئی تھی تو اُسوقت مدینہ میں شرک تھا اور نہ خوف تھا اور اگر کوئی مشرک اُسوقت تھا تو مغلوب و مرعوب ہو تھا پھر وعدہ کرنے سے کیا حاصل ہے کہ بعضی جگہ تو اُسوقت بھی شرک اور خوف نہ تھا اور بعضی جگہ شرک ہوا اور بعضی جگہ نہوا تو آجتک موجود ہے کہ بالکل کبھی موقوف ہی نہیں ہوا پس معلوم ہوا کہ مراد دفع ہونے شرک ہی کل زمین کے شرک کے دفع کرنیکا وعدہ ہے اور یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا کے کہنے سے ایک اور وجہ سے بھی زمانہ رسولخدا صلعم کا اور انکے بعد کا نکل گیا اسواسطے کہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب وعدہ کو پورا کرینگے تو اُسوقت وہ سوائے میرے کسیکی عبادت نکرینگے اور عبادت میں تو مومنین قبل نزول اس آیت کے بھی خدا ہی کی کرتے تھے کسی غیر کی نہ کرتے تھے اور نہ شرک کرتے تھے لیکن کل آدمی خدا کی عبادت نہ کرتے تھے اور نہ سب نے شرک کو چھوڑا تھا پس معلوم ہوا کہ مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی اُسوقت سوائے خدا کے کسیکی عبادت نکریگا اور نہ کوئی شرک کریگا سو یہ حال تو امام مہدیؑ ہی کے زمانہ میں ہوگا کہ نہ کوئی آدمی شرک کریگا اُسوقت اور نہ سوائے خدا کے کسیکی عبادت کریگا اور یہ صورت جناب رسولخدا کے زمانہ سے آجتک ظہور میں نہیں آئی یقین ہے کہ امام مہدیؑ کے زمانہ میں ظہور میں آئیگی اور یہی مراد ہے اس آیت سے اور لفظ من جو منکم میں ہے تبعیضیہ نہیں ہے بلکہ بیانیہ ہے اور لفظ استخلاف سے مراد معنی اُس کے لغوی ہیں

نہ معنی اصطلاحی کہ جو نیابت پیغمبر ہے اور مراد مومنین سے جمیع مومنین ہیں چنانچہ بیضاوی اور کشاف و مدارک وغیرہ تفاسیر میں اہل سنت نے لکھا ہے اور عبارت تفسیر بیضاوی کی یہ ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ خطاب للرسول وللامۃ او لہ ولمن معہ ومن للبیان یعنی خطاب ہے واسطے پیغمبر کے اور واسطے امت کے یا واسطے پیغمبر کے اور واسطے اُس شخص کے کہ ہمراہ اُس حضرت کے ہے اور لفظ من واسطے بیان کے ہے اور زمخشری نے تفسیر کشاف میں لکھا ہے الخطاب لرسول اللّٰہ ولمن معہ ومنکم للبیان کالتی فی اٰخر سورۃ الفتح وعدھم اللّٰہ ان ینصر الاسلام علی الکفر ویورثہم الارض ویجعلہم فیہا خلفاء کما فعل ببنی اسرائیل حین اورثہم مصر والشام یعنی خطاب واسطے پیغمبر خدا صلعم کے ہے اور واسطے اُس شخص کے کہ ہمراہ اُس حضرت کے ہے اور منکم واسطے بیان کے ہے مثل اُس من کے کہ آخر سورہ فتح میں آیت وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا منہم الخ میں ہے وعدہ کیا ہے اُن سے خدا نے یہہ کہ نصرت کرے اسلام کو کفر پر اور وارث کرے اُنکو زمین کا اور کردے اُنکو اُس میں جانشینان یعنی مالک اور صاحب اختیار جیسے کہ کیا بنی اسرائیل کو جس وقت کہ وارث کیا اُنکو مصر اور شام کا بعد ہلاک کرنے قوم جبابرہ کے اور جس وقت کہ خطاب جمیع مومنین کیطرف ہوا اور لفظ من منکم میں واسطے بیان کے ہوا تو معنی استخلاف کے لغوی مراد ہوں گے نہ اصطلاحی اسواسطے کہ سب مومنین خلفاء رسول مقبول نہیں ہو سکتے اور استخلاف سے مراد یہ ہوگی کہ مومنین کو وارث اور مالک عرب کے زمین کا کر دیگا جیسا کہ بنی اسرائیل کو مالک ملک مصر اور شام کا کر دیا تھا اور ایسا ہی تفسیر مدارک وغیرہ میں ہے اور اس سے جواب ہوگیا اس شیخ کی سب باتوں کا کہ من واسطے بیان کے ہوا نہ واسطے تبعیض کے اور خطاب طرف جمیع مومنین کے ہوا نہ طرف بعض مومنین کے اور اگر لفظ من کو جو کہ منکم میں ہے تبعیض کے واسطے کہیں تو معنی آیت کے موافق مطلب کے حاصل نہیں ہوتے اسواسطے کہ اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ بعضے صحابہ مخاطبین مومن صالح ہیں اور بعضی نہیں ہیں اور یا یہہ معنی ہوں گے کہ مومنین صالحین کہ بعض مخاطبین ہیں کل وعدہ کئے گئے خلافت کے ہیں بعضے اُن میں سے وعدہ کئے گئے خلافت کا ہیں اور جس نے من کو تبعیض کے واسطے کہا ہے اُس نے بڑی غلطی کی ہے اور اسی واسطے جو لوگ کہ ماہر فن عربیت ہیں مثل صاحب کشاف اور بیضاوی کے اُنہوں نے من کو منکم میں تبعیض کے واسطے نہیں کہا ہے بلکہ بیان کے واسطے کہا ہے اور اگر تبعیض کیواسطے کہا جائے تب بھی مطلب اس شیخ کا حاصل نہیں ہوتا ہے چنانچہ ہم کہہ چکے البتہ اگر لیستخلفہم کی جگہ لیستخلفن منکم یا منہم ہوتا تو موافق مطلب اس شیخ کے ہوتا اور اب تو کسیطرح سے مطلب اُنکا ثابت نہیں ہے اور ابتدا کے واسطے تو کوئی بھی من کو یہاں نہیں کہتا ہے اور اگر تبعیض کے واسطے لو تو اُس سے مطلب حاصل نہیں ہوتا ہے جیسا کہ ہمنے ذکر کیا اور اس میں بھی اس شیخ نے بڑی غلطی کی ہے کہ جو مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے کہتا ہے کہ بیان کے لیے تو من فصحا کے کلام میں ضمیر پر آتا ہی نہیں اور حال یہہ ہے کہ دوسری جگہہ بھی قرآن میں موجود ہے کہ من ضمیر پر آیا ہے اور وہاں بجز معنے بیان کے اور معنے درست ہی نہیں ہو سکتے چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے وعد اللّٰہ الذین اٰمنوا وعملوا الصلحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما اس آیت میں جو من منہم میں ضمیر پر آیا ہے بجز بیان کے معنے اسکے صحیح نہیں ہو سکتے اور زمخشری کہ اُنکا امام ہے فن عربیت میں اُس سے زیادہ کون فصیح ہوگا کہ وہ بیان کے واسطے کہتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر بالفرض بفرض محال یوں ہی کہیں کہ من یہاں بیان کے لئے ہے اور اسکا ہم ہرگز خیال نکریں کہ کلام اللّٰہ خدا کی کلام ہے اور وہ بھی معجز نظام کسی ایسے گنوار ہندوستانی کی نہیں کہ ہدایت النحو وغیرہ رسالے عربی زبان کے پڑھ کر عربی کی ٹانگ توڑنے لگے تب بھی شیعوں کو مشکل ہی رہیگی اس صورت میں تمام صحابہ مراد ہونگے حتی کہ خلفاء ثلثہ بھی اس لئے کہ جب تک تو وہ بھی مسلمان ہی تھے مرتد نہوئے تھے اور اگر وہ منافقین میں سے تھے اور کبھی مسلمان ہوئے ہی نتھے تب بھی وہ داخل ہی رہیں گے جو اُنکے عقیدہ کے موافق بعد وفات رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم مرتد ہوئے ہیں اور جو آیات مرتدین کے بیان میں آئی ہیں شیعوں کے نزدیک اُنکے حق میں وارد ہوئی ہیں اس صورت میں اول تو یہہ لازم آئیگا کہ جو مرتد ہو گئے اُن سے اس بات کا وعدہ تھا کہ اُنکے لئے دین پسندیدہ کو جما دینگے وعدہ کر کے خلاف وعدہ کیا کیونکہ اگر خدا دین کو جما دیتا پھر نفس اور شیطان سے کہیں اُکھڑ سکتا جو وہ مرتد ہو گئے معہذا اُنکے حال میں یوں بیان فرماتے ہیں کہ جب اُن سے یہہ وعدہ پورا ہوگا اُسوقت وہ میری ہی عبادت کرینگے یہانتک کہ ذرہ برابر کسیکو میری طاعت میں شریک نکرینگے یا یوں کہئے کہ یہہ بھی ایک وعدہ ہی ہے اخبار نہیں **اقول** یہ قول تو آپکا ایسا ہی ہے کہ جیسے کوئی آسمان کو کہے کہ زمین ہے اور دن کو کہے رات ہے اسواسطے کہ جو کہ ماہر فن عربیت ہیں جیسے کہ زمخشری صاحب کشاف اور مصنف تفسیر بیضاوی وہ تو کہیں کہ لفظ من واسطے بیان کی ہے اور تو اُسکو محال بتلائے تیرا کہنا معتبر کیونکر ہو کہ تو ہدایت النحو وغیرہ پڑھ کر عربی میں دم مارنے لگا یا کہنا زمخشری کا معتبر ہو کہ امام فن عربیت ہے اور زبان بھی اُنکی عربی ہے اور یا کہنا مصنف بیضاوی کہ جو ماہر فن عربیت ہے اور دیکھئے کوئی گنوار ہندوستانی مثل تیری دو تین رسالہ نحو کے پڑھکر یہہ بات نہیں کہتا بلکہ ماہران فن عربیت کہتے ہیں کہ من بیان کے واسطے ہے اور تو کہ فن عربیت سے بالکل اجنبیت رکھتا ہے اُنکے قول کے خلاف کہتا ہے وہ کون دیوانہ ہے کہ تیری کہنے کو پسند کریگا اور اگر من واسطے بیان کے ہو تو اُسکا تو ماحصل ہم پہلے اس سے بیان کر چکے اور اس صورت میں یہہ آیت البتہ جمیع مومنین کو صحابہ اور غیر صحابہ کو سب کو شامل ہوگی جو کہ تادم واپسیں ایمان صحیح پر قائم ہوں اور اگر ایمان پر قائم نہیں رہے ہیں تو اُنکے حق میں یہ آیت نہوگی گو وقت نزول آیت کے ایمان پر قائم ہوئے ہیں اسواسطے کہ قرآن شریف میں اکثر آیتیں ایسی ہیں

کہ جن میں مومنین سے وعدہ مغفرت اور جنت کا ہے اور مومنین مرتد ہی ہو گئے ہیں کہ جن کو اہل سنت اپنی کتابوں میں لکھتے ہیں اور مولوی عبد العزیز صاحب نے کئی فرقوں کا
اور قوموں کا نام لکھا ہے کہ وہ بعد رسول خدا صلعم کے مرتد ہو گئے اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وعد اللہ الذین امنوا و عملوا الصلحت منہم مغفرۃ و اجرا عظیما اور اہل سنت
یہ بھی کہتے ہیں کہ بہت سے مومنین مرتد ہو گئے تھے اور ابو بکر نے اون پر جہاد کیا اب اس شیخ نجدی کے قول کے مطابق ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے جو اس آیت مغفرت میں وعدہ بخشش
کا کیا ہے اور حال یہ ہے کہ جن سے وعدہ کیا تھا وہ مرتد ہو گئے اہل سنت کے نزدیک تو اس سے یہ لازم آئیگا کہ جو مرتد ہو گئے اُن سے اس بات کا وعدہ تھا کہ اُنکے واسطے مغفرت اور اجر عظیم
ہو گا وعدہ کر کے خدا نے خلاف وعدہ کیا کیونکہ اگر خدا کو مغفرت ہی منظور تھی تو پھر نفس اور شیطان کو کیا دخل تھا کہ ایمان سے اُبھار سکتے کیا نفس و شیطان خدا سے بھی غالب ہے
اور وہ لوگ ایسے ہی تھے کہ خدا کی ہی عبادت کرتے تھے اور کسیکو شریک نہیں کرتے تھے اسواسطے کہ مومن صالح تو میری ہی عبادت کرینگے اور کسیکو میرا شریک نکرینگے اسکے معنی ہی
یہ نہیں سمجھا ہے اسواسطے کہ مراد اس سے یہ ہے کہ کل آدمی میری ہی عبادت کرینگے اور شریک میرا کسیکو کوئی نکریگا کہ تمام روے زمین پر دین اسلام پھیل جائیگا موافق وعدہ لیظہرہ علی
الدین کلہ کے اور مومن صالح سوائے خدا کے اور کسکی عبادت کرتا ہے اور شریک خدا کا کسکو کرتا ہے وہ تو قبل نزول آیت ہی عبادت خدا ہی کی کرتے تھے کسی بت کی عبادت
نہیں کرتے تھے پھر وعدہ کس چیز کا کرتا ہے کیا جو چیز کہ حاصل ہے اُسکا وعدہ کرتا ہے سو اس بیان سے یہ معلوم ہوا کہ خدا تعالیٰ نے جو وعدہ کیا ہے دین بہادری کا اُن مومنین سے
کیا ہے کہ جو تا مرگ مومن رہے ہوں اور اگر وقت نزول آیت کے مومن تھے اور پھر مرتد ہو گئے اُن سے یہ وعدہ نہیں ہے اور جن مومنین سے خدا تعالیٰ نے وعدہ کیا ہے اُنکی ہی طرف تو خدا تعالیٰ
خطاب کر کے فرماتا ہے کہ یا ایہا الذین امنوا من یرتد منکم عن دینہ اور دوسری جگہ فرماتا ہے و من یرتدد منکم عن دینہ فیمت وھو کافر الخ اور تم کہتے ہو کہ ابو بکر نے مرتدوں پر جہاد کیا اور ہمارے نزدیک ابو بکر
خود ہی ایمان صحیح نرکھتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں سے ہم ثابت کرتے ہیں اور بعضی مومنین صحابہ کا مرتد ہو جانا خود رسول خدا صلعم نے اپنی زبان مبارک سے فرمایا ہے چنانچہ کتب
صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے روز کچھ آدمیوں کو حوض کوثر سے ملائکہ ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائیں گے میں کہونگا کہ انکو کہاں لئے جاتے ہو
یہ تو میرے اصحاب ہیں اُسوقت ملائکہ میرے جواب میں کہیں گے کہ انک لا تدری ما احدثوا بعدک و لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم یعنی تحقیق تو نہیں جانتا ہے کہ جو کچھ احداث کیا ہے انہوں
دین میں بعد تیرے اور ہمیشہ مرتد اور پھر جانیوالے رہے ہیں پاشنوں اپنی پر جب سے کہ مفارقت کی ہے تونے اُنسے اور دوسری روایت میں یہ ہے کہ ابو بکر کیطرف رسول خدا صلعم نے خطاب
کر کے فرمایا کہ ما ادری ما تحدثون بعدی یعنی نہیں جانتا میں کہ کیا احداث کروگے تم دین میں بعد میرے سو یہ وہی لوگ ہیں کہ جو وقت نزول آیت وعدہ کے ہمراہ رسول خدا صلعم
موجود تھے اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تا دم واپسین چاہیے اور اگر بالفرض وقت نزول آیت کے مومن ہوئے تو اس سے کچھ فائدہ نہیں ہے اگر بعد اُسکے مرتد ہو گئے اور اول تو ہمکو ثلثہ کے ایمان صحیح
میں کلام ہے ہم تو یہ جانتے ہیں کہ انکا ایمان ہی خالص نتھا بلکہ دنیا کے واسطے تھا چنانچہ رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے ستحرصون علی الامارۃ و تکون لکم ندامۃ یعنی قریب ہے کہ حرص
کروگے تم حکومت پر اور ہوئیگی وہ واسطے تمہاری ندامت انجام کو اور ابو بکر کے حق میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ تریدون عرض الدنیا یعنی چاہتے ہو تم مال دنیا کو اور عمر تو ہمیشہ نبوت میں حضرت
کے شک ہی کیا کرتے تھے چنانچہ شیخ شمس الدین قیم کتاب زاد المعاد فی ہدی خیر العباد میں ذکر صلح حدیبیہ میں لکھتے ہیں کہ قال عمر بن الخطاب واللہ ما شککت منذ اسلمت الا یومئذ فاتیت
النبی فقلت یا رسول اللہ الست نبی اللہ حقا قال بلی الحدیث یعنی کہا عمر بن خطاب نے کہ قسم ہے خدا کی نہ شک کیا میں نے جس دن سے کہ اسلام قبول کیا ہے میں نے مگر اُس روز یعنے بروز صلح حدیبیہ کہ آیا
میں پیغمبر خدا کے پاس پس کہا میں نے کہ ای رسول خدا کیا نہیں ہے تو پیغمبر خدا کا حق فرمایا کہ ہاں میں پیغمبر حق ہوں اور ایسا ہی مفتاح الفتوح میں جو کہ کافل تراجم رجال مصابیح بغوی کے
ہے مرقوم ہے کہ نبوت میں ایسا شک پہلے اُس سے ملنے نہیں کیا تھا جیسا کہ اُس روز کیا اس سے معلوم ہوا کہ شک تو ہمیشہ کرتے تھے لیکن اُس روز کا شک زیادہ تھا اور ابن حجر شرح صحیح
بخاری میں واقدی سے روایت کرتا ہے کہ عمر نے کہا کہ دخلنی امر عظیم یعنی داخل ہوا مجھمیں امر عظیم یعنی وہ شک تھا نبوت میں بروز صلح حدیبیہ اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے انما المومنون الذین امنوا باللہ
و رسولہ ثم لم یرتابوا یعنی سوا اسکے نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے وہ ساتھ خدا کے اور پیغمبر اُسکے کے پھر شک کیا اُنہوں نے اور عینی نے شرح بخاری میں بھی لکھا
کہ اگر کوئی سوال کرے کہ واقع ہونا اس قسم کے شک کا عمر کے عدم ایمان پر دلالت کرتا ہے تو اُسکے جواب میں ہم کہیں گے کہ احتمال رکھتا ہے کہ عمر اُسوقت مولفۃ القلوب سے ہوں بلعد اسکے حسن اسلام
اور رسوخ ایمان کے ساتھ متصف ہوں میں کہتا ہوں کہ یہ قصہ صلح حدیبیہ کا بعد ہجرت کے ہے اور نزول آیت استخلاف بھی قبل صلح حدیبیہ ہے اور بیعت رضوان بھی صلح حدیبیہ پر مقدم ہے اس صورت میں حضرت
عمر شرف ہجرت سے اور بیعت رضوان سے خارج ہوئے اور آیت استخلاف کے خطاب میں داخل نہوئے کہ اُسوقت مولفۃ القلوب میں تھے اور مولفۃ القلوب
وہ کفار ہیں کہ جنکو مال غنیمت اور زکوٰۃ میں سے حصہ ملتا ہے اور وہ مسلمانوں کی طرف ہو کر کافروں پر جہاد کرتے ہیں اور یہ جو لکھا ہے کہ انکے حال میں یوں ہی بیان فرماتا
ہیں کہ جب اُن سے یہ وعدہ پورا ہوگا اُسوقت وہ میری ہی عبادت کرینگے کہتا ہوں میں کہ اس سے یہ معلوم ہوا کہ خلفاء ثلثہ وغیرہ ہم اُسوقت میں قبل نزول آیت استخلاف
کے خدا کے غیر کی عبادت کرتے تھے اور مشرک بھی تھے جب ایفاء وعدہ ہوگا تو اُسکو ترک کرینگے اور حال یہ ہے کہ قبل نزول آیت مذکورہ بھی وہ خدا ہی کی عبادت کرتے تھے

اور کسی کو شریک اسکے نہیں کرتے ہیں کیا خداتعالی اُن سے اس امر کے صادر ہونیکے وقت ایفاء وعدہ کے کہتا ہے کہ جو انکو پہلے سے حاصل تھا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ حکیم مطلق سے
یہ بات بہت بعید ہے پس معلوم ہوا کہ آیت یَعبُدُونَنِی لَا یُشرِکُونَ بِی شَیئًا سے مراد یہ ہے کہ کوئی آدمی اُسوقت سوا میرے کسیکی عبادت نکریگا اور شرک نکریگا اور جو کہ مومن تھے وہ نزول آیت سے
پہلے بھی اسی کی عبادت کرتے تھے اور شرک بھی نہیں کرتے تھے پھر وعدہ کس امر کا ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے حاصل تھا **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اس صورت میں لازم ایکا کہ تادم واپسین وہ اسی حال پر
تھے جسکے انعام میں یہ وعدہ ہوا تھا یعنی ایمان اور عمل صالح چنانچہ اہل فہم وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سے یہی معنی سمجھتے ہیں کہ باعث اس وعدہ کا ایمان اور عمل صالح ہے پھر معلوم کہ
باوجود ان سببوں کے وہ کیونکر مرتد ہو گئے اور حال سے خالی نہیں یا یوں کہو کہ خدا نے خلاف وعدہ کیا یا خدا سے آیندہ کی خبر میں غلطی ہوئی **اقول** جواب اس قول کا پہلا اس سے مفصل بیان ہو چکا ہے اور اس وعدہ سے
لازم نہیں آتا کہ وہ لوگ تادم واپسیں اسی حال پر رہیں اسواسطے کہ خداتعالی نے قرآن میں اکثر آیتوں میں مومنین سے وعدہ مغفرت اور جنت کا کیا ہے لیکن اس سے یہ نہیں لازم آتا ہے
کہ وہ ہمیشہ ایمان پر قایم رہیں بلکہ یہ مراد ہے کہ اگر وہ تادم واپسیں ایمان پر قایم رہینگے تو انکے واسطے یہ فائدہ ہے اور خداتعالی فرماتا ہے کہ اِنَّ الَّذِینَ اٰمَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ
هُم خَیرُ البَرِیَّۃِ جَزَآؤُهُم عِندَ رَبِّهِم جَنّٰتُ عَدنٍ تَجرِی مِن تَحتِهَا الاَنهٰرُ خٰلِدِینَ فِیهَا اَبَدًا رَضِیَ اللّٰهُ عَنهُم وَرَضُوا عَنهُ اس آیت میں بھی خداتعالی وعدہ کرتا ہے
کہ جو کوئی ایمان لائیگا اور اعمال نیک بجا لائیگا تو اسکے واسطے بہشتیں ہیں اور خدا اُن سے راضی ہے تو اس وعدہ کرنے سے یہ نہیں لازم آتا ہے کہ اگر کوئی چند سال مومن صالح
رہے اور بعد اسکے مرتد ہو جائے تو اسکے واسطے بھی یہی مرتبہ ہو اور ایسے ہی اِنَّ الَّذِینَ کَفَرُوا مِن اَهلِ الکِتٰبِ وَالمُشرِکِینَ فِی نَارِ جَهَنَّمَ خٰلِدِینَ فِیهَا ہے کہ سب کافروں کے واسطے وعدہ دوزخ میں
ڈالنیکا ہے چاہیئے کہ کفر کرنیوالے ہمیشہ دوزخ میں رہیں اور کبھی ایمان کو قبول نکریں کہ خداتعالی نے وعدہ انکے دوزخ میں ڈالنے کا کیا ہے اور حال یہ ہے کہ وہی کفار جن سے وعدہ
دوزخ میں ڈالنیکا تھا مسلمان ہو کر بہشت میں داخل ہو گئے ہیں سو مراد یہ ہے کہ جو کوئی دم واپسیں مومن رہے اسکے واسطے وعدہ نجات ہے اور جو کوئی ہمیشہ کافر ہے اسکے واسطے وعدہ
عذاب ہے اور مرتد ہو جانا کچھ دشوار نہیں ہے بلکہ وقوع میں آنیوالا ہے اور اسیواسطے خداتعالی انہیں مومنین کی طرف جن سے وعدہ ہوا ہے اس آیت میں اور آیت استخلاف میں خطاب
کرکے فرماتا ہے کہ وَمَن یَرتَدَّ مِنکُم عَن دِینِهٖ اور اگر ان مومنین کا مرتد ہو جانا ممکن نہوتا تو خداتعالی ایسا کیوں فرماتا اور ہر چند ایمان اور عمل صالح کے انعام میں یہ وعدہ ہے
لیکن اس صورت میں کہ ایمان ہمیشہ کو سلامت رہے اور یہی مراد ہے آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِینَ اٰمَنُوا مِنکُم سے اور مرتد ہوئی وہ اپنی شامت نفس سے اور آیت میں کوئی ایسی بات نہیں
ہے کہ جو مانع ہو انکے مرتد ہونیکو اور ہم پہلے قول میں مفصل بیان کر چکے ہیں چاہو دیکھ لے اور وعدہ میں خدا کے خلاف نہیں ہے وعدہ کو اسنے وفا کیا اور ہمنے فرض کیا کہ خداتعالی
نے مومنین صالحین سے وعدہ تمکین دین کیا تھا اور اسکو وفا کیا رسولخدا صلعم کے ہی زمانہ میں جسوقت کہ ثلثہ بھی مومنین میں سے تھے لیکن بعد اسکے ثلثہ ایمان صحیح پر
باقی نرہے اور تمکین دین سے مراد اگر فی الجملہ ہے کہ بعض جگہہ ہوا اور بعض جگہہ ہو تو اس صورت میں مراد زمانہ رسولخدا صلعم ہی کا ہوگا نہ ثلثہ کا اسواسطے کہ رسولخدا کے ہی زمانہ
میں اس ملک میں تمکین کامل ہو گئی تھی جیسے کہ تفسیر بیضاوی میں آیہ الیوم اکملت لکم دینکم کی تفسیر میں لکھا ہے اور ثلثہ کا زمانہ مراد نہیں ہو سکتا اور اگر انکا بھی زمانہ مراد ہو
تو معاویہ اور یزید اور عبدالملک وغیرہ کا بھی زمانہ مراد ہو اور خداتعالی سے غلطی ہرگز نہیں ہوئی ہے اور اسکو اسکے مابعد کے سب خبر تھی لیکن اسکی باخبر ہونے سے ارتداد بعض
مومنین کا ممنوع نہیں ہے ہر چند وہ جانتا تھا کہ بعضے ان میں ایسے ہیں کہ وہ مرتد ہو جاوینگے لیکن ایمان کی جہت سے انسے وعدہ کیا ہے اور ایمان کی جہت سے وعدہ کرنیکو یہ لازم نہیں ہے کہ وہ مرتد نہونگے
اسواسطے کہ خداتعالی جن کو جانتا تھا اپنے علم سے کہ یہ مرتد ہو جائیں گے یہ لوگ بھی اُن لوگوں کے زمرہ میں داخل تھے کہ جن سے اکثر وعدہ مغفرت اور جنت کے کئے ہیں سو وعدہ
کرنے سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ وہ کبھی مرتد نہوں اور خداتعالی نے یہ فرمایا ہی نہیں ہے کہ مرتد کبھی نہونگے **قال الشیخ الاشعری** اور یہ سب نہیں الذین آمنوا منکم سے وہ چار
پانچ صاحب ہی مراد ہیں جو بزعم شیعہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسلمان رہے اور مثل دیگر صحابہ مرتد نہوئے اس صورت میں حتی اگر منکم میں بیان کے لئے ہوگا
تو بے شک ان سب کے ساتھ اس وعدہ کا پورا ہونا چاہیئے کیونکہ وہ سب صاحب اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان ہو لئے تھے حالانکہ انمیں سے یہ سب وعدہ سوا حضرت
امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ کے اور کسی کے لئے پوری نہیں ہوئی حضرت ابوذر غفاری اور سلمان فارسی اور حضرت بلال بلکہ حسنین رضی اللہ عنہم تک یہ بات نصیب نہیں
ہوئی حضرت امام حسین رضی اللہ عنہ کا حال تو ظاہر ہے اور حضرت امام ہمام سبط اکبر کا حال یہ ہے کہ چھ مہینے کے لئے تو وہ خلیفہ ہو گئے تھے پر چاہیئے انکو کسیطرح کی تمکین
دین حاصل ہوئی ہو ہرگز ظہور میں نہیں آئی خاصکر شیعوں کے نزدیک کیونکہ امیر معاویہ جو انکے نزدیک بالاتفاق کفار اور منکرین امامت ائمہ میں سے ہیں تمام خلافت
پر غالب اور مستولی تھے اور پھر امن تو ہرگز میسر ہی نہیں آیا نہیں تو خلافت ہی انکے حوالہ کیوں کرتے اور کیوں ساری عمر تقیہ میں گزار دیتے اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کو
بھی سنیوں کے نزدیک خلافت اور تمکین کچھ حاصل تھی شیعوں کے نزدیک تو ہرگز حاصل نہیں کیونکہ دین شیعہ اس زمانہ میں بھی مخفی ہی رہا اور حضرت کو تقیہ ہی کرنی
پڑی شیخین کی تعریف ہی کیا کئے یہ کبھی نہوا کہ کھل کھیلیں اور بے کھٹکے ہو کر خلوت جلوت میں برابر یکساں گزاریں چنانچہ اسکی سند آگے انشاء اللہ تعالی معلوم

ہو جائیگی اور علی ہذا القیاس امن موعود کفار کے شر سے حضرت امیر کو بھی بطور شیعہ حاصل نہیں ہوا ہے امیر معاویہ ہمیشہ تنگ کرتے رہے اور اپنے ہاتھ سے آنحضرت نے نہ نکال سکا

اقول ۔ شیعوں کے نزدیک چار پانچ جو کہ آپنے لکھے ہیں وہ مراد نہیں ہیں بلکہ وہ مومنین مراد ہیں کہ جو زمانہ میں حضرت مہدی علیہ السلام کے ہونگے اور بعض آئمہ میں حضرت علی اور حسنین ہمکہ وقت رجعت کے موجود ہوں گے وقت نزول آیہ استخلاف کے ہی تھے اور یہہ ہم نہیں کہتے ہیں کہ بعد رسول خدا کے حضرت علی کے اور حسنین کے اور دیگر ائمہ کے خلافت کے حق میں یہہ آیت نازل ہوئی ہی اور ظاہر ہے کہ اُس زمانہ میں اُنمیں سے کسی کے واسطے ہی تمکین کامل نتھی ذکر اُنکا اسجگہ عبث کیا ہی اور اُنکی اولادمیں واسطے بھی مسلمانوں میں سے اجتک تمکین کامل حاصل نہیں ہوئی موافق آیت لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اور مراد آیت استخلاف میں مراد ملین سے تمکین کامل ہی کہ تمام روے زمین پر غلبہ اسلام کا ہو اور خوف مسلمانوں کو تمام دنیا میں باقی نرہی اور سوائے خدا کے کوئی کسیکی عبادت نکرے اور نہ کوئی دنیا میں شرک کرے اور وہ اجتک حاصل نہیں ہے اور لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ سے مراد یہ ہی کہ تمام زمین کے مسلمان وارث ہوں اور بعضے زمین مراد نہیں ہے اسواسطے کہ بعضے زمین پر تو غلبہ مسلمانوں کا وقت نزول آیت استخلاف کے بھی تھا پھر وعدہ کس چیز کا کیا کہ بالکل تحصیل حاصل ہی اور موافق روایت کشاف و بیضاوی کے کہ وہ لفظ من کو جو کہ منکم میں ہی واسطے بیان کے کہتے ہیں اور استخلاف کو معنی لغوی وارث اور مالک ہونیکے معنی میں سوا اُنکے روایت کے موافق رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں سب مسلمانوں کو کہ وہ ہزاروں آدمی تھے غلبہ حاصل ہوگیا تھا چنانچہ صاحب بیضاوی نے آیت اليوم اكملت لكم دينكم کی تفسیر میں لکھا ہی کہ جناب رسول خدا کے زمانہ میں غلبہ حاصل ہوگیا تھا اور جن مومنین کو غلبہ حاصل ہوا تھا اُن میں سے حضرت علی اور ابوذر اور سلمان وغیرہ ہزاروں اصحاب تھے پھر جو تونے ابوذر وغیرہ کا اور حسنین کا ذکر کیا ہے کہ یہہ نحوبات نصیب نہیں ہوئی اور امام حسن کو چھ مہینے خلافت رہی اور کسیطرح کی تمکین نتھی اور علی کو بھی تمکین حاصل نہیں ہوئی یہہ ذکر کرنا تیرا سب لغو ہی واسطے کہ اس سے کوئی کہتا ہی نہیں ہی تو استخلاف کے معنی اصطلاحی جو کہ نیابت پیغمبر ہے وہ مراد لیتا ہی اور یہاں اس آیت میں استخلاف لغوی معنی میں ہی نہ اصطلاحی معنی میں اور اہل بیت کے واسطے امن نہونا ابوبکر کے زمانہ سے آخر زمانہ سلاطین جور تک بھی بڑی دلیل ہی آیت استخلاف کی مصداق کے اتباع موجود نہونیکی اور یہ جو لکھتا ہی کہ شیعوں کے نزدیک بعد رسول خدا صلعم کے سب مرتد ہوگئے تھے بالکل غلط ہی اور ہم سوا چند اشخاص کے سب کو بہت اچھا جانتے ہیں چنانچہ ابن بابویہ علیہ الرحمہ نے کتاب خصال میں لکھا ہی اور حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے قَالَ كَانَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اثْنَا عَشَرَ أَلْفًا ثَمَانِيَةُ آلَافٍ مِنَ الْمَدِينَةِ وَأَلْفَانِ مِنْ غَيْرِ الْمَدِينَةِ وَأَلْفَانِ مِنَ الطُّلَقَاءِ لَمْ يُرَ فِيهِمْ قَدَرِيٌّ وَلَا مُرْجِئٌ وَلَا حَرُورِيٌّ وَلَا مُعْتَزِلِيٌّ وَلَا صَاحِبُ رَأْيٍ كَانُوا يَبْكُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَيَقُولُونَ اقْبِضْ أَرْوَاحَنَا قَبْلَ أَنْ نَأْكُلَ خُبْزَ الْخَمِيرِ + اور اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے حیات القلوب میں اس روایت کا اسطرح ترجمہ کیا ہے کہ ابن بابویہ بسند حسن از حضرت صادق علیہ السلام روایت کردہ است کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوازدہ ہزار نفر بودند ہشت ہزار از مدینہ و دو ہزار نفر از اہل مکہ و دو ہزار نفر از آزاد کردہ شدہ یکے از ایشاں قدری نبودند کہ جبر قائل باشد و مرجی نبودند کہ گویند ایمان ہمہ کس بیک قسم است حروری نبودند کہ امیر المومنین صلوات اللہ علیہ وسلامہ علیہ لعنہ کنند و معتزلی نبودند کہ گویند خدا را در عمل بندہ ہیچ دخل نیست و در دین خدا برای خود سخن نگفتند و در شب و روز گریہ میکردند و می گفتند خدایا روح ہای ما را قبض کن پیش از آنکہ نان بخوریم اور قاضی نور اللہ شوستری علیہ الرحمہ نے مجالس المومنین میں سو آدمیوں کے نام لکھے ہیں مشاہیر اور رو سا صحابہ میں سے جو کہ شیعوں کے نزدیک ممدوح اور بہت اچھے ہیں اور سید الساجدین علیہ السلام نے واسطے اصحاب محمدؐ کے دعا پڑھی ہی چنانچہ صحیفہ کاملہ میں لکھا ہی کہ اللّٰهُمَّ وَأَصْحَابُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ اور یہہ معلوم نہیں کہ اہل سنت ہمیں کس واسطے تہمت کرتے ہیں کہ شیعہ سب اصحاب کو برا جانتے ہیں بجز اسکے کہ علماء انکے عام لوگوں کو نفرت دلائیں شیعوں سے اور کوئی وجہ نہیں ہی اور روایت ان الصحابۃ ارتدوا بعد النبی کے یعنی صحابہ مرتد ہوگئی بعد پیغمبر کے سوا چار یا پانچ آدمیوں کے یہ روایت اول تو صحیح نہیں ہی کہ اسکے مخالف بہت روایتیں ہیں اور یہہ شیعوں کا اعتقاد معلوم کرنا چاہیئے کہ اعتقاد وہی اُنکا موافق اس روایت کے ہی یا نہیں مرحبا کہ اعتقاد شیعوں کا ایسا ہو اور اہل سنت کی کتابوں میں بھی انکے اعتقاد کے مخالف ایسی روایتیں ہیں کہ اہل سنت اُن تو بزاری ڈھونڈتے ہیں اور ایک روایت کہ جو شیعوں کے اعتقاد کے مخالف انکی کتاب میں ہے اس جہت سے شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور دوسری روایتوں پر نظر نہیں کرتے اور اگر صحت اس روایت کی کیجاے تو بھی کچھ قباحت نہیں ہے اسواسطے کہ فاضل شوستری علیہ الرحمتہ نے اس روایت کے حال میں عربی میں لکھا ہی کہ جسکا ترجمہ یہہ ہے کہ مراد اُلٹی کے جس نے کہ یہہ روایت قیس بن ہلالی سے نقل کی ہے یہ ہے کہ مراد صحابہ سے اس جگہ سوائے قومون کے ہی اصحاب بنی ہیثم سے اور سوائے اُن مشاہیر صحابہ جو ہمنے ذکر کئے ہیں کہ خدمت ملازمت میں رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ رہتے تھے اور سننے والے نص جلی خلافت کی تھی شان میں امیر المومنین علیہ السلام کے نہ سب اصحاب چھوٹے اور بڑے اور اسیواسطے نہ ذکر کیا علی کا اور سبطین کا اور جو کہ ان میں سے ہیثمی بنی ہاشم اور دوست انکی باوجود اس بات کے ظاہر ہونے کی کہ تحقیق کشتی ان لوگوں کے مرتد ہوجانیکا معتقد نہ تھا بس باقی رہی ایک جماعت کثیرہ کہ جو نہ تھی مشاہیر صحابہ میں سے کہ جو سنتے نص کو وہ سلامت ہیں نسبت انکے ارتداد سے اور اکثر پر امر خلافت مشتبہ تھا اس جہت سے کثرت کو دیکھا مرتد کے تابعین میں سے

ہو گئی تھی انتہی اور یہ ذکر ارتداد کا اول وہلہ کا ہی بعد رسول خدا صلعم کے اور بعد اس خطا کے جب حال منکشف ہو گیا تو جماعت کثیرہ نے رجوع کی طرف حق کی اور حضرت علیؑ کی
طرف ہو کر ناکثین اور قاسطین و مارقین سے لڑے کہ وہ عائشہ اور طلحہ اور زبیر مع ہمراہیوں کے اور خوارج اور معاویہ اور تابعین اسکے ہیں چنانچہ رجال امامیہ میں تصریح لکھا
کہ اکثر صحابہ کو اول مرتبہ بسبب عارض ہونے بعضے شبہات کے اہل بیت کی طرف سے خلوص اعتقاد میں کچھ سستی ہو گئی تھی اور بعد اسکے بتدریج عنایت الٰہی حق کی طرف رجوع
کی اور ارتداد بعضے کا موجب ارتداد کل کا نہیں ہو سکتا ہے اور ارتداد سے مراد معنی اعم اسکے ہیں ارتداد دین سے اور اعمال اور افعال صالحہ سے اور محصل روایت کا یہ ہے کہ بعضے صحابہ نے انکار
ضروریات دین کا کرکے دین سے ارتداد حاصل کیا اور بعضوں نے اخلاق حمیدہ اور خصائل پسندیدہ کو ترک کیا کہ خلوص محبت اہل بیت کہ موجب آیت قُل لَّا أَسْأَلُكُمْ عَلَيْهِ أَجْرًا
إِلَّا الْمَوَدَّةَ فِي الْقُرْبَىٰ اجر رسالت تھا اسکی کچھ رعایت کی اور نیکی اور احسان کرنے سے اہل بیت پر دست بردار ہو کر انکے حقوق کو غصب کیا اور رنجیدہ کر کے خاطر عاطر
جناب سیدہ علیہا السلام کا صحاح ستہ سے ثابت ہے اور اس ارتداد کا انکار کرنا کہ جو بمعنی عام ہے صریح مکابرہ ہے اسواسطے کہ اس معنی ارتداد کا واقع ہونا صحابہ سے کچھ امامیہ ہی کے نزدیک
نہیں ہے بلکہ ایسے ارتداد کے صحابہ سے واقع ہونے کے علماء اہل سنت بھی قائل ہیں چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ تَرِدُ عَلَيَّ يَوْمَ الْقِيَامَةِ رَهْطٌ مِنْ أَصْحَابِي
عَلَى الْحَوْضِ فَأَقُولُ يَا رَبِّ أَصْحَابِي فَيَقُولُ إِنَّكَ لَا عِلْمَ لَكَ بِمَا أَحْدَثُوا بَعْدَكَ إِنَّهُمْ ارْتَدُّوا عَلَى أَدْبَارِهِمُ الْقَهْقَرَى حاصل یہ ہے کہ ہانکی جائیگی مجھ سے ایک جماعت قیامت کے
اصحاب میں سے حوض کوثر پس کہونگا میں کہ اے پروردگار میرے اصحاب میرے ہیں پس کہیگا خدا تعالیٰ فرشتہ کے واسطے سے کہ تحقیق نہیں علم ہے تجھکو اور نہیں جانتا
تو کہ جو کچھ احداث کیا ہے دین میں انہوں نے بعد تیرے کہ تحقیق پھر گئے وہ اپنی پشتوں پر اور مرتد ہو گئے اور اس طرح کی حدیثیں صحاح ستہ میں کثرت سے ہیں اور قاضی عیاض اس
حدیث کی تاویل میں لکھتے ہیں کہ هُمْ صِنْفَانِ الْمُرْتَدُّونَ عَنِ الِاسْتِقَامَةِ وَالْعَمَلِ الصَّالِحِ وَالْمُرْتَدُّونَ عَنِ الدِّينِ یعنی وہ مرتد دو قسم ہیں مرتد اور پھر جانیوالے راستی اور درستی سے
اور عمل نیک سے اور مرتد اور پھر جانیوالے دین سے اور فیض القدیر میں لکھا ہے کہ قِيلَ هُمْ أَهْلُ الْكَبَائِرِ وَالْبِدَعِ وَالظَّلَمَةِ وَالْمُسْرِفُونَ فِي الْجَوْرِ وَطَمْسِ الْحَقِّ یعنی کہا گیا ہے کہ وہ صاحبان
گناہان کبیرہ اور صاحبان بدعت اور ظلم ہیں اور حد سے بڑھنے والے ظلم میں اور مٹانے حق میں سو یہی مراد ارتداد سے ہمارے یہاں ہے اب کیا فرق باقی رہا دونو فرقوں میں اور
کفر معاویہ کا ہم اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر سکتے ہیں امام رازی نے کتاب محصول میں اور زمخشری نے ربیع الابرار میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے ابوسفیان پر اور معاویہ
اور یزید تینوں پر لعنت کی ہے اور عبارتیں ان کتابوں کی پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور معاویہ جو حضرت علیؑ سے لڑتا تھا تو حضرت علیؑ کے اور علیؑ کے ہمراہیوں کے قتل کو جو کہ مومن
تھے حلال جانتا تھا اور مومن کے قتل کا حلال جاننا کفر ہے اور حضرت علیؑ جو اسکی طرف والوں کو قتل کرتے تھے وہ موافق حکم خدا کے تھا اسواسطے کہ اہل سنت کے نزدیک وہ باغی
تھا اور باغی سے مقابلہ کرنیکا حکم ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ فَقَاتِلُوا الَّتِي تَبْغِي حَتَّىٰ تَفِيءَ إِلَىٰ أَمْرِ اللَّهِ اور رجوع اس نے کبھی کی نہیں ہے بلکہ جبتک وہ زندہ رہا حضرت علیؑ
کو گالیاں دیتا رہا اور امام حسنؑ کو زہر دلوا کر مروا ڈالا اور حضرت علیؑ اور حسنین کو تمکین کے حاصل نہ ہونے کا جواب تو پہلے اس سے ہم دیچکے اور اگر اہل سنت کے نزدیک علیؑ کو کچھ تمکین نہ تھی
تو ثلاثہ کو بھی کیا تمام روی زمین پر تمکین تھی انکو بھی کچھ ہی تمکین تھی سو وہ بھی تمکین دنیا تھی نہ تمکین دین چنانچہ ہم آیت الیوم اکملت لکم دینکم سے ثابت کر چکے ہیں اور تعریف ثلاثہ کی
حضرت علیؑ نے کچھ ایسی نہیں کی ہے کہ جس سے فضیلت دینی انکی ثابت ہو اور حال حضرت علی کا ہمیشہ یکساں رہا نہج البلاغت کے خطبہ شقشقیہ کو دیکھنا چاہیے کہ کیسی مذمت
خلفاء ثلاثہ کی اسمیں مندرج ہے اور بعد اسکے ہم اسمیں سے کچھ لکھینگے بھی اور سوائے اسکے اور خطبوں میں بھی مذمت ہے اور یہ نہج البلاغت وہ ہے کہ جس کے خطبوں کے کلام
جناب امیرؑ ہونیکا اقرار علماء اہل سنت نے کیا ہے اور بعد اسکے یہ شیخ نجدی جو کچھ اس مقدمہ میں لکھیگا ہم اسکا رد کرینگے اور کفار کے شر سے تو آج تک مسلمانوں کو امن نہیں ہے حضرت
علی کی کیا خصوصیت ہے بڑی بڑی سلطنتیں مسلمانوں میں روم اور توران کی تھیں سو روسیوں نے انکو مغلوب اور تنگ کر رکھا ہے اور معاویہ حضرت علی سے گو مقابلہ اور جنگ رکھتا تھا
بسبب عداوت قلبی کی لیکن غالب حضرت علی پر کبھی نہیں ہوا **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اگر سبب عداوت ہو تو کلام بالکل لغو ہو جائیگا اور اگر من کے بیانیہ ہونے
کے ساتھ استخلاف کو بھی بمعنی توطن لیجے جیسا کہ بعض علماء شیعہ نے تاویل کی ہے اور معنی تسلط نہ لیجے تو قطع نظر اسکے کہ من کا ضمیر پر بیانیہ ہونا خلاف استعمال عرب ہے اول تو یہ مشکل
ہے کہ استخلاف کے ساتھ جب لفظ فی الارض ہوتا ہے تو تسلط ہی کے معنی مراد ہوتے ہیں دوسرے اس صورت میں قید وعملوا الصالحات محض بے معنی ہو جائیگی زمین میں توطن تو صالح
اور فاسق کو برابر حاصل ہوتا ہے بلکہ فساق کو بوجہ احسن بلکہ آمنوا کی قید بھی بیکار ہی نظر آتی ہے کیونکہ کفار کی توطن میں کیا کمی ہے القصہ ان لغویات سے کلام اللہ کی تفسیر کی جاتی
ہے یہ نہیں جانتے کہ لغو کلام کلام اللہ میں ہونا منجملہ محالات ہے اور بعضے علماء شیعہ بہت کوشش کرکے یہ بات نکال کر لائے ہیں کہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے حضرت امیر مراد
ہیں اور جمع کا صیغہ تعظیم کے لیے ہے یا حضرت امیر اور انکی اولاد مراد ہے مگر ہم کہتے ہیں کہ قطع نظر اسبات کے کہ جمع سے واحد مراد لینا بے ضرورت بیجا ہے اور باوجود اسکے کہ جمع
کے معنی بن سکیں واحد کے معنی مراد لینے اہل سخن کے نزدیک بالقطع مخلوع شیعہ اسکا کیا جواب دینگے کہ تمکین دین اور زوال خوف تو کسیکو بھی میسر نہیں آیا اسلئے ضرور ہوا کہ متکلم کے مراد کو

تبعیضیہ لیجیے اور استخلاف سے تسلط مراد لیجیے چونکہ الذین آمنوا جمع ہے تو کم سے کم تو تین ہونے ضرور ہوئے اور زیادہ ہوں تو فبہا **اقول** سب سے وعدہ کرنے میں کلام تو نہیں
ہے بلکہ بعض سے وعدہ کرنے میں کلام لغو ہوتا ہے اسواسطے کہ کشاف اور بیضاوی میں لکھا ہے کہ من بیان کے واسطے ہے اور خطاب ہے طرف رسول خدا صلعم کے اور امت کے یا ان سب
لوگوں کی طرف ہے کہ جو حضرت کے ہمراہ تھے اور استخلاف کے معنی لغوی ہیں وارث اور مالک ہونے کے اور وعدہ سب مومنین سے یہ ہے کہ تمکو وارث اور مالک کریگا زمین کا جیسے کہ پہلے لوگوں کو
یعنی بنی اسرائیل کو وارث ملک جبابرہ کا انکے ہلاک ہونے کے بعد سو رسول خدا صلعم کو اور مومنین کو حضرت ہی کے زمانہ میں ملک عرب کا مالک اور وارث کر دیا چنانچہ
بیضاوی میں لکھا ہے کہ حضرت ہی کے زمانہ میں اسلام کا غلبہ ہو گیا تھا اور بعض شخص کا غلبہ یہاں مراد نہیں ہے کہ پہلے اس سے ہم مفصل لکھ آئے ہیں اور اگر من کو تبعیضیہ مقرر
کیجے اور ابوبکر اور عمر کا زمانہ مراد لیجے خلاف تفسیر منقول کے اور صحیح نہونے معنی من تبعیضیہ کے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے تو معاویہ اور یزید اور عبدالملک وغیرہ کا بھی زمانہ مراد ہوگا اور
معلوم نہیں استخلاف کو بمعنی توطن کس شیعہ نے لکھا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے اس نے بے تحقیق لکھ دیا ہے کہ بعضے علماء شیعہ نے تاویل کی ہے اور نام اسکا نہیں لکھا
کہ وہ کون ہے اور شیعوں کے نزدیک تو غلبہ اور تسلط حضرت صاحب الزمان کے زمانہ کا مراد ہے وقت رجعت کے اور اگر کسی شیعہ نے استخلاف کو توطن کے معنے میں لکھا ہے تو جواب اسکا یہ ہے
کہ یہ توطن مثل توطن بنی اسرائیل کے ہوگا چنانچہ مفسرین نے لکھا ہے اور خدا تعالی نے وعدہ غلبہ وغیرہ کا مومنین کے واسطے فرمایا ہے گو اسکے ضمن میں بالعرض توطن مسلمانوں کے
غیر کا متحقق ہو گیا ہو نہیں دیکھتا ہے تو کہ بموجب لولاک لما خلقت الافلاک مستفاد ہوتا ہے کہ خلق تمام عالم اور آسمان اور زمین بطفیل رسول خدا صلعم ہے اور باوجود اسکے کفار دنیا میں
بعیش تمام توطن رکھتے ہیں حاصل یہ کہ واسطے تسکین مومنین کے وعدہ خدا کا امن وغیرہ بخشنے کا ہوا اور اس سے یہ لازم نہیں آتا ہے کہ توطن کفار کا مطلقاً زمین میں حاصل نہوا اور
اکثر شیعوں کے نزدیک تو استخلاف بمعنی تسلط ہی ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور اگر کسی شیعہ نے کہ جسکا قول مقابلہ میں اکثر کے معتبر نہیں ہے بمعنی توطن لکھا ہے تو اسکا جواب بھی ہم تجھ کو
دے چکے نظام الدین نیشاپوری نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ اگر کوئی اعتراض کرے کہ استخلاف کے معنے توطن کے ہیں یا یہ کہ مراد ان لوگوں سے علی اور اولاد انکی ہے یا علی تنہا مراد ہیں
اور لفظ جمع کا تعظیم کے واسطے ہے لیکن یہ نہیں لکھا کہ یہ قول کسی شیعہ کا ہے اور من بیانیہ کا ضمیر پر آنا عین محاورہ عرب ہے جیسے کہ ائمہ فن عربیت مثل زمخشری اور صاحب بیضاوی
اور صاحب مدارک لکھتے ہیں اور خدا تعالی فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا اور اگر یہاں من بیان کے واسطے نہو تو ثابت ہوتا ہے
کہ جمیع صحابہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ موعود بمغفرۃ واجر عظیم نہوں اور اگر شیخ یہاں بھی اپنی قاعدہ اور اعتقاد کے موافق کہ لفظ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے لفظ
من کو تبعیض کے واسطے کہدے تو بڑا احسان ہے اسکا کہ موافق ہمارے اعتقاد کے ہو جاوے کہ کل اصحاب موعود بمغفرت نہیں ہیں بلکہ بعض ہیں سوا غاصبان حقوق اہلبیت کے اور شیعہ تفسیر کلام اللہ
کی بہت صحیح و درست کرتے ہیں اور لغو وہی ہے جو تو نے لکھا ہے خلاف تفسیر مفسرین کے اور الذین آمنوا وعملوا الصالحات سے جناب امیر کو اور انکی اولاد کو مراد لینا اگرچہ قائل اسکا معلوم نہیں
ہے لیکن بہت صحیح اور درست ہے کہ وقت رجعت کے انکو غلبہ اور تسلط ہوگا اور واحد کے واسطے جمع کا لفظ قرآن میں بہت آیا ہے اکثر جگہ اور جسوقت کہ روایتوں سے ثابت ہو جاوے کہ فلانا لفظ جمع کا ایک
ایک شخص خاص فلانے کے واسطے ہے تو وہ بے ضرورت نہوگا بلکہ ضروری ہوگا اور تمکین دین اور زوال خوف انکو وقت رجعت کے ہوگا نہ پہلے اس سے کہ جسکی دعا شیعہ پڑھتے ہیں ماہ رمضان میں
حضرت صاحب الزمان کی خروج کے واسطے اور مضمون آیت استخلاف کا اسمیں مندرج ہے اور پہلے اس سے تو خوف زوال کسیکو میسر ہوا ہی نہیں اور نہ آجتک میسر ہے اور اگر بعضی جگہ کا زوال خوف
مراد ہے تو وہ تو رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں حاصل ہو گیا تھا اسکے بعد کی کچھ انتظاری نتھی بلکہ بعد حضرت کے تو پھر خوف ہو گیا تھا علی الخصوص بہ نسبت اہلبیت علیہم السلام کے کہ انکے
حقوق غصب ہوئے اور ارادہ انکے گھر کے جلانے کا کیا اور دروازہ انکا توڑا اور عثمان کو صحابہ نے متفق ہوکر اسکو ذلیل اور قتل کیا اور من کے تبعیضیہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس صورت
میں معنی صحیح آیت سے نہیں نکل سکتے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور اگر من کے تبعیضیہ لینے سے یہ مراد ہے کہ یہ منصب رسول خدا کو تو حاصل نہیں ہوا نہ تسلط نہ زوال خوف تو اس صورت
میں معنی استخلاف کے اصطلاحی ہونگے یعنی نیابت رسول اور صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی لغوی معنی لکھتے ہیں اور قرآن میں جہاں کہیں کہ صلہ استخلاف کا فی الارض
آیا ہے وہاں معنی لغوی ہی مراد ہیں اور اگر معنی اصطلاحی فرض کئے جائیں اور بعضی زمین کا تسلط خلاف مقصود فرض کیا جاوے تو خصوصیت تین کی نہوگی بلکہ معاویہ
اور یزید اور عبدالملک وغیرہ بھی داخل ہونگے آیت استخلاف میں اور خلفا کی تعیین میں اہلسنت کے علماء میں اختلاف ہے اور چار جو مشہور ہو گئے ہیں یہ صحیح نہیں ہے
صواعق محرقہ اور کنز العمال اور فتح الباری میں لکھا ہے کہ خلفا کہ قوت اسلام اور عزت خلافت میں ہوئے ہیں بارہ آدمی ہیں ابوبکر۔ عمر۔ عثمان۔ علی۔ معاویہ۔ یزید۔ عبدالملک۔ اور چار
پسر اسکے ولید اور سلیمان اور یزید اور ہشام اور بارہواں عمر بن عبدالعزیز اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے کہ جو کوئی اطاعت سے انکی پھرے تو اسکو قتل کرو
اس سے معلوم ہوا کہ امام حسین نے جو اطاعت یزید کی نہ کی تو قتل کرنا انکا حلال بلکہ باعث اجر و ثواب تھا اور صاحب تاریخ الخلفاء نے اور ذہبی نے ابن عساکر سے ان
بارہ کے نام یہ لکھے ہیں ابوبکر صدیق اور عمر فاروق اور ابن عفان ذو النورین اور معاویہ اور یزید پسر اسکا کہ دونو باپ بیٹے مالک ارض مقدس کے تھے اور سفاح اور سلام اور منصور

اور جابر اور زہدی ہادی اور امین اور امیر عصب کل کے کل صالح تھے اولاد میں کعب بن لوی کے کہ مثل انکی کوئی نہیں پایا گیا ہے اور علی بن ابیطالب کو ان لوگوں نے خلفاء میں سے نہیں لکھا ہے اور صاحب صواعق محرقہ کے نزدیک اور غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر کے نزدیک ہے کہ خلفاء پانچ ہیں ابوبکر عمر عثمان علی معاویہ اور مولوی عبد العزیز کے نزدیک بھی پانچ ہیں لیکن وہ طعن کو اہل سنت پر سے دفع ہونیکو پانچواں خلیفہ معاویہ کی جگہہ امام حسن کو کہتے ہیں اور تاریخ الخلفاء میں سفیان ثوری سے روایت ہے کہ خلفاء پنج ابوبکر عمر عثمان علی عمر بن العزیز ہیں اور لکھا ہے عمر بن عبد العزیز پانچواں خلفاء راشدین کا ہے اور تاریخ الخلفاء میں جبیب بن ہند اسلمی سے روایت ہے کہ خلفاء تین آدمی ہیں ابوبکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز اور ابن تیمیہ نے منہاج السنت میں شافعی سے نقل کی ہے کہ خلفاء یہ تین آدمی تھے ابوبکر عمر عثمان اور یہی مذہب ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب کا ہے اور ابن تیمیہ منہاج السنت میں لکھتا ہے کہ بہت سے علماء حدیث بصریین اور شامیین علی بن ابیطالب کو خلیفہ نہیں جانتے تھے اور کہتے تھے کہ زمانہ انکا فتنہ اور فرقت کا تھا اسوقت میں امام جماعت اور خلیفہ کوئی آدمی نہ تھا اور یہی مذہب محدث ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب کا ہے اور لکھا ہے ولی اللہ محدث نے کہ رحمت خدا جو ثلثہ کے زمانہ میں جوق جوق نازل ہوتے تھے وہ علی کے زمانہ میں بند ہو گئے تھے اور احمد حنبل نے بھی اپنی مسند میں ان تین ہی کی روایت کی ہے عبد الرحمن بن ابی بکر سے کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ دیکھا میں نے کہ گویا ایک ترازو آسمان سے نزدیک ہوئی ہے اور میں اور ابوبکر جو اسمیں تولے گئے ہیں تو میں ابوبکر سے زیادہ ہوا ہوں اور ابوبکر اور عمر جو تولے گئے ہیں تو ابوبکر عمر سے زیادہ ہوا ہے اور عمر اور عثمان جو تولے گئے ہیں تو عمر عثمان سے زیادہ ہوا ہے اور بعد اسکے حضرت نے فرمایا کہ خلفاء نبوت یہی آدمی ہیں اور بعد اسکے جسکو چاہے خدا ملک بنا دیوے اور یہی اصلی مذہب اہل سنت کا ہے اور پھر ایک پوچ اور واہی بات نکالکر خلفاء کے دو قسم کئے ہیں راشدین اور غیر راشدین اور راشدین میں بھی اختلاف ہے بعضی روایت میں تو یہ ہے کہ خلفاء راشدین پانچ ہیں ابوبکر اور عمر اور عثمان اور علی اور اور عمر بن عبد العزیز اور بعضی روایت میں یہ ہے کہ چار ہیں جو کہ مشہور ہیں اور بعضے میں یہ ہے کہ تین ہیں ابوبکر اور عمر اور عمر بن عبد العزیز اور بعضی میں دو ہیں عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز لیکن اکثر روایتوں میں یہ ہے کہ خلفاء راشدین ابوبکر اور عمر اور عثمان تین آدمی تھے اور یہہ سب تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے اور یہ اختلاف بیانات پر دلالت کرتا ہے کہ یہہ سب روایتیں جھوٹی ہیں اپنی رائے سے جسکو چاہا خلیفہ مقرر کر دیا اور حقیقت میں خلیفہ رسول انمیں سے کوئی بھی نہ تھا کہ اوصاف خلیفہ کے ان میں تھے سب جاہل محض تھے مگر وہ روایت دوازدہ خلفاء کے راست اور درست ہے کہ فریقین میں ہے اور مراد اس دوازدہ سے دوازدہ امام علیہم السلام ہیں کہ سب وارثان علم نبی تھے گو انکے واسطے تسلط فی الارض حاصل نہیں ہوا مثل اکثر انبیاء سابقین کے اور آیت استخلاف حضرت مہدی علیہ السلام کے زمانہ کی ہے اور اس زمانہ میں سب ائمہ کو تسلط حاصل ہوگا اور دوازدہ خلفاء وہ دوازدہ ظالم مراد نہیں ہو سکتی جن کو اہل سنت نے اپنی رائے سے تجویز کیا ہے اسواسطے کہ خدا فرماتا ہے لَا یَنَالُ عَہْدِی الظّٰلِمِیْنَ

قال الشیخ الاشعری ۔ القصہ ابتدا سے اس آیت کی اتنی بات نکلی کہ صحابہ سے خداوند کریم نے یہ وعدہ کیا تھا کہ تم میں سے کم سے کم تین شخصوں کو کہ وہ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہوں گے ہم خلیفہ بنا کر روی زمین کو انکے تسلط میں کر دینگے اور دین کو جو علم الٰہی میں اس سے بہتر کوئی دین نہیں اور خدا نے ازل سے انہیں کے لئے چھانٹ کر رکھا ہے انکے واسطے جما دینگے کہ انکے جیتے جی اس میں رخنہ نہ پڑیگا اور انکے خوف اور ہراس کو جو کہ کفار سے رکھتے تھے بالکل امن اور اطمینان سے بدل دینگے پھر بعد اسکے یا تو وعدہ میں داخل ہے یا فقط بطور اخبار بالغیب کے بیان کرتے ہیں کہ وہ باوجود ان خرخشوں کے جو ایسی خلافتوں کو لازم ہیں ہرگز عبادات میں سستی نکریں گے اور یہہ وہ عبادت بھی ایسی اخلاص کی ہوگی کہ ہرگز اس میں بوی شرک اور ملاوٹ ریا کا نہوگا **اقول** ہرگز ہرگز خداوند کریم نے کم سے کم تین شخصوں کو جو کہ ایمان اور عمل صالح رکھتے ہونگے یہہ وعدہ نہیں کیا کہ ہم خلیفہ بنا کر روی زمین کو انکے تسلط میں کر دینگے تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے نہ تو خدا نے خاص تین ہی شخصوں سے وعدہ کیا ہے اور نہ کسیکو خلیفہ بنایا ہے اور نہ ابھی کسیکو تمام روی زمین پر مسلط کیا ہے اور نہ اب تک امن کامل حاصل ہے بلکہ شیعوں کے نزدیک تو یہہ ہے کہ مصداق اس آیت کا زمانہ صاحب الزمان علیہ السلام کا ہے کہ اسوقت مومنین تمام روی زمین کے مالک اور وارث ہونگے اور خوف بالکل جاتا رہیگا اور سب عبادت خدا ہی کی کرینگے کہ کسیکو کوئی شریک اسکا نکریگا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ خداوند کریم کہ جو ہر طرح سے قادر اور حکیم علی الاطلاق ہے وہ بعضی جگہہ سے خوف کے دور کرنیکا اور اسلام کو غالب کرنیکا وعدہ کرے اسکی شان سے ایسی بات بہت بعید ہے اور حال یہ ہے کہ دوسری آیت میں لِیُظْہِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ ۔ تمام روی زمین پر دین اسلام کے غالب کرنیکو فرماتا ہے شان خدا کو دیکھنا چاہئے کہ تھوڑیسی جگہہ میں تو تم کو امن دیوینگے اور کل کے غلبہ سے اعراض کرنے خدا سے ہی کہیں ایسا ہو سکتا ہے اور اپنے اپنے گھر میں تو ہر ایک کو امن ہوتے ہی اور بعضے بعضے ملک تو اکثر رئیسوں کے قبضہ میں ہی ہیں اور اگر مثل اور لوگوں کے بلکہ ان سے بھی کم تھا وعدہ خدا تعالی نے مسلمانوں سے کیا تو فوقیت دین اسلام کو کیا ہوی اور دینوں پر بلکہ بنظر قدرت اور حکمت خدا ضرور ہے کہ کل زمین پر غلبہ کا اور

اور خوف کو امن سے اور فسق کو دور کرنیکا وعدہ ہو سو وہ اب تک وقوع میں نہیں آیا ہے اور موقوف ہے امام مہدی علیہ السلام کے خروج پر اور اہل سنت کے نزدیک موافق روایت کشاف اور
بیضاوی اور مدارک وغیرہ کی یہہ ہے کہ خطاب جمیع مومنین کیطرف ہے مع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اور من بیانیہ ہے اور معنی استخلاف کے لغوی ہیں وارث اور مالک
ہونیکی اور حاصل سکا یہہ ہے کہ خدا تعالی فرماتا ہے کہ وعدہ کیا ہے خدا نے اُن لوگوں سے کہ ایمان لائے ہیں تم میں سے اور اعمال نیک کئے ہیں کہ وارث اور مالک کریگا
اُنکو زمین کا جیسے کہ وارث کیا تھا اُن لوگوں کو کہ پہلے تم سے تھے یعنی بنی اسرائیل کو جبابرہ اور عمالقہ کے ملکوں کا اُنکو وارث کردیا تھا اور تمکین کردیگا اُنکے دین کو
کہ پسندیدہ کیا ہے واسطے اُنکے اور بعد خوف کے اُنکو امن بخشیگا کہ میری ہی عبادت کرینگے اور میری غیر کو میری عبادت میں شریک نکرینگے سو یہہ وعدہ خدا تعالی
نے رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں وفا کیا کہ تیغ علی بن ابی طالب سے کفار مغلوب ہوگئے جسوقت کہ ثلثہ بہاگ جاتے تھے جہاد میں سے اور جو مومنین کہ اُس زمانہ میں
تھے مالک و وارث زمین عرب کے ہوگئے تین اور چار کے کیا خصوصیت ہے اور کسیکو خلیفہ بنانے سے کیا واسطہ ہے اور جو دین کہ سب دینوں سے بہتر ہے وہ دین جمیع مومنین
کے واسطے جما دیا نہ تین اور چار کے واسطے خاص کرکے اور خوف اور ہراس کفار بھی جمیع مومنین سے دور کرکے امن اور اطمینان بخشدیا اور یہہ کیا واہی قول لکھا ہے کہ انکی
جیتے جی اُس میں رخنہ پڑیگا فائدہ امن کا کیا ہوا کہ اُنکے جیتے جی رخنہ نہ پڑے یہہ تو امن چند روز کا ہوا کیا چند روز ہی کے واسطے وعدہ خدا کا تھا ہاں
یہہ کہنا چاہیئے کہ مخاطب اس میں رسول خدا صلعم ہیں سو حضرت کے بعد البتہ اُنکی اہل بیت پر بڑی تعدی ہوئی کہ اُنکے امن میں فرق آگیا اور حقوق اُنکے
غصب کئے اور اُنکے گھر کے جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگئے اور حضرت کے اصحاب سعد وغیرہ کے بے عزتی کے اور عبادت میں ہی کوئی صحابی سستی نہیں کرتا تہا
بلکہ سب یاد خدا میں رہتے تھے خصوصیت کسیکی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اب اس کمترین کے التماس حضرات شیعہ کی خدمت میں یہ ہے کہ وعدہ الٰہی
میں تو تخلف ہو ہی نہیں سکتا سو جن کے ساتھ اُس وعدہ کا ایفا ظہور میں آوے وہی مصداق ان اوصاف مذکورہ کے ہونگے اور وہ بیشک بشہادت
خداوندی ایمان کامل اور اعمال صالح رکھتے ہونگے بلکہ سب اقران امثال میں ان دو باتوں میں بڑھے ہوئے ہونگے کیونکہ جب ایمان اور عمل صالح کے
انعام میں یہہ نعمتیں ملی ہیں تو اُنہیں کو ملی ہونگی جنکا دو کمالوں میں نمبر اول ہوگا ورنہ نعوذ باللہ خدا کے یہاں ہی بڑا اندھیر ہے کہ استحقاق کسیکا
ہوا اور انعام کسیکو ملجائے سینوں کے طور پر تو خدا کو اختیار ہے کہ کسیکا حق کسیکو دیدے لیکن اُسکی حکمت کی شان یہی ہے کہ جس چیز کو کسیکے لایق دیکھے اُسی کو دے
اور یہی معنی ہیں اسکے کہ خدا کسی پر ظلم نہیں کرتا اور اس آیت کے معنی بھی محققین کے نزدیک یہی ہو سکتے ہیں اَعْطٰی کُلَّ شَیْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰی یعنی ہر چیز کو اُسی کے مناسب
طور پر پیدا کیا پھر آئیندہ مناسب مناسب ہی کاموں کی اُنہیں سوجھائی لیکن شیعوں کے نزدیک خدا کو اختیار نہیں کہ کسیکا حق کسیکو دیدے اس لیے کہ اُنکے نزدیک
خدا پر عدل واجب ہے اس صورت میں ممکن ہی نہیں کہ جنکو خدا نے خلیفہ بنایا وہ اوروں سے خلافت کے استحقاق میں کم ہوں بلکہ اُنکا فایق ہونا استحقاق خلافت
میں ضرور پڑا اور نیز اسی تقریر سے یہہ بہی نکل آیا کہ اُن میں سے جو ایمان میں اور عمل صالح میں دوسروں سے بڑھ کر ہوگا وہ اُس انعام میں مقدم رکھا جائیگا کیونکہ
تقسیم انعام کی خوبی یہہ ہے کہ اول نمبر والے کو اول دیں **اقول** ۔ شیعوں کا اعتقاد تو پہلے اس سے کئی مرتبہ میں بیان کر چکا کہ اُنکے نزدیک تو مصداق اس آیت
کا زمانہ امام مہدی علیہ السلام کا ہے اور اہل سنت کے علماء کا بیان بہی میں لکھ چکا صاحب بیضاوی وغیرہ کا کہ مصداق اس آیت کا زمانہ رسول خدا صلعم کا
اور خطاب اس آیت میں رسول خدا صلعم اور جمیع مومنین صالحین کی طرف ہے اور خدا تعالی نے وعدہ اپنا وفا کیا کہ جناب رسول خدا صلعم کو مع جمیع مومنین صالحین کے تمکین
دین بخشی اور خوف کو اُنکے مبدل بامن کیا سو وعدہ الٰہی میں تخلف کسیطرح کا نہیں ہوا اور جن کے ساتھ ایفاء وعدہ کا ظہور میں آیا وہ رسول خدا اور کل مومنین صالحین تھے مفسرین اہل سنت کے نزدیک
اور وہی مصداق ان اوصاف مذکورہ کا تھے اور البتہ ایمان کامل واعمال صالحہ بھی رکھتے تھے اور وہ امثال واقران میں بڑھے ہوئے بھی تھے اور البتہ ان دو کمالوں میں نمبر ان سب میں اُن لوگوں ہی کا اول
ہوگا اُن لوگوں پر کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم اور شک ہے کا اور جنکا ایمان ملتبس بظلم اور شک ہے تاوہ ان مومنین صالحین کے مرتبہ کو نہیں پہنچے اور نہ وہ ہدایت پر ہیں اور ایمان اُنکا مثل ایمان کے ہی جیسا کہ
خدا تعالی فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَهُمُ الْاَمْنُ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ یعنی جو لوگ کہ ایمان لائے اور نہ آمیزش کی اُنہوں نے ایمان اپنے کو ساتھ ظلم کے یہ وہ ہیں
کہ واسطے اُنکے امن ہے اور وہی ہدایت پانیوالے ہیں بعد اسکے جنہوں نے ظلم کیئے ہیں اہل بیت رسول خدا پر اور حقوق اُنکے غصب کئے ہیں وہ اس شرف ایمان کامل و عمل صالح سے خارج ہوگئے اور خدا تعالی
فرماتا ہے اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا یعنے سوائے اسکے نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں کہ ایمان لائے ساتھ خدا کے اور پیغمبر اُسکے کے پہر شک کیا اُنہوں نے نبوت میں شک کرنے والوں
کا حال پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں وہ لوگ مصداق اس آیت کا نہونگے اور خدا تعالی کی بارگاہ میں اندھیر ہرگز نہیں ہے اور نہ اُسنے اندھیر کا کوئی کام کیا اس سے تو جو لوگ مستحق تھے انعام کے اُنکو ہی انعام دیا اور
وہ جناب رسول خدا اور مومنین صالحین ہیں وہ لوگ کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم تھا اور نبوت میں شک کرتے تھے اور خدا تعالی پر یہہ روا نہیں ہے کہ کسیکا حق کسی کو دیدیوے

کہ یہ انصاف سے بعید ہے ایسا اعتقاد اہل سنت ہی کو مبارک ہو اور اختیار امر دیگر ہے اختیار کا انکار کسیکو نہیں ہے اور لایق کسی چیز کے وہ ہی ہوتا ہے کہ جو مستحق اُس چیز کا ہوتا ہے اور جو کہ لایق نہیں ہے وہ مستحق بھی نہیں ہے سو کسیکا حق دوسرے کو دیدینا بلا قصور ظلم نہیں تو کیا ہے اور شیعوں کے نزدیک بے شک خدا کو اختیار ہے جو چاہے سو کر سکتا ہے لیکن جو کام ظلم کا ہے اسکو کرتا نہیں ہے کہ اُسکی شان کے مناسب نہیں ہے اور اگر خدا تعالی پر واجب نہیں ہے تو دار الجزا کسواسطے مقرر کیا ہے جب یہی بات تھی کہ جایز ہے خدا کی واسطے کہ محمد رسول اللہ صلعم کو دوزخ میں ڈالے اور ابو جہل کو جنت میں جیسا کہ اشاعرہ بے شعوروں کا مذہب ہے تو پھر روز قیامت واسطے حساب اور جزاء اعمال کے مقرر کرنا ضرور تھا جسکو چاہتا جنت میں مقام دیتا اور جسکو چاہتا دوزخ میں ڈالتا حساب و کتاب پر کیوں منحصر رکھا اور کرام کاتبین کو واسطے تحریر اعمال بندوں کے کیوں مقرر کیا یہ اشاعرہ کے موافق سب عبث معلوم ہوتا ہے اور یہ جو لکھا ہے کہ جسکو چاہے بہشت میں جگہ دے اور جسکو چاہے دوزخ میں ڈالے سو مراد اس سے یہ ہے کہ اگر دوزخ میں ڈالے تو بموجب عدالت کے اور اگر کسی گنہگار کو بہشت میں جگہ دے تو اپنے فضل و کرم سے اور خدا تعالی نے کسیکو خلیفہ نہیں بنایا ہے سوا علی بن ابیطالب کے کہ جو اپنے مقام پر ثابت ہو گیا ہے اور البتہ علی بن ابیطالب فائق بھی تھے سب اوصاف میں اور یہ تمکین دین اور زوال خوف جو جناب رسول خدا اور مومنین صالحین کو حاصل ہوا ہے تو حیدر کرار غیر فرار کے تلوار کے طفیل سے ہے چنانچہ شاعر کہتا ہے ع گر نبودی دست حیدر و ذو الفقار * کے شدی اللہ اکبر آشکار * اور ایمان اور عمل صالح میں وہ ہی سب سے بڑھ کر ہے کہ جو جہاد کر کے دین اسلام کو قایم کرے نہ وہ لوگ کہ جو جہاد میں سب سے پہلے بھاگتے تھے اور واسطے لینے غنیمت کے پھر حاضر ہو جاتے تھے اور انعام تو خدا تعالی نے جیسا کہ سب مومنین صالحین کے واسطے مع جناب رسول خدا صلعم کے وعدہ کیا تھا سو سب کو دیا موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے کہ تمکین دین اور زوال خوف جناب رسول خدا صلعم کو مع مومنین صالحین کے حاصل ہو گیا اور نمبر اول اور ثانی سے کچھہ مطلب نہیں ہے اور اگر نمبر اول ہی ایمان اور عمل صالح میں تو علی بن ابیطالب ہے نہ کوئی دوسرا **قال الشیخ الاشعری** مگر چونکہ یہ انعام خلفاء راشدین پر ہوا اور یہ وعدہ خلفاء اربعہ کے ساتھ بترتیب معلوم وفا میں آیا تو بشہادت خداوندی معلوم ہوا کہ یہ اصحاب اربعہ ایمان اور عمل صالح میں اوروں سے بڑھکر تھے اور وہ بھی اسقدر کہ انکے ہوتے قابلیت اس انعام خاص کی انکے سوا کسی میں نتھی اور باہم بترتیب خلافت ایک دوسرے سے ایمان اور عمل صالح میں مقدم تھا اول اول اور دویم دویم اور سویم سویم اور چہارم چہارم **اقول** اول تو تقسیم خلفاء کی راشدین اور غیر راشدین ہی لوچ اور واہی ہے کہ قرآن اور حدیث سے ثابت نہیں اور ایک روایت موضوعہ اہل سنت میں جو آیا ہے کہ حضرت نے فرمایا سُنَّتِی وَسُنَّۃُ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ سو حضرت نے یہ نہیں فرمایا ہے کہ فلانا اور فلانا خلفاء راشدین میں سے ہے اسیواسطے درمیان علماء اہل سنت کے تعیین میں خلفاء راشدین کے اختلاف ہے کسی روایت میں تو یہ ہے کہ وہ چار ہیں اور کسی روایت میں تین لکھے ہیں ابوبکر اور عمر اور عثمان اور کسی روایت میں ابوبکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز ہے اور کسی روایت میں دو ہی ہیں عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور مولوی عبد العزیز صاحب نے پانچ شخص مقرر کئے ہیں چار اول خلفاء مشہورین اور امام حسن اور روایت سُنَّتِی وَسُنَّۃُ خُلَفَاءِ الرَّاشِدِیْنَ میں اگر دوازدہ ائمہ علیہم السلام مقصود ہیں تو مضایقہ نہیں ہے کہ علم انکا علم رسول خدا صلعم کا تھا اور اگر مراد اُس روایت میں خلفاء راشدین سے خلفاء ثلثہ ہی ہیں تو بے شک یہ روایت موضوع ہے اسواسطے کہ جناب رسول خدا صلعم جہلاء کی پیروی کا حکم ہرگز نہ دیتے اور کیونکر حکم دیتے ان لوگوں کی پیروی کا کہ جو مسائل میں غلطیاں کرتے تھے یہانتک کہ زنان پردہ نشین سے الزام کھاتے تھے اور یہ کہنا کہ یہ انعام خاص خلفاء راشدین پر ہوا اور یہہ وعدہ خلفاء اربعہ کے ساتھہ بترتیب معلوم وفا میں آیا بالکل غلط اور تخصیص بلا مخصص ہے اسواسطے کہ پہلے اس سے ہم تفاسیر اہل سنت سے لکھ چکے ہیں کہ اس آیت استخلاف میں خطاب جناب رسول خدا صلعم اور جمیع اُمت یا جمیع ہمراہیان آنحضرت کی طرف ہے اور لفظ من منکم میں بیان کے واسطے ہے اور معنی استخلاف کے لغوی ہیں مالک اور وارث ہونیکے سو اس صورت میں تو انعام رسول خدا اور جمیع صالحین کے واسطے ہوگا اور اُن سب کے ہی حق میں وعدہ وفا ہوا نہ تین کی یا چار کے حق میں کہ اسکی کوئی وجہ نہیں ہے اور اگر من تبعیضیہ کی جہت سے اور استخلاف کے معنے اصطلاحی کی جہت سے کہ وہ نیابت پیغمبر ہے تین چار آدمی مقرر کرتے ہیں تو من تبعیضیہ تو یہاں درست ہو ہی نہیں سکتا کہ معنی آیت استخلاف کے اس صورت میں موافق مطلوب کے باقی نہیں رہتے ہیں اسواسطے کہ اگر من کو تبعیضیہ کہیں گے تو یا تو اسکو متعلق آمنوا کے کرینگے کہ قریب ہے اور یا وعد کے اگرچہ اُسکے متعلق ہونا مرجوح ہے اگر آمنوا کے متعلق کرینگے تو یہہ معنی ہونگے کہ اصحاب رسول مقبول میں جنکی طرف خطاب ہے بعضے ایمان لائے ہیں اور بعضے ایمان نہیں لائے ہیں اور جو بعضے کہ ایمان لائے ہیں اُنسے وعدہ کیا ہے کہ کل کو خلیفہ کریں اور اگر لفظ من کو وعد کے متعلق کریں تو یہہ معنی ہونگے کہ بعضے مومنین سے وعدہ کیا ہے کہ کل کو خلیفہ کریں اور یہ دونوں معنی موافق مطلوب کے نہیں ہیں اور اسیواسطے ماہران فن عربیت نے مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی اور صاحب مدارک وغیرہ کے لفظ من کو بیانیہ لکھا ہے اور تبعیضیہ کا کسی طرح سے ذکر ہی نہیں کیا اور جس جگہ کہ قرآن میں استخلاف کے متعلق فی الارض ہوا ہے وہاں استخلاف سے مراد معنی لغوی ہوتے ہیں اور اصطلاحی معنی مراد نہیں ہوا اُس صورت میں معلوم ہوا کہ بشہادت خداوندی ایمان اور عمل صالح میں تخصیص چار کی نہیں ہے کہ وہ چار ہی سب سے بڑھ کر ہوں اور اُن چار ہی میں قابلیت اس انعام خاص کی ہو

اور سوائے اُنکے اور کسی میں نہو اور باہم بترتیب خلافت ایک دوسرے سے ایمان اور عمل صالح میں مقدم ہو یہ سب لغو ہے اور آیت مذکورہ سے ہرگز ثابت نہیں ہے پہلے ایمان خالص ثلثہ کا ثابت کر لو تو اُسوقت کلام کرو ایمان تو اُنکا ملتبس بظلم تھا اور ابوبکر کو خدا تعالی طالب دنیا لکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے تُرِيدُونَ عَرَضَ الدُّنْيَا اور عمر نبوت میں حضرت کے شک کیا کرتے تھے چنانچہ پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور حضرت عثمان کے تو وہ افعال تھے کہ جن کے سبب سے حضرت عایشہ انکے حق میں فرمایا کرتی تھیں اُقْتُلُوا نَعْثَلًا لَعَنَ اللّٰهُ نَعْثَلًا اور کتاب مغنی میں قاضی نے عمار یاسر سے روایت کی ہے کہ قَتَلْنَاهُ كَافِرًا اور یعنی قتل کیا ہے ہمنے اُس عثمان کو کافر اور جو کچھ صاحب تحفہ نے باب ہفتم میں ذکر کیا ہے کہ امیر المومنین علی سلاح اور مال عثمان کے متصرف ہوئے اور قاتلان عثمان کی حمایت کی دلیل صحت قول عمار یاسر کی ہے اور میر اُصول میں عثمان کے جہنم میں داخل ہونیکی طرف اشارہ ہے اور ذہبی نے میزان میں لکھا ہے کہ دجال کی متابعت وہ کریگا جو کہ عثمان کو دوست رکھتا تھا اور باوجود اسکے عثمان کو امن ہی حاصل نہوا یہانتک کہ لوگوں نے اُسکو قتل کر ڈالا اور اصحاب رسول خدا صلعم میں سے کسی نے اُسکی حمایت نکی اور سب نے اُسکو مخذول و منکوب کر دیا اور حضرت علی کو اور اُنکی اولاد کو پہلے ہی تو لکھ چکا ہے کہ تمکین دین اور زوال خوف تو کسیکو بھی میسر نہیں آیا اس میں حضرت علی بھی آگئے کہ زوال خوف اُن سے بھی نہیں ہوا جب یہ ثابت ہو گیا تو معلوم ہوا کہ خاص چار آدمی مراد نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور بعد اسکے ہرچند حضرت سبط اکبر ہمام امام حسن رضی اللہ تعالی عنہ خلفاء راشدین میں معدود ہیں مگر اُنکو جو خلافت پہونچی تو اس وعدہ کے سبب نہیں پہونچی کیونکہ انکو قبل نزول اس آیت کے کسدن خوف ہوا تھا وہ زمانہ اُنکے لڑکپن کا تھا دشمنوں سے اندیشہ بڑوں کو ہوتا ہے لڑکوں کو نہیں ہوتا بلکہ وصول اس نعمت کا اُن تلک بہ انداز قدر و عادت تھا اس لئے اُنکی خلافت کے لئے تمکین اور رجاؤ لازم نہوا باقی رہے امیر معاویہ ہرچند اُنکو بظاہر تمکین میسر آئی لیکن حقیقت میں وہ تمکین دین تھے تمکین ملک و سلطنت تھے چنانچہ واقفان فن سیر پر پوشیدہ نہیں کہ خلفاء اربعہ کے اطوار و انداز اور امیر معاویہ کے اطوار و انداز میں زمین و آسمان کا فرق تھا اُنکی گزران فقیرانہ اور زاہدانہ تھی اور امیر معاویہ کا طور ملوک کا سا تھا اس لئے اہل سنت اُنکو باوجودیکہ صحابی سمجھتے ہیں خلفاء میں نہیں گنتے ملوک میں شمار کرتے ہیں لیکن ملوک ملوک میں بھی فرق ہے ایک نوشیرواں تھا ایک چنگیز خاں سو یہ ہرچند ملوک میں سے تھے لیکن اسکے یہ معنی ہیں کہ خلفاء راشدین کے مقابلہ میں دنیادار معلوم ہوتے تھے جیسے حضرت سلیمان علیہ السلام اور انبیاء کے مقابلہ میں دنیادار معلوم ہوتے ہیں نہ یہ کہ ظلم و ستم کے روادار تھے غرباء کے حق میں ستمگار تھے انکا حلم اور رعایا پروری اور دلجوئی خلایق شہرۂ آفاق ہے معہذا یہ اُن لوگوں میں سے نہیں کہ جن کو قرار واقعی کفار سے کبھی خوف ہوا ہو یہ بات فقط مہاجرین اولین کے حق میں صادق آتی ہے نہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو یہ بات پیش آئی نہ امیر معاویہ کو اور مہاجرین اولین میں سے بھی جیسا خوف خلفاء اربعہ کو بترتیب ہوا ہے اور کسیکو پیش نہیں آیا چنانچہ کتب تاریخ سے خوب واضح ہے اور وجہ معلوم ہوتی ہے کہ انعام مذکور خاص انہیں کو ملا اور وعدہ انہیں سے ساتھ وقوع میں آیا کیونکہ خوف اصل میں بوجہ ایمان اور عمل صالح تھا کفار کی دشمنی کی بنا دیکھئے تو انہیں دو باتوں پر تھی پھر جس میں ایمان اور عمل صالح زیادہ ہو گا دشمنی کفار سے بھی اُسکے ساتھ زیادہ ہو گی خوف کفار بھی اُسکو زیادہ ہو گا دوسرے محبت اور اخلاص جو ایمان اور عمل کا خلاصہ ہے خوف ہی کے وقت معلوم ہوتے ہیں اور خوف ہی پر سے پرکھے جاتے ہیں تو جسکو اس قسم کا خوف زیادہ ہو گا اُسی میں ایمان اور عمل صالح بھی زیادہ ہو گا **اقول** حضرت امام حسن علیہ السلام کو کوئی سنی بھی خلفاء راشدین میں شمار نہیں کرتا ہے صرف مولوی عبد العزیز صاحب نے اسلئے پورا کرنے تیس برس روایت موضوعہ الخلافۃ بعدی ثلثون سنۃ کے اپنی طرف سے ایجاد کیا ہے اور امام حسن کو خاص کر کے خوف کون کہتا ہے اُس زمانہ میں اور ہم تو یہ کہتے ہیں کہ اہل اسلام کو جو خوف کفار سے اور دنیا میں انکی کثرت ہے علے الخصوص نصارا کہ اُنہوں نے مسلمانوں کو مغلوب کر رکھا ہے امام مہدی علیہ السلام کے زمانہ میں جسقدر کفار ہیں مغلوب ہو جائیں گے اور اسلام کو سب دینوں پر غلبہ ہو جائیگا چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ اور موافق روایات تفاسیر اہل سنت کے یہ ہے کہ بالاجمال مسلمانوں کو جو کفار سے خوف تھا کہ مکہ اور مدینہ اطراف میں کفار کثرت سے تھے انکا خوف مبدل بامن ہو جائیگا سو ایسا ہی ہوا آخر زمانہ رسولخدا میں وہ خوف اُس ملک سے جاتا رہا اور مسلمانوں کو غلبہ ہوا اور جن لوگوں کو خوف تھا اُنمیں لڑکے بھی تھے اور اُنکی تسریت میں لڑکوں کو بھی خوف تھا علے الخصوص حسنین کو وہ لڑکپن میں بھی ہمیشہ دار تھے اور سب کچھ سمجھتے تھے اور حضرت امام حسن کیا خلافت کو تو ہم کسیکی تسلیم ہی نہیں کرتے اور نہ اس آیت سے خلافت ثابت ہے کسیکی جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور معاویہ کو تمکین خلفاء ثلثہ سے زیادہ تھی لیکن تمکین دین کسیکو حاصل نتھی نہ خلفاء ثلثہ کو نہ معاویہ کو اور ثلثہ میں اور معاویہ میں کچھ فرق نہیں ہے جناب رسول خدا صلعم نے جو فرمایا تھا کہ سَيَكُونُ مِنْ بَعْدِي اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً كُلُّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ یعنی قریب ہے کہ ہوں میرے بارہ خلیفہ کہ کل قریش میں ہونگے سو اہل سنت کے نزدیک اُن بارہ میں معاویہ کیا یزید پلید معاویہ اور عبد الملک و چاروں پسر اُسکے اور عمر بن عبد العزیز سب داخل ہیں چنانچہ تاریخ الخلفاء اور صواعق محرقہ اور شرح جامع صغیر اور استیعاب اور فتح الباری اور شفائی قاضی عیاض وغیرہ میں لکھا ہے اور خلافت میں یہ سب برابر ہیں کہ حضرت نے سبکا برابر سے ذکر کیا ہے اور راشدین اور غیر راشدین کی تفصیل نہیں کی ہے اور صاحب فتح الباری شرح بخاری میں اور قاضی عیاض شفا میں لکھتے ہیں کہ یہ

بارہ قوت اسلام اور عزت دین میں خلیفہ تھے اور دوسری روایت جو تاریخ الخلفاء میں ہے اور اُس میں حضرت علی کو خلفاء میں سے نہیں لکھا ہے اُس میں تو یہ لکھا ہے کہ انکی برابر اولاد کعب بن لوی میں سے کوئی صالح نہیں ہوا ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور صواعق محرقہ میں معاویہ کو خلیفۂ حق و امام صدق لکھا ہے اور ایسا ہی غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر لکھتے ہیں وہ پیر دستگیر کہ جنکو اہل سنت محبوب سبحانی اور غوث صمدانی کہتے ہیں اور تمام اہل سنت علی الخصوص ہندوستان کے سنی کہ اُنکے سامنے خلفاء ثلثہ کے بھی کچھ حقیقت شمار میں نہیں لاتے اور ہر مہینے اُنکی گیارہویں کرتے ہیں اور خلفاء ثلثہ کی سال بھر میں ایک مرتبہ بھی کوئی فاتحہ نہیں لاتا ہے بلکہ ہزاروں سنی خلفاء ثلثہ کو جانتے بھی نہیں ہیں کہ وہ کون تھے اور پیر دستگیر کو سب جانتے ہیں اور بڑا پیر اُنکو کہتے ہیں ایسے شخص کا کہنا معتبر نہو تو اور کسکا کہنا معتبر ہو کیا پیر دستگیر کا علم تیرے علم کی برابر بھی نتھا کہ وہ تو اُسکو خلیفہ حق و امام صدق کہیں اور تو اُنکے برخلاف کہے کہ معاویہ کو تمکین دین نتھی اور فن سیر سے ہرگز یہہ ثابت نہیں ہے کہ ثلثہ کے اور معاویہ کے اطوار اور انداز میں زمین و آسمان کا سا فرق تھا اور ہمنے فرض کیا کہ ثلثہ کی گزران فقیرانہ تھی لیکن یہہ سب ریا اور دکھانیکے واسطے تھا کہ وہ زاہد خشک تھے جسوقت افعال آدمی کے اچھے نہوئے اور لوگوں پر ظلم کرے علی الخصوص اہل بیت رسول خدا صلعم پر تو وہ اُسکا زہد ظاہرداری کا اور فقیری اُسکے واسطے دام میں لانے لوگوں کے کس کام کی ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک مرتبہ ابن عباس نے عمر سے کہا کہ اے امیر المومنین تم تو بادشاہ اور سردار مسلمانوں کے ہو تمنے اپنا ایسا حال فقیروں کا سا کیوں بنا رکھا ہے اچھی پوشاک زیب تن کرنی چاہئے یہہ سنکر خلیفہ صاحب خاموش ہورہے بعد اسکے باران رحمت کا نازل ہونا مسدود ہوگیا اور واسطے ادا کرنے نماز استسقا کے سب مسلمان ہمراہ عمر کے صحرا کو روانہ ہوئے اور کئی ہزار آدمی عمر کے پیچھے تھے اُسوقت ابن عباس کو نزدیک اپنے بلا کر کان میں کہا کہ تونے جو مجھسے پوچھا تھا کہ فقیروں کا سا حال کیوں کرتا ہے دیکھ تو کہ اسواسطے رکھتا ہوں کہ ہزاروں جوتیوں کی آواز میرے پیچھے سے کان میں پہنچتی ہے اگر میں ایسا نکروں تو متابعت میری کاہےکو کرینگے یہ تھا حال اُنکی ظاہرداری کی فقیری اور زہد کا اور خدا کے واسطے اُنکی فقیری اور اُنکا زہد نتھا بلکہ دنیا کے دکھانیکے واسطے تھا اور یہ تو غلط اور جھوٹ لکھتا ہے کہ اہل سنت معاویہ کو خلفاء میں نہیں گنتے ابھی ہم سنیوں کے قولوں کو لکھ چکے ہیں کیا تیرے نزدیک ابن حجر صاحب صواعق محرقہ اور پیر دستگیر سنیوں میں سے نتھے کہ جو اُنہوں نے معاویہ کو خلفاء میں سے لکھا ہے کیا تیرے نزدیک وہ ہنود یا یہودی یا نصرانی تھے اور نوشیرواں اور چنگیز خاں تو مسلمان نتھے اہل سنت کے نزدیک معاویہ اُنکی برابر کیونکر ہو جائیگا اور نوشیرواں تو کافر تھا تم معاویہ کے بھی کفر کا اقرار کرو اور حضرت سلیمان میں اور سوا اُنکے اور انبیاء میں کیا فرق ہے سوا اُس مرتبہ کے کہ جو خدا نے بعضی کو بعضی پر فضیلت دی ہے اور مال حضرت سلیمان کے پاس کیا تھا گو شہنشاہ عالم تھے مگر مال سے اُنکو کچھہ واسطہ نتھا تمام عمر زنبیل خرما کے پٹھوں کے بنا کرتے تھے اور تمام عمر روزہ سے ہوتے تھے اور شب کو اپنا منہ چھپا کر بازار میں جاتے تھے اور اُس زنبیل کو دو تین نان جو کی عوض میں فروخت کرتے تھے اور شہر سے باہر نکلکر اگر کوئی فقیر ملتا تو ہمراہ اُسکے بیٹھکر روزہ کو افطار کرتے تھے اور اُسکو بھی کہلاتے تھے اور تمام شب ہاتھ اپنی گردن سے باندھکر کھڑے ہو کے خوف خدا سے رویا کرتے تھے یہ تھا حال اُنکی مالداری کا اور خوف کفار سے معاویہ کو کسطرح نتھا اہل سنت کے نزدیک زمرہ میں مومنین کے جن سے وعدہ ہوا تھا وہ بھی داخل تھا اور ہمسے پوچھئے تو خوف کفار تو اب تک نہیں گیا ہے اور نہ جائیگا جب تک امام مہدی خروج نکرینگے اور جیسے کہ اور مسلمانوں کو کفار سے خوف تھا ایسے ہی اُنکی ضمن میں معاویہ کو بھی تھا اور خوف مہاجرین کو اور انصار کو جبتک تھا کہ جبتک مکہ فتح نہیں ہوا تھا موافق روایات اہل سنت کے اور مہاجرین اولین کے کچھ خصوصیت نہیں ہے اور پہلی ہجرت وہ ہے کہ جو حبشہ کی طرف ہوئی تھی ثلثہ اُس ہجرت سے خارج ہیں اور مدینہ کی ہجرت اگر مراد لو تو پھر سب مہاجرین مراد ہونگے ثلثہ کی کیا خصوصیت ہے اور یہ بھی غلط ہے کہ خلفاء اربعہ کو اوروں سے زیادہ خوف ہوا ہے بلکہ سب کو خوف برابر تھا ہاں اسطرح سے تو اُنکو زیادہ خوف کہہ سکتے ہیں کہ وہ بزدل اور جُبن بہت تھے کہ سب سے پہلے جہاد میں سے بھاگا کرتے تھے اور تواریخ کا حوالہ دینا اُنکے خوف کے زیادہ ہونیکو بالکل غلط ہے یہ کسی تاریخ میں نہیں لکھا ہے کہ خلفاء اربعہ کو سب سے زیادہ خوف تھا اور موافق روایات اہل سنت کے یہ وعدہ سب مومنین صالحین سے تھا اور اُنکو ہی یہ انعام ملا اور کفار ایمان کامل اور عمل صالح کی جہت سے اکثر مسلمانوں سے دشمنی رکھتے تھے اور کچھ خصوصیت خلفاء اربعہ کی نتھی اور اگر زیادہ دشمنی تھی تو علی سے تھی کہ وہ اُنکو قتل کرتے تھے لوگ خلفائے ثلاثہ سے دشمنی کیوں کرتے بھگوڑوں ثلاثہ کی تو کفار کچھ حقیقت ہی نہیں سمجھتے تھے پھر انسے دشمنی کیا کرتے اور ہم پہلے اس سے لکھ چکے کہ ایمان اُنکا صحیح اور کامل نتھا اور نہ سب اعمال اُنکے نیک تھے اور اگر خوف کچھ اُنکو کفار سے تھا تو بزدلی اور نامردی کی جہت سے تھا کہ ہمیشہ جہاد میں سے بھاگا کرتے تھے نہ ایمان کی جہت سے اور اگر ایمان اُنکا صحیح اور کامل ہوتا تو راہ خدا میں اپنی جانوں کا کچھ لحاظ نکرتے بلکہ خوب ڈٹکر لڑتے اور جناب رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں دشمنوں کے پنجہ میں ڈالکر اور اپنی جانوں کو رسول خدا کی جان سے بہتر جانکر کفار کے مقابلہ میں سے بھاگتے نہیں **قال الشیخ الاشعری** القصہ خوف کفار مہاجرین اولین کو ہوا ہے حضرت امام ہمام امام حسن رضی اللہ عنہ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کو کفار سے کیا اندیشہ تھا حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ اُس زمانہ تک لڑکے تھے اور امیر معاویہ جب تک مسلمان ہی نہیں ہوئے تھے اس آیت کے مضامین میں غور کیجئے تو یوں معلوم ہوتا ہے کہ باعث اس وعدہ کا فقط یہہ ہوا ہے کہ اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصاً مہاجرین اولین نے باوجود بے سرو سامانی اور ذلت اور خواری کے جو ابتدائے اسلام میں تھے ایک جم غفیر اور گروہ اعظم کفار کے مخالفت محض برضامندی خدا سے

اور دین کی ترویج کے لئے اختیار کرکے اپنی جانیں جلائیں اور اُنکو اپنا دشمن بناکر طرح طرح کی ایذائیں اُنکے ہاتھ سے اُٹھائیں سالہا سال خوف و خطر میں یہانتک کہ رفتہ رفتہ نوبت اسکی آئی کہ گھر سے بے گھر ہوئے زن و فرزند سب کو چھوڑکر جلاوطن ہوئے پھر اُسپر بھی چین نہ ملا نوبت قتل و قتال کی پہنچی مدتہا دراز تک کفار سے لڑتے جھگڑتے کرتے رہے اور جو چڑھکر نہیں آئے تو مسلمانوں کے مکر سے تو خالی بھی نہیں ہے اسمیں بہت سے مہاجرین میں سے اور نیز اُنکی ہمراہی میں بہت سے انصار شہید ہوئے جب خداوند کریم عالم الغیب والشہادت کو اُنکا کامل امتحان ہو گیا تو رحمت الٰہی کو اُنکی اس جانکاہی اور جانگدازی پر جوش آیا لازم پڑا کہ اُنکی اس جان نثاری اور جانبازی کے مکافات اس دار دنیا میں بھی کی جائے اس لئے جس قسم کی کلفتیں اُنہیں پیش آئیں تھیں اُسکے مقابل کی نعمتیں اُنکو میسر ہوں اور اُسکی مکافات کی راحتیں اُنکو عطا ہوئیں تسلط کفار جو اُنکے حق میں باعث تمام آزار اور سبب ہمہ تکلیفات تہا استخلاف سے مبدل ہوا کفار کے تسلط کے باعث جو نماز و روزہ ادا نہیں کر سکتے تھے اور ذکر خداوندی سے ممنوع تھے اور اس سبب سے حسرتہا گوناگوں دل میں رکھتے تھے بلکہ باعث جلاوطنی کا بھی حقیقت میں یہی تھا اسکی عوض میں تمکین دین ملی اور خوف کی عوض میں امن عطا ہوا

اقول ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ مہاجرین اولین وہ ہیں کہ جنہوں نے حبشہ کو ہجرت کی تھی یہ پہلی ہجرت وہی ہے اور خوفِ کفار تو مہاجرین اور انصار کو دونوں کا تھا لیکن مہاجرین کا خوف پہلے سے تھا اور زیادہ تھا اور امام حسن علیہ السلام کو نہ تو ہم یہہ کہتے ہیں کہ اُنکو مدینہ میں قبل نزول اس آیت کے خوف تھا اور نہ ہم یہہ کہتے ہیں کہ حضرت امام حسن جو بعد حضرت علی کے چند مہینے کو خلیفہ ہوئے تھے وہ خلافت اُنکی مصداق اس آیت کا ہے تو اپنی طرف سے جو چاہتا ہے ایک بات بنا کر کہتا ہے اور لڑکپن موجب عدم خوف کا نہیں ہو سکتا جیسے کہ ہم لکھ چکے اور معاویہ صاحب کو خوف کیوں نہیں تھا منجملہ مہاجرین و انصار وہ بھی تھے اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے مسلمان بھی ہو گئے تھے اور اُنکے مسلمان ہو جانیکی تاریخ ہمکو تحقیق نہیں ہے اور اگر بعد نزول آیت کے مسلمان ہوا تو بھی موعود اس آیت کا ہے کہ فتح مکہ سے پہلے خوف کفار زائل نہوا تھا اور اگر یہہ بھی نہیں تو آیت کی عموم کی جہت سے وہ داخل ہے اسواسطے کہ خطاب تو موجودین کیطرف ہوتا ہے اور شریک اُس میں مابعد کے مؤمنین بھی ہوتے ہیں اور اور اگر استخلاف کے معنی اصطلاحی لئے جائیں گے اور مراد اُس سے نیابت پیغمبر ہوگی تو بیشک معاویہ کیا اُسکا فرزند یزید اور عبد الملک اور اُسکے چاروں بیٹے سب مراد ہونگے کہ علماء اہل سنت انکو لکھ چکے کہ یہہ خلفاء قوت دین اور عزت اسلام میں تھے اور جو کوئی انکی اطاعت سے منحرف ہو اُسکا قتل واجب ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں اور فسق و فجور انکا مانع امامت نہیں ہے اور فسق و فجور کرنے سے معزول امامت سے نہیں ہوتا ہے چنانچہ شرح عقاید وغیرہ میں لکھا ہے کہ ولا ینعزل الامام بالفسق اور البتہ موافق تحریر علماء اہل سنت کے مثل صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی کے یہی ثابت ہے کہ باعث اس وعدہ کا یہہ ہوا ہے کہ اصحاب رسول خدا صلعم خصوصاً مہاجرین نے کفار سے بہت تکلیفیں پائی ہیں اور ہمیشہ اُنکی جانب سے خوف میں رہتے تھے یہانتک کہ اُنکے خوف سے اپنی وطن اصلی کو چھوڑکر مدینہ میں پہنچے اور وہاں انصار بھی اُنکے شریک حال ہوئے اور نوبت قتل و قتال کی پہنچی اور خداتعالی نے وعدہ اپنا وفا کیا اور بضرب ذوالفقار حیدر کرار کفار کو پست کیا اور مسلمان غالب ہو گئے اور خوف سابق کا جاتا رہا سو یہہ امر سب مہاجرین اور انصار کو حاصل ہوا اور تو جو ثلثہ یا اربعہ کے خلافت کے ثابت کرنیکی درپے تھا وہ اس سے کہاں ثابت ہے اگر ایفاء وعدہ ہے تو سب ہی کہ سبھوں ہی کو آزار پہنچی تھی کفار سے اور سب کو ہی خوف تھا اور استخلاف کے معنی بھی یہی ہیں کہ وہ مالک و وارث اُس ملک کے ہوئے تین چار کی کچھ خصوصیت نہیں ہے اور جان کاہی اور جان گدازی ثلثہ نے تو کبھی کچھ نہیں کی ہے مقام جان کاہی اور جان گدازی کا جہاد تھا سو اُس میں سے بھاگ جاتے تھے اپنی جانوں کو بچاکر نہ کبھی کوئی زخم کھایا نہ کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے قتل کیا اور ہجرت بھی اُنکی بغرض تھی علی الخصوص شیخین کے کہ جناب رسول خدا صلعم کی زبانی جو آیندہ کی خبریں سنتے تھے اور وہ راست ہو جاتی تھی تو یقین تھا اُنکو کہ جو کچھ حضرت فرماتے ہیں وہ ہونیوالا ہے اور یہہ بھی حضرت فرماتے تھے کہ دین اسلام کا غلبہ ہو جائیگا یہ بات سنکر طمع ریاست میں ہجرت کی تھی اور سب کی ہجرت خالص بھی واسطے خدا کے نہ تھی چنانچہ بخاری میں قول عمر بن خطاب کا ہے کہ خود ہی فرماتے ہیں جسکا ترجمہ یہ ہے سوا اسکے نہیں کہ سب اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں سوا اسکے نہیں کہ واسطے ہر مرد کے وہ چیز ہے کہ نیت کی ہے پس جو شخص کہ ہوئی ہجرت اُسکی طرف دنیا کے تو پہونچیگا وہ اُسکو اور طرف عورت کے ہوئے تو نکاح کریگا اُس سے اور خداتعالی فرماتا ہے وَمَنْ كَانَ يُرِيدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهِ مِنْهَا وَمَا لَهُ فِي الْآخِرَةِ مِنْ نَصِيبٍ یعنی اور جو شخص کہ چاہے کہ کھیتی دنیا کی تو دیوینگے ہم اُسکو اُسمیں سے اور نہیں ہے واسطے اُسکے آخرت میں کوئی حصہ سو اُنہوں نے دنیا کو چاہا تھا ہجرت کے ذریعہ سے اسکو بخوبی پایا ایذائیں اور سختیاں اُٹھاکر اور جلاوطنی اختیار کرکے اور تمکین دنیا اُنکو حاصل ہوئی اور تمکین دین سے اُنکو کیا واسطہ تھا اور امن ملا تو سب کو ملا رسول خدا ہی کے زمانہ میں اور سب کا اس آیت میں مراد ہے تین اور چار کی خصوصیت نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر سے واضح ہو گیا کہ اہل بیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہر چند شرف گوناگوں رکھتے تھے لیکن فقط اس شرف کو استحقاق خلافت میں دخل نہیں ہے اس جان کاہی اور جان گدازی کا ثمرہ ہے جسکا مذکور ہوا اور خلافت کے مخصوص ہونیکی وجہ بھی بہ نسبت قریش کے

معلوم ہو گئی یعنی یہ حدیث شریف میں آیا ہے کہ خلافت حق قریش ہے انصار کو اس میں کچھ دخل نہیں وجہ اسکی یہی ہے کہ خلافت حقیقت میں انعام اور مکافات میں مہاجرین کے جانفشانیوں کی ملی ہے چونکہ مہاجرین قریش میں سے ہیں اس لیئے اُنہیں میں منحصر رہنی چاہیئے ہاں جو کہ انصار اور اعوان خلفاء ہوا کرتے تھے جیسے قاضی وغیرہ وہ البتہ نصرت کی صلہ میں انصار میں سے ہونے چاہئیں اور یہہ بہی بکمال روشن ہو گیا کہ حضرت امام حسنؑ اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہما کو جو خلافت ملی ہے تو وہ خلافت ہی نہیں ہے جو وعدہ کے سبب ملی ہے **اقول** - جو کچھہ تو نے پوچ اور واہی لکھا تھا اُس سے تیری مطلب کے موافق کچھہ بہی ثابت نہیں ہوتا کہ ہمنے تیرے اقوال و دعاوی بے دلائل کو باطل کر دیا اس طرح سے کہ تجھکو مجال دم مارنیکی ان مقدمات میں نہیں رہی ہے اور اہل بیت علیہم السلام کو تو سب طرح سے شرف حاصل ہے اور آیت مذکورہ سے خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے بلکہ شیعوں کے نزدیک تو یہہ ہے کہ مصداق اس آیت کا زمانہ حضرت صاحب الزمان علیہ السلام کا ہے اور اہل سنت کی علماء کے نزدیک یہ ہے کہ خدا تعالی نے اس آیت میں وعدہ وارث اور مالک ہونے زمین کا اور تمکین دین اور زوال خوف کا سب نیک مسلمانوں سے کیا تھا سو وہ رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں وفا ہو گیا اُسکے مابعد سے کچھ تعلق نہیں ہے اور اُسکے مابعد ترقی دین کے تو سیکڑوں برس تک ہوتی رہی ہے اور اگر انصاف سے دیکھو تو خلافت کا استحقاق سوائے حضرت علیؑ کی کسیکو نہیں ہے جو اوصاف کہ خلافت کے ہیں وہ اُنہیں ہی پائی جاتے تہے نہ اُنکی غیر میں اور یہ آیت نہ گز خلافت کے مقدمہ میں نہیں ہے اور مستحق خلافت ہونا حضرت علیؑ کا اور اس آیت کا خلافت کے باب میں نہونا پہلے اس سے ہم بخوبی ثابت کر آئے ہیں جاں کاہی اور جاں گدازی بہی حضرت علیؑ سے ظہور میں آئی ہے کہ بڑے بڑے دلوں میں فوجوں کے گہس جاتے تہے اور زخمی ہوتے تہے اور بڑے بڑے نامی کافروں کو جیسے کہ عمر بن عبدود قتل کرتے تہے اور خلفاء ثلثہ کفار کے مقابلہ میں ہمیشہ سے بہاگتے رہتے تھے کبہی جم کر نہیں لڑے زخم کہانا اور کافر کا قتل کرنا تو اُنکے نزدیک محال تھا اُنکی تو ناک میں سے نکسیر ہی کبہی جاری نہیں ہوئی پہر کہتا ہے کہ اُنہوں نے جاں کاہی اور جاں گدازی کے کسطرحکا دعوی کیا اور کاذب کا مثل ہے اور علیؑ کے حق میں تو رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ لضربة علی یوم الخندق افضل من عبادة الثقلین اور فرمایا کہ لاعطین الرایة غدا رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ ثلثہ کے حق میں بہی کوئی بات جاں کاہی اور جاں گدازی پر دلالت کرنیوالی فرمائی ہے اور اگر ثمرہ جاں کاہی کا ہو تو علیؑ کے واسطے ہو نہ بہگوڑوں اور اپنی جانوں کو بچانیوالوں کے واسطے سو انشاء اللہ تعالی علیؑ کو تو وہ رجعت میں حاصل ہوگا اور ثلثہ اُس سے محروم رہیں گے بلکہ اپنی اپنی سزاوں کو پہنچیں گے اور ثلثہ کو جو اُس زمانہ میں سزا ہوگی تو اسیواسطے اہل سنت رجعت کا انکار کرتے ہیں اور اس مقدمہ میں شیعوں پر طعن کرتے ہیں اور یہہ جو ابوبکر نے کہا تھا کہ الائمة من قریش انصار کے ساکت کرنیکو تو رسول خدا صلعم نے ایسا نہیں فرمایا ہے بلکہ استنباط کیا ہے اُس حدیث میں سے کہ جو حضرت نے فرمایا تھا کہ سیکون من بعدی اثنا عشر خلیفة کلہم من قریش سو ہمارے نزدیک تو یہ حضرت نے دوازدہ امام علیہم السلام کے حق میں فرمایا ہے اور اہل سنت کے علماء کے نزدیک وہ اور خلفاء ہیں کہ جن میں معاویہ اور یزید پسر معاویہ اور عبد الملک اور چاروں اُسکے فرزند اور عمر بن عبد العزیز ہیں اور خلافت انعام میں جانفشانیوں کے ہرگز نہیں ملی ہے تو جہوٹ لکہتا جاتا ہے اور ہم تیرے قول کو باطل کرتے جاتے ہیں اور اگر جانفشانی کی بہی تہی تو سوائے ثلثہ کے اور لوگوں نے کی تہی اور ثلثہ نے ہرگز جانفشانی نہیں کی ہے اور انصار نے کیا جانفشانی نہیں کی ہے کہ تو اُسکو مہاجرین اولین میں منحصر کرتا ہے بے انصافی کی بات کیوں لکہتا ہے اور انصار نے تو وہ بڑا کام کیا ہے کہ اگر انصار اپنے گہروں میں جگہہ نہ دیتے تو مہاجرین کو کہیں ٹہکانا نہ تھا اور اگر وجہ مذکور کی جہت سے خلافت ہوگی کہ خلافت قریش میں سے ہو جانی چاہئے تو بیشک معاویہ اور یزید اور عبد الملک اور اُسکے فرزند بہی خلفاء حقہ میں سے ہونگے کہ مصداق اُس روایت کا علماء اہل سنت نے اُن بارہ کو لکہا ہے کہ جسمیں معاویہ اور یزید اور عبد الملک اور چاروں اُسکے فرزند اور عمر بن عبد العزیز ہیں اور دوسری روایت کے جو تاریخ الخلفاء میں اور ذہبی میں ابن عساکر سے ہے اُسمیں حضرت علیؑ کو تو خلفاء دوازدگانہ میں سے نہیں لکہا ہے اور معاویہ اور یزید دونو کو لکہا ہے بعد خلفاء ثلاثہ کے اور اُنکے حق میں لکہا ہے کہ یہ کل صالح تھے اولاد کعب بن لوئی میں سے کہ مثل اُنکے پایا نہیں گیا ہے اور یہ جو لکہا ہے کہ انصار اور اعوان خلفاء انصار ہی میں سے ہوا کرتے ہیں یہ کہیں بہی ثابت نہیں ہے اپنے دل سے جو چاہتا ہے ایجاد کر کے لکہتا ہے اور یہ انصار جو انصار مشہور ہوئے ہیں تو اسواسطے کہ اُنہوں نے جناب رسول خدا صلعم کی نصرت کی ہے اور بعض امام حسنؑ اور معاویہ کی خلافت کا جواب ہم کئی مرتبہ دیچکے کہ یہ خلافت جو حضرت امام حسنؑ کو حاصل ہوئی تہی حضرت علیؑ کی بعد ہم اُسکو خود ہی خلافت موعود من اللہ نہیں جانتے ہیں اور سوا اسکے اور کسیکی خلافت کو بہی جو کہ بعد رسول خدا صلعم کے خلیفہ ہوئے ہیں موعود من اللہ نہیں جانتے ہیں اور خلافتوں کے دعووں کو ہم باطل کر آئے ہیں اور اگر استخلاف سے خلافت مصطلحہ مراد لیجائیگی برخلاف تحریر مفسرین اہل سنت کے تو بیشک معاویہ اور یزید موافق روایات اہل سنت کے خلفاء میں داخل ہونگی **قال الشیخ الاشعری** اور نیز یہ بہی اہل فہم اور انصاف پر صاف روشن ہو گیا کہ اُنکے زمانہ میں اُنکے ہاتھوں سے جو کچھہ دین کے مقدمہ میں ظہور میں آیا اور اُس نے رواج پایا جیسے حضرت ابوبکر صدیق

رضی اللہ عنہ کا حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو فدک نہ دینا اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا متعہ کا منع کرنا اور تراویح کی تاکید اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا جمعہ میں ایک اذان کا بڑھانا
وہ سب منجملہ دین پسندیدہ اور مصداق مضمون ارتضی لہم ہو علیٰ ہذا القیاس جس مسئلہ پر انکے زمانہ میں انکی وجہ سے اجماع اور اتفاق ہوگیا وہ لاریب حق وصواب ہے اُس سے جو
منحرف ہے وہ دین پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو اسکا منکر ہو وہ حق کا منکر ہے **اقول** خلیفہ تو وہ خلفا ناحق ہو سکتے ہی نہیں انکی رواج دی ہوئی بدعتیں کیونکر حق ہو جائیں
گو دین کے مقدمہ میں تو خلاف شرع کے رواج دیکر لوگونکو گمراہ کیا ہو اور ابتدا سے ہم آنکی خلافت کو باطل کرتے چلے آئے ہیں اہل سنت کی تفسیروں سے کہ یہ آیت خلافت کے مقدمہ
میں نہیں ہو اور اس آیت سے خلافت کسیکی ثابت نہیں ہو جب وہ خلیفہ نہوئے تو جو انکے احکام خلاف حکم خدا اور رسول کے ہیں وہ سب بدعتیں ہیں اور اسیواسطے جناب
رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا حذیفہ سے کہ تکون بعدی ائمۃ لا یھتدون بھدای لا یستنون بسنتی چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے یعنی فرمایا حضرت نے کہ ہونگے بعد
میرے امام کہ نہ ہدایت پائی ہونگے وہ ساتھ ہدایت میری کے اور نہ سنن ہونگے وہ ساتھ سنت میری کے سو جو احکام کہ خاص اُنکے زمانہ میں رواج پاتے تھے وہ بدعتیں تھیں اور
بدعتوں کو عمل میں لانیوالا دوزخ میں جائیگا اور اُسکا کہیں ٹھکانا نہیں ہے پس جو شخص کہ اُنکے احکام تراشے ہوئے پر چلیگا اُسکے واسطے دوزخ تیار ہو اور فدک حضرت
فاطمہ کا غصب کرنا اور اُس مظلومہ کو آزار پہنچانا اور رنجیدہ کرنا تو اسفل السافلین میں لیجائیگا اور متعہ کا منع کرنیوالا خدا کے حکم کا رد کرنیوالا ہے جو وعید کہ خدا کے حکم کے رد کرنیکا ہو وہ
اُسکے واسطے موجود ہو اور عثمان کو بدعتوں کے کرنیکی جہت سے سوائے خدا آخرت کے اصحاب رسول مقبول نے اسکو مخذول کردیا اور اُسکے قتل میں قاتلوں کی اُسکے اعانت
کی اور جو شخص کہ خلاف حکم خدا کے اور پیغمبر کے حکم کرے ہرگز اُسکی نجات نہیں ہے چنانچہ شیخ سعدی بھی کہتے ہیں ؎ خلاف پیمبر کسے رہ گزید ٭ کہ ہرگز بمنزل نخواہد رسید ٭ اور خلاف
حکم خدا اور رسول کی حکم کرنا ہرگز دین پسندیدہ میں سے نہیں ہے اور اگر یہ حکم دین پسندیدہ میں سے ہو تو خدا اور رسولخدا کا ارشاد دین پسندیدہ میں سے نہوگا اور بے علموں اور جاہلوں کا
اجماع اور اتفاق بھی باطل ہو اور دستور ہو کہ بموجب الناس علیٰ دین ملوکہم کے لوگونکو بجز پیروی سلاطین کے چارہ نہیں ہوتا ہو جب اُنکے احکام کو تسلیم کرلیا تو رواج پاکر
اور استعمال کرتے کرتے دلوں میں اُنکی اُن احکام کا رسوخ ہو جاتا ہو اور پھر اُسکے خلاف کو اچھا نہیں جانتے اور اسکی انکو بسبب جہالت کے خبر نہیں ہوتی کہ یہ احکام انکی مطابق
حکم خدا اور رسولخدا کے ہیں یا نہیں ہیں اور جو لوگ کہ انکے احکام کو پسند نہیں کرتے اُنسے جبراً اور قہراً اُس پر عمل کراتے ہیں سو ایسے جاہلوں کا اتفاق حق اور صواب نہیں ہو سکتا
اور جو شخص کہ باوجود اطلاع اس امر کے کہ خلفائے ثلاثہ کے احکام ثلاثہ کے برخلاف خدا کے ہیں اُنپر عمل کریگا اور بسبب حسن ظن کے اُنکے حکموں میں جو کہ خلاف شرع
ہیں تاویل کرکے اُنکو درست کریگا وہ دین پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو اُنکے ایسے حکموں کا منکر ہوگا وہ حق کا منکر نہوگا اور احکام ثلاثہ کے ہرگز دین پسندیدہ میں
داخل نہیں ہیں اور نہ اُنکا دین پسندیدہ ہو جیسا کہ ہم پہلے ثابت کر چکے اور آیت استخلاف سے تو خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے جیسا کہ کئی مرتبہ لکھ چکے اور روایتوں سے
اہل سنت کی اگر خلافت ثلاثہ ثابت ہے تو روایتوں سے اُنکی ممانعت بھی ثابت ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے علی الخصوص جبوقت کہ جناب پیر دستگیر فرمائیں
اُسکو کہ خلیفہ حق اور امام صدق ہو اس سے روشن ہوا کہ موافق مذہب اہل سنت کے اہل انصاف پر کہ معاویہ کے زمانہ میں اُسکے ہاتھوں سے جو کچھ اہل سنت کے دین کے مقدمہ میں ظہور
میں آیا اور اُس نے رواج پایا جیسے کہ حضرت علی کو گالیاں دینا اور یہ ستانا بنی امیہ میں یہ امر رائج رہا تھا یہاں تک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اسکو موقوف کیا یہ بھی منجملہ دین
پسندیدہ اور مصداق مضمون ارتضی لہم ہے علیٰ ہذا القیاس جس مسئلہ پر اُسکے زمانہ میں اسکی وجہ سے اجماع اور اتفاق ہوگیا وہ لاریب حق وصواب ہے اس سے جو منحرف ہے وہ دین
پسندیدہ خداوندی سے منحرف ہے اور جو اسکا منکر ہے وہ حق کا منکر ہے موافق مذہب اہل سنت کے **قال الشیخ الاشعری** اور نیز قطع نظر اسکے کہ جملہ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ خلافت خلفائے ثلاثہ پر بوجہ احسن دلالت کرتا ہے اور شیعوں کے اس توہم کو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ایام مرض
وفات میں کاغذ قلم دوات منگایا تھا اور حضرت عمر نے نہ آنے دیا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ کے خلافت کے فرمان ہی لکھنے کو منگایا تھا بیخ و بنیاد سے اُکھاڑتا ہے جملہ ولیمکنن لہم
دینہم الذی ارتضی لہم سے بھی اہل فہم کے نزدیک تو یہ توہم زائل ہوگیا کیونکہ خلافت خلفائے ثلاثہ جب خلافت موعودہ ہوئی تو اُنکی خلافت کی تمکین بھی منجملہ تمکین دین
پسندیدہ ہوگئی ہاں اگر خلافت امور دینی میں سے نہوتی تو البتہ اس استدلال کی گنجائش تھی سو شیعہ اسکا انکار نہیں کرسکتے ورنہ حضرت امیر اور اُنکی اولاد رضوان اللہ علیہم اجمعین
کو طالب دنیا کا کہنا پڑیگا نعوذ باللہ منہا غرض یہ مسئلہ ورنہ بہت سے مطاعن جو شیعہ اور خارجی بسبب اپنی تیرہ درونی کے حضرات خلفاء راشدین پر کرتے ہیں مندفع ہوگئے اگرچہ یہ مطاعن
اور سوا اسکے اور مطاعن بنظر غور اہل بصیرت کے نزدیک معترضوں کی تیرہ درونی ہی سے پیدا ہوتے ہیں چنانچہ دوبارہ فدک تو اوراق مابعد کے انشاء اللہ یہ حال واضح ہو جائیگا
تفصیل اس اجمال کی بہ نسبت جملہ مطاعن کے اسجا پر اگر بموقع اور بیجا نہوتی تو بقدر گنجائش وقت درج اوراق کرتا مگر چونکہ کاغذ دوات قلم کے نہ آنے دینے کا طعنہ بھی بزعم
شیعہ کلاں ترین مطاعن خلفاء راشدین ہو تو بنظر تسکین خاطر بعض بنی نوع اگرچہ اس بحث میں بےموقع ہو مختصہ مختصہ عرض کرتا ہوں تاکہ اس بڑی طعن کا اندفاع موجب اندفاع

دیگر مطاعن صغیرہ ہو جائیں۔ **قول** آیت وعد اللہ الذین آمنوا منکم الخ ہرگز ہرگز خلافت ثلاثہ پر دلالت نہیں کرتا ہے چنانچہ ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے اور اسکے مزعوم کو باطل کر چکے اور بیشک رسولخدا صلعم نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لکھنے کو دوات و قلم طلب کیا تھا اور عمر اسکا مانع ہوا یہانتک کہ اس منع کرنے میں رسولخدا صلعم کی عظمت اور فضیلت کا پاس نکیا اور اس طرح سے حضرت کو منع کیا اور کہا کہ یہ مرد بیماری میں بکتا اور بکتا ہے یعنی اسوقت کے اسکے قول کا اعتبار نہیں ہے کتاب خدا ہمکو کفایت کرتی ہے اور خاص حضرت علیؑ کے واسطے لکھنا بھی ثابت ہے چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ میں سمجھ گیا تھا کہ جناب رسولخدا صلعم حضرت علیؑ کے واسطے لکھتے ہیں اسواسطے میں مانع ہوا اور دوسری جگہ ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ میں ہمیشہ علیؑ کو اپنے اوپر غضبناک دیکھتا ہوں سبب کیا ہے ابن عباس نے کہا کہ تو خود جانتا ہے عمر نے کہا کہ گمان مجکو یہ ہے کہ غضب اسکا خلافت کے فوت ہونے سے ہے ابن عباس نے کہا کہ سبب یہی ہے اور وہ ایسا جانتا ہے کہ رسولخدا نے خلافت کو میرے واسطے مقرر کیا ہے عمر نے کہا کہ جسوقت خدا نے نچاہا کہ یہ امر علیؑ کو پہنچے تو رسولخدا کی چاہنے نے کیا فائدہ دیا رسولخدا نے چاہا کہ ابوطالب چچا اسکا اسلام کو قبول کرے خدا جو نہیں چاہتا تھا تو وہ مسلمان نہوا اور بعد اسکے ابن ابی الحدید نے لکھا کہ دوسری روایت میں ایسا ہے کہ عمر کہتا تھا رسولخدا صلعم نے مرض الموت میں چاہا کہ واسطے خلافت علیؑ کی ذکر کریں میں مانع ہوا خوف فتنہ سے اور اس ڈر سے کہ امر پراگندہ ہو جاوے اور ابن ابی الحدید اگرچہ معتزلی ہے لیکن حقیت خلافت ثلاثہ کا قائل ہے اور بیخ و بنیاد سے تو جب اکھاڑے تو کہ جسوقت حقیت خلافت ثلاثہ کی ثابت ہو اور جب کہ وہ کسیطرح سے ثابت نہیں ہے تو اعتراض شیعوں کا ہرگز دفع نہو گا اور اس اعتراض کو جڑ سے تو کوئی کیا اکھاڑیگا ہر چند طرح طرح سے اسکے جواب میں تاویلیں کرتے ہیں پر کچھ نہیں بن پڑتا اور خلافت ثلاثہ کی کسیطرح سے نہیں جمتی ہے اور کوئی صورت اسکی حقیت کی نہیں ہے اور پھر کہتا ہے کہ جب خلافت موعودہ ہوئی اور یہ جو لکھتا ہے کہ جب خلافت ثلاثہ خلافت موعودہ ہوئی کیا خلافت کو پہلے اس سے موعود من اللہ ہونا ثابت کرتا ہے کہ جو ایسا کہتا ہے اور خلاف تفسیر قرآن کی تو ہر کوئی جو چاہے ثابت کر سکتا ہے اور جو کچھ کہ مزعوم اسکا تھا وہ ہم نے سب بیان کر دیا اور ثلاثہ کی خلافت کی تمکین ہرگز تمکین دین نہیں ہے اور خلافت انکی امور دینی میں سے نہیں ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اہل انصاف کی یاد دہی کے واسطے کچھ ہم پھر لکھتے ہیں کہ خدا تعالی فرماتا ہے الیوم اکملت لکم دینکم یعنی آج کے دن کامل کیا میں نے دین تمہارے کو اب میں پوچھتا ہوں کہ اگر خلافت دین میں سے ہے تو رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی میں بحکم خدا کسکو خلیفہ کیا تھا جسکے بعد دین کامل ہوا اور اگر حضرت نے کسیکو خلیفہ نہیں کیا تو دین کامل نہوا بلکہ ناقص رہا اور خدا فرماتا ہے کہ ہمنے دین کو کامل کر دیا ہے اس سے معلوم ہوا کہ خلافت دین میں سے نہیں ہے اگر دین میں سے ہوتی تو کوئی قبل نزول اس آیت کے خلیفہ ہو گیا ہوتا جس سے خدا کا کہنا کہ ہمنے آج کے دن دین کو کامل کیا صحیح ہوتا لیکن جنکے نزدیک یہ ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے اپنی زندگی ہی میں حضرت علیؑ کو بحکم خدا خلیفہ کیا تھا انکے مذہب کے موافق البتہ خلافت دین میں سے ہے اور اس آیت کے معنی بھی صحیح رہتے ہیں اب اس شیخ کے استدلال کو کچھ گنجائش باقی نرہی اور شیعوں کو ثلاثہ کی خلافت کا امور دین میں سے ہونیکا بالکل انکار ہے کہ ہم ابھی ثابت کر چکے ہیں کہ خلافت انکی امور دین میں سے نتھی بلکہ امور دنیا میں سے تھی جیسی کہ اور سلاطین دنیا کی خلافت ہوتی ہے اور یہ بھی ہم ثابت کر چکے ہیں کہ خلافت حضرت علیؑ کی ہمارے نزدیک امور دین میں سے ہے اس صورت میں حضرت علیؑ و اولاد طاہرین طالب دنیا کے نہ ٹھہرینگے بلکہ طالب دین کے ہونگے اور طعن خوارج کی تو حضرت علیؑ پر بیجا ہے اور نہایت پوچ ہے اسیواسطے انمیں کوئی گفتگو نہیں کرتا ہے اور انکو لوگ جانتے بھی نہیں ہیں مگر مولوی عبدالعزیز صاحب نے چند مطاعن تحفہ میں لکھے ہیں سو معلوم نہیں کہ حقیقت میں وہ طعن خوارج کی ہیں یا مولوی عبدالعزیز صاحب نے اپنی طرف سے ایجاد کر کے انکی طرف منسوب کر دیے ہیں اور اعتراضات شیعہ جو ثلاثہ پر ہیں وہ واقعی ہیں اور اہل سنت کی کتابوں میں دیکھکر انپر طعن کرتے ہیں کہ انکی کتابوں میں ثلاثہ کی حق سے تجاوز کر جانیکی باتیں لکھی ہیں لیکن اہل سنت اپنی تیرہ درونی کی جہت سے ان غاصبان حقوق اہل بیت کے عیبوں میں تاویلیں کر کے انکے ظلموں کو عدل اور انصاف انکا ظاہر کرتے ہیں اور شیعوں کے اعتراض ایسے نہیں ہیں جو دفع ہو جائیں اور یہاں تو نے کونسی بات ایسی بیان کی ہے جس سے اعتراض شیعوں کا مندفع ہو ہو تو خواہ مخواہ آیت میں قرآن کی تاویل کر کے برخلاف تحریر مفسرین کے پوچ اور واہیات بکا ہے اور ایسا ہی تو نے فدک کے مقدمہ میں لکھا ہے کہ سراپا دیوانوں اور پاگلوں کی سی گفتگو کی ہے کہ قرآن کو تو لکھتا ہے کہ یہ خدا کی طرف سے اسکے بندوں پر نہیں ہے بلکہ پیغمبر کی طرف سے ہے اور خدا نے تو پیغمبر کے واسطے لکھدیا ہے جیسے کوئی جاہل کسی منشی سے عرضی لکھواتا ہے تو وہ لکھوانیوالے کی کہلائیگی اور لکھنیوالے کی نہ کہلائیگی ایسی ہی قرآن ہے کہ وہ خدا کا نہ کہلائیگا بلکہ پیغمبر خدا کا کہلائیگا اور کہیں تو لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا کا کوئی وارث اسواسطے نہیں ہوتا ہے کہ وہ زندہ ہیں اور گوشہ قبر میں زندہ بیٹھے ہیں زندہ کا کوئی وارث نہیں ہو سکتا اور کہیں تو لکھتا ہے کہ پیغمبر خدا کی دنیا میں کوئی چیز ملک میں نتھی اور سوا اسکے ایسی ایسی دیوانوں کی سی گفتگو تیری فدک کے مقدمہ کے جواب میں بہت ہے کہ جسکو سنکر اہل سنت بھی تعجب کریں اور پسند نکریں اور ہم ان سبکو انشاء اللہ تعالی مثل غبار کے پراگندہ کر دینگے اور تفصیل اس اجمال کی تو کیا لکھتا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کے تحفہ میں سے لیکر تو نقل کر دیتا ہے اور یہ خبر تجکو نہیں ہے کہ اسمیں کچھ دفع بھی ہے اور کسی نے انکے قولوں کو رد بھی کیا ہے یا نہیں بلا تحقیق جو چاہتا ہے لکھتا ہے اور طعن دوات اور قلم کے طلب کرنے کا بزعم شیعہ کیا بلکہ علماء

اہل سنت کے نزدیک یہ بڑا بھاری طعن ہے کہ بہت مشہور ہیں اور بدیہیات کا انکار کرتے ہیں اسکے جواب میں مگر کچھ نہیں بن پڑتا اور اسنے جو کچھ تھوڑا سا لکھا ہے اسکے جواب میں اور اسکو بہت آسان سمجھا ہے جھوٹ بولکر اور بدیہی بات کا انکار کرکے تو اسکے نزدیک یہی بہت خوب جواب ہے اور حالانکہ وہ کچھ بھی نہیں ہے چنانچہ معلوم معلوم ہوگا اور جیسا کہ یہہ جواب دیگا ایسے ہی سب اعتراضوں کا اسکے جواب ہے اسپر ہی قیاس کر لینا چاہئے **قال الشیخ الاشعری** حضرت من اول تو کسی روایت میں یہ نہیں کہ کاغذ قلم دوات کے آنیکی مانع اول حضرت عمر ہی تھے البتہ جب سرور کائنات علیہ و علے آلہ الصلوات و التسلیمات نے کاغذ دوات قلم منگانیکو فرمایا تو حضرت عمر بھی اس محفل میں موجود تھے حاضرین مجلس کی رائے اُسوقت مختلف ہوئی کسی نے کہا کہ امتثال امر ہی کیجے کوئی بولا کہ اس شدت مرض میں یہ تکلیف نہ دیجے اس ردوکد میں ایک شور برپا ہوگیا **اقول** یہ شیخ مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی میں جھوٹ بولکر بالکل اپنا ایمان کو خراب کرتا ہے اور زمرہ میں کاذبوں کے داخل ہوتا ہے اور یہ جو لکھتا ہے کہ کسی روایت میں یہ نہیں ہے کہ کاغذ دوات قلم کے آنیکے مانع اول حضرت عمر ہی تھے یہ لکھنا بالکل غلط ہے کہ صحیحین کی روایتوں کا انکار کرتا ہے اسواسطے کہ بیشک اول مانع دوات قلم کاغذ کے آنیکے حضرت عمر ہی ہوئے ہیں چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور اختلاف کرنا اہل محفل کا عمر کے منع کے بعد ہی نہ پہلے اس سے اور یہ روایت عمر کے منع کرنیکی صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں کئی جگہہ لکھی ہے لیکن میں بعضی روایتوں کو اُن میں سے تحریر کرتا ہوں اول تو بخاری کی کتاب العلم میں ابن عباس سے روایت ہے قال لما اشتد بالنبی وجعه قال ائتونی بکتاب اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده قال عمر ان النبی غلبه الوجع وعندنا کتاب الله حسبنا فاختلفوا وکثر اللغط قال قوموا عنی ولا ینبغی عندی التنازع فخرج ابن عباس یقول ان الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول الله صلعم وبین کتابه اور کتاب المرض میں بخاری کے باب قول مریض میں لکھا ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله و فی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال النبی صلعم هلم اکتب لکم کتابا لا تضلوا بعده فقال عمر ان النبی قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن حسبنا کتاب الله اور کتاب الخمس میں باب اخراج الیهود میں سلیمان بن ابی مسلم سے روایت ہے کہ سنا اُسنے سعید ابن جبیر سے اور اُسنے ابن عباس سے کہ یقول یوم الخمیس ما یوم الخمیس ثم بکی حتی بل دمعه الحصی قلت لابن عباس وما یوم الخمیس قال اشتد برسول الله صلعم وجعه فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما له اهجر استفهموه اور صحیح مسلم میں لکھا ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله و فی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب فقال النبی هلم اکتب لکم کتابا لا تضلون بعده فقال عمر ان رسول الله قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن حسبنا اور اس سے پہلی روایت میں مسلم میں اس طرح سے ہے کہ ابن عباس نے روز پنجشنبہ کو یاد کرکے بہت رویے اور بعد اسکے کہا کہ قال رسول الله صلعم ائتونی بالکتف والدواة او اللوح والدواة اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابدا فقالوا ان رسول الله یهجر اور مشکوٰة میں ہے عن ابن عباس قال لما حضر رسول الله صلعم و فی البیت رجال فیهم عمر بن الخطاب قال النبی صلعم هلموا اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده فقال عمر قد غلب علیه الوجع وعندکم القرآن حسبکم کتاب الله فاختلف اهل البیت واختصموا منهم من یقول قربوا یکتب لکم رسول الله ومنهم من یقول ما قال عمر فلما اکثروا اللغط والاختلاف قال رسول الله صلی الله علیه وسلم قوموا عنی اور بعد اسکے جو مشکوٰة میں روایت ہے سلیمان بن ابی مسلم سے کہ ابن عباس یاد کرکے روز پنجشنبہ کو جس روز کہ جناب رسول خدا صلعم پر شدت بیماری کی ہوئی تو بہت روئے تو انسے پوچھا کہ ما یوم الخمیس تو کہا کہ اشتد برسول الله وجعه فقال ائتونی بکتف اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعده ابدا فتنازعوا ولا ینبغی عند نبی تنازع فقالوا ما شانه اهجر استفهموه اور حاصل ان سب روایتوں کا یہ ہے کہ ابن عباس نے بیان کیا کہ جسوقت رسول خدا صلعم کا مرض سخت اور زیادہ ہوا تو رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ لاؤ تم دوات اور قلم اور کاغذ لکھوں میں واسطے تمہارے ایک نوشتہ کہ نہ گمراہ ہو تم بعد اسکے اُس پر عمل کرنے میں کبھی عمر بن خطاب نے یہ سنکر کہا کہ تحقیق پیغمبر خدا پر درد غالب ہوا ہے یعنی درد کی جہت سے ایسا کلام کرتے ہیں جیسے کہ بیمار شدت مرض میں بکا کرتا ہے اور ہمارے پاس کتاب خدا کی ہے کہ وہ ہمکو کفایت کرتی ہے یعنی رسول خدا کے قول پر عمل کرنیکی ہمکو احتیاج نہیں ہے اور اُن لوگوں نے جو کہ وہاں تھے کہا کہ رسول خدا صلعم کو ہذیان ہوگیا ہے بیماری میں بکتے ہیں انکے قول کا اعتبار نہیں ہے اور بعد اسکے اہل محفل میں آپس میں اختلاف ہوا کسی نے تو کہا کہ دوات قلم کاغذ دیدو تاکہ حضرت ہمکو لکھدیں اور کسی نے کہا کہ قول قول عمر ہے کہ جیسے عمر نے کہا ہے کہ نہ دو دینا نہیں چاہئے جب بہت تکرار آپس میں ہوا اور شور و غل بہت ہوا تو حضرت نے خفا ہوکر فرمایا کہ اٹھ کھڑے ہو میرے پاس سے کہ پیغمبر کے روبرو جھگڑا کرنا نہ چاہئے بعد اسکے لوگوں نے کہا کیا ہے حال رسول خدا کا کہ ہذیان ہوگیا ہے سمجھا چاہو تم اسکو اور ابن عباس اس حدیث کو بیان کرتے تھے تو روز پنجشنبہ کو یاد کرکے کہ جس روز یہ معرکہ ہوا تھا اسقدر روتے تھے کہ سنگریزے جو زمین پر پڑے تھے انکے اشکوں سے تر ہوجاتے تھے اور کہتے تھے کہ بڑی مصیبت پیش آئی کہ رسول خدا صلعم کو وصیت نہ لکھنے دی اب دیکھو کہ بخاری اور مسلم اور مشکوٰة میں تینوں کتابوں میں لکھا ہے کہ اول سب سے حضرت عمر مانع ہوئے دوات و قلم و کاغذ کے دینے سے اور یہ شیخ لکھتا ہے پہلے وہ ہی مانع نہیں ہوئے اور ان روایتوں سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ جن روایتوں میں نام عمر کا نہیں ہے اور یہ لکھا ہے کہ حضرت کے فرمانے کے بعد آپس میں سب نے اختلاف اور جھگڑا کیا کسی نے کہا کہ دو اور کسی نے کہا کہ نہ دو تو وہاں بھی سب سے پہلے منع کرنیوالے عمر ہیں کہ انکی متابعت سے بعضوں نے کہا کہ نہ دو اسواسطے کہ مانعین میں پہلے منع کرنیوالا کوئی ایک ہی ہوگا

جسکی متابعت سے اوروں نے بھی منع کیا سو وہ حضرت عمر تھے چنانچہ ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جن میں خاصکر انکا نام ہے اور ہذیان کی نسبت کرنا طرف حضرت صلعم
کے ہر چند کہ اُس روایت میں جمع کے لفظ سے آیا ہے کہ کہا اُنہوں نے کہ حضرت کو ہذیان ہو گیا ہے لیکن پہلے سب سے ہذیان کی نسبت کرنیوالی عمر تھے اور پہلے سب سے وہی اُنہوں
نے کہا تھا کہ رسول خدا صلعم پر درد غالب ہو گیا ہے اور یہ کلام درد کی جہت سے کرتے ہیں اور اسکو ہذیان کہتے ہیں اور سوائے اُسکے اور روایتوں میں تصریح عمر کے نام کی ہے چنانچہ
معلوم ہو گا اور عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ کشمیہنی کی روایت میں ہجر ہجر بتکرار لفظ آیا ہے یعنی بہکتا ہے بہکتا ہے اور ابن اثیر نے جامع الاصول میں اور طیبی نے شرح مشکوۃ میں
لکھا ہے کہ قائل اس قول کا عمر ہے اور گمان اسکی طرف ایسا نہیں ہو سکتا اور مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَیٰ عِنْدَ مَوْتِہٖ
بِالصَّحِیْفَۃِ لِیَکْتُبَ فِیْھَا کِتَابًا لَا یَضِلُّوْنَ بَعْدَہٗ فَخَالَفَھَا عُمَرُ فَقَالَ اِنَّ النَّبِیَّ لَیَھْجُرُ یعنی تحقیق رسول خدا صلعم نے طلب کیا قریب موت اپنی کے صحیفہ کو کہ لکھے اُس میں ایسا لکھنا کہ
نہ گمراہ ہوں بعد اُسکے پس مخالفت کی رسول خدا صلعم کی عمر نے اور کہا کہ پیغمبر بیماری میں بہکتا ہے اور ابن اثیر نے نہایہ لغت میں لکھا ہے حدیث مرض النبی میں کہ ہذیان
کا کہنا والا عمر تھا اور شرح مسلم نووی میں بھی یہی لکھا ہے اور نسیم الریاض شرح قاضی عیاض میں اختلاف کے ذکر میں لکھا ہے کہ وَرَدَ فِی الْاَحَادِیْثِ الصَّحِیْحَۃِ مِنْ اَنَّ النَّبِیَّ
قَالَ فِیْ مَرَضِہٖ اِئْتُوْنِیْ بِدَوَاۃٍ اَکْتُبْ لَکُمْ کِتَابًا لَا تَضِلُّوْنَ بَعْدِیْ فَقَالَ عُمَرُ اِنَّ الرَّجُلَ لَیَھْجُرُ حَسْبُنَا کِتَابُ اللّٰہِ یعنی احادیث صحیحہ میں وارد ہوا ہے کہ رسول
صلعم نے دوات و قلم کو طلب کیا تو عمر نے رسول خدا صلعم کو کہا کہ یہ مرد بیماری میں بہکتا ہے اور ہمکو کتاب خدا کی کفایت کرتی ہے اور حمیدی نے جمع بین الصحیحین میں لکھا ہے حدیث طاؤس
میں کہ فقال عمر ان الرجل لیہجر یعنے کہا عمر نے کہ تحقیق یہ مرد بیماری میں بہکتا ہے اور کسی روایت میں ہجر ہجر مکرر آیا ہے اور کسی روایت میں اہجر ماضی کا صیغہ باب افعال سے آیا ہے اخیر
کے معنی میں اور ابن حجر نے بھی شرح بخاری میں یہی لکھا ہے اور وہ ہذیان ہے کہ حالت بیماری میں صادر ہوتا ہے اور معصوم سے وہ بعید ہے انتہی اور یہ ہمزہ لوگوں نے برعایت
عمر ہجر کے لفظ پر زیادہ کر کے اُسکو ہمزہ استفہام قرار دیا ہے لیکن اُن حضرت کی شان میں ایسا ہی بجا ہے اسواسطے کہ تجویز بھی ہذیان کی جناب رسول خدا صلعم پر موجب کفر و
نفاق ہے اور قاضی عیاض نے لکھا ہے کہ علماء نے اس مقام میں بہت کلام کیا ہے لیکن فائدہ کسی کی تقریر نے نہیں بخشا اور جو کچھ کہ مناسب ہے اس مقام میں خواہ ہمزہ ثابت
خواہ محذوف ہو یہ ہے کہ جن لوگوں نے یہ کہا حضرت کو وہ قریب العہد اسلام اور تازہ مسلمان تھے اور یہ نہیں جانتے تھے کہ یہ قول پیغمبر کے لائق نہیں ہے اور ایسا گمان کرتے تھے کہ بمقتضائے
طبیعت بشریہ اُنکو بھی لاحق ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اُنکا ایمان نبوت رسول خدا صلعم پر کامل نہوا تھا اور اسیواسطے حضرت کی نبوت میں شک کیا کرتے تھے اور حضرت کے مرتبہ کو جیسا
کہ ہے ویسا نہ جانتے تھے اور یہ شیخ جو لکھتا ہے کہ کوئی بولا کہ شدت مرض میں حضرت کو تکلیف نہ دینی چاہئے سو یہ کسی روایت میں نہیں ہے بلکہ یہ کہا تھا کہ رسول خدا صلعم بیماری میں بہکتے
ہیں انکے قول کا اعتبار نہیں ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور جب شور و غل برپا ہوا تو حضرت کو بہت ناگوار معلوم ہوا اور خفا ہو کر سب کو اپنی پاس سے اُٹھا دیا **قال الشیخ
الاشعری** حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے میں آیا کہ یہ ارشاد مربیانہ اور مشفقانہ ہے بطور ایجاب نہیں جسکی تعمیل واجب ہو کیونکہ خداوند کریم اس سے پہلے فرما چکا ہے اَلْیَوْمَ
اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ یعنی حجۃ الوداع کے دن خداوند کریم کی طرف سے یہ بشارت آئی کہ آج کے دن میں نے اپنے دین کو تمہارے لئے پورا کر دیا اور تمام کر دی میں نے
تم پر اپنی نعمت پھر جب خداوند کریم دین کو کامل کر چکا ہو تو اب یہ لکھنا کسی نئے امر دینی کے لکھوانے کے لئے تو نہیں ہے ہو نہو اسی کی تفصیل ہوگی سو یہ بات چنداں ضرور نہیں
جو اس امر کی تعمیل واجب ہو بلکہ بوجہ شفقت کاملہ آپ یوں ارشاد فرماتے ہیں سو باوجود شدت مرض کے آپنے ہماری لئے تکلیف گوارا فرمائی تو اسکی مکافات کیا یہی ہے کہ ہم بھی آپکے لئے
اس تکلیف کو گوارا کریں بلکہ مقتضی ادب یہی ہے کہ آپکے فرمانیکا کچھ خیال نکیجے اور اس قصہ کو جانے دیجے اور سچ بھی تو ہے اگر کسیکا باپ بھوک کی شدت میں آپ تو نکھائے اور بیٹے کو بوجہ شفقت
اپنا حصہ کھانیکو فرمائے تو کیا مناسب ہے کہ فرزند عاقل دیدہ و دانستہ پدر مہربان کو بھوکا چھوڑ کر سب نگل جائے بلکہ ایسے وقت میں مقتضی ادب یہی ہے کہ والد مہربان کا کہنا نہ مانے اور
اسی نافرمانی ہی کو اپنی سعادت جانے غرض حضرت عمر نے بوجہ مذکور اور نیز بایں غرض کہ شور موقوف ہو جائے حسبنا کتاب اللہ کہا یعنی کافی ہے ہمکو قرآن شریف پھر اس تکلیف کے دینے کی کیا ضرورت
اقول ارے کیوں جھوٹے فقرے لکھتا ہے اور عمر کی اصلاح حال میں خلاف واقع بیان کر کے اپنا ایمان کو کیوں خراب کرتا ہے وہ تو جو کچھ ہونیوالا تھا ہو گیا بھلا تو جو یہ جھوٹ
لکھتا ہے کہ حضرت عمر کے رائے میں آیا یہ اُنکی رائے میں کب آیا تھا اور کس روایت میں تو لکھا ہے اور اگر اُنکی رائے میں یہ آتا کہ یہ ارشاد حضرت کا مربیانہ اور مشفقانہ ہے تو اُسکو قبول
کرتے یہ کیوں کہتے کہ اس مرد کو جو درد عارض ہے تو بیماری میں بہکتا ہے اور اسکو ہذیان ہو گیا ہے اسکی قول کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہمکو کتاب خدا کفایت کرتی ہے اور جو کچھ رسول خدا
صلعم لکھنا چاہتے تھے وہ امر حضرت عمر کو نہایت ناگوار تھا اور سمجھ گئے تھے کہ علی کے واسطے لکھنا چاہتے ہیں چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت میں تاریخ بغدادی کی
وہ ایک سنی کی تصنیف ہے نقل کیا ہے ورنہ اس سختی سے جناب رسول خدا صلعم کے ارشاد کو رد کرنا اور کہنا کہ بیماری میں مرد بہکتا ہے اور کیا معنی ہیں اور حضرت کا فرمانا واسطے
ایجاب کے نہیں تو اور کاہیکے واسطے ہے کہ نفی ضلالت کو اُسپر معلق کیا ہے اور اگر وجوب کے واسطے ارشاد حضرت کا نہوتا تو خفا ہو کر لوگوں کو اس طرح سے نہ کہتے کہ کھڑے ہو جاؤ میرے

پاس ہے اور اگر وجوب کے واسطے نہ ہوتا تو ابن عباس رو رو کر کیوں کہتے کہ الرزیة کل الرزیة ما حال بین رسول اللہ وبین ان یکتب کتابہ اور اصل میں امر وجوب ہی کے لئے آتا ہے جب تک کہ کوئی قرینہ صارفہ نہ ہو اور یہاں کوئی قرینہ نہیں ہے سو اس مقام میں امر کے واجب ہونے میں کوئی شبہ نہیں ہے اور آیت اکملت لکم دینکم کے نازل ہونے سے کیا پیغمبر خدا صلعم نبوت سے معزول ہو گئے تھے کہ انکے قول کا اعتبار بعد نزول اس آیت کے باقی نہ رہا کیا خوب تحریف کرتا ہے معانی قرآن میں بخاطر عمر اور جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نبوت سے معزول کرتا ہے اور یہ نہیں جانتا کہ مراد اس آیت میں نصرت اور غلبہ اور اکمال اصول دین اور معظم امور اسلام ہے نہ جمیع جزئیات چنانچہ بیضاوی میں لکھا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ بِالنَّصْرِ وَالْاِظْهَارِ عَلَی الْاَدْیَانِ کُلِّهَا اَوْ بِالتَّنْصِیْصِ عَلٰی قَوَاعِدِ الْعَقَائِدِ وَالتَّوْقِیْفِ عَلٰی قَوَاعِدِ الشَّرْعِ وَقَوَانِیْنِ الْاِجْتِهَادِ یعنی آج کے دن کامل کیا واسطے تمہارے دین تمہارے کو ساتھ نصرت کرنے اور غالب کرنے کے کل دینوں پر یا ساتھ نص کرنے کے قاعدوں عقیدوں پر اور اطلاع کرنیکی قاعدوں شرع پر اور قاعدوں اجتہاد پر اور جو کہ حق ہے کہ یہ آیت بعد خلیفہ کرنے علی بن ابیطالب کی نازل ہوئی ہے نہ انکے قلم سے نکلتا ہے نہ زبان سے اور کتابوں میں انکی موجود ہے جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور حافظ ابو نعیم نے حلیۃ الاولیاء میں ابو سعید خدری سے روایت کی ہے کہ جس وقت رسول خدا صلعم نے علی کو بروز خم غدیر منصوب کیا اور صدا بلند کی اسکی ولایت کی تو جبرئیل یہ آیت لیکر نازل ہوئے الیوم اکملت لکم دینکم اور امام احمد حنبل نے اپنی مسند میں روایت کی ہے کہ جس وقت یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ عَلٰی اِکْمَالِ الدِّیْنِ وَاِتْمَامِ النِّعْمَةِ وَرِضَاءِ الرَّبِّ بِرِسَالَتِیْ وَوِلَایَةِ عَلِیٍّ مِّنْ بَعْدِیْ یعنی شکر ہے واسطے خدا کے اوپر کامل کرنے دین کے اور تمام کرنے نعمت کے اور راضی ہونے اسکے کی ساتھ پیغمبری میری کی اور خلافت علی کی بعد میرے اور ابن مردویہ نے بھی کتاب مناقب میں یہی روایت لکھی ہے اور ابو القاسم حسکانی سے لیکن الحمد للہ کی جگہ اس نے اللہ اکبر لکھا ہے اور خدا تعالیٰ نے بیشک دین کو کامل کیا علیؑ کی خلافت سے کہ وہ نہایت اہم مقاصد تھا اور اسی کی تاکید کے واسطے حضرت لکھنا چاہتے تھے کہ حضرت بعلم نبوت جان گئے تھے کہ میں ہر چند علیؑ کی خلافت کے مقدمہ میں ہمیشہ کہتا رہا ہوں اور خم غدیر پر اسکو منصوب بخلافت کر دیا ہے لیکن یہ لوگ میرے کہے پر عمل نکرینگے اسواسطے اسی کی تاکید کرنی چاہتے تھے کہ عمر خطاب اسکو سمجھ گئے اور رسول خدا صلعم کے قول کو رد کیا اور عمل کرنا اسپر ضرور تھا کہ اسپر عمل کرنے سے گمراہی اور ضلالت سے بچتے تھے اور ضلالت سے بچنا واجب ہے اور یہ آخری وصیت تھی حضرت کی اس مقدمہ میں جسکی تاکید ہمیشہ کرتے رہتے تھے اور اگر بوجہ شفقت ہی فرمایا تو بڑی ہی یہ شفقت تھی امت پر کہ ضلالت سے انکو باز رکھتے تھے اور اس سے زیادہ اور کیا شفقت ہوگی کہ لوگوں کو گمراہی سے بچاتے تھے اور تکلیفیں تو حضرت نے اس سے زیادہ گوارا کی ہیں اور اسمیں اسقدر تکلیف ہی نہ تھی تھوڑے سے کلمہ کا لکھنا تھا اور حضرت خود کیوں لکھتے کہ حضرت کا تو خود لکھنے کا دستور ہی نہ تھا کسی دوسرے سے فرماتے وہ لکھ دیتا کہ بادشاہوں اور امیروں کا دستور ہوتا ہے کہ کہتے تو ہیں اسطرح کہ ہم لکھیں گے اور لکھتا ہے منشی انکا اور اگر حضرت کے حال پر عمر کو بہت رحم آتا تھا اور تکلیف حضرت کی منظور تھی تو عرض کی ہوتی کہ یا حضرت بہت خوب آپکو تو لکھنے میں تکلیف ہوگی کسی دوسرے آدمی کو حکم ہو وہ موافق ارشاد حضور کے تحریر کر دیگا یوں کیوں کہتے میاں عمر کہ انکو تو درد سینہ ہو رہا ہے اسمیں بہکتے ہیں اور ہذیان سے کہتے ہیں عمر کو تو حضرت کے قول کا رد کرنا منظور تھا اپنے مقصود کے مخالف سمجھکر جسکا مشورہ مدت سے ابوبکر سے ہو رہا تھا اور آپنے باوجود شدت مرض کے یہ تکلیف گوارا کی یہ حضرت کی بڑی شفقت تھی امت پر کہ گمراہی سے بچاتے تھے اور تم اس صورت میں اگر حضرت کی تکلیف بھی گوارا کرتے تو عین خوشنودی خدا اور رسول خدا تھی کہ امت حضرت کی گمراہی سے نجات پاتی تھی اور حضرت کے واسطے تو کوئی تکلیف ہی نہ تھی جیسا کہ ہم لکھ چکے کہ کوئی دوسرا آدمی لکھ دیتا اگر سب کو یہ منظور ہوتا تم تکلیف کو حضرت کے گوارا کیوں کرتے اور ایسی صورت میں حضرت کے ارشاد پر عمل نکرنا جہنم کو اختیار کرنا ہے اور یہ مثال باپ بھوکے کی اور بیٹے کے سب کھانا نگل جانے کی جو یہاں بیان کی ہے اسکو اس قصہ سے کیا مناسبت ہے اور احکام خدا اور رسول کو عوام الناس کے افعال پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے اور اسمیں بھی ہم کہتے ہیں کہ اگر باپ کہے کہ میں بھوکا ہوں لیکن میرا فرزند اس کھانے کی کھانے سے گمراہی اور ضلالت سے محفوظ رہتا ہے تو اس صورت میں اس فرزند کو کھانا ہی مناسب ہے گو باپ بھوکا ہے اور باپ اسکا اس سے بہت راضی ہوگا کہ میرے فرزند نے اطاعت بھی میری کی اور اپنے نفس کو آتش جہنم سے بچایا اور اگر میرا کہنا نہ مانتا تو مجھ کو بھی ناخوش کرتا اور خود گمراہی میں پڑتا اور ایسی صورت میں باپ کے کہنے پر عمل نکرنا بمقتضائے ادب نہیں ہے بلکہ بالکل بے ادبی ہے اور ایسے ہی مقام میں کہتے ہیں کہ الامر فوق الادب اور عمر نے جو حسبنا کتاب اللہ کہا تھا شور و غل کے پیچھے نہیں کہا تھا بلکہ شور و غل سے پہلے ہی کہہ چکے تھے اور شور و غل تو اسکے بعد ہوا ہے جیسا کہ بخاری اور مسلم وغیرہ کی روایتوں میں ہے آپ کہاں سے کہتے ہیں کہ شور و غل کے بعد حسبنا کتاب اللہ کہا اور حسبنا کے کہنے سے جہل و تجہیلہ عمر نے رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ کا ثابت کیا اسواسطے کہ اگر حضرت نہیں جانتے تھے کہ کتاب خدا کافی ہے تو جہل حضرت کا لازم آیا اور اگر جانتے تھے اور پھر وصیت کرنی چاہی تو فعل لغو کیا اور جہلا کی سبحان اللہ جو کہ کلام اللہ کو خدا کے یہاں سے لاوے تو جاہل ہو اور جو شخص کہ ہمیشہ غلطیاں کرتا ہو احکام خدا میں اور زنان پردہ نشین سے الزام کھاتا ہو اور لولا علی لہلک عمر کہتا رہتا ہو وہ کتاب خدا سے خوب واقف ہو اور اگر کتاب خدا کی ہی کافی ہوتی تو رسول خدا صلعم اسکو اہل بیت کے ساتھ کیوں مقرون کرتے اور کیوں فرماتے کہ انی تارک فیکم الثقلین

پس معلوم ہوا کہ قرآن بدون امام کے کہ مفسر اسکا ہے کافی نہ تھا اور اسیواسطے حضرت علی نے فرمایا تھا کہ انا کلام اللہ الناطق اور اگر عمر کو کتاب خدا کافی ہوتی تو لولا
علی لہلک عمر کیوں کہتے پھرتے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کسی کتاب نادر الوجود کی کوئی ایسی روایت جو حضرت عمر کے مانع اول ہونے پر اسطرح دلالت کرے
کہ اسمیں گفت وشنود کی گنجائش باقی نرہی شیعہ پیش بھی کرے تو قطع نظر اسکے کہ وہ روایت واقعی صحیح ہے کوئی جعلسازی نہیں تب بوجہ مذکور کوئی گرفت کی بات
نہیں بہرحال منشا اس اعتراض کا قلت فہم وفراست اور نقصان عقل ودرایت ہے اور انجام کو دیکھا تو حضرت عمر کی رائے ٹھیک تھی آخر جب یہ شور رہا تو خود
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تمام مجمع کی نسبت یہ ارشاد فرمایا کہ یہاں سے کھڑے ہو جاؤ اور اگر کاغذ دوات قلم کے منگانے کا ارشاد ہوتا اور ضروری اور واجب ہی
ہوتا تو مکرر آپ بتاکید فرماتے **اقول**۔ دیکھ لے بخاری اور مسلم اور مشکوۃ وغیرہ میں یہ روایت موجود ہے کہ نہیں کہ مانع اول حضرت عمر ہی تھے کیا تیرے نزدیک یہ کتابیں
بھی نادر الوجود ہیں جب یہ کتابیں ہی نادر الوجود ٹھیریں اہل سنت کے مذہب میں تو وہ کثیر الوجود کونسی کتاب ہے کل کو اپنے اثبات مذہب کے واسطے قرآن کو نادر الوجود کہدیجو
اور جعلسازی کام اہل سنت کا ہے کہ شیعوں کی طرف جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں اور شیعوں کے مقابلہ میں اپنی جھوٹی روایتوں کو پیش کرتے ہیں اور شیعہ جو سند کسی مقدمہ
کی پیش کرتے ہیں تو وہ اہل سنت کی معتبر روایتوں کو پیش کرتے ہیں اپنی کتابوں کی روایت کو پیش نہیں کرتے اور پیغمبر معصوم کے حکم کو ہذیان کہنا کہ جو کفر بالبتہ
کرتا ہے تیرے ہی نزدیک گرفت کی بات نہیں جسکی جواب میں علماء اہل سنت سر پٹکتے اور تاویلیں کرتے چلے آئے ہیں اور پھر کچھ بن نہیں پڑتا کفار حضرت کے ارشاد کو
سحر اور جنون پر محمول کرتے تھے اور انہوں نے ہذیان کہا کفار میں اور انمیں کیا فرق ہوا اور پھر کہتا ہے کہ گرفت کی کوئی بات ہی نہیں ہے اور یہ اعتراض قلت فہم اور نقصان
عقل سے نہیں ہے بلکہ وجہ اعتراض یہ ہے کہ مومن کے نزدیک اسکا جواب ممکن ہی نہیں ہے اور اگر قلت فہم سے ہوتا تو اسقدر اسمیں گفتگوئیں کیوں ہوتیں اور علماء اہل سنت
کو مشکل کیوں پڑتی اور تو بوجہ ... البتہ محض رعایت عمر ایسا کہتا ہے اور حق کو الٹا کرتا ہے تیرے نزدیک کیا یہ اعتراض لا اصل نہیں ہے اور عمر کی رائے کے ٹھیک ہونے کی کوئی
وجہ نہیں ہے کہ خلاف حکم رسولخدا کے اور جب بیچ ان حضرت کے اور مجمع کو حضرت نے خفا ہوکر اٹھا دیا جسوقت کہا کہ میرا کہنا کوئی نہیں مانتا اور آپس میں جھگڑتے ہیں اور باہمی
مبانی اختلاف اور نزاع کی عمر تھے کہ انہوں نے اول جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو رد کر کے یہانتک نوبت پہنچائی اور مکرر حضرت کو ارشاد کرنے کی احتیاج نہ تھی تبلیغ حکم خدا
کر دیتے اور جسوقت لوگوں کا انکار اس مقدمہ میں دیکھا تو اندیشہ ہوا کہ نوبت قتل وقتال کی پہنچی اور تاکید زیادہ میں لوگ مرتد ہو جائیں اور تبلیغ حکم کی ایجاب ہوتی ہے چاہے کوئی مانے
چاہے نہ مانے جب ایک دفعہ حکم کو پہنچا دیا تو وجوب اسکا ادا ہوگیا اور عمر وغیرہ کے انکار سے حضرت کو معلوم ہوگیا کہ یہ ماننے والے نہیں ہیں اور اسوقت تو انہوں نے ہذیان ہی کی تہمت
کی ہے مکرر کہنے میں معلوم نہیں کیا فساد برپا کرتے اسواسطے حضرت نے سکوت فرمایا اور جسکی طرف سے کھٹکا تھا انکا امتحان ہوگیا اگر سوبار حضرت فرماتے تو عمر اور تابعین عمر ہرگز تسلیم
نکرتے اور معلوم نہیں کیا کیا سانگ لاتے البتہ اگر ادب ونرمی سے انکار کرتے اور کہتے کہ آپکو لکھنے میں تکلیف ہوگی تو چونکہ یہ امر ضروری تھا لہذا ضرور اسکی تاکید کرتے لیکن جب ایسی گستاخی
اور بے ادبی کو سنا تو اندیشہ اسکا ہوا کہ اسدفعہ نبوت کا انکار کرنے لگیں گے جیسا کہ پہلے اسسے شک ثبوت نبوت میں کیا کرتے تھے اسلئے مکرر نفرمایا **قال الشیخ الاشعری** اور
علی ہذا القیاس اگر یہ شور جیسا حضرت عمر نے سمجھا موجب آزار خاطر حضرت سید الابرار صلی اللہ علیہ وسلم نہوتا تو کھڑے ہو جانے کو نفرماتے بلکہ یوں کہیے کہ جیسے اور بہت مواقع
میں باوجود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخالفت کے حضرت عمر کی رای خدا کی مرضی کی موافق نکلی ہے اور اسیوجہ سے ان مواقع میں انکی رائے کے موافق وحی آئی اگر وحی آتی تو بوجہ
مخالفت رای نبوی اہل اسلام کے نزدیک عمر سے برا کوئی نتھا یہاں بھی حضرت عمر کی رائے خداوند کریم علیم حکیم کی مرضی کے موافق تھی ورنہ جیسے کفار کی تکذیب کے وقت وحی آسمانی
شاہد صدق رسول ربانی صلی اللہ علیہ وسلم ہوتی تھی یہاں بھی وحی آتی اور آپکی رای کی تصدیق ہو جاتی ہاں اتنی کمی رہ گئی کہ بعد اس واقعہ کے حضرت عمر کی تصدیق کیلئے وحی نازل ہوئی
غالباً پندرہ سولہ واقعہ کی تصدیق کو کافی سمجھکر ایک اس واقعہ میں بغرض تصدیق عمری وحی نازل نہوئی **اقول** عمر نے جو کچھ سمجھا وہ خلاف مرضی خدا اور رسولخدا صلعم کے سمجھا اور لوگوں کے
کھڑے ہونے کو جو حضرت نے فرمایا تو بہت آزردہ و ناخوش ہوکر کہ حضرت کے کہنے کو نہ مانا اور پھر حضرت کے حضور میں شور وغل کہ جو بموجب آیت لَا تَرْفَعُوا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ
ممنوع ہے برپا کیا خصوصاً عمر وغیرہ نے کہ جو باالغین تھے اور ردکرنیوالے حضرت کے حکم کے تھے اور عمر کی کوئی رائے کہ جو مخالف رای رسولخدا صلعم کے تھی ہرگز موافق مرضی خدا کے نہتی بلکہ ایسا سمجھنا
کہ رسولخدا صلعم کی رای رد ہوئی اور عمر کی رائے خدا تعالی نے پسند کی بالکل غلط ہے بلکہ قریب کفر کے ہے اور اگر عمر کی اس رائے کے موافق جو برخلاف رای رسولخدا صلعم کے ہو بسبب اتفاق وحی
نازل ہوئی تو مضائقہ نہیں ہے اور حضرت صلعم کی رای کے مخالف رای ہے کو وہ مقبول خدا سمجھنا ضلالت اور کفر کی بات ہے کہ عمر کا مرتبہ رسولخدا سے بھی زیادہ سمجھے ہو اس صورت میں تو عمر ہی پیغمبر ٹھیرے
بلکہ پیغمبر سے بڑھکر کہ پیغمبر کی رای تو خدا کو پسند نہوا اور عمر کی رای پسند ہوا اور اسکی رای کے موافق وحی نازل ہوا اس صورت میں تو خدا تعالی سے بڑی بھول اور چوک ہوئی کہ جو شخص کہ
سزاوار نبوت کے تھا اسکو پیغمبر نکیا اور جو لایق نبوت کے نتھا اسکو پیغمبر کیا لیکن رتبہ نبوت کا عمر کیواسطے پھر بھی قائم رکھا گو بعکس ترتیب رسولخدا صلعم کے بعد رکھا چنانچہ فرمایا حضرت نے موافق روایت

اہل سنت کے کہ لو کان نبی بعدی لکان عمر یعنی اگر ہوتا پیغمبر بعد میرے تو البتہ پیغمبر بعد میرے عمر ہوتا اور یہ انکار عمر کا اور حضرت کو منسوب بہذیان کرنا ہرگز موافق مرضی خدا کے نہیں ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اور یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ خداتعالی ہی حضرت کے ارشاد کو ہذیان سمجھے اور خود ہی حضرت کے حق میں فرماتا ہے کہ وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ اس سے معلوم ہوا کہ نعوذ باللہ وحی بھی خدا کی ہذیان ہی ہے خدا کے فرمانیکا بھی موافق اعتقاد اہل سنت کے اعتبار نرہا کہ وحی بھی اسکی ہذیان ہی ہو گئی اور کلام اللہ کا بھی اس سے ہذیان ہونا لازم آتا ہے اسواسطے کہ وہ بھی وحی خدا ہے اور پیغمبر خدا ہی کی زبان سے اسکو سنا ہے اس صورت میں اس میں بھی احتمال ہذیان کا ہے یہہ بات تو جب صحیح اور درست ہوتی ہے کہ کوئی ارشاد جناب رسولخدا صلعم کا ہذیان نہو اور اس مقدمہ میں تو وحی پہلے ہی آ گئی تھی اور اب جو فرماتے تھے حضرت تو تاکیداً فرماتے تھے اور ہر مرتبہ حضرت کا ارشاد محتاج وحی کا نتھا جو اسکی تصدیق کے لئے دوبارہ وحی آتی وہ تو جو فرماتے تھے موافق وحی کے ہی تھا اور عمر کو جو حضرت کے ارشاد کا اعتبار نتھا اور مثل کفار کے وہ بھی تصدیق اسکی وحی سے چاہتا تھا تو وحی کے سنانیوالے رسول خدا ہی تھے جب پہلے ارشاد کا حضرت کے اعتبار نکیا تو اسکا کیونکر اعتبار کرتا اور وحی اسکو کیونکر سمجھتا اسکو بھی رد کرتا اور اسکی تصدیق کے لئے بھی ایک اور احتیاج ہوتی اسکا بھی یہی حال ہوتا اسیطرح تسلسل ہوتا اور جو حضرت کے کسی ارشاد کا اعتبار نکرتا کہ یہ ارادہ حضرت کا تو اسکی مرضی کے موافق کسی طرح سے نہہا اور اگر حضرت کا ارشاد اسکے مرضی کے مخالف نہوتا تو اول مرتبہ ہی اسکو تسلیم کر لیتا اور تجربہ سے اس شخص کی معلوم ہوا کہ عمر رسولخدا صلعم کو راستگو نہ جانتا تھا بلکہ مثل کفار کے دروغگو جانتا تھا کہ حضرت کی تصدیق کیواسطے دوسری وحی چاہتا تھا اور عمر کی تصدیق کے واسطے وحی کیسی نازل ہوتی کہ وہ تو وحی خدا کو ہذیان کہہ چکا تھا کیا دوسرے مرتبہ خداتعالی اپنی وحی کو ہذیان مقرر کراتا کہ جیسے کہ رسولخدا صلعم کا اعتبار گیا تھا عمر وغیرہ کے نزدیک تو کیا خداتعالی لوگوں کے نزدیک اپنا اعتبار بھی کہوتا **قال الشیخ الاشعری** غالبا پیدرد سولہ واقعہ کے تصدیق کو کافی سمجھکر ایک اس واقعہ میں بغرض تصدیق عمر وحی نازل نفرمائی اور نیز واقعہ بدلالت آیت مذکورہ اَلْيَوْمَ أَكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ تکمیل دین ضرور تھا چنانچہ مذکور ہوا اور باایں ہمہ آخر زمانہ حیات نبی میں جو وقت کمال توجہ الی اللہ اور استغراق تام کا ہی کیا مناسب تھا کہ ایسے امور غیر ضروریہ کی طرف اپنے ذہن کو مصروف کیا جاتا یہ وجہ غالبا اس واقعہ میں وحی ربانی جو مصدق عمر اور شاہد قول خلیفہ دوم ہو جاتی نہ آئی ورنہ یہ تو بہت خود مندفع ہو جاتی بالجملہ یہہ حضرت عمر کا بولنا تو عقل سلیم کے نزدیک قابل تعریف ہے اور اس پر بھی بوجہ تیرہ درونی اور بغض ذاتی کے اگر کوئی برا کہے جائے تو اسکا جواب بجز اس شعر کے اور کچھ نہیں ؎ چشم بداندیش کہ برکندہ باد ٭ عیب نماید ہنرش در نظر ٭ **اقول** رسولخدا صلعم کی رائے کی مخالفت میں عمر کی رائے کی تصدیق کبھی نہیں ہوئی ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اور رسولخدا صلعم پر عمر کو فوقیت دیتا ہے جس سے کفر اور نفاق نکلتا ہے اور اس واقعہ میں عمر کی تصدیق کے واسطے پھر وحی کیونکر نازل ہوتی مگر کیا خداتعالی دوسرے مرتبہ بھی اپنی وحی کو ہذیان کہلاتا اور آیت اکملت لکم دینکم کے نازل ہونیکے بعد جناب رسول خدا صلعم نبوت سے معزول نہیں ہو گئے تھے کہ انکے کسی قول کا اعتبار نہو اور اگر کچھ فرمائیں تو وہ ہذیان پر محمول ہو گیا رسولخدا یہ بات نہیں سمجھتے تھے کہ خداتعالی نے تو شرع کو موقوف کر دیا ہے اور مجھکو حکم کرنے سے منع کر دیا ہے پھر میں کیونکر کسی مقدمہ میں کیونکر کہوں اور آیت مذکورہ کے تو معنی ہی نہیں سمجھا ہے اور جواب اسکا مفصل ہے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس آیت نے حضرت کو حکم کرنے سے معزول نہیں کیا ہے اور کلام اللہ کی آیات سے ثابت ہے کہ اطاعت رسولخدا صلعم کی واجب ہے اور ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں کہ رسولخدا صلعم کے امر کی تعمیل واجب ہے اور کم سے کم استحباب سے تو خالی ہی نہیں ہے لیکن رد کرنا بطریق انکار کے تو مستحب کا بھی جائز نہیں ہے اور اگر آخر زمانہ حیات نبوی کا مال توجہ الی اللہ تھا تو یہ ارشاد حضرت کا اس سے بھی زیادہ تھا کہ جس میں امت حضرت کی ضلالت سے محفوظ رہتے تھے اور ایسا ہی ضروری تھا یہہ امر کہ باوجود ایسی حالت میں اپنی اوپر تکلیف کو گوارا کر کے لکھواتے تھے اور عمر نے کچھ سن تو لیا ہوتا کہ کیا فرماتے ہیں ابھی سنا ہی نہیں ہے اپنی مقصود کے مخالف سمجھکر پہلے ہی سے اسکو رد کر دیا اور کہدیا کہ بیماری میں حضرت بہکتے ہیں اور اسکے ضرور اور غیر ضرور ہونے سے کیا واسطہ تھا وصیت تھی حضرت کی اور وصیت کے رد کرنیکا حکم نہیں ہے بلکہ تاکید اسکی ہے اور اگر عمر کو یہہ منظور تھا کہ ایسے وقت میں حضرت کو لکھنے کیطرف مصروف ہونا مناسب نہیں تو اتنا تو کہا ہوتا کہ یا حضرت لکھنے میں تو آپکو تکلیف ہو گی زبان مبارک سے جو کچھ منظور ہو ارشاد فرما دیجئے ہم اسپر عمل کرینگے لیکن دل میں جو وہ ہی علی بن ابیطالب کی خلافت کھٹکتی تھی اسکو سمجھکر حضرت کے قول کو کہا کہ بیماری میں بہکتا ہے ارے واہ رے شیخ کیا وجہ معقول بیان کی ہے کہ ایسے امر غیر ضروریہ میں اپنے نبی کو کیا مناسب تھا کہ مصروف کرتے عمر کو تو یہ بات سوجھی ہی نتھی لیکن تو نے انکی اصلاح حال میں اپنے ایمان کو کھویا اور برباد کیا اور ہم کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں کہ عمر کے اس قول پوچ کی تصدیق خداتعالی کیونکر کرتا کہ اسکے قول کا اعتبار رہتا کہ اپنی وحی کو ہذیان مقرر کرتا ہے اور جو امور کہ واقعی ہیں عمر کی خاطر سے انکو تو بہتان ٹھہراتا ہے اور یہ حضرت عمر کا بولنا عقل کے نزدیک قابل تعریف ہرگز نہیں ہے بلکہ قابل نفرین ہے اور وہ کونسا عقل کا اندھا ہے کہ پیغمبر کے ارشاد کو منسوب بہذیان کرے۔ ذکر نیکو قابل تعریف کے سمجھیگا یہ تو تمہارا ہی کام ہے کہ عمر کے مقابلہ میں رسولخدا صلعم کی حقیقت کو کچھ نہیں سمجھتے اور اپنی تیرہ درونی کی جہت سے عمر کی محبت میں رسول خدا صلعم پر عیب لگانیکو قابل تعریف کے جانتے ہو

اور عمر کے عیب کو ہنر سمجھتا ہو اور جو مومن ہوگا اپنے پیغمبر پر عیب لگانیوالے کو البتہ برا کہیگا اور عیب لگانیوالے سے اُسکو بغض ذاتی بھی ہو جائیگا اور جو کہ ایمان سے کچھ بہرہ
نہیں رکھتا ہے وہ البتہ مثل کفار کے پیغمبر خدا کے عیب لگانیوالے کو اچھا جانیگا اور یہ بھی عجب بات ہے کہ عیب کو ہنر قرار دیتے ہیں ایسا کون باولا ہے کہ جو اس قول کو پسند کریگا
قال الشیخ الاشعری اور اگر ارشاد نبوی کو دربارہ طلب کاغذ و دوات قلم شفقت پر محمول کرنا کسی متعصب کو المرء یقیس علی نفسہ کے تعصب نظر آئے اور باوجود اس
توضیح کے اس ارشاد کو ارشاد وجوبی ہی کہے جائیے تو یہ اعتراض حضرت عمر ہی پر نہوگا بلکہ اسکے یہ معنی ہوئے کہ تمام اہل بیت اور تمام صحابہ اس جرم میں حضرت عمر کے شریک
نکلے اور وہ قصہ ہو گیا مرگ انبوہ جشنے دارد بلکہ اہل بیت اس تقصیر میں اول درجہ کے تقصیر وار ہوئے کیونکہ اول تو مریض کی امر و نہی کے مخاطب اُسکے گھر والے ہی ہوا کرتے
ہیں دوسرے حضرت عمر تو غیر تھے عیادت کے لئے ساعت دو ساعت کے لئے آ گئے تھے۔ **اقول** ان عذروں سے تیرے کچھ فائدہ نہیں ہے جو کچھ ہونا تھا وہ ہو لیا اور عمر کی کسی
طرح سے نجات نہیں ہے اور دوات قلم کے طلب کرنیکو ہم بھی شفقت پر محمول کر سکتے ہیں تعصب سے نہیں کہتے ہیں اسواسطے کہ وصیت لکھدینے میں بڑی شفقت حضرت کے تھی
امت پر کہ امت کو ضلالت اور گمراہی سے بچاتے تھے اگر اُسپر عمل کرتے اور سوائے اسکے اور کس جہت سے حضرت کی شفقت تھی حضرت تو مدام اسی فکر میں رہتے تھے کہ اُمت کو
میری نجات ہو اور دوات قلم کا طلب کرنا اسیکا سامان تھا لیکن عمر نے اور اُنکے ہمدموں نے نجات کو نچاہا اور اُمت کو حضرت کی گمراہی میں کہا اور حضرت کے ارشاد کو ارشاد وجوب
کیونکر نکہیں کہ مشتمل ہے عدم ضلالت پر چنانچہ فرماتے ہیں حضرت کہ اکتب لکم کتابا لن تضلوا بعدہ اور تو حضرت کے قول کو ارشاد کس واسطے لکھتا ہے بلکہ عمر کی متابعت سے تجہلہ
ہذیان نکہنا چاہئے اور کہنا چاہئیے کہ اس ہذیان کو ارشاد وجوبی کہے جائے اور تمام اہل بیت اور صحابہ اس جرم میں عمر کے کیونکر شریک ہو سکتے ہیں سب ہاں کب موجود تھے
بلکہ چند اذن تھے اور اہل بیت کا وہاں موجود ہونا کسی روایت سے ثابت نہیں ہے نہ صراحتہً نہ کنایتہً صحیح بخاری میں تو روایت پنجم اور ششم اور ہفتم میں یہ لکھا ہے کہ و فی البیت
رجال فیہم عمر بن الخطاب یعنی اُو گھر میں کئی مرد تھے کہ اُن میں عمر بن خطاب بھی تھے اور شرح بخاری میں ابن حجر قسطلانی نے بعد فاختلف اہل البیت کے لکھا ہے کہ الذین
کانوا فیہ من الصحابۃ لا اہل بیتہ علیہ السلام یعنی جو لوگ کہ تھے اُس گھر میں اصحاب میں سے نہ اہل بیت رسول خدا صلعم کی اور شرح حدیث چہارم میں لکھا ہے کہ قولہ فی
الروایۃ الثانیۃ و اختلف اہل البیت ای من کان فی البیت من الصحابۃ ولم یرد اہل بیت النبی صلعم یعنی قول اس صاحب بخاری کا روایت ثانی میں و اختلف
اہل البیت جو ہے تو مراد اُس سے یہ ہے کہ جو شخص کہ تھا گھر میں صحابہ میں سے اور نہیں ارادہ کیا ہے اُس سے صاحب بخاری نے اہل بیت پیغمبر صلی اللہ علیہ و آلہ کا سو روایتوں میں تو اس طرح
لکھا ہے تو اہل بیت علیہم السلام کو کہاں سے کہتا ہے کہ وہ بھی موجود تھے اور گھر والے تو اُسوقت بی بی عائشہ تھیں کہ اُنکے گھر میں حضرت تھے اور امر و نہی کی مخاطب وہ ہی تھیں
وہ ہی اول درجہ کی تقصیر وار ہونگی اور ہمراہ اپنے چچا کے منکرین اور ہذیان کہنے والوں میں شریک ہونگی اور عمر اگرچہ غیر تھے اور ایک ساعت کے واسطے عیادت کو آئے تھے مگر جسوقت وہ موجود
تھے اُسیوقت اُنکا مافی الضمیر ظاہر کرنے کو حضرت نے سب حاضرین کی طرف خطاب کرکے دوات و قلم و کاغذ کو طلب کیا اور سب سے پہلے عمر نے دینے سے انکار کیا اور حضرت کو کہا کہ بیماری
میں بکتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اگر اُنکی نشست کے وقت کچھ اندیشہ تھا جب وہ اٹھ کھڑے ہوئے پھر کون تھا آخر اس قصہ کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی روز
زندہ رہے بلکہ غور سے دیکھئے تو درصورتیکہ اس ارشاد کو ارشاد ایجابی اور امر وجوبی کہئے جیسے شیعوں کا جی چاہتا ہے تو پھر جناب سرور عالم صلے اللہ علیہ وسلم بھی نعوذ باللہ جرم کے
شریک ہوئے کیونکہ جسقدر ہمپر اطاعت خدا و رسول واجب ہے اُس سے زیادہ نبی پر تبلیغ احکام واجب ہے چنانچہ یٰاَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا
بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ اسپر دلالت کرتی ہے اسلئے کہ حاصل آیت مذکورہ یہ ہے کہ اے رسول پہنچا دے جو کچھ تیری طرف سے نازل کیا گیا ہے اور اگر یہ کام نکروگے تو پھر تم نے کوئی پیغام بھی
کا نہ پہنچایا انتہی اور اُدھر سب نے سنا ہوگا کہ نزدیکاں رابیش بود حیرانی چنانچہ اشارات کلام اللہ اور حدیث بھی اسپر شاہد ہیں تو اب لاجرم یہی کہنا پڑیگا کہ رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم پر تبلیغ احکام اس سے زیادہ واجب ہے کہ ہم پر تعمیل احکام اور ادھر یہ بھی ظاہر ہے کہ تبلیغ جبھی کہہ سکتے ہیں کہ احکام کو بیان بھی کیا جائے اتنی بات کو کاغذ دوات قلم لاؤ
میں تمہیں وہ باتیں لکھدوں کہ اُنپر عمل کرو تو گمراہ نہو تبلیغ حکم کہنا اُسیکا کام ہے جو برائے نام ہی انسان ہے اور عقل سے محروم اور دانش سے ناکام ہے الغرض اس صورت میں حضرت
عمر سے اگر تقصیر ہوئی بھی تو اتباع نبوی پھر بھی ہاتھ سے نہ گیا اگر حضرات شیعہ جناب سرور کائنات علیہ و علی آلہ افضل الصلوت و التسلیمات اور اہل بیت کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کی نسبت
اس تقصیر کو نعوذ باللہ منہ تجویز کر سکیں تو ہمیں بھی حضرت عمر کی اسقدر گنہگاری کا چنداں رنج نہیں اول تو مرگ انبوہ جشنے دارد۔ دوسرے ع شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی
گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد **اقول** اُنکی نشست کے اندیشہ سے کچھ مطلب نہیں ہے یہاں تو منکرین کے خبث باطن کا ظاہر کرنا منظور تھا اور اسیواسطے موجودگی میں عمر کی حضرت نے
دوات و قلم کاغذ کو طلب کیا اور محض لکھنا ہی منظور ہوتا اس امر کا کہ جسکو پہلے اس سے بتاکید فرما چکے تھے تو اُنکی غیبت میں لکھ سکتے تھے لیکن اُسوقت اُنکا حال اطاعت اور عدم
اطاعت و حسن اعتقاد اُنکا امت پر ظاہر کرنا ملحوظ تھا سو اُنہوں نے حضرت کے ارشاد کو اس طرح سے رد کیا کہ یہ شخص بیماری میں بکتا ہے اسکے قول کا اعتبار نہیں ہے اور ہمکو کلام اللہ

کفایت کرتا ہے اور جناب رسول خدا صلعم اس جرم میں ہرگز شریک نہیں ہیں اسواسطے کہ ہرچند حضرت پر تبلیغ احکام خدا واجب ہے مگر یہاں حضرت نے حکم خدا کو باقی نہیں رکھا ہے انکو
بھی پہنچا دیا ہے اسلئے کہ جناب رسولخدا صلعم نے ائتونی بقرطاس و دوات وغیرہ کے کہنے کے مامور تھے اور غرض اس سے اظہار مخالفت عمر اور تابعین انکی تھی سو حضرت نے وہ پہنچا دیا
اور جسوقت کہ غرض اس سے ظہور مخالفت عمر وغیرہ ہو تو بعد ظہور غرض غایت کے حاجت لکھنے کتاب کی نہیں ہے اور اگر وہ حضرت کچھ لکھتے تو لکھنا آپکا بیفائدہ تھا کہ وہی اس کا سہ میں تھا
کہ منکرین معلوم نہیں کیا بات بناتے اگر نبوت کا انکار کر جاتے نفسانیت کی جہت سے تو بعید نہ تھا اور اگر لکھ کر اپنی اہل بیت میں کسیکے سپرد کرتے تو وہ اہل بیت کی جعلسازی مقرر کرتے
اور کہتے کہ پیغمبر خدا اپنے ہاتھ سے تو کچھ لکھتے ہی نہ تھے اور اسوقت درد سینہ بھی تھا انہوں نے ہرگز نہیں لکھا ہے انہوں نے خود لکھ لیا ہے اسواسطے کہ حسب المشافہ زبانی کہنے کو انہوں نے نہ مانا تو نوشتہ
کو کون مانتا ہے کہ اسمیں تو طرح طرح کے احتمال پیدا ہوتے ہیں اور اگر اپنی اہل بیت کو لکھکر دیا ہی ہو تو کیا عجب ہے اور جعلسازی کی تہمت کے خوف سے اسکو نہ دکھایا ہو اور ہمارے مذہب میں
تو ثابت ہے چنانچہ جلاء العیون میں لکھا ہے اور ہمارے نزدیک عدم تبلیغ حضرت کی کسیطرح ثابت نہیں ہے اور یہ آیت جو بیان کی ہے یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک الخ
یہ بھی حضرت علیؑ کی خلافت کے حکم میں نازل ہوئی ہے کہ خم غدیر میں بعد نزول اس آیت کے رسولخدا صلعم نے حضرت علی کی حق میں فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ چنانچہ تفسیر در منثور
اور تفسیر نیشاپوری اور تفسیر اسباب نزول و تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت یا ایہا الرسول الخ نازل ہوئی تو رسولخدا صلعم نے علی کی فضیلت میں فرمایا کہ من کنت مولاہ فعلی مولاہ
اور حقیقت میں یہ آیت حضرت علی کی خلافت کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے چنانچہ اپنے مقام میں ثابت ہے لیکن علماء اہل سنت نے یہ تو لکھا کہ بعد نازل ہونے اس آیت کے رسولخدا صلعم نے
علیؑ کی فضیلت میں من کنت مولاہ فعلی مولاہ فرمایا اور بسبب تعصب کے انکی زبانوں سے یہ نکلا کہ علیؑ کی خلافت کے مقدمہ میں ایسا فرمایا ہے خلافت کی جگہ فضیلت کو لکھا اور خلافت
کو نہ لکھا مگر مراد اس فضیلت سے بھی خلافت ہی ہے اسواسطے کہ علماء اہل سنت میں سے ابو القاسم حسکانی نے تفسیر شواہد التنزیل اور ابن مردویہ نے کتاب مناقب میں ابن عباس و زید بن
ارقم سے روایت کی ہے کہ جسوقت مامور تھے رسولخدا صلعم خدا کی جانب سے کہ پہنچا دے تو علیؑ کے فضائل میں لوگوں کو جسطرح سے کہ تجھ کو حکم ہے اسوقت رسولخدا صلعم نے عرض کی کہ خداوندا
یہ لوگ تازہ مسلمان ہیں یعنی میں ڈرتا ہوں کہ میری کہنے کو یہ قبول نہ کریں علی کی مقدمہ میں اور حجۃ الوداع آخری حج کرکے مکہ معظمہ سے مدینہ کو مراجعت فرمائی تو بیچ میں یہ آیت یا ایہا الرسول
بلغ ما انزل الیک من ربک الخ تاکید نازل ہوئی اب میں کہتا ہوں کہ رسولخدا صلعم و حضرت علیؑ کی فضیلت کے پہنچانے میں سوا فضیلت خلافت کے کیا خوف تھا اس سے
زیادہ فضیلتیں علیؑ کی جناب رسولخدا صلعم نے بیان کی ہیں اور حضرت نے جو فرمایا کہ قبول نہ کرینگے وہ تازہ مسلمان ہیں مراد اس سے خلافت علی کی ہے کہ جو بعضے لوگوں کو پسند نہ تھی اور جب
رسولخدا صلعم نے چاہا کہ مرض الموت میں کچھ لکھوں تو ان لوگوں ہی نے انکار کیا اور نزدیک ان کے جب کسیطرح کا تعلق نہ ہو تو انکو کیا حیرانی ہے اور رسولخدا صلعم پر اگرچہ سب سے زیادہ
اطاعت خدا کی واجب ہے لیکن جس امر کے حضرت مامور تھے اسکی تبلیغ اسکے جیسا کہ ہمنے پہلے بیان کیا ہے اور سب طرح سے حکم تھا اسیطرح حضرت نے بیان بھی کر دیا اور حضرت نے جو فرمایا
کہ دوات و قلم لاؤ اسی کے کہنے کے مامور تھے وہ کہدیا یہ اور بات ہے کہ نہیں سنے اور عمر نے اتباع نبی کا نہیں کیا لہذا حضرت کے ارشاد کو ہذیان مقرر کرکے رد کیا اور حسبنا کتاب اللہ جو
کہا تو اس سے یہی مقصود ہے کہ کتاب خدا کو ہم مانتے ہیں اور پیغمبر کے قول کو ہم نہیں مانتے اور اہل بیت علیہم السلام تو اس مقدمہ میں کچھ تعلق ہی نہیں ہے جیسے کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور تقصیر
کو رسولخدا صلعم و اہل بیت علیہم السلام کی اگر تجویز کریں تو اہل سنت ہی کرتے ہیں چنانچہ یہ جگہ تجویز کی ہے اور شیعوں کا نعوذ باللہ یہ عقیدہ و اعتقاد نہیں ہے اور تقصیر حقیقت
میں عمر ہی نے کی ہے اور عمر کی پیروی سے عمر کے یاروں نے کی ہے اہل سنت کو اسکا رنج ہوا ہوا اور انہیں بھی اس تقصیر میں آئے ہے تو عمر کا اور اسکے یاران منکرین حکم رسولخدا صلعم کا ہے نہ لوگ
لیکن وہی سب کے سب خود ہونگے اور اس عمل کی مکافات کو پہنچیں گے نہ اور کوئی اور اس شعر کا بیان کرنا بہت بیجا ہے **وقال الشیخ الاشعری** معہذا دوات قلم کاغذ کے
منگانے سے یہ کہاں لازم آگیا کہ فرمان خلافت حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ تحریر فرماتے ظاہر عبارت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو اسکو تقاضا کرتا ہے کہ دین اسلام کی باتوں کا
خلاصہ جو تمام ارکان کی جڑ ہو تحریر فرماتے یا احکام دین میں سے وہ احکام کہ انکی تعمیل کر تمام احکام کی تعمیل لازم ہو لکھوا دیتے چنانچہ آپکا فرمانا کہ انپر عمل کروگے تو گمراہ نہ ہوگے اسبات پر
گواہ ہے سو کسی ایک کی خلافت معین کرنے میں یہ بات ظاہر ہے کہ حاصل نہیں ہوتی یونہ دلیل گھڑنے کو ہر کسی کے منہ میں زبان ہے اور اگر بتکلف اس مضمون کو حضرت علی
کی خلافت کو لازم ہی سمجھی تو پھر کب تک پھر کچھ نہیں حال لاتحصٰی روایت کے الفاظ اسبات پر دلالت کرتے ہیں کہ پھر گمراہی بھی پیش آئیگی **اقول** دوات قلم کاغذ اسواسطے منگواتے
تھے رسولخدا صلعم کہ حضرت علی کی خلافت کے مقدمہ میں کچھ لکھیں دلالت کرتا ہے اسپر عمر کا اس سختی سے حضرت کے قول کو رد کرنا کہ حضرت کے قول کو محمول بہذیان کرنا اور کہنا
ہے کوئی پیغمبر معصوم کو جو حکم کرتا ہے وحی سے کرتا ہے ہذیان کی طرف بھی منسوب کرتا ہے اور روایات اہل سنت سے ثابت ہوتا ہے چنانچہ بعد اسکے معلوم ہوگا کہ رسولخدا صلعم خلیفہ ہی کی
تعیین میں لکھنا چاہتے تھے کہ بعد میرے اختلاف نہو اور میں کہتا ہوں کہ سوائے علی بن ابیطالب کے اور کسیکی تعیین ہو ہی نہیں سکتی اور اسی کو وہ حضرت لکھنا چاہتے تھے اسواسطے کہ
جو اوصاف خلافت مثل علم و شجاعت کے کہ علی میں تھے وہ اور کسی میں نہ تھے اور حضرت صلعم نے اپنی زندگی میں بارہا حضرت علی کی طرف اشارہ کیا ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں

کہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں تاریخ بغداد کے حوالے سے جسکا مؤلف اہل سنت میں سے ہے لکہا ہے کہ عمر نے ابن عباس سے کہا کہ رسولخدا صلعم نے چاہا کہ اپنی مرض
موت میں خلافت کے واسطے اُسکا یعنی علی کا ذکر کریں میں مانع ہوا فتنہ کے ڈر سے اور اس امر کے خوف سے کہ اسلام پراگندہ ہو جائے رسولخدا صلعم سمجھ گئے جو کچہ کہ میرے دل میں
تہا اور نہ کہا اور خدا نے جو کچہ مقدر کیا تہا وہ ہوا اور ایک اور روایت لکہی ہے کہ اُسکے آخر میں یہ ہے کہ اور کبھی محبت کی جہت سے کہ اُسکے ساتھ رکہتے تہے رسولخدا چاہتے تہے
کہ حق سے طرف باطل کی میل کریں اور مرض الموت میں چاہا کہ اُسکے یعنی علی کے نام کی تصریح کریں میں نے اُنکو منع کیا اس امر سے واسطے شفقت کے امت پر اور واسطے
محبت اہل اسلام کے قسم ہے پروردگار خانہ کعبہ کی کہ قریش ہرگز اُسپر اتفاق نکرینگے اگر وہ خلافت کو لیوے تو قریش اُسپر اطراف زمین میں شورش کریں پس حضرت رسولخدا
صلعم نے جانا کہ میں نے پایا جو کچہ وہ خاطر میں رکھتا ہے اور خاموش ہو رہے اور بعد اُسکے ابن ابی الحدید نے لکہا ہے ذکر هذا الخبر احمد بن ابی طاهر صاحب تاريخ بغداد
اور ابن ابی الحدید اگرچہ معتزلی ہے لیکن حقیت خلافت ثلاثہ کا معتقد ہے اور سنی کی کتاب سے یہ روایت اُس نے لکہی ہے اور اگر علی کے واسطے نہیں لکہتے تہے اور علی کو پہلے اس سے
خلیفہ نہیں کر چکے تہے رسولخدا تو علی دعوی خلافت کا اتنے ہوے کیوں بیٹہ رہتے تہے اور مانع بھی اس خلافت کا کہ علی کو نپہنچی سبب جسکے عمر ہی تہا رسولخدا صلعم کی زندگی میں بہی اور بعد
حضرت کے بہی چنانچہ شرح مقاصد میں لکہا ہے کہ وفی ارسال ابی بکر عمر وابا عبيدة الى علي برسالة لطيفة رواها الثقات باسناد صحيحة تشتمل على كلام
كثير من الجانبين وقليل غلظة من عمر وعلى ان عليا جاء اليهما ودخل فيما دخلت فيه الجماعة وقال حين قام عن المجلس بارك الله فيما ساءني وسركم
یعنی اور بہیجنے میں ابوبکر کے عمر اور ابو عبیدہ کو طرف علی کی بہیجنا ایک رسالہ لطیف کہ روایت کیا ہے اُسکو معتمدین نے باسناد صحیحہ کہ شامل ہے کلام کثیر پر دونو جانب سے اور تہوڑی سی سختی
جانب عمر اور علی سے اور علی آئے اُن دونوں پر یعنی آئے اُن دونوں کے پاس اور داخل ہوے جس جگہہ کہ داخل ہوی جماعت اور کہا علی نے جسوقت کہ کہڑے ہوئے مجلس
برکت دیوے خدا تمکو اُس چیز میں کہ اندوہگین کیا مجہکو اور خوش کیا تمکو انتہی اس سختی کو دو جانب کی دیکہئے اگر خلافت علی کا حق نہیں تہا اور رسول خدا اُنکے حق خلافت
کے واسطے نہیں لکہتے تہے تو پہر علی کو ایسی کیا اُسمیں کیوں تہی اور باوجودیکہ خلافت تو ابوبکر کی تہی اور عمر صاحب ہی سب جگہہ حضرت علی کے خلافت کے مانع تہے
باوجودیکہ ابوبکر اور عمر میں کوئی قرابت بہی نہتی وہ تیمی تہے اور یہ عدی تہے اگر انکا آپس میں خلافت کے غصب کرنیکا مشورہ نہیں تہا تو اور کیا تہا اور یہ ہر مقام
میں جو عمر سختی کرتا تہا یہانتک کہ روضۃ الاحباب میں لکہا ہے کہ جسوقت ابوبکر نے حضرت علی کو واسطے بیعت کے مجمع مہاجرین وانصار میں طلب کیا تو بعد گفتگو کے عمر نے
حضرت علی کو کہا کہ ترا نگذاریم تا بیعت نکنی اب فرمایئے کہ یہ بار بار کا مانع خلافت علی ہونا اور علی کی خلافت کا اسقدر ناگوار معلوم ہونا دلالت کرتا ہے اس امر پر کہ جناب
رسولخدا کے لکہنے کو خلافت علی کے واسطے سمجہا اس سختی سے منع کیا تہا یا نہیں اور سوائے خلافت علی کے اور کونسا امر تہا وہ کہ جسکے واسطے رسولخدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان
مقرر کیا اگر انصاف کچہہ دل میں ہے تو سمجہہ جاؤ کہ ہر مقام میں جو حضرت عمر علی کی خلافت کے درپے ہیں اور چاہتے تہے کہ خلافت علی کے واسطے نہو اور فاطمہ زہرا علیہا السلام
کا گہر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگئے تو رسولخدا صلعم کو علی کی خلافت ہی کے لکہنے کو سمجہہ کر لکہنے سے منع کیا تہا اور سوائے اُسکے اور کوئی امر نتہا کہ عمر کو لکہنا اُسکا ناگوار معلوم
ہوتا اور رسولخدا صلعم اپنی زندگی میں حضرت علی کو خلیفہ کر چکے تہے اور مرض الموت میں بطور وصیت اُسکی تاکید کرتے تہے اور روضۃ الاحباب میں لکہا ہے کہ حضرت امیر
دعوی خلافت از ابوبکر برای خود نمود چون ابوبکر شنید کہ کلمات علی جملہ استوار و محکم و ہریکی ازین مقابل صد ہزار است از رفق در آمد کہ بیعت تو مرا اجباری نیست جب یہ
حال تہا حضرت علی کا دعوی میں خلافت کے اور اُنکے کلام کا جواب نتہا تو حق علی کا نتہا تو اور حق کسکا تہا اور سوائے اُسکے رسولخدا صلعم اور کس مقدمہ میں لکہتے تہے کہ حضرت عمر
اسقدر ترش ہوے اور سوائے اُسکے اور بہت ایسے امور ہیں کہ جو دلالت کرتے ہیں اس امر پر کہ جناب رسولخدا صلعم حضرت علی کی خلافت کی ہی مقدمہ میں لکہتے تہے کہ عمر صاحب جو ہمیشہ رسولخدا
کو دیکہتے تہے کہ صراحۃً اور کنایۃً علی کی خلافت کی تاکید کرتے ہیں تو مرض الموت کی لکہنے کو بہی یہی سمجہے اسواسطے منع کیا اور اہل سنت ہی کی کتابوں میں سب کچہہ لکہا ہوا ہے اور
وہاں ظاہر عبارت رسولخدا صلعم اسی کا تقاضا کرتا تہا کہ دین اسلام کی باتوں کا خلاصہ جو تمام ارکان کی جڑ ہو تحریر فرماتے سو وہ خلافت حضرت علی کی تہی کہ جس میں خیر
دنیا اور آخرت کی تہی اور دین اسلام کی باتوں کا خلاصہ اور تمام ارکان کی جڑ وہی تہی کہ حضرت علی ماہر تہے علوم شرع سے مثل رسولخدا صلعم کے کہ نائب کا علم مثل منیب کے چاہئے
تاکہ ہدایت کرے خلقت کو اور جہلاء اس منصب کے قابل نہیں ہو سکتے کہ جسوقت شرع کی کوئی مشکل پیش آئے تو دوسرونکی طرف رجوع کریں اور بیشک حضرت علی کی خلافت
اصل تہی جمیع امور شرع کے اور وہ ہی ایسے تہے کہ اُسکے زمانے میں گمراہی متصور نتہی اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہوتا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم خلیفہ ہی کو معین
کرنا چاہتے تہے جسکو عمر نے رد کیا ہے اور علی ہی کی تعیین سمجہا کر کیا ہے اور اگر ابوبکر کو یا اپنی ذات کو یا عثمان کو یا معاویہ کو سمجہتے تو کاہیکو رد کرتے کہ یہ تو سب ایک تہے اور خلیفہ کی تعیین
کرنیکے مقدمہ میں بہت کتابوں میں اہل سنت کی لکہا ہے ازانجملہ شیخ عبد الحق دہلوی نے شرح مشکوۃ میں لکہا ہے کہ قیل كان النبي اراد ان يكتب تعيين واحد من الصحابة للخلافة لئلا

یقع بعدہ تنازعہم وکان بکاء ابن عباس لما فات مقصد من ذلک یعنی کہا گیا ہی کہ تب پیغمبر خدا کے ارادہ کیا یہہ کہ لکھی تعیین ایک کی صحابہ میں سے واسطے خلافت کے تاکہ نہ واقع ہو نزاع — بعد اُس حضرت کے اُن میں سے اور تہا رونا ابن عباس کا واسطے فوت ہونے اعتقاد اُسکے کے اس خبر سے اور کرمانی نے شرح صحیح بخاری میں خطابی سے نقل کی ہی کہ اُس نے کہا کہ ھذا لیتاول علی وجہین احدہما انہ اراد ان یکتب اسم الخلیفۃ بعدہ لئلا یختلف الناس ولا یتنازعوا فیؤدیہم ذلک الی اختلال یعنی یہ تاویل کیا گیا ہی دو وجہ پر ایک اُن دونوں میں کا تو یہہ ہی کہ تحقیق اُس حضرت نے ارادہ کیا یہہ کہ لکھے نام خلیفہ کا بعد اپنے تاکہ نہ اختلاف کریں آدمی اور نہ نزاع کریں آپس میں پس پہنچادے اُنکو وہ نزاع طرف خلل کے اور فتح الباری شرح صحیح بخاری میں اکتب لکم کتابا کی شرح میں لکھا ہی ہو تعیین الخلیفۃ بعدہ وسیاتی شیء من ذلک فی کتاب الاحکام فی باب الاستخلاف منہ یعنی وہ تعیین کرنا خلیفہ کا ہے بعد اپنے اور قریب ہے کہ آوے کچھ اس میں سے کتاب الاحکام میں جو باب الاستخلاف میں اُس میں سے ہی اس سے معلوم ہوا کہ وہ حضرت خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تہے اور وہ سوائے علی بن ابیطالب کے دوسرا کوئی آدمی نہیں ہو سکتا ہی اور ان لوگوں نے اگرچہ یہہ تو لکھا کہ وہ حضرت خلیفہ کا نام لکھنا چاہتے تھی لیکن اپنی مذہب کی رعایت سے کہ خلافت ثلثہ کی باطل ہو جاتی اور عمر مورد طعن ہوتی تہی حضرت علی کا نام نہ لکھا جو کہ حق تہا اور حضرت علی کی خلافت کو پہلے اس سے ہم ثابت کر آئے ہیں اور حضرت علی کا خلیفہ ہونا ثابت ہو گیا تو بعد اُنکے اولاد طیبین اُنکی خلفاء حقہ ہیں بموجب حدیث سیکون من بعدی اثنا عشر خلیفۃ کلہم من قریش کے اور جو بارہ خلفاء کہ اہل سنت نے تجویز کئے ہیں ابوبکر عمر عثمان معاویہ یزید عبد الملک وغیرہ یہہ خلفاء حقہ نہیں ہو سکتے کہ جہلاء تہے اور دوازدہ ائمہ علیہم السلام کی خلافت کے حق میں عماد الدین شفروہ حنفی اور اخطب خوارزم نے روایت کی ہی کہ فرمایا رسول خدا صلعم نے کہ جس وقت مجھکو آسمانوں پر لیگئے تو ندا آئی مجھکو جانب پروردگار سے کہ ای محمد پیدا کیا میں نے تجھکو اور پیدا کیا میں نے علی اور فاطمہ اور حسن اور حسین کو اور آٹھ کو اُسکی اولاد میں سے اپنی نور سے اور عرض کیا میں نے ولایت تمہاری کو آسمان والوں پر اور زمین والوں پر پس جس نے کہ قبول کیا اُسکو تو ہوئیگا وہ میرے نزدیک مومنین میں سے اور جس نے انکار کیا وہ کافروں میں سے ہوگا اور ای محمد صلعم اگر بندہ عبادت کرے میری یہانتک کہ منقطع ہو جائے یا ہو جائے ریاضت عبادت سے مثل پوست در ہم کشیدہ کے پس آئے نزدیک میرے انکار کرنیوالا ہو کر تمہاری ولایت کا تو نہ بخشونگا میں اُسکو ای محمد تو چاہتا ہی کہ دیکھے اُنکو میں نے کہا کہ ہاں ای پروردگار میرے فرمایا کہ متوجہ ہو جانب راست عرش کے فالتفت فاذا بعلی وفاطمۃ والحسن والحسین وعلی بن الحسین ومحمد بن علی وجعفر بن محمد وموسی بن جعفر وعلی بن موسی ومحمد بن علی وعلی بن محمد والحسن بن علی والمہدی فی ضحضاح من نور قیام یصلون وھو فی وسطہم کانہ کوکب دری فقال یا محمد ھؤلاء الحجج وھو الثائر من عترتک وعزتی وجلالی انہ الحجۃ الواجبۃ لاولیائی والمنتقم من اعدائی حاصل یہہ کہ دیکھا میں نے ان بارہ امام کو اور مہدی اب تنگ میں نور کے کہڑے ہوئے نماز پڑہتے ہیں کہ مہدی درمیان اُنکے مثل ستارہ درخشندہ کی ہی پس کہا ای محمد یہہ ہیں حجتیں میری اور وہ مہدی قتل کرنیوالا ہی عترت تیری کی جانب سے ہو کر اُن ظلموں کی عوض میں کہ بہ نسبت اہل بیت تیری کی پہونچی ہیں قسم ہی عزت میری کی اور جلال میری کی کہ وہ ہی حجت لازم واسطے دوستوں میرے کے اور انتقام لینے والا دشمنوں میرے سے اور ایسا ہی محی الدین عربی نے فتوحات میں لکھا ہے قریب اسکے اور اخطب خوارزم کو جو صاحب تحفہ نے لکھا ہی کہ وہ زیدیہ طریقہ رکہتا تہا بالکل غلط ہی اسواسطے کہ فرقہ زیدیہ زید شہید تک قائل امامت کے ہیں اور بعد کی باقی ائمہ کو تسلیم نہیں کرتے ہیں چہ جائیکہ امامت مہدی اگر فرقہ اثنا عشریہ میں سے اُسکو کہتے تو ہو سکتا تہا لیکن دیدہ و دانستہ جہوٹ لکھتے ہیں چنانچہ ابن حجر نے صواعق محرقہ میں لکھا ہی اخطب خوارزم کے حال میں کہ کنیت اُسکی ابوبکر ہے اور اس کنیت سے مشہور ہے اور اپنے دیار میں وہ اخطب الخطباء تہا اور اُسکی کنیت سے معلوم ہوتا ہی کہ وہ اہل خوارزم سے ہے نہ شیعان سبزوار اور قم اور کاشان سے اور تاریخ بلد الامین اور تاریخ صفدی اور عقد الثمین میں تعریف اُسکی لکھی ہوئی موجود ہی اور جلال الدین سیوطی نے بغیۃ الوعاۃ فی طبقات النحاۃ میں مدح اُسکی بہت سی بیان کی ہی پہر وہ زیدی کیونکر ہو جائیگا اور ہم نے فرض کیا کہ وہ زیدی تہا لیکن شیخین کی خلافت کا قائل تہا اور خود صاحب تحفہ نے باب اول میں فرقہ زیدیہ کو اہل سنت میں سے شمار کیا ہی اور یہ جو لکھا ہی کہ روایت کی الفاظ اثبات پر دلالت کرتے ہیں کہ گمراہی میری نہ آئیگی یہہ کہنا بالکل غلط ہے اسواسطے کہ روایت کی الفاظ اسی پر دلالت کرتے ہیں اور رسول خدا صلعم کو اس امر کا علم تہا کہ بعد میرے یہہ گمراہ ہو جائیں گے اور علم نبوت سے حضرت کو یہ حال معلوم ہو گیا تہا تو حضرت نے ایسا فرمایا تہا اور نہ اسکے فرمانے کی کیا ضرورت تہی پیغمبر کا کلام عبث اور بے فائدہ نہیں ہوتا اور آخر وقوع میں آیا کیا تیرے نزدیک سب فرقہ اہل اسلام کے حق ہیں اور کوئی فرقہ گمراہ نہیں ہے اور سوا اسکے نصرانیوں کا بڑا اعتراض ہی مسلمانوں پر اور کہتے ہیں مسلمانوں کو کہ تم بموجب قول اپنی پیغمبر کے گمراہ ہوا اسواسطے کہ تمہاری پیغمبر نے فرمایا تہا کہ کاغذ و دوات و قلم مجھکو دو کہ تمہاری واسطے میں کچھ لکھدوں کہ تم بعد میرے گمراہ نہ ہو سو عمر وغیرہ نے وصیت نہ لکھنے دی اور اُمت اُنکی گمراہ رہی **قال الشیخ الاشعری** اور یہ بھی سہی بپاس خاطر شیعہ ہم نے اس پر بھی خاک ڈالی اور اسیکو تسلیم کیا کہ فرمان خلافت کی تحریر ہی مد نظر تہی لیکن پہر کہاں سے نکل آیا کہ حضرت علی ہی کی خلافت کی تصریح کے لئے حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ اضطراب تہا بلکہ بدلیل عقلی و نقلی فرمان خلافت حضرت

ابوبکر رضی اللہ عنہ کو خلافت حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے لکھنا تھا نقل کی بات پوچھیئے تو صحاح اہل سنت میں کچھ ایسا موجود ہے کہ حضرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا
انہ یہ بیماری میں تھی کہ ابوبکر کے لئے لکھدوں تاکہ کسی تمنا والے کو پھر تمنا باقی نہ رہے مگر نہ خدا کو سوا ابوبکر کے کسی کی خوشی ہے نہ مومنین انکے سوا کسی اور کے روادار تھے غرض
اُس روایت کا ماحصل تو اسی پر دلالت کرتا ہے کہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا تو ابوبکر صدیق کے لئے تھا حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لئے نہ تھا اور عقل سے پوچھتے ہو تو سنیئے کہ دستور کے موافق
آپ کو غالبا یہ اندیشہ ہوگا کہ حضرت علی کو بوجہ قرابت شاید خیال جانشینی ہو اور انکے احباب و اقارب اسباب میں ساعی ہوں تو اس صورت میں حق حقدار یعنی ابوبکر کو نہ پہونچیگا
اور اس قسم کا خیال بہ نسبت ابوبکر اہل عقل کے نزدیک متصور نہیں قرابت تھی نہ وراثت ہی ہو تو حضرت علی ہی کی نسبت ہو بالجملہ اس وجہ سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
کو یہ پیچ و تاب تھا اور اسقدر اسکی مدافعت میں اضطراب تھا سو بحمد اللہ بزعم شیعہ انکا یہ خیال بھی راست ہوا حضرت علی خواستگار خلافت کے رہے پھر اُس پر آپکی پیشین گوئی
بھی نتیجہ ہوئی خدا تعالی کو اور مومنوں کو سوا ابوبکر رضی اللہ عنہ کے اور کوئی پسند نہ آیا **اقول** پہلے اس سے اہل سنت کی کتابوں سے کرمانی اور فتح الباری وغیرہ سے ہم
لکھ چکے ہیں کہ وہ حضرت صلعم خلیفہ ہی کی تعین میں لکھتے تھے اور باقی رہا یہ امر کہ علیؑ کے حق میں لکھنا کہاں سے ثابت ہوا سو اُس مقدمہ کی بھی روایتیں ہم شرح ابن ابی الحدید
سے لکھ چکے ہیں کہ اُسنے تاریخ بغداد سے لکھا ہے کہ عمر بن خطاب نے ابن عباس سے کہا کہ رسول اللہ صلعم علیؑ کے واسطے لکھتے تھے میں اُسکا مانع ہوا اور سوائے اسکے یہ بات ہے کہ اگر ابوبکر کے
واسطے حضرت لکھتے تو یہ لوگ اسکے مانع نہوتے کہ بانی مبانی خلافت ابوبکر تو عمر ہی تھے کہ پہلے سب سے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی اور ابوبکر ہی کی خلافت کے واسطے فاطمہ زہرا
علیہا السلام کا گھر جلانے کو لکڑیاں لیگئے اور زبیر اور سعد وغیرہ اصحاب رسول کی بے عزتی کی سو ابوبکر کی خلافت کو وہ ہرگز منع نکرتے اور یہی سمجھکر کہ حضرت صلعم ابوبکر
کے واسطے تو نہیں لکھتے ہیں علی کے واسطے لکھتے ہیں سو واسطے حضرت کو لکھنے سے مانع ہوا اس سختی سے کہ حضرت کے ارشاد کو ہذیان ٹھیرایا اور کیا وجہ تھی اس سختی اور بے ادبی سے
حضرت کو منع کرنیکی اور اضطراب حضرت صلعم کو حضرت علیؑ کی خلافت کیواسطے ہمیشہ سے رہا ہے اور ہمیشہ تاکید اسکی کرتے رہے ہیں چنانچہ اہل سنت ہی کی کتابوں سے ثابت ہے
مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ حضرت نے فرمایا کہ اگر تم علیؑ کو خلیفہ کروگے تو وہ تمکو طرف راہ راست کے لیجائیگا لیکن نہیں دیکھتا ہوں میں تمکو کہ تم اُسکو خلیفہ کرو سو حضرت
تو چاہتے تھے کہ بعد میرے علیؑ خلیفہ ہو اور یہ بھی جانتے تھے کہ یہ لوگ اُسکو خلیفہ نکرینگے لیکن واسطے اتمام حجت کے آخر وقت میں لکھنا چاہتے تھے اور نہایت رغبت جو تھی علی کے
خلیفہ کرنے کی تو اسیواسطے حضرت کو اضطراب تھا اُسوقت کہ یہ لوگ اس مقدمہ میں کہنا نہ مانیں گے چنانچہ یہی ہوا اور وہ حضرت یہی حسرت اپنے دل میں لئے ہوئے چلے گئے اور
جیسے کہ اُن حضرت کو رغبت تھی حضرت علیؑ کے خلیفہ کرنے کی تو اس خلافت ہی کی سند کے واسطے جنگ تبوک کو تشریف لیگئے تو حضرت علیؑ کو اپنا خلیفہ کر گئے تاکہ لوگوں کو
بعد میرے سند ہو علیؑ کے خلافت کی اور پہلے سورہ براءت ابوبکر کو دیکر واسطے سنانے مشرکین کے روانہ کیا اور بعد اُسکے جبرئیل حکم لائے کہ یا تو اسکو تو سنا یا جو کوئی کہ تجھ سے ہو
اُن حضرت نے حضرت علیؑ کو روانہ کیا کہ تو سورہ براءت کو ابوبکر سے لے اور مشرکین کو سنا اور ابوبکر کو اس منصب سے معزول کیا تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ رسول خدا صلعم کی نیابت کے
لیاقت سب صحابہ میں علی ہی رکھتا ہے اور ابوبکر کسی وجہ سے لیاقت نہیں رکھتا اور ابوبکر کو حضرت نے کبھی تو عمرو عاص کا محکوم بنایا اور کبھی اسامہ بن زید کا اور فرمایا کہ لَعَنَ اللّٰہُ
مَنْ تَخَلَّفَ عَنْ جَیْشِ اُسَامَۃَ چنانچہ ملل و نحل اور شرح مقاصد وغیرہ میں لکھا ہے اور ابوبکر اور عمر جیش اسامہ سے تخلف کرکے لعنت خدا میں گرفتار ہوئے اور حضرت علی کو کبھی کسی شخص
کا محکوم نہیں کیا بلکہ تمام ہی جہادوں میں سب کا سردار کرکے بھیجا ہے چنانچہ ریاض النضرۃ وغیرہ میں لکھا ہے اور خیبر میں پہلے ابوبکر اور پھر عمر کو سردار کرکے یہودیوں سے لڑنے کو
بھیجا اور وہ شکست کھا کر اور بھاگ کر چلے آئے تو حضرت صلعم نے انکی بھاگ کر آنیکو دیکھکر فرمایا کہ لَاُعْطِیَنَّ الرَّایَۃَ غَدًا رَجُلًا کَرَّارًا غَیْرَ فَرَّارٍ یُحِبُّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ وَیُحِبُّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ
چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور اسواسطے کہ تاکہ لوگوں کو معلوم ہو کہ اس منصب نیابت رسول اللہ کی لیاقت علیؑ رکھتا ہے اور ابوبکر اور عمر لیاقت نہیں رکھتے اور معنی اس حدیث
کے یہ ہوئے کہ البتہ دونگا میں نشان اپنا کل کو ایسے مرد کو کہ حملہ کرنیوالا ہو نہ بھاگنے والا ہو کہ دوست رکھتا ہو خدا کو اور رسول اُسکے کو اور دوست رکھتا ہو اُسکو خدا اور رسول اُسکا
انتہی جسوقت ابوبکر اور عمر بھاگ کر آئے تو حضرت نے فرمایا کہ اب میں ایسے شخص کو نشان دونگا کہ وہ ایسے اوصاف رکھتا ہوگا اور وہ حضرت علیؑ تھے کہ انکو اپنا نشان دیا اور
علیؑ نے خیبر کو فتح کیا جب حضرت نے اُس شخص کے یہ اوصاف بیان کئے تو معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر میں یہ اوصاف نتھے اور رسول خدا نے حضرت علیؑ کو فرمایا کہ وہ بھاگنے والا نہوگا بلکہ حملہ
کرنیوالا اور مکرر جانیوالا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر ایسے نتھے اور فرمایا حضرت نے کہ وہ خدا کو اور رسول اُسکے کو دوست رکھتا ہوگا اس سے معلوم ہوا کہ ابوبکر اور عمر
خدا کو اور اُسکے رسول کو دوست نرکھتے تھے اور فرمایا حضرت نے کہ خدا اور رسول اُسکا دوست رکھتے ہونگے اسکو اس سے معلوم ہوا کہ خدا اور رسول اُسکا ابوبکر اور عمر کو دوست نرکھتے تھے
سو اسطرح کے اسناد بہت ہیں جس سے معلوم ہوا کہ قابل خلافت کے علیؑ ہیں اور ابوبکر کو کسی طرح سے لیاقت خلافت کے نہیں ہے اور ایسے ایسے سامان خلافت علیؑ حضرت نے
اپنی ہی زندگی میں کردیئے اور اہل سنت ہی کی کتابوں سے خم غدیر میں حضرت علیؑ کا خلیفہ کردینا ثابت ہے اور علمائے اہل سنت اُس میں ہر چند تاویلیں کرتے ہیں

جیسا کہ تحفہ میں لکھا ہے لیکن کوئی بات درست نہیں ہوتی اور علماء شیعہ نے اُنکے اقوال کو کہ وہ سب پوچ اور واہی تھے باطل و منسوخ کردیا اور علی ہی کی خلافت کے واسطے حضرت
نے چاہا تھا کہ میرے مرنے کے وقت غاصبان خلافت موجود نہوں اور مفسد آدمی اس شہر سے خارج ہوجائیں اور اسامہ کو سردار بنا کر ابوبکر اور عمر وغیرہ کو اُسکا تابع کیا اور فرمایا
کہ اسامہ کے ہمراہ چلے جاؤ اور فرمایا کہ جہزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ سو شیخین نے لعنت خدا تو گوارا کی اور اسامہ کی ہمراہی سے پھر کر
چلے آئے جب حضرت نے یہ حال دیکھا تو چاہا کہ اپنی وفات کے قریب علیؑ کے حق میں تحریر فرمائیں تو لوگوں نے ہذیان کی تہمت کرکے حضرت کے ارشاد کو رد کیا اور حضرت
علی کے واسطے لکھنے نہ دیا اور کیا بے غیرتی کی اور بے حیائی کی بات ہے کہ جو آدمی اپنے مذہب کی کتاب کا حوالہ دیوے اسطرح سے تو ہندو بھی کہتے ہیں کہ ہماری پوتھی میں فلانی بات
یوں لکھی ہے لیکن انکا کہنا مسلمانوں کے نزدیک کب معتبر ہوسکتا ہے اسیطرح شیعوں کے نزدیک صحاح اہل سنت کا اعتبار نہیں ہے کہ روایتیں انکی موضوع ہیں اور معاویہ
نے اپنے زمانہ میں حضرت علیؑ کی عداوت کی جہت سے بہت روایتیں بنوائی ہیں علی الخصوص مدح ثلاثہ میں چنانچہ ابن ابی الحدید معتزلی نے شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے اور یہ
روایت تو کسی خارجی کی تراشی ہوئی ہے کہ کتب صحاح اہل سنت کے خصوصاً بخاری کے راوی خوارج بھی ہیں اور جامع الاصول میں لکھا ہے کہ نہ شیعہ صادق ہیں نص کے نقل
کرنے میں امامت علیؑ پر اور نہ بکریہ صادق ہیں نص کے نقل کرنے میں امامت ابی بکر پر شیعوں کو جھوٹا کہنا تو تعصب کی راہ سے ہے اسکا اعتبار کب ہوسکتا ہے مگر اپنے مذہب کی
جھوٹی روایتوں کا اقرار کرنا ہے البتہ وہ معتبر ہے اور شرح نہج البلاغت میں لکھا ہے کہ اتہو لی بدوات کے مقابلہ میں بکریوں نے واسطے ابوبکر کے روایت وضع کی ہے اور ابن ابی
الحدید گو معتزلی ہے لیکن حقیقت خلافت ثلاثہ کا معتقد ہے اور خطبہ شقشقیہ میں جو حضرت علیؑ نے خلفاء ثلاثہ کی مذمت لکھی ہے تو ابن ابی الحدید نے برعایت ثلاثہ حضرت علیؑ
کے اُس خطبہ کی تاویل کی ہے اور جو احادیث کتب صحاح وغیرہ اہل سنت کے نزدیک معتبر ہیں اور مدار مذہب کا اُنپر ہے وہی معتزلیوں کے نزدیک معتبر ہیں سو روایتوں میں
دونوں فرقوں میں کچھ فرق نہیں ہے اور اہل سنت اور معتزلی جو دونوں فرقہ معتقد حقیقت خلافت ثلاثہ کے ہیں تو ہمارا مقابلہ ان دونوں ہی فرقوں سے ہے اور اگر ابوبکر کے واسطے
لکھنا حضرت نے فرمایا تھا تو وقت قائم کرنے خلافت ابوبکر کے اُس روایت کا ذکر کیوں نکیا اور الائمۃ من قریش کے ہی کہنے پر اکتفا کیا تاکہ ایک سند ہوتی ابوبکر کے واسطے اور منا امیر
و منکم امیر بھی نکہتے اور خود مولوی عبد العزیز صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں کہ خلفاء ثلاثہ نزد اہل سنت نہ معصوم اند و نہ منصوص علیہ اور تو کہاں تک اس جھوٹی روایت کے بھروسے
ابوبکر کے حق میں نص بیان کرتا ہے کہ ابوبکر کے واسطے حضرت لکھتے تھے اور بعد اسکے بھی جب جواب دینے سے عاجز ہوا ہے تو شیعوں کے مقابلہ میں اپنی جھوٹی روایتوں کو پیش کیا ہے
اور اُس روایت موضوعہ کا ماحصل اگرچہ یہی ہے لیکن وہ روایت جھوٹی ہے کہ فرقہ بکریہ نے وضع کی ہے اور ارادہ حضرت کا حضرت علی کے واسطے لکھنے کا پہلے اس سے ہم
مفصل بیان کرچکے اور دلیل عقلی جو لکھی ہے وہ نقلی سے بھی زیادہ پوچ ہے اسواسطے کہ پہلے ابوبکر کا حقدار ہونا ثابت کرلے تو بعد اُسکے ایسا کہ حضرت کو یہ اندیشہ ہوگا
اور ہم پہلے اس سے ثابت کر آئے ہیں کہ حقدار خلافت کے حضرت علی ہی تھے اور ابوبکر کسی وجہ حقدار نہیں ہوسکتے اور یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ ایک جاہل آدمی جو کہ مسائل دین
میں غلطیاں کرتا ہو اور مسئلہ کے جواب دینے میں عاجز ہو وہ حقدار خلافت ہو جاوے اور ابوبکر کی جہالت دریافت کرنی منظور ہے تو تشئید المطاعن تصنیف صاحب اور ذخیرہ
سبحان علی خاں صاحب کو دیکھ کر اہل سنت کی کتابوں سے کسقدر غلطیاں ابوبکر کی اور جہالت اُنکی لکھی ہے اور حضرت علی میں قطع نظر قرابت کی سب اوصاف خلافت موجود
تھے اور ابوبکر میں ایک بھی وصف نتھا اور حضرت علیؑ کو خیال جانشینی کیا بلکہ اُنکو تو جانشین اپنا رسول اکرم ہی چاہتے تھے اور خلافت کے واسطے صرف قرابت ہی کافی نہیں
ہوسکتی بلکہ اوصاف خلافت بھی چاہئیں اور ابوبکر میں اگر قرابت رسول اللہ کی تھی تو کوئی وصف خلافت نتھا اور حضرت علیؑ میں دونوں امر تھے اگر اُنکی طرف خیال ہوتا تو وہ اسی
تھا کہ وہ مستحق تھے اور حضرت رسول اللہ صلعم کو جو خیال ہوگا تو اسی کا ہوگا کہ علی کو میں نص تو خلافت کرچکا ہوں لیکن دیکھئے یہ لوگ اسپر عمل کرتے ہیں یا نہیں اسواسطے اضطراب
حضرت کو تھا اور اسیواسطے حضرت علیؑ کے واسطے تاکید اور وصیت لکھنی چاہتے تھے اور ابوبکر کے واسطے تو کوئی وجہ ہی لکھنے کی نتھی اور اگر ابوبکر کے واسطے یہ لکھا ہوتا تو عمر حضرت
کے قول کو کاہیکو رد کرتے اور رد بھی عمر نے ابوبکر ہی کی جہت سے کیا ہے کہ بانی مبانی خلافت بکریہ عمر ہی تھے اور حضرت علی خواستگار خلافت اسواسطے تھے کہ رسول خدا اُنکو خلیفہ
کر چکے تھے اور خود حضرت عمر بھی یہی جانتے تھے کہ خلافت حق علی کا ہے چنانچہ ہم اس سے پہلے استیعاب سے لکھ چکے ہیں اور راغب اصفہانی نے بھی محاضرات میں لکھا ہے لیکن دیدہ و دانستہ
خلافت کو علیؑ کے غصب کیا اور خدا تعالی کو اور مومنین کو جو کہ بے ایمان نہ تھے تمام میں خلافت ابوبکر کی ہرگز پسند نہیں آئی اور زبردستی کسیکے حق کو غصب کرنے سے یہ نہیں
کہہ سکتے ہیں کہ یہ خدا کے اور مومنین کے نزدیک پسندیدہ ہے اور اگر یہی امر ہے تو جسقدر کہ غاصب دنیا میں پیدا ہوئے ہیں انکے افعال خدا کے نزدیک پسندیدہ ہوں اور معاویہ اور
یزید کی خلافت بھی خدا کے نزدیک پسندیدہ ہو کہ ان میں اور ثلاثہ میں کسیطرح کا فرق نہیں

قال الشیخ الاشعری

القصہ اگر لکھنے کا ارادہ تھا تو حضرت ابوبکر کے لئے
تھا حضرت عمر کی شکایت کریں تو صدیقی کریں شیعیان حضرت علی کو کیا کام اگر وہ نقل ہے کہ بھوکے کو دو اور دو چار روٹیاں ہی ہمیشہ میں آتی ہیں اور بلی کے خواب میں چھیچھڑے

اقول یہ روایت تو بالکل جھوٹی نظر پڑتے ہیں کوئی بات کیوں نہ حضرات شیعہ کو حضرت علی رضی اللہ عنہ کی خلافت اور اماموں کی امامت ہی نظر آتی ہے ہے کہ علماء اہل سنت بھی اُسکے موضوع ہونیکا اقرار کرتے ہیں شیعوں کے جواب میں ایسی روایت پیش کرنی بڑی بیحیائی کی بات ہے اور عمر کی شکایت اگر کرینگے تو دوستان رسول خدا اور محبان علی مرتضی ہی کرینگے کہ عمر نے اُنکے پیغمبر کو عیب ہذیان لگا کر قول کو اُن حضرت کے رد کیا اور اُنکے امام کے واسطے جو وصیت خلافت لکھی جاتی تھی اُسکے مانع ہوئی اور اگر فرقہ بکریہ عمر کی شکایت کریں تو بڑی محسن کشی ہے اسواسطے کہ عمر ہی نے تو خلافت ابوبکر بڑی سعی اور جانکاہی سے قایم کی ہے کہ ابوبکر کی ہی خلافت کے جمانیکے واسطے جناب رسول خدا صلعم کو متہم بہذیان کیکے اُن حضرت کے قول کو رد کیا اور ابوبکر کے ہی خلافت کے واسطے صحابہ کبار کی بیعزتی کی اور فاطمہ زہرا علیہا السلام کا گھر جلانیکو مع اُن آدمیوں کے جو اُس گھر میں تھے علی اور حسنین وغیرہ آگ اور لکڑیاں لیگئے اور اُس مظلومہ سے کہا کہ تیرا گھر جلاؤنگا مع اُن نفروں کے جو تیری گھر میں ہیں چنانچہ کتب معتبرہ اہل سنت میں مثل استیعاب و رجمع الجوامع اور کنز العمال وغیرہ کے لکھا ہے اور اگر عمر کا قدم درمیان میں نہ ہوتا تو خلافت ابوبکر کی ہرگز نہ جمتی اور بلی کے خواب میں چھیچھڑے نظر آتے حال اہل سنت کا ہے کہ بے سند اور بے دلیل ابوبکر کے خلافت کو حق کہتے ہیں اور خواہ مخواہ اُسکے اثبات کے درپے ہیں اور جھوٹی روایتیں بناتے ہیں ایک مرد جاہل کی خلافت کے جمانیکو اور اگر شیعوں کا ایسا حال ہے تو اُنکی جانب حق ہے اور کہنا اُنکا حق ہے کہ وہ حضرت علی کی خلافت کو اور اُنکی اولاد کے امامت کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں اور شیعوں کو اُنکی خلافت اور امامت کیوں نہ نظر آئی کہ جنکو جناب رسول خدا صلعم نے بحکم خدا خلیفہ کیا ہے لوگوں کی مقرر کی ہوئی اُنکی خلافت نہیں ہے کہ چار آدمی جسکو چاہیں اُسکے ہاتھ پر بیعت کر کے کہدیں کہ یہہ خلیفہ پیغمبر کا ہے بھلا ایسا بھی ہوسکتا ہے کہ جسکا وہ خلیفہ ہے اُسنے تو اُسکو خلیفہ کیا نہیں ہے اور چار آدمی ملکر کہدیں کہ یہہ اُسکا خلیفہ ہے تو وہ خلیفہ ہو جاوے اور پہلی اُمتوں میں بھی ایسا نہیں ہوا ہے کہ چار آدمیوں نے ملکر کسیکو خلیفہ کر دیا ہو بلکہ خلیفہ وہ ہوا ہے کہ جسکو خدا تعالی نے خلیفہ کیا ہے جیسے کہ حضرت ہارون خلیفہ حضرت موسی کے اور طالوت خلیفہ حضرت اشمویل کے اور اُمت کے خلیفہ کرنے سے کوئی خلیفہ نہیں ہوا ہے **قال الشیخ الاشعری** خیر اسجگہ یہہ بات اتفاقی تھی مطلب اصلی یہ تھا کہ جملہ و لیمکنن سے بالاجمال تمام مطاعن خلفاء اربعہ رضی اللہ عنہم کا جواب نکلتا ہے اب یہاں بس کیجیے کہ خلافت خلفاء ثلثہ بوجہ احسن اس آیت سے ثابت ہو گئی اور اُنکا فضل و کمال اور اُنکی بزرگی کما ینبغی اس آیت سے ظاہر ہو گئی ادہر سنیوں کے مذہب کی حقیقت اور اُنکی حقانیت اور شیعوں کے خیال اور گمان کا بطلان اور اُنکے طریقہ کی مذمت بخوبی روشن ہو گئی **اقول** اگر یہہ قصہ قرطاس اتفاقاً لکھا گیا تھا تو کیا مضایقہ ہے لیکن وہ بھی مثل اور مقدمات کے جیسا کہ تھا کہ اُسکا اعتراض عمر پر تھا بدستور باقی رہا اور جو کچھہ کہ آپنے موافق اپنے زعم کے اُسکے جواب میں بڑی سعی کر کے لکھا تھا وہ سب رد ہو گیا اور جو کہ تمہارا مطلب اصلی جملہ و لیمکنن سے تھا وہ اس سے پہلے ہی رد ہو گیا ہے بار بار اُسکی طرف اشارہ کرنے سے کچھہ فایدہ نہیں ہے اور خلفاء ثلثہ کی مطاعن میں سے کسی طعن کا جواب تم سے نہیں بن پڑا اور جو کچھہ تمنے اپنے زعم کے موافق لکھا تھا وہ سب باطل ہو گیا اور خلافت خلفاء ثلاثہ کی ہرگز ثابت نہو سکی بلکہ اُنکی ایمان اور عمل صالح میں کلام ہے پہلے اُنکا ایمان صحیح اور سب اعمال صالح ثابت کر تو تب گفتگو اُنکی خلافت میں کرو اور اس آیت سے اُنکا فضل و کمال ہرگز ثابت نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھہ چکے اور اہل سنت کے مذہب کا بطلان اور شیعوں کے مذہب کے حقیقت اور حقانیت بدستور باقی رہی **قال الشیخ الاشعری** مگر تنبیہ کے لیے اسقدر گزارش ہے کہ اس آیت میں اول کلمہ لہم اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ اصل حقیقت میں دین پسندیدہ اُنہیں اشخاص کے لئے جمایا جائیگا جو خلیفہ بنائے جائینگے اور یہ نعمت عظمی اولاً و بالذات اُنہیں کو عطا ہوگی جو خلیفہ ہوں گے مقصود اصلی وہی محبوب ہوں گے اوروں کو اگر وہ دولت ملیگی تو اُنہیں کے تصدق سے ملیگی مگر استخلاف و تبدیل خوف میں اُنکا اصل الاصول ہونا عام فہم سمجھہ کر الفاظ موجودہ پر اکتفا فرمایا پر دین کا ایک کے لیے اصلی ہونا اور باقیوں کے لیے اُسکا تصدق ہونا چونکہ ایسا عام فہم نہ تھا کہ شیعہ بھی مان جائیں تو لیمکنن کے بعد لفظ لہم ہی بڑہایا غرض اُس عہد میں اور بھی اگر اُس دین پر ہوں گے تو وہ اُنہیں کے جوتیوں کا صدقہ ہوگا اس سے ثابت ہوا کہ تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف اور تبدیل امن جو کچھہ تھا سب کا سب اصل میں اُنہیں چار یار کے لئے تھا لیکن جیسے کسی امیر کی کوئی دعوت کرتا ہے تو اُس امیر کی اقربا اور اُسکے حشم خدم کی دعوت بھی اُس امیر کے طفیل میں کر دیتا ہے پھر جو امیر مذکور کو کہلاتے پلاتے ہیں اُسکی اقربا حشم خدم کو بھی وہی کہلاتے ہیں فرق ہوتا ہے تو اصالت اور تبعیت کا اور اعزاز و اکرام کا ہوتا ہے ایسے ہی یہ نعمت عظمی اور دولت جلیلہ خلافت وغیرہ بھی ہر چند اصل میں اُنہیں چار یار کے لئے ہیں لیکن اُنکے طفیل میں اس نعمت عظمی سے تمام اصحاب بہرہ ور ہوئے جو صحابہ کہ کبھی غرباء عرب اور فقراء صحابہ میں معدود تھے وہ بھی مناصب حکومت پر مامور ہوتے تھے اور کفار پر تحکم اور حکمرانی تو ہر کسیکو حاصل تھی ادنی ادنی صحابی کا نام امراء اہل کتاب کو اُٹھانا پڑا **اقول** جس امر کی آپ تنبیہ کرتے ہیں وہ پہلے ہی تم لکھہ چکے اور جواب اُسکا پا چکے ہو اور خلیفہ تو کوئی بھی موافق مرضی خدا اور رسول کے نہیں بنایا گیا اور جن کو کہ لوگوں نے بنایا ہے وہ ان لوگوں کے ہی خلیفہ ہیں نہ خلیفہ رسول مقبول کہ رسول خدا صلعم نے اُنکو خلیفہ اپنا نہیں بنایا ہے اور اہل سنت

نزدیک خلیفۂ حق ہی اور امام صدق معاویہ ہی تھا اور اُس خلیفۂ حق نے یزید کو ہی خلیفہ بنایا تھا وہ ہی اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مروان کو مدینہ میں معاویہ نے لکھا کہ
یزید کے واسطے لوگوں سے بیعت لی اُس نے منبر پر چڑھکر کہا کہ امیر المومنین چاہتا ہے کہ اپنے فرزند کیواسطے بیعت لیوے کہ سنت ابو بکر اور عمر کی ہے اور ابو شکور نے حاشیہ شرح عقائد نسفی
میں لکھا ہے کہ امام حسین پر اطاعت یزید کی واجب تھی کہ اُسکو معاویہ نے خلافہ کیا تھا جنکی اطاعت جمیع صحابہ نے اختیار کی تھی سو خلیفہ حق ہوا اور دین پسندیدہ جو کہ
اہل سنت کے نزدیک ہی وہ اُنکو ہی حاصل تھا اور دین پیغمبر اُنکو ہرگز نتھا اور وہ ہی مذہب جو کہ ثلثہ کو اور معاویہ کو حاصل تھا وہ ہی مذہب اہل سنت کا ہے اور وہ ہی مذہب
اُنکے نزدیک پسندیدہ ہی اور ہمارا مذہب وہ ہی کہ جو رسولخدا صلعم کا مذہب ہے اور تمکین جو اس آیت میں آئی ہے وہ یا تو تمکین کامل ہی کہ جو تمام روی زمین پر جس سے غلبہ ہوا اور یا تمکین فی الجملہ
مراد ہے سو تمکین کامل تو ابتک حاصل نہیں ہوئی ہے وہ تو حضرت امام مہدی کے زمانہ میں حاصل ہوگی اور تمکین فی الجملہ موافق تحریر صاحب کشاف اور صاحب بیضاوی اور
صاحب مدارک وغیرہ علماء اہل سنت کے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں حاصل ہوگئی تھی سو وہ ہی بضرب ذوالفقار حیدر کرار جو وقت کہ ثلاثہ مع فوج کفار سے بہاگتے پہرتے تھے اور رسولخدا صلعم
کے بعد کے حکام کی تمکین مراد نہیں ہی اور جب حیدر کرار نے دین کو قوی کر دیا بعد رسولخدا صلعم کے روز بروز ترقی ہوتی ہی جاتی تھی یہانتک کہ جیسے کہ معاویہ اور یزید اور عبد الملک
وغیرہ کے زمانہ میں تمکین حاصل ہوگئی تھی وہ ثلثہ کے زمانہ میں ہی نتھی اور لیستخلفنہم میں جو استخلاف ہی اُسکے معنی لغوی مراد ہیں مالک و وارث ہونیکی اور لفظ من کا منکم میں واسطے بیان
کے ہی موافق تحریر مفسرین مذکورین کے سب مومنین صالحین مالک و وارث ملک عرب کے ہوگئے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں اور وعدہ خدا اُسی زمانہ میں وفا ہوگیا اور استخلاف سے
مراد معنی اصطلاحی کہ وہ نیابت رسولخدا ہی نہیں ہی اور اگر یہہ مراد ہو تو چاہیے کہ سب مومنین خلفاء رسولخدا ہو جائیں کہ من واسطے بیان کے ہے اور من تبعیضیہ ہو نہیں سکتا کہ اس
صورت میں معنی آیت کے صحیح موافق مطلوب کے نہیں ہو سکتی جیسے کہ ہم پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے اور اسیواسطے صاحب کشاف و بیضاوی وغیرہ کہ ماہر فن عربی میں انہوں نے من کو
تبعیضیہ نہیں لکھا ہی اور انکی سوجہ کسی نے کہ من کو تبعیضیہ لکھا ہے اُس نے بڑی غلطی کی ہے اور ہمارے نزدیک تو مصداق اس آیت کا حضرت مہدی کے زمانہ میں ہے کہ اس آیت کا مقصود سوائے اُس کے کسی زمانہ میں
ہم پاتے ہی نہیں ہیں کہ نہ تو تمکین دین ابتک حاصل ہوئی ہے اور نہ بالکل خوف اہل اسلام کا دنیا سے گیا ہی اور نہ بالکل شرک دنیا سے گیا ہے اور ایسا ہو نہیں سکتا کہ حکیم علی الاطلاق
کہ جو ہر امر پر قادر ہے تمکین ناقص اور اس ناقص اور انعام ناقص کا وعدہ کرے سو اب ہم موافق تحریر مفسرین مذکورین کے کہتے ہیں کہ اصل حقیقت میں دین پسندیدہ جناب رسولخدا صلعم
اور مومنین صالحین کے واسطے ہے جو کہ حضرت کے زمانہ میں تھے اور مقصود اصلی وہی لوگ ہیں اور جن لوگوں نے اپنی رائے سے رئیس بنایا ہے اُنکے واسطے خاص کر کے دین پسندیدہ نہیں
ہے کہ اُنکی تو دین پسندیدہ ہی میں کلام ہے اور نعمت عظمیٰ ہی جناب رسولخدا اور جمیع مومنین صالحین کے واسطے بالذات ہے جو کہ حضرت کے زمانہ میں تھے کہ مقصود اصلی وہی ہیں نہ
خلفاء ثلثہ کہ وہ بسبب نقص ایمان اور نہ ہونے عمل صالح کے اُن میں مستثنیٰ ہیں اور اگر اوروں کو یہہ دولت ملیگی تو یہہ کہنا چاہیے کہ حضرت علی کے تصدق سے ملیگی کہ جس نے بضرب ذوالفقار
دین کو قایم اور قوی کیا جو وقت کہ ثلثہ بہاگتے پہرتے تھے اور استخلاف یعنی وارث ہونا ملک عرب کا اور امن اور تبدیل خوف بہی علی کے ہی طفیل سے ہوا ہی کہ وہ ہی اصل الاصول تھے
اور ثلثہ بہگوڑے ہی تھے۔ اور دین کا اصلی ہونا واسطے رسولخدا صلعم کے ہی اور باقی کے مومنین کے واسطے بتصدق اُن حضرت کے ہی اور بہگوڑوں کے واسطے دین ہی حقیقت
میں نہیں ہوتا کہ جو رسولخدا کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بہاگ جائیں چہ جائیکہ دین کا اصلی ہونا اور تمکین کے پڑہنے سے یہہ معلوم ہوا کہ سب مومنین صالحین کو رسولخدا
صلعم کے زمانہ میں تمکین حاصل ہوگی موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے اور اس عہد میں دین پر ہونا صدقہ رسولخدا صلعم کا تھا اور کسیکا اور اگر حقیقت میں دیکھی تو حضرت
علی کی جوتیوں کا صدقہ تھا کہ جس نے دین کو قایم کیا نہ بہگوڑوں کی جوتیوں کا صدقہ اور اگر علی نہوتے تو مدینہ میں سے مسلمان بہاگ جاتے کفار کے خوف سے اور اس سے یہ ثابت
ہوا کہ اصل تسلط اہل اسلام اور تمکین دین پسندیدہ اور ازالہ خوف و تبدیل امن جو کچھ تھا سب کا سب اصل میں علی بن ابیطالب کے واسطے سے تھا کہ جس نے دین خدا کو قایم
کیا نہ بہگوڑوں کے واسطے اور یہ امر کے مثال ہی اگر جناب رسولخدا صلعم کے واسطے ہے یا علی بن ابیطالب کے واسطے نہ بہگوڑوں ناقص الایمان والعمل کیواسطے اور نعمت عظمیٰ جناب
رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے واسطے ہے اور بطفیل حضرت کے سب مومنین صالحین کے واسطے نہ تین اور چار کے واسطے اور خلافت مصطلحہ اس آیت سے کسی کیواسطے ثابت نہیں اگر ثابت ہی تو
ملکیت اور وراثت ہے اور وہ سب مومنین کے واسطے ہے نہ تین اور چار کے واسطے اور صحابہ جو بہرہ ور ہوئے تو علی بن ابیطالب کی ذوالفقار کے طفیل سے اور حکومت بہی اُنکو حاصل ہوگئی
جب کہ حضرت علی نے وقت فرار اصحاب ثلثہ کے جمکر جہاد کیا اور کفار کو پسپا کیا اور جب حضرت علی کے طفیل سے دین خدا کو غلبہ ہوگیا تو مسلمان معزز اور مکرم ہوگئے اور
حکمرانی کرنے لگے اور خلافت کو تو چار یار میں کہاں سے منحصر کرتا ہی بے سند مولوی عبد العزیز صاحب تو لکھتے ہیں کہ خلفاء پانچ تھے پانچواں وہ امام حسن کو کہتے ہیں اور صاحب صواعق
محرقہ اور پیر دستگیر لکھتے ہیں کہ پانچواں خلیفہ معاویہ ہے اور ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب لکھتے ہیں کہ خلفاء نبوت تین ہی تھے اور حضرت علی کو خلفاء نبوت میں شمار نہیں کرتے
ہیں اور تاریخ الخلفاء میں روایت ہے کہ خلفاء ثلثہ یہ تھے ابو بکر اور عمر بن خطاب اور عمر بن عبد العزیز اور جناب رسولخدا صلعم سے جو روایت دوازدہ خلفاء کی ہے اُسمیں اہل سنت کے

نزدیک بعد حضرت علی کے معاویہ اور یزید اور عبدالملک اور اُسکے چاروں فرزند بھی داخل ہیں تو کہاں تک کہتا ہے کہ اصل میں انہیں چار یار کے لئے ہیں اور تو جو فرق نکالا ہے راشدین اور غیر راشدین کا یہ بالکل باطل ہے کہ روایت میں یہ بات نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ نعمت خلافت ہرچند بالاصالت چار یار ہی کے لئے تھی مگر سبھی اُس میں شریک تھے اور ساری نعمتوں سے جو اس آیت میں مندرج ہیں صحابہ اور غیر صحابہ بطفیل خلفاء اربعہ حسب لیاقت بہرہ ور ہوئے اسمیں صحابہ کو بمنزلہ اقربا سمجھئے اور انمیں سے انکو جو وقت نزول آیت کے مشرف باسلام و ایمان ہوئے تھے زیادہ تر قریب سمجھئے یعنی مہاجرین اولین کو سب سے اقرب بلکہ بمنزلہ حقیقی بھائیوں کے مقرر کیجئے اور تابعین کو بجائے اتباع اور خدام کے تصور کیجئے اس صورت میں یہ نعمت گو سب میں مشترک ہوگی لیکن اعزاز و اکرام میں درجہ بدرجہ فرق ہوگا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ خویش و اقارب اگر بطفیل امیر کی نعمت سے کامیاب ہوتے ہیں تو امیر کیطرف سے خواستگار شکر گزاری یا طالب خدمتگاری نہیں ہوتا ہاں غلام اور خدام اور ذلہ برداروں کی طرف البتہ یہ نظر رہتی ہے سو اُن میں سے جو قدر شناس اور عاقل و سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ خدمتگاری اور شکر گذاری سے پیش آتے ہیں اور جو بد اصل اور نا قدر ہوتے ہیں وہ شکر گزاری تو درکنار اُلٹے اپنے آقا نعمت اور وسیلہ رحمت کے جڑ کاٹنے کے درپے ہوتے ہیں سو اس نعمت عظمی خلافت کا حال بھی یہی ہوا کہ ہرچند خلفاء اربعہ کے صدقہ سے اس زمانہ تک کے اہل اسلام کامیاب ہیں جسقدر دین کو وسعت اور شوکت ہوئی یا اب ہے حقیقت میں سب انہیں کی خلافت کا پھول و پھل ہے لیکن صحابہ کے زمانہ سے لیکر آجتک جیسے اس نعمت کے شکر گزار میں ویسے ہی اُس زمانہ سے لیکر آجتک کافر نعمت بھی برابر چلے آتے ہیں مگر چونکہ علم الہی تو وقائع گزشتہ اور وقائع آئندہ کو برابر محیط ہے تو بطور اخبار بالغیب کے اُن کافران نعمت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضرور پڑا تا کہ خلفاء اربعہ کی بزرگی اور اُنکے اعدا کی برائی قرار واقعی ثابت ہو جائے اور اُنکا اور اُنکے اعدا کے مرتبہ کا حال سب کو بخوبی واضح ہو جائے اسیواسطے بعد اتمام وعدہ اور بیان حال خلفاء اور صحابہ کے جو آگے ہونیوالے تھے اتنا اور ارشاد فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ یعنی جو کہ طفیلی اور تابع خلفاء کے اس نعمت میں ہوں اور پھر حق نعمت نہ بجا لائیں اور خدمتگاری اور اطاعت فرمان تو درکنار زبان سے شکر گزار تک نہوں بلکہ اُلٹی بدی سے پیش آئیں تو وہ اصل میں فاسق ہیں کہ کوئی فاسق اُنکی برابر نہیں اور یہ تو خود ظاہر ہے کہ اس آخر آیت کے مصداق بجز شیعہ اور نواصب اور خوارج اور قاتل خلیفہ ثانی اور قاتل خلیفہ ثالث اور قاتل حضرت امیر رضی اللہ عنہم کے اور کوئی معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ شیعے اُنکے دشمن ہیں جو اس نعمت کے حق میں اصل اصول ہیں تو اس فسق میں جو اس ناشکری کا ثمرہ ہے سب میں بیشتر ہونگے اگرچہ کسی اور وجہ سے اور وہ دو فرقے اُن سے بڑھ جائیں۔ **اقول** آیت مذکورہ سے تو خلافت کسیکی ثابت نہیں ہے موافق تحریر مفسرین اہل سنت کے اور یہ خلافت جو ثلثہ کو حاصل تھی یہ ایسی تھی جیسے کہ معاویہ اور یزید اور عبدالملک کو اور اُسکے بیٹوں کو حاصل تھی انکی اور انکی خلافت میں کچھ فرق نہیں ہے اور خلفاء ثلثہ کی شکر گزاری کے مقدمہ میں جو لکھا ہے رسولخدا صلعم کی شکر گزاری کے مقام میں کہ شکر گذاری تو چاہئے تھی رسولخدا صلعم کے اور لکھا انکی شکر گذاری نہ کیواسطے کہ جنکی شکر گزاری کی کوئی وجہ نہیں ہے ہم پوچھتے ہیں کہ کیا کام بنایا تھا ثلثہ نے اور کونسا امر اُن سے ظہور میں آیا تھا کہ جنکی شکر گذاری کرنی چاہئے جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تو انکا یہ حال تھا کہ رسولخدا صلعم کو بلوا کفار میں تنہا چھوڑکر جہاد میں سے اپنی جان بچاکر بھاگ جاتے تھے اور جب خلافت مغصوبہ پر قایم ہوئے تو یہہ حال تھا کہ اپنے زمانہ حکومت میں بھی واسطے جہاد کے گھر سے باہر نہیں نکلتے تھے مسلمانوں کو جہاد کرنیکا حکم دیتے تھے کہ اگر انکو جہاد کا حکم نہوگا تو یہہ کہینگے کہ یہ کیسا خلیفہ ہے کہ جہاد نہیں کرتا ہے اور اس سبب سے ایسا نہو کہ یہہ ہمکو محض امیر دنیا سمجھکر خلافت سے معزول کر دیں سو خود تو جہاد میں جاتے نتھے اور مسلمانوں کو جہاد کیواسطے بھیجتے تھے اور مسلمان بعضی تو ترقی اسلام سمجھکر اور بعضی طمع مال غنیمت میں جہاد کرتے تھے اور انکی ریاست مفت میں ترقی پکڑتے تھے اور خود انہوں نے کیا کام راہ خدا میں کیا تھا ابتدا سے جو طمع ریاست ہی خصوصاً شیخین کو اُسکی ترقی اور انتظام کے فکر میں رہی لیکن یہ ترقی پیرایہ میں اسلام کے تھی کہ مسلمانوں کو اسلام کی ترقی کے بہانہ سے بھیجکر لڑواتے تھے اور خالصۃً للہ آپ نے پیش دستی کی کوئی امر نتھا اور جڑ دین کی تو قایم ہوئی ہے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں بضرب ذوالفقار اور جب جڑ دین کی قایم ہوگئی اور مسلمانوں کی کثرت ہوگئی تو اُس حضرت ہی کی جڑ قایم کی ہوئی سے یہ اپنی اپنی ریاستوں کی ترقی کرتے تھے اور روز بروز ترقی ہوتی تھی اور معاویہ او یزید اور عبدالملک کے زمانہ میں تو ترقی اسلام بہت ہی ہوگئی تھی لیکن یہ سب صدقہ رسولخدا اور علی مرتضی علیہما السلام کا ہے اور ثلثہ کی خلافت کا کوئی پھل اور پھل نہیں ہے کہ انہوں نے اپنی ذات سے کوئی کام دین کا نہیں بنایا ہے اور اگر مسلمانوں کو اپنی ریاست کی ترقی کے واسطے بھیجتے تھے تو وہ کام مسلمانوں کا تھا اسکا اجر انکو ہے اور ثلثہ نے اپنی ذات سے کوئی کام خالص واسطے خدا کے نہیں کیا ہے اور پہلے اس سے ہم لکھہ چکے ہیں حوالہ سے تفاسیر اہل سنت کے کہ خدا تعالی نے جمیع مومنین صالحین سے وعدہ زمین کے مالک اور وارث ہونیکا اور زوال خوف کا کیا تھا نہ کسیکی خلافت کا سو خدا تعالی نے رسولخدا صلعم ہی کے زمانہ میں اپنی وعدہ کو وفا کیا جناب رسولخدا صلعم کی سعی سے کہ حضرت نے ترقی اسلام میں اور دفع کفار میں بڑی کوشش کی کہ بنفس نفیس خود ۲۲ جہادوں میں رونق افروز ہوکر بڑی تکلیفیں اٹھائیں یہانتک کہ جنگ احد میں دندان مبارک پتھر لگنے کے صدمہ سے

شہید ہوگئے اور بجز صبر اور شکر زبان نہ ہلائی اور اگر ہمراہی بھاگ جاتے تھے تو حضرت خود وہیں ڈٹے رہتے تھے ایسی ایسی جانکاہیوں سے اسلام کو بڑھایا اور گمراہوں کو راہ
راست پر لائے حضرت کی ان شفقتوں کا اور کوششوں کا اور حضرت کے احسانات کا کس سے شکر ہو سکتا ہے سو یہ نعمت عظمیٰ ایمان کی جو سب مومنین کو حاصل ہوئی ہے اور ترقی اسلام
کی اور زوال خوف وقوع میں آیا ہے تو جناب رسول خدا صلعم کے صدقہ سے حاصل ہوا ہے اور جن لوگوں نے ہمراہ حضرت کے ہوکر راہ خدا میں جہاد کئے ہیں اور جہادوں میں سے بھاگے نہیں ہیں
خواہ مہاجرین ہوں خواہ انصار۔ ہوں اُن لوگوں کا تو بڑا درجہ ہے کہ اُنہوں نے ترقی اسلام میں سعی کی ہے اور ان لوگوں کا بھی مسلمانوں پر بڑا احسان ہے کہ انکا جو کچھ شکر کریں
بہت تھوڑا ہے علی الخصوص حیدر کرار کہ جسکی تیغ سے کفار کو لرزہ ہوتا تھا اور اصل اصول ترقی اسلام جناب رسول خدا صلعم ہیں کہ اُنکی ذات بابرکات کا شکر سب مسلمانوں پر واجب
ہے سو اُنمیں جو قدر شناس ہیں اور عاقل سلیم الطبع ہوتے ہیں وہ خدمتگذاری اور شکر گذاری سے پیش آتے ہیں اور جو بد اصل اور ناقدر اور طالب دنیا ہوتے ہیں وہ شکر گزاری تو در کنار
اُلٹے اپنے آقائے نعمت اور وسیلہ راحت کے جڑ کاٹنے کے درپے ہوئے ہیں سو اس نعمت عظمیٰ نبوت کا حال بھی یہی ہوا کہ ہر چند جناب رسول خدا صلعم کی سعی کے صدقہ میں اور ضرب ذوالفقار حیدر
کرار کے طفیل سے اس زمانہ تک کے اہل اسلام کامیاب ہیں جسقدر دین کو وسعت اور شوکت ہوئی یا اب ہے حقیقت میں سب جناب رسول خدا صلعم کی جانکاہی اور حیدر کرار کی ورزش
مخلصین کے جہاد کا پھول پھل ہے جو کہ کفار کو قتل کرتے تھے اور جہاد سے نہ بھاگتے تھے لیکن صحابہ کے زمانہ سے لیکر آجتک جیسے اس نعمت کے شکر گزار ہیں ویسے ہی اُس زمانہ سے بلکہ حضرت کے مرض الموت
سے لیکر آجتک کافر نعمت بھی برابر چلی آتی ہیں مگر چونکہ علم الٰہی تو وقائع گزشتہ اور وقائع آئندہ کو برابر محیط ہے تو بطور اخبار بالغیب کے اُن کافران نعمت کی طرف بھی اشارہ کرنا ضرور
پڑا تاکہ رسول خدا صلعم کے اور مجاہدین کی بزرگی اور اُنکے ناشکروں کی برائی قرار واقعی ثابت ہوجائے اور اُنکا اور اُنکی ناشکروں کے مرتبہ کا حال بخوبی واضح ہوجائے اسیواسطے بعد
اتمام وعدہ اور ارشاد فرمایا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ فَأُولٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یعنی اور جو کہ ناشکری کریں بعد حاصل ہونے اُس غلبہ اسلام اور بدل دینے خوف کے امن سے اور پہنچ نعمت کو
نہ پہچانیں اور خدمتگاری اور اطاعت فرمان تو درکنار زبان سے شکر گزار تک نہوں بلکہ الٹی بدی سے پیش آئیں تو وہ اصل میں فاسق ہیں کہ کوئی فاسق اُنکی برابر نہیں اور یہ ظاہر
ہے کہ اس آیت کے مصداق بجز خلفاء ثلثہ اور نواصب اور خوارج اور قاتل حضرت امیر علیہ السلام اور کوئی معلوم نہیں ہوتا مگر چونکہ ابتداء ناشکری کی ابوبکر اور عمر سے ہوئی کہ
عمر نے تو بدلے شکر نعمت ایمان کے جناب رسول خدا صلعم کے ارشاد کو منسوب بہذیان کہکے رد کیا وہ ارشاد کہ جس میں ضلالت اور گمراہی سے نجات تھی اور اُس ارشاد کے رفع کرنے میں
باعث گمراہی بندگان خدا ہوئی اور ابوبکر نے عمر کو واسطے جلانے خانہ دختر نیک اختر رسول خدا صلعم کے امادہ کیا اور عمر آگ اور لکڑیاں ہمراہ لیکر واسطے جلانے اُس خانہ جنت آشیانہ کے
مع اُن آدمیوں کے کہ جو اُس گھر میں حضرت علی اور حسنین اور بنی ہاشم اور دیگر صحابہ کبار تھے جنہوں نے جہاد کرکے دین اسلام کو بڑھایا تھا اور غالب کیا تھا روانہ ہوئے اور
ابوبکر نے دروازہ فاطمہ زہرا کا توڑا جسکے سبب سے وقت مرنیکے افسوس کرتے تھے اور کہتے تھے کہ کاش میں دروازہ فاطمہ زہرا کا نہ کھولتا چنانچہ کنز العمال میں لکھا ہے سو اس
فسق میں جو اس ناشکری کا ثمرہ ہے یہ لوگ سب میں پیشرو ہوں گے اور بعد انکے معاویہ اور یزید وغیرہ بنی امیہ اور بنی عباس دشمنان آل رسول جو گذرے ہیں اُنہوں نے اُنکی
ہی پیروی میں آل رسول کو آزار پہنچایا ہے اور جسقدر اہل سنت ہیں انہوں نے اُنکی پیروی اور محبت میں جناب رسول خدا صلعم کی ناشکری یہ کی کہ جس شخص کے صدقے سے اور جسکی سعی سے
ایمان حاصل ہوا اور ترقی دین اسلام ہوئی اُسکے کنبہ سے تو چشم پوشی کی اور جو لائق شکر گذاری کے تھے اور کوئی کام اُنہوں نے شکر گزاری کا نکیا تھا اُنکی شکر گزاری کو فرض
جانا اور اُن ناشکروں کی ناشکری کو بُرا سمجھا اور اول میں جو اس نے لکھا ہے کہ خلافت چار یار ہی کے لئے تھی سو خلافت ثلثہ کی تو خلافت دنیا تھی جنکو خدا اور بلاکو خدا
کی سعی خدا کی اور رسول خدا صلعم کی بخشی ہوئی تھی کہ اُنہوں نے اُنکو خلیفہ نکیا تھا بلکہ لوگوں نے خلیفہ کیا تھا اور ثلثہ کے طفیل سے کوئی بہرہ ور نہیں ہوا ہے بلکہ اُنہوں نے
خود جہاد کئے ہیں اور اپنے جہادوں سے بہرہ ور ہوئے ہیں اور مہاجرین تنہا قریب نہیں ہیں بلکہ قریب مہاجرین اور انصار دونوں میں جنہوں نے راہ خدا میں جہاد کئے
ہیں نہ بھاگ جانیوالے جہادوں میں سے **قال الشیخ الاشعری** اور امیر معاویہ اور بعضے اور صحابہ گو مخالف حضرت امیر رضی اللہ عنہ رہے لیکن اُنکا بگڑنا ایسا تھا جیسا بھائیوں کا
بگڑنا کیونکہ وہ اور چاریار اس نعمت خلافت میں بمنزلہ امیر اور غریب بھائیوں کے ہیں کہ باوجودیکہ غریب امیر بھائی کے طفیلی ہوتے ہیں پھر اُس سے بگڑتے رہتے ہیں غرض شکر گذاری
برادرانہ کو ہر چند ایک دوسرے کا طفیلی ہو کفر نعمت نہیں سمجھا جاتا اُسکو عرف میں ناشکری نہیں کہتے ہیں اسیواسطے اگر ایک بھائی کو دنیا میں ثروت ہوجاتی ہے اور اُسکے اور بھائیوں کو
اُسکے طفیل سے ہمچشموں میں عزت اور گونہ ثروت حاصل ہوجائے تو خوبی سب کو تب ہے کہ وہ بھائی جسکے سبب طفیلی ہوتے ہیں اپنے اور بھائیوں سے بمنت اور حجت
پیش آیا کرے نہ غرور اور تکبر کیا کرے بلکہ اُسکے بھائی اگر اُلٹے تحکم کریں تو سب ہی مدارات سے پیش آئے اور مکافات کے درپے نہو اور نہ اُن سے انتقام لے بلکہ اگر کوئی شخص
اسکے متوسلوں میں سے اُن سے کسی قسم کی پرخاش کرے تو یہ سمجھاوے کہ میری بھائی ہے ہر چند مجھ سے منحرف ہیں پھر بھائی ہیں اور تم ہر چند دوست ہو پھر غیر ہو **اقول** امیر معاویہ
کا بگڑنا بھائیوں کا سا نہ تھا بلکہ وہ بگڑنا عداوت قلبی کی جہت سے تھا کہ معاویہ نے جگر گوشہ رسول زمن حضرت امام حسن کو زہر دلوایا اُنکی زوجہ جعدہ کو اغوا کرکے

چنانچہ استیعاب میں لکھا ہی اور قتادہ اور ابوبکر سے روایت کی ہی اور تذکرہ خواص الامۃ میں بھی یہی لکھا ہی اور شعبی سے روایت کی ہی اور نہ ہر اس وعدہ پر دلوایا کہ ایک لاکھ درہم تجھکو دونگا اور یزید سے تیرا نکاح کرونگا اور جب زہر دلواکر حضرت امام حسن کو شہید کروا چکا تو درہم تو دیئے اور نکاح یزید سے نکیا اور ایسے ہی تہذیب الکمال و مرآت الجنان وغیرہ میں لکھا ہی اور تاریخ خمیس اور حیوۃ الحیوان میں لکھا ہی کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کے مرنیکی خبر سنی تو تکبیر کہی اور اُسکی متابعت سے سب اہل شام نے تکبیریں کہیں اور معاویہ کو حضرت علی سے اسقدر عداوت تھی کہ ہمیشہ اُنکو گالیاں دیا کرتا تھا اور عمر بن عبدالعزیز کے زمانہ تک یہہ طریقہ بنی امیہ کا معاویہ کی پیروی سے جاری رہا یہانتک کہ عمر بن عبدالعزیز نے اُسکو موقوف کیا اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں جو کہ صحاح ستہ میں داخل ہی روایت کی ہی کہ معاویہ حج کرنیکو آیا اور سعد اُسکے پاس گیا اور ذکر حضرت علی کا ہوا تو معاویہ نے حضرت علی کو بدشنام یاد کیا اور سعد اُسوقت غضب میں ہوئے اور صحیح مسلم میں لکھا ہی اور عامر بن سعد سے روایت ہی کہ حکم کیا معاویہ نے سعد کو اور کہا کہ کونسی چیز مانع ہی تجھکو ابوتراب کی گالیاں دینے سے اور کتاب عقد ابن ربہ میں اور تذکرہ خواص الامۃ میں اور ریاض النضرۃ وغیرہ میں گالیاں دینا معاویہ کا علی کو اور بغض رکھنا اُس جناب سے لکھا ہی اور بعد اسکے ہم انشاء اللہ تعالی عثمان کے قتل ہونیکے ذکر میں مفصل لکھینگے یہ حال تھا معاویہ کا اور پھر لکھتا ہی یہ شیخ کہ معاویہ کا بگڑنا بھائیوں کا ساتھ کیا بھائی ایسے ہی ہوتے ہیں اور ایسا ہی کرتے ہیں جیسا کہ معاویہ کرتا تھا اور ابن حجر نے صواعق محرقہ میں ام سلمہ سے روایت کی ہی کہ فرمایا رسولخدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کہ من سب علیاً فقد سبنی یعنے جسنے علی کو گالی دی اُس نے مجھکو گالی دی یہ گالیاں دینی حضرت علی کو اور اُنکی اولاد کو قتل کروانا شکر رنجی باہمی اور ناز ہی اہل سنت کے نزدیک اگر یہی ناز ہی اور شکر رنجی برادرانہ ہی تو شیعہ تو کچھ گالیاں نہیں دیتے ہیں اور نہ کسیکو قتل کرتے ہیں اگر خلفاء ثلثہ پر لعنت کرتے ہیں تو کچھ مضایقہ نہیں ہے اور طفیلی کیسا کون ہی البتہ ابوبکر طفیلی حضرت عمر کے ہیں کہ اُنہوں نے بڑی سعی سے ابوبکر کو خلیفہ کیا اور مطعون خدا اور خلق خدا ہوئے اور بھائی ہونا کچھ کام نہیں آتا ہے جبتک کہ ایمان صحیح نرکھتا ہو اور خدا تعالی نے قرآن میں حضرت ہود اور حضرت شعیب کو بھی تو بھائی کافروں کا کہا ہے اس سے کیا ہوتا ہی اور معاویہ کے کفر میں کچھ شبہ نہیں ہی کہ رسولخدا صلعم نے اُسپر لعنت کی ہی چنانچہ تاریخ ابو الفدا اور زیادات بیہقی اور ربیع الابرار زمخشری میں لکھا ہی کہ ایک مرتبہ رسولخدا صلعم نے دیکھا کہ ابوسفیان گدہے پر سوار ہوا آتا ہی اور معاویہ اُس گدہے کو کھینچتا ہے اور یزید اُسکو ہانکتا ہی حضرت نے یہ دیکھکر فرمایا کہ لعنت کی ہی خدا نے سوار کو اور باگ کھینچنے والیکو اور گدہے کے ہانکنے والیکو تینوں کو اور امام رازی نے کتاب محصول میں لکھا ہی باب جرح اور تعدیل میں کہ معاویہ نے حضرت امام حسن کو اپنی مجلس میں طلب کیا وہ حاضر ہوئے تو ابوالعاص نے حضرت علی کا ذکر شروع کیا کہ علی ابوبکر کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جسوقت امام حسن کیطرف نوبت پہنچی تو اُنہوں نے فرمایا کہ ای معاویہ تجھکو یاد ہے کہ ایک روز باپ تیرا استر پر سوار ہوا جاتا تھا اور تو اُسکو کھینچتا تھا اور یزید اُسکو ہانکتا تھا رسولخدا صلعم نے تم تینوں پر لعنت کی اور ابن عباس نے بھی معاویہ پر لعنت کی ہی چنانچہ سنن بیہقی میں مذکور ہی کہ ابن عباس ایام حج میں عرفات میں تھے سعید سے پوچھا کہ لوگ تلبیہ کیوں نہیں پڑھتے ہیں کہا کہ معاویہ کے خوف سے ابن عباس اپنے خیمہ سے باہر نکلے اور تلبیہ کہنا شروع کیا اور کہا کہ خدا لعنت کرے اُسپر کہ جنہوں نے سنت کو علی کی بغض کی جہت سے ترک کیا اور ایسے ہی کنز العمال میں لکھا ہی کہ ابن عباس نے کہا کہ خدا لعنت کرے اُسکو کہ جسنے تلبیہ کو ترک کیا اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اگر معاویہ کو میرے منبر پر دیکھو تو قتل کرو اُسکو اور شہروں میں بھی یہ حکم کیا جاوی اور منبروں پر اُسپر لعنت کیجاوے چنانچہ تاریخ ابو الفدا میں لکھا ہی سو ایسے بھائی اور جو کچھ کہ بھائیوں کے مقدمہ میں لکھا ہی وہ ثلثہ کے بھائی ہیں نہ علی کے اور علی تو معاویہ کے ایسے بھائی تھے جیسے کہ کفار کے حضرت ہود اور شعیب بھائی تھے اور حضرت علی تو اُسکو لعنت کیا کرتے تھے چنانچہ بعد اسکے معلوم ہوگا **قال الشیخ الاشعری** القصۃ حق شناسو کا دستور یہی ہی کہ باہم کی شکر رنجیونکی وجہ سے یہہ گوارا نہیں ہوتا کہ غیر خاصکر اپنے غلام اُنکو ایذا پہنچائیں بلکہ خدا اگر کچھہ لیاقت دین یا دنیا کی دیتا ہی تو اُسکی جفا اُٹھاتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے ہیں بلکہ اُلٹے احسان کیا کرتے ہیں ہاں اگر اپنا نوکر یا غلام اُنکی اہانت یا ایذا کے درپے ہوتا ہی تو اُسکو البتہ سزا دیا کرتے ہیں یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ جب حضرت امیر رضی اللہ عنہ نے یہ سنا کہ اصحاب امیر معاویہ پر لعن طعن کرتے ہیں تو آپنے اپنے لشکریوں کو اُنکی لعن کرنے سے منع فرمایا چنانچہ شیعونکی معتبر کتابوں میں موجود ہی افسوس کہ شیعوں نے امیر معاویہ کی تقلید اختیار کی اور تبرا اپنا شیوہ بنایا حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا اتباع نکیا کہ کسیکو برا نکہیں مگر اُنکی کہاں نصیب جو حضرت امیر المومنین علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا اتباع اختیار کریں اس نعمت کے لایق سنی ہی تھے ۔ شہپر زاغ و زغن زیبای صید و قید نیست ؛ این کرامت ہمرہ شہباز و شاہین کردہ اند **اقول** ۔ بڑے قدر شناس اہل سنت کے نزدیک حضرت عمر تھے کہ جنہوں نے رسولخدا صلعم کی قدر شناسی کی کہ حضرت کے افعال پر اعتراض کرتے تھے اور نبوت میں حضرت کے شک کیا کرتے تھے اور مرض الموت میں حضرت کے ارشاد کو منسوب بہذیان کیا اور طرفین کے عداوت اور لعن طعن اور ارادہ قتل ایک کا دوسرے شکر رنجی پر محمول کرنا یہہ بھی کام اس شیخ ہی کا ہی کون عقل کا اندہا اسکو شکر رنجی کہیگا اور اپنی آقا کے دشمن کو جو کہ اُسکے قتل پر فوج کشی کرے اور اولاد کو اُسکے

قتل کروائی اور ہمیشہ اُس پر لعنت کرتا ہے لوگوں کو اُس پر لعنت کرنیکا حکم کرے اگر غلام اُسکی ایذا نہ پہونچے میں اور ہمیشہ اُسپر لعنت کرتے رہیں تو وہ غلام بڑی بیوفا اور نمک حرام ہیں اور جفا اُٹھانے اور جفا کی حوض میں احسان کرنا دشمنوں کے واسطے ہوتا ہے نہ اُن دشمنوں کے واسطے کہ جو خون کے پیاسے ہوں اور ہزاروں مومنین کا خون کروائیں اور خود ایمان سے بہرہ نرکھتے ہوں اور اگر ایسی دشمنوں کو آزار اپنے آقا کی حمایت میں پہونچا میں تو انعام اور اکرام کے مستحق اور لائق ہیں ایسے تو پایا جاتا ہے کہ آل رسول کے دشمنوں کو اور اُنکے حقوق کے غاصبوں کو پاک و صاف کریں ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا وہ تو اپنی سزا کو پہنچکے ہونگے تیرے بچانیسے وہ نجات نہیں پا سکتے اور حضرت علی نے اپنے لشکریوں کو معاویہ وغیرہ کی لعن کرنے سے ہرگز منع نہیں کیا ہے تو جھوٹ لکھتا ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی کر کے کہ دشنام دینے سے منع کیا ہے چنانچہ حضرت علی کا قول نہج البلاغت میں ہے۔ وقد سمع قوماً من اصحابه یسبون اهل الشام ایام حربهم بصفین انی اکره لکم ان تکونوا سبابین یعنی تحقیق سنا حضرت علی نے ایک قوم کو اپنی ہمراہیوں میں سے کہ گالیاں دیتے تھے اہل شام کو ایام جنگ صفین میں تو حضرت علی نے فرمایا کہ خبردار ہو کہ تحقیق میں مکروہ جانتا ہوں واسطے تمہارے کہ تم گالیاں دینے والے ہو جاؤ اور ابن ابی الحدید نے اس قول کی شرح میں لکھا ہے کہ السب الشتم والذی کرہ منهم انهم کانوا یشتمون اهل الشام ولم یکره منهم لعنهم ایاهم والبراءة منهم یعنی سب معنی دشنام ہے اور وہ چیز کہ مکروہ جانی تھی اُن سے یہ ہے کہ تحقیق وہ گالیاں دیتے تھے اہل شام کو اور مکروہ نہیں جانا تھا علی نے لعنت کرنے اُنکے کو اہل شام پر اور تبرا ہی کو اُن سے مکروہ جانا اور بعد اسکے تھوڑے سے فاصلے پر لکھا ہے کہ اگر کوئی کہے کہ ایسا سورت ہوا ان سب کی جو کہ امیر المومنین نے منع کیا تو اُسکے جواب میں ہم کہینگے کہ کانوا یشتمونهم بالآباء والامهات یعنی تھے کہ گالیاں دیتے تھے وہ ساتھ باپوں کے اور ماوں کے اُس سے منع کیا تھا لعنت کرنے سے اور اس لیے کہ وہ مستحق لعن کے نہیں ہیں بلکہ اس جہت سے بھی منع کیا ہو جیسے کہ خدا تعالیٰ کے قول میں ہے چنانچہ فرماتا ہے ولا تسبوا الذین یدعون من دون الله فیسبوا الله عدوا بغیر علم اور یہ قول بسبب عدم استحقاق لعن کے نہیں بلکہ اس سبب سے ہوسکتا ہے اور لعنت سے حضرت علی نے ہرگز منع کیا تھا بلکہ خود اُنہوں نے اُنپر لعنت کی ہے چنانچہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغت میں نصر کی کتاب سے لکھا ہے کان علی اذا صلی الغداة و المغرب و فرغ من الصلوة و سلم قال اللهم العن معاویة و عمرواً و ابا موسی و حبیب بن مسلمة و عبد الرحمن بن خالد و الضحاک بن قیس و الولید بن عقبة یعنی ایسا سب کرتے تھے علی کہ جس وقت نماز پڑھتے صبح اور مغرب کی اور فارغ ہوتے نماز سے اور سلام پھیر چکتے تو کہتے کہ اے خدا لعنت کر تو معاویہ پر اور عمرو عاص پر اور ابو موسی اشعری پر اور حبیب بن مسلم پر اور عبد الرحمن بن خالد پر اور ضحاک بن قیس پر اور ولید بن عقبہ پر اور مقصد اقصے میں لکھا ہے کہ بعد سے واقعہ تحکیم کے امیر المومنین علی نے فرمایا کہ خطبہ ہو میں پر معاویہ اور عمرو عاص اور ابو الاعور اسلمی اور حبیب بن مسلمہ فہری اور ضحاک بن قیس و ولید بن عقبہ اور عبد الرحمن اشعری پر جس وقت معاویہ کو خبر پہنچی تو وہ حضرت علی اور حسنین اور ابن عباس اور مالک اشتر کو نام لیکے لگایا حال تھا انکا اور یہ کہنا کہ ... لعنت کرنی شکایت پر دلالت کرتی ہے یا عداوت قلبی پر اور شیعہ لعنت کرنے میں وہ کی تقلید نہیں کرتے ہیں بلکہ خدا تعالیٰ کی اور رسول خدا اور علی مرتضیٰ کی تقلید کرتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے تو قرآن میں فرمایا ہے کہ یلعنهم الله و یلعنهم اللاعنون اور ابلیس کے حق میں فرمایا ہے ان علیک لعنتی الی یوم الدین اور منافقین اور فاسقین پر لعنت کی ہے اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جنگ بدر میں بعض تھا اور حسان وغیرہ نے عائشہ پر تہمت زنا کی لگائی تھی اور تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے کہ ان الذین یرمون المحصنات الغافلات المؤمنات لعنوا فی الدنیا والآخرة یہ آیت اُن لوگوں کے حق میں نازل ہوئی ہے خدا تعالیٰ نے اُنپر لعنت کی ہے کہ وہ سب مومنین ہیں اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم دعائے قنوت میں بعض مشرکین کا نام لیکر لعنت کرتے تھے اللهم العن فلانا و فلانا اور معاویہ پر لعنت کرنا حضرت کا ہم ربیع الابرار اور محصول امام رازی اور تاریخ ابو الفدا اور تالیفات بیہقی سے لکھ چکے ہیں اور حضرت علی کا معاویہ پر لعنت کرنا بھی گذرا ہے سو شیعہ خدا کے حکم کے اور رسول خدا اور علی مرتضیٰ کی تقلید سے لعنت کیتے ہیں اور اہل سنت جو لعنت نہیں کرتے ہیں انکو تقلید رسولخدا اور علی مرتضیٰ کی منظور نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** سبحان الله کیا کلام معجز نظام ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں رہا اصحاب کو وعدہ کیا اور انکے فضائل اشارة و صراحة بیان کر دیئے مگر ان صحابہ کی صدق جبرئیل ہے وہی کچھ اسطرح کہ دشمنان صحابہ پیچھے پکڑ لیکر پائو تک برطابق انکی تاویل کے گر بعید و نفی لاینکرون کی شئیاً ہو یا نہ ہو کفر کی چھپے بعد ذلک ہو تو پھر تاویل کرنیکی گنجایش رہتی کہ یہ سکتی کہ صحابہ بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمارے عقیدہ کے موافق مرتد ہو گئے تھے جو کفر سے وہی ہیں اور کفر سے کفر حقیقی مقصود ہی کفران نعمت مراد نہیں مگر خدا نے کہیں کوئی بات رہ سکے ہی اہل فہم تو پہلے ہی سمجھتے تھے کہ ایسا ایمان اور عمل ... جو خدا کرم کے ... استحان میں عمدہ نکلے یہانتک کہ ... انعام سے مبدل بکفر نہیں ہو سکتا ایسا ایمان اور عمل صالح بجز اُن لوگوں کے ہیتہ نہیں ہے جنکے حق میں شیطان نے یوں کہے الا عبادک منهم المخلصین یعنی ای خدا میں سب کو گمراہ کرونگا سوا تیرے چنے بندوں کے اور خداوند کریم کا یوں ارشاد ہوا ان عبادی لیس لک علیهم سلطان یعنی اے ابلیس پھر جو کامل اور چنے بندے ہیں اُنپر تیرا قابو نہیں ملکہ کلام اللہ سے تو یوں ثابت ہوتا ہے کہ مخلصین یعنی چنے ہوئے مومنوں کا گناہوں سے محفوظ ہونا یا معصوم ہونا

لازم ہے کیونکہ آیت لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوءَ وَالْفَحْشَاءَ إِنَّهُ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِينَ میں حضرت یوسف علیہ السلام کے گناہوں سے بچا دینے اور بچے رہنے کی وجہ یہی فرمائی کہ وہ مخلصین میں سے تھے پھر جب خلفاء اربعہ جنکا مخلصین میں سے ہونا ابھی عرض ہوا محفوظ یا معصوم ہوئے تو پھر مصداق ومن کفر کیونکر ہو سکیں گے **اقول** بے شک کلام خدا کا کلام معجز نظام ہے کہ کوئی دقیقہ باقی نہیں چھوڑا کہ اپنے علم ازلی سے جو جانتا تھا کہ بعضے آدمی ان لوگوں میں سے کہ جن سے ہمنے وعدہ کیا ہے بعد ایفاء وعدہ کے اپنے ایمان صحیح سے پھر جائیں گے اسواسطے آخر میں اس آیت کے اسقدر اور زیادہ کیا کہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَاسِقُونَ یعنی اور جو لوگ کہ کفر کریں بعد اس نعمت ایفاء وعدہ کے کہ وہ تمکین دین اور زوال خوف ہے تو پس وہ لوگ ہی بدکار حکم خدا سے باہر ہو جانیوالے ہیں اور ایسا ہی ہوا بعد رسولخدا صلعم کے بعضے صحابہ مرتد ہو گئے چنانچہ صحیح بخاری وغیرہ کتب اہل سنت میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ قیامت کے روز ملائکہ کچھ آدمیوں کو حوض کوثر پر سے ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائیں گے تو میں کہونگا کہ انکو کہاں لئے جاتے ہو یہ تو میرے اصحاب ہیں اسوقت ملائکہ میرے جواب میں کہیں گے کہ انك لا تدری ما احدثوا بعدك ولن یزالوا مرتدین علی اعقابہم منذ فارقتہم یعنی نہیں جانتا ہے تو کہ جو کچھ احداث کیا ہے انہوں نے دین میں بعد تیرے اور ہمیشہ سے ہیں پھر جانیوالے اوپر پاشنوں اپنی کے اور مرتد ہو گئے ہیں جب سے کہ مفارقت کی ہے تو نے ان سے اور جامع الاصول وغیرہ میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے شہداء احد کے مقدمہ میں فرمایا کہ انکا انجام بہت اچھا ہوا تو ابوبکر نے کہا کہ یا رسول خدا کیا ہم انکے بھائی نہیں ہیں کہ مثل انکی ایمان لائے اور جہاد کیا حضرت نے فرمایا کہ ما ادری ما تحدثون بعدی یعنی نہیں جانتا میں کیا احداث دین میں کرو گے تم بعد میرے ابوبکر یہہ سنکر روئے اور کہا کہ بعد تیرے ہم البتہ ایسے ہی ہونیوالے ہیں یا رسولخدا اور ہمارے نزدیک تو یہ آیت جناب رسولخدا اور انکی اہل بیت کی شان میں ہے کہ خداتعالی انکو تمکین کامل عطا کریگا کہ تمام روی زمین پر انکا تسلط ہو جائیگا اور کسی طرح کا خوف باقی نہ رہیگا اور سوای خدا کے کوئی کسیکی عبادت نکریگا اور نہ کوئی شرک کریگا اور مصداق اسکا امام مہدی علیہ السلام کا زمانہ ہے اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ خداتعالی کہ جو ہر امر پر قادر ہے تھوڑیسی زمین کی تمکین اور زوال خوف کا وعدہ کرے تھوڑیسی زمین پر تو اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے بھی تمکین اور زوال خوف تھا لیکن بعد اسکے کچھ اور تمکین بڑھ گئی مگر ناقص ہی رہی اور ابتک ناقص ہے اور اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے کیا عبادت خدا کی مسلمان نہیں کرتے تھے بلکہ پہلے اس سے بھی عبادت خدا ہی کی کرتے تھے اور شرک بھی نہیں کرتے تھے اس وعدہ کا کیا فائدہ ہوا کہ جو امر پہلے سے حاصل تھا اسکا وعدہ خدا کرتا ہے سو موافق مذہب اہل سنت کے معنی اس آیت کے درست ہو ہی نہیں سکتے اور اگر موافق اہل سنت کے کہیں تب بھی ہمارا مطلب ثابت ہے کہ صحابہ سے وعدہ تمکین دین اور زوال خوف کیا تو رسولخدا ہی کے زمانہ میں اسکا ایفا کیا اور فضیلت صحابہ کی کوئی بیان نہیں کی ہے اور نہ منکران صحابہ کے حق میں کچھ بیان کیا ہے اور وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ جو بعد اسکے ہے وہ ان لوگوں ہی کے حق میں ہے کہ جن سے وعدہ کر کے ایفاء وعدہ کیا اور دشمنان صحابہ کا تو اس آیت میں ذکر ہی نہیں ہے نہ صراحۃً نہ کنایۃً اور جسوقت کہ سب بعد وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ آیا تو يَعْبُدُونَنِي لَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کا حاصل بھی اسنے دکھا دیا اسواسطے کہ گو وہ لوگ عبادت خدا کی کرینگے اور شرک نہ کرینگے لیکن جسوقت مرتد ہو جائیں گے یا کفران نعمت کرینگے تو وہی فاسق اور بدکار ہیں اور ان لوگوں ہی کیطرف خداتعالی خطاب کر کے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولَٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولَٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور دوسری آیت میں فرماتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَسَوْفَ يَأْتِي اللَّهُ الخ سو خداتعالی کا فرمانا عبث تو ہے ہی نہیں اپنے علم سے جانتا تھا کہ ان میں سے مرتد بھی ہو جائیں گے اسواسطے فرمایا اور تاویل ہمنے کسی طرح سے نہیں کی ہے اس آیت کے ظاہر معنی ہی سے ہمارا مطلب ثابت ہے اور تاویل تو کرتا ہے کہ باوجودیکہ اشارہ ذلک کا ایفای وعدہ یعنی تمکین دین اور زوال خوف کی طرف ہے اور کفر کرنیوالا عام ہے جو کوئی کہ ہو اور تو تاویل کر کے منکران صحابہ کیطرف لیجاتا ہے اور مرتد ہو جانا بعضے صحابہ کا فریقین کی کتابوں سے ثابت ہے اور من کفر سے مراد بیشک وہی مومنین صالحین ہیں اگر بعد اسکے مرتد ہو جائیں یا کفران نعمت کریں اور بے شک خدا سے کوئی بات نہیں رہی ہے انمیں سے بعضونکے مرتد ہو جانیکی طرف بھی اشارہ کر دیا اور ایمان اور عمل صالح بیشک خدا کو پسند ہے اگر ہمیشہ باقی رہے لیکن خداتعالی نے یہہ نہیں فرمایا ہے کہ تمکین دین کی دینگے تو تمہارا ایمان بھی ہم قائم اور باقی رکھینگے بلکہ یہہ فرمایا ہے کہ اگر تم بعد اسکے مرتد ہو جاؤ گے تو تمہاری برابر کوئی فاسق نہیں ہے اور جو لوگ کہ مرتد ہو گئے ہیں انکا ایمان جسوقت کہ وہ مومن تھے تو البتہ خدا کو پسند تھا اور جب مرتد ہو گئے تو پھر کاہیکو پسند ہوگا اور نہ امتحان میں وہ لوگ عمدہ نکلے کہ جہادوں میں سے بھاگتے تھے اور نبوت میں پیغمبر کے شک کرتے رہتے تھے اور انعام حقیقت میں ان لوگوں کو ملا ہے کہ جنہوں نے ڈٹ کر جہاد کئے ہیں اور کفار کو قتل کر کے اسلام کو غالب کیا ہے اور بھگوڑوں کو یہہ انعام انکے طفیل سے ملا ہے کہ جب شیر شکار کرتا ہے تو اسکا بچا ہوا گیدڑ اور لومڑی کے بھی حصہ میں آجاتا ہے سو انکو یہ انعام بالعرض تھا ایسے آدمیوں کا ایمان مبدل بکفر ہو جائے تو بعید نہیں ہے اور مخلصین میں سے کبھی وہی آدمی تھے کہ اپنی جان کا لحاظ راہ خدا میں نکر کے کفار کے دلوں میں گھس جاتے تھے اور خوب تلوار کرتے تھے اور جو لوگ کہ

کہ جان کو اپنی چراتے تھے جہاد کرنے سے اور کفار کے خوف سے بھاگتے پھرتے تھے وہ مخلصین میں سے کیسے ہو جائیں گے تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے تو بے دلیل اگر ثلثہ کا مرتبہ
پیغمبر خدا سے زیادہ کہدے تو تیرے کہنے سے کیا ہوتا ہے اور ثلثہ ہرگز چھنٹے ہوئے بندوں میں سے نہ تھے بلکہ مثل اور مومنین کے ایمان بھی انکا صحیح نہ تھا چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں
چہ جائیکہ مومنین مخلصین میں سے ہونا اور پھر حضرت یوسف علیہ السلام کے رتبہ کو پہنچانا اور مخلصین کو گناہوں سے محفوظ یا معصوم ہونا البتہ لازم ہے اور قرآن سے
بھی ثابت ہے لیکن ثلثہ مخلصین کیا بلکہ ایسے فاسقین میں سے تھے کہ نجات انکی دشوار ہے اور جب کہ وہ مخلصین میں سے نہ ہو تو بیشک مصداق ومن کفر بعد ذلک کے ہونگے
قال الشیخ الاشعری اسکے بعد جو لوگ کچھ قلیل الفہم رکھتے ہیں انکے لئے وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ پڑھا یا تاصحابہ کی بنسبت اپنی زبان ودل کو آلودہ
گستاخی نکریں اور انکی لعنت کی سزا میں ہماری لعنت کے مستحق نہوں لیکن اغبیا اور جہال کے سمجھانیکے لیے بھی کوئی بات ضرور چاہیئے تھی جملہ يَعْبُدُونَنِي کا
يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا زیادہ فرمایا کہ احتمال ارتداد بھی باقی نرہی اور بسبب اپنی تیرہ درونی اور کم فہمی کے اپنی ہجو کو جو ومن کفر سے شروع ہے صحابہ کے اوپر مطابق نکرنے لگیں واقعی
يَعْبُدُونَنِي کا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا نے احتمال ارتداد کو جو بفرض محال پیش آتا تھا بیخ و بنیاد سے اکھاڑ دیا کیونکہ اس میں انکی آخر حال تک خبر دیدی سو جو کچھ خداوند کریم
نے ارشاد فرمایا وہ سب خلفاء اربعہ میں بوجہ اتم ظہور میں آیا یہانتک کہ شیعہ بھی اس بات کے قائل ہیں کہ خلفاء ثلثہ خصوصاً حضرت عمر ظاہر شریعت کی پاسداری
اور ترویج دین اور زہد و تقوی کی رعایت بہت کرتے تھے چنانچہ شریف مرتضی نے تنزیہ الانبیاء والائمہ میں بلکہ اور علماء نے بھی اسبات کو واضح لکھا ہے اگرچہ اپنی بدی
باز نہیں آئے اور موافق مثل مشہور المریقیس علی نفسہ کی وجہ اسکی یہ تراشی ہے کہ یہ سب لوگوں کے دکھانیکو تھا لیکن جملہ یعبدونی اور نیز اس جملہ کا ماقبل جب انکے اخلاص
پر دلالت کرے تو پھر موافق مثل مشہور الرافضی فوارہ لعنت از وی خیزد و بروی ریزد یہ برائی اور بدگوئی انہیں کے سر رہے گی معہذا لفظ ذلک نے امامیہ کا منہ بالکل ہی
دیا کیونکہ اگر بالفرض بفرض محال خلفاء ثلثہ بعد وفات رسول اللہ صلعم مرتد بھی ہوے تو نعوذ باللہ خدا نے اتنا بھی نہ سمجھا جیسے شیعہ سمجھے چاہیئے تھا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ
وَفَاتِ النَّبِيِّ صلعم کہتا اور کہدیا وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ جس سے دروغگوئی کی تہمت اپنے ذمہ لگی اور اگر ومن کفر بعد ذلک بجاے خود ہے تو شیعوں
کے مفید مطلب نہیں بلکہ مضر ہے کیونکہ اگر ومن کفر سے اصحاب ثلثہ ہی مثلاً مراد ہیں تو انکا کفر بعد اتمام نعمت موعودہ ہونا چاہیئے تو اس صورت میں انکار امامت حضرت علی
رضی اللہ عنہ سے جو شیعوں کے نزدیک بمجرد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ خصوصاً خلفاء ثلثہ سے ظہور میں آیا کفر لازم نہ آوے سو اول تو یہ شیعوں کا گھر ہی ڈھا یا
ڈہ جائیگا کہ انکار امامت اور انکار رسالت دونوں سے آدمی کافر ہو جاتا ہے دوسرے خلفاء ثلثہ کے استحقاق خلافت کے انکار سے جو اس آیت سے ثابت ہے تا خود کافر بنا پڑیگا
خیر اس صورت میں ہمیں بھی شکایت نہیں **ہ** شادم کہ از رقیباں دامن کشاں گذشتی ؎ گو مشت خاک ما ہم برباد رفتہ باشد ؎ **اقول** مراد خدا تعالی کی بموجب
تحریر مفسرین اہل سنت وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الخ سے یہ ہے کہ دین کل مومنین صالحین کا کہ جو دین اسلام ہے اسکو تمکین ہم بخشیں گے سو خدا تعالی نے جناب رسول خدا
صلعم کے ہی زمانہ میں بشجاعت اصحاب ابرار علی الخصوص بضرب ذوالفقار حیدر کرار سے تمکین دین بخشی لیکن بعد اسکے جو بعضے ایمان صحیح پر قائم نرہی انپر موجب
حکم خدا لعنت ہوتی ہے اور ایمان سے پھر جانیوالوں پر زبان مومنین کے لعنت کرنے سے کیونکہ بند ہو کہ موجب حکم خدا ہے اور تمکین دین کو یہ لازم نہیں ہے کہ انمیں
سے کوئی اپنے ایمان کو تباہ نکرے آخر انکو خدا ہی خطاب کر کے فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور جو کوئی کہ ایمان سے پھر جانیوالوں پر لعنت کرتا ہے وہ اپنے دین
کو برباد نہیں کرتا ہے بلکہ ثواب حاصل کرتا ہے اور جملہ يَعْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا اگر پڑھایا تو بعد اسکے واسطے سمجھانے اغبیاء اور جہال کے جملہ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ بھی زیادہ
فرمایا تاکہ احتمال ارتداد کا باقی رہے اور وہ جہال بسبب اپنی تیرہ درونی اور کم فہمی کے خلفاء ثلثہ کے ہجو کو جو ومن کفر سے شروع ہے انپر مطابق ہونے سے انکار نکرنے لگیں
واقعی يَعْبُدُونَنِي وَلَا يُشْرِكُونَ بِي شَيْئًا کے بعد جو وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَٰلِكَ آیا تو اس نے احتمال ارتداد کو کہ جو ہونیوالا تھا قایم اور استوار کر دیا کیونکہ انکے آخر حال تک کی خبر دیدی
سو جو کچھ خداوند کریم نے ارشاد فرمایا وہ سب خلفاء ثلثہ کے حال میں بوجہ اتم ظہور میں آیا کہ وہ بعد اسکے ایمان صحیح پر قایم نرہے اور خلفاء ثلثہ شیعوں کے نزدیک ظاہر شریعت
پر بھی قائم نہیں رہے کہ جہلا تھے اور بالفرض لوگوں کے سہارے سے کچھ شریعت پر چلتے بھی تھے سوائے عثمان کے اور اپنی ترقی ریاست کے لئے ترویج دین بھی کرتے تھے تو اس سے
کیا ہوتا ہے کہ اہل بیت رسول کے گلے پر تو چھری پھیر چکے تھے اور یہ ترویج دین تو انکی سب ترقی ریاست کے لئے تھی کہ مسلمان تو جہاد کر کے دین کو بڑھاتے تھے
اور انکی ریاست مفت میں ترقی پکڑتے تھے اور یہ زہد اور تقوی انکا محض واسطے ریا اور دام میں لانے مسلمانوں کے تھا اگر ایسا نکرتے تو انکی اطاعت کون کرتا علی الخصوص
حضرت عمر کہ انکا حال ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور یہی بانی مبانی کل مفاسد کے بھی تھے اور ہمارے علماء نے جو کچھ تحریر فرمایا ہے وہ واقعی ہے اور درست ہے اور بدی شعار علماء اہل سنت
کا ہے کہ اہل بیت رسول مقبول کے غاصبان حقوق کے اصلاح میں بے سروپا بکتے ہیں اور دوستان اہل بیت سے بدی کیساتھ پیش آتے ہیں اور خود جو بد ہیں تو اچھے

بھی انکو موجب الیقین علی نفسہ بدتی دکھلائی دیتے ہیں لیکن آیت وعد اللہ الذین میں سب کے بعد جو ومن کفر بعد ذلک آیا تو سب کے اخلاص کا یقین جاتا رہا اور
بعضوں میں احتمال ارتداد کا بھی پایا گیا اور بعد اسکے ایمان صحیح بعد حیات ثلثہ کا ثابت ہوا تو الثلثہ فوارہ لعنت از ایشاں می خیزد و بر ایشاں می ریزد یہ لعنت اُنھی پر
سے رہے اور لفظ بعد ذلک نے تو امامیہ کا مونہہ کہول دیا اور اہل سنت کا مونہہ سی دیا کہ یعبدوننی لا یشرکون بی شیئا کے بعد جو یہ لفظ آیا تو اہل سنت کی ٹانگیں ٹوٹ گئیں
کچہ دم نہیں مار سکتے کہ اس میں سے احتمال بعضی صحابہ کے مرتد ہو جانیکا پایا گیا اور یہ امر محال نہیں ہے لیکن تو واقعی اور ممکن کو بھی محال کہتا ہے اور خدا تعالی خوب سمجہتا ہوا
ہے اور شیعہ بھی موافق مراد خدا تعالی ہی کے کہتے ہیں ورنہ خدا تعالی کو ومن کفر بعد وفات النبی صلعم کے کہنے کی کیا احتیاج تہی اُس نے تو بعد ذلک کہہ یا یعنی بعد تمکین
دین اور زوال خوف کے جو کوئی کہ کفر کرے اور تمکین دین رسول خدا صلعم کی زمانہ میں ہو چکی تہی سو اُسکے بعد جناب رسول خدا صلعم کی مرض الموت ہی سے ارتداد شروع ہوا
کہ حضرت کے ارشاد کو لوگوں نے ہذیان قرار دیا اور بعد وفات حضرت کے تو جو کچہ ظلم اہل بیت علیہم السلام پر ہوا وہ فریقین کی کتابوں میں لکھی ہیں اور بعد تمکین دین
ہی کے یہہ سب کچہ ہوا ہے جسکی طرف اشارہ بعد ذلک میں ہے اور یہ غلوئی کا اس میں تم جی نہیں ہے لیکن تجہ جنبی ہی کی سمجہ میں نہ آئے تو کوئی کیا کرے یا دیدہ و دانستہ
تو حق پوشیدہ کرتا ہے اور ومن کفر بعد ذلک بجای خود ہی اور شیعوں کو اُس سے کچہ ضرر نہیں بلکہ بڑا فائدہ تو شیعوں کا اُسی کے مذکور ہونے سے ہے اور مراد اُس سے خلفاء ثلثہ
اسواسطے ہیں کہ ارتداد انکا بعد اتمام نعمت و غیرہ ہی کی وجہ اس لئے کہ وہ نعمت رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں تمام ہو گئی تہی کہ خدا تعالی نے وعدہ اپنا حضرت ہی کے زمانہ
میں فعل کر دیا تہا اور اسلام کا غلبہ ہو گیا تہا اور خدا تعالی اُس نعمت کے وفا ہونے سے خبر دیتا ہے کہ الیوم اکملت لکم دینکم و اتممت علیکم نعمتی چنانچہ اس آیت کی تفسیر میں
بیضاوی میں لکہا ہے کہ غلبہ اسلام کا اس سے مراد ہے سو وہ نعمت تو حضرت ہی کے زمانہ میں تمام ہو گئی تہی اور بعد اسکے پہر تو روز بروز ترقی ہوتی ہی تہی یہانتک کہ معاویہ اور
یزید کے زمانہ میں تو سب سے زیادہ ترقی ہوئی اور جب رسول خدا صلعم ہی کے زمانہ میں تمکین دین حاصل ہو گئی تو واقع تحریر مفسرین اہل سنت کے تو بعد اسکے انکار امامت علی بن
ابیطالب علیہ السلام البتہ موجب ضلالت و ارتداد ہے اور انکار خلافت ثلثہ میں کوئی قباحت نہیں لازم آتی اور یہی مرتبہ پہلے اسی سے ہم لکہ چکے ہیں خلافت ثلثہ وغیرہ
کیسیکی اس آیت سے ثابت نہیں ہے کہ اگر استخلاف سے مراد خلافت رسول خدا صلعم مراد ہو تو چاہئے کہ سب مومنین صالحین خلفاء ہو جاویں اور یہی مطلب اکثر مفسرین نے بیان کیا
ہے جیسے کہ صاحب کشاف و بیضاوی اور مدارک لکہتے ہیں اور تفسیر حسن تعبیر یہ میں معنی آیت کے موافق مطلب تمہارے حاصل نہیں ہو سکتے چنانچہ پہلے اسی سے مرتبہ ہم لکہ چکے اور تمہاری
جعل سازیوں کو باطل کر چکے ہیں تو رقیب حیلہ گر جعل ساز کیسا ہے بڑے ہی دل کو وسیع تو نے پہلا ہے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ یہہ بھی ہے اور صحیح کیوں ہو
سیاق ہی کہتا ہے کہ مصداق ومن کفر اعداء خلفاء ہیں خلفاء نہیں ہو سکتے اور اضرب کفران نعمت مراد ہے کفر حقیقی نہیں اگر تکلف ہو سکے لہذا اسوقت یہ ہو جائیگا
کہ جو شخص ایسی ایسی امداد ہیں خدا کی طرف سے بہ نسبت دین محمدی کے دیکہیں اور جبہی کفر ہی اختیار کرے تو وہ اعلی فاسق ہے بیان اس سے یہ تقاضا ہے کفران نعمت ہی
مراد ہوا کرتا ہے کفر حقیقی کا موقع نہیں ہے تمام غرض صحیح ہی ہے ومن کفر سے مصداق اعداء خلفاء ہیں لیکن ہم نے عنایت کی تہی کہ کفران نعمت مراد رکہا وہ اس کم سمجہ
ناخوش ہیں تو اس کہاٹی کو پورا کریں اور اپنی آپکو کافر حقیقی ہی سمجہیں رضا می ما بہ آن است کا ہے رضا می شماتت **اقول** جو کچہ کہ تو کہتا ہے وہ ہرگز صحیح نہیں ہے
اور کسی مفسر نے یہہ لکہا ہے اور اعداء خلفاء کو اس سے کیا تعلق ہے اول تو کسیکی خلافت ہی اس سے ثابت نہیں اور دوسرے یہہ کہ خدا تعالی تو یہ فرماتا ہے کہ باوجود دیکہنے اس ایفای
وعدہ کے کہ وہ غلبہ اسلام اور تمکین دین اور زوال خوف ہے ہر کافر ہو جاوے تو وہ بڑا فاسق ہے سو وہ اشارہ اُن لوگوں ہی کیطرف ہے کہ جن سے وعدہ کر کے ایفاء وعدہ کیا اور
یہہ نعمت انکو عطا کی اور کم سے کم یہہ ہو گا کہ علی العموم سب مومنین مراد ہوں گے پہلے تو یہ مطلب ہی اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ زمانہ رسول خدا صلعم کے مومنین اس سے خارج
ہو جاویں کہ انکی تو کوئی وجہ ہی نہیں ہے اور کفر سے مراد کفران نعمت ہی سہی تم اسکو تسلیم کر لو کہ ہمارا تو پہر بہی کہیں نہیں گیا اور ثلثہ کی کفران نعمت کے قائل ہو جاؤ
دا انہوں نے ایسی نعمت کی ناشکری کر کے ارتداد کو اختیار کیا اور معنی صحیح اور واضح آیت کے یہی ہیں کہ ومن کفر سے اشارہ طرف اُن لوگوں کے ہے کہ اول جنکو وہ نعمت
خدا تعالی نے عطا کی ہے اور خواہ تم کفر حقیقی مراد لو خواہ کفران نعمت ثلثہ وغیرہ ہی کیطرف راجع ہو گا اور اعداء خلفاء کو تو یہاں کچہ علاقہ ہی نہیں ہے اور اگر تم خلفاء
ثلثہ کے حق میں کفر حقیقی کو تسلیم نہیں کرتے ہو بلکہ کفران نعمت کو کہہ سکتے ہو تو ہم اس میں بھی راضی ہیں رضا ہای ما بہ آنست کان رضای شماست **قال الشیخ
الاشعری** یہاں پہونچکر شاید بعضی شیعہ مذہب اس حجت کو ہیں کہتے مانا اصحاب ثلثہ خلیفہ برحق اور اپنے اپنے زمانہ میں افضل الناس تہے لیکن بعد اُنکے
سب حضرت علی مرتضی رضی اللہ عنہ کا وقت آیا تو اسوقت موافق اشارات آیت وعد اللہ الخ کے وہ افضل الناس اور خلیفہ برحق ہوں چنانچہ سادات کے سنی بہی معتقد
ہیں تو اس صورت میں ہماری سمجہ میں نہیں آیا کہ اُنکے مخالف ہیں یہہ مقبولان بارگاہ الہی ہوں حالانکہ اہل سنت سب صحابہ کی خواہ اُنہوں نے حضرت امیر رضی اللہ عنہ

مخالفت کی یا نہ کی معتقد ہیں خصوصاً طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہما اور حضرت عائشہ کو مبشر فی الجنۃ ہی جانتے ہیں لازم ہے کہ کلام اللہ کی شہادت ان بزرگوں کے لئے ادا کیجائے اور منشاء غلطی حضرات شیعہ کا بیان کیا جائے **اقول** شیعوں میں سے ایسی حجت بیہودہ کوئی نہیں کرتا ہے اور نہ کوئی ثلاثہ کو خلفاء برحق جانتا ہے اور نہ کوئی ایسے جاہلوں کو افضل الناس سمجھتا ہے اور نہ شیعہ حضرت علیؑ کو موافق اشارات آیت وعداللہ الخ کے افضل الناس اور خلیفہ جانتے ہیں بلکہ انکو تو شیعہ بموجب حکم آیہ یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ الخ کے خلیفہ جانتے ہیں کہ اس تاکید سے جو رسولخدا صلعم کو حضرت علیؑ کی خلیفہ کرنیکا حکم آیا تو حضرت نے علیؑ کو خم غدیر پر خلیفہ کیا اور مخالفین حضرت علیؑ کے مقبولان بارگاہ الٰہی اسواسطے نہیں ہوسکتے کہ وہ حضرت علیؑ سے عداوت رکھتے تھے اور کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ یَا عَلِیُّ لَا یُبْغِضُکَ اِلَّا مُنَافِقٌ یعنی اے علی نہیں دشمنی رکھتا ہے تجھ سے مگر منافق اور بی بی عائشہ حضرت علیؑ سے عداوت رکھتی تھیں اور علیؑ کے قتل کرنے کو فوج بہم پہنچائی تھی اور طلحہ اور زبیر نے حضرت علیؑ کی بیعت توڑ کر انکے مقابلہ میں قتل کرنے کو انکے لوگ جمع کئے اور عائشہ کا حال سنئے کہ اسقدر عائشہ کو عداوت تھی علیؑ سے کہ علی کا نام زبان پر نہیں جاری کرتی تھی مسند احمد بن حنبل میں لکھا ہے کہ عائشہ سے روایت ہے اور وہ کہتی ہے کہ رسولخدا صلعم میمونہ کے گھر میں بیمار ہوا اور میں سب بیبیوں سے حضرت کی اجازت لیکر حضرت کو اپنی گھر میں لیگئی اسوقت ایک ہاتھ حضرت کا حضرت عباس کے شانہ پر تھا اور دوسرا ہاتھ ایک مرد کے شانہ پر تھا اور ابن عباس سے روایت کرتے ہیں کہ ابن عباس نے اُس شخص سے کہ جس نے انکو اسکی خبر دی تھی پوچھا کہ تو نے جانا کہ وہ دوسرا جسکو عائشہ نے مرد کہا اور نام اسکا نہ لیا وہ کون تھا وہ علی بن ابیطالب تھا عائشہ کو خوش نہیں معلوم ہوتا تھا علیؑ کا نام لینا اور فتح الباری شرح بخاری میں لکھا ہے اور اسمعیل سے روایت ہے کہ اِنَّ عَائِشَةَ لَا تَطِیْبُ نَفْسًا اَنْ تَذْکُرَہٗ بِخَیْرٍ یعنی عائشہ کو خوش نہیں معلوم ہوتا تھا علیؑ کا ذکر خیر کے ساتھ کرنا اور استیعاب میں ترجمۂ رفاعہ بن رافع میں لکھا ہے کہ طلحہ اور زبیر جو نکلے طرف جنگ جمل کے تو ام الفضل بنت حارث نے حضرت علیؑ کو لکھا اور خبر کی انکے نکلنے سے پہلے تو حضرت علیؑ نے یہ سنکر بیان کیا کہ بعد رسولخدا صلعم کے خلافت کا حق میرا تھا اور بعد اسکے طلحہ اور زبیر کے حق میں بددعا کی کہ انہوں نے مسلمانوں کو قتل کروایا ہے اور کتاب عقد ابن عبد ربہ میں لکھا ہے کہ حضرت علیؑ نے جنگ جمل میں طلحہ پر لعنت کی ہے اس سبب سے بمتابعت علی ہم انکو اچھا نہیں جانتے ہیں اور اہل سنت تو سب مؤذیان و قاتلان آل نبی کو اچھا اور مؤمن کامل جانتے ہیں چنانچہ امام غزالی اور ملا علی قاری نے یزید وغیرہ کے باب میں لکھا ہے اور ابو شکور نے حاشیہ شرح عقائد نسفی میں تو یہ لکھا ہے کہ حسین بن علیؑ پر اطاعت یزید کی واجب تھی کہ جسکو اُس شخص نے یعنی معاویہ نے خلیفہ کیا تھا کہ جسکے مطیع سب صحابہ رسولخدا صلعم تھے اور یزید قابل رحم ہے اسکے واسطے استغفار کرنا چاہئے اور اُسپر درود بھیجنا چاہئے سو یہ اہل سنت ہی کو زیب دیتا ہے کہ وہ دشمنان آل رسول کو دوست ہیں اور کلام اللہ میں کوئی شہادت ان لوگوں کی بزرگی کی نہیں ہے جنکی تو بزرگی کلام اللہ سے ثابت کرتا ہے اور شیعہ ہرگز غلطی پر نہیں ہیں اور جو کچھ تو بیان کریگا وہ سب غلط ہے **قال الشیخ الاشعری** سورہ فتح میں خداوندکریم رسول اللہ صلعم اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے باب میں یوں ارشاد فرماتا ہے مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ ۚ وَالَّذِیْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا ۖ سِیْمَاهُمْ فِیْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ حاصل اس آیت کا یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم رسول ہیں ساحر کاہن نہیں اور انکے ہمراہی کافروں پر تو بڑے سخت اور تند اور ایک دوسرے کے ساتھ نرم اور ایک دوسرے کا دوست تو انہیں دیکھے تو رکوع میں جھکے ہوئے سجدے میں پڑے ہوئے اللہ کے فضل اور اسکی رضامندی کی غرض ہے انکے چہروں میں علامتیں موجود ہیں سجدے کے اثر سے یہانتک آیت کے معنوں کا بیان تھا **اقول** ہم نے بھی تسلیم کیا کہ اس آیت کے یہی معانی ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب سمجھدار کی سمجھ کہ اول جناب باری تعالیٰ نے جناب پیغمبر خدا صلعم کی تعریف فرمائی بعد میں صحابہ کی تو قرینہ عقلیہ سے معلوم ہوا کہ بعد رسول اللہ صلعم کے اس امت میں اصحاب کا رتبہ ہے علی ہذا القیاس جو وصف کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں ہوگا اسکے بعد اُس صف کا رتبہ ہوگا جو صحابہ کی مدح میں بیان ہو **اقول** اس آیت میں خداتعالیٰ نے مجملاً تعریف حضرت کے ہمراہیوں کی کی ہے اور نام کسیکا اسمیں نہیں لکھا ہے اور جیسے کہ خداتعالیٰ نے کئی آیتوں میں تعریف صحابہ کی مجملاً کی ہے ایسے ہی کئی آیتوں میں مجملاً مذمت بھی صحابہ کی کی ہے اور اجمال سے عقدہ کشائی نہیں ہوسکتی مگر روایات سے تفصیل انکی واضح ہوجاتی ہے اور اس آیت میں البتہ خداتعالیٰ نے اول تو تعریف جناب رسولخدا صلعم کی بیان کی ہے اور بعد اسکے صحابہ مؤمنین کی نہ کل ہمراہیوں کی اسواسطے کہ خداتعالیٰ فرماتا ہے والذین معہ اور ہمراہ حضرت کے تو منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے چاہیے کہ انکی بھی تعریف ہوجائے اور حال یہ ہے کہ انکی تعریف یہ نہیں ہے معلوم ہوا کہ یہ تعریف ان ہمراہیوں کی ہے کہ جو مؤمنین تھے اور مؤمنین کے اوصاف یہ ہیں کہ ایمان انکا ملتبس بظلم نہو چنانچہ خداتعالیٰ فرماتا ہے اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْۤا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اور نبوت میں بھی شک نکیا ہو چنانچہ فرماتا ہے خداتعالیٰ کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا اور بعد ایمان لانے کے ایمان پر قائم بھی رہے ہوں چنانچہ فرماتا ہے خداتعالیٰ کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور ہم بیان کر چکے ہیں اور آئندہ بھی بیان کرینگے ظلم ثلاثہ کا اور شک کرنا عمر کا نبوت میں حضرت کے اور بھاگنا

ثلاثہ کا جہاد میں سے اور ایمان پر قائم رہنا اور طلحہ او زبیر کا اور عائشہ کا ذکر تو ابھی گذرا ہی اور معاویہ امام صدق اہل سنت کا ذکر پہلے اس سے ہو لیا ہی اور پھر بھی ہوگا یہ لوگ اور سوا انکے اور لوگ جو کہ دشمن علیؑ تھے وہ عائشہ اور معاویہ کی طرف ہو کر علیؑ سے جنگ کی اور ہزاروں مومنین کو قتل کیا اور قتل کروایا وہ اس سے خارج ہونگی اور جنمیں کہ اوصاف ایمان کی تھے وہ باقی رہیگے کہ خدا تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا ہی کہ جو کہ ہمراہ رسول اللہ کے ہیں وہ سب مومنین ہیں اور ہمراہی سے مراد بھی مطلق ہمراہی نہیں ہے اس واسطے کہ اکثر منافقین بھی ہمراہ حضرت کے ہوتے تھے بلکہ ہمراہی سے مراد یہ ہی کہ جو مقام کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہ ہونیکا ہی وہاں ہمراہ حضرت کے رہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی مومنین کے اوصاف میں اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَاِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰۤى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ اِنَّ الَّذِيْنَ يَسْتَاْذِنُوْنَكَ اُولٰۤئِكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ یعنی سوا اسکے نہیں کہ مومنین وہ لوگ ہیں جو ایمان لائے ساتھ خدا اور پیغمبر اسکے کی اور جسوقت ہوتے ہیں وہ ہمراہ اسکے امر جامع پر مثل جہاد اور جماعت نماز اور وعظ کے تو نہیں چلی جاتی ہیں یہانتک کہ اذن چاہیں وہ تجھ سے وہ ہی ہیں کہ جو ایمان لاتے ہیں ساتھ خدا اور پیغمبر اسکے کے سو ہمراہیوں سے مراد یہ لوگ ہیں کہ جنکے یہ اوصاف ہیں کہ جہاد اور جماعت نماز میں سے بے اذن حضرت کے کہیں نہیں جاتے تھی اور جو لوگ کہ رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر بے اذن حضرت کے جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے جیسے کہ ابو بکر اور عمر اور عثمان اور طلحہ اور زبیر اور ابو عبیدہ وغیرہ وہ لوگ مراد نہونگی اور ایسے ہی جو لوگ کہ جماعت نماز میں سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑکر واسطے تماشے لہو و لعب کے چلے جاتے تھے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہی وَاِذَا رَاَوْا تِجَارَةً اَوْ لَهْوًا انْفَضُّوْۤا اِلَيْهَا وَتَرَكُوْكَ قَآئِمًا وہ بھی حضرت کے ہمراہیوں سے مراد نہونگی اور ترجمہ آیت کا یہ ہی کہ اور جسوقت دیکھتے ہیں وہ تجارت کو یا کھیل اور بازی کو تو متفرق ہو کر چلے جاتے ہیں طرف اسکے اور چھوڑ دیتے ہیں وہ تجھکو اکیلا کھڑا ہوا سو جو لوگ کہ حضرت کو جہاد میں تنہا چھوڑکر بے اذن ان حضرت کے بھاگ جاتے تھی اور جماعت نماز میں سے حضرت کو اکیلا چھوڑکر واسطے خرید و فروخت کی اور تماشے باجوں کے سننے کو چلے جاتے تھی وہ لوگ مقصود نہونگے اور ایک وجہ سب صحابہ سے مراد نہونے کی یہ ہی کہ بعضے انمیں سے کفار سے دوستی رکھتے تھے اور خدا تعالیٰ انکو دوستی کفار سے منع کرتا ہی چنانچہ فرماتا ہی يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ اور ابو بکر کو تو کمال مہربانی اور رحم تھا کفار پر چنانچہ جنگ بدر میں قریش قید ہو کر جو آئے تو ابو بکر کو انپر رحم آیا اور کہا کہ یا رسولخدا یہ تیری قوم کے آدمی ہیں انسے فدیہ لیکر انکو چھوڑ دیجئے اس امر پر خدا تعالیٰ کا عتاب ہوا اور فرمایا کہ تُرِيْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْيَا اور حضرت عمر کی تو عادت ہی سختی کی تھی کفار تو کیا وہ تو مومنین پر بھی سختی کرتے تھے اور مومنین انکی سختی کی سبب انکی خلافت سے راضی نہ تھے جسوقت ابو بکر اپنی جگہ عمر کو خلیفہ کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ اگر تو ایسے بدمزاج کو ہمپر خلیفہ کریگا تو اپنے پروردگار کو کیا جواب دیگا چنانچہ صحیح ترمذی وغیرہ میں لکھا ہی لیکن مومنین کا کہنا نہ مانا اور ملی بھگت سے انہی عمر کو بعد اپنے خلیفہ کر دیا اور عثمان نے تو مومنین پر ایسے ظلم کئے ہیں کہ اپنے کیفر کردار میں صحابہ کی تعدی اور بے مروتی سے مقتول ہوگئی اور خدا تعالیٰ فرماتا ہی کہ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ اور وہ بالعکس مومنین پر سختی کرتے تھی اور کفار پر نرمی وہ لوگ کرتے تھی کہ جو جہاد میں کفار کو قتل کرتے تھی اپنے ہاتھ سے واسطے رضامندی خدا کے اور طلحہ و زبیر وغیرہ اور خلفاء ثلاثہ نے ایک کافر کو بھی قتل نہیں کیا سختی انکی کافروں پر کیا ہوئی وہ تو جہادوں میں سے بھاگتے رہتے تھی مثل احد اور حنین اور خیبر وغیرہ کے اور جو کوئی جہاد میں سے بھاگیگا کفار کی خوف سے وہ کفار پر سختی کیا کریگا بخلاف علیؑ کے کہ قطع نظر احد اور خیبر سے ایک جنگ خندق میں ایسی قوی اور زبردست عمرو بن عبدود کو قتل کیا کہ جسکے قتل کرنے سے لڑائی فتح ہوگئی اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا لضربة علي يوم الخندق افضل من عبادة الثقلين یعنی ضرب علیؑ کی بروز جنگ خندق زیادہ بزرگ ہی عبادت دونو گروہ کل جن و انسان سے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں یوں لکھا ہی اور فرماتا ہی خدا تعالیٰ کہ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ یعنی مہربان اور نرم دل ہیں آپسمیں سو حال مہربانی کا سنئے کہ قبل نزول آیت تو معلوم نہیں وہ کیسے تھی اور بعد نزول اس آیت کے حال انکی مہربانی کا یہ تھا کہ بعد وفات رسولخدا صلعم کے اول انہوں نے رسولخدا صلعم ہی پر یہ مہربانی کی کہ انکی دختر فاطمہ زہرا کا گھر جلانے کو آگ اور لکڑیاں لیگئے ان لوگوں کے جلانے کو کہ جو اس گھر میں تھی علی اور فاطمہ اور حسنین اور دیگر بنی ہاشم اور اصحاب کبار اور دروازہ اس مظلومہ کے گھر کا توڑا چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہی اور ہم پہلے اس سے حوالہ کتابوں کا لکھ چکے ہیں اور حقوق انکے غصب کئے استیعاب میں لکھا ہی کہ علی اور عباس فاطمہ کے گھر میں بیٹھے تھے ابو بکر کی بیعت سے انکار کرکے اور عمر گھر فاطمہ کا جلانے کو گئی تو حضرت فاطمہ نے کہا کہ اے پسر خطاب کیا میرا گھر جلائیگا کہا کہ ہاں اور تاریخ عقد ابن عبد ربہ میں لکھا ہی کہ ابو بکر نے عمر سے کہا کہ اگر علی اور عباس میری بیعت سے انکار کریں تو ان دونو سے مقابلہ کرنا اور عثمان کا یہ رحم تھا کہ ابو ذر کو تو جلاوطن کیا اور عمار یاسر کو اسقدر مارا کہ اسکو فتق کی بیماری ہوگئی اور ابن مسعود تو اسکی زد و کوب سے مر ہی گیا اور ملل و نحل میں عبدالکریم شہرستانی نے لکھا ہی کہ کہتے ہیں کہ کینہ اور دشمنی انکی امیر المومنین علیؑ کے ساتھ اسقدر تھی کہ سعد بن وقاص اور ابن عمر اور اسامہ بن زید اور رافع خدیج انصاری اور محمد بن مسلمہ اور زید بن ثابت انصاری اور ابو ہریرہ اور ابو درداء اور ایک جماعت نے سوائے انکے علیؑ کی ہاتھ پر بیعت نہ کی جسوقت وہ خلیفہ ہوئے اور بعد اسکے معاویہ کے ہاتھ پر بیعت کی اور یزید کے ہاتھ پر بیعت کی جس نے کہ اپنی زندگی میں اسکو پایا اور سوائے اسکے جنگ جمل میں دونو طرف مہاجرین اور انصار تھی اور جنگ صفین میں معاویہ کے ہمراہ ہزاروں آدمی

مہاجرین اور انصار میں سے تھی اور حضرت علی کی عداوت کی جہت سے عائشہ اور معاویہ کی طرف ہو کر مومنین کو قتل کرتے تھے اسکو کون دیوانہ اور عقل کا دشمن مہربانی اور
نرم دلی کہدیگا بلکہ معاملہ بالعکس ہے کہ سختی کے مقام میں نرمی ہے اور نرمی کے مقام میں سختی ہے اور ایسی ہی حال آیت اَذِلَّۃٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّۃٍ عَلَی الْکٰفِرِیْنَ کا ہے پس معلوم
ہوا کہ مراد اس آیت میں نہیں ہیں مگر امیرالمومنین علی سے کہ کبھی جہاد میں سے بھاگے نہیں اور جناب رسولخدا صلعم کی خدمت سے بدون اذن کے کہیں گئے نہیں اور زیادہ لوگ
تھی کہ جو رسولخدا صلعم کے زمانہ میں مرگئے یا شہید ہوگئے ہیں اور یا چند صحابہ سکین کہ جو حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے تھے اور بدون اذن رسولخدا صلعم کے کہیں جاتے نہ تھے
اور اگر اوصاف اس آیت کے کل صحابہ میں فرض کئے جائیں تو وقت نزول اس آیت کے یہ اوصاف ان میں ہونگے اور بعد رسولخدا صلعم کے جو نزاعیں اور عداوتیں اور منی الفتیں اور
قتل اور قمع آپس میں واقع ہوئی ہیں سب متواترات سے ہیں اس صورت میں اطلاق رحماء بینہم کا انپر کیونکر ہو سکتا ہے اور تراہم رکعاً سجداً الخ بعد اسکے ان مومنین ہی کے
اوصاف میں سے ہے جنکو کہ مصداق اس آیت کا ہمنے بیان کیا ہے یعنی عبادت و زہد اور طلب فضل اور رضامندی خدا یہ بھی انکی ہی واسطے تھا جو کہ واسطے خوشنودی خدا کے
ڈٹ کر جہاد کرتے تھے اور تلواریں کھاتے تھے اور انسے ہی خدا راضی ہے اور انکو ہی دوست رکھتا ہے چنانچہ فرماتا ہے خدا کہ اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِہٖ اور بے اسکے خدا
راضی نہیں ہے ہر چند اسکے رضوان کو طلب کریں اور جو ضعیف الایمان کہ طالب دنیا تھے اور وہ اپنی جانوں کو بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور آل رسول کو آزار پہنچاتے تھے اور مومنین
کو قتل کرتے تھے وہ طالب فضل اور رضای خدا نہونگے اور نہ اپنی جانوں کو عبادت خدا کی تکلیف میں ڈالینگے انکا مقصود تو دنیا تھی اور جو کہ حق عبادت ہے وہ حضرت علی کے ساتھ خاص تھا چنانچہ
تاریخ الخلفاء میں حضرت علیؑ کے حال میں لکھا ہے احد العلماء الربانیین والشجعان المشہورین والزہاد المذکورین جیسا کہ زہد انکا تھا اور کسیکا ایسا نہ تھا اور نہ کسیکا نام لکھا ہے صحابہ میں سے
اور بعد اسکے جو مومنین کی مثال زراعت سے دی ہے کہ پہلے تو وہ بہت سست اور کمزور ہوتے ہیں اور بعد اسکے وہ رفتہ رفتہ زور پکڑ کے قوی اور مضبوط ہوجاتے ہیں ایسے ہی مومنین کا حال ہے
کہ وہ ابتدا میں تو تھوڑے اور کمزور تھے اور آخر کو وہ رفتہ رفتہ بڑھکر کثیر اور قوی اور زورمند ہوگئے اور انکی قوت کو دیکھکر تعجب کرنے لگے سو وہ بھی جہاد کرنیوالوں کی سعی اور عرقریزی سے ہے کہ
کفار سے خوب جم کر لڑتے تھے اور زخم کھاتے تھے اور کفار کو قتل کرتے تھے یہاں تک کہ انکے طفیل سے اسلام نے قوت پکڑی اور جو لوگ کہ کفار کے خوف سے اپنی جانیں بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے
تھے وہ اس سے خارج ہیں جنکے اوصاف خدا تعالی نے اس آیت میں بیان فرمائی انکا ذکر ہم کر چکے اور انکی ہی شان میں خدا یہ فرماتا ہے وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا
الصّٰلِحٰتِ مِنْہُمْ مَّغْفِرَۃً وَّاَجْرًا عَظِیْمًا اور خدا تعالی نے اس آیت میں ان لوگوں کی تخصیص بھی کردی ہے کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں سے جنکے وعدہ فرمایا ہے انمیں سے مغفرت و اجر
عظیم ان لوگوں کے واسطے ہے کہ جو مومنین صالحین ہیں مطلق ہمراہی کہ ہمراہ تو منافقین و ضعیف الایمان بھی تھے اور بدون اعمال صالح کے مومنین بھی مراد نہیں ہیں بلکہ مومنین صالحین
مراد ہیں کہ جنکا ایمان ملتبس بظلم نہ تھا اور امر جامع میں سے مثل جہاد اور جماعت نماز کے بدون اذن رسولخدا صلعم کے بھاگ جاتے تھے اور اس شیخ نے پہلے اس سے آیت وَعَدَ اللّٰہُ
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ذیل میں لکھا ہے کہ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ تبعیضیہ آتا ہے اس کہنے سے ہمارا مقصود زیادہ تر مستحکم ہوگیا کہ حضرت بعض مومنین کے واسطے ہے کہ وہ حضرت
علی اور احباب انکے ہیں نہ انکے مخالفین اور اعداء کے واسطے **قال الشیخ الاشعری** کہ ہمنے جو دیکھا تو حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں رسول اللہ کا لفظ ہے اور اصحاب کی مدح میں
اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَآءُ بَیْنَہُمْ تو اس لف و نشر سے معلوم ہوا کہ بعد رسالت کے رتبہ بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کا ہے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے سبب کسی سے عداوت کرنی
یہ بعینہ وہی شدت علی الکفار ہے اور حب فی اللہ بعینہ رحماء بینہم کا ترجمہ ہے اس اشارہ سے زیادہ تر تصدیق اس حدیث کی ہوگئی جو سنیوں کی کتابوں میں پائی جاتی ہے اور اسکا ماحصل
یہ ہے کہ جس نے خدا واسطے دیا اور خدا واسطے کسی سے ہاتھ کھینچ لیا اور خدا واسطے کسی سے محبت اور خدا واسطے کسی سے بغض رکھا تو بیشک اس نے اپنے ایمان کو کامل کرلیا واقعی سنیوں کی
حدیثیں سب کلام اللہ پر مطابق آتی ہیں پر شیعوں کی حدیثوں کا حال یہ ہے کہ کلام اللہ کچھ کہے ہے اور انکی حدیثیں کچھ ایک دو حدیثیں جو بیان کی گئیں انکا حال ناظرین رسالہ ہذا سے
پوشیدہ نرہیگا **اقول** لف و نشر اسمیں کہاں ہے کیا خوب سمجھے ہو میں لف و نشر کو البتہ اگر اس طرح ہوتا کہ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَالَّذِیْنَ مَعَہٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَی الْکُفَّارِ تو لف و نشر ہو سکتا تھا
خواہ صحیح ہو خواہ غلط ہوا اور بغض فی اللہ اور حب فی اللہ رسالت میں کیا داخل نہیں ہے کہ جو بعد رسالت کے لکھا ہے اور اس آیت میں بغض فی اللہ اور حب فی اللہ کہاں ہے اپنے
دل سے ہی تراشتا ہے اسمیں تو یہ ہے کہ کافروں پر پیغمبر صلعم اور ہمراہی انکی سختی کرنیوالے ہیں اور آپس میں مہربان ہیں البتہ سختی کرنے کو بغض لازم ہے اور بڑی سختی کافروں پر یہ ہے کہ
انکو قتل کرنا چاہئے سو وہ تیرے ثلاثہ کو نصیب ہی نہیں ہوا وہ تو ہمیشہ جہاد میں سے بھاگتے رہتے تھے اور مومنین کو آزار پہنچاتے تھے اور یہ حدیث حب فی اللہ اور بغض فی اللہ
شیعوں کی کتابوں میں کیا موجود نہیں ہے کہ جو تخصیص سنیوں کی کتابوں کی کرتا ہے اور بیشک مومن کے واسطے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ چاہئے اور سنیوں کی حدیثیں
ہرگز کلام اللہ کے مطابق نہیں ہیں کہ خوارج اور نواصب کے وضع کی ہوئی ہیں اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں شرح نہج البلاغت ابن ابی الحدید سے کہ معاویہ نے بہت سے حدیثیں
خلفاء کی مدح میں بنوائی ہیں علی کی عداوت سے اور بعد اسکے ہم صحاح ستہ کی بعضی روائیتوں کے موضوع ہونیکا حال لکھینگے جسکا علماء اہل سنت بھی اقرار کرتے ہیں

اور شیعوں کی حدیثیں ایسی نہیں ہیں تیرے اعتقاد کی جو مخالف ہیں بعضی حدیثیں شیعوں کی اسواسطے تو کہتا ہے کہ کلام اللہ کچھ کہے ہے اور وہ حدیثیں کچھ اور ایک دو حدیثیں
شیعوں کی جو تو نے لکھی ہیں مطابق اسکے ہم نے سنیوں کی کتابوں سے بھی بیان کر دی ہیں لیکن تجھ کو اپنے مذہب ہی کی خبر نہیں ہے اسواسطے تو ایسا لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** -
پر یہاں ایک لطیفہ قابل بیان ہے وہ یہ ہے کہ حدیث میں جہاں کہیں حب فی اللہ بغض فی اللہ کا بیان آیا ہے تو حب فی اللہ کو مقدم کیا ہے اور کلام اللہ میں بغض فی اللہ پر جو
لفظ دلالت کرتا ہے یعنی اشداء علی الکفار اُسے مقدم بیان کیا حکمت اسمیں کیا ہے اس کم فہم کی فہم میں یوں آتا ہے کہ حب فی اللہ اور بغض فی اللہ دونو آثار کمال محبت خداوندی میں سے
ہیں یعنی جب کسیکو خداوند کریم سے محبت کمال درجہ کی ہوگی تو وہ محبت چاروں طرف دیکھیلے گی جہاں جہاں خدا کے ساتھ کسی چیز کو کچھ خصوصیت ہوگی تو اس خصوصیت ہی کی موافق
اُس چیز سے محبت ہوگی مثلاً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بنی آدم میں سے خدا کے ساتھ زیادہ علاقہ اور اختصاص ہے تو جس شخص کو خدا کے ساتھ محبت کامل ہوگی اور اس علاقہ کو سمجھ لیگا
تو بیشک اُسکو بعد خدا کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی سے محبت ہوگی علی ہذا القیاس جسکو بعد رسول اللہ صلعم کے خدا سے زیادہ اختصاص ہوگا تو محب خداوندی کو بھی اُس سے اُسیقدر محبت ہوگی
علی ہذا القیاس مکانات میں مثلاً خانہ کعبہ کو زیادہ تر اختصاص ہے تو محب خداوندی کو بیشک سب مکانات سے زیادہ خانہ کعبہ سے محبت ہوگی پھر اسکے بعد رسول اللہ صلعم کی مسجد کا رتبہ ہے
اُسکے بعد بیت المقدس کا تو اس شخص کو بھی علی ہذا المراتب محبت ہوگی اسیطرح اعمال اور اخلاق اور عادات میں خیال کرلو القصہ جتنا کسی چیز کو جناب باری سے قرب ہوگا
اُتنا ہی محبان خداوندی کو اُس چیز سے علاقہ ہوگا مثل ظاہر کے محبت میں ظاہر ہے جب کسی کسیکو محبت ہوجاتی ہے تو اُسکے اقربا اور خیر خواہوں بلکہ کوچہ کے رہنے والوں کے
ساتھ بھی محبت ہوجاتی ہے سو جیسے روشندانوں میں کو دھوپ بمقدار روشندان کے آتی ہے ایسے ہی محبت بھی بمقدار علاقہ محبوب متعلقان محبوب سے پیدا ہوجاتی
ہے مگر جیسے جو دھوپ باہر ہوتی ہے اُسیکا ٹکڑا اندر ہوتا ہے اور جو نور خارج از دیوار ہے اُسی نور کا شعبہ اندر ہے ایسے ہی متعلقوں کی محبت بھی محبوب ہی کی محبت کا شعبہ
ہوتا ہے اور اُسیکا ٹکڑا اُسکو سمجھنا چاہئے بخلاف بدخواہاں محبوب کی عداوت کی کہ وہ محبوب کی محبت کو لازم ہوتی ہے اُسکا ٹکڑا اور اُسکا شعبہ نہیں ہوتا یعنی جو لوگ کہ محبوب کے
بدخواہ ہوتے ہیں اُنسے بتقاضا محبت محبوب عداوت ہونی لازم ہے مگر یہہ عداوت محبوب کی محبت کا ٹکڑا اور اُسکا شعبہ بلکہ ہمجنس تک نہیں ہاں اُسکو لازم ہے جیسے دھوپ
کو بشرطیکہ دیوار وغیرہ کوئی چیز نور کی روکنے والی حائل ہو سایہ لازم ہے حالانکہ اُسکے ہمجنس تک نہیں اس قیاس پر جو لوگ اعداء خدا ہونگی محبان خداوندی کو اُنسے عداوت لازم
ہوگی لیکن بہرحال یہ عداوت غیر محبت ہے اگرچہ اُسکو لازم ہے ہاں اولیاء خدا اور مقربان الٰہی کی محبت وہ حقیقت میں خدا ہی کی محبت کا ٹکڑا ہے کوئی غیر شئے نہیں اس لئے
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہاں حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کی مدح اور ثنا بیان فرمائی ہے وہاں تو مقدم کو مقدم رکھا موخر کو موخر اور خداوند کریم حب فی اللہ اور بغض
فی اللہ کی تعریف نہیں فرماتے بلکہ اُن لوگوں کی تعریف کرتے ہیں جن میں یہ وصف پائے جاتے ہیں **اقول** اس طویل لاطائل کا اس مقام میں بجز فضول اور کوئی ثمرہ
نہیں ہے اور یہہ جو لکھتا ہے کہ جسکو بعد رسول اللہ صلعم کے خدا سے زیادہ اختصاص ہوگا تو محب خداوندی کو بھی اُس سے اُسیقدر محبت ہوگی یہ لکھنا اُسکا بالکل غلط ہے اسواسطے
کہ بعد رسول خدا صلعم کے علی اور فاطمہ اور حسنین کے سوا اور کسکو خدا سے زیادہ اختصاص تھا کہ جو قرب بارگاہ خداوندی سے انکو تھا وہ اور کسکو تھا اور دلالت کرتے ہیں زیادتی اختصاص
اور قرب خداوندی پر روایات کتب اہل سنت سو اُنکے ساتھ جیسے کہ لوگوں نے محبت کی ہے ظاہر ہے کہ اُنکا گھر جلانیکو مع اُن بزرگوں کے جو اُس گھر میں تھے آگ اور لکڑیاں
لیگئے اور حقوق اُنکے غصب کئے اور کسیکو تلوار سے قتل کیا اور کسیکو زہر سے شہید کیا اور جنگ جمل اور صفین میں ہزاروں دوستان خدا کو قتل کروایا یہہ لوگ ہرگز دوستان
خدا میں سے نہیں ہیں اور پھر اُنکے حق میں جھوٹی روایتیں بیان کرتے ہیں کہ یہہ جنتی ہیں اور کلام اللہ کی شہادت ایسی دشمنان دوستان خدا کی شان میں ہیں اور اکثر
ہیں کہ جن کے لئے کلام اللہ سے کچھ بھی مس نہیں ہے اور مسجد نبوی کا تو یہہ حال کیا اہل سنت کے مرشدزادوں نے کہ گھوڑوں سے لیدیں کروائی اُس مکان مقدس میں اور
اہل مدینہ کو قتل کروایا اُن مرشدزادوں نے کہ جنکی شان میں امام غزالی لکھتے ہیں کہ وہ مومن پاک تھے اُنکے واسطے استغفار کرنا چاہئے اور اُنپر درود بھیجنا چاہئے اور
وہ حضرت یزید بن معاویہ ہیں اور جناب رسولخدا صلعم نے حب فی اللہ اور بغض فی اللہ کے جو مدح فرمائی وہ حقیقت میں راجع اُن لوگوں ہی کیطرف ہے کہ جن میں یہ اوصاف پائے
جاتے ہیں اور خدا تعالی نے جو بغض فی اللہ کو مقدم کیا ہے حب فی اللہ پر تو اُسکی وجہ یہ ہے کہ پہلے اعداء خدا سے بیزاری اختیار کرلے تب خدا تعالی کی محبت میں دم مارے
اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُسکے دشمنوں سے دوستی رکھے اور پھر محبت کا اُسکی دعوی کرے جیسے کہ کلمہ طیبہ لا الہ الا اللہ میں پہلے نفی اور انکار اُسکے شرکا سے ہے اور بعد اُسکے اقرار اُسکے
وحدانیت کا ہے اور ایسے ہی محبت اہل بیت علیہم السلام کی ہے کہ جب تک اُنکے دشمنوں سے بیزاری نچاہیگا اُنکا دوست نکہلائیگا اور ایسا نہیں ہوسکتا ہے کہ اُنکے دشمنوں سے
دوستی رکھے اور پھر اُنکی دوستی کا بھی دعوی کرے یہ دعوی اسکا باطل ہے چنانچہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ ہماری دوستی اور ہمارے دشمنوں کی دوستی ایک دل میں نہیں سما سکتی
قال الشیخ الاشعری اور دستور یوں ہے کہ کسی صاحب کمال یا موصوف باوصاف مختلفہ کی اگر تعریف کیا کرتے ہیں تو اُسکے کمالات میں سے کمتر کو پہلے لیا کرتے ہیں

بعد میں اُس سے زیادہ کو پھر بعد میں اُس سے زیادہ کو تا ہر وصف کی قدر اور عزت ہو ورنہ اگر ترتیب کو بالعکس کر دیجئے تو بعد عمدہ اوصاف کے سننے کے کمتر اوصاف کی کیا قدر رہجائیگی جو محل تعریف میں بیان کیا جائے غرض یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ اوصاف کی خوبی اور برائی تو اصلی ہے اور اوصاف والوں کی بھلائی برائی اوصاف کے سبب سے ہی درصورتیکہ اوصاف کی بھلائی کا ہی بیان کیجائے تو اول کو اول بیان کیا جائے اور دوم کو دوم اور درصورتیکہ اوصاف والا علی بھلائی — برائی مد نظر ہو اور ایک شخص کے اوصاف بترتیب ذکر کئے جائیں تو ترتیب مذکور کو منعکس کر دینا چاہئے ہاں جہاں دو چیز کا فرق مراتب باعتبار مجموعہ اوصاف کے دریافت کیا جائے یعنے کس میں زیادہ اوصاف ہیں اور کس میں کم اور کس میں عمدہ تر ہیں اور کس میں نہیں تو یہہ حقیقت میں وصاف ہی کی تعریف ہے اسلیئے انکی ترتیب وہی ہوگی جو اوصاف کی ترتیب ہے اس لیئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذکر کیا بعد میں صحابہ کا مذکور شروع کیا **اقول** یہہ بہی سب فضول ہے اور اس مقام میں اس طویل تذکیر کا فائدہ ہی اور یہہ کیا ضرور ہے کہ جو کسیکے اوصاف بیان کریں تو پہلے کمتر ہی کو بیان کریں بلکہ ایسا ہی ہو سکتا ہے کہ پہلے وصف اعلے ہی کو بیان کرتے ہیں تا کہ سننے والے کے اول ہی دل میں اُسکی خوبی راسخ ہو جائے اور جو اوصاف کہ اُس سے کمتر ہیں وہ اُس اعلے وصف کی تاکید کے لئے ہوں جیسے کہ قل ہو اللہ احد اللہ الصمد میں صفت اعلے جو توحید خدا ہے اُسی کا خدا تعالی نے پہلے ذکر کیا اور بعد اسکے اور اوصاف کو ذکر کیا اور اگر پہلے کمتر وصف کو ذکر کریں تو سننے والیکے دل میں پہلے ہی اسکی طرف توجہہ کم ہوگی کہ اُس وصف کی قدر نہ سمجھےگا یہانتک کہ اوصاف اعلے کی بھی سننے کی طرف اُسکو رغبت نہوگی اور توجہ اور وصفوں کے سننے کی طرف نکریگا اور رسول اللہ صلعم کا جو پہلے ذکر کیا ہی صحابہ سے اسواسطے کہ وہ حضرت مرتبہ میں مقدم ہیں صحابہ سے **قال الشیخ الاشعری** القصہ صحابہ کی تعریف میں اول وصف جو بیان کیا گیا ہے تو اشداء علے الکفار ہے یعنی وہ کافروں پر بڑے ہی تیز اور تند ہیں اور چونکہ محبت کرنی آسان ہے کیونکہ طبعی بات انسان کی یہہ ہے کہ جب کوئی اُس سے محبت کرے تو یہہ بھی اُسکی طرف مائل ہو تو اُس صورت میں خدا واسطے کی محبت سے ایمان خوب نہیں پر کہا جاتا ہاں عداوت کرنی البتہ دشوار ہے کہ عداوت کے نتیجہ میں ہو مرا بہی عداوت ہی تو پیش آئیگا محبت تو کرنی معلوم تو اگر کسیکو خدا واسطے سے بغض ہو تو یہہ نشان کمال ایمان ہی سمجھا جائیگا خاص کر خدا واسطے کی عداوت ہی اقربا سے کہ یہہ دشوار دشوار ہے سو درصورتیکہ مطلق عداوت نشان کمال ہو تو اقربا کی عداوت تو نشان اکملیت سمجھنا چاہئے اور ہم جو قرینہ مقام کو لحاظ کرتے ہیں تو محل اقربا ہی کے عداوت کا معلوم ہوتا ہی کیونکہ ماسبق کی آیت یعنی لقد صدق اللہ رسولہ الرؤیا صحابہ کرام کی تسلی اور تسکین خاطر کے لئے نازل ہوئی ہے سو جس غم کے سبب تسلی کیجاتی تھی وہ یہی تھا کہ غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کفار مکہ معظمہ سے صلح کر کے مراجعت فرمائی اور صحابہ کی آرزوئیں خاص کر مہاجرین کے جو در طلب جہاد کفار سینوں میں لئے تھے دلوں کی دلوں میں رہ گئیں اور جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے جو ابتدا میں اس سفر کے یہ خواب دیکھی تھی کہ ہم مع جماعت امن چین سے مکہ معظمہ میں داخل ہوئے اور اس خواب کے باعث باین خیال کہ اسی سال میں ہم مکہ میں داخل ہونگے صحابہ کے دل میں یہ سرور تھے ہوئے تھے کہ کچھ کہا نہیں جاتا وہ سب کا سب حسرت و غم سے بدل گیا انہوں صحابہ کا یہہ حال تھا کہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت نہوتی تو اب تیغ صحابہ کفار مکہ کو خرقاب فنا کر دیتی پاس قرابت کا اور شفقت نسبی کا رہتی مہاجرین تو مکہ والوں میں سے کسیکے بہائی کسیکے بہتیجے تھے فقط جوش محبت خداوندی اور نیازمندی رسول میں اُنہیں پنے اقربا کے خون کا پیاسے نظر آتے تھے اور آیت ماسبق اور آیت محمد رسول اللہ الخ سب باہم چسپیدگی میں دست و گریبان ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہی کہ صحابہ کرام جیسے تو ہر فرد دشمن خدا و رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ پر غیظ و غضب آتا تھا لیکن اس آیت میں زیادہ تر اُسی غیظ و غضب کی طرف اشارہ ہے جو اُنکو کفار مکہ پر اس قصہ میں پیش آیا تھا انہیں سے مہاجرین اُنہیں کفار کی اقربا میں سے تھے تو اُنکے حق میں لفظ اشداء علی الکفار نشان اکملیت ایمان کا سمجھنا چاہئے اور درصورتیکہ اُنکے وصف اُنکا اسبات پر گواہی دیتا ہے کہ اُنکا ایمان کامل تو کیا اکمل ہے تو لا اعلے اوصاف تو اعلے اہل درجہ مومنان کامل الایمان گنے چنے ہوئے ہوتے ہیں کچھ ایسی سہل بات نہیں کہ دخل دمعقولات کی طرح ہر کوئی کمال ایمان حاصل کرلے۔ **اقول** اشداء علی الکفار جو صحابہ کی تعریف میں بیان کیا ہے یہ ادنے وصف نہیں ہے بلکہ وصف اعلی ہے کہ یہ جزو ایمان ہے اور بعد اسکے جو اوصاف بیان کئے ہیں وہ اس سے مرتبہ میں کم ہیں کہ فروعات میں سے ہیں اور کفار سے عداوت رکھنی اور اُنپر غضب ہونا یہ ایمان میں داخل ہے کہ جبتک اُنسے بیزاری نہوگی تو توحید کا اعتقاد خالص نہوگا اور محبت آسان نہیں ہے بلکہ عداوت کرنی آسان ہے کہ تھوڑی سی کشیدگی میں ثابت ہو جاتی ہے اور محبت بہت مشکل ہے یہانتک کہ مشہور ہو گیا ہے کہ زمانہ میں کوئی دوست نہیں پایا جاتا ہے اور اگر کوئی کسی سے دوستی کرتا ہے تو دنیا کی غرض سے اور یہ ضرور نہیں ہے کہ کوئی کسی کی طرف مائل ہو تو دوسرا بھی اُسکی طرف مائل ہو جائیگا بلکہ یہ ہو سکتا ہے کہ کوئی کسی سے عداوت کرے تو وہ دوسرا بھی بمجرد اطلاع عداوت کے اُس سے عداوت کرنے لگیگا اور البتہ خدا واسطے کسی سے بغض ہونا کمال ایمان کی علامت ہے علی الخصوص اقربا سے عداوت کرنی اور خدا تعالی نے جو فرمایا ہی تو اُس سے مراد عداوت مطلق ہے خواہ اقربا کی خواہ اپنی غیر کی لیکن سب صحابہ میں یہ بات نہ تھی بلکہ اپنے اقارب کیا غیروں ہی کو جو کہ کافر تھے بعضے صحابہ دوست رکھتے تھے چنانچہ خدا تعالی اس

دوستی سے اُنکو منع کرتا ہے اپنے قول میں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّیْ وَ عَدُوَّكُمْ اَوْلِیَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَیْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَ قَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ اور صحابہ کے دلوں میں جو آرزو میں جہاد کے کرنے کی تھیں صلح حدیبیہ سے پہلے تو وہ بھی بعضے ہی صحابہ کو تھیں نہ کل صحابہ کو اور جو لوگ کہ جہادوں میں سے بھاگ جاتے تھے وہ کیا جہاد کی آرزو کرینگے بلکہ صلح کرنے سے وہ بہت خوش ہوئے ہونگے البتہ طواف کی خوشی اُنکو دلوں میں ہوگی سو آرزو طواف کے صلح کر لینے سے دل ہی میں رہگئی اور آب تیغ سے فنا بھی کفاروں کو وہی صحابہ کرتے جو کہ جہادوں میں کفار کو قتل کرتے تھے اور زخم کھاتے تھے نہ بھگوڑے جو کہ جان بچا کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور حضرت عمر نے جو بڑا شک نبوت میں حضرت صلعم کی کیا تھا باعث اُسکا صلح حدیبیہ ہی تھی کہ حضرت صلعم کے ارشاد کو جھوٹا سمجھ کر نبوت میں حضرت کی شک کیا اور جوش محبت خداوندی اور نیازمندی رسول تو اُحد اور حنین اور خیبر ہی میں معلوم ہو گئی تھی کہ رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور اکملیت ایمان کی بھی اُنہیں صحابہ کے واسطے ثابت ہے کہ جو راہ خدا میں جانیں لڑاتے تھے ورنہ وہی کامل الایمان گنے جینے ہوئے تھے نہ بھگوڑوں کے واسطے کہ وہ ضعیف الایمان تھے اور ایسی سہل بات نہیں ہے کہ دخل در معقولات ہر کوئی بے مشقت اور بدون تکالیف اُٹھانیکے راہ خدا میں کمال ایمان حاصل کر لے اور جہاد کرنے سے زیادہ کوئی تکلیف نہیں ہے کہ جسمیں جان کی جاتے رہنے کا احتمال ہے **قال الشیخ الاشعری** معہذا قرینہ اسبات کا کہ اول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر فرمایا پھر صحابہ کا اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس امت میں اول نمبر ہے اور صحابہ کا دوم تو ہم بالیقین سمجھتے ہیں کہ صحابہ کرام اول قسم کی مخلصین میں سے تھے کہ شیطان بھی اُنکے اغوا سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا بلکہ بایں نظر کہ شیطان راس و رئیس کفار ہے اور صحابہ اشداء علی الکفار ہیں تو شیطان پر اور بھی اشد ہونگے علی ہذا القیاس نفس اعداء دین میں سے بلکہ سب میں بڑھکر شیطان بھی تو انکے سہارے اپنا کام کرتا ہے وہ اگر نہ ملتے تو شیطان کیا کرتا بہر حال شیطان سے انکی عداوت اور بھی زیادہ ہوگی اور ان دونو پر وہ اور بھی اشد ہونگے کیونکہ بغض فی اللہ یعنی خدا کے دشمنوں سے عداوت بقدر دشمنی ہوتی ہے جتنی دشمنوں کی دشمنی زیادہ اُتنا ہی بغض فی اللہ زیادہ سو اور مخلصین پر شیطان کا فقط بس نہ چلتا تھا مگر کچھ اندیشہ بھی نہ تھا صحابہ سے اُنکی کو دبتی بھی تھی عجب نہیں کہ اُنسے بھاگتا پھرتا ہو سو یہی وجہ ہوگی کہ حضرت عمر کے سایہ سے بھی شیطان بھاگتا تھا کیونکہ وہ سب صحابہ میں کافروں کے باب میں سرقاتل تھے انکے حق میں اشداء علی الکفار ہونا سب میں زیادہ صادق آتا تھا بھلا شیطان جنسے خود بھاگے اُنہیں کیا گمراہ کریگا شیطان کو ایسی جگہ اپنی ہی پڑجاتی ہے اور نفس جنسے دبے وہ کس سے دبیگے آدمی اَوروں سے جو دبتا ہے تو اس نفس ہی کے پیچھے دبتا ہے اسیواسطے یہ لازم پڑا کہ ایسے لوگوں کی عبادات میں کچھ فرق نہ پڑے اور اُنمیں کسی قسم کا ریا وغیرہ کا میل ہو کیونکہ ان سب بیماریوں کی جڑ بھی دو آسیب تھے جب یہی قابو میں آگئے پھر کیا کسر باقی رہگئی ایسے وقت اگر بُرا کام ہوتا ہے تو فقط بسبب غلط فہمی کے ہوتا ہے اسیلئے اُسمیں بھی ثواب ملنا چاہئے مثلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام نے حضرت ہارون علیہ السلام کے جو سر کے بال غصہ میں پکڑ کر کھینچے حالانکہ حضرت ہارون کی کچھ تقصیر نتھی ہرگز عقل سلیم کے نزدیک داخل جرائم نہیں یہ نہیں کہ اسپر کسی قسم کا مواخذہ ہو بلکہ امید ثواب ہے کیونکہ باعث اسکا فقط خدا کی محبت اور بغض فی اللہ ہوا اور چونکہ یہ دونو اوصاف محمودہ میں سے ہیں بلکہ اعلیٰ اقسام میں سے اور ادہر اعمال کا مدار نیت ہے فقط صورت پر نہیں ورنہ سب کی نمازوں کا ثواب برابر ہی ہوتا تو ہمکو یقین کامل ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو بھی اُسپر ثواب ہے ہاں اتنی بات ضرور ہے کہ بعد اطلاع غلطی کے بوجہ غلطی ندامت ہوتی ضرور ہے سو اس ندامت سے یہ نہیں لازم کہ وہ کام الیسا بُرا ہو کہ انکو اُسپر عذاب ہو بلکہ وجہ اسکی یہ ہے کہ وہ کام تو حقیقت میں بُرا ہوتا ہے بلکہ نیت کے غلبہ سے اچھا ہو جاتا ہے جیسے دھول دھپہ اصل سے بُرا ہوتا ہے لیکن یاران غمگسار کا دھول دھپہ بھی بسبب اسکے کہ از راہ محبت ہوتا ہے موجب نشاط خاطر محزون ہوا **اقول** رسولخدا صلعم کا نمبر اول اس امت میں کیا بلکہ تمام امتوں میں ہے اور نمبر دوم جیسا کہ ہم لکھ چکے کل صحابہ کا نہیں ہے بلکہ اُن صحابہ کا تھا جو کہ راہ خدا میں جاں فشانیاں کرتے تھے نہ اُن لوگوں کا کہ جو اپنی جانوں کو چراتے تھے اور اول قسم کے وہ ہی صحابہ مخلصین تھے جو راہ خدا میں قتل کرتے تھے کفار کو یا اُنکے ہاتھوں سے مقتول ہوتے تھے نہ جہادوں میں سے بھاگنے والے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر اور شیطان بھی اُن صحابہ مخلصین ہی کی اغوا سے کانوں پر ہاتھ دھرتا تھا جنکو کہ ہم مخلصین میں سے لکھ چکے ہیں نہ وہ لوگ کہ جو خود اقرار کرتے تھے اپنی زبان سے آدمیوں کے سامنے کہ میرے ہمراہ شیطان ہے کہ بہکاتا ہے وہ مجھکو جیسے کہ ابوبکر لوگوں سے کہتے تھے کہ اِنَّ لِیْ شَیْطَانًا یَعْتَرِیْنِیْ اگر کسی دعا میں خدا کے سامنے کہتے تو عجز و انکسار پر دلالت کرسکتا تھا لیکن ابوبکر تو آدمیوں کے سامنے کہتے تھے اور جیسے شیطان کے مطیع تھے ایسے ہی اپنے نفسوں کے مطیع تھے بعضے اصحاب اور حسد اور عداوت اور طلب ریاست اور میل طرف لذات اور شہوات کے صحابہ کا شرح مقاصد میں ملا سعد الدین تفتازانی نے جو لکھا ہے اور لکھا ہے بعد اسکے کہ اذ لیس کل صحابی معصوما و لا کل من لقی النبی بالخیر موسوما یعنی اسواسطے کہ نہیں ہے ہر صحابی معصوم اور نہ وہ ہر شخص کہ ملاقات کی ہے اُسنے پیغمبر خدا سے نام رکھا گیا ساتھ خیر اور نیکی کے یا اطاعت نفس کی نہیں ترک کیا ہے اور اسکے عذر میں ملا مذکور لکھتے ہیں کہ علماء اہل سنت بسبب حسن ظن اصحاب رسولخدا صلعم کے تاویل کرتے ہیں اور سب صحابہ سے تو شیطان کی کور کا ہیکو دبتی تھی جو کہ اُسکے مطیع تھے اُنکی دبتی تھی اور جنسے

کو اسکی دیتی تھی اُن مخلصین کو ہم لکھ چکے اور روایت شیطان کی عمر سے بھاگنے کی بالکل موضوع ہے اسواسطے کہ مشکوۃ میں عمر کے فضائل میں جو لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم اپنی زوجہ بی بی عائشہ کو حبشی مردوں کا ناچ دکھانے کو لیگئے اور حضرت کے شانہ پر سے مُنہ نکالکر وہ تماشا اُن مردوں کے ناچنے کا دیکھتی تھیں اتنے میں عمر آگئے تو وہ حبشی سب بھاگ گئے حضرت نے فرمایا کہ عمر کے سایہ سے شیطان بھاگتا ہے سو یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ رسولخدا صلعم تو شیطانی کام میں مشغول ہوں اور شیطان اُنکے پاس سے نہ بھاگے اور عمر کو دیکھکر بھاگ جاوے اور اگر عمر سے شیطان بھاگتا تھا اور رسولخدا صلعم سے نہیں بھاگتا تھا تو معلوم ہوا کہ عمر شیطان سے بھی بڑھے ہوے تھے اور اگر کافروں کے حق میں حضرت عمر زہر قاتل تھے تو مسلمانوں کے حق میں بھی شہد شیر میں نتھے عادت ہی ایسی کج خلقی کی تھی کہ سب سے اُنکا بچھاڑ رکھتے تھے اور ایسے بدمزاج تھے کہ اُنکی خلافت سے کوئی مسلمان راضی نتھا ابوبکر نے بموجب وعدہ سابق کے کہ اگر تو مجھکو خلیفہ کروائیگا تو میں تجھ کو بعد اپنے خلیفہ کرونگا بدون رضامندی مسلمانوں کے عمر کو خلیفہ کردیا چنانچہ ازالۃ الخفاء میں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبدالعزیز صاحب نے ترمذی اور مستدرک سے لکھا ہے کہ ان ابابکر اذا حضرہ الموت ارسل الی عمر لیستخلفہ فقال الناس استخلف علینا فظًا غلیظا ولو قد ولینا لکان افظ و اغلظ فما تقول لربک اذا لقیتہ وقد استخلفت علینا عمر اور ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ ان جماعۃ من الصحابۃ دخلوا علی ابی بکر لما عزم علی استخلاف عمر فقال لہ القائل منہم ما انت قائل لربک اذا سالک عن استخلاف عمر علینا وقد تری غلظتہ درحاصل دونوں روایتوں کا یہ ہے کہ جسوقت ابوبکر عمر کو خلیفہ کرنے لگے تو لوگوں نے کہا کہ تو ہم پر ایسے بدمزاج تند خو کو خلیفہ کرتا ہے اگر اسکو تو خلیفہ کریگا تو یہ زیادہ بدمزاج ہوجائیگا اور جسوقت تو اپنے پروردگار سے ملاقات کریگا تو کیا جواب دیگا تو عمر کے خلیفہ کرنے کا کہ ایسے بدمزاج کو ہم پر خلیفہ کرتا ہے سو اُنکی عادت سب ہی سے ایسی تھی اور کافروں کے واسطے زہر قاتل کیا ہوتے جہاد میں تو کافروں کے مقابلہ سے بھاگ جاتے تھے کیا کسی کافر کو کبھی قتل کیا تھا جو کفار کے حق میں زہر قاتل تھے سوائے بھاگ جانے کے شعار ہی اُنکا نتھا اگر ڈٹ کر لڑتے تو کسیکو تو قتل کرتے سو یہ نصیب ہی نہیں ہوا اسصورت میں اُنکے حق میں سب سے زیادہ اشد علی المؤمنین صادق آتا تھا نہ اشد علی الکفار اور سچ ہے شیطان اُنکو کیا گمراہ کرتا تحصیل حاصل تھی شیطان تو اُسکو گمراہ کرتا ہے کہ جو کوئی اُس سے پناہ مانگتا ہے اور شیطان تو خود اُس سے ہی پناہ مانگتا تھا اور بھاگتا پھرتا تھا جیسا کہ ہم لکھ چکے اور عبادت اُنکی جیسی کہ بے ریا تھی اُسکو ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور یہ کچھ ضرور نہیں ہے کہ بُرا کام غلط فہمی ہی کی جہت سے ہو اکثر آدمی عمداً جان بوجھکر بُرے کام لو واسطے طمع دنیا اور حب ریاست و جاہ اور خواہش نفسانی کی جہت سے کرتے ہیں کہ ثواب اُسمیں سر مو نہیں ہوتا بلکہ انجام کو وبال جان ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جو اپنے بھائی کے بال پکڑ کر کھینچا تو اُنہوں نے ہرگز غلط فہمی نہیں ہوئی تو عمر کی خاطر سے غلط فہم اُنکو مقرر کرتا ہے بلکہ اُنہوں نے عمداً مصلحت سمجھکر اُنکے بال پکڑ کر کھینچے اپنی قوم کے دکھانے کو جنہوں نے کہ گوسالہ پرستی کی تھی تاکہ وہ جانیں کہ گوسالہ پرستی بڑا سخت گناہ ہے کہ جسکے سبب سے اپنے بھائی کو بال پکڑ کر کھینچا تا کہ وہ توبہ کریں اور آیندہ سے ایسی حرکت نکریں اور بعضی صحابہ سے جو کچھ افعال سرزد ہوئے ہیں اُسمیں نیت ہی اُنکی خراب تھی اُس نیت ہی پر اُنسے مواخذہ ہوگا اور رسول خدا کے سامنے اُنکے افعال تھے بلکہ ایسے تھے کہ جو بروز حشر باعث اُنکی رسوائی کا ہونگے **قال الشیخ الاشعری** الغرض صحابہ کرام کے سامنے جب نفس اور شیطان مغلوب ہوئے تو اُسوقت اگر کوئی کار ممنوع اُنسے صادر ہوا تو بوجہ غلط فہمی صادر ہوا ہوگا اس صورت میں گو وہ کام برا تھا لیکن چونکہ بُری طرح سے نہیں ہوا اور شیطان و نفس کو جو بُرے کاموں کی اصل اور بنیاد باندھنے والی ہیں اُسمیں دخل نہیں بلکہ قوت ایمانی ہی باعث اسکا ہوئی ہے تو ثواب تو غلبہ نیت اور قوت ایمانی ان کاموں کی بُرائی ایسی مغلوب ہوئی ہے جیسے ماشہ دو ماشہ برابر نمک کا اثر کرنے یا دریا میں سو جیسے حضرت موسیٰ کو حضرت ہارون پر غصہ ہوا اور اُنکے بال پکڑ کر کھینچے کا باعث فقط بغض فی اللہ تھا ایسے ہی مشاجرات صحابہ بھی بغض فی اللہ پر مبنی ہوں لیکن جیسے حضرت موسیٰ سے غلطی ہوئی کہ اُس بغض فی اللہ کو بموقع صرف کیا ایسے ہی صحابہ سے بھی یہ غلطی ہوئی ہو کہ جوش بغض فی اللہ میں مثلاً چوک گئے اور لگار بیٹھے اور حقیقت الامر کو نہ سمجھے تو اس صورت میں اُنپر مواخذہ نہوگا بلکہ ماجور ہونگے ہاں اگر بغض فی اللہ یا کوئی اور صفت محمودہ باعث اُس فعل کا نہیں ہوا بلکہ کوئی امر ... ثواب نہیں ... افعال مباح ہوتے ہیں تو البتہ ثواب تو مترتب نہوگا لیکن بسبب غلط فہمی کے ماخوذ بھی نہونگے اور احتمال یہ بھی ہے کہ گناہ اقل قلیل بمقتضاء بشریت حرکت ... صادر ہوے اور وجہ اسکی یہ ہے کہ ہر چند شیطان کو مخلصین پر قابو نہیں رہتا اور نفس بھی مغلوب و مقہور ہوکر اُنکا اس طرح مطیع فرمان ہو لیتا ہے جیسے ہاتھی باوجود اس عداوت کے کہ اُسکو آدمیوں سے ہی مغلوب و مقہور ہوکر آدمیوں کی ہر طرح سے اطاعت کرتا ہے لیکن جیسے ہاتھی پھر ہاتھی ہے آدمیوں کے غلبہ سے آدمی نہیں بنگیا کبھی نہ کبھی اپنی عادات اصلی پر آجاتا ہے ایسے ہی نفس کو غلبہ ایمان اور صولت محبت الٰہی کے باعث مقہور اور مغلوب ہوگیا ہے لیکن پھر نفس ہے وہ طبعزاد بُرائی اور گناہوں کی رغبت کہاں جاتی

اقول اول تو سب صحابہ سے شیطان اور نفس کا مغلوب ہونا ثابت نہیں ہے اور دوسرے یہ کہ بوجہ غلطی کوئی گناہ اُنسے صادر نہیں ہوا ہے بلکہ جو کچھ اُنہوں نے کیا ہے عمداً اور حب جاہ اور خواہش نفس اور عداوت فیما بین کی جہت سے کیا ہے اور بُری طرح ہی سے ہر ایک امر بد اُنسے صادر ہوا ہے اور خواہش نفس ہی کا اُسمیں دخل ہوا ہے اور جو کچھ بعضے

صحابہ نے کیا ہے وہ بے ایمانی ہی کی راہ سے کیا ہے اور قوت ایمانی سے اسکو کچھ لگاؤ نہیں ہے اور نیت ہی انکی ابتدا سے بے ایمانی پر آمادہ تھی تطمیع دنیا چنانچہ سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ اما وقع بین الصحابۃ من المحاربات والمشاجرات علے الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علے السنۃ الثقاۃ یدل علی ظاہرہ ان بعضہم قد حاد عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق وکان الباعث لہ الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملک والریاسۃ والمیل الی اللذات والشہوات اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما اور حاصل حکایت یہ ہے کہ جو کچھ واقع ہوا ہے درمیان صحابہ کے جنگ جدال او نزاع اور تکرار جس طرح سے کہ کتب تواریخ میں لکھا ہے اور معتمدین آدمیوں کی زبانوں پر مذکور ہے وہ دلالت کرتا ہے باعتبار ظاہر کے اس امر پر کہ بعضی صحابہ راہ حق سے تجاوز کر گئے ہیں اور حد ظلم او فسق کو پہنچ گئے اور باعث اسکا کینہ اور عناد اور خصومت سخت ہے اور طلب ملک اور ریاست اور رغبت طرف لذتوں اور خواہش نفس کے تھا اسواسطے کہ نہیں ہے ہر صحابی معصوم اور نہ ہر وہ شخص کہ جس نے پیغمبر خدا سے ملاقات کی ہے نام رکھا گیا بخیر ہے اور بعد اسکے لکھا ہے کہ علما انکے افعال قبیحہ میں تاویل کرتے ہیں بسبب حسن ظن کے جو صحابہ کی نسبت ہے اس قول سے سب مقدمات اسکے باطل ہو گئے کہ جو کچھ انسے وقوع میں آیا ہے سب عمدا کینہ اور عداوت اور طلب ریاست اور رغبت لذات اور خواہش نفس سے وقوع میں آیا ہے اور غلط فہمی کو کچھ دخل نہیں ہے اور اسیواسطے امام غزالی نے لکھا ہے کہ صحابہ کے نزاعوں کا ذکر نکرنا چاہئے ورنہ صحابہ سے سننے والونکو بغض ہو جائیگا چنانچہ صواعق محرقہ میں قول امام غزالی کا منقول ہے کہ ویحرم علی الواعظ وغیرہ ذکر مقتل الحسن والحسین وما جری بین الصحابۃ من المشاجرات والمنازعات لانہ یہیج الی بغض الصحابۃ یعنی اور حرام ہے واعظ کہنے والے پر اور اسکے غیر پر ذکر کرنا حسن اور حسین علیہما السلام کے قتل ہونیکا اور حرام ہے ذکر کرنا صحابہ کے جھگڑوں اور مخالفتوں اور لڑائیوں کا اسواسطے کہ یہ ذکر کرنا کھینچتا ہے طرف بغض صحابہ کے کہ ان قصوں کو لوگ سنینگے تو صحابہ سے دشمنی ہو جائیگی پس جسوقت کہ ایسے افعال تھے صحابہ کے کہ اسکو سنکر انسے دشمنی ہو جاے تو وہ کونسا اندھا عقل کا ہے کہ اسکو یہ سمجھیگا کہ قوت ایمانی اسکا باعث ہوئی اور پیغمبر خدا کے ارشاد کو ہذیان کہنے کو اور انکی اہل بیت کے گھر کے جلانے کا ارادہ کرنے کو اور دروازہ توڑنے کو اور انکے حقوق کے غصب کرنے کو اور صحابہ کبار کے بے عزت اور زد و کوب اور ہزاروں مومنین صالحین کے قتل کرنیکو کون غلط فہمی کہدیگا اور ان ظلموں کو ماشہ و ماشہ کون کہدیگا اور حضرت موسیٰ سے ہرگز غلطی نہیں ہوئی اس سے پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ قوم کے دکھانے کو اپنی طرف حضرت ہارون کو کھینچتا تھا تاکہ لوگ پھر ایسی حرکت نکریں ورنہ فلا تشمت بی الاعداء حضرت ہارون نے اسواسطے کہا کہ انکو مافی الضمیر حضرت موسیٰ کا علم نتھا کہ وہ اسواسطے کھینچتے ہیں سو ہوسکتا ہے کہ غصہ میں حال دریافت کر نیکو اپنی طرف کھینچا ہو جب حضرت ہارون نے عذر کیا اور کہا کہ یا ابن ام ان القوم استضعفونی وکادوا یقتلوننی تو برات حضرت ہارون کی ثابت ہوئی اور استغفار واسطے انقطاع کی طرف خدا کے اور تقرب کے طرف اسکے کیا ہو اور جسوقت کہ انبیا معصوم ٹھیرے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ انکی غلط فہمی ہوئی اور موسیٰ سا پیغمبر ہو کر طرف حضرت ہارون کے کہ وہ بھی معصوم تھے گمان بد کریں کہ اس امر میں اس نے قصور کیا ایسا نہیں ہوسکتا ورنہ انبیاء کو معصوم نکہو اور اگر معصوم کہتے ہو تو غلط فہمی کے کیا معنی اور اگر غلط فہمی انکے حق میں جایز ہوئی تو معلوم ہوا کہ بعضے احکام خدا کو بھی غلطی کر کے غیر مرضی خدا کے موافق لوگونکو پہنچاتے ہونگے پیغمبری ہی باطل ہوئی کہ علم تو کچھ تھا اور پہنچایا کچھ اور یہ بھی خوب بات ہے کہ انبیاء علیہم السلام جو کہ معصوم ہیں انکی گناہوں کو تو ظاہر کرتے ہیں اور غیر معصوموں کے گناہوں میں تاویل کرتے ہیں اور دونوں کے گناہوں کو برابر رکھتے ہیں اور غیر معصوموں کے گناہوں کو جو منجر بکفر ہیں انکو معصوموں کے ترک اولی سے مساوی سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں جیسے انبیا سے غلط فہمی ہوئی ہے ایسے ہی صحابہ سے غلط فہمی ہوئی ہے اور یہ نہیں سمجھتے ہیں کہ غیر معصوم کے فعل میں تاویل ہو ہی نہیں سکتی اور اگر ہر ایک کے قول اور فعل میں گنجایش تاویل کی ہو تو کلمات کفر جو بعضوں سے صادر ہوتے ہیں تاویل کر کے درست کر لیے جائیں اور بعضی صحابہ نے بغض فی اللہ کو جو بیموقع صرف کیا اسیواسطے انسے مواخذہ ہوگا کہ بغض فی اللہ تو چاہئے کفار سے اور انہوں نے خدا کے دوستوں سے بغض کیا اور حقیقۃ الامر کو خوب سمجھکر کیا بدون سمجھے نہیں کیا کہ وہ تیری طرح احمق اور دیوانے نتھے بلکہ قصدا کیا چنانچہ شرح مقاصد کی عبارت ابھی گزری ہے اور اجر کیسا بلکہ بڑی سخت عذاب میں گرفتار ہونگے جسوقت کہ مظلوم انکے ظلم کی درگاہ خدا میں فریاد کرینگے اور بغض فی اللہ تو کوئی امر ہی نتھا بلکہ جو کچھ کیا حب جاہ اور کینہ اور عداوت کی جہت سے کیا اسیواسطے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تھا کہ بعضے مردوں کو ملائکہ حوض کوثر پر سے دوزخ میں لیجائینگے تو میں کہونگا کہ انکو کہاں لیے جاتے ہو یہ تو میرے اصحاب ہیں وہ کہینگے کہ جسوقت سے کہ تو نے انسے مفارقت کی ہے اسیوقت سے یہ مرتد ہو گئے تھے چنانچہ صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور مرتد ہو جانا بعضے صحابہ کا اسوقت کا ظاہر ہے گو اہل سنت انکار اسکا کریں اور اقل قلیل نہیں اور نہ مقتضای بشریت بلکہ قصدا بعضے صحابہ سے ایسے افعال بد صادر ہوئے ہیں کہ نجات انکی دشوار بلکہ مشکل ہے اور وہ لوگ مخلصین میں سے نتھے بلکہ دنیادار اور طالب دنیا تھے اور اس طلب دنیا نے انکو آخرت سے بالکل اندھا کر دیا تھا اور شیطان انکا ہمدم تھا اور اگر وہ لوگ ارادہ کرتے کہ نفس کو مقہور کریں اور اپنا مطیع بنائیں جیسا کہ چاہتے آدمی کا مطیع ہو جاتا ہے تو ہو سکتا تھا لیکن انہوں نے ارادہ ہی اسکا نہیں کیا اور جو کچھ کیا جان بوجھکر کیا ہے اور اگر محبت الہی انکو ہوتی تو الیٰنا کا ہیکو کرتے اور نفس کو اپنے انہوں نے مقہور اور مغلوب کیا ہی نہیں ہے نفس انکا تو ہمیشہ غالب ہی رہا ہے اسیواسطے طبع برائی انکی ظاہر ہوتی تھی اور گناہوں کی طرف رغبت کرتے تھے قال الشیخ الاشعری تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ جیسے بدن میں چار روں قسم کی کیفیات یعنی حرارت برودت یبوست رطوبت کو پا کے جانتے ہیں یہ دریافت ہوا ہے کہ بیشک بدن ان چاروں کیفیات کے اصلوں سے یعنی آگ ہوا پانی خاک سے مرکب ہے ایسے ہی بلحاظ اسباب کے کہ آدمی کی کبھی میل نیکی کی طرف رغبت ہوتی ہے کبھی بدی کی جانب

یوں معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی حقیقت ان دونوں کی اصلوں سے مرکب ہے لیکن جیسے اربعہ عناصر میں سے ہر ایک میں ایک کیفیت خاص ہے کہ اسکے مخالف اسمیں نہیں پائی جاتی اور اگر پائی بھی جائے تو
عارضی ہوتی ہے جیسے پانی کا گرم ہوجانا ایسے ہی نیکی اور بدی کی اصل میں بھی ان دونوں میں سے ایک ایک ہونی چاہئے اور دوسری آجائے تو وہ عارضی ہے جب بات
مسلم ہوچکی تو ہم کہتے ہیں کہ نیکی کے اصل کا نام ہم روح رکھتے ہیں اور بدی کے اصل کا نام نفس اور روح میں کیفیت اصلی نیکی ہوگی اور خلاف ہو کر اگر بدی اس سے صادر ہو
تو وہ عارضی ہے اور نفس کی اصلی خاصیت بدی ہوگی اور مغلوب ہو کر نیکی کرنے لگے تو وہ عارضی سمجھی جائیگی اس جگہہ ہم یوں قیاس کرتے ہیں کہ جیسی حرارت غریزی
کے وسیلہ سے ہم یوں دریافت کرتے ہیں کہ آدمی کے بدن میں ایک جزء ناری بھی ہے اور پھر اسکو یوں کہتے ہیں کہ اسکی اصل کرہ نار ہے خدا نے اپنی اور قدرت سے اسے
یہاں لا کر قید کر دیا ہے ایسے ہی نیکی کے ارادہ کے وسیلہ سے اول تو ہم یوں دریافت کرتے ہیں کہ آدمی میں کوئی چیز ایسی بھی ہے کہ اسکی اصلی خاصیت نیکی ہے اور دوبارہ یوں
سمجھتے ہیں کہ اسکی اصل طبقہ ملائکہ ہے جنکی شان میں خداوند کریم یوں ارشاد فرماتا ہے لَا يَعْصُونَ اللّٰهَ مَآ اَمَرَهُمْ وَيَفْعَلُوْنَ مَا يُؤْمَرُوْنَ یعنی خدا کی نافرمانی کرتے ہی
نہیں جو حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں سو اسکا حاصل یہی ہے کہ انکی اصلی خاصیت نیکی ہے ایسے ہی انسان کے دل میں بدی کے ارادہ اور خواہش کے وسیلے سے اول تو ہم سمجھتے
ہیں کہ اس میں کوئی جزء ایسا ہے کہ اسکی اصلی خاصیت بدی ہے اور پھر یوں خیال میں آتا ہے کہ اسکی اصل طبقہ شیاطین ہے جن کے حق میں جناب باریتعالی یوں ارشاد فرماتے ہیں
وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا حاصل یہ ہے کہ شیاطین اپنے رب کی قدیمی نافرمان ہیں سو اسکا حاصل یہی ہے کہ انکی اصلی خاصیت بدی اور نافرمانی ہے القصہ روح عالم ملکوت کی
ایک چیز ہے اور نفس طبقہ شیاطین میں سے ہے خداوند کریم نے اپنی زور و قدرت سے انکو ایک جگہہ ایسا جمع کر دیا ہے جیسا طوطی اور زاغ کو ایک قفس میں بند کر دیں پھر جیسے
بدنکے اربعہ عناصر میں ہر ایک کو اسکے ہمجنس سے تقویت ہوتی ہے ایسے ہی روح اور نفس کو بھی اپنے اپنے ہمجنس سے یعنی ملائکہ اور شیاطین سے تقویت ہوتی ہے چنانچہ بعض
احادیث بھی اسپر شاہد ہیں اور بزور عقل بھی ہم یوں ہی یقین کرتے ہیں کہ اوقات مختلفہ میں یہ نیکی اور بدی کے خیال کا غلبہ بوجہ ملائکہ یا بوجہ شیاطین ہوتو ہو ورنہ جو
انداز طبع زاد تھا وہ ہی رہتا غرض طبعی کیفیت جاتی ہے تو کسی خارجی شے کے غلبہ سے جاتی ہے سو نیکی کے خیال کا غلبہ بظاہر سوا ان بجز اعانت ملائکہ متصور نہیں علی ہذا القیاس
بدی کیجانب توجہ کی زیادتی بجز تاثیر شیاطین معقول نہیں سو اگر کسی وقت نیکی کا خیال غالب ہوا اور اس سبب سے اعمال صالحہ صادر ہوں اور اس ترکیب سے روح کی تاثیر نفس کو
اسیطرح عارض ہوجاوے جیسے برتن کے نیچے آگ جلانیکی ترکیب سے آگ کی تاثیر پانی پر عارض ہوجاتی ہے اور اسکے تاثیر اصلی کو ٹھنڈک ہی دبا لیتی ہے تو اس صورت میں نفس
بھی روح کے کام ایسے ہی دینے لگے گا جیسے بہت گرم پانی آگ کا کام دیدے یعنی بدن کو جلا دے علی ہذا القیاس اگر نفس روح پر غالب آجائیگا تو روح نفس کی تبعیت میں نفس
کے کام دینے لگیگی کیونکہ ترکیب میں یہی ہوتا ہے کہ یا یہ غالب ہو یا وہ چنانچہ اجسام میں یہی حال رہتا ہے کبھی کسی خلط کا غلبہ کبھی کسی خلط کا بہرحال اگر روح غالب ہوگی تو اسوقت روح کو
بہ نسبت نفس کے اشداء علی الکفار میں سے سمجھنا چاہئے اور اسوقت میں شیطان کا بالکل خدنا اٹھ جاتا ہے اور وہ تسلط اور حکومت جو پہلے تھی باقی نہیں رہتی لیکن جیسے کسی
شخص میں ایسا اختیار تو نہو جیسے نوکر یا غلام پر ہوتا ہے مگر تاہم اپنی طرف سے اپنی جی کی بات سمجھا یا کرتے ہیں وہ مانے یا نمانے ایسے ہی شیطان بھی اپنی حسب مرضی نیت سے
یعنے وسوسہ ڈالنے سے باز نہیں آتا **اقول** جسقدر اس نے اس مقام میں لکھا ہے اسکو اس سے کچھ فائدہ نہیں اور نہ یہ رسالہ ایسے امور کی تحقیق کا ہے امامیہ جو نیکی اور
بدی کو قیاس کیا ہے حرارت اور برودت اور یبوست اور رطوبت پر صحیح نہیں ہوسکتا ہے اسواسطے کہ یہ چاروں کیفیتیں تو بدن انسان میں موجود ہیں اور نیکی اور بدی کیواسطے
انسان کے بدن میں کوئی وجود نہیں ہے فعل انسان کا اگر نزدیک عقل کے پسندیدہ ہوا تو اسکو نیک کہنے لگے اور اگر عقل کے نزدیک پسندیدہ نہوا تو اسکو بد کہنے لگے یعنی ان فعلوں کا
نام نیک اور بد رکھدیا ہے اور وہ سب افعال ہی انسان کے جنکا نام نیک اور بد رکھا ہے اور یہ اس صورت میں ہے کہ جسوقت حسن و قبح عقلی ہو اور جسقدر اس نے لکھا
ہے وہ حسن اور قبح عقلی ہی میں درست ہوسکتا ہے نہ حسن اور قبح شرعی میں اور مذہب اشاعرہ کا حسن قبح شرعی کا ہے اسواسطے کہ بعض افعال حسن شرع ایک مذہب کا ہے وہ دوسرے
مذہب کی شرع میں قبیح ہے اس صورت میں نیکی اور بدی ہی میں اختلاف ہوگا اور جب انمیں اختلاف ہوا تو پایا گیا کہ انکی اصلوں میں بھی اختلاف ہو کہ ایک مذہب میں
اگر نیکی کی اصل روح ہو تو دوسرے مذہب میں وہ بدی کی اصل ہو اور نیکی کے اصل کا نام نفس تب بھی ایک اصطلاح جدید ہے اور قرآن مجید تو خدایتعالی فائدہ اور نہ افعال کا
دونوں کا نفس ہی کے واسطے بیان کرتا ہے اور آدمی کے بدن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے کہ جسکی اصلی خاصیت نیکی ہو اور نہ انسان میں کوئی جزء ایسا ہے کہ جسکے اصلی خاصیت
بدی ہو بلکہ ارادہ سے اپنی جانب نیکی کرے چاہے بدی کرے لیکن قوتیں خدایتعالی نے انسان کے بدن میں پیدا کی ہیں جنکے ذریعہ کرتا ہے ان قوتوں کے وسیلہ سے کرتا ہے مگر حکم یہ کیا ہے کہ ان
قوتوں کو افعال نیک میں صرف کرو اور جو کچھ اس قول میں اول سے آخر تک مرقوم ہے اس سے مبالغہ اور دست تراشات اگر بعض صحیح ہے تو بعض قابل اعتراض بھی ہیں لیکن
اسکے تعارض میں کچھ ہمکو فائدہ نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** بہرحال جسکا نفس مقہور و مغلوب ہو جاتا ہے وہ روح کی تبعیت میں اسی کا کام کرنے لگتا ہے لیکن یہ نفس

نفس ہی ہی جیسے پانی کتنا ہی گرم کیوں نہو آخر پھر وہ پانی ہی اول تو آگ کے بجھانے میں ویسا ہی ہی جیسا ٹھنڈا پانی دوسرے یہہ حرارت عارضی ہی اور عارضی چیز کا کیا اعتبار ابھی آگ جلانی چھوڑ دو یا چولہے پر سے اُتار کر ذرا دیر دو پھر وہی ٹھنڈا کا ٹھنڈا ہے اسیطرح جہاں نفس کی خبرداری سے ذرا غفلت ہوئی پھر وہی اپنیوں پر آجاتا ہی اور ہر وقت ایک حال رہنا محالات عادی میں سے ہی خصوصاً جسکی شان میں جناب باریتعالی یوں ارشاد فرماتے ہیں وَلَمْ نَجِدْ لَهُ عَزْمًا یعنی حضرت آدم کی نسبت یوں ارشاد ہی کہ آدم بھول گئے اور ہمنے اُنمیں پختگی نپائی کیونکہ جو جو اوصاف حضرت آدم علیہ السلام میں تھے تھوڑے بہت سب بنی آدم میں ہونے چاہئیں اسکی یہ ہی کہ توالد اور تناسل میں تو نوعیت باقی رہتی ہی اسیواسطے آدمی کے آدمی اور گھوڑی کے گھوڑا اور گدھی کے گدھا پیدا ہوتا ہی اور جب نوعیت باقی رہی تو جو خواص نوعیہ کے باقی رہتے میں نظر آتی ہی یعنی توالد تناسل وہی بعینہ اور اوصاف کے حق میں بھی سمجھنی چاہئیے بالجملہ سب اوصاف آدم علیہ السلام نسلاً بعد نسلٍ کم و بیش سب آدمیوں میں ہوئی تو پھر ایک حال پر رہنا محال اس صورت میں لازم پڑا کہ ہمیشہ نفس کی محافظت یکساں نہو بلکہ کبھی کبھی اُسکی نگاہداشت میں فرق پڑے اور نفس اپنی خاصیت کیطرف مائل ہو اور کوئی انکو تقصیر سرزد ہو باقی رہی یہ بات کہ کوئی نفس کی حقیقت کو بدلکر روح بنالے یہہ خود محالات میں سے ہے خداوند کریم ارشاد فرماتا ہی لَا تَبْدِيلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ یعنی خدا کے پیدا کئے کو کوئی نہیں بدل سکتا الغرض کوئی صورت ایسی نہیں کہ انسان خطا او قصور سے بے اندیشہ ہو جاے لیکن اس حال کا قصور اُس قصور کی برابر نہیں کہ نفس اپنی خاصیت اصلی پر ہو اور نسبہ روح کا ذرہ برابر اثر نہو بلکہ اُلٹا اُسکا روح پر اثر ہو کیونکہ پہلی صورت میں آدمی کا کچھ قصور نہیں اسکا کام اتنا ہی تھا کہ روح کو غالب کر دے اور نفس کو مغلوب روح کی خاصیت نفس کی خاصیت کو دبا بیٹھے یہ اسکے اختیار میں نہیں کہ نفس کو بلکل روح بنادے اسکے اختیار میں نہیں کہ مدام یکساں رہے پھر جب اسکے اختیار میں دو باتیں نہوئیں اور جسقدر اسکا اختیار تھا اُسقدر کر گزرا تو پھر لائق اسکے ہی کہ معاف کیا جاے چنانچہ خداوند کریم خود فرماتا ہی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ کسیکو اُسکی طاقت اور وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اسلئے ہمیں یقین کامل ہی کہ اسوقت کی خطائیں ہر چند خطائیں ہیں لیکن بسبب عموم رحمت اور وعدہ مذکورہ کے معاف کیجائیں **اقول** اس قول میں اتنا تو جہہ کہنا ہی بعضی امور قابل تعرض کے ہیں لیکن اُنکے ذکر میں ہمکو کچھ فائدہ نہیں ہی اسواسطے ترک کیا **قال الشیخ الاشعری** اب سنئے کہ انبیا سے جو لغزشیں ہوتی ہیں تو شاید اس قسم کی ہوں جن پر عتاب ہوا ہی اور احتمال ہی کہ اُنکی بسبب علو رتبہ کے موافق مشہور نیکاں را بیش بود حیرانی اُنکی زلات سب از قسم غلط فہمی ہوں اور اوروں کو گو اُسپر ثواب ملے پر انپر اُسپہ عتاب ہو لیکن صحیح اول ہی بات معلوم ہوتی ہی بہرحال ہر چہ بادا باد انبیا کے اسرار کو خدا جانے یا انبیا پر یہاں تو فقط اتنی بات سے غرض ہی کہ یہہ وصف کہ جو اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا خدا نے معرض تعریف میں بیان کیا اور پھر تعریف بھی ایسے وصف کے ساتھہ کہ بعد رسالت اُمید کا رتبہ ہی وہ یہہ وصف ایسا نہیں کہ صدور گناہ یا صدور خطا اُسکے ساتھہ محال ہو محال البتہ جب ہوتا کہ اس وصف والوں کو حقیقت نفسی کی تبدیل کا اختیار ہوتا سو یہہ تو معلوم یہی ہی اس وصف والوں کو یہہ نصیب نہیں ہو سکتا کہ ایک حال پر برقرار رہیں اور کیونکر رہ سکیں دو چیزیں مخالف ایک دوسرے کے دشمن انکو پالا پڑا ایک شی ہو تو ایک حال پر رہے انکو واسطے یہی بہت ہی کہ شیطان کا انپر تسلط نہیں ہو سکتا خداوند کریم انسے برائیوں کو ہٹاتا رہتا ہی چنانچہ حضرت یوسف سے برائی اور فحش کے ہٹانے کی وجہ یہی بیان فرمائی ہی کہ وہ چنے ہوؤں میں سے ہیں فرمایا ہی کہ كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ وَالْفَحْشَآءَ اِنَّهٗ مِنْ عِبَادِنَا الْمُخْلَصِيْنَ یعنی یوں ہی ہوا اسواسطے کہ ہٹاویں اُس سے برائی اور بے حیائی البتہ وہ ہمارے چنے ہوئے بندوں میں سے تھا القصہ یہہ لازم نہیں کہ جو اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہوا کریں اُن سے لغزش کا ہونا محالات میں سے ہو ہاں البتہ " باد ات میں فتور نہو اُنکے کام میں ریا کو دخل نہو طالب اگر ہوں تو رضاء خداوندی کے ہوں نظر ہو تو اُسکے ایک فضل پر ہو سوا سی لئے بعد ان دونوں وصفوں کے بطور علامات کے اور دلائل کے یوں بیان فرمایا تراہم رکعا الخ **اقول** غلط فہمی تو انبیاء علیہم السلام میں ہرگز نہتی جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے ہیں اور گناہ کے صادر کرنیمیں احتیاج حقیقت نفسی کے تبدیل کرنے کی نہیں ہی انسان کو خدا تعالی نے اختیار بخشا ہی چاہی اپنے ارادہ سے فعل نیک صادر کرے یا فعل بد شیطان کا انپر مسلط ہونا ہی کچھ محال نہیں ہی جائز الخطا تھے اور ہمراہ حضرت کے تو سب طرح کے آدمی تھے منافق بھی اور ضعیف الایمان بھی اور مؤلفۃ القلوب بھی اور مؤمنین بھی اور یہ اوصاف مؤمنین صالحین کے ہیں جنکو کہ ابتدا میں ہم بیان کر آئے ہیں نہ ہمراہیوں کی اور آیت كَذٰلِكَ لِنَصْرِفَ عَنْهُ السُّوْٓءَ حضرت یوسف کے مقدمہ میں ہی کہ وہ پیغمبر تھے اور خدا تعالی کے بندگان مخلصین میں سے تھے اور جو لوگ کہ ہمارے پیغمبر صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم کے ہمراہ تھے وہ سب کے سب مخلصین میں سے نہ تھے اگر تھے تو بعضے تھے چنانچہ پہلے اس سے ہم بیان کر چکے اور یہ بھی لازم نہیں ہی کہ اُن سب کی عبادات میں فتور نہو اور اُنکے کام میں ریا کو دخل نہو اور اگر طالب ہوں تو رضائے خداوندی کے ہوں بلکہ اُنمیں طالب دنیا اور طالب جاہ دنیا بھی موجود تھے اور وہ مہاجرین اور انصار میں سے بھی تھے چنانچہ پہلے اس سے شرح مقاصد کی عبارت میں گزرا ہی اور تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا بھی اُن مؤمنین صالحین کی علامات میں سے ہی نہ سب ہمراہیوں کی علامات میں سے **قال الشیخ الاشعری** جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب ہماری عرض علماء شیعہ کی خدمت میں یہ ہی کہ

اول تو بسا اوقات یوں ہوتا ہے کہ بڑے بڑے کسی غلطی کے سبب سے بھلی بات کو بری سمجھ جاتے ہیں حضرت خضر کی کشتی توڑنے کو حضرت موسیٰؑ جیسے اولوالعزم نے برا سمجھا اور خلاف شریعت سمجھکر یوں فرمایا لَقَدْ جِئْتَ شَيْئًا إِمْرًا حاصل یہ ہے کہ تو نے برا کام کیا حالانکہ انہوں نے برا نہیں کیا تھا بلکہ بھلا کیا تھا اگر نہ توڑتے وہ کشتی پکڑی جاتی سو اسیطرح حضرات شیعہ بلکہ حضرات ائمہ بعض اصحاب کے افعال کو مثلاً فدک کے نہ دینے کو اور سوا اسکے اور افعال کو سر دست اگر برا سمجھ گئے ہوں اور حقیقت میں وہ برے نہوں تو حضرات شیعہ ہی نقل کی رو سے فرمائیں کیا محال ہے اور یہ نہی شاید کہ کسیکو یہ گمان ہو کہ حضرت خضرؑ اہل مکاشفہ میں تھے انکی بات اگر سمجھ میں آئی تو بجا ہے ابوبکر تو ہم اہل مکاشفہ میں سے نہیں سمجھتے اسلئے یہ التماس ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت ہارون علیہ السلام کو باہم جو شکر رنجی ہوگئی اور منشا اسکا یہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام حقیقت الامر کو نہ سمجھے اور اس سبب سے دست و گریبان ہوگئی اور ایسے ہی حضرت زہرا رضی اللہ عنہا حقیقت الامر کو سر دست نہ سمجھی ہوں تو کیا حرج ہے حالانکہ یہاں کوئی مکاشفہ کی بات بھی نہ تھی اسلئے کہ حضرت ہارون نے تو کچھ خطا کی ہی نہ تھی اگر معصوم ہونے کی ہیبت ہے اگر بات کو مستبعد سمجھتے ہو تو حضرت زہرا رضی اللہ عنہا تو فقط شیعوں ہی کے نزدیک معصوم ہیں حضرت موسیٰ تو بالاتفاق معصوم ہیں وسیلنا یہ بھی نہیں تو یہ ناکارہ ابھی عرض کرکے آیا ہے کہ اولیا مخلصین سے چوک ہو ہی جاتی ہے اور خطا ہونا انسے کچھ محال نہیں جو اسو جہ سے انکی بزرگی کے منکر ہوجائے بزرگی اور چیز اور صدور گناہ اور چیز وہ گناہ جو مخالف لائیت ہے وہ یہ ہے کہ نفس اپنی خاصیت اصل پر باقی ہو اور روح اسکی مغلوب ہو جائے نہ یہ کہ بمقتضائے بشریت بھی نہو ورنہ ہم تو نہیں کہہ سکتے حضرت آدم کی شان میں جو یہ آیا ہے وَعَصَىٰ آدَمُ رَبَّهُ فَغَوَىٰ یا حضرت یونس کی طرف تعریض ہو کہ وَلَا تَكُن كَصَاحِبِ الْحُوتِ یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا جاتا ہے مَا كَانَ لِنَبِيٍّ أَن يَكُونَ لَهُ أَسْرَىٰ حَتَّىٰ يُثْخِنَ فِي الْأَرْضِ ان سبکے کیا معنے ہونگے حالانکہ یہ سب مقائح کلام اللہ میں مذکور ہیں گنجایش انکار ہی نہیں اور صحابہ کی زلات اگر زلات بھی ہوں اور از قبیل غلط فہمی نہوں تب وہ کچھ کلام اللہ میں مذکور نہیں کسی حدیث متواتر میں نہیں ممکن ہے کہ غلط ہو اور یہ بھی ہم کہتے ہیں کہ غلط نہیں لیکن جو تم جواب انبیا کی طرف سے دوگے وہ ہی صحابہ کی طرف سے سمجھ لو بلکہ انکی طرف سے یہی عذر بہت ہے کہ وہ معصوم نہ تھے اگر خطا ہوگئی تو بلا سے جب بایں ہمہ خدا نے انکی تعریف کردی تو پھر کیا حاجت جواب و عذر کی کیا ضرورت ہے ہر عیب کہ سلطاں بپسندد ہنر است * **اقول** اگر کسی آدمی غیر معصوم سے غلطی ہو جائے تو کچھ عجب نہیں ہے لیکن حضرت موسیٰؑ سے کشتی کے توڑنے میں ہرگز غلطی نہیں ہوئی بلکہ کشتی کے توڑنے پر انکا اعتراض کرنا بہت صحیح اور درست تھا ظاہر کے اعتبار سے کہ کشتی کے توڑنے میں احتمال آدمیوں کے غرق ہونیکا تھا اور اسکے توڑنے کے فائدہ کا علم نہ تھا یہ کہ غلطی انسے ہوئی ہو اور وہ ایک خبر غیب کی تھی کہ خدا تعالیٰ نے حضرت خضر کو تو اس سے آگاہ کردیا تھا اور حضرت موسیٰ سے اسکو پوشیدہ رکھا تھا ایک مصلحت کے واسطے اور اگر حضرت موسیٰؑ کشتی کے توڑنے کی بھلائی کو نہیں سمجھے تو یہ کوئی مسئلہ فقہیہ و حکم حلال و حرام یا جائز اور غیر جائز نہ تھا کہ سب بندوں کو جسکا جاننا چاہئے تھا بلکہ ایک امر غیبی تھا کہ جسکو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے یا وہ شخص کہ جسکو خدا تعالیٰ مطلع کرے اصحاب کہف کا حال جناب رسول خدا صلعم سے کفار نے پوچھا تو بتلا نہ سکے اور وعدہ بتلانے کا کیا اور قصہ حضرت موسیٰؑ اور حضرت خضر علیہما السلام کا مختصر یہ ہے کہ بعد ہلاک ہونے قبطیوں کے جیسا کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے یہ ہے کہ ایک دن حضرت موسیٰؑ نے خطبہ بہت فصاحت اور بلاغت سے پڑھا تو ایک شخص نے انسے پوچھا کہ یا نبی اللہ کوئی آدمی تم سے بھی زیادہ عالم ہے فرمایا کہ نہیں خدا تعالیٰ کو یہ دعوی حضرت موسیٰ کا ناپسند ہوا اور چاہا کہ حضرت موسیٰؑ کو دکھلائے کہ بعضے بندے اسکے ایسے ہیں کہ بعضی چیزوں کا علم انکو موسیٰ سے زیادہ ہے اسلئے حضرت موسیٰ کو حکم ہوا کہ تو فلانی جگہ جا اور ایک بندہ ہمارا وہاں ملیگا اس سے ملاقات کرکے علم سیکھ سو وہ علم چند باتوں کا تھا اور نہ جو علم کہ حضرت موسیٰ کو تھا اسقدر علم حضرت خضر کو نہ تھا حضرت موسیٰؑ وہاں پہنچے اور اس بندۂ صالح سے کہ وہ حضرت خضر تھے ملاقات کی اور دونو بزرگ وہاں سے روانہ ہوئے اور ایک دریا پر پہنچے اور خدا تعالیٰ نے تین چار باتوں کا علم حضرت خضر کو تعلیم کیا اور حضرت موسیٰؑ سے پوشیدہ رکھا اور وہ دونو بزرگ کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر نے کشتی کا تختہ توڑ ڈالا اسوقت حضرت موسیٰؑ نے اعتراض کیا کہ تو نے کشتی کا تختہ جو توڑا ہے تو چاہتا ہے کہ آدمی غرق ہو جائیں سو بظاہر یہ امر بہت برا تھا اسواسطے انہوں نے حضرت خضرؑ پر اعتراض کیا اور اس توڑنے کا فائدہ اور بھلائی جو تھی کہ کشتی عیب دار ہو جائیگی تو بادشاہ ظالم اسکو گرفتار نہ کریگا اسکی حضرت موسیٰؑ کو کیا خبر تھی اور اس توڑنے کی بھلائی جو تھی خدا تعالیٰ نے حضرت خضر کو تو تعلیم کی کہ تو کشتی کو توڑ ڈالنا اور حضرت موسیٰ پر اسکو ایک مصلحت کے واسطے پوشیدہ رکھا کہ موسیٰ کو تو معلوم نہو اور حضرت خضر حضرت موسیٰؑ کو اسکے توڑنے کی بھلائی سے مطلع کریں اور حضرت موسیٰؑ کو معلوم ہو کہ مجھ سے زیادہ بھی عالم ہیں اسکے بندوں میں سے سو اس مصلحت کے واسطے خدا تعالیٰ نے علم اسکا حضرت موسیٰؑ سے پوشیدہ رکھا اور حضرت فاطمہ سے پوشیدہ رکھنے میں کیا مصلحت تھی بجز اسکے کہ لوگ ابوبکر کو غاصب ٹھہرائیں یہ تو ایک مسئلہ فقہ کا تھا اس سے تو سب کو مطلع کرنا چاہئے تھا اور علی الخصوص حضرت فاطمہ زہرا کہ وہ وارث تھیں رسول خدا صلعم کی کہ ایسا نہو کہ وہ دعوی کریں مشتبہ ہوں اور نزاع واقع ہو اور جس وقت

حضرت فاطمہ نے دعویٰ فدک کا کیا تھا اُسوقت تو سوائے ابو بکر کے کسی نے بھی گواہی نہ دی کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا اور اگر انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے تو خدا تعالیٰ
نے جیسے کہ میراث پہنچنے کا ذکر کیا ہے کہ فلانے کو اسقدر پہنچے اور فلانے کو اسقدر تو ایسے ہی یہ بھی ذکر کرتا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اپنے پیغمبر ختم المرسلین ہی کو حکم
کرتا کہ تیرا کوئی وارث نہیں ہو سکتا یہ کیا کہ قرآن میں تو ذکر نہ کیا اور ابو بکر کو زبانی پیغمبر کے کہلا بھیجا کہ انبیاء کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور اصحاب رسول خدا صلعم انبیاء سب
سے نتیجے کہ اگر خلاف شرع محمدی کے وحی آتی ہو کہ ظاہر میں تو اُنکے افعال بد اور مخالف شرع کے ہوں اور حقیقت میں وہ بُری نہوں کہ علیحدہ خدا تعالیٰ نے اُن فعلوں
کی بھلائی کی خبر اُنکو کر دی ہو اور سوائے اُنکے اور لوگوں سے پوشیدہ رکھا ہو جیسے کہ کشتی کے توڑنے کی بھلائی کی خبر حضرت خضر کو تو کر دی اور حضرت موسیٰ کو نہ کی اور از روے
نقل کے محال کیونکر نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تو سب بندوں کو حکم وراثت کرے خواہ پیغمبر ہو خواہ غیر پیغمبر اور پیغمبر کے مورث ہونے کا ذکر نہ کرے اور حضرت ابو بکر فرمائیں کہ پیغمبر کا کوئی
وارث نہیں ہوتا ہے تو کیونکر انکے قول کی تصدیق کی جائے کہ جو مخالف قرآن کے ہے اور اس شیخ کے لکھنے سے معلوم ہوا کہ اصحاب رسول خدا صلعم مخالف قرآن کے اگر کچھ کہیں اور کریں
جیسے کہ زنا کرتا ہو یا شراب پیتا ہو یا گوشت خوک کھاتا ہو تو بے عذر شرعی اسکو ہم بُرا نہیں کہہ سکتے کہ گو ہم اُسکو بُرا سمجھے گئے ہوں لیکن حقیقت میں وہ بُرا نہو سو یہ بات اہل سنت ہی کو
مبارک رہے اور حضرت خضر کو تو ہم اہل مکاشفہ میں سے نہیں کہتے بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے اُنکو تو تعلیم کر دیا تھا اور حضرت موسیٰ کو تعلیم نہ کیا تھا تاکہ حضرت موسیٰ کو معلوم ہو
کہ مجھسے بھی زیادہ عالم ہیں اور حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے درمیان ہرگز شکر رنجی بھی نہیں ہوئی تھی اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ قوم کے دکھانے کو اپنی طرف حضرت
ہارون کو کھینچا تھا تاکہ وہ لوگ سمجھیں کہ یہ بڑا سخت گناہ ہے کہ جسمیں اپنے بھائی کو کھینچا اور اپنے اس فعل سے توبہ کریں اور آئندہ ایسی حرکت نہ کریں اور حقیقۃ الامر کو حضرت موسیٰ
سب کچھ سمجھے ہوئے تھے اور دست و گریبان کب ہوئے تھے جھوٹ کس واسطے لکھتا ہے سر اُنکا البتہ اپنی طرف کو کھینچا تھا سو ہو سکتا ہے کہ واسطے دریافت کرنے کے غصہ میں بھرے ہوئے تھے
اپنی طرف کو سر اُنکا کھینچا ہو اور حضرت زہرا حقیقۃ الامر کو کیونکر نہ سمجھی ہونگی وہ تو خوب سمجھی ہوئی تھیں اور جانتی تھیں کہ ابو بکر اس روایت میں جھوٹے ہیں اور کیونکر
ایسا نہ سمجھتیں کہ دیکھتی تھیں کہ ایک شخص خلاف قرآن کے جھوٹ بول رہا ہے اور جسوقت ابو بکر نے بیان کیا تھا کہ پیغمبر کا کوئی وارث نہیں ہوتا ہے اور ظاہر میں امر بُرا تھا
اور حقیقت اسکی جسمیں بھلائی تھی اُسکو حضرت فاطمہ نہیں سمجھیں تو ابو بکر نے اُسکی حقیقت بیان کی ہوتی جیسے کہ حضرت خضر نے حضرت موسیٰ سے حقیقت کشتی کے توڑنے کی
جسمیں بھلائی تھی بیان کی لیکن ابو بکر کے پاس اور کیا حقیقت اسکی تھی بجز اسکے کہ ایک روایت جھوٹی بنا کر کہدی بھلا یہ بھی کچھ جواب ہے واہی اور بیہودہ اور یہاں معصوم
ہونیکو کچھ دخل نہیں ہے اور نہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کے قصہ کو کچھ دخل ہے اور نہ حضرت زہرا کے معصوم ہونے کی جہت سے اسکو ہم مستبعد سمجھتے ہیں بلکہ ہم خود جانتے
ہیں کہ واقع میں ابو بکر نے مخالف قرآن کی ایک روایت بنا کر بیان کی اور اول تو ابو بکر کا اولیاء مخلصین میں سے ہونا ثابت نہیں ہے اور اولیاء مخلصین سے گو خطا صادر ہو لیکن
اُس خطا کو دیکھنا چاہیے کہ وہ کیسی ہے اور ایسی خطا عمداً اپنے نفس کے فائدہ کے واسطے کی کہ جسمیں آزار رسول خدا صلعم ہو وہ منجر بکفر ہو گئی اور ایسی خطا میں ولایت و اخلاص
باقی نہیں رہتا ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ جس نے فاطمہ زہرا کو آزار پہنچایا اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ جب ابو بکر اپنی خطا بخشوانے کے واسطے پاس حضرت
فاطمہ کے گئے تو حضرت فاطمہ نے اپنا مُنہ اُنکی طرف سے دیوار کی طرف پھیر لیا اور فرمایا کہ تم نے مجھکو آزار پہنچایا ہے تمہاری شکایت رسول خدا صلعم سے کرونگی اور بزرگی جبھی تک ہے کہ
گناہان کبیرہ عمداً صادر نہوں اور جب گناہ اکبر الکبائر جان بوجھکر کیا تو پھر بزرگی کہاں تھی اور اُنکے نفس ہی روح پر غالب تھے اور بمقتضاء البشریت یہ گناہ اُنکا تھا اور حضرت
آدم اور حضرت یونس اور جناب رسول خدا صلعم نے تو کسیکا حق غصب نہیں کیا ہے اور اگر تمہارے نزدیک انسے خطائیں سرزد ہوئی ہیں تو وہ اُنکی ہی نفسوں کے واسطے ہیں کسی دوسرے
کو آزار نہیں پہنچایا ہے اور سوائے اسکے وہ معصوم ہیں اُنکے واسطے تاویل کر کے معنی صحیح بتلائے جائینگے اور ابو بکر تمہارے نزدیک بھی معصوم نہ تھے تاکہ اُنکے حق میں تاویل
کی جائے اور اگر انبیاء کو بھی تم فاسق اور جائز الخطا مثل ابو بکر کے جانتے ہو تو پھر یہ کاہیکو دعویٰ کرتے ہو کہ انبیاء معصوم تھے یہ دعویٰ تمہارا جھوٹا ہے اور وَعَصٰٓى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى
میں عصیان امر مستحب کا تھا اور مستحب کے ترک کرنے کو بھی عصیان کہتے ہیں چنانچہ یہ مصرع ایک شعر کا ہے والامنع ان یسمی تارک النفل عاصیا اور مستحب کا ترک کرنا گناہ نہیں ہے
اور مستحب اسواسطے تھا گندم کا نہ کھانا کہ وہ حضرت آدم ہی کو فائدہ کے واسطے تھا کہ ہمیشہ بہشت میں رہتے اور غوی سے مطلب یہ ہے کہ جیسے تفسیر بیضاوی میں ہے کہ گم اور ناامید ہوا مطلوب
سے کہ وہ ہمیشہ بہشت میں رہنا تھا اور بعد اسکے فرمایا کہ ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ اور وَلَا تَكُنْ كَصَاحِبِ الْحُوْتِ میں یہ ہے کہ خدا تعالیٰ حضرت صلعم کو فرماتا ہے کہ اور نہ ہو تو مثل صاحب مچھلی کے
عذاب کے جلدی طلب کرنے میں یعنی مثل یونس کے کہ اُنکو مچھلی نگل گئی تھی یعنی عذاب کے نازل ہونے میں مثل یونس کے جلدی نکر سو یہ دونوں حضرت آدم کے اور یونس کے کچھ گناہ نہیں
ہیں اور بعد اسکے حضرت آدم کے واسطے تو ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ اور حضرت یونس کے واسطے فَاجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فرمایا بعد اسکے کہ اس ترک اولیٰ سے اُنہوں نے توبہ کی اور توبہ اُنکی قبول
کی اور ابو بکر کے واسطے بھی خدا تعالیٰ نے کہیں فاجتباہ ربہ فرمایا ہے اور ابو بکر نے اپنی اُس گناہ کبیرہ سے توبہ بھی کی تھی فدک کو فاطمہ زہرا علیہا السلام پر رد کرتے تاکہ خدا تعالیٰ

توبہ انکی قبول کرنا اور باکان لبنی میں تو کوئی گناہ کی بات ہی نہیں ہے بلکہ یہ حکم ہے کہ اُن قیدیوں کو قتل کرنا چاہئے اور رسولخدا صلعم کا یہ حکم تھا کہ قیدیوں سے فدیہ لیکر چھوڑ دو بلکہ ابوبکر نے یہ مشورہ دیا تھا کہ یا رسولخدا یہ تیری قوم کے آدمی ہیں ان سے فدیہ لیکر چھوڑ دی کہ یہ فدیہ تیری اصحاب کے کام آئیگا جب ابوبکر نے یہ مشورہ دیا تو اُنکے حق میں یہ آیت نازل ہوئی تُرِیْدُوْنَ عَرَضَ الدُّنْیَا یعنی چاہتے ہو تم مال دنیا کا سو اس میں بھی اگر گناہ ہے تو ابوبکر کا ہے نہ رسولخدا صلعم کا یہ ہیں معنی ان آیات کے جو کچھ کہ ہمنے بیان کئے اور انکار ان آیتوں کا کسیکو نہیں ہے اور معانی صحیحہ انکے وہ ہیں جو کہ ہمنے بیان کئے نہ وہ کہ جو تو سمجھا ہے اور زلات کیا بلکہ کبائر بعضے صحابہ کے وہ ہیں کہ جو از قبیل روایت ہیں نہ روایت امر اگر روایتیں بھی کہیں تو وہ اصح الکتب کی کہ جنمیں امکان غلطی کا اہلسنت کے نزدیک نہیں ہے اور آجتک کسی نے اُن روایتوں کا انکار بھی نہیں کیا اور اگر انکار کرتے ہو تو بخاری کو اصح الکتب کہنا چھوڑ دو بلکہ اغلط الکتب بعد کتب الضلال کہو اور مدار جو اہل سنت کے مذہب کا صحاح ستہ پر ہے اُس سے دست بردار ہو کر کوئی اور مذہب اختیار کرو اور انبیاء کی طرف سے تو ہم جواب دیچکے کہ وہ معصوم تھے اُن سے کوئی فعل بد صادر ہی نہیں ہوا ہے اور اگر بالفرض اُن سے قرآن میں کوئی لغزش کی صورت ظاہر ہوگی تو اس میں ہم تاویل کر کے معنی صحیح پیدا کرینگے اُنکی عصمت کے باقی رکھنے کے واسطے اور خلفاء ثلثہ معصوم نہ تھے کہ اُنکے افعال میں تاویل کیجائے جو کچھ انہوں نے کیا ہے وہ قابل گرفت کے ہوگا اور غیر معصوم کے قول اور فعل میں تاویل ہو ہی نہیں سکتی چنانچہ ملا علی قاری شارح مشکوۃ نے اپنی رسالہ میں لکھا ہے کہ غیر معصوم کے قول اور فعل میں تاویل نہیں ہوسکتی ورنہ اگر انکے بھی قول اور فعل میں گنجایش تاویل کی ہو تو ہر ایک کا قول اور فعل کفر کا تاویل کر کے درست کر دیا جائے اور گو وہ معصوم اور نبی نہیں ہیں لیکن جب گناہ ہاں کبیرہ اور سخت اُن سے صادر ہو تو وہ سزاوار نار جہنم کے ہوئے اور تعریف خداتعالی نے اُنکی کسی آیت میں نہیں کی ہے اور اگر مجملاً کسی آیت میں تعریف کی ہے تو ایسے ہی مجملاً دوسری آیت میں مذمت بھی اُنکی کی ہے اور گناہ اُنکے ایسے سخت ہیں کہ جواب اور عذر اُنکا کچھ نہیں ہوسکتا اور خداتعالی عیب کو ہرگز پسند نہیں کرتا ہے بلکہ عیب دار کو سزائے سخت پہنچاتا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ اس قسم کے قصور قابل گرفت نہیں ہیں اور عقل سلیم ہرگز تسلیم نہیں کرتی کہ اُنپر محاسبہ اور مواخذہ ہو بلکہ اُن اوصاف کے بیان ہی میں اس بات کیطرف اشارہ فرمایا اس لئے کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہونا کچھ اس بات کو نہیں چاہتا کہ اُن سے کوئی خطا نہوئی ہو اور جب اس بات کا التزام نہوا اور خداوند کریم نے باوجود امکان صدور خطا اُنکی تعریف فرمائی تو یہ معنی ہوئے کہ یہ صفت ایسی نہیں کہ انکے سامنے اس قسم کی باتوں کا حساب کیا جائے بلکہ یہ خوبی فقط اسقدر ہے کہ سب کو محو کئے دیتی ہے تو ضمناً اشارہ اُنکی مغفرت کی طرف ہوا اور جواب بھی وہ معذب ہوسکیں تو پھر کیا التعریف جہنمی سے تو سو درجہ بلکہ پاخانہ پیشاب بھی اچھی ہیں چنانچہ ظاہر ہے القصہ نظر انصاف چاہئے خدا کی تعریف کے بعد پھر کہیں ہوسکتا ہے کہ صحابہ جہنم میں جائیں پھر اس صورت میں ایک کیا لاکھ گناہ اُنکے ذمہ میں لگا دو جو کریگا وہ اپنی عاقبت خراب کریگا اور سمجھنے والے اُسکو تعریف سمجھینگے اور حق بھی تو ہے جب کوئی بادشاہ دانشمند جسے انتظام مملکت کا خیال ہو اور وہ ملازموں کے حال کا نگران ہو اپنے چند ملازموں کو باوجود خطاؤں کے کچھ نکہے تو ظاہر میں یہی سمجھ میں آتا ہے کہ یہ کوئی بہت ہی پیارے ہیں کہ اس حال پر بھی ان سے مواخذہ نہیں اور جو اُلٹی تعریف کرے اور اُنکے غمازوں اور دشمنوں سے جو اُس سے کینہ رکھتے ہوں بری طرح پیش آئے اور اُنکے اُن کمالات کو جو اپنے نزدیک اور اُنکے دشمنوں کے نزدیک اُنکے مسلم الثبوت ہوں اُنکے دشمنوں کو سنا سنا کہے کہ ان میں سے جس میں یہ اوصاف پائے جائیں ہمنے اُنکی سب خطائیں معاف کیں بلکہ اُسکے لئے اور انعام قرار واقعی تیار کیا ہے تو اس صورت میں بجز اسکے اور کوئی احتمال نہیں ہوسکتا کہ بادشاہ کو ان ملازموں سے محبت ہے اور اُسکو اُنکی پچھ ہے جو اُنکا دشمن ہے وہ اُسکا دشمن جو اُنکا دوست وہ اُسکا دوست ہے **اقول** قرآن شریف کی اکثر آیتوں میں مجملاً تعریف مومنین کے لکھی ہے جیسے کہ مجمل مذمت اُنکی لکھی ہے اور اُن تعریف والوں ہی میں سے مرتد بھی ہوگئے ہیں اور جن صحابہ کی یہ تعریف ہے اُنکا کسکو انکار ہے مگر کل ہمراہیان رسولخدا صلعم کی یہ تعریف نہیں ہے کہ ہمراہ حضرت کے منافقین اور ضعیف الایمان بھی تھے کہ جو بعد حضرت کے مرتد ہوگئے اور حضرت نے خود فرمایا ہے کہ حوض کوثر پر سے ملائکہ کچھ آدمیوں کو ہانکتے ہوئے دوزخ میں لیجائینگے میں کہونگا کہ انکو کہاں لیجاتے ہو یہ تو میری اصحاب ہیں اُسوقت ملائکہ مجھ سے کہینگے کہ تو نہیں جانتا ہے یہ بعد تیرے جسوقت سے کہ تو نے وفات پائی ہے اُسیوقت سے مرتد ہوگئے تھے اور دین میں احداث کیا تھا چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے سو بعد وفات حضرت کے اُسیوقت سوائے خلافت کے اور کونسا امر حادث ہوا تھا اور اَشِدَّاءُ عَلَی الْکُفَّارِ رُحَمَاءُ بَیْنَهُمْ کل صحابہ کے حق میں نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے بلکہ بعضے تو ایسے تھے کہ وہ اشداء علی المومنین یعنی ابوبکر اور عمر تھے کہ جنہوں نے آل رسولخدا صلعم پر ہاتھ اپنا صاف کیا اور رسولخدا صلعم کے مرتے ہی حضرت فاطمہ زہرا علیہا السلام کے گھر کے جلانیکا مع علی و حسنین اور جماعت بنی ہاشم ارادہ کیا اور آگ اور لکڑیاں واسطے جلانیکے لیگئے اور دروازہ اُس مظلومہ کے گھر کا توڑا اور سعد اور زبیر وغیرہ صحابہ کبار کی بے عزتی کی اور حقوق اہل بیت کے غصب کئے کہ یہ سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے اور ابوبکر جوہری نے کتاب سقیفہ میں لکھا ہے کہ حضرت علی کی گلی میں چادر ڈالکر جبر و قہر گھر میں سے باہر نکلوائے اور

ملل و نحل میں بروایت نظام معتزلی لکھا ہی کہ بضرب عمر حضرت فاطمہ کے شکم سے اسقاط محسن ہوا اور عثمان نے تو مومنین پر وہ تعدی کی تھی کہ جسکے وبال میں خود مقتول ہوئے اور بعد اُسکے ہزاروں مومنین کو جو کہ حضرت علی کے ہمراہ تھے بعضے صحابہ نے جنگ جمل اور جنگ صفین میں قتل کیا اور قتل کروایا یہ لوگ رحماء بینہم کیونکر ہو جائینگے اور سوائی انکے اور صحابہ جو ہیں اور مرتد نہیں ہوئی تھے البتہ اُنکی یہ تعریف ہی بوجہہ کہ اس شیخ نے اس قول میں لکھی ہی اور سب ہمراہیوں کے یہ تعریف نہیں ہو سکتی جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھہ چکے ہیں کہ بعضے اُن میں ضعیف الایمان بھی تھے اور مرتد بھی ہو گئی تھے اور قصور اُنکے بہت بڑے بڑے ہیں اور وہ کونسا عقل کا اندہا ہی کہ ایسے بڑے قصوروں کو سنکر کہے گا کہ اُن سے مواخذہ نہوا اور خطا جو اُن سے ہوئی ہی تو وہ ایسی نہیں ہی کہ قابل عفو ہو کہ وہ باعث ضلالت امت ہوئی ہیں اور اُن لوگوں کے تعریف خدا تعالی نے ہرگز نہیں فرمائی ہی اگر وہ تعریف اُنکی ہو تو چاہئے کہ منافقین کی بھی وہ تعریف ہو جائے کہ وہ بھی رسول خدا صلعم کی ہمراہ تھے اور اگر منافقین اس سے مستثنے ہیں تو وہ لوگ بھی اپنے افعال شنیعہ کی جہت سے مستثنے ہیں اور خوبی اُنکی کوئی نہیں ہی اور نہ کوئی اشارہ اُنکی مغفرت کیطرف ہی اور تعریف تو اصل میں اُن لوگوں ہی کے ہی نہیں پھر پاخانہ اور پیشاب کے اُنسے اچھے ہونے میں کیا شبہ ہی کہ پاخانہ اور پیشاب نے تو کوئی ظلم نہیں کیا ہی اُنہوں نے تو ظلم کیا ہی لوگوں کو گمراہ کیا ہی ہاں جنکی تعریف خدا نے کی ہی وہ جہنم میں نہ جائینگے اور جنکی تعریف خدا نے نہیں کی ہی اُنکے جہنمی ہونے میں کیا شبہ ہے اور ایک ہی گناہ اُنکا ایسا ہی کہ وہ اُنکو جہنم میں لیجائیگا اور گناہوں کا تو کیا ذکر ہے اور جو کہ گدھے اور اُلو ہیں وہ اُنکے گناہوں کو تعریف سمجھینگے اور جو کہ منصف اور دانشمند ہیں وہ کاہیکو سمجھینگے اور بادشاہ اپنے ملازموں کو باوجود خطا کرنیکے کچھہ نہ کہی تو وہ خطائیں قابل عفو کرنے کی ہی ہوتی ہیں اور اگر ایسی خطائیں ہوں کہ جس سے فساد اُسکی سلطنت میں پڑ جائی اور رعیت اُسکی بے راہ ہو جائی تو بے شک سزای کامل اُنکو پہنچائیگا ایسے ہی بعضے صحابہ جنہوں نے ظلم کئے ہیں اور لوگوں کو گمراہ کیا ہی وہ مرتے ہی اپنی سزا کو پہنچگئے اور مواخذہ اُن سے ہو گیا اور آخرت کا عذاب باقی ہی اور یہ اوصاف جیسے اُنمیں تھے ہی نہیں یہ اوصاف پائی جائیں تو اُنکی خطائیں معاف ہوں اور اگر سردست کوئی وصف پایا گیا تو چاہئے کہ وہ ثابت الدوام ہو اور جب دائم نہوا تو معاف ہونا خطاؤں کا معلوم اور انعام تو کہاں اور ہاں البتہ سوائے اُن لوگوں کے کہ جن کو ہم لکھہ چکے ہیں کہ اُنکی یہ تعریف نہیں ہے اُن سب سے خدا تعالی کو محبت بھی ہی اور اُنکی پچ پر بھی ہی اور جو اُنکا دشمن ہی وہ اُسکا دشمن ہے اور جو اُنکا دوست ہے وہ اُسکا دوست ہے نہ وہ لوگ کہ جنکو ہمنے اس تعریف سے مستثنے کیا ہی **قال الشیخ الاشعری** سو بفضلہ تعالی یہ سارا قصہ بعینہ ان آیات کے ملاحظہ سے سمجھہ میں آتا ہی کیونکہ اول تو صحابہ کی تعریف ایسی بڑہ کر کی کہ اُس سے زیادہ کوئی تعریف کی صورت امتیوں کے حق میں سمجھہ میں نہیں آتی پھر بعد ازاں فرمایا لِيَغِيظَ بِهِمُ الْكُفَّارَ یعنی جو کچھہ صحابہ کے حق میں کہا تو کفار یعنی اُنکے دشمنوں کے جلانے اور چڑانیکے لئے کہا گیا ہی سبحان اللہ کیا علم محیط خداوندی ہی کہ بعد کے تمام احوال کے طرف اشارہ فرما دیا خدا کو تو پہلے ہی معلوم تھا کہ شیعہ اور نواصب اور خوارج صحابہ کے حق میں غمازیاں کرینگے اور اُنکی قدر و منزلت کا جو خدا کی درگاہ میں ہی کچھہ خیال نکرینگے باقی رہی یہ بات کہ لیغیظ بہم کے ساتھہ اعدائہم کا ہونا چاہئے تھا تو اسکی وجہ یہ ہی کہ کافروں ہی کو اُنسے دشمنی ہو تو ہو مسلمانوں کا کام تو یہہ نہیں کہ خدا اُنکی تعریف کرے اور اُنکی سب خطائیں معاف کرے اور پھر بھی اُن سے حسد ہی کئے جائے جنکی خدا تعریف کرے اور خدا کی بات بات سے اُنکی محبت ٹپکے پھر کمبختی ہی نہیں کہ اُنکی بدی کرے اور بُرائیاں گائی اور خدا کو اپنا دشمن بنائے **اقول** ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ خدا تعالی نے تعریف صحابہ کی بہت بڑہ کر کی لیکن جن لوگوں کو ہمنے اس سے پہلے اس تعریف ہی سے مستثنے کر دیا ہے وہ اس تعریف سے خارج ہیں اور لیغیظ بہم الکفار جو فرمایا ہے کہ یہہ بڑہ جانا اور ضعف سے قوت کیطرف پہنچنا مثل زراعت کے کفار کو غیظ میں لائے سو وہ بدولت ضرب ذوالفقار حیدر کرار اور دیگر اصحاب نامدار تھا کہ جو ڈٹ کر کفار سے تلوار کرتے تھے نہ ثلثہ کہ جو ہمیشہ بہاگتے رہتے تھے اور اُن تلوار مارنیوالوں ہی کو دیکھہ کر وہ کفار غیظ اور غضب میں آتے تھے اور جب تعریف اُن مجاہدین کی ہوئی تو وہ بھگوڑے حسد کرکے جلتے ہوں گے اُنکے جلانے اور چڑانیکے لئے ایسا کہا گیا ہے اور شبہہ تو اُن ڈٹ کر جہاد کرنیوالوں کے دوستوں اور مداحوں میں اُنکے حق میں کاہیکو ہوتا اور غمازیاں اُن سے حسد کرنیوالوں اور اُنکے دشمنوں کی کرتے ہیں کہ اُنکے دشمنوں کی قدر و منزلت درگاہ خدا میں کچھہ ثابت نہیں ہی اور اُن مجاہدین کے حاسدوں اور دشمنوں کے افعال جو منجر بکفر ہیں اسی واسطے لیغیظ بہم کے ساتھہ کفار کہا اور اعدائہم نکہا کہ کافروں ہی کو اُن سے حسد تھا اور مومن کا تو یہ کام نہیں کہ خدا اُنکی تعریف کرے اور پھر بھی اُنسے حسد کئے جائے اور جنکو یہ کہتا ہی کہ خطائیں اُنکی معاف کیں یہ سب غلط ہے اور اُنکی خطاؤں کا معاف کرنا کہیں ثابت نہیں ہی اور نہ اُنکی تعریف کی ہی اور تعریف خدا نے اُن لوگوں کی کی ہی جو اُسکی راہ میں جانبازیاں کرتے تھے اور خدا کی بات بات سے اُنکی ہی محبت ٹپکتی ہی چنانچہ فرماتا ہی اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ یعنی تحقیق خدا دوست رکہتا ہے اُن لوگوں کو کہ جنگ کرتے ہیں بیچ راہ خدا کے صف باندہنے والے ہو کر گویا کہ وہ ایک بنیاد ہی مضبوط سیسہ پلائی گئی اور بھگوڑوں کو خدا دوست نہیں رکھتا ہی اور

بعضے جھگڑوں کا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ قول آئندہ میں ہم لکھینگے ہی اور جو کوئی کہ ان مجاہدین سے حسد اور دشمنی کرے تو پھر نجفی ہی آ سکتی نہیں کہ خدا کو دشمن اپنا بنائی **قال الشیخ الاشعری** یا یوں کہئیے کہ منکران صحابہ کو جو نوبت کلمہ گوئی آئی اور بزعم خود مسلمان ہوئے تو یہ صحابہ ہی کی جوتیوں کا صدقہ ہے نہ وہ جہاد کرتے نہ اسطرح اسلام پھیلتا اور نہ یہ کلام اللہ کا رواج ہوتا کہ شیعہ تک باوجودیکہ کلام اللہ کو اُن سے کیا نسبت کلام اللہ کی تلاوت سے مستفید ہوتے ہیں پھر بااینہمہ اگر انکے شکرگزار نہوں تو پھر کس کے ہونگے اور انکے حق میں گستاخی کرینگے تو پھر کسکا ادب کرینگے ان سے زیادہ بڑھکر اور کون کافر نعمت ہوگا اس لئے جناب رب تعالیٰ نے دشمنان صحابہ کو کافر فرمایا پھر چونکہ علم غیبی میں صحابہ کی نسبت بدگوئی اور گستاخی کا ہونا متحقق تھا تو جیسے مثال مذکور میں غمازوں کے لئے بیان کیا تھا ایسے ہی ایسے ہی غمازان صحابہ کو سنا سنا کر یہ ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا یعنی حاصل اسکا اس صورت میں یہ ہوا کہ ای منکران صحابہ یہ جماعت صحابہ جنکی ہم تو تعریف کرتے ہیں اور تم پھر بھی اُنکی بدگوئی سے باز نہیں آتے اور تسپر بھی نہیں سمجھتے اگر بالفرض ایسے ہی ہیں جیسے تم کہتے ہو اور واقعی اُنسے خطائیں ہوئیں ہیں جنکو تم گاتے پھرتے ہو تب کیا ہوگا ہمنے تو یہ وعدہ کرلیا ہے کہ انمیں سے جو ایمان رکھتا ہوگا اور اُس نے اچھے اچھے عمل کئے ہوں گے ہم اُسکے خطائیں ہی معاف کردینگے اور اُنکو اجر عظیم بھی دینگے پھر جب وہ کافروں کے ساتھ تیز و تند ہوں اور آپس میں محبت رکھتے ہوں نماز میں ہمیشہ مشغول رہیں سوا خدا کے رضامندی اور اُسکے افضال کے اور کہیں کے طلبگار نہوں تو ہم اُنکے گناہ کیونکر نہ معاف کریں اور انہیں کسی عذر سے اُنکی ایمان اور اعمال صالحہ کا اجر نہ دیں اس سے زیادہ ایمان اور اعمال صالحہ کے اور کیا صورت ہی اگر یہ شرط ہوتی کہ ایمان اور اعمال صالحہ کی ساتھ گناہ بھی کسی قسم کا نکریں تب بھی ایک بات تھی اس وعدہ میں تو یہ شرط نہ تھی اہل فہم اس سے سمجھ گئے ہونگے کہ منہم جو بعد عملوا الصالحات بڑھایا ہی تو اسکی وجہ یہ ہے کہ یہ لفظ حقیقت میں منکروں کے جواب کے لیے بیان کیا گیا ہے اور اسکی یہ صورت ہے جیسے مرقوم ہوئی ورنہ یہ معنی اگر ہوں کہ کوئی اُنمیں سے ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور کوئی کافر بھی رہا نعوذ باللہ تو اُسکو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی باور نکرینگے اسلئے کہ خدا کے لئے تو یہ بھی معتقد ہیں کہ خدا جسے مومن بتلائے وہ مومن ہی ہے کافر نہیں سو خدا نے اُنکے ایمان اور اعمال صالحہ کی پہلی ہی گواہی دیدی بلکہ ایمان اور اعمال صالحہ میں سے بھی اول قسم کے ایمان اور اول قسم کے اعمال صالحہ کی گواہی دی کیونکہ ایمان میں تو اس سے بڑھکر کوئی ایمان نہیں کہ خدا سے محبت اس درجہ کو پہنچے کہ اُسکے دشمنوں سے کسے باشد اپنا ہو یا بیگانہ عداوت ہوجائے اور اُسکے دوستوں سے کسے باشد محبت ہوجائے کیونکہ سب کے نزدیک بالاتفاق محبت اعلیٰ مقامات ایمان میں سے ہے اور پھر وہ بھی اسقدر اور وجہ اسکی ظاہر ہے اسلئے کہ ایمان کہتے ہیں کسی چیز کے یقین کو کے تسلیم کرلینے کو سو اصطلاح شرع میں خاص خدا کے کمالات پر یقین کرلینا اور پھر اُنکو تسلیم کرلینا یعنی مثلاً احکم الحاکمین ہے تو اُسکے یہ معنی ہوئے کہ اول تو خدا میں اس وصف کو یقین سمجھے پھر تسلیم بھی کرلے سو حاکم کی حکومت کی تسلیم کرنے کے یہی معنی ہیں کہ اُس سے منہ نہ موڑے علی ہذا القیاس سب کمالات کو سمجھو **اقول** جو کہ صحابی وہ ہے کہ جس نے صحبت رسولخدا صلعم کی حاصل کی اور ایمان پر مرا اُسکا تو کوئی بھی منکر نہیں ہے اور اگر منکر ہیں تو اُن لوگوں کے ہیں کہ جنہوں نے صحبت تو رسولخدا صلعم کی حاصل کی لیکن صحبت حضرت کی اُنکو کچھ اثر نہ کیا آخر کو بسبب حب جاہ اور طمع دنیا کے ایمان صحیح پر باقی نرہے اور مرتد ہوگئے اور مسلمانوں کے ایمان کے حاصل ہونے میں صدقہ اُن صحابہ کی جوتیوں کا ہے جنہوں نے جہاد کئے راہ خدا میں اور مقتول ہوگئے یا زخمی ہوگئے یا کفار کو قتل کیا اور کفار کے مقابلہ سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے نہیں مثل ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ کے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے ثُمَّ وَلَّيْتُمْ مُّدْبِرِيْنَ اور قرۃ العینین میں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز صاحب نے لکھا ہے کہ جنگ احد میں صحابہ نے فرار کیا تو پہلے جس نے کہ معاودت کی ابوبکر تھے اور پیچھے اُنکے ابو عبیدہ تھے اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ عمر اور عثمان وغیرہ اصحاب جہاد میں سے بھاگے اور رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑا اور ایسے بیخود ہو کر بھاگے کہ پیچھے کی کچھ خبر نہ رہی جناب رسولخدا صلعم اُنکو پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو ادھر آؤ میں ہوں رسولخدا کیا خدا اور رسول سے بھاگتے ہو کوئی پھر کر نہ دیکھتا تھا اور اگر کہیں کہ اس بھاگنے کا قصور تو معاف ہوگیا تھا تو ہمکو اس سے کیا کہ ہمارا کلام تو اسمیں ہے کہ وہ ہمیشہ بھاگتے رہتے تھے اُنکے جہاد سے کچھ فائدہ نہیں ہوا گو یہ گناہ ضمن میں سب جھگڑوں کے معاف ہوگیا ہو اور بعد اسکے پھر بھی تو بھاگے ہیں جنگ حنین میں بھاگے اور جنگ خیبر میں بھاگے اور سوا اسکے کئی جہادوں میں سے بھاگے اُنہوں نے کچھ جہاد نہیں کیا ہے جو کہا جاوے کہ یہ کلمہ گوئی اُنکی جوتیوں کا صدقہ ہے بلکہ حضرت علی کی جوتیوں کا صدقہ تھا کہ جس نے بضرب ذوالفقار ترقی اسلام کی کرکے مسلمانوں کو بڑھایا اور ابوبکر اور عمر نے اُنکے صدقے سے بادشاہی مسلمانوں کی حاصل کی اور جسوقت صحابہ بھاگ گئے اور جماعت کفار کی رسولخدا صلعم پر حملہ کرتی تھی تو حضرت فرماتے تھے کہ اے علی دفع کر اُنکو حضرت علی تن تنہا اُنکو قتل کرتے تھے اور متفرق کردیتے تھے اسقدر لڑے کہ تلوار اُنکی ٹوٹ گئی اور رسولخدا صلعم نے ذوالفقار عنایت کی تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ ستر زخم علی کے بدن پر لگے تھے اور لا فتی الا علی لا سیف الا ذوالفقار جو مشہور ہے اسی روز ہاتف نے اسکی آواز دی تھی اور جنگ خندق میں تو حضرت علی ع نے

ایسے زبردست پہلوان عمرو بن عبدود کو مارا کہ اسکے ہی مارے جانے سے لڑائی فتح ہو گئی اور خیبر کی لڑائی مشہور و معروف ہے کہ جب ابوبکر اور عمر بلکہ عثمان بھی بھاگ کر چلے گئے
تو حضرت علی نے وہ لڑائی فتح کی اور مفصل حضرت علی کی شجاعت اور جانبازی کا حال تواریخ کی کتابوں میں لکھا ہے سو جو کچھ ترقی اسلام اور رواج کلام اللہ ہوا ہے سو وہ
حضرت علی کی تیغ کے طفیل سے ہوا ہے نہ ثلثہ کے سبب سے اور کلام اللہ شیعوں کا تو دین و ایمان ہے تیری ثلثہ ہی کو نسبت قرآن سے کچھ نہ تھی کہ قرآن انکو یاد نہ تھا تو مسائل میں
غلطیاں کرتے تھے اور عورتوں سے الزام کہاتے تھے اور عمر کو تو ایسے عدم مناسبت قرآن سے تھی کہ بارہ برس میں ایک سورہ بقر یاد ہوا تھا جسکی خوشی میں گائے ذبح
کی تھی اور عثمان نے تو یہ غضب کیا ہے کہ کثرت سے آیتیں بلکہ بعضی سورتیں بھی قرآن میں سے نکال ڈالیں اور جو قرآن کہ کامل تھے اور جناب رسولخدا صلعم نے انکی اوپر عمل
کرنیکا حکم دیا تھا انکو جلوا دیا چنانچہ پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے ہیں اور بیشک ہم ان لوگوں کے شکر گزار ہیں جنہوں نے جہاد کر کے دین کو بڑھایا اور
گھوڑوں کے شکر گزار کیونکر ہو جائیں اور مجاہدین ہی کا ہم ادب کرتے ہیں نہ گھوڑوں کا اور جو کچھ گستاخی کرتے ہیں وہ گھوڑوں کی نسبت کرتے ہیں نہ مومنین
خالصین کی اور کافر نعمت وہ ہیں کہ جنہوں نے کفران نعمت ان لوگوں کا کیا کہ جن لوگوں نے بڑی جانبازیوں سے جہاد کر کے اسلام کو قوی کیا تھا کہ ان سے
حسد کیا اور انکے حقوق دبا بیٹھے اسواسطے باریتعالی نے حاسدان صحابہ مجاہدین کو کافر فرمایا پھر چونکہ علم غیبی میں صحابہ مجاہدین کی نسبت حسد کا ہونا متحقق تھا
جیسے مثال مذکور میں حاسدوں کے لئے بیان کیا گیا تھا ایسے ہی حاسدان مجاہدین کو بھی سنا سنا کر یہ ارشاد فرماتے ہیں وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ
مِنْهُمْ مَّغْفِرَةً وَّاَجْرًا عَظِيْمًا سو واسطے کہ رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں سے خدایتعالی ان لوگوں کو فرماتا ہے اور وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کا ان لوگوں سے کرتا ہے کہ انمیں سے جو کہ
ایمان لائے ہیں اور اعمال نیک انہوں نے کئے ہیں سب ہمراہیوں سے اور جنکے اعمال اچھے نتھے اور جہادوں میں سے بھاگتے تھے ان سے یہ وعدہ نہیں ہے اور سوائے اسکے یہ ہے کہ
ان میں یہ اوصاف بھی نہ تھے کہ مومنین سے بسختی پیش آتے تھے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ہیں اور اگر انکا ایمان ظاہر ہے اور اعمال نیک فرض کئے جائیں تو بھی وہ موافق تحریر
اس شیخ کے اس وعدہ سے خارج ہیں کہ اسنے آیت وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ الخ کی تفسیر میں پہلے اس سے لکھا ہے کہ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ من
تبعیضیہ آتا ہے سو اس صورت میں یہ معنی ہونگے کہ جو کہ اشداء علی الکفار رحماء بینہم ہیں انمیں سے بعضوں کے واسطے وعدہ مغفرت اور اجر عظیم کا ہے نہ کل کے واسطے
سو اس وعدہ سے وہی لوگ خارج ہونگے جو جہادوں میں سے بھاگتے تھے اور مومنین پر سختیاں کرتے تھے اور یہ جو اس آیت کی تفسیر میں لکھتا ہے کہ اے منکران صحابہ الخ سو جو کہ صحابہ
ہیں کہ جنہوں نے صحبت رسولخدا صلعم کی پائی ہے اور ایمان پر مرے ہیں انکا تو کوئی منکر ہی نہیں ہے اور انکی ہی خدایتعالی تعریف کرتا ہے نہ انکی جو کہ مرتد ہو گئے تھے اور اسیواسطے
موافق تحریر اس شیخ کے من تبعیضیہ مناسب ہے اسواسطے کہ ارتداد سے پہلے تو وہ بھی کچھ ایمان اور اعمال صالحہ رکھتے تھے سو مومنین صالحین میں سے بعض ہی وعدہ ہے اور خطاؤں کو
دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسی ہیں اگر وہ خطائیں منجر بکفر اور موجب ضلالت مردم اور حقوق الناس ہیں تو وہ ہرگز بخشے نہ جائینگے اجر عظیم تو کجا اور جب ایسا حال ہے تو ایمان صحیح اور عمل
نیک بھی نہوا اور موافق تحریر اس شیخ کے اگر وہ ایمان اور عمل نیک رکھتے ہیں تو انمیں سے بھی مغفرت بعضوں ہی کی ہے نہ کل کی اور سوائے اسکے یہ ہے کہ مغفرت انکے واسطے ہے جن میں
وصف اَشِدَّاۗءُ عَلَي الْكُفَّارِ رُحَمَاۗءُ بَيْنَهُمْ کا تھا اور جو لوگ کہ برعکس اسکے تھے کہ کفار پر تو سختی نہیں کرتے تھے بلکہ جہاد میں انکے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور سختی مومنین پر
کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے ان لوگوں کی مغفرت کا وعدہ نہیں ہے اور جن لوگوں میں ہمارا کلام ہے نہ وہ تیز و تند کفار پر تھے اور نہ محبت آپس میں رکھتے تھے انکے گناہ
معاف نہونگے اور جو کہ بعضے انمیں سے مرتد ہو گئے ہیں ارتداد سے پہلے وقت نزول اس آیت کے وہ بھی کفار پر تیز و تند تھے اور آپس میں محبت رکھتے تھے اور نماز میں مشغول رہتے
تھے اور خدا کی رضامندی کو طلب کرتے تھے لیکن بعد ارتداد کے کچھ فائدہ اسنے انکو نہ بخشا اور ارتداد بعضے صحابہ کا ثابت ہے اور رسولخدا صلعم نے بھی اسکی خبر دی ہے چنانچہ
پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور سب کے سب کافروں پر تیز و تند ہونا یہ کہاں سے تو کہتا ہے خدایتعالی تو حضرت کے ہمراہیونکو فرماتا ہے اور ہمراہ حضرت کے منافقین اور ضعیف الایمان اور
مولفۃ القلوب بھی تھے وہ کاہیکو کفار پر تیز و تند ہونگے اور اجر ایمان اور عمل صالح کا ان لوگوں کے واسطے ہے کہ جو تادم واپسیں مومن رہے نہ کل کیواسطے اور بیشک ایمان اور
عمل صالح کے ساتھ یہ بھی شرط ہے کہ کوئی گناہ ایسا نکریں کہ جو موجب دخول نار ابدالاباد ہو اور اگر یہ شرط نہو تو معلوم ہوا کہ خدایتعالی نے جو فرمایا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ قَالُوْا
رَبُّنَا اللّٰهُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا اور رسولخدا صلعم نے جو فرمایا ہے کہ مَنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ دَخَلَ
الْجَنَّةَ بِغَيْرِ حِسَابٍ صرف خدا کے پروردگار کہنے سے اور محمد صلعم کے رسولخدا کہنے سے ہمیشہ بہشت میں رہیگا چاہے اپنی ماں اور بہن اور دختر سے زنا کرے اور شراب نوش کرے اور مومنین
کے حقوق غصب کرے اور انکو آزار پہنچائے اور صالح سے تو یہ مراد ہے کہ عمداً گناہ کبیرہ عمل میں نلائے چہ جائے کہ اکبر الکبائر پہلے سب کا صالح ہونا ثابت کر تو تب گفتگو کر اور
منہم کا بعد عملوا الصالحات کے اسواسطے نہیں بڑھایا ہے جیسا کہ تو کہتا ہے قرآن میں تحریف کسواسطے کرتا ہے بلکہ اسواسطے بڑھایا ہے کہ جو کہ مومنین صالحین انکے ہی واسطے

مغفرت ہے نہ اُنکے غیر کے واسطے یہ من منہم مِن بیانیہ ہے۔ ریتری تحریر کے موافق تبعیضیہ ہے تو مومنین صالحین میں سے بھی بعضوں ہی کے واسطے مغفرت ہے نہ کل مومنین کے واسطے اور منکرین بعض صحابہ کا جواب معقول تو کسیطرح نہیں ہوتا وہ تو محال ہے اور خدا تعالی اس آیت میں والذین معہ فرماتا ہے سو ہمراہ حضرت کے سب کے سب مومنین کب تھے بلکہ بعضے منافقین اور بعضے ضعیف الایمان بھی تھے پھر یہ معنی کیونکر نہوں گے کہ کوئی ان میں سے ایمان لایا اور عمل صالح کئے اور کوئی کافر ہی رہا نعوذ باللہ کہنے کا یہاں کون محل ہے اور شیعہ کیا جو کہ سمجھ رہا ہوگا وہ ایسا ہی کہیگا جیسا کہ میں کہتا ہوں لیکن خدا تعالی نے ان ہمراہیوں میں سے مومنین صالحین کو مستثنے کر لیا ہے ذکر جو کہ تا دم واپسیں ایمان صحیح اور عمل صالح پر باقی رہا اور ان میں سے بھی کچھ مرتد بھی ہوگئی ہیں جنکی ارتداد کی رسول خدا نے خبر دی ہے کہ میرے بعضے صحابہ کو دوزخ میں لیجائیں گے اور ان لوگوں ہی کیطرف خدا تعالی خطاب کرتا ہے کہ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور انکے ہی حق میں فرماتا ہے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اور خدا تعالی نے ان سب کو مومن بھی نہیں فرمایا ہے بلکہ یہہ فرمایا ہے کہ جو کوئی مومن ہووے بغیر تعیین کے ساتھ اور خدا تعالی نے ہرگز ان سب کے ایمان اور عمل صالح کی گواہی نہیں دی ہے اور نہ وصف أَشِدَّاءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَاءُ بَيْنَهُمْ ان سب میں ثابت ہے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور بعضے ان میں ایسے تھے کہ یقین ہی ان میں نتھا بلکہ نبوت میں رسول خدا صلعم کے شک کرتے تھے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے

قال الشیخ الاشعری مگر یقین کے چند مرتبہ میں ایک تو علم الیقین یہ تو ادنے مرتبہ ہے اسکی مثال ایسی ہے جیسے کسی معتبر آدمی سے ہم سنیں کہ فلانے جگہہ فلانی چیز ہے ایسا یقین تو ہر ادنے مسلمان کو حاصل ہے اسلئے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو بالاتفاق سچے ہیں اُنکی خبر سے معلوم ہوا کہ خدا میں سب کمالات ہیں اگر اتنا یقین بھی نہو تو ایمان ہی نہیں دوسرا مرتبہ عین الیقین یعنی جو کانوں سے سنا تھا وہ آنکھوں سے دیکھ لیا سو اس مرتبہ میں یقین پہلے مرتبہ سے زیادہ ہوتا ہے کیونکہ سنکر گو کسی چیز کا یقین ہوجاے لیکن وہ بات نہیں ہوتی جو آنکھوں سے دیکھنے میں ہوتی ہے اسیواسطے خوبصورتوں کی قصے اکثر کانوں سے سنتے ہیں اور محبت نہیں ہوتی اور آنکھوں سے دیکھنے میں جو کچھ ہوتا ہے سب جانتے ہیں لیلی اور شیرین اور حضرت یوسف ع کی اُن کے مرنیکے بعد کسیکو محبت نہوئی حالانکہ شہرہ اُنکے حسن و جمال کا جتنا اب ہے جب نہوگا بلکہ اس سے صاف یوں معلوم ہوگیا کہ سننے سے کسیکو محبت ہوتی ہی نہیں ورنہ حضرت یوسف علیہ السلام سے کسیکو تو محبت ہوتی اپنے زمانہ کی خوبصورتوں سے تو محبت ہوجائے اور اُن سے نہو وجہ اسکی اور کچھ نہیں کہ سننے سے بوجہ صورت محبت پیدا نہیں ہوسکتی ورنہ حضرت یوسف تو حضرت یوسف ہی تھے اور جو کہیں سننے سے ہو بھی ہے تو وہ بھی دیکھنے کا ہی طفیل ہے یعنی آنکھوں سے جو خوبصورت نظر آتے ہیں اور انکے دیکھنے سے ایک کیفیت ہوتی ہے تو پھر اگر سنتے ہیں کہ فلانا خوبصورت ہے تو اُسے اپنے تجربہ سابق پر قیاس کر لیتے ہیں اور اسوجہ سے گونہ اشتیاق پیدا ہوجاتا ہے ورنہ فقط سننے سے کچھ نہیں ہوتا اسلئے مادرزاد اندھے کو جسے شکل و صورت کا تصور ہی نہیں ہوتا اور خوب صورت اور بدصورت کو ہرگز نہیں سمجھتا اُسے بوجہ صورت کسی سے محبت نہیں ہوسکتی چنانچہ سب جانتے ہیں بالجملہ عین الیقین کے درجہ میں اگر کوئی چیز جمیل اور مجموعہ کمال ہوتی ہے تو اُس سے بشرط مناسبت طبیعت محبت ہوجاتی ہے پھر ایک مرتبہ یقین کا حق الیقین ہے وہ یہ ہے کہ جس چیز کو آنکھوں سے دیکھا ہے اُسکے استعمال اور برتنے کا بھی اتفاق ہو جیسے پانیکا ایک تو دیکھنا پھر دیکھکر اُسے پی بھی لینا اب پینے کے بعد یہ احتمال ہے کہ شاید شراب ہو یا دیکھنے میں غلطی ہوئی ہو باقی نہیں رہتا غرض یہ مرتبہ یقین ہونے میں عین الیقین سے بڑھ کر ہے اس مرتبہ میں وہ محبت جو دیکھنے سے پیدا ہوتی ہے اور بھی بڑھ جاتی ہے بلکہ حقیقت میں پوچھئے تو محبت اسی درجہ میں پیدا ہوتی ہے اسلئے کہ پانی سے جو محبت ہے تو اسی وجہ سے ہے کہ وہ پیاس بجھاتا ہے سو یہ بات تو پینے ہی سے معلوم ہوئی اگر کوئی شخص ایسا فرض کرو کہ اُسنے نہ کبھی پانی دیکھا ہو سنا ہو نہ اُسکے یہ تاثیر معلوم ہو اور نہ کبھی اُسے پانی کی ضرورت ہوئی ہو پھر اُسے ایکدفعہ ہی پیاس لگی اُسوقت اُسکے سامنے اگر پانی آجائے تو وہ کیا جانے کہ اس میں یہ تاثیر ہے اور اس سے میری پیاس بجھ جائیگی بجز اسکے کہ یا تو خدا اُسکے جی میں ڈالدے کہ اسے استعمال کیجیو یا کوئی اُسے تبلادے اُسی ہرگز پانی کیطرف یہ گمان نہوگا لیکن خوبصورتوں کو دیکھنا اسوجہ سے برتنا ہی ہے کہ جیسے گلزار کے دیکھنے سے جی کو راحت ہوتی ہے ویسے ہی اُنکے دیکھنے سے جان و دل کو آرام ہوتا ہے بالجملہ عقل سلیم یوں کہتی ہے کہ محبت حق الیقین کے مرتبہ میں ہوتی ہے چنانچہ واضح ہوگیا اگر اندیشہ طویل نہوتا تو اس بحث کو پورا بیان کرتا مگر ناچار ہوں فرصت کم پھر اپنا خرچ اوقات اور یہ جواب خط کی جلدی لہذا اتنی ہی پر اکتفا کرتا ہوں بالجملہ محبت مرتبہ حق الیقین میں پیدا ہوتی ہے اور یہ اعلے قسم یقین کی ہے اور پھر محبت میں اعلے قسم یہ ہے کہ محبوب کے لواحق و توابع تک محبت پہنچ جائے اور اس سے بڑھ کر یہ ہے کہ اُسکے دشمنوں سے عداوت ہوجائے

اقول اس مقام میں اس تطویل لاطائل سے کیا فائدہ ہے اور معنی علم الیقین اور عین الیقین کے استطرادی تھی عبارت مختصر میں ادا ہوسکتی تھی اور اس مقام میں جو لکھا ہے خارج بحث سے ہے اور معلوم نہیں رسول خدا صلعم سے بھی محبت چاہئے کہ نہیں سو اُنکے لواحق اور خدا تعالی کی توابع سے تو بعضوں نے یہ محبت کی کہ اُنکو آزار پہنچایا اور اُنکے حقوق غصب کئے اور بعضوں نے اُنکو قتل کر دیا

قال الشیخ الاشعری سو جب جناب باریتعالی نے سب صحابہ کی حق میں ایسی بات پر گواہی دی کہ اُنکی دلیں ہمارے دشمنوں کے دشمنی اور ہمارے دوستوں کی دوستی ہے تو صاف واضح ہوگیا کہ اُنکے دل میں

خدا کی محبت پہلی ہی باقی کوئی یوں کہے کہ مسلمانوں سے محبت ہونے کو یہ کیا لازم ہے کہ خدا ہی کے سبب ہو محبت کے بہت اسباب ہیں نسب کے وجہ سے ہوتی ہے احسان
اور سلوک کی دوستی اور سوا اسکے اور بہت صورتیں ہیں علیٰ ہذا القیاس دشمنی کی بہت وجوہ ہیں جبتک یہ محقق نہو کہ وہ محبت اور دشمنی خدا کے سبب سے ہے تب تک
مطلب ثابت نہیں ہوتا تو جواب اسکا اول تو یہ ہے کہ جب کسی وصف کے ساتھ محبت اور دشمنی کو متعلق کرتے ہیں تو عرف میں وہ محبت اور دشمنی اس صفت ہی کی جہت
سے سمجھی جاتی ہے مثلاً کوئی یوں کہے کہ مجھے خوبصورتوں سے محبت ہے یا عالموں سے محبت ہے علیٰ ہذا القیاس کوئی یوں کہے کہ مجھے متکبروں سے عداوت ہے یا کافروں سے عداوت ہے
تو کوئی ناانصاف بھی اسکے سمجھنے میں تامل نہیں کرتا کہ یہ محبت اور یہ عداوت ان اوصاف ہی کی وجہ سے ہے اور یوں کسیکو احتمال بھی نہیں ہوتا کہ شاید کسی اور وجہ سے
سو خدا نے بھی اشداء علی الکفار کہا ہے یعنی کافروں پر تیز اور تند ہیں اور کافر کے یہی معنی ہیں کہ خدا کا دشمن ہو تو معلوم ہوا انکی عداوت بوجہ کفر ہے کسی اور وجہ سے نہیں اور جب
بوجہ کفر ہوئی تو خدا ہی کی محبت کے سبب سے ہوئی ایسی ہی رحماء بینہم کو سمجھئے یعنی ایک دوسرے کو جو آپسمیں محبت ہے تو فقط رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی معیت اور آپکے زمرہ میں داخل
ہو جانے کے باعث ہے اور اسکا حاصل بھی یہی ہے کہ خدا کے متعلقوں میں سے ہیں اور جب یہ سمجھکر ہوئی تو وہی خدا واسطے کی محبت ہوئی **اقول** نہ تو خدا تعالیٰ نے سب
صحابہ کے حق میں یہ گواہی دی ہے کہ ہمارے دشمنوں کی دشمنی اُنکے دلمیں ہے اور نہ یہ کہ ہمارے دوستوں کی دوستی اُنکے دل میں ہے بلکہ یہ فرمایا کہ محمد صلعم اور اُنکے ہمراہی
کافروں پر بہت سخت ہیں اور آپسمیں وہ مہربانی کرتے ہیں اور بڑی سختی کافروں پر یہ ہے کہ اُنکو قتل کریں اور مہربانی آپسکی یہ ہے کہ کسی مومن کو آزار نہ پہنچائے سو جو لوگ
کہ جہاد میں کفار کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور کفار پر کچھ سختی نکرتے تھے اور مومنین کو آزار پہنچاتے تھے اور اُنکے حقوق غصب کرتے تھے وہ اس سے خارج ہوگئے کہ انمیں وصف
اشداء علی الکفار رحماء بینہم کا تھا اور اس صورت میں وہ سوال وجواب ہی بیموقع ہے اور حال تیزی اور تندی کا اُنکی کافروں پر جہادوں میں معلوم ہوگیا اور
بار بار عداوت کو جو بیان کیا ہے عداوت کا تو ذکر ہی اس آیت میں نہیں ہے اسمیں تو کفار پر سخت ہونے کا ذکر ہے البتہ سختی کرنیکو عداوت لازم ہے سو سختی اُنسے کفار پر کچھ
نہو سکی اور نہ آپسمیں رحم اور مہربانی ہو سکی بلکہ مومنین کو رنج پہنچائے اور جب انکو رنج پہنچایا تو خدا تعالیٰ کی محبت ثابت نہوئی **قال الشیخ الاشعری** معہذا
یَبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا اثبات کو خوب ثابت کردیا کہ انکے ہر کام میں خدا کی رضامندی مدنظر ہے سو کفار سے سختی کی باتیں اور آپسکی عنایتیں سب خدا
کی رضامندی کے لئے کرتے ہیں اور خدا کی رضامندی کی طلبگاری عین نشان محبت ہے سو محبت کے اور کوئی وجہ رضا کی طلبگاری کی ممکن ہی نہیں اور بہشت کی
تمنا میں جو لوگ خدا کی مرضی کے کام کرتے ہیں تو وہ حقیقت میں خدا کی مرضی کی طلب نہیں ہوتی جنت کی طلب ہوتی ہے جیسے فقیر روٹی کی وجہ سے مالداروں کی خوشامد
کرتے ہیں تو حقیقت میں وہ انکی رضا کے طالب نہیں مقصود اصلی انکا روٹی ہی ہوتا ہے بالجملہ رضاجوئی محب ہی کا کام ہے الغرض صحابہ کرام کو جو کفار سے عداوت تھی اسلئے
اپنے لوگوں سے محبت تھی تو فقط خدا ہی کی محبت کا ثمرہ تھا اور چونکہ محبت مرتبہ حق الیقین میں ہوتی ہے اور وہ اعلیٰ درجہ یقین کا ہے تو لازم آیا کہ سب صحابہ کو خدا کی عظمت
اور جاہ و جلال اور کمال اور جمال کا اتنا یقین ہو کہ اس سے اوپر کوئی یقین کا مرتبہ ہی نہیں اور ہر تسلیم اس درجہ کو تھی کہ اسکے آثار خود موجود تھے چنانچہ باری تعالیٰ نے خود اسکی
خبر دی اور کہا تراہم رکعا سجدا الخ اگر تسلیم نہوتی تو یہ اعمال کیوں کرتے اور یہی الفاظ معیت جملہ یبتغون الخ اعمال صالحہ کی بھی خبر دیتے ہیں تو اب بوجہ اکمل انکا ایمان کامل
اور اعمال صالحہ جن پر وعدہ مغفرت و اجر عظیم تھا ثابت ہوگیا تو پھر یہ احتمال کہ رسول اللہ صلعم کے ہمراہیوں میں سے کوئی مسلمان تھا اور کوئی نتھا اور اسوجہ سے منہم
فرمایا تو یہ شیعوں ہی سے ہو سکتا ہے کیونکہ انکے نزدیک اگر بدیہیات کا انکار اور محال کے تسلیم ممنوع نہوتی تو سبھوں کے مذہب سے روگرداں ہوکر مذہب شیعہ پر کیوں مستقیم ہوتے
اگر اندیشہ تطویل نہوتا تو اس دعوی کی دو چار دلیلیں بیان کرتا مگر سمجھنے والے اسی رسالہ میں سے اس مطلب کو سمجھ جائینگے انکے لیے یہی دلیل بہت ہے **اقول** کئی مرتبہ ہم
لکھ چکے ہیں کہ جن لوگوں کو تم اچھا کہتے ہو اور سب سے افضل مقرر کرتے ہو اور ہم انکو اچھا نہیں جانتے ہیں انکو رضامندی خدا کی ہرگز مدنظر نتھی اور اگر رضامندی خدا کی
منظور ہوتی تو معرکہ جہاد میں سے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑکر بھاگتے نہیں اور رسول خدا صلعم کے ارشاد کو رد نکرتے اور ہذیان نہ ٹھیراتے کہ وہ وحی خدا کی تھی اور کونسا کام
رضامندی خدا کا انہوں نے کیا ہے کسی کافر کو اپنے ہاتھ سے مارا نہیں کوئی زخم جہاد میں کھایا نہیں اور اپنی خلافت میں لوگوں کو اپنی ترقی ریاست کے واسطے لڑنیکو بھیجدیتے
تھے اور خود اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے آرام کرتے تھے کفار پر سختی انہوں نے کس روز کی اور مومنین کاملین کو تو وہ آزار ہی پہنچاتے تھے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور طالب رضامندی
خدا کے کسدن ہوئے اسکی رضامندی تو اسکی راہ میں جانبازی کرنے کی جہت سے تھی سو اُنسے وہ ظہور میں آئی اور محبت بھی خدا کی منحصر اُسکی راہ میں تکلیفیں اٹھانیکی
جہت سے تھی جہادوں میں اور مجاہدین ہی کو خدا تعالیٰ دوست رکھتا ہے نہ بھگوڑوں کو چنانچہ فرماتا ہے إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ اور انہوں نے تو بہشت کی
تمنا میں بھی کوئی تکلیف نہ اٹھائی وہ تو تمنا ریاست دنیا کی رکھتے تھے اور اُسی کے طالب تھے اور عداوت کا جو تو بار بار ذکر کرتا ہے آیت میں تو یہ نہیں ہے اور عداوت کفار کی تو

اسوقت معلوم پڑتی ہے کہ جب عداوت کا کوئی کام کرتے بعضے مومنین ہی سے اپنی عداوت نکالی کہ کسیکا حق غصب کیا کسیکو ذلیل اور بے عزت کیا اور نبوت میں رسولخدا کی شک کیا اور انہی لوگوں سے محبت کہاں کی پس اس جہت سے خدا سے بھی محبت نہوئی اور حق الیقین کا تو مرتبہ بہت بڑا ہے وہ تو اسوقت حاصل ہوتا کہ جب خدا کی محبت میں کوئی چیز کا کھاتی انکو کبھی تکبیر ہی جاری نہوئی اور رکوع اور سجدہ کا حال بھی انکے کہیں کو نہیں ہے جیسا کہ اوروں کا مذکور تو کہاں سے کہتا ہے اور صرف دعوی ہی تیرا ہے دروغ اور کوئی سند بھی انکی واسطے بیان کی وہ خدا تعالی جو فرماتا ہے انکی واسطے کہ جنہیں یہ اوصاف تھے اور لکھتا ہے انکے واسطے کہ جنمیں یہ اوصاف پائے نہیں جاتے تھے انکا ایمان کامل اور عمل صالح کونسی وجہ سے ثابت ہوا اور رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں کسیکا مسلمان ہونا اور کسیکا مسلمان نہونا تو قرآن سے ثابت ہے کہ حضرت کے ہمراہ منافق بھی کئی آدمی تھے اور اصحاب ہی میں مخلوط تھے اور حذیفہ کو انکے حال کی حضرت نے خبر دی تھی اور سوا انکے اور کسیکو مطلع نہیں کیا تھا صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ قَالَ ابْنُ مُلَيْكَةَ اَدْرَكْتُ ثَلٰثِيْنَ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ كُلُّهُمْ يَخَافُ النِّفَاقَ عَلٰى نَفْسِهٖ یعنی کہا ابن ملیکہ نے کہ پایا میں نے تیس آدمیوں کو اصحاب پیغمبر میں سے کہ کل انکے خوف کرتے تھے نفاق کا اپنے نفسوں پر اور احیاء العلوم میں امام غزالی نے ایکسو تیس اور دوسری روایت میں پانسو لکھے ہیں اور حذیفہ جو مطلع تھے منافقین سے تو حضرت عمر حذیفہ سے پوچھتے تھے کہ مجکو تو رسولخدا نے شمار نہیں کیا ہے منافقین میں سے چنانچہ احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ عمر نے حذیفہ سے پوچھا کہ هَلْ عَدَّنِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ فِی الْمُنَافِقِيْنَ یعنی کیا شمار کیا ہے مجھ کو رسولخدا صلعم نے منافقین میں سے اور میزان ذہبی میں لکھا ہے کہ عمر نے حذیفہ سے کہا ہے کہ اَنْشُدُكَ بِاللّٰهِ اَنَا مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ یعنی اے حذیفہ قسم دیتا ہوں میں تجھکو ساتھ خدا کی میں منافقوں میں سے ہوں اور بعد اسکے انشاء اللہ تعالی فدک کے ذکر میں نفاق شیخین کا اہل سنت کی کتب صحاح سے ہم ثابت کرینگے منتظر رہنا چاہئے اور بدیہیات کا انکار شیعوں میں ہرگز نہیں ہے اور نہ وہ محال کو تسلیم کرتے ہیں یہ کام تو اہل سنت کا ہے لو دیکھ تو رسولخدا صلعم کے ہمراہیوں میں کسیکا مسلمان ہونا اور کسیکا مسلمان نہونا قرآن سے اور تیری کتابوں سے ثابت ہے کہ نہیں تو نے کیسی بدیہی بات کا انکار کیا اور تو وہ ہے کہ فدک کے ہبہ کے دعوی کو تو نے انکار کیا ہے ایسی بدیہی بات کو جو بیسیوں کتابوں میں اہل سنت کے لکھی ہوئی ہے اور ثلاثہ کے عیبوں کو جو بدیہیات میں سے اور درایات میں سے ہیں انکا تو انکار کرتا ہے اور اس طرح سے چھپاتا ہے کہ جیسے بلی اپنے گوہ کو چھپاتی ہے اور عورت لتہ حیض کو پوشیدہ کرتی ہے اور دیدار خدا کا جو کہ محال ہے اسکو تو تسلیم کرتا ہے انکار بدیہیات کا اور تسلیم محالات کی تمہارا کام ہے اور اب تو نے کیا لکھا ہے دو اور دو چار دلیلیں لکھتا اگر لکھتا تو وہ بھی رد ہو جاتیں اور جو کوئی ہماری تحریر کو اس کتاب میں دیکھیگا وہ بخوبی سمجھ جائیگا کہ جو کچھ تو نے لکھا ہے وہ سب پوچ اور باطل ہے **قال الشیخ الاشعری** باقی کوئی یوں کہے کہ صحابہ کو اگر مرتبہ حق الیقین تھا اور وہ اعلی مراتب یقین ہے تو رسول اللہ صلعم لے نبیئے انہوں نے کوئی مرتبہ ہی نہ چھوڑا اصحابہ کیوں کہتے ہو رسول کہو تو اسکا جواب یہ ہے کہ علم الیقین میں سو آدمیوں سے اگر ایک خبر سنیں اور اسمیں یقین ہو جائے تو وہ بھی علم الیقین ہے اور ہزار سے سنیں تب علم الیقین ہے اور ایک ہاتھ کے فاصلہ سے دیکھئے وہ بھی علم الیقین ہے لیکن دوسری صورت میں جو وضاحت ہے وہ پہلی صورت میں نہیں اسی طرح ایک دفعہ پانی پیجیے یا تھوڑا سا پیجیے وہ بھی حق الیقین ہے اور کئی بار پیجیے یا بہت سے پیجیے وہ بھی حق الیقین ہی ہے مگر دوسری صورت میں جو بات ہے وہ پہلی صورت میں نہیں بلکہ دفعہ میں بسا اوقات چندان حال معلوم نہیں ہوتا ہاں کئی بار میں البتہ خوب معلوم ہوتا ہے الغرض حق الیقین میں شریک ہونے سے مساوات لازم نہیں آتی بالجملہ افضلیت کا محبت پر ہی معلوم ہونے پر نہیں بسا اوقات ایک خصوصیت کو دو آدمی برابر دیکھتے ہیں ایک کو محبت ہوتی ہے ایک کو نہیں اور حج ہوتی بھی ہے تو برابر نہیں ہوتی سو صحابہ کو خدا سے ایسی محبت نہ تھی جتنی رسول صلعم کو خدا سے تھی **اقول** یہ سوال ہم نہیں کرتے ہیں تم اپنی طرف سے کیوں تراشتے ہو اسواسطے کہ ہمارے نزدیک تو حق الیقین ان صحابہ کو حاصل ہی نہ تھا جنکو تم کہتے ہو اور اگر کسیکو حاصل تھا تو وہ رسول کیونکر ہو جائیگا حق الیقین میں برابر ہونے سے اور حضرت علی کو حق الیقین حاصل تھا تو انہوں نے فرمایا ہے لو کشف الغطاء لما ازددت یقینا **قال الشیخ الاشعری** اب ایک بات قابل بیان کے ہے اور باقی ہے وہ یہ ہے کہ شاید حضرات شیعہ کو موافق مثل مشہور خوے بدرا بہانہ بسیار صحابہ کی بزرگی کی تسلیم میں یہ حیلہ اور باقی ہو کہ صحابہ میں باہم اکثر مناقشات ہوئے اور انکے باہم اکثر رنج رہے اور نزاع ظہور میں آئے چنانچہ طرفین کی کتابوں میں موجود ہی پھر انکو رحماء بینهم کیونکر ہم کہیں اور جب یہ نہیں تو پھر کسوجہ سے یوں کہا جائے کہ وہ کامل الایمان تھے بلکہ یوں احتمال ہوتا ہے کہ جن سے حضرت امیر علیہ السلام کو رنج پہنچا یا ان سے لڑے نہ وہ رحماء بینهم کے مصداق تھے نہ ان پر اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ صادق آتا تھا اور لفظ مِنْهُمْ جو بعد عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ بڑھایا ہے تو انہیں کے اخراج کے لیے بڑھایا ہے اس شبہ کا جواب ہرچند ہمارے ہی ذمہ نہیں کیونکہ بعینہ یہی احتمال خوارج اور نواصب بھی پیش کر سکتے ہیں شیعوں کو بھی اس اعتراض کا فکر جواب لازم ہے مگر بغرض تسکین خاطر شیعہ و سنی یہ معروض ہے کہ رنج دو وجہ سے ہوتا ہے ایک بوجہ عداوت ایک بوجہ محبت بوجہ عداوت کے تو صورت اظہر ہے دشمنوں سے رنج ہوتی ہیں وہ اسی قسم کے ہیں باقی بوجہ محبت کے یہ صورت ہے کہ کسیکا دوست کسی غلط فہمی اور خلاف توقع کرے تو یہ رنج بوجہ محبت اسلئے کہ اگر اجنبی ایسی باتیں کرتے ہیں تو انسے کچھ رنج نہیں ہوتا اس سے خوب معلوم ہوتا ہے کہ یہ رنج فقط محبت کا ثمرہ

ثمرہ ہے اگر محبت نہوتی تو یہ رنج نہوتا ایسے ہی اگر صحابہ کو بھی سمجھ لو تو بہت ہوگا تو یہی ہوگا کہ خدا کے کلام کو تسلیم کرنا پڑیگا **اقول** جو کچھہ سوال میں لکھا ہے یہ سب صحیح اور درست ہے اور جسقدر صحابہ میں آپس میں نزاعیں اور عداوتیں اور قتل وقمع وقوع میں آیا ہے سب کتابوں میں مندرج ہے انکار اسکا کسیطرح نہیں ہوسکتا اور باقی رہا فرقہ خوارج اور نواصب وہ نہایت قلیل اور خال خال ہیں انکا کچھہ اعتبار نہیں ہے اور سواد اعظم اسلام میں یہی دو فرقہ ہیں اہل سنت اور شیعہ اثنا عشریہ اگرچہ اہل سنت بہ نسبت شیعوں کے کچھہ زیادہ ہیں ان دونوں ہی کے مذہب میں کتب متداولہ کثرت سے موجود ہیں اور ان دونوں مذہبوں ہی میں ہمیشہ سے گفتگو چلی آئی ہے اور سوا اسکے یہ ہے کہ خوارج کو رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ یمرقون عن الدین یعنے باہر نکلجاوینگے دین سے جب وہ دین ہی سے خارج ہوگئے تو انکے جواب کی کچھہ احتیاج نہیں ہے وہ تو مثل یہود اور نصاری کے ہوگئے انکا جواب وہی ہے جو ملحدوں کا جواب ہے اور نواصب ایک شاخ اہل سنت ہی کے مذہب کی ہے مگر فرق اسقدر ہے کہ وہ اہل بیت علیہم السلام سے بظاہر عداوت رکھتے ہیں اور اہل سنت بظاہر عداوت ان سے نہیں رکھتے ہیں لیکن انکے فضائل کی تضییع اور تنقیص کرتے ہیں اور انکے دشمنوں سے دوستی رکھتے ہیں اور انکو اچھا جانتے ہیں اور جو کتب احادیث کہ اہل سنت کی ہیں وہ ہی نواصب کے ہیں اور خوارج اور نواصب ہی تو اپنے تئیں مسلمان جانتے ہیں اور جب وہ مسلمان ہوئے تو خود انپر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ خدا تعالے نے آیت میں ان لوگوں کی تعریف کی ہے کہ جنہوں نے آپس میں عداوتیں اور نزاع اور فساد کئے وہ ہمپر کیا اعتراض کرینگے خود انپر ہی اعتراض ہوتا ہے البتہ یہود اور نصاری سب مسلمانوں پر اسکا اعتراض کرسکتے ہیں اور نصاری نے ایسے ایسے بہت اعتراض کئے ہیں اور مسلمانوں نے انکا جواب لکھا ہے اور باقی رہی آیت مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللّٰهِ وَالَّذِينَ مَعَهُ سو ظاہر ہے کہ ہمراہ حضرت کے سب طرح کی آدمی تھے مگر جن میں اوصاف اس آیت کے ہیں اور انمیں ایمان اور عمل صالح تا دم مرگ باقی رہا وہ لوگ مراد ہیں اور ان ہی سے وعدہ مغفرت کا اور بموجب آیت قُلْ لَّا اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا اِلَّا الْمَوَدَّةَ فِى الْقُرْبٰى دوستی حضرت کے قریبوں کے کہ وہ علیؑ اور فاطمہؑ اور حسنؑ اور حسینؑ ہیں بموجب روایات کے واجب ہے پس جن لوگوں نے ان سے عداوت کی ہے اور نزاع کیا ہے واسطے حب ریاست کے اور طلب مال و جاہ کے اور انکے حقوق کو غصب کیا ہے وہ ایمان صحیح اور اعمال صالحہ پر باقی نہیں رہے ہیں وہ لوگ اس وعدہ سے خارج ہونگے اور رنج کے جو تفریق کی ہے دو وجہ کی ایک تو بوجہ عداوت اور ایک بوجہ محبت سو جو رنج کہ بوجہ محبت ہوتا ہے اسکو تو یہاں کسی طرح دخل ہی نہیں ہے اور نہ اس سے بحث ہے یہاں تو مراد اس سے ہے کہ جو بوجہ عداوت ہے اگر کوئی کسیکا حق غصب کریگا اور وہ اپنے حق کے غاصب کو خائن اور غادر کہیگا تو وہ کونسا عقل کا اندھا ہے کہ اس رنج کو دوستانہ بتلائیگا صلاح الدین رومی نے حاشیہ میں شرح عقائد نسفی کے لکھا ہے کہ ابوبکر میں اور فاطمہ زہرا میں فدک کی بابت سے عداوت پیدا ہوگئی تھی اور اسقدر رنج ہوا ابوبکر سے کہ تا دم واپسیں ابوبکر سے کلام نہ کیا اور کسی کے گھر کے جلانے کو آگ اور لکڑیاں لیجانا کیا یہ دوستی ہی کی راہ سے ہوگا اور ہزاروں مومنین کا قتل کرنا اور قتل کروانا جنگ جمل اور جنگ صفین میں اور عثمان کا قتل کروانا جو بعضے صحابہ سے وقوع میں آیا چنانچہ بعد اسکے عثمان کے قتل کے ذکر میں آئیگا کیا یہ دوستی ہی کی رنج سے ہوگا اور عثمان کو کہنا اقتلوا نعثلا اور لعن اللہ نعثلا اور اقتلوا احراق المصاحف اور صحابہ کبار کو بعزت کرنا اور مدینہ منورہ سے اخراج کرنا اور زدوکوب کرنا اور زدوکوب کرکے مرواڈالنا یہ کیا محبت ہی کی رنج سے ہوگا اور تفصیل اسکی سب اس کتاب میں موجود ہے کچھہ تو گزر گئی ہے اور کچھہ انشاء اللہ تعالی آئندہ کو لکھی جائیگی اور جو رنج کہ محبت کی راہ سے ہوتے ہیں وہ اور رنج ہیں ایسے رنج نہیں ہوتے ہیں اور بعض صحابہ کو رنجوں و عداوتوں کو ایسا نہیں سمجھ سکتے جیسا کہ یہ لکھتا ہے اور آیت کا مطلب ہم بیان کرچکے کہ مراد اس سے کل صحابہ نہیں ہیں **قال الشیخ الاشعری** سو نعوذ باللہ مثل زرارہ بن اعین اور احول طاق وغیرہ مقتدایان شیعہ جو شہادت ائمہ اور کتب شیعہ جھوٹے اور کذاب ہیں چنانچہ انشاء اللہ مذکور ہوگا کچھہ خداوندکریم تو جھوٹا اور کذاب نہیں جو تناقض اسکا معلوم ہو مگر جنکو جھوٹی باتوں کے تسلیم کرلینے کی خو ہو وہ سچے کلام اگرچہ خدا ہی کے کیوں نہو کیونکر تسلیم کریں معہذا ہم یوں پوچھتے ہیں کہ سنی تو حسب اعتقاد شیعہ اس قابل ہی نہیں کہ انکی کتابوں کی روایت کو تسلیم کیا جائے باقی رہے شیعوں کی روایتیں انکا حال یہ ہے کہ جن راویوں سے شیعہ اپنے دین و ایمان کی باتیں لیتے ہیں اور درمیان شیعہ اور حضرات ائمہ رضوان اللہ علیہم اجمعین وہ واسطہ ہیں انکا حال یہ ہے کہ ہشام بن سالم اور میثمی اور صاحب طاق یعنی احول طاق وغیرہم جو انکے مقتدا و پیشوا اور احادیث معمول بہا کے راوی ہیں انکی جو کچھہ بزرگیاں اور خوبیاں ہیں اور حضرات ائمہ نے انکے فضائل بیان کئے ہیں وہ سب تو اس رسالہ میں نہیں آسکتے پر بطور نمونہ کے کچھہ معروض بھی ہے کلینی جو اصح کتب شیعہ ہے اسمیں یہ حدیث ہے عن ابراهيم بن محمد الخزاز و محمد بن الحسين قالا دخلنا على ابى الحسن الرضا عليه السلام فقلنا ان هشام بن سالم والميثمى وصاحب الطاق يقولون ان الله تعالى اجوف الى السرة والباقى صمد فخر لله ساجدا ثم قال سبحانك ما عرفوك ولا وحدوك فمن اجل ذلك وصفوك حاصل روایت کا یہ ہے کہ ابراہیم بن محمد خزاز اور محمد بن حسین بیان کرتے ہیں کہ ہم امام ابوالحسن رضا علیہ السلام کے پاس گئے پہنچے کہا کہ ہشام بن سالم اور میثمی اور صاحب الطاق یوں کہتے ہیں کہ اللہ تعالی ناف تک تو کھوکھلا ہے اور باقی ٹھوس ہے آپ سنتے ہی سجدہ میں جاپڑے اور یہ فرمایا کہ الہی تو پاک ہے ان

ان عیبوں سے کہ ان لوگوں نے تجھے پہچانا اور نہ انہوں نے سمجھے وحدہ لاشریک رہ جانا اسی سبب سے جو کچھ لائق شان نہیں آیا ہے سبحانک تیرے ہیں دوسری روایت بھی
کلینی ہی کی ہے علی بن حمزہ سے قال قلت لابی عبداللہ علیہ السلام سمعت هشام بن الحکم یروی عنکم ان اللہ جسم صمدی نوری معرفتہ ضرورۃ یمن بها علی من یشاء من عبادہ فقال سبحان
من لا یعلم کیف هو الا هو لیس کمثله شیء وهو السمیع البصیر لا یحد ولا یحس ولا یحیط به شیء ولا جسم ولا صورة ولا تخطیط ولا تحدید
حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ ابن حمزہ کہتا ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ہشام بن حکم تم سے روایت کرتے ہیں کہ خدا جسم ہے ٹھوس
سو اسکے جواب میں حضرت امام ہمام رضی اللہ عنہ نے کچھ ایسا ہی فرمایا جیسا امام ابوالحسن رضا نے فرمایا تھا مطلب قریب قریب ہے اب ان روایتوں کو دیکھئے کہ معتقدان
امامیہ کیا کیا معرفتیں تراشتے ہیں پھر تسپر اماموں کا حوالہ دیتے ہیں **اقول** زرارہ وغیرہ کو جو لکھا ہے کہ یہ معتقدان شیعہ بشہادت ائمہ اور کتب شیعہ جھوٹے اور
کذاب ہیں اول تو یہ معتقد شیعوں کی نہیں ہیں راویان اقوال ائمہ معصومین علیہم السلام ہیں اور راوی سب طرح کے ہوتے ہیں اور انحصار
کچھ ان کی ہی روایتوں پر نہیں ہے اور مدار ہماری مذہب کا روایات مستفیضہ متواترہ پر ہے اور واسطے تکثیر روات کے انکی بھی آمیزش ہو گئی تو کیا قباحت ہے اور ان
لوگوں کے حال کی تجھے خبر بھی نہیں ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور تکذیب کی کوئی روایت کسی امام سے اور کسی کتاب سے لکھے نہیں کہ حال اُسکا معلوم ہوتا اور بعد اسکے جو ہشامین
کے حال کی دو روایتیں لکھی ہیں وہ اُنکی بد اعتقادی پر البتہ دلالت کرتے ہیں سو اسکا جواب سن لینا اور اگر اس راہ سے وہ کاذب تھے کہ اہل بیت علیہم السلام کے
فضائل اور ثلثہ کے عیوب بیان کرتے تھے تو ہم انکے فضائل میں اور انکے عیوب میں اُن روایتوں کو لیتے ہیں کہ جن پر طرفین کا اتفاق ہے اور روایتیں ثلثہ کے عیوب کی
تو دونو مذہبوں میں ہیں اور انکے فضائل کی روایتیں صرف تمہارے ہی مذہب میں ہیں وہ اعتبار سے ساقط ہونگی اور صرف عیوب ہی کی روایتیں
قابل تسلیم ہونگی اور کاذب تمہارے معتقد ہیں کہ جن کو حضرت علی اور حضرت عباس کاذب اور خائن اور غادر جانتے تھے چنانچہ فدک کے ذکر میں اسکا بھی ذکر ہوگا
اور راوی تمہاری کتابوں کے جھوٹے ہیں جن پر مدار تمہاری مذہب کا ہے چنانچہ یہ بھی معلوم ہوگا اور کتابیں اہل سنت کی گو ہمارے نزدیک قابل اعتبار
نہیں ہیں کہ اُن میں روایات موضوعہ بھی مندرج ہیں لیکن اہل سنت کے نزدیک وہ معتبر ہیں اور اگر انکے نزدیک وہ معتبر نہوں تو مذہب ہی انکا باطل
ہوجائے اور جب انکے نزدیک وہ معتبر ٹھہریں تو انکے الزام کے لئے کفایت کرتے ہیں اور انکے حوالہ سے اہل سنت کو ہم الزام دے سکتے ہیں کہ وہ اس سے انکار نہیں کرسکتے
اور ہشامین شیعوں کے راویوں میں سے بڑے معتمد تھے اور ابوحنیفہ کو اکثر انہوں نے الزام دئیے ہیں اور یہ دو روایتیں کافی کے جو لکھی ہیں یہ حال انکا اس زمانہ کا
ہے کہ مذہب حق انہوں نے ہنوز اختیار نکیا تھا اور حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں وہ مشرف نہوئے تھے اور مذہب انکا بھی تھا اور جس روز سے کہ انہوں نے
حضرت امام علیہ السلام کی خدمت میں پہنچکر توبہ کی ہے اور مذہب کو اختیار کیا ہے اُس روز سے مومن کامل اور بڑے معتمدین میں سے ہوگئے ہیں اور زمانہ ہدایت کے
اعتقاد کا قیاس زمانہ ضلالت کے اعتقاد پر نہیں ہوسکتا اگر کوئی سنی ملا اپنے مذہب کے موافق کتاب لکھکر شیعہ ہوجائے اور کوئی شیعہ اپنے مذہب میں کتاب
لکھکر سنی ہوجائے تو سنی اور شیعہ اُسکے پہلے مذہب کی تحریر کو ہرگز معتبر نجانینگے اور ہمنے فرض کیا کہ وہ تجسیم خدا کی قائل تھے لیکن ہمارا تو یہ اعتقاد نہیں ہے
اور تمہاری عندیہ میں جسوقت کہ وہ ہمارے پیشوا ٹھیرے تو چاہئے تھا کہ ہم اُنکے دین کے مطابق اپنا دین رکھتے اور ہمارا دین جو اُنکی تجسیم دین کے مطابق نہیں ہے
تو معلوم ہوا کہ اُنکی جو کوئی روایت امام علیہ السلام سے ہماری کتاب میں ہے وہ زمانہ انابت اور رجوع الی الحق کے ہے اور زمانہ ضلالت کی وہ روایتیں نہیں ہیں
اور اگر امام علیہ السلام کیطرف منسوب کردیا ہے تجسیم کی روایت کو تو امام علیہ السلام نے خود اُسکو رد کردیا اور جیسے کہ انکی روایتیں ہیں زمانہ حق کے ایسی ہی اور انکی
بھی روایتیں ہیں اور جو روایت کہ اُنکے زمانہ ضلالت کی ہے اُسکے مطابق اور کسی راوی امام کی روایت نہیں ہے اور یہ حال انکی بد مذہبی کا تمکو ہماری کتابوں سے
معلوم ہوا ہے ایسے ہی انکا حال ہماری کتابوں میں انکے کمال ایمان اور علم اور قربت اور مصاحبت امام علیہ السلام کا بھی لکھا ہے بعد رجوع کرنیکے طرف دین حق کے
صحابہ بھی تو پہلے آخر بت پرست ہی تھے پھر کیسے مصاحب رسولخدا صلعم کے ہوگئے اُنکے زمانہ کفر کی بات کا کب اعتبار ہے اور ہشامین کو تو ہم کہتے ہیں کہ یہ اعتقاد
اُنکا زمانہ ضلالت کا تھا اور تمہاری صحاح میں تو روایتیں تجسیم کی مومنین سے منقول ہیں اور اُن روایتوں کو رسولخدا صلعم کیطرف منسوب کرتے ہیں چنانچہ ابن
اثیر نے جامع الاصول میں حدیث طولانی صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور سنن ابن ماجہ سے روایت کی ہے ابو سعید خدری سے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جسوقت مشرکین
اور یہود اور نصاری بحکم خدا دوزخ میں داخل ہونگے اور موحدین باقی رہجائینگے تو خدا تعالی بروز قیامت موحدین کے آگے آئیگا اور اپنی صورت کو دکھلائیگا
اور کہیگا کہ میں تمہارا خدا ہوں وہ کہیں گے کہ پناہ بخدا ہم کسیکو شریک خدا کا نہیں کرتے ہیں تو ہمارا خدا نہیں ہے خدا تعالی کہیگا کہ تمہارے پاس کوئی

علامت ہے کہ خدا کو اپنے اُس سے پہچانو وہ کہیں گے کہ ہاں وہ برہنہ کرنا خدا کا اپنے ساق کو ہے اُسوقت خدا تعالی اپنے ساق کو کھولیگا اور وہ سجدہ میں گر جائیں گے
اور خدا کو اُس پہلی صورت میں دیکھیں گے اور خدا کا اقرار کرینگے اور صحیح بخاری اور مسلم سے روایت کی ہے کہ بروز قیامت مومن خدا کے پاس جائیگا تو خدا تعالی اپنا
دامن اُس پر ڈالکر گناہوں کا اُس سے اقرار کرائیگا اور صحیح بخاری اور مسلم اور ترمذی سے روایت کی ہے کہ خدا تعالی دوزخ کو پُر کریگا تو وہ کہیگا کہ ہل من مزید یعنی اور زیادہ ہے
اُسوقت خدا تعالی اپنا قدم اُسپر رکھیگا تو وہ پُر ہو جائیگا اور ترمذی نے عایشہ سے روایت کی ہے اور اُس میں یہ ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ خدا تعالی نیمہ شعبان کو
آسمان دنیا پر اُترتا ہے اور اکثر کو بخشتا ہے اور مشکوۃ میں عبدالرحمن بن عایش سے لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ میں نے اپنے پروردگار کو بہت نیک صورت میں دیکھا
مجھ سے کہا کہ کس چیز میں تو جھگڑتا ہے ملاء اعلے سے بعد اسکے اپنی ہتیلی میری شانوں کے درمیان رکھی تو اُسکی خنکی میری پستان کو پہنچی اور کتاب الاعتقادات
میں ابی اسمعیل حنبلی نے کہ وہ امام احمد حنبل کے مذہب پر تھا لکھا ہے کہ خدا تعالی اعضاء اور جوارح مثل بنی آدم کے رکھتا ہے اور غنیۃ الطالبین میں پیر دستگیر
نے لکھا ہے کہ نازل ہوگا جبار اپنے عرش پر اور قدم اُسکے کرسی پر ہونگے اور اہل حدیث یعنی تابعین امام مالک مثل مضر و کہمس و احمد الہجیمی وغیرہ کی قائل تشبیہ
خدا تعالی کے ہوئے ہیں چنانچہ ملل نحل میں لکھا ہے اور لکھا ہے کہ یہ لوگ خدا تعالی کے اعضا اور ابعاض ثابت کرتے ہیں اور تجویز کرتے ہیں خدا تعالی سے مصافحہ
اور معانقہ کو اور داؤد جواری سے کہ وہ انہیں میں سے ہے حکایت کرتے ہیں کہ فرج اور ریش سے تو مجھکو معاف کرو اور سوائے اسکے اور سب اعضاء سے سوال کرو کہ وہ خدا تعالی
کے واسطے ہیں اور داؤد جواری سے منقول ہے کہ خدا تعالی اوپر سے سینہ تک خالی اور مجوف ہے اور سوائے اسکے پُر اور ٹھوس ہے اس طرح کی بہت نقلیں اہل سنت کے بزرگوں
کی ہیں ان روایتوں کو دیکھئے کہ مقتدایان اہل سنت کیا کیا معرفتیں تراشتے ہیں پھر تسپر پیغمبر خدا صلعم کا حوالہ دینے میں ہشامین کا کیا قصور ہے اور ہم تو ہشامین
کو اُس حالت میں کہ جو دونوں روایتوں میں ہے مومن نہیں جانتے اور یہ لوگ اُن مجسمہ کو مومن اور اپنا پیشوا و مقتدا اور بزرگ سمجھتے ہیں اور جو کہ رسول خدا صلعم سے روایات
جسم خدا بیان کرتے ہیں وہ وہ ہیں کہ جن کو تم کہتے ہو کہ رسول خدا صلعم نے اُنکے حق میں فرمایا ہے اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم اور ہم ہشامین کو ایسے نجوم تو نہیں جانتے
ہیں **قال الشیخ الاشعری** علےٰ ہذا القیاس بعضی انکے مقتدا اور پیشوا خدا کی نسبت یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ خدا ازل میں جاہل تھا جیسے زرارہ بن اعین اور بکر بن اعین
اور سلیمان جعفری اور محمد بن مسلم وغیرہم اور کہانتک بیان کروں ایسے ایسے بزرگواروں سے دین کی باتیں روایت کرتے ہیں اور پھر اُن روایتوں کو صحیح سمجھتے ہیں
اور اُنکا نام صحاح رکھتے ہیں اور یہ افسانے انہیں کے معتبر کتابوں سے معلوم ہوتی ہیں یقین ہے کہ علماء سب تسلیم کرینگے اور اگر موافق عادت بزرگان دروغ پسند
سنیوں کے سامنے جھوٹ بولجائیں اور انکار کر جائیں تو اپنے دلمیں ضرور منفعل ہونگے **اقول** جو کچھ اسنے اس قول میں لکھا ہے اور خدا تعالی کا ازل میں جاہل ہونا
زرارہ وغیرہ کے نزدیک لکھا ہے سب غلط ہے اور ہماری کسی کتاب میں نہیں ہے اور جو کسی ناصبی نے یہ لکھا ہے تو اُسکا اعتبار نہیں ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی
سے کہ جنہوں نے شیعوں پر سیکڑوں اتہام کئے ہیں یہ بھی لکھتا ہے اور اگر کسی کتاب میں ہوتا تو اُسکا حوالہ دیتا جیسے کہ کافی کی روایتوں کا حوالہ دیا ہے اور ان بزرگوں
میں کچھ قباحت نہیں ہے سب صحیح الاعتقاد تھے اور اُن سے ہم وہ روایتیں لیتے ہیں کہ جو موافق قرآن اور احادیث نبوی کے ہیں ایسے روایتوں کے لینے میں کیا قباحت
ہے عنقریب تیری کتابوں کے راویوں کا حال آتا ہے اُسکو معلوم کریگا تو تجھکو خبر ہوگی کہ تیری کتابوں کی راوی کیسے ہیں اور ہمارے راویوں میں کچھ قباحت نہیں ہے
اور ہماری کتابوں میں جو کوئی روایت کسی بعضی بد مذہب کی ہے تو وہ اُس زمانہ کے نہیں ہے جس زمانہ میں کہ وہ فاسد العقیدت تھے بلکہ زمانہ صحت ایمان کے ہیں جیسے
صحابہ کہ اُن سے اکثر روایتیں ہیں اور حال یہ ہے کہ پہلے وہ کافر تھے لیکن روایتیں اُنکی زمانہ ایمان کی ہیں نہ زمانہ کفر کی اور تمہاری کتابوں کے راوی وہ ہیں
کہ جو وقت روایت کے فاسد العقیدہ تھے اور اہل بیت علیہم السلام سے عداوت رکھتے تھے اور ہمارے راویوں کی روایتوں کو تم اگر اسواسطے اچھا نہیں جانتے کہ وہ خلفاء اور دشمنان
آل رسول کے عیب بیان کرتے ہیں تو اُنکے ہی روایتوں پر ہم اکتفا نہیں کرتے بلکہ اہل سنت کی کتابوں کی روایتوں سے مطابقت کر لیتے ہیں اور جو روایت کہ
دونوں فرقوں میں ہے اُسکو ہم پیش کرتے ہیں اور جو روایت کہ خاص ہماری ہی کتاب کی ہے اُسکو ہم پیش نہیں کرتے اور جو طعن کہ ہم ثلثہ پر کرتے ہیں وہ بموجب روایات
اہل سنت کرتے ہیں نہ اپنی روایتوں سے اور اگر اہل سنت ہماری کسی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں تو ہم اُسکا انکار نہیں کرتے بلکہ تسلیم کرتے ہیں لیکن جواب معقول اُسکا
دیتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ جب وہ جواب سے عاجز ہوتے ہیں بالکل انکار کر جاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ روایت ہماری کسی کتاب میں نہیں ہے جیسے کہ روایت دعوے
ہبہ فدک کہ یہ روایت اہل سنت کی بیس تیس کتابوں میں لکھی ہے اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے اسکا بالکل انکار کیا اور تحفہ میں لکھا کہ ہماری کسی کتاب میں یہ
روایت نہیں ہے اور اُنکی پیروی سے تو نے بھی انکار لکھا ہے اور فدک کی گفتگو میں انشاء اللہ تعالی اسکا ذکر ہوگا منتظر رہنا چاہئے کہ تیرا اور مولوی صاحب مذکور کا

ایسا جھوٹ ثابت کرتا ہوں اور شیعوں کے منفعل ہونے کی کوئی بات ہی نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** سبحان اللہ اسبات کی رعایت تو سنیوں میں ہے کہ جن
کتابوں کا نام صحاح رکھتے ہیں اور انہیں معتبر سمجھتے ہیں انمیں بجز پارساؤں اور متقیوں اور دینداروں کے اور کسی سے روایت نہیں لاتے تو اس غرض سے کہ
کوئی اس روایت کی وجہ سے دھوکا نہ کھا جائے اسلئے بتلا جاتے ہیں کہ یہ حدیث ضعیف ہے یا موضوع یعنی بنائی ہوئی جھوٹی روایت ہے **اقول** سنیوں میں ہرگز اس بات
کی رعایت نہیں ہے صحاح ستہ میں اہل سنت کی راوی جیسے کہ دروغگو اور بدمذہب اور روایتوں کے وضع کرنیوالے ہیں ایسے کسی مذہب میں نہونگے اور ہماری
کتابوں میں جو کوئی روایت ضعیف یا تقیہ کی ہے تو ہمارے علما بھی اُس سے خبر کر دیتے ہیں لیکن موضوع اور جھوٹی روایتیں ہماری کتابوں میں نہیں ہیں
جیسے کہ اہل سنت کی کتابوں میں ہیں اور اُن روایتوں کو صحیح کہتے ہیں اور اکثر روایتیں اہل سنت کی بدمذہبوں سے منقول ہیں کہ جنکو صحاح ستہ
میں داخل کیا ہے اور اُن روایتوں کو صحیح لکھتے ہیں اور اب اہل سنت کی روایتوں کے راویوں کو سننا چاہئے کہ بعضے تو مجسمہ ہیں اور اس سے پہلے دوسرے
قول میں ہم مفصل بیان کر چکے ہیں حال اُنکا کہ خدا تعالیٰ کے واسطے جسم ثابت کرتے ہیں مثل احمد اور کہمس وغیرہ کے اور بعضی راوی اہل سنت کے کذاب اور وضع کرنیوالے
روایتوں کے ہیں مثل احمد بن صالح مصری کے اور بخاری بہت روایتیں اُس سے لیتا ہے اور حال اُسکا نسائی نے لکھا ہے چنانچہ کہا کہ سالت یحیی بن معین عن احمد
فقال کذاب یعنی پوچھا میں نے یحیی بن معین سے احمد بن صالح کے حال سے پس کہا کہ دروغگو ہے اور اُسید بن زید ہاشمی کوفی کہ بخاری کی راویوں میں سے ہے قال ابن
معین حدث باحادیث کذب یعنی کہا ابن معین نے کہ جھوٹی حدیثیں بیان کرتا ہے اور نعیم بن حماد کہ ابن عدی اُسکے شان میں کہتا ہے کان نعیم یضع الحدیث
فی تقویۃ السنۃ یعنی تھا نعیم کہ بناتا تھا حدیث کو قوت دینے سنت میں اور بخاری نے اپنی کتاب میں اُس سے روایت کی ہے اور مثل ابوہریرہ کے کہ وہ خود اقرار اپنے متہم
بکذب ہونیکا کرتا ہے چنانچہ صحیح مسلم میں باب استحباب بدو النعل بالیمنی میں لکھا ہے اور ابی رزین سے روایت ہے کہ ابوہریرہ نکلا ہماری طرف اور اپنے ماتھے پر ہاتھ مار کر کہا
کہ تم بیان کرتے ہو کہ میں رسول خدا صلعم پر جھوٹ بناتا ہوں اور اہل سنت کی کتابوں کے راوی خوارج بھی ہیں جو کہ دین سے خارج ہو گئے ہیں اور اکثر راوی صحاح ستہ
شیعہ ہیں جو کہ ابوبکر اور عمر کی خلافت کے قائل نہیں ہیں اور منکر خلافت ابوبکر و عمر بعضوں کے نزدیک تو بدعتی ہیں اور بعضوں کے نزدیک کافر ہیں اور کہتے ہیں کہ اگر
ہم انکی روایتوں کو ترک کر دیں تو اکثر احادیث ضائع ہو جائیں خصوصاً طبقۂ تابعین میں اور تبع تابعین میں کہ وہ شیعہ تھے اور مجہول حال سے بھی اہل سنت روایت
کرتے ہیں اور اطلاق صحیح کا اُسکی روایت پر کرتے ہیں جیسے کہ عباد بن آدم الہذلی کہ ابن ماجہ اُس سے روایت کرتا ہے اور منصور بن النعمان لشکری ابو حفص بصری کہ
بخاری تفسیر میں اُس سے روایت کرتا ہے اور مجہول ہونا اُنکا تقریب میں لکھا ہے اور عمر بن سعد کہ جس نے حضرت امام حسینؑ کو مع اقارب کے قتل کروایا اور مخدرات عصمت و
طہارت کو سر برہنہ شتران بے کجاوہ پر بٹھلا کر کوچہ و بازار میں اور شہر بشہر پھرایا ثقہ جانتے ہیں اور اس سے روایتیں لیتے ہیں چنانچہ مفصل تہذیب الکمال میں لکھا ہے اور
شمر ذی الجوشن کہ جو خود قاتل حسین علیہ السلام تھا اور اپنے ہاتھ سے اُسنے سر اُن حضرت کا تن سے جدا کیا اُس سے روایتیں اپنی کتابوں میں بیان کرتے ہیں چنانچہ ابن
عبدالبر نے استیعاب میں شمر ذی الجوشن کے ترجمہ میں لکھا ہے اور اکثر راوی اہل سنت کے وہ ہیں کہ طریقہ حق سے تجاوز کر گئے تھے اور حد ظلم اور فسق کو پہنچے تھے بسبب
دشمنی و حسد اور طلب ملک و ریاست کے اور میل لذات اور شہوات کے چنانچہ ملا سعد الدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے وما وقع بین الصحابۃ
من المحاربات والمشاجرات علی الوجہ المسطور فی کتب التواریخ والمذکور علی السنۃ الثقات یدل بظاہرہ علی ان بعضہم قد حاد عن
طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق وکان الباعث علیہ الحقد والعناد والحسد واللداد وطلب الملک والریاسۃ والمیل الی اللذات والشہوات
اذ لیس کل صحابی معصوما ولا کل من لقی النبی بالخیر موسوما اور ترجمہ اسکا پہلے اس سے گذر گیا ہے اور سوا اسکے راوی بھی بے اعتبار ہونگی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں
بہت ہیں اور یہ سب صحاح ستہ کی راوی ہیں اور انکی روایتوں پر اعتماد کرتے ہیں اور اپنے مذہب کا مدار انکی روایتوں پر رکھا ہے اور یہ دروغگو انکو پارسا اور متقی
لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** الغرض شیعوں کی دین کی روایتوں کا جب یہ حال ہے تو کتب تواریخ تو نور علی نور ہے ہونگے اور سنیوں کی روایت خود قابل
اعتبار نہیں تو اس صورت میں جو روایتیں کہ نزاع صحابہ اور باہم کی چپقلش پر دلالت کرتے ہیں کلام اللہ کے مقابل میں کیونکر اعتبار ہونگے بہر حال کلام اللہ تو متواتر
ہے جس صورت میں کلام اللہ میں رحماء بینہم ہوا اور اسکے تمہارے نزدیک بھی یہی معنی ہوں کہ انمیں ہرگز کبھی رنج ہوتا ہی نہیں تو موافق قاعدہ اصول کے اُن روایات
کا اعتبار نہوگا جو کلام اللہ کے مخالف ہیں **اقول** شیعوں کے روایتوں کی کوئی قباحت نہ معلوم ہوئی کہ کیا ہے پہلے تو اپنی دو روایتیں لکھی ہیں کہ اسمیں شیعوں کی
دو راویوں کے بدمذہبی ظاہر ہوتی ہے سو وہ بدمذہبی انکی اُس زمانہ کی ہے جس زمانہ میں وہ ہمارے راوی نہ تھے اور اگر انمیں سے کسینے بدمذہبی کے زمانہ میں اپنے قول کی

امام کی طرف منسوب کردیا اپنی اعتبار کے واسطے تو خود حضرت امام علیہ السلام نے اُسکی تکذیب کی اور بعد اسکے زرارہ وغیرہ کا مذہب جو بیان کیا ہی کہ وہ کہتے ہیں کہ خدا ازل
میں جاہل تھا اسکا کہیں پتا ہی نہیں ہی چنانچہ ہم لکھ چکے اور اپنی راویوں کی خبر نہیں لیتے کہ وہ کیسے بدمذہب اور دروغگو تھے اور سنیوں کی کتابیں ہماری سند
کے واسطے نہایت معتبر ہیں اور گرفت تو ہم اسیواسطے کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ سنیوں کی کتابوں میں موجود ہی اور کلام اللہ کے مخالف یہ مضمون نہیں ہے اور کلام اللہ میں
نہ صحابہ کے نام سے ذکر ہی اور نہ مومنین کے نام سے اسمیں تو یہ لکھا ہے کہ والذین معہ یعنی اور جو لوگ کہ ہمراہ اُس حضرت کے ہیں اور ہمراہ حضرت کے منافقین بھی تھے اور وہ
صحابہ ہی میں تھے اور انکا ہمراہ حضرت کے ہونا قرآن ہی سی ثابت ہے سو وہ قرآن اوصاف کے ساتھ موصوف نہیں ہوسکتے جو اوصاف کہ اس آیت میں ہیں پس مراد اُس
سے مومنین خاصین ہونگے اور مومنین کے اوصاف میں خدا تعالی فرماتا ہی کہ اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا اور فرماتا ہی کہ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ
اور فرماتا ہی کہ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجٰھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ تو اس سے معلوم ہوا
کہ جو لوگ ایمان لائے اُس پر قائم رہے اور اپنے ایمان کو ظلم سے ملتبس کیا اور خدا اور رسول پر ایمان لاکر پھر شک کیا خدا میں یا رسول خدا صلعم کی نبوت میں اور جہاد راہ خدا میں
نکیا بلکہ جہادوں میں سی بھاگ گئے وہ لوگ حضرت کے ہمراہیوں میں سے مراد نہیں ہیں اور ایسے جو لوگ کہ ایمان لائے اور بعد ایمان کے کفر کیا چنانچہ فرماتا ہی اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا ثُمَّ
کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا وہ بھی مراد نہونگے اور یہی وہ لوگ تھے جنہوں نے امیرمومنین صلوات سی نزاعیں کیں اور جنگ کئے اور انکی حقوق غصب کرکے انکو رنج پہنچائے
اور اُنپر ظلم کئے ایمان کو اپنے ظلم سے آمیزش کیا اور نبوت میں رسول خدا صلعم کے شک کیا اور جہادوں میں سے بھاگے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر اور مومنین کو آزار پہنچائے
یہ لوگ مصداق رحماء بینھم کا نہونگے اور سوا انکے اور لوگ جو ہیں کہ وہ منافق نہ تھے اور نادم و السبیل اپنی ایمان پر قائم رہے اور ایمان کو اپنی ظلم سے آمیز نکیا اور خدا کے
وجود میں اور اُسکی وحدانیت میں اور پیغمبر کی نبوت میں شک نکیا اور جہادوں میں کفار کو قتل کیا اور مقتول ہوے یا زخم کھائے وہ لوگ مصداق رحماء بینھم کا ہونگے اور
کلام اللہ تو ایک چیز مجمل ہی اور اسی پر تہتر فرقے میں اُسکا ماحصل تو روایتوں ہی سے واضح ہوتا ہے سو کلام اللہ کی آیت اُن روایتوں کے مخالف نہیں ہے اور اگر
اُس مجمل آیت پر عمل ہو تو چاہئے کہ منافقین اور مولفۃ القلوب اور ضعیف الایمان بھی جو حضرت کے ہمراہ تھے مثل مومنین کے مصداق رُحَمَآءُ بَیْنَھُمْ تَرٰھُمْ رُکَّعًا سُجَّدًا
یَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَرِضْوَانًا سِیْمَاھُمْ فِیْ وُجُوْھِھِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ کا ہو جائیں **قال الشیخ الاشعری** اب بفضلہ تعالی جمیع امور متعلقہ آیۂ مرقومۂ بالا سے فراغت پائی لازم
یوں ہی کہ ایسی آیت بھی جو صحابہ کی بزرگی پر ایسی دلالت کرے کہ اظہر من الشمس ہو اور بسہولت فہم میں آجاے اور اُس روایت سے انکا حسن خاتمہ بھی معلوم ہو جائے بیان کی جائے شاید
کوئی راہ پر آجائے **اقول** صحابہ کی بزرگی میں کسکو کلام ہی جن لوگوں نے کہ صحبت رسول خدا صلعم کی پائی ہی اور ایمان پر مر گئے ہیں اور خاتمہ انکا خیر پر ہوا ہی لیکن وہ صحابہ کہ
ایمان جن کا ظلم سی آمیزش رکھتا تھا اُنکے واسطے حسن خاتمہ ہرگز نہیں ہے اور نہ اس آیت سے جو کہ لکھیگا ثابت ہے اور تم خود گمراہ ہو بموجب اس مصرعہ کے سہ او خویشتن
گم است کرا رہبری کند، تم کسکو راہ پر لاؤگے پہلی اپنی راہ پر آنے کی فکر کرو **قال الشیخ الاشعری** لہذا آیت ششم معروض خدمت ہے وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُھٰجِرِیْنَ
وَالْاَنْصَارِ وَالَّذِیْنَ اتَّبَعُوْھُمْ بِاِحْسَانٍ رَّضِیَ اللّٰہُ عَنْھُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ وَاَعَدَّ لَھُمْ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ تَحْتَھَا الْاَنْھٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْھَآ اَبَدًا ذٰلِکَ الْفَوْزُ الْعَظِیْمُ
حاصل اسکے معنوں کا یہ ہی کہ جو لوگ قدیم ہیں پہلے وطن چھوڑ بیٹھے اور مدد کرنیوالے اور جو انکے پیچھے آئے نیکی سے اللہ راضی اُنسے اور وہ راضی اُس سے اور تیار کر رکھی ہیں
اللہ نے اُنکے لیے باغ جنکے نیچے بہتی ہیں نہریں رہا کریں وہ اُنمیں ہمیشہ ہمیشہ یہی ہی بڑی مراد ملنی اس آیت کے بعد ہم جانتے ہیں کہ حق پرستی مد نظر ہوگی تو مولوی عمار علی
صاحب تو کس گنتی میں ہیں شیعہ صد سالہ بھی جسکے رگ وپے میں تشیع سما گیا ہو حق بول اُٹھے اور کیونکر نہ حق بولے جناب باری تعالی نے اس آیت میں منکرین کا برسا
کے لئے حیلہ وحجت کی گنجائش ہی نہیں چھوڑی اگر ایمان کا ذکر ہوتا یا اعمال صالحہ کا ذکر ہوتا تو شیعہ اور خوارج اور نواصب آنکھیں بند کرکے یوں بھی کہہ سکتے کہ
صاحب اسمیں مومنوں اور اچھے عمل والوں کے لیے خدا کا وعدہ ہی سو ہم کہتے ہیں کہ وہ دائرہ ایمان سی خارج ہیں مگر سبقت ہجرت خلفاء ثلاثہ اور حضرت زبیر اور حضرت
طلحہ وغیرہم مہاجرین اولین کچھ لگی چھپی بات نہیں جو انکار کرسکیں اور کہدیں کہ صاحب کسی نے تہمت لگا دی ہو گی خصوصا خلیفۂ اول کی ہجرت کہ وہ حضرت علیؑ
کی ہجرت سے بھی سابق ہی اور مہاجرین اولین تو وہی لوگوں کی نسبت اول گنے جائیں گے جو بعد جنگ بدر کے آئے ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ تو مہاجرین
اولین میں سے بھی مہاجر اول نکلے اس صورت میں تو اسی آیت سے انکی افضلیت نکل آئی کیونکہ در صورتیکہ اس آیت میں جتنے وعدے ہیں وہ سب سبقت ہجرت پر
متفرع موقوف ہوئے تو جو کوئی سبقت میں بھی سابق ہوگا وہ استحقاق وفاء وعدہ میں بھی اول ملہر ہوگا اور ظاہر ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تو البتہ ابوبکر صدیق
سے اتنا پہلے گھر چھوڑ کر گئے کہ ابوبکر صدیق کے گھر تک پہنچے باقی سب اُنسے پیچھے ہی نکلے **اقول** - شیعہ اثناعشریہ ہمیشہ سے حق پرست ہیں اور باطل پرستی کو ہم نے

حقوق آل رسول کی حمایت میں قرآن شریف میں تم تاویلیں کرتے ہو اور تمہارا مطلب کسی طرح سے ثابت نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تو اس مقام میں لکھتا ہے وہ ہرگز
صحیح نہیں ہے اور جو کہ حقیقت میں صحابہ ہیں کہ جن پر تعریف صحابہ کی صادق آتی ہے اُنکا کوئی منکر نہیں ہے اور اُنکے ہی واسطے خدا تعالیٰ نے گنجائش حیلہ و حجت کی
نہیں چھوڑی نہ وہ لوگ کہ جنہوں نے ایمان اپنا ظلم سے آمیز کیا اور نبوت میں رسول خدا صلعم کی شک کیا اور ایمان کا گو ذکر نہیں ہے لیکن نجات با یمان ہی ہے کیا خدا تعالیٰ
نے یہ بھی فرما دیا ہے کہ خواہ ایمان رکھتی ہوں خواہ نہ رکھتی ہوں سب کے واسطے بہشتیں ہیں اور شیعوں کے ہمراہ تو خوارج اور نواصب کو بیفائدہ ذکر کرتا ہے وہ تو تمہارے ہی برادر ہیں
کہ ابوبکر اور عمر کے مریدوں میں سے ہیں جو کہنا ہے وہ شیعوں کو کہہ کہ وہ تیری خبر لیوینگے اور ہمیشہ سے اہل سنت کے مذہب کو رد کرتے آئے ہیں اور تو نے یا اور کسی نے کوئی کتاب
اُنسے گفتگو کر کے لکھی ہے یہی جیسے کہ شیعوں کی گفتگو میں تمہاری کتابیں ہیں مولوی عبد العزیز صاحب نے تحفہ میں نواصب کی طرف سے چند اعتراض حضرت
علیؑ پر جا کر اپنی رائے سے لکھدیے ہیں اور بحث اور گفتگو اُنسے تم اسواسطے نہیں کرتے ہو کہ آخر وہ تمہارے بھائی تم میں ہی سے ہیں اور تمکو خبر نہیں مراد سبقت سے
سبقت الی الایمان اور طاعت ہے ہی نہ سبقت الی الہجرت کہ جو تو مبالغہ کر کر لکھتا ہے اور یہ سبقت ہجرت تو نے کہاں سے نکالی ہے کیا قرآن میں سبقت الی الہجرت لکھی ہوئی
ہے اور قرأت مشہورہ اس آیت کی یہ ہے کہ انصار کا لفظ مجرور ہے اور عطف اسکا مہاجرین پر ہے اور من المہاجرین والانصار بیان ہے سابقون اولون سے اگر
سبقت الی الہجرت مراد ہو تو چاہیئے کہ اس صورت میں انصار کے واسطے بھی ہجرت کہی جاوے اور یہ درست نہیں ہے اور اگر انصار کو مرفوع قرار دیکر اور سابقون پر اسکا
عطف کر کے ہجرت سے انصار کو خارج کرو تو یہ قرأت شاذہ اور مرجوح ہے اسپر عمل نہوگا پس مراد سبقت سے سبقت الی الایمان اور طاعت ہے پس اس آیت میں وہ لوگ
مراد ہیں جو ایمان اور طاعت میں سابق ہیں اور سب سے پہلے وہ ایمان لائے ہیں اور اطاعت خدا تعالیٰ کی قبول کی ہے سب سے پہلے اور وہ جناب رسول خدا اور علی مرتضیٰ
اور خدیجۃ الکبریٰ ہیں سید ابو طالب ہروی اور صاحب تفسیر ثعلبی جو علماء اہل سنت میں سے ہیں وہ روایت کرتے ہیں اسمعیل بن ایاس بن عفیف سے اور روایت طولانی ہے
لیکن مختصر یہ ہے کہ اسمعیل کہتا ہے کہ میرا دادا بیان کرتا تھا کہ میں حج کے دنوں میں بطریق تجارت مکہ معظمہ کو گیا اور عباس بن عبد المطلب کے پاس جا کر ٹھیرا اور میں
اور عباس منا میں تھے کہ ایک جوان آیا اور کعبہ کی طرف منہ کر کے کھڑا ہوا اور ایک لڑکا آیا اور اُس جوان کی جانب راست کھڑا ہوا اور ایک عورت آئی وہ اُس جوان کے
پیچھے کھڑی ہوئی اور اُس جوان نے رکوع کیا تو اُن دونوں نے بھی رکوع کیا اور جب اُس جوان نے سجدہ کیا تو اُن دونوں نے بھی سجدہ کیا میں نے عباس سے پوچھا کہ یہ کیا
ماجرا ہے اُس نے کہا کہ یہ جوان تو بھتیجا میرا ہے عبد اللہ کا بیٹا اور یہ لڑکا علی ہے ابو طالب کا بیٹا اور یہ عورت زوجہ اس جوان کی ہے اور یہ جوان کہتا ہے کہ مجھکو خدا نے پیغمبر کیا
ہے اور اسکے دین کی پیروی اِن دو شخصوں ہی نے کی ہے اور سوائے اِن تین شخصوں کے اس مذہب کا آدمی تمام روئے زمین پر کوئی نہیں اور احمد حنبل اور ابن مغازلی
شافعی نے لکھا ہے کہ نماز پڑھی علیؑ نے ہمراہ رسول خدا صلعم کے سات برس سب آدمیوں سے پہلے اور سید ابو طالب ہروی و ابن مغازلی نے اپنی مسند میں لکھا ہے کہ
رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ درود بھیجا ہے مجھپر اور علی پر فرشتوں نے سات برس پہلے سب سے پہلے اور ایسے ہی عبد اللہ بن موسیٰ نے روایت کی ہے عباد بن عبد اللہ سے
کہ حضرت علی کہتے تھے کہ میں نے سات برس پہلے سب آدمیوں سے نماز پڑھی ہے رسول خدا صلعم کے ہمراہ اور بعضی روایت میں اہل سنت کی یہ ہے کہ پہلے سب سے حضرت خدیجہ ایمان
لائیں اور بعد اسکے علی اور بعضی میں یہ ہے کہ بعد خدیجہ کے ابوبکر ایمان لائے اور بعضی میں یہ ہے کہ زید بن حارثہ لیکن اکثر روایتیں اسی پر دلالت کرتی ہیں کہ حضرت
علی سب سے پہلے ایمان لائے اور پھر حضرت خدیجہ سو سابقون اولون سے یہ مراد ہونگے کہ جو سات برس پہلے سب سے ایمان لائے ہیں مہاجرین میں سے اور انصار میں سے وہ ہیں
سابقین میں کہ جو بیعت عقبہ اولیٰ والے ہیں اور وہ سات آدمی تھے اور بعضے کہتے ہیں کہ مراد سبقت سے سبقت الی الموت ہے کہ جو لوگ مہاجرین اور انصار میں سے اس آیت کے نازل ہونے
سے پہلے اپنے ایمان صحیح پر مر گئے ہیں بہشت میں انکے درجوں کو دیکھکر بہت راضی ہوا اور خدا تعالیٰ اُنکے ایمان پر مرنے سے اُنسے بہت راضی ہے اور اسیواسطے خدا تعالیٰ رضی کو ماضی کے صیغہ میں
لایا ہے اور یہی قول بہت مناسب معلوم ہوتا ہے اور سبقت الی الہجرت تو یہاں بن سکتا ہی نہیں موافق قرأت مشہورہ کے جب تک انصار کے لفظ کو مہاجرین کے لفظ پر عطف کر کے
مجرور مقرر کریں جیسا کہ ہم پہلے لکھ چکے اور اگر موافق قرأت غیر مشہورہ کے انصار کے لفظ کا عطف سابقون پر کر کے اسکو مرفوع مقرر کریں واسطے اخراج انصار کے ہجرت سے تو اسمیں
قباحت ہے کہ اول تو انصار سابقیت سے خارج ہو جاوینگے اور دوسرے یہ کہ انصار کا مرتبہ مہاجرین سے بڑھ جاویگا کہ مہاجرین میں سے تو بہشتیں صرف سابقین کے واسطے ہونگی نہ لاحقین کے واسطے
اور انصار کے کل آدمیوں کے واسطے بہشتیں ہونگی اور حال یہ ہے کہ مہاجرین نے سب سے بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں اور خدا کی راہ میں اپنے وطن اصلی مالوف کو ترک کیا ہے وہ انصار سے کم کس وجہ سے رہیں
بخلاف ایمان اور طاعت کے کہ جو مرتبہ پہلے پہل اقرار کرنیوالوں وحدانیت خدا کا ہے وہ بعد والوں کا نہیں ہے اور ہجرت میں پہلے پیچھے ہجرت کرنیوالے اور بعد آنحضرت کے ہجرت کرنیوالے سب برابر ہیں اور اس
اگر ہم تسلیم بھی کریں سابقیت ہجرت کو تو خدا تعالیٰ تو پہلے ہجرت والوں کا ذکر کرتا ہے اور وہ حبشہ کی طرف ہجرت کرنیوالے ہیں نہ مدینہ کی ہجرت کرنے والے اور اگر تم

فرض کریں کہ سابقون اولون سے وہ سب لوگ مراد ہیں کہ جو ہجرت سے پہلے ایمان لائے تھے اس سے بھی مطلب حاصل نہیں ہوتا ہے اسواسطے کہ رضامندی خدا اور حصول
جنت کچھ ہجرت پر ہے موقوف نہیں ہے بلکہ رضامندی خدا اور حصول جنات ایمان اور عمل صالح سے بھی حاصل ہوتا چنانچہ خدا تعالی فرماتا ہے ان الذین آمنوا وعملوا
الصالحات اولئک ہم خیر البریۃ جزاؤہم عند ربہم جنات عدن تجری من تحتہا الانہار خالدین فیہا ابدا رضی اللہ عنہم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ اب تم
دیکھو اس آیت میں خدا تعالی فرماتا ہے کہ مومنین صالحین کے واسطے جنتیں ہیں اور خدا تعالی اُن سے راضی ہے اور تم کہتے ہو کہ بعد رسولخدا کے لوگ مرتد ہوگئے اور ابوبکر نے اُنپر
جہاد کیا اب میں پوچھتا ہوں کہ وہ لوگ تو مومنین تھے اور خدا تعالی اُن سے راضی تھا اور فرمایا تھا کہ جزا اُنکی جنات عدن ہے پھر ابوبکر نے اُنپر جہاد کیوں کیا کیا
خدا تعالی نہیں جانتا تھا کہ یہ مرتد ہوجائیں گے کہ ایسے آدمیوں سے راضی ہوا اور کیونکر خدا راضی ہوا اُن لوگوں سے کہ جنہوں نے زنا کیا ہو اور شراب نوش کی ہو اور عائشہ
پر تہمت زنا کی لگائی ہو چنانچہ مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں مطاعن عثمان کے جواب میں لکھا ہے کہ اہل سنت صحابہ کو معصوم نہیں جانتے ہیں اور اسیواسطے
حضرت امیر اور شیخین نے صحابہ پر حدیں جاری کی ہیں جن سے خدا راضی ہوا اُنپر کہیں حد بھی جاری ہوسکتی ہے ایسا ہی حال ہجرت کا ہے اور اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا
ہے کہ بعد ہجرت کے اگرچہ کوئی مرتد ہوجاتا ہے پھر بھی وہ ناجی ہی معلوم ہوا کہ سب سلامتی ایمان پر موقوف ہے کہ وقت مرنیکے ایمان صحیح پر باقی رہا ہو اور جو اعمال کہ موجب
نارضامندی خدا کے ہیں وہ عمل میں لایا ہو اور ہجرت بھی چاہئے کہ خالص واسطے رضامندی خدا کے ہو چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے اور عمر بن خطاب نے فرمایا ہے
اور ترجمہ اُسکا یہ ہے کہ سوائے اسکے نہیں کہ سب اعمال نیتوں کے ساتھ ہیں اور سوائے اسکے نہیں کہ واسطے ہر مرد کے وہ چیز ہے کہ نیت کی ہے پس وہ شخص کہ ہووے ہجرت اُسکی
طرف دنیا کے کہ تو پہونچیگا وہ اُسکو اور طرف عورت کے ہو تو نکاح کریگا اُس سے پس ہجرت اُسکی طرف اُس چیز کی ہے کہ ہجرت کی ہے طرف اُسکے انتہے اور بعضے مسلمان جو رسولخدا
صلعم کی زبانی آیندہ کی کوئی خبر سنتے تھے تو وہ راست ہوتی تھی اور یہ بھی سنتے تھے کہ یہ دین سب دینوں پر غالب ہوگا اور ریاست اس دین کی بہت بڑی
ہوگی اور قرآن شریف کی آیتوں سے بھی ثابت ہوتا تھا اس طمع میں ہجرت کر گئے تھے کہ تدبیر کرکے ریاست دین کی نامزد اپنی کریں گو بالفعل وہ فقیر تھے اور جب یہ
ثابت کر دیا کہ اس آیت میں سبقت ہجرت مراد نہیں اور اگر سبقت ہجرت مراد ہو تو بھی مخالف کا مطلب ثابت نہیں ہوتا سو جو کچھ اس شیخ نے اس قول میں لکھا ہے وہ
سب باطل ہے **قال الشیخ الاشعری** اور ہجرت حبشہ اگرچہ ہجرت مدینہ منورہ سے سابق ہے لیکن اسکی وجہ سے چنداں موجب افضلیت نہیں اُس ہجرت کی باعث کا باعث تھا
تو فقط قلت صبر تھا مکہ معظمہ میں رہکر بیکار رہنا اور احکام خداوندی کا بجالانا بہت دشوار تھا ثبات ایمان اور حفظ جان کے لئے ضعفا کو رخصت ہوگئے تھے اسی لئے رسول اللہ
صلے اللہ علیہ وسلم کو حکم ہجرت حبشہ نہوا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم نہونیکی اگر کوئی وجہ بتکلف نکال بھی لی تو اسکا تو کچھ جواب ہی نہیں کہ جسنے حبشہ کیجانب ہجرت
نکی اُسپر کچھ عتاب نہوا اور مدینہ منورہ کی ہجرت بغرض امداد دین تھی اُسکو رخصت نہیں کہہ سکتے عزیمت بھی کہئے تو اول درجہ کی عزیمت کہئے اسی لئے اُسکی تارکین
مورد عتاب رہے ہر چند ہجرت حبشہ کا رخصت ہونا اور ہجرت مدینہ منورہ کا عزیمت ہونا قطع نظر ظاہر ہونیکی اس تقریر سے اور بھی واضح ہوگیا **اقول** آیت میں تو
ہجرت کا ذکر نہیں ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے خواہ ہجرت حبشہ ہو خواہ ہجرت مدینہ لیکن تیری لکھنے سے ہمکو پھر لکھنا پڑا اسواسطے ہم بھی لکھتے ہیں کہ ہجرت حبشہ کی افضلیت کسواسطے نہیں
رکھتی ہے خدا تعالی تو مطلق ہجرت کی تعریف کرتا ہے اور کسی ہجرت کو مقید بہجرت مدینہ یا حبشہ نہیں کرتا ہے اور صحیح بخاری میں ایک روایت طولانی لکھی ہے اسمار بنت عمیس
اور عمر بن خطاب کے درمیان گفتگو اور تکرار ہونیکی سبقت ہجرت کے مقدمہ میں کہ اسمار نے طرف حبشہ کے ہجرت کی تھی اور عمر نے طرف مدینہ کے آخر الامر جناب رسولخدا
صلعم نے اسمار کی تصدیق فرمائی اور فرمایا کہ لیس حد باحق بی منکم لہ ولاصحابہ ہجرۃ واحدۃ ولکم وانتم اہل السفینۃ ہجرتان یعنی نہیں ہے کوئی حقدار
زیادہ تمسے واسطے اُس عمر کے اور ہمراہیوں اُسکے کے ایک ہجرت ہے اور واسطے تمہارے اور تم کشتی والے ہو دو ہجرت ہیں آخر جناب رسولخدا نے ہجرت حبشہ کو احقیت
میں شمار کرکے فرمایا کہ تم حبشہ کے ہجرت والوں کو فضیلت ہے اگر یہہ ہجرت شمار میں نہوتی تو حضرت اُسکی جہت سے حبشہ والوں کو حقدار زیادہ کیوں فرماتے اور
تسلیم کیا ہمنے کہ ہجرت مدینہ کی افضل ہے ہجرت حبشہ سے کہ مدینہ کی طرف رسولخدا صلعم کو حکم ہوا تھا اور حبشہ کی طرف حکم نہوا لیکن حبشہ کی طرف کی ہجرت بھی ہجرت ہی ہے
اور وہ پہلی ہے تو ہجرت اول اسی سے مراد ہوگی اور جناب رسولخدا صلعم کو مدینہ کی طرف ہجرت کا حکم اسواسطے ہوا کہ مدینہ میں اعوان و انصار موجود تھے تاکہ اُنکی ہمراہ ہوکر جہاد کریں
اور اسیواسطے مدینہ کو ہجرت نہ کرنیوالوں کو عتاب ہوا کہ وہاں رسولخدا صلعم تشریف لیگئے تھے اور مقصود باہم ہوکر جہاد کرنا تھا اور جہاد بیٹھ رہنا اور دار اسلام کو چھوڑکر
کفار کے پاس دار الکفر میں قیام کرنا موجب غضب خدا ہے اور مدینہ کی ہجرت قوت افضل تھی اور عزیمت تھی اور رخصت نتھی اور واسطے امداد دین کے تھی لیکن حبشہ کی ہجرت کو یہ ہجرت
باطل نہیں کرتی ہے کہ وہ ہجرت ہونے سے جاتی رہے بلکہ وہ بھی ایک ہجرت ہے جس قسم کی کہ ہو اور جس وقت کہ پہلے ہی مدینہ کی ہجرت سے تو ہجرت سابق وہ ہی مراد ہوگی اور اول ہوگی

اور مدینہ کی ہجرت دویم ہوگی **قال الشیخ الاشعری** مگر مزید توضیح کے لیے اسقدر اور بھی ملحوظ خاطر رہے کہ ہجرت مدینہ میں جان پر کھیلنا تھا اور ہجرت حبشہ میں جان کا بچانا اسمیں دین کا بڑھانا تھا اسمیں اپنی نماز روزہ کا بجالانا اسمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی امداد و نصرت تھی اسمیں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا تنہا چھوڑ جانا اسمیں مارنا مرنا اقربا سے رؤسا سے جہاد کرنا اسمیں اعدا کے ہاتھ سے چھوٹ کر سلامت گزرنا ع ببیں رہ از کجاست تا بکجا۔ غرض ہجرت حبشہ کو کوئی فضیلت قابل نہیں خصوصاً التعرض خداوندی اسی لئے فریقین میں سے کسی نے اُس ہجرت کو مصداق آیات تاکید ہجرت یا آیات فضائل ہجرت نہیں سمجھا اور یہی وجہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ آیت اور نیز اور آیات ہجرت مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد نازل فرمائی اور پھر اس آیت میں اور نیز اور آیات میں مہاجرین کے فضائل میں انصار کو بھی فرمایا اور سورہ حشر میں مہاجرین کے حال میں لفظ ینصرون اللہ بڑھایا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ فضیلت ہی ہجرت کے لئے ہے جو انصار کی نصرت کے ہم دوش اور انکے کام سے ہم آغوش ہے سو ایسی ہجرت اگر ہے تو مدینہ منورہ کی ہجرت ہے حبشہ کی ہجرت میں انصار بھی نہ نصرت تھی **اقول** اگرچہ ہجرت مدینہ میں جان پر کھیلنا تھا لیکن اول تو جان کا بچانا اسمیں بھی تھا کہ کفار کے ہاتھ سے تکلیفیں اٹھاتے تھے اور آزار پاتے تھے اور انکے ہاتھوں سے ہلاکت جان کا خوف تھا اسواسطے کہ کفار نے جناب رسولخدا صلعم کے قتل کا دار الندوہ میں مشورہ کیا تب ہی تو حکم ہجرت کا ہوا اور دین کا بڑھانا اور رسولخدا صلعم کی نصرت اور مارنا مرنا اور اقربا پر جہاد کرنا تو کبھی ہوگا اور بالفعل تو نماز روزہ کا بجالانا اور اعدا کے ہاتھوں سے چھوٹ کر گزرنا ہی انکے واسطے بھی تھا اور یہ امور اگرچہ افضلیت پر دلالت کرتے ہیں لیکن حبشہ کی ہجرت کے شرف کو باطل نہیں کر سکتے کہ رسولخدا صلعم نے موافق روایت بخاری کے حبشہ کی ہجرت کے سبب سے مدینہ والوں کی ہجرت پر فضیلت دی ہے اس سبب سے کہ حبشہ والوں کی دو ہجرتیں ہیں اور انکی ایک ہجرت اگر اس ہجرت کو کچھ شرف تھا تو فضیلت ہوئی اور جان پر کھیلنے والے اور دین کو بڑھانیوالے اور رسولخدا صلعم کی نصرت کرنیوالے اور مارنے مرنیوالے اور اقربا اور رؤسا سے جنگ کرنیوالے تو وہ شخص تھے کہ جو پاؤں اپنے زمین میں گاڑ کر خوب تلوار کرتے تھے اور قتل کرتے یا قتل ہوتے تھے اور جہاد میں سے بھاگتے نہ تھے اور جو لوگ کہ اپنی جان بچا کر معرکہ جہاد میں سے رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے جیسے ابوبکر اور عمر اور عثمان وغیرہ وہ لوگ مراد نہونگے اور نہ یہ لوگ سابقین میں داخل ہونگے کہ علت ہجرت کی جو کہ مقصود ہے وہ انمیں مفقود تھی اور ہجرت حبشہ کی خالی تو فضیلت سے نہیں ہے چنانچہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے اور گو خدا تعالی نے اس ہجرت کی تعریف نہیں کی ہے لیکن ہجرت ہونے سے وہ خارج نہیں ہو سکتی اور گفتگو ہجرت کی سابقیت میں ہے نہ اُسکی افضلیت میں کہ کونسی افضل ہے اور کونسی مرتبہ میں کم ہے اور مرتبہ میں کم ہونے سے وصف ہجرت اُس سے زائل نہیں ہوتا ہے اور کچھ فضیلت تو آخر اُسکے واسطے بھی ہے جیسا کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے ہاں یہ کہنا چاہئے کہ جو کچھ آیت میں لکھا ہے یہ فضیلت تو حبشہ کی ہجرت کی ہے اور مدینہ منورہ کی ہجرت اس سے افضل اگر بہ نیت خالص خاص خدا کے واسطے ہجرت کی ہے اور مدینہ منورہ کی ہجرت کے بعد جو یہ آیت نازل ہوئی ہے تو اسیواسطے تو خدا تعالے نے سابقون اولون فرمایا ہے اور حبشہ کی ہجرت والے مراد لیے ہیں اور اگر یہ آیت ہجرت مدینہ منورہ سے پہلے نازل ہوتی تو پھر سابقون اولون کے کہنے کی کیا احتیاج تھی ہجرت تو ایک ہی تھی اور اگر نصرت کو دخل دیتے ہو ہجرت میں اور شامل نصرت انصار کے اور ہم آغوش انکی نصرت کے کہتے ہو تو وہ ہی مراد ہونگے جنہوں نے نصرت کی ہے نہ کل مہاجرین کہ جن میں ثلاثہ بھی شمار کئے جائیں **قال الشیخ الاشعری** بہرحال حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر اور حضرت عثمان اور حضرت علی اور حضرت طلحہ اور زبیر رضی اللہ عنہم وغیرہم کے سبقت ہجرت میں کلام نہیں پھر اس سبقت ہجرت ہی کی سبب سے خداوند کریم یوں فرماتا ہے کہ اللہ اُنسے راضی ہوا سو اول تو یہی نہایت کرامت تھا کیونکہ رضا سے آگے کوئی مقام ارفع نہیں جب خدا اُنسے راضی ہوا تو انمیں کمال ایمان بھی اس درجہ کا ہوگا کہ کہا نہیں جاتا اور اعمال صالحہ بھی انکے قرار واقعی صالح ہونگے سو اول تو موافق آیت وعد اللہ الذین آمنوا وعملوا الصالحات منہم مغفرۃ واجرا عظیما مرقومہ بالا کے انکی مغفرت میں کلام کی گنجائش نہ رہی کیونکہ بزرگان مذکور سب کے سب غزوہ حدیبیہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے معہذا پھر یوں ارشاد فرمایا کہ انکے لیے جنتیں تیار کر رکھی ہیں ہمیشہ بھی ہمیشہ کے لیے اسپر بھی انکی بزرگی میں شک کرے تو بجز اسکے نہیں ہو سکتا کہ بزرگی کے معنی اسکے نزدیک یہ ہوں کہ خدا اس سے ناخوش ہو اور اسکے لیے جہنم تیار کر رکھی ہو سو حضرات شیعہ جو ان بزرگواروں کی بزرگی میں کلام کرتے ہیں اور انکے دشمنوں کو اگر بزرگ سمجھتے ہیں تو شاید اسی اصطلاح کے موافق سمجھتے ہیں لیکن اس صورت میں لازم آئیگا کہ حضرت امیر سے بھی دست بردار ہوں کیونکہ وہ بھی اس بشارت میں داخل ہیں بہرحال ان اولیاء اللہ کے برا کہنے والے انکو کیا کہتے ہیں خدا کو جھٹلاتے ہیں سو انکا کافر یا فاسق کہنا اپنا کافر یا فاسق کہنا ہے آفتاب کو کوئی بے نور بتائے تو آفتاب کو کیا اپنی آنکھوں کو بے نور بتلاتا ہے **اقول** ان لوگوں کی سبقت ہجرت کے لئے منہ دھو رکھو سبقت ہجرت تو یہاں مراد ہی نہیں ہے جیسا کہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اگر ہجرت ہی فرض کی جائے تو سابق حبشہ کی ہجرت والے ہونگے نہ مدینہ منورہ کی ہجرت والے اور اگر مدینہ ہی کی ہجرت کے سابقین مراد ہوں تو بھی کچھ فائدہ نہیں ہے جبتک کہ تا دم واپسین ایمان صحیح پر باقی نہوں اور راضی تو خدا تعالی سب مومنین سے ہے جیسا کہ سورہ لم یکن الذین کی آخر آیت میں ہے اور خدا جب تو اُنسے راضی ہوگیا تھا پھر بعضے انمیں سے مرتد کیوں ہوگئے کہ جو تم کہتے ہو کہ ابوبکر نے مرتدین پر جہاد کیا یا وہ شخص مرتد ہو سکتا ہے جس سے خدا راضی ہو ایسا ہی حال ہجرت کا ہے اور ایمان تو انکا ایسا کامل تھا کہ رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور ہر چند جناب رسولخدا صلعم آواز

دیتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو کیا خدا اور رسولخدا سے بھاگتے ہو تو پھر کر دیکھتے بھی نہ تھے اور اعمال صالحہ ایسے تھے کہ رسولخدا صلعم کی زوجہ عائشہ پر تہمت زنا کی جمائی اور لعنت خدا
میں گرفتار ہوئے چنانچہ بیضاوی میں لکھا ہے کہ آیت اِنَّ الَّذِیْنَ یَرْمُوْنَ الْمُحْصَنٰتِ الْغٰفِلٰتِ الْمُؤْمِنٰتِ لُعِنُوْا فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ عائشہ پر تہمت زنا لگانیوالوں کے حق میں
نازل ہوئی ہے اور وہ اہل بدر تھے اور منہاج السنت میں لکھا ہے کہ ابو العادیہ بدریین میں سے تھا اور اُس نے معاویہ کے طرف ہو کر عمار یاسر کو قتل کیا ہے جو کہ علی کی طرف تھے اب غور نا چاہئے کہ
یہ اعمال انکے نیک تھے جنپر خدا نے لعنت کی ہے اور بڑے بڑے گناہوں والوں کا تو میں ذکر نہیں کرتا ہوں جنہوں نے کہ اہل بیت علیہم السلام کو رنج پہنچائے ہیں اور حقوق انکے غصب کئے ہیں
کیا ایسے ہی فعلوں سے انکے خدا راضی تھا جو انکے ایمان کامل اور اعمال صالحہ پر دلالت کرتے ہیں اور اگر ہجرت حق تھی تو ایمان والوں کے واسطے تھی اور جو کہ ایمان سے خالی تھے انکو ہجرت سے کچھ
فائدہ نہیں ہے از انجملہ ایک میاں عمر ہیں کہ حضرت صلعم کی نبوت میں شک کیا کرتے تھے چنانچہ فتح الباری میں شک کرنیکی طرف اشارہ ہے اور عینی شرح بخاری میں لکھا ہے کہ
اگر کوئی کہے کہ یہ شک کرنا عمر کے عدم ایمان پر دلالت کرتا ہے تو ہم جواب میں کہیں گے کہ احتمال رکھتا ہے کہ اُسوقت حضرت عمر مؤلفۃ القلوب میں سے ہوں اور ایمان صحیح پر بعد اسکے قائم
ہوئے ہوں اور میں کہتا ہوں کہ یہ شک تو ہی تو صلح حدیبیہ کے وقت تھا اس صورت میں ہجرت انکی معتبر کیونکر ہوگی کہ وقت ہجرت کے ایمان ہی نہ رکھتے تھے اور آیۃ وعد اللہ الذین آمنوا
کے ذکر میں ہم مفصل لکھ آئے ہیں کہ جن لوگوں کے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے وہ بعضی صحابہ ہیں جنمیں اوصاف اُس آیت کے پائے جاتے تھے نہ کل صحابہ اور تو آیت استخلاف کے ذکر میں لکھ چکا
ہے کہ لفظ من بیانیہ ضمیر پر نہیں آتا ہے بلکہ من تبعیضیہ آتا ہے سو تیری تحریر سے بھی معلوم ہوا کہ وہ بعضی ہی صحابہ ہیں حضرت علی اور احباب انکے نہ کہ ابو عبیدہ اور طلحہ و زبیر وغیرہ جنمیں
اوصاف اس آیت کے نہ تھے اور غزوہ حدیبیہ کونسا ہے حدیبیہ میں تو جنگ ہوا ہی نہیں صلح حدیبیہ کہنا چاہئے اور اگر وہ ہاں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہمراہ تھے تو انہوں نے کیا کام
بنایا تھا اور یہ صلح حدیبیہ وہ صلح ہے کہ جس صلح کے کرنے سے عمر نے نبوت میں جناب رسولخدا صلعم کے شک کیا تھا چنانچہ ہم فتح الباری وغیرہ سے لکھ آئے ہیں اور جنتیں انکے ہی واسطے ہیں جو
تا دم واپسیں ایمان پر قائم رہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ قَالُوْا رَبُّنَا اللّٰہُ ثُمَّ اسْتَقَامُوْا نہ وہ لوگ کہ جو بعد ایمان کے مرتد ہو گئے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے اِنَّ الَّذِیْنَ
اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ اٰمَنُوْا ثُمَّ کَفَرُوْا ثُمَّ ازْدَادُوْا کُفْرًا لَّمْ یَکُنِ اللّٰہُ لِیَغْفِرَ لَہُمْ سو جنکو ہم کہتے ہیں ہمارے نزدیک انکی کوئی بزرگی ثابت نہیں ہے اور نہ خدا اُنسے راضی ہے اور بزرگی کی نفی
اپنی جگہ پر ہیں لیکن بزرگی ثابت ہی نہیں ہے اور جب بزرگی ثابت نہوئی تو خدا تعالیٰ کا اُنسے خوش ہونا کیا بعید ہے اور جس سے خدا ناخوش ہوگا اُسکے واسطے جہنم بھی تیار ہے اور
شیعہ انکی بزرگی میں کلام اسواسطے کرتے ہیں کہ انہوں نے بزرگی کا کوئی کام نہیں کیا ہے اور انکے دشمن تو خدا اور رسولخدا ہیں انکو اچھا کیونکر سمجھیں اور اصطلاح شیعوں کی
کوئی نہیں ہے جو کہ واقعی ہے اُسکو شیعہ بیان کرتے ہیں اور حضرت امیر سے کیونکر دست بردار ہوں کہ نتیجہ جو ہجرت کا تھا کہ مدینہ منورہ میں پہنچکر رسولخدا صلعم کی نصرت کریں اور اپنی تلوار
کے زور سے دین کو بڑھائیں وہ اُنسے وقوع میں آیا اور دست بردار تو اُنسے ہونا چاہئے کہ جو رسولخدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور راہ خدا میں کبھی ایک پتھر کا
بھی نہ کھایا اور جنکو تم اولیاء اللہ کہتے ہو برخلاف ہمارے وہ ہرگز اولیاء اللہ میں سے نہیں ہیں ورنہ خدا تعالیٰ نے اپنے اولیاء میں انکو قرار دیا ہے اولیاء اللہ تو اُسوقت ہوتے کہ جب خدا
کی دوستی میں کوئی جانبازی کرتے جہاد سے بھاگنے والے کیونکر اولیاء اللہ ہو جائیں گے اور خدا تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے سب سچ ہے مراد خدا تعالیٰ کی اس آیت میں ان لوگوں سے نہیں
ہے کہ یہ اپنے ایمان صحیح پر باقی نہ رہے تھے جیسا کہ ہم مفصل لکھ چکے اور خدا تعالیٰ نے مجملاً تعریف انکی کی تھی جیسے کہ اور مومنین کی بہت سی آیتوں میں کی ہے اور پھر انمیں سے مرتد بھی ہو گئے
اور اُن مرتدوں کو کوئی کافر یا فاسق کہے تو خدا کا جھٹلانا اسکو نہ کہیں گے ایسا ہی ان لوگوں کا حال تھا جیسے کہ انکے کافر یا فاسق کہنے سے کوئی کافر یا فاسق نہیں ہو سکتا ہے ایسے ہی
انکے کہنے سے نہیں ہو سکتا ہے اور آفتاب جبتک صاف ہے تو اُسکو کوئی بے نور نہیں کہہ سکتا اور جسوقت کہ منکسف ہو کر سیاہ ہو جائے تو اُسکو بے نور کہنے سے اپنی آنکھوں کو بے نور نہیں بتلاتا ہے بلکہ
سچ کہتا ہے اسی پر انکو قیاس کر لینا چاہئے **قال الشیخ الاشعری** اسکے بعد اتنی اور گزارش ہے کہ بعضے ہٹ دھرم شاید یوں تکرار کریں کہ خدا پہلے راضی ہو گیا ہو اور پھر جب
جناب امیر سے مخالفت کی ہو تو ناراض ہو گیا ہو اور انکے لیے جو جنتیں تیار کر رکھیں ہیں تو اس سے یہ نہیں لازم آتا کہ انکو عذاب ہو ہی نہیں خصوصاً شیعہ کے مقابلہ میں کیونکہ خوارج بھی
بہ نسبت حضرت امیر کے اس قسم کی آیات میں بعینہ یہ احتمال پیدا کر سکتے ہیں یہانتک کہ جن آیات میں مغفرت کا ذکر آیا ہے اُسے بھی یوں کہہ سکتے ہیں کہ یہ وہ مغفرت ہے جو بعد عذاب کے
ہوگی **اقول** خدا تعالیٰ جو کسی سے راضی ہے تو اُسکے ایمان اور فعل نیک کی جہت سے راضی ہے نہ یہ کہ بدون اُسکے راضی ہے پس جبتک کہ اُسمیں ایمان باقی ہے اور افعال نیک بجا لاتا ہے
تو اُس سے راضی رہتا ہے اور جب ایمان اُس میں سے زائل ہو گیا تو خدا اُس سے ناراض ہو گیا اور افعال بد سے بھی ناراض ہے اور اُن افعال کو دیکھنا چاہئے کہ وہ کیسے ہیں اگر وہ منجر بکفر ہیں
تو پھر کوئی صورت نجات کی نہیں ہے اور اگر وہ منجر بکفر نہیں ہیں تو خدا تعالیٰ کو اختیار ہے چاہے موافق اُن افعال بد کے عذاب کر کے نجات دیوے اور اگر
چاہے اپنے فضل و کرم سے سب گناہوں کو بخشدے اور قول خوارج کا پایۂ اعتبار سے ساقط ہے کہ جو کچھ وہ جناب امیر پر اعتراض کرتے ہیں حقیقت میں وہ اعتراض ہی
نہیں ہیں اور اگر اعتراض انکے قابل اعتبار ہوتے تو اُن سے ہی کوئی گفتگو کرنا جیسے سنی اور شیعہ کے درمیان گفتگو ہے اور سوائے اسکے یہ ہے کہ رسولخدا صلعم نے انکو

مارقین فرمایا ہے یعنی دین سے خارج ہوجانیوالے وہ حکم کفار کا رکھتے ہیں اور اسیواسطے ہمارے مذہب میں سور اُنکا نجس ہے اور اقوال اُنکے اس قسم کے نہیں ہیں کہ جو قابل اعتبار اور جواب ہوں اور اسیواسطے وہ کسی سے گفتگو بھی نہیں کرتے ہیں اور اہل سنت کیا خوارج سے کم ہیں وہ بھی انبیاء علیہم السلام کی خطائیں ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں فلانے پیغمبر سے یہ خطا ہوئی اور فلانے سے یہ خطا ہوئی اور فلانے نے یہ غلطی کی چنانچہ تو بھی اس رسالہ میں کئی جگہ لکھ چکا ہی اگر خوارج حضرت علی کی خطائیں نکالتے ہیں تو تم جناب رسولخدا صلعم اور دیگر انبیاء کی خطائیں نکالتے ہو ثلاثہ کی خاطر سے اور حضرت علی کے فضائل کی تضعیف اور توضیع کرتے ہو اور خوارج کا تو قول یہ نہیں ہے تم اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتے ہو اور منسوب اُنکی طرف کرتے ہو اور اگر وہ ایسا کہیں تو جواب دندان شکن پائیں اور اگر وہ کچھ کہیں تم اس عداوت سے کہ حضرت علی نے اُنکی بیخ کنی کی ہی اور ہم جن لوگوں سے عداوت رکھتے ہیں وہ گو وہ ہیں کہ جنہوں نے خاندان نبوت کی بیخ کنی کی ہی خوارج کی بیخ کنی اور خاندان نبوت کی بیخ کنی برابر نہیں ہوسکتی **قال الشیخ الاشعری** لیکن نقل مشہور ہے کہ حیلہ جو را تا بدروانہ باید رسانید اسلئے کہا جاتا ہے کہ اول تو سورہ تحریم میں یوں ارشاد ہی یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ وَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَعَہٗ یعنی جس روز کہ رسوا نکریگا اللہ نبی کو اور اُن لوگونکو جو اُسکے ساتھ ایمان لائے ہیں سو اُنکے ایمان میں تو شیعہ بھی کلام نہیں کرسکتے اسلئے کہ کلام اللہ موجود ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا کافروں سے بلکہ یوں بھی آیا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ یعنی اللہ راضی نہیں ہوتا فاسقوں سے جب خدا اُنسے راضی ہوا تو اُنکے رسول کے ساتھ ایمان لانے میں تو کچھ شک نہوا بلکہ اسبات میں بھی تردد نرہا کہ وہ ایک زمانہ میں رسول اللہ صلعم کے زمان حیات میں صالحین میں سے تھے فاسق تک نتھے تو بیشک موافق وعدہ الٰہی کے وہ لوگ رسول اللہ صلعم کے ساتھ قیامت کو معزز اور محترم رہینگے پھر عذاب آخرت کے کہ اس سے بڑھکر کوئی رسوائی نہیں کیا معنی مگر شاید ان اُلٹی کے سمجھنے والوں کے نزدیک یہی معنی ہونگے دوسرے یہ کہ سورہ انبیاء میں یوں ارشاد ہی اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی اُولٰٓئِکَ عَنْہَا مُبْعَدُوْنَ لَا یَسْمَعُوْنَ حَسِیْسَہَا وَہُمْ فِیْ مَا اشْتَہَتْ اَنْفُسُہُمْ خَالِدُوْنَ لَا یَحْزُنُہُمُ الْفَزَعُ الْاَکْبَرُ وَتَتَلَقّٰہُمُ الْمَلٰٓئِکَۃُ ہٰذَا یَوْمُکُمُ الَّذِیْ کُنْتُمْ تُوْعَدُوْنَ حاصل اسکا یہ ہے جنکے لیے ہمارے یہاں عمدہ مرتبہ مقرر ہوئے ہیں وہ اس دوزخ سے دور رہینگے نہیں سنینگے اُسکی ایک آہٹ تک اور وہ اپنی جی چاہتی مزوں میں ہمیشہ رہینگے نہ غم ہوگا اُنکو اس بڑی گھبراہٹ میں اور لینے آوینگے اُنکو فرشتے یوں کہتے ہوئے یہ وہ دن ہی جسکا تم سے وعدہ تھا اب خیال کیجئے کہ جسے خداوند کریم وعظیم فرماوے اُسکے عمدہ مرتبہ جب اسمیں تو ہم جانیں شیعہ بھی شامل ہونگے اور پہلے ہی مقرر ہوا آپ ظاہر ہی کہ ابھی ہی وعدہ ہو لیا اور وہیں وعدہ کے موافق تیار ان ہو لیں پھر اُنکے لیے عذاب کا ہونا بے اسکے نہیں ہوسکتا کہ نعوذ باللہ خدا اپنے وعدہ سے ہٹ جاوے سو خدا تعالیٰ شیعیان علی ہے تو ہے ہی نہیں نعوذ باللہ منہا کہ آج تقیہ کرکے سب کچھ کہہ لیا پھر وقت پر انکھیں بدل لیں **اقول** حیا جوئی تمہارا کام ہے نہ تو صاف لکھنے والے ہیں اور اس آیت یوم لا یخزی اللہ النبی الخ کے اعتبار سے ہم بھی کہتے ہیں کہ خدا تعالیٰ قیامت کے روز جناب رسولخدا صلعم کو اور جو کہ ہمراہ آنحضرت کے ایمان لائے ہیں اور تادم واپسین اپنے ایمان پر قائم رہے ہیں عذاب کرکے انکو رسوا نکریگا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ حضرت کے روبرو تو ایمان لایا اور بعد حضرت کے بے ایمانی کے کام کئے اُسکو بھی رسوا نکرے بلکہ بیشک اُسکو رسوا کریگا چنانچہ ان مومنین کی ہی طرف جو کہ ہمراہ رسولخدا صلعم کے ایمان لائے تھے خطاب کرکے فرمایا ہی کہ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَہُوَ کَافِرٌ فَاُولٰٓئِکَ حَبِطَتْ اَعْمَالُہُمْ فِی الدُّنْیَا وَالْاٰخِرَۃِ اُولٰٓئِکَ اَصْحَابُ النَّارِ ہُمْ فِیْہَا خَالِدُوْنَ اور حضرت کے زمانہ میں بہت آدمی ایسے تھے کہ وہ ایمان لائے تھے اور شیعہ بھی اُنکے ایمان لانے کو جانتے ہیں اور حق میں اُنکے خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ اِنَّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِکَ ہُمْ خَیْرُ الْبَرِیَّۃِ جَزَآؤُہُمْ عِنْدَ رَبِّہِمْ جَنّٰتُ عَدْنٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِہَا الْاَنْہٰرُ خٰلِدِیْنَ فِیْہَآ اَبَدًا رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ ذٰلِکَ لِمَنْ خَشِیَ رَبَّہٗ لیکن بعضے اُنمیں سے بعد رسولخدا صلعم کے مرتد ہوگئے اور خدا تعالیٰ اُنسے راضی اُسوقت تک تھا کہ جبتک وہ اپنے ایمان پر قائم تھے اور جب وہ مرتد ہوگئے تو خدا اُنسے ناراض ہوگیا اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہی کہ بعد رسولخدا صلعم کے بہت قومیں اور کئی آدمی مرتد ہوگئے جو کہ رسولخدا کے زمانہ حیات میں تھے اور یٰٓاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ الخ کی تفسیر میں اہل سنت کے علماء لکھتے ہیں کہ بہت آدمی مرتد ہوگئے تھے بعد رسولخدا صلعم کے اور ابوبکر نے اُنپر جہاد کیا تھا سو یہ لوگ وہ ہی تو تھے کہ جنکے حق میں خدا تعالیٰ نے اس آیت خیر البریۃ میں رَضِیَ اللّٰہُ عَنْہُمْ وَرَضُوْا عَنْہُ فرمایا ہی اور رسولخدا کے زمانہ میں وہ مومن تھے ہیں اور رضی اللہ کے کہنے نے اُنکے ایمان کو کچھ فائدہ نہ بخشا اس سے معلوم ہوا کہ اس آیت میں اور سب آیتوں میں جسمیں کہ خدا تعالیٰ نے رضامندی اپنی بیان کی ہی اور وعدہ مغفرت اور جنت کیا ہی وہ لوگ مراد ہیں کہ تا زمانہ مرگ ایمان پر قائم رہے ہیں اور اپنے ایمان کو ظلم سے آمیز نہیں کیا ہی چنانچہ فرمایا کہ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَہُمْ بِظُلْمٍ اور ان لوگوں ہی کے حق میں آیت یَوْمَ لَا یُخْزِی اللّٰہُ النَّبِیَّ ہے اور وہ ہی معزز اور محترم رہینگے نہ مرتد ہوجانیوالے اور اپنے ایمان میں اپنے ظلم کی آمیزش کرنیوالے اور رسول اللہ ہی کے زمانہ حیات تک مومن رہے تو کیا خوبی ہی جب اُن حضرت کے بعد مرتد ہوگئے اور آیت اِنَّ الَّذِیْنَ سَبَقَتْ لَہُمْ مِّنَّا الْحُسْنٰی الخ حضرت عزیر اور حضرت عیسیٰ اور ملائکہ کے حق میں ہی جیسا کہ تفسیروں میں لکھا ہی جناب رسولخدا صلعم نے ایک مرتبہ فرمایا کہ جنکی کفار پرستش کرتے ہیں جانا کہ یہ بھی دوزخ کے ایندھن ہوں جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سنکر فرمایا کہ یہ شیطنت میں اور بہشت کو روانہ ہوگئی اور خدا تعالے نے یہ آیت نازل کی کہ تحقیق وہ لوگ کہ جو

ہو چکی ہے اور گزر گئی ہے ہماری طرف سے اُنکے واسطے خصلت نیک کہ وہ سعادت دنیا اور آخرت کی یا توفیق طاعت یا بشارت جنت ہے وہ لوگ دوزخ سے دور کئے گئے ہیں سو اُنکے واسطے تو جو کچھ ہونا تھا وہ ہو گیا اور بہشت میں وہ داخل ہو گئے اُنمیں کیا کلام ہے اور اگر عام فرض کیا جائے اور کہا جائے کہ یہ آیت سب مومنین کے حق میں ہے سوائے اسکے اور آیتوں میں بھی او ر خدا تعالیٰ نے مومنین سے وعدہ جنت کیا ہے تو چاہیے کہ جو مومنین کہ اپنے ایمان پر قائم رہے ہیں اور جو مومنین کہ بعد نزول اس آیت کے مرتد ہو گئے ہیں سب کے سب بہشت میں داخل ہوں کہ وہ وعدہ سب سے ہے کچھ تفصیل نہیں ہے کہ ایمان سے پھر جانیوالے بہشت میں نجائیں اور ایمان پر باقی رہنے والے بہشت میں جائیں اور جب یہ صحیح نہیں ہے تو معلوم ہوا کہ جسے خداوند کریم فوز عظیم فرمائے اور ابھی سے اُسکا وعدہ فرمالیا اور وعدہ کے موافق تیاریاں ہو لیں وہ اُنکے واسطے ہے کہ جنکا ایمان وقت مرنے کے صحیح اور درست ہو اور وہ شیعیان علی ابن ابیطالب اور دوست اُنکے ہیں چنانچہ صواعق محرقہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یا علیؑ انت وشیعتک فی الجنۃ یعنی اے علی تو اور شیعہ تیرے بیچ بہشت کے ہیں اور اہل سنت معاویہ کے گروہ کے آدمی ہیں اسواسطے کہ یہ لقب اُنکا معاویہ کا بخشا ہوا ہے چنانچہ صواعق محرقہ وغیرہ میں ہے اور معاویہ اور اُسکے گروہ کے آدمیوں کو رسولخدا صلعم نے جہنمی فرمایا ہے چنانچہ کتب صحاح اہل سنت مثل بخاری اور اُسکی شرح فتح الباری میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ یا عمار تقتلک الفئۃ الباغیۃ تدعوھم الی الجنۃ ویدعونک الی النار یعنی اے عمار قریب ہے کہ قتل کرے تجھکو گروہ باغی کہ بلاتا ہوگا تو اُنکو طرف بہشت کے اور بلائینگے وہ تجھکو طرف آتش دوزخ کی اور عمار معاویہ کے گروہ کے آدمیوں کے ہاتھوں سے قتل ہوئے ہیں جنکی طرف دوزخ تھا اور اہل سنت معاویہ کے گروہ کے آدمی ہیں کہ اُسکو خلیفہ حق اور امام صدق جانتے ہیں چنانچہ صواعق محرقہ اور غنیۃ الطالبین میں لکھا ہے اور خدا تعالیٰ اپنے وعدہ سے ہٹا ہوا نہیں ہے جن کے واسطے کہ وعدہ کیا ہے اُنکو بہشت میں داخل کریگا اور وہ مومنین وہ ہیں کہ ہمیشہ تا دم مرگ اپنے ایمان پر قایم رہے ہیں اور راہ خدا میں جہاد کرکے اسلام کو بڑھایا ہے نہ وہ لوگ کہ جو ایمان صحیح سے برگشتہ ہوگئے ہیں اور لوگوں پر ظلم کرکے اور اُنکے حقوق غصب کرکے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ مخلوط کیا ہے اور تقیہ بموجب حکم خدا ہے اور قرآن اور حدیث اور کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے اُسکا ذکر بتفصیل مرقوم ہوگا اور شیعہ جو کچھ کرتے ہیں موافق حکم خدا کے کرتے ہیں اور سنی حکم خدا سے منحرف ہیں **قال الشیخ الاشعری** اس تقریر سے یہ واضح ہوگیا کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ سے محاربہ یا شکر رنجی موجب کفر ہے جیسے اکثر شیعہ کہتے ہیں نہ موجب فسق ہے نہیں تو خدا ان لوگوں سے کیوں راضی ہوتا اسلئے کہ وہ خود فرماتا ہے کہ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ بلکہ انکار امامت حضرت بھی موجب کفر وفسق نہیں کیونکہ تمام جماعت مہاجرین وانصار سوا دو چار آدمیوں کے سب اُنکی امامت کے شیعوں کے نزدیک منکر تھے اور اسی کی موید نہج البلاغت جامع الکتب شیعہ ہے حضرت امیر سے درباره محاربہ امیر معاویہ یوں مروی ہے اصبحنا نقاتل اخواننا فی الاسلام علی ما دخل فیہ من الزیغ والاعوجاج یعنی ہم اپنے مسلمان بھائیوں سے اس سبب سے لڑتے ہیں کہ اسلام میں کچھ کجی کی باتیں داخل ہوگئی ہیں اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ منکر امامت حضرت امیر اور آنسے لڑنیوالے کافر نہیں اور امیر معاویہ باوجود اس مخالفت اور انکار امامت کے چنانچہ سب کو معلوم ہے حضرت امیر کے نزدیک مسلمان ہی تھے **اقول** اس تقریر سے ہرگز یہ ثابت نہیں ہوا ہے کہ حضرت علی سے محاربہ یا شکر رنجی کرنی موجب کفر اور فسق نہیں ہے اور خدا اُنسے راضی ہے اور راضی تو خدا اُن مومنین سے بھی تھا جو کہ ارتداد سے پہلے مومن تھے چاہیے کہ اُنکا بھی ارتداد موجب کفر اور فسق نہو بایں کہ ہو کہ خدا تعالیٰ نے جو وعدہ جنت کا مومنین سے کیا ہے تو وہ مومنین وہ ہیں کہ جو اپنے ایمان کو ضائع نہ کرینگے نہ کل مومنین اور حضرت علیؑ کے محاربہ کے مقدمہ میں جناب رسولخدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ یا علیؑ حربک حربی اور رسولخدا صلعم تو محاربہ کرنا کفر ہے حضرت علیؑ سے بھی محاربہ کرنا کفر ہوگا اور ان لوگوں ہی کی مقدمہ میں خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَرْضٰی عَنِ الْقَوْمِ الْکَافِرِیْنَ اور راضی خدا اُنسے ہرگز نہیں ہے اور انکار امامت حضرت علیؑ موجب خروج از ایمان ہے اگرچہ ظاہر میں حکم اسلام کا اُس پر جاری ہو چنانچہ رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے مَنْ لَمْ یَعْرِفْ اِمَامَ زَمَانِہٖ مَاتَ مِیْتَۃً جَاہِلِیَّۃً یعنی جو شخص کہ نہ پہچانے امام زمانہ اپنے کو مریگا وہ مرنا جاہلیت کا یعنی کفر کا اگرچہ حکم اسلام کا اُس پر جاری ہو اور کل جماعت مہاجرین اور انصار کی سوائے دو چار آدمیوں کے ہرگز منکر امامت علی نہ تھی بلکہ شیخین کی جعلسازی سے حضرت علیؑ کی اعانت نکرنے پائے تھے اور آخر حضرت علی کی طرف اُنہوں نے رجوع کی اور حق کو اختیار کیا اور ہمراہ اُنکے ہوکر ناکثین اور مارقین اور قاسطین سے لڑے البتہ جن لوگوں نے کہ حضرت علی سے محاربہ کیا ہے اہل جنگ جمل اور خوارج اور ہمراہیان معاویہ اُنکو ہم بموجب روایت یا علیؑ حربک حربی کے دائرہ ایمان سے خارج جانتے ہیں گو حکم اسلام کا اُنپر جاری تھا اور وہ روایت چار پانچ آدمیوں کی حضرت علی کے ہمراہ ہوگئے اور باقیوں کے پھر جانے کی ہمارے نزدیک معتبر نہیں ہے کہ مخالف ہے اکثر روایات مستفیضہ کے جو خوبی صحابہ پر دلالت کرتی ہیں اور اُسمیں جو ارتداد کا لفظ ہے اگر اُس روایت کو ہم تسلیم کریں تو ارتداد سے معنی عام مراد ہونگے ارتداد عن الدین سے اور ارتداد عن سلوک الخیر سے اور ارتداد عن احسان اہل البیتؑ و اعانتہم سے جیسا کہ قاضی عیاض نے ارتدوا علی اعقابہم میں جو کہ صحابہ کی شان میں کتب صحاح میں مندرج ہے ارتداد عام کے معنی عام مراد لیے ہیں اور نہج البلاغت کو جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب لکھا ہے یہ بھی غلط ہے اسواسطے کہ اکثر خطب اُسکے اہل سنت کے کتابوں سے ماخوذ ہیں اور حضرت علی نے جو معاویہ کو اخواننا فی الاسلام فرمایا ہے اسکا کیا مضائقہ ہے اخواننا فی الایمان تو نہیں فرمایا اور مسلمان تو ہم سب کو جانتے ہیں

جو لوگ کہ حضرت علی سے عداوت رکھتے تھے اور لڑتے تھے اور حقوق انکے غصب کرتے تھے اور کلمہ گو بھی تھے لیکن انکو ہم مومن نہیں جانتے تاکہ آخرت میں انکے واسطے کچھ فائدہ ہو آخرت
میں تو انکے ساتھ وہ معاملہ ہوگا جو کفار کے ہمراہ ہوگا اور محض مسلمان ہونا بدون ایمان کے کچھ فائدہ نہیں بخشتا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ اعراب کے مقدمہ میں فرماتا ہے کہ قَالَتِ
الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا قُلْ لَّمْ تُؤْمِنُوْا وَلٰكِنْ قُوْلُوْٓا اَسْلَمْنَا اسواسطے کہ اسلام یہی ہے کہ ظاہر میں اقرار شہادتین ہو سو معاویہ کو حاصل تھا اور ایمان جسمیں تصدیق بالقلب و رطمانیت ہوتی
ہے وہ اسمیں نہ تھا اسواسطے حضرت نے اسکو مسلمان بھائی فرمایا اور برادر مومن کہا اور حضرت علی نے علے ما دخل فیہ الزیغ والاعوجاج جو فرمایا تو اس سے معلوم ہوا کہ ایمان تو
درکنار اسکا تو اسلام بھی صحیح نہیں ہے کہ اسمیں بھی کجی کی باتیں داخل ہو گئی ہیں پھر جب اسلام بھی صحیح نہو تو کفر میں اسکے کیا شبہ ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں مقصد اول قصے ہی
آیت استخلاف کے جواب میں کہ حضرت امیر نے معاویہ پر اور عمرو عاص پر اور ابوموسیٰ اشعری وغیرہ پر لعنت کی ہے اگر وہ کافر نہوتا تو لعنت اسپر نکرتے اور ابھی گزرا ہے حضرت عمار کے قتل کے
ذکر میں کہ رسول خدا صلعم نے معاویہ کے جاب والوں کو ناری فرمایا ہے اور پہلے اس سے ربیع الابرار سے اور کتاب محصول امام رازی سے منقول ہوا ہے کہ رسول خدا صلعم نے ابوسفیان اور معاویہ اور
یزید تینوں پر لعنت کی ہے اور معاویہ حضرت علی کو گالیاں دیا کرتا تھا چنانچہ کئی مرتبہ ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے ہیں اور صواعق محرقہ میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ
من سب علیا فقد سبنی یعنی جسنے علی کو گالی دی اس نے مجھ کو گالی دی اور رسول خدا کا کلثوم دختر فاطمہ زہرا علیہا [illegible] دیا اور اس خط [illegible] ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ ایسے شخصوں سے راضی ہو اور منکر
امامت علی کو تو میں لکھ چکا کہ وہ مومن نہیں ہے اور [illegible]

قال [illegible]

ہیں وجیسے کہ ہم لکھ چکے ہیں
[illegible] رسالہ ثابت ہوتے ہیں ہد
آیتوں کی تحریف اڑادیں حالانکہ
نہو حالانکہ امامیہ کے نزدیک مثا
معاویہ اور انکے اصحاب بھی اسر
ثلاثہ وغیرہم مذکورین کی نسبت
کی وفات سے نازل ہوئی ہے سب صلحہ
کیونکہ تبعوہم کے متعلق ہے اور پھر وہ
کرینگی انکا مطلب بہر منہج ثابت ہے
حق ہے اور وہ محاربات اور مشاجرا
التفات کی جائے اور جواب اسکا
ہجرت نہیں ہے کہ آیت سے سبقت
اس سے خدا راضی ہے اور واقع میں
اپنی رضامندی ان لوگوں کے

یمن زمرہ اہل علم میں سے نہیں ہیں سو [illegible] مسلمان کہا تو کیا فائدہ خالی ایمان سے تو اسلام کا انجام بھی کفر
تو انکو کسی سے مناظرہ کرنا منظور نہ تھا اسواسطے تغلیط اور تکذیب کریں جنسے محاربات اور مشاجرات انکے حضرت
صاحب ممدوح کا میر نادر علی صاحب کے پاس عثمان نے حضرت امیر کے استحقاق امامت کے مخفی کرنے کے لیے گیارہ ہزار
اس طرح کی بیہودہ کلمات لکھے کہ شان اہل در جب حضرت امیر سے لڑنا اور انکی امامت کا انکار تک موجب کفر و فسق
کا کلام ہوتا ہے مطلب تو تھوڑا اور خرافات بہت سے کمتر ہیں وہ کا ہیکو موجب کفر و فسق ہونگے اس صورت میں حضرت امیر
مضامین جواب میں ایسے تحریر کئے کہ جن [illegible] لسابقون نے شیعوں کو جواب دنداں شکن سنایا نہ یہ بن پڑے ہے کہ اصحاب
اہل انصاف کو کہ انہوں نے فدک کے مقدمہ [illegible] سورۂ توبہ میں ہے اور سورہ توبہ کل ایک دو برس پہلے رسول اللہ صلعم
جواب میں احتمالات ہی پر اکتفا کرتا ہے اور یا کیا نہ ملی وصینگا وصینگی سے مہاجرین و انصار کے ساتھ ملاکر کچھ باب گفتگو کشادہ کریں
ہیں اور اس خط کے جواب سے پہلے اس شیخ نے یوں کو کچھ احتیاج نہیں روایات محاربات و مشاجرات کے تغلیط اور تکذیب
ابطال میں موافق اپنے زعم ناقص کے لکھے ہیں تا یقین مثل قرآن کے ہے ورنہ وہ محاربات مخالف قرآن کے ہیں قرآن بھی
کلو خ انداز را پاداش سنگ ۔ اس کا روایتی ہی ندین انکا یقینی ہونا تحریر کر چکے ہیں اور تو کس شمار قطار میں ہے کہ تیرے کلام کی تم
او ہرزہ درائی کو کام میں لا مگر ہم لوگ جو پیروان رضی نہیں ہے اسواسطے کہ ہم لکھ چکے ہیں کہ مراد اس آیت میں سبقت سے سبقت
تو کیا حاصل ہے ہاں اگر کوئی شخص نامی گرامی فرقہ مراد سبقت سے سبقت الی الموت ہے کہ جو کوئی مہاجرین و انصار میں سے ایمان صحیح پر مرگیا ہے
سعی کی جاتی اور اس شخص بازاری متعصب کو زنا اوقات کا ہے یہ خیال کر کے خموشی اختیار کی گئی مومنین میں سے مرگیا تھا وہ ایمان ہی پر مرا تھا اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ خدا تعالیٰ
افعال ناشایستہ کرینگے کی انکے حق میں تو یہ فرمایا وَمَنْ يَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ الخ سورۂ آیت

کی آیت صحابہ کی مشاجرات و محا
ہیں اور تیری ہی کتابوں میں کہا ہوں۔ نے لکھا تھا اور آیات کا اڑا دینا کام تمہارا ہے کہ تمہارے بزرگوں نے بہت آیتیں اڑادی
ہے تیری کتابوں میں کہ قرآن کثیر اڑادیا ہے اور حضرت علی کی امامت کی بھی تید
اڑادی ہیں اور ہم پہلے اس سے مفسرین کی کتابوں سے قرآن کے ذکر میں لکھ سے ہیں اور حضرت امیر کی امامت کا انکار بے ایمانی کی بات ہے اور حضرت علی نے جو معاویہ کو مسلمان
فرمایا ہے تو کیا مضائقہ ہے کہ انجام اسکا کفر ہے اور جو لوگ کہ ظاہر میں اقرار کرتے تھے شہادتین کا وہ سب مسلمان ہی تھے مثل یزید اور شمر اور ابن زیاد اور عمر سعد کے لیکن موت انکی
مرتد ہے کہ وہ مومن نہ تھے اور نجات کے واسطے چاہئے محض اسلام کفایت نہیں کرتا ہے اور اسیواسطے اہل سنت نماز جنازہ کی دعا میں کہتے ہیں کہ اللھم من احییتہ منا فاحیہ
علی الاسلام ومن توفیتہ منا فتوفہ علی الایمان اور اگر معاویہ میں ایمان ہوتا تو جناب رسول خدا اور حضرت علی اسپر لعنت نہ بھیجتے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور جامع الاصول
میں بخاری اور مسلم اور ترمذی اور نسائی سے روایت کی ہے قال رسول اللہ صلعم سباب المسلم فسوق وقتالہ کفر یعنی دشنام دہی مسلمانوں کی بدکاری ہے اور محاربہ

اس سے کفر ہے پس جس وقت کہ قتال مسلم کا کفر ہوا تو قتال امیر المومنین اور امیر المسلمین کا کیونکر کفر نہ ہوگا اور اگر تسلیم نہیں کرتے تو نعوذ باللہ علی کو کافر کہو معاویہ کی حمایت
اب تو خاطر خواہ معاویہ کا کفر ثابت ہو گیا اور امامت حضرت علی کی ہمارے نزدیک البتہ جزو ایمان ہے اور منکر امامت کا حضرت علی کی اگرچہ نہ ناجی ہو جاتا ہے لیکن اسلام اسکا
باقی رہتا ہے اگر اقرار شہادتین کرتا ہے اور ہم لکھ چکے اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر چکے کہ قتال کرنا حضرت علی سے کفر ہے اگر تم حضرت عثمان جانتے ہو اور اس صورت میں
معاویہ اور اسکے اصحاب موافق روایات اہل سنت کے ملعون ہو گئے اور بری طعن سے وہ ہرگز نہیں ہوئی اور آیہ السابقون سے تیرا ثابت نہیں ہوا اور جو کچھ تونے لکھا
تھا ہمنے اسکو باطل کر دیا اور ایسا جواب دندان شکن ہمنے تجھ کو دیا ہے کہ اگر تو کچھ سمجھ رکھتا ہے تو پھر ایسی گفتگو بیہودہ نہ دیگا اور اصحاب ثلاثہ وغیرہ کے مقدمہ
میں ہمکو احتیاج نہیں ہے اس امر کی کہنے کی کہ وہ بعد ہجرت کے ایمان لائے تھے اور نہ لفظ باحسان کو مہاجرین اور انصار متعلق کرنیکی کچھ احتیاج نہ ہم توکو
کہ مراد سبقت سے سبقت الی الہجرت نہیں ہے اور اگر سبقت الی الہجرت فرض کریں تو بھی مطلب ہمارا ہاتھ سے نہیں جاتا ہے ان وہ ہی لوگ مراد ہیں جنہوں نے
مہاجرین و انصار کی نیکی میں متابعت کی ہے **قال الشیخ الاشعری** بعد اطرفہ تماشا یہ ہو گیا کہ اس آیت اور آیہ کے وسیلے سے جو اس آیت کی ذیل
میں مذکور ہوئیں سنی اصحاب ثلاثہ کیا بلکہ تمام مہاجرین اور انصار کا ایمان ثابت کر کے اپنے اور عقیدہ کو ہیں وہ عقیدہ تو یہ ہے کہ حضرات ائمہ
سب تینوں سے تو کیا انبیاء سے افضل ہیں اور وجہ اس عقیدہ کی پامالی کی یہ ہے کہ سورہ توبہ میں اس جو ایمان بھی لائے اور ہجرت بھی
کی اور جان اور مال سے خدا کی راہ میں جہاد بھی کیا یوں ارشاد فرماتے ہیں کہ انکا مرتبہ اور امتیوں سے اعلے ہے یہ امام اور غیر امام کی نہیں تو معلوم ہوا کہ
سو حضرت علی کے اور ائمہ اطہار اس رتبہ کو نہ پہنچے تھے جو ان صحابہ کا ہے نبی کا رتبہ تو درکنار تسکین خاطر کے لیے الَّذِينَ آمَنُوا وَهَاجَرُوا وَجَاهَدُوا
فِي سَبِيلِ اللَّهِ بِأَمْوَالِهِمْ وَأَنفُسِهِمْ أَعْظَمُ دَرَجَةً عِندَ اللَّهِ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْفَائِزُونَ يُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُم بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَجَنَّاتٍ ... أَبَدًا إِنَّ اللَّهَ عِندَهُ أَجْرٌ عَظِيمٌ
یعنی جو لوگ کہ ایمان لاے اور انہوں نے وطن چھوڑ دیا اور خدا کی راہ میں مال و جان سے جہاد کیا وہ سب میں بڑے درجے والے اور مراد کو پہنچنے والے ہیں بشارت دیتا
ہے انکو رب انکا اپنی رحمت اور اپنی رضامندی اور باغوں کی جن میں انکے لیے دوام کی نعمت ہے وہ اسمیں ہمیشہ ہمیشہ پاس بڑا اجر ہے اب حضرات شیعہ
سے بجز اسکے نہیں بن پڑی کہ یا تو حق بول اٹھیں یا یہ کہ موافق مشہور الضرورات تبیح المحظورات بحکم ضرورت رجوع کریں **اقول** نہ اس
آیت سے اور آیتوں سے ثلاثہ وغیرہ کا ہمیشہ کو ایمان پر باقی رہنا ثابت نہیں ہوتا ہے اور کسی آیت میں یہ بھی اور ہمیشہ کو اپنے ایمان پر باقی
سے آیتوں میں تو یہ ہے کہ جو کوئی ایمان لایا ہے اسکے واسطے ایسے ایسے وعدے ہیں تخصیص کسیکی نہیں ہے کہ ایمان لائے ہیں انکی طرف ہے
بھی خطاب ہے کہ وَمَن يَرْتَدِدْ مِنكُمْ عَن دِينِهِ اور فرمایا إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا ثُمَّ كَفَرُوا اور سوا اسکے اور بہت آیتیں ہیں مثل یہ کہ اے مومنین جو کوئی
تم میں سے اپنے دین سے پھر جائیگا تو اسکی مغفرت نہ ہوگی اور ہمیشہ کو وہ دوزخ میں رہیگا اب ہم دیکھیں گے کہ ان میں سے کون باقی رہا ہے اور کون اپنے دین سے
پھر بھی ہے اور جسکا پھر جانا دین سے ثابت ہوگا تو ہم خواہ مخواہ کیونکر اسکو مومن کہدینگے جیسا کہ تم مرتد عقیدہ کو جو کچھ ائمہ معصومین
علیہم السلام سے ہے کیا خاک میں ملاؤگے اور کیا تمہارا منہ ہے اور تمہارے ثلاثہ کو جو ہم نے خاک ہوکر خاک میں سے نکالو لیکن
وہ نہیں نکل سکتے اور تمہارا عقیدہ جو انکے ساتھ ہے اسکو بھی ہم نے خاک میں ملاکر برابر کر دیا ہے اور ائمہ کے افضل ہونے کا ذکر تو
انشاء اللہ تعالی بعد اسکے آئیگا جس جگہ کہ تو اس مسئلہ کا ذکر کریگا اور اس آیت سے جو کہ اس نے لکھی ہے اسواسطے کہ اس آیت میں تین
اوصاف خدا تعالی نے مومنین کے بیان کئے ہیں ایمان اور ہجرت اور جہاد سو جس میں یہ تینوں ہوں انکا تو ہم پہلی آیتوں میں ذکر
کر چکے ہیں کہ مراد وہ مومنین ہیں کہ تا دم واپسین ایمان پر قائم رہے ہوں اور یہ بھی ہم ذکر کر چکے ہیں جیسا کہ عمر بن خطاب کے بلکہ ہم پہلے اس سے ثابت کر آئے ہیں
قول میں ہے اور جہاد میں سے رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے نہیں ہوں سو بعضے مرتبہ انکا اعلے ان لوگوں سے ہے کہ جو اس
سے معلوم ہوا کہ مستحق اس مرتبہ کے اس آیت میں وہ لوگ ہونگے جنمیں یہ تینوں دلیلیں سے اور آخرین سے اور تخصیص میں ہے
زمانہ میں موجود تھے جیسے کہ انصار کہ جنکو ہجرت نصیب نہیں ہوئی یا جنکو ہجرت بھی اعلی ہو جائیں اور ائمہ معصومین علیہم
کہ امام اور غیر امام کی نہیں ہے ایسے ہی نبی اور غیر نبی کی بھی نہیں اس سے ثابت ہے اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اور
السلام کے رتبہ کو تو کیا جانے کہ وہ متقی تھے اور خدا تعالی کے نزدیک متقی

اور آئمہ کے متقی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ مولوی عبد العزیز صاحب آنکے حق میں لکھتے ہیں کہ وہ معصوم تو نہ تھے مگر محفوظ تھے گناہوں سے اور صحابہ کو ایسا نہیں لکھتے
بلکہ خاطی اور گنہگار لکھتے ہیں چنانچہ مطاعن عثمان کے جواب میں لکھا ہے کہ صحابہ معصوم نہ تھے اور اُنپر حدیں جاری ہوتی تھیں اور شراب نوشی بھی کرتے تھے اور ملا
سعد الدین تفتازانی نے تو شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ وہ حق سے تجاوز کر گئے تھے پس جبکہ وقت صحابہ کا یہ حال ہے اور ائمہ معصومین علیہم السلام متقی ثابت ہوئے تو خدا تعالے
کے نزدیک مہاجرین سے زیادہ بزرگ وہ ہی ہونگے اور اگر مہاجرین ممدوحین اعظم درجہ میں تو اُنسے بھی زیادہ درجہ میں ہیں اور جو کچھ کہ مرتبہ ائمہ معصومین کا اہل سنت کے اولیاء اللہ
کے نزدیک ہے اُسکا ذکر انشاء اللہ تعالیٰ بعد اسکے آویگا جس جگہ کہ یہ شیخ ذکر کریگا کہ شیعہ اپنے ائمہ کو انبیاء علیہم السلام سے افضل جانتے ہیں اب دیکھو تو شیعہ کیسے حق بولے ہیں کہ
افضلیت کو ائمہ معصومین علیہم السلام کی مہاجرین سے ثابت کر دیا اور تمہارے قول لغو کو باطل کر دیا اب تم کو رجوع کرنی چاہیے طرف مذہب حق قدیم کے جن کے حق
میں رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے حضرت علی سے کہ یا علی انت و شیعتك فی الجنة **قال الشیخ الاشعری** اور یوں کہیں کہ ہم نے دیکھا کلام اللہ سے وہی ثابت
ہوتا ہے جو سنیوں کا مطلب ہے لیکن خدا کا کیا اعتبار جیسے اور بہت سے امور میں ہمارے عقیدہ کے موافق آج کوئی مانے نہ مانے خدا کو بدا واقع ہوا ہے صحابہ کی شان
میں اور سنیوں کے حق میں اور کلام اللہ کی حفاظت میں بھی بدا واقع ہوا پہلے یوں ہی ارادہ ہو جیسا کلام اللہ میں فرمایا بعد میں رائے بدل گئی ہو اور یہی معنی بدا کے ہیں
اقول ہم ایسا باطل قول کا ہیکو کہیں گے کہ کلام اللہ سے وہی ثابت ہے جو سنیوں کا مطلب ہے سنیوں کا مطلب تو بالکل مخالف کلام اللہ کے ہے اور ہمارا عقیدہ
وہ ہی ہے جو کلام اللہ سے ثابت ہے اور موجب حکم خدا کے ہے اور اعتبار خدا کا اہل سنت کے مذہب میں نہیں ہے کہ خدا تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ اے مومنین تم میں سے اگر کوئی مرتد ہو جائیگا
تو اسکی مغفرت نہوگی اور ہمیشہ وہ دوزخ میں رہیگا اور تم اکثر مومنین کو دیکھتے ہو کہ بعد رسول خدا صلعم کے اُنسے ایسے ایسے افعال سرزد ہوئے ہیں کہ وہ ان افعال کی جہت سے مرتد ہو گئے
ہیں لیکن تمکو اُن فعلوں پر نظر نہیں ہے اور خواہ مخواہ اُنکے افعال کی اصلاح کرتے ہو اور خدا کا اعتبار نہیں کرتے اور شیعوں کا مذہب وہ صاف ہے کہ اُسمیں کوئی بات
گرفت کی نہیں ہے جب اہل سنت نے اُسکی صفائی اور پاکیزگی دیکھی تو عداوت کی راہ سے بدا کا اُنپر افترا کیا جو کہ باعتبار لغت کے ہے اور بدا کا جو تونے ذکر کیا ہے جو بدا کہ
ہمارے نزدیک ہے اُس بدا میں کچھ قباحت نہیں ہے اور جس بدا کو تم ہماری طرف منسوب کرتے ہو جو کہ باعتبار لغت کے ہے اُسکے معتقد کو ہم کافر کہتے اور ملعون جانتے ہیں تو نے
جو کچھ کہ یہ لکھا ہے مولوی عبد العزیز صاحب کے تحفہ میں ہی لکھا ہے اور مولوی صاحب مذکور کا یہ حال ہے کہ سینکڑوں افترا اُنہوں نے شیعوں پر کئے ہیں اور علماء اہل سنت
میں ایسا دروغ نویس کوئی نہیں گزرا ہے اگر اُنکے دروغوں کو جمع کیا جاوے تو ایک کتاب ضخیم تیار ہو اول تو اسبات کو جان لینا چاہیے کہ ضروریات مذہب امامیہ
میں سے یہ ہے کہ وہ خدا تعالیٰ کو عالم کلیات اور جزئیات کا ازل سے ابد تک جانتے ہیں اور کوئی چیز اُسپر پوشیدہ نہیں ہو سکتی اُنکے نزدیک علم اُسکا عین ذات ہے
چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ کان اللہ ولا شیئ غیرہ ولم یزل عالما بما یکون فعلمہ بہ قبل کونہ کعلمہ بعد کونہ یعنی خدا تعالیٰ تھا اُس وقت کہ سوائے اسکے کوئی چیز نہ تھی
اور ہمیشہ عالم تھا اُس چیز کا کہ آئندہ کو پیدا ہوگی پس علم اُسکا ساتھ اُس چیز کے کہ پہلے پیدا ہوئی ہے اُسکے مثل علم اُسکے کے ہے بعد پیدا ہونے اُسکے کے یعنی جیسا علم
کہ اُسکو اُسکے پیدا ہونے کے بعد ہے ایسا ہی پیدا ہونے سے پہلے بھی تھا اور یہ شیخ ہمارا اعتراض کرتا ہے اور حال یہ ہے کہ روایت بدا کی اہل سنت کی بھی کتابوں
میں موجود ہے چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ بدا للہ ان یبتلیھم یعنی بدا ہوا واسطے خدا کے یہ کہ آزمائے اُنکو اور بدا کے دو معنی ہیں ایک تو
لغوی اور ایک اصطلاحی جو کہ اہل اسلام کے نزدیک مقرر ہیں معنی لغوی تو یہ ہیں کہ تبدل اور تغیر رائے کا ہو بسبب ظہور خطا اور ندامت کے رائے پہلی میں
اور عدول کرنا اُس رائے سے طرف رائے دوسری کے اور ہمارے نزدیک خدای تعالیٰ پر یہ محال ہے اور اس کے معتقد کو ہم کافر اور ملعون جانتے ہیں اور
یہ وہ معنی ہیں کہ اس کو اہل سنت ہماری طرف منسوب کرتے ہیں بسبب جہل کے یا تجاہل کے اور ایک بدا کہ جس کے شیعہ قائل ہیں کہ وہ تغیر احکام کا ہے
باعتبار مصالح اور اوقات کے کہ پہلے ایک حکم دیا تھا اور بعد اسکے پہلے حکم کی مخالف اور حکم دیا باعتبار مصلحت اُس وقت کے لیکن پہلے حکم کے وقت
جانتا تھا کہ بعد اس کے اس حکم کے خلاف دوسرے حکم کی مصلحت ہوگی اُسی وقت ہم دوسرا حکم دینگے اور جب دوسرے حکم کا وقت آیا تو وہ
حکم دیا اور اسیطرح ہی کسی کو مارتا ہے اور کسی کو پیدا کرتا ہے اور کسی کی عمر زیادہ کرتا ہے اور کسی کی عمر کم کرتا ہے اور کسی کو تونگر کرتا ہے اور کسی
کو تنگ دست کرتا ہے لیکن اُس کے وقت ظہور سے پہلے روز ازل سے اس کو یہ تفصیل جانتا ہے کہ ہم یوں کرینگے فلانے وقت جیسے کہ
حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حکم دیا اسمعیل علیہ السلام کے ذبح کا اور پھر اُس کو موقوف کر دیا اور قوم یونس علیہ السلام پر عذاب نازل کر کے بند
کر دیا اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام نے ایک عروس کو جبرئیل علیہ السلام کے کہنے سے کہا کہ آج کی شب یہ مر جائیگی اور پھر وہ نہ مری اور آیات اور احادیث

ثابت ہوتا ہی کہ خدا تعالی کی دو لوح ہیں ایک تو لوح محفوظ کہ اس میں جو لکھا ہی اُسکا تغیر اور تبدل نہیں ہوتا ہی کہ وہ موافق علم خدا کی ہی اور دوسری لوح محو و اثبات ہی کہ اُس میں موافق مصالح الٰہی کے لکھا بھی جاتا ہی اور مٹایا بھی جاتا ہی مثلاً زید کی عمر پنجاہ سال کی اُس میں لکھی تھی اُس نے صلہ رحمی کے یا صدقہ راہ خدا میں دیا تو پنجاہ سال کو محو کر کے ستر برس لکھدیے اور اسی مقدمہ میں خدا تعالی فرماتا ہی يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهٗٓ اُمُّ الْكِتٰبِ یعنی مٹاتا ہی خدا جو چاہتا ہی اور ثابت کرتا ہے اور نزدیک اُسکے ام الکتاب ہے اور یمحو اللہ ما یشاء و یثبت سے تو مراد لوح محو و اثبات ہی اور ام الکتاب سے مراد لوح محفوظ ہے اور اسیطرح ہمارا عقیدہ ہی اور ہماری اصطلاح میں یہی بدا ہی جو کہ خدا تعالی پر ہم کہتے ہیں اور اسمیں کچھ قباحت نہیں ہی اور جو کچھہ کہ مینے لکھا ہی یہ خلاصہ ہے ہمارے علماء کی تحریر کا اور روایتیں بھی ہماری اسی بدا پر دلالت کرتے ہیں چنانچہ کافی میں حضرت صادق ابو عبد اللہ علیہ السلام سے روایت ہے کہ فرمایا ما بدا للہ فی شیء الا کان فی علمہ قبل ان یبدو لہ یعنی نہیں بدا ہوا ہی خدا کو کسی چیز میں مگر کہ تھی وہ چیز اُسکے علم میں پہلی اس سے کہ ظاہر ہو واسطے اُسکے اور دوسری روایت میں ہے کہ فرمایا ان اللہ لم یبد لہ من جہل یعنی تحقیق کہ خدا نہیں بدا ہوا ہی واسطے اُسکے جہل سے کہ پہلے وہ اُسکو نجانتا ہو اور حضرت صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ھل یکون الیوم شیء لم یکن فی علم اللہ بالامس قال لا من قال ھذا فاخزاہ اللہ قلت ارایت ما کان وما ھو کائن الی یوم القیامۃ الیس فی علم اللہ قال بلی قبل ان یخلق الخلق یعنی کیا ہی آج کوئی ایسی شی کہ نتھی وہ علم خدا میں کل کے روز کہا کہ نہیں جو کوئی کہی ایسا تو پس رسوا کریگا اُسکو خدا راوی کہتا ہی کہ مینے کہا کہ خبر دی تو مجھکو جو کچھہ کہ ہو لیا ہی اور جو کچھہ کہ ہونیوالا ہی روز قیامت تک کیا نہیں ہی علم خدا میں کہا کہ ہاں ہی پہلے اس سے کہ پیدا کرے خلقت کو اور ایک حدیث دوسری حدیث سے تفسیر کیجاتی ہی اور سوا اُسکے اور روایتوں میں جو بدا کا ذکر آیا ہی خدا کے واسطے بدا ہوتا ہی اور بدا کے معنے بیان نہیں کئے اور ان روایتوں میں جو ہمنے بیان کی اُنسے معلوم ہوا کہ بدا جہل سے نہیں ہوتا ہی تو معلوم ہوا کہ سب روایتوں میں مراد بدا سے یہی ہی کہ جسمیں جہل نہو سو ہمارا مذہب تو یہی ہی اور یہی مراد ہی ہماری نزدیک بدا سے اور اگر تیری نزدیک بدا کا لفظ مکروہ اور برا ہی کہ جہاں یہ لفظ آئیگا تو اُسکے معنی لغوی ہی مراد ہونگے تو اپنی کتابونکی تو خبر لے کہ تیری کتابوں میں بھی تو آیا ہی ابن اثیر نہایہ میں حدیث اقرع و ابرص میں جو کہ بخاری کی حدیث ہی لکھتا ہی بدا اللہ عز وجل ان یبتلیہم یعنی بدا کیا اللہ نے یہ کہ آزمائی اُنکو سو جو بدا کہ شیعوں کے نزدیک ہی اور ہمنے اُسکے معنے لکھے ہیں اگر وہ بدا خدا کو واقع ہو تو اُسمیں کیا قباحت ہی اور صحابہ کے اور سنیوں کے حق میں بدا واقع نہیں ہوا ہی بعضے صحابہ نے اور سنیوں نے اپنی شامت نفس سے افعال بد قبیح کئے ہیں اور خدا تو یہی چاہتا تھا کہ یہ ایمان پر قایم رہیں اور اب جو یہ ایمان صحیح پر قایم نرہے تو اپنے ارادہ سے اور خدا تعالی اس سے راضی نہیں ہی **قال الشیخ الاشعری** اور یہی معنی بدا کے ہیں چنانچہ نظام الدین جیلانی نے جنکو آج کل کے شیعہ شاید منافق تبلائیں رسالہ علم الہدی فی تحقیق البدی میں لکھا ہی بدا للہ اذا ظہر لہ رای مخالف للرای الاول یعنی کہا کرتے ہیں کہ فلانی کو بدا واقع ہوا جب اُسکو پہلے رای کے مخالف کوئی دوسری رائے سوجھی ملا نظام الدین جیلانی مذکور اوی رسالہ میں لکہتا ہی کہ ابو جعفر طوسی اور شیخ ابو الفتح کراجکی کا بھی بدا کے معنوں میں یہی مذہب ہے اسلیئے کہ شیخ طوسی نے عدہ میں اور شیخ کراجکی نے کنز الفوائد میں یہی تحقیق کی ہی مگر شریف مرتضی نے ذریعہ میں جو کچھہ تحقیق کر کے لکھا ہی اور طبرسی کے کلام میں سے بھی کچھ اُسکی بو آتی ہی وہ اُسکے خلاف ہی کہ یہ لکھتے ہیں معنے قولنا بدا لہ تعالی انہ ظہر لہ من الامر ما لم یکن ظاہرا یعنے ہم جو کہتے ہیں کہ خدا کو بدا ہوا تو اُسکے یہ معنی ہیں کہ خدا کو کوئی ایسی بات معلوم ہوئی جو پہلے معلوم نتھی پھر اُسکے بعد ملا نظام الدین لکھتے یوں لکھتا ہی کہ حاصل یہ ہی کہ خدا کو اشیاء نو پیدا کا علم اُنکے وجود کے بعد حاصل ہوتا ہی اور پھر اُسکے بعد ہم نے لکھتا ہی اور وہ تحقیق دوسرے معنوں پر منطبق آتی ہی وہ یہ ہی کہ خبر میں بھی بدا ہوتا ہی یعنی یوں بھی کبھی ہوتا ہی کہ آیندہ کی خبر بھی باطل کر دیا ہی اور جو کچھہ ہمارے نزدیک بدا سے مراد ہی وہ تو ہم لکھ چکے اور تو اپنی سند کے واسطے مولوی عبد العزیز صاحب کے لکھنے پر اعتماد کر کے ایک شخص کا نام لیتا ہی جس نے لکھا ہی میں کوئی بھی اُسکو نہیں جانتا کہ وہ کون ہی اور نہ کوئی اُسکی کتاب اعلام الہدی کو جانتا ہی کہ وہ کیسی ہی اور کہاں ہی ہمپر اُسکا اکثر حال معلوم نہیں کہ وہ کس مذہب کا آدمی ہی اور اگر وہ شیعہ ہی تو اس سے کیا ہوتا ہی اور جسوقت اُس نے ایسا اعتقاد بدا اختیار کیا تو شیعوں کے زمرہ سے وہ خارج ہو گیا برخلاف اہل سنت کے مذہب کے لکھا کہ ختم المرسلین کے ساتھ آدمی ہیں اور تیری حق میں مکہ معظمہ سے ارتداد کا حکم آیا اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے کہ مذہب ہمارا یہ ہی کہ خدا کو ازل سے ابد تک عالم جمیع کلیات اور جزئیات کا ہی اس صورت میں اُسکا قول کہ خالی کفر سے نہیں اور مخالف آیات قرآنیہ کے ہی ہمپر حجت نہیں ہو سکتا معلوم ہوتا ہی کہ مولوی عبد العزیز صاحب نے یا نصر اللہ کابلی نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہی اور اعتبار کے واسطے سید مرتضی کا اور شیخ ابو جعفر طوسی وغیرہ کا نام لکھدیا اور جو کچھہ چاہا خاطر خواہ لکھدیا لیکن شیعہ اس جعل میں کب آتے ہیں اور جو کچھہ کہ اُس نے اپنی اعتماد کے واسطے حوالہ شیخ ابو جعفر طوسی اور ابو الفتح کراجکی کا دیا ہی غلط ہی سید مرتضی علیہ الرحمہ نے جواب مسائل اہل ری میں

لکھا ہے کہ مراد بدا سے نسخ ہے اور دعوی کیا ہے کہ معنی لغوی سے خارج بھی نہیں ہے اسواسطے کہ بدا معنی ظہور ہے اور مراد بدا سے یہ نہیں ہے کہ دلالت کرے خدا تعالی کے جہل پر
اور شیخ ابو جعفر طوسی علیہ الرحمہ نے عدہ میں سید مرتضی علیہ الرحمہ سے تفسیر دوسری لکھی ہے جسکا کہ تو نے ایک ٹکڑا لکھا ہے اور آخر کے فقرہ کی خیانت کرکے اُڑا دیا ہے سو کو
عبد العزیز صاحب کی پیروی سے اور ترجمہ اُسکا تو نے غلط کیا ہے اور وہ یہ ہے بدا الله معنے ان ظهر له من الامر مالم یکن ظاهرا له وبدا له من النهی مالم یکن ظاهرا له
لان قبل وجود الامر والنهی لا یکونان ظاهرین مدرکین وانما یعلم انه یامر او ینهی فی المستقبل فاما کونه امرا او ناهیا فلا یصح ان یعلمه الا اذا وجد الامر والنهی
یعنی بدا الله اسکے معنی یہ ہیں ہے کہ ظاہر ہوا واسطے اسکے امر سے جو کچھ کہ نہ تھا ظاہر اور ظاہر ہوا واسطے اسکے نہی سے جو کچھ کہ نہ تھا ظاہر واسطے اُسکی اسواسطے کہ پہلے وجود امر
نہی کے نہیں ہوتے ہیں وہ دونوں ظاہر ادراک کئے گئے اور سوائے اسکے نہیں جانتا ہے وہ کہ حکم کریگا یا منع کریگا آئندہ کو پس لیکن ہونا اُسکا حکم کرنیوالا اور منع کرنیوالا پس نہیں
صحیح ہے یہ کہ جانے اُسکو مگر جسوقت کہ پائی جائیں امر اور نہی انتہی اور یہ گفتگو بصراحت دلالت کرتی ہے اس بات پر کہ مذہب سید علیہ الرحمہ کا کل اہل اسلام کی مانند
یہ ہے کہ چیزیں جبتک موجود نہیں ہوتی ہیں جناب باری عز اسمہ جانتا ہے کہ فلانی چیز فلانے وقت موجود ہوگی اور جسوقت کہ موجود ہو جاتی ہے تو اُسوقت اسطرح
جانتا ہے کہ اب موجود ہے اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا تعالی فرماتا ہے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ وَالصّٰبِرِيْنَ وَنَبْلُوَا۟ اَخْبَارَكُمْ یعنی اور البتہ آزمائیں گے ہم تمکو یہانتک
کہ جانیں ہم جہاد کرنیوالوں کو تم میں سے اور صبر کرنیوالوں کو یعنی تاکہ جانیں ہم تمہاری جہاد کو جسوقت کہ تم متصف بوجود جہاد ہوا سطرح سے کہ اب متصف بجہاد ہے
اسواسطے کہ قبل وجود جہاد کے جانا نہیں جاتا ہے جہاد اسطرح سے کہ اب متصف بوجود ہی جہاد البتہ اسقدر جانتا ہے کہ آئندہ کو جہاد مجاہدین کا وجود پکڑیگا اور جو جو کہ جہاد
کریگا اُسکو جانتا ہے لیکن جہاد ابھی ظاہر نہیں ہوا ہے اور جانتا ہے کہ ظاہر ہوگا اور جب ظاہر ہوگا تو جانیگا کہ اب ظاہر ہے اور پہلے ظاہر نہ تھا یہی حال بدا کا ہے اور فرمایا
کہ آزمائینگے ہم خبروں تمہاری کو قسم اعمال سے کہ ظاہر ہو حسن و قبح اُنکا کہ جو اب ظاہر نہیں ہے اور یہی بیضاوی میں لکھا ہے اور تو نے ظهر له من الامر میں اول تو خیانت کی مولوی
عبد العزیز صاحب کے پیروی سے کہ آخر کی عبارت نہ لکھی اور امر جو کہ نہی کے مقابلہ میں ہے اُسکے معنی بات کے مقرر کئے اور ظہور جو کہ پیدا شدن کے معنی میں ہے
اُسکے معنی علم ٹھیرائے کتنی بڑی غلطی کی ہے اور پھر شیعان علی کا مقابلہ کرتا ہے غلام معاویہ اور عمرو عاص کا ہو کر اور شیخ ابو جعفر طوسی کتاب غیبت میں بعد ذکر
احادیث بدا کے لکھتے ہیں کہ بعد تسلیم صحت ان اخبار کے کہہ سکتے ہیں کہ بعید نہیں ہے کہ جناب باری نے عالم تقدیر میں واسطے اس امر کے ایک وقت معین کیا ہو لیکن بسبب
حدوث و تجدد بعضی امور مصلحت نے تغیر پایا ہو اور اس سبب تاخیر میں پڑا اور اسی پر محمول ہیں وہ احادیث کہ جو در باب تاخیر کرنے مرگ کے ہے اپنے وقت سے بسبب صدقہ اور صلہ رحم
اور دعا کے اور کم ہونا عمر کا بسبب ظلم اور قطع ارحام کے اور خدا تعالی اسکا عالم ہوتا ہے اور بعد اُسکے حضرت امام رضا علیہ السلام سے روایت لکھی ہے کہ وہ اپنے آبا طاہرین
کا قول بیان کرتے ہیں آیت يَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاۤءُ وَيُثْبِتُ ۚ وَعِنْدَهٗۤ اُمُّ الْكِتٰبِ کو بدا کے مقدمہ میں اور اُسکے بعد لکھا ہے کہ جو شخص کہتا ہے کہ جناب باری نہیں جانتا ہے کسی
چیز کو مگر بعد اُسکے حادث ہونیکے وہ شخص کافر ہے اور بعد اسکے حضرت امام حسن عسکری کا قول لکھا ہے کہ فرمایا تعالی الله الجبار العالم بالاشیاء قبل کونها یعنی
خدا تعالی کہ برتر اور جبار ہے سب اشیاء کو اُنکی پیدا ہونے سے پہلے جانتا ہے اور کثرت سے ہماری روایتیں خدا کے عالم ہونے پر اشیاء کے قبل وجود اُنکی کے منقول
ہیں اور شیخ صدوق علیہ الرحمہ کتاب التوحید میں لکھتے ہیں کہ مراد ہماری بدا سے بدا ندامت نہیں ہے کہ بسبب بے علم ہونیکے پہلی رای میں قباحت ظاہر ہوئی تو نادم ہو
اور دوسری رای سے اُسکو بدلا اور ایسے ہی مذہب مولانا طبرسی اور ابو الفتح کراجکی کا غرض یہ ہے کہ ہمارے سب علماء کا یہی مذہب ہے اور یہ کسیکا مذہب نہیں ہے کہ بسبب بے علمی کے
پہلی رای کو دوسری رای مخالف اُسکی سے اُسکو بدلا ہو اور یہ جو لکھتا ہے کہ خدا کو علم اشیاء کا اُنکی وجود کے بعد ہوتا ہے سو ہم لکھ چکے کہ جو کوئی ایسا اعتقاد رکھتا ہے وہ کافر
ہے یہ بھی خوب بات ہے کہ ایک شخص بلا مذہب مجہول الحال کے قول سے کہ وہ بھی معلوم نہیں کہ راست ہے یا دروغ ہے شیعوں پر اعتراض کرے کہ جو ایسے قول سے بری ہیں اور جو جو
تحقیق نظام الدین مفروض کی ہے وہ سب ہمارے نزدیک کفر کی ہے اور باطل ہے اور شیعوں کا یہ اعتقاد ہی نہیں ہے اور اگر کوئی روایت اُس نے شیعوں کے عقیدہ کے مخالف
اُنکی کتاب میں دیکھی ہے روایات صحیحہ مستفیضہ کے مقابلہ میں تو اُسکا اعتبار نہیں ہے اہل سنت کے کتب صحاح میں روایات تجسیم باری تعالی اور آسمان دنیا پر اُسکا آنا اور جانا موجود
ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اہل سنت کو اُن روایتوں کو دیکھ کر تو شرمانا چاہئے اور ہم کہتے ہیں کہ نظام الدین نے جو لکھا ہے کہ بدا کے یہ معنی ہیں کہ ظهر له رای مخالف
الرای الاول اس سے یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ اُسکو پچھلی رای کا پہلے سے علم نہ تھا بلکہ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالی پہلے اس سے جانتا ہو کہ ہماری اس رائے کے بعد ایک اور رائے
مخالف اسکی ظاہر ہوگی کہ مصلحت اُسوقت اُسی رائے کی ہوگی اور یہ جو تو نے لکھا ہے ترجمہ میں کہ دوسری رائے سوجھی یہ غلط ہے سوجھی تو نے کس لفظ کا ترجمہ کیا ہے اور جب
وقت اُس رای کا آیا تو وہ ظاہر ہوئی اب کہہ سکتے ہیں کہ ظهر له رای مخالف للرای الاول اور اگر نظام الدین سب مسلمانوں پر اعتراض کرکے کہے کہ خدا تعالی قرآن میں

فرماتا ہی حتی نعلم المجاہدین منکم اس آیت سی معلوم ہوتا ہے کہ خدا تعالی کو علم مجاہدین کا بالفعل نتہا بعد اسکے معلوم ہوگا کہ کون جہاد کرتا ہی اور کون
جہاد نہیں کرتا ہی تو اسکا تو بدون تاویل کے کیا جواب دیگا **قال الشیخ الاشعری** اب سنیے کہ متاخرین امامیہ کو کچہہ بدا کے باب میں ہوش آیا ہی اور سنیوں کے اعتراضوں
کو سن سنا کر کچہہ فکر آبرو ہوا ہی اسلیئے بات بدلکر اس بات کے قائل ہوئے ہیں کہ یہ بات فقط خاص اس علم میں ہوتی ہی جس کی کسیکو خبر نہیں کہتے اور جو علوم کہ انبیاء
کو بہیجے جاتے ہیں اس میں خدا جہوٹ نہیں بولتا سو اگر اس بات پر امامیہ جم جائیں تو سنیوں کی طرف سے انکو مرحبا اور آفرین اس صورت میں کلام اللہ کی بات
تو باون تولے پاو رتی کی ہوگی پہر ہمیں کیا ضرورت کہ بدا کے عذر کی وجہ سے کسی اور وجہ سے اثبات مدعا کریں **اقول** متاخرین میں سے کسیکا نام تو لکہا ہوتا کہ فلانی
نے یہ کہا ہی یا اپنی جی سے ہی جوڑکر کہتا ہی اور متقدمین کا مذہب ہم بیان کر چکے انکے کسی قول پر اعتراض ہی نہیں ہوتا ہی پہر سنیوں کے اعتراض سے متاخرین نے کیا
سنی ہونگے اور ہماری متقدمین اور متاخرین کا اس باب میں سب کا ایک مذہب ہے اور اگر اہل سنت افترا کے شیعوں پر اعتراض کریں تو اسکا جواب بجز لعنة اللہ
علی الکاذبین کے کچہہ جواب نہیں ہی اور متاخرین نے ہماری کوئی بات نہیں بدلی ہی اور یہ بہی کسی نے نہیں لکہا ہی کہ یہ بات خاص اس علم میں ہوتی ہی جسکی کسیکو
خبر نہیں کرتے اور جو علوم کہ انبیاء کو بہیجے جاتے ہیں اس میں خدا جہوٹ نہیں بولتا اور اخبار اس مقدمہ میں مختلف وارد ہوئے ہیں بعضی میں تو یہ ہی کہ بدا واقع نہیں
ہوتا ہی اس چیز میں کہ جسکا علم انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کو پہنچا ہی اور بعضے میں یہ ہی کہ وارد ہوتا ہی تو ان اخبار کے جمع کرنے میں البتہ اخوند مجلسی علیہ الرحمہ نے یہ فرمایا
ہی کہ ان احادیث سے کہ جو عدم وقوع بدا پر دلالت کرتے ہیں اسمیں کہ جو انکو پہنچی ہیں یہ مراد ہی کہ جسوقت مامور ہوتے ہیں انکی تبلیغ کے تو انمیں بدا واقع نہیں ہوتا ہی
اور جسوقت کہ لا علی التبلیغ ہوں تو نہیں گنجایش بدا کی ہی اور ایک وجہ یہ ہی کہ جو بر سبیل وحی ہو تو اس میں بدا نہیں ہوتا ہی اور جو بر سبیل الہام ہو تو اسمیں
بدا ہوتا ہی اور ایک وجہ یہ ہے کہ جو کہ مقید بحتم ہی تو اس میں بدا نہیں ہوتا ہی اور اسیواسطے جناب ائمہ علیہم السلام اسکو بقید حتم اظہار فرماتے ہیں اور جو مقید بحتم نہیں ہے
اس میں احتمال وقوع بدا کا ہی اور اسیواسطے جناب ائمہ علیہم السلام بعضی اوقات اسکی طرف اطلاع فرماتے ہیں جیسے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے بعد الاخبار بالسبعین
فرمایا یمحو اللہ ما یشاء اور ایک وجہ یہ ہے کہ مراد ان اخبار سے کہ بدا واقع نہیں ہوتا ہی یہ ہے کہ جسوقت وجہ حکمت کی ظاہر نہ ہو تا کہ تکذیب لازم نہ آئی اور دوسرے اخبار جنمیں
وقوع بدا ہی وہ ہیں کہ حکمت اسکی ظاہر ہو جائے جیسے کہ خبر دی حضرت عیسی نے اس عروس کے مرنے کی سو ہمیں قباحت ہے اور بدا سے ہماری نزدیک وہ ہی مراد ہی جو ہم
بیان کر چکے اور جہوٹ ہمارے نزدیک خدا تعالی ہرگز نہیں بولتا ہی اور جو کوئی خدا کو جہوٹا جانے وہ کافر ہی حضرت جبرئیل نے حضرت عیسی کو خبر دی کہ یہ عروس آجکی شب مر جائیگی
اور حضرت عیسی اور جبرئیل تو خبر غیب جانتے ہی نتہے خدا تعالی کی خبر کرنے سی کہتے تہے کہ وہ مر جائیگی اور وہ نہ مری تو معلوم ہوا کہ تمہاری نزدیک خدا تعالی جہوٹ بولا
اور امامیہ تو جو بات کہتے ہیں اسپر جمے ہوئے ہیں اور بے شک کلام اللہ کی بات باون تولہ پاو رتی ہی لیکن تیرا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا ہی کہ ہم تیری دعوی کو پہلے سے
باطل کر چکے ہیں اسکا بطلان بدا کے ہونے نہونے پر موقوف نہیں ہی **قال الشیخ الاشعری** مگر مانتے ہیں ملا نظام الدین کو کہ سنیوں کی طعن اوٹہائی اور مذہب کے ٹہا لگجانے
سی گہبرائے مذہب کو سنبہالا اور متاخرین کی نالائی یہاں تخصیص میں جو متاخرین نسبت علم مخصوص کے کرتے تہی انکی تکذیب کی اور بہت روایات احادیث مذہب نقل کر کے متاخرین کے بات کو خاک میں
رلایا اور کیونکر نہ رلاوے آخر شیعوں میں بڑے محقق ہیں یہی وجہ ہوئی کہ اس باب خاص میں رسالہ لکہا کہتا ہی بیجا ہی جہوٹ بولنا تو جب خدا جان بوجہہ کر کچہہ کا کچہہ کہدے
اور جب نعوذ باللہ خدا ہی کو غلط معلوم ہو تو پہر خدا کا کیا قصور جو متاخرین کہتے ہیں کہ خدا اپنے دوستوں سی جہوٹ نہیں بول سکتا **اقول** شیعوں میں کوئی نظام الدین
صاحب علم نہیں ہی یہ سب ساختہ پرداختہ مولوی عبد العزیز صاحب کا ہی اور اگر بالفرض تہا تو وہ شیعوں کے مذہب سے خارج ہو گیا اور اسکا قول مثل بول کی ہے اور اسی کا
یہ مذہب ہوگا شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہی اور نہ متاخرین شیعہ کا یہ مذہب ہے جو کچہہ کہ تو انکی طرف منسوب کرتا ہی اور نہ متاخرین نے یہ کہا ہی اور ہمکو اسکا بہی اعتبار نہیں ہے کہ
اس نظام الدین مفروض نے ایسا کہا ہو اسکو تو کوئی شیعہ جانتا بہی نہیں چہ جائیکہ اسکے محقق ہونیکو کوئی جانے اور نہ ہماری روایتیں ہمارے عقیدے کے مخالف ہیں
جو عقیدہ کہ ہمنے لکہا ہی اور اگر کوئی روایت مخالف ہوگی تو اسکا اعتبار نہو گا اہل سنت کی کتاب صحاح میں روایات تجسم اور تنزل خدا موجود ہیں اور ہمارے نزدیک
خدا تعالی نہ عمداً جہوٹ بولتا ہی نہ خطا سی اور جو کوئی ایسا اعتقاد رکہی کہ خدا جہوٹ بولتا ہے وہ ہمارے نزدیک کافر ہی اور جو کوئی ہماری طرف گمان کرے وہ ملعون ہے
بحکم آیت لعنة اللہ علی الکاذبین اور نہ متاخرین نے ہمارے یہ کہا ہی کہ خدا اپنے دوستوں سی جہوٹ نہیں بولتا جہوٹے کا تو بجز لعنت کے کچہ علاج ہی نہیں ہے اور خدا
اگر جہوٹ بولتا ہوگا تو تمہاری نزدیک بولتا ہوگا اور انبیاء علیہم السلام کی غلطیاں تو خود لکہتا ہی چلا آتا ہی اور اب ہم بہی مثل تیری کہتے ہیں کہ اہل سنت میں ایک شخص
مولوی عماد الدین ہیں پانی پت کے رہنے والے مخدوم جی کی درگاہ پر بہت حال کہیلتے تہی انہوں نے ایک کتاب لکہی ہی ہدایة المسلمین اور اسمیں لکہا ہی کہ یہ قرآن خدا کا

کلام نہیں ہے اور نہ اُسمیں فصاحت اور بلاغت ہے کہ فلانا لفظ فصاحت سے خالی ہے اور فلانا جملہ بلاغت سے خالی ہے اس قرآن کو محمدؐ نے بنا لیا ہے اور آیتوں میں اُسکی اختلاف ہے اور
اور تحریف بھی اُسمیں واقع ہوئی ہے یہ مذہب بنا جو کہ اہل سنت کا مذہب ہے بیان کیا اور متاخرین نے ان امور کا انکار کیا مگر جانتے ہیں مولوی عماد الدین کو کہ شیعوں کی طعن
اُٹھائی اور مذہب کے ٹھکانے لگنے سے گھبرائے اور مذہب کو سنبھالا اور متاخرین کی نہ مانی کہ جو وہ انکار کرتے تھے اُنکی تکذیب کی اور بہت اقوال فصحاء عرب کے اور روایات احادیث مذہب
اہل سنت نقل کر کے متاخرین کی بات کو خاک میں رلایا اور کیوں نہ رلاوے آخر سنیوں میں بڑے محقق ہیں یہی وجہ ہوئی کہ اسباب میں خاص کتاب لکھی اور جو کچھ یہ شیخ
نجدی نظام الدین مذکور کی طرف منسوب کرتا ہے اُسکی مطابق ہے میں اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتا ہوں انصاف کے کانوں سے سننا چاہیے کہ نظام الدین کے مذہب کے موافق
اہل سنت کی کتابوں میں بہت روایتیں موجود ہیں چند روایتوں پر اکتفا کرتا ہوں تفسیر درمنثور میں اور ایسی ہی کتاب الاکتفا میں کعب سے روایت ہے کہ زمانہ بنی اسرائیل میں
ایک بادشاہ تھا جس وقت اُسکا ہم ذکر کرتے تو عمر کا ذکر کرتے اور جس وقت عمر کا ذکر کرتے تو اُسکا ذکر کرتے اُس زمانہ کے پیغمبر کو خدا تعالےٰ نے وحی کی کہ اُس بادشاہ سے کہدے کہ جو کچھ
تجھ کو وصیت کرنی ہے کر لے کہ تو تین روز میں مرنیوالا ہے اُس بادشاہ نے سنکر دعا کی تو وہ مرا نہیں اور کنز العمال میں لکھا ہے کہ بنی اسرائیل میں دو بھائی دو بادشاہ تھے ایک نیک
اور عادل تھا اور دوسرا بد افعال تھا خدا تعالیٰ نے اُس زمانہ کے پیغمبر کو وحی کی کہ اس نیک کی عمر میں تین برس باقی رہے ہیں اور اُس ظالم کی عمر میں تیس برس اُس عادل
کی رعیت کو یہ سنکر رنج ہوا تو اُنہوں نے متفق ہو کر دعا کی اُسکی عمر تین برس سے تیس برس کی ہوگئی اور تین برس میں وہ نہ مرا اور مختصر تاریخ بغداد میں بھی بروایت صاحب کنز العمال
یہ روایت لکھی ہے اور مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی بستان المحدثین میں اس روایت کو لکھا ہے اور حیوۃ الحیوان اور تاریخ ابن النجار میں مذکور ہے بروایت ابو ہریرہ کہ رسول خدا
صلعم نے فرمایا کہ تم سے پہلے ایک مرد تھا کہ وہ ایک طائر کے بچے گھونسلے میں سے نکال کر لیجاتا تھا اُس طائر نے خدا تعالیٰ سے شکایت کی خدا تعالیٰ نے وحی کی کہ اگر پھر یہ
شخص ایسا کریگا تو اُسکو میں ہلاک کرونگا وہ پھر اُس طائر کے بچے نکال کر لیگیا لیکن مرا نہیں صدقہ دینے کے سبب سے اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں
بہت ہیں اب میں پوچھتا ہوں کہ خدا تعالیٰ نے جو وحی کی کہ تین روز میں یہ مریگا اور وہ نہ مرا اور یا یہ کہ اُسکی عمر تین برس ہی کی ہے نہ زیادہ کی اور تیس برس
زندہ رہا اور ایسی ہی طائر کے بچے پکڑنیوالے کو کہا کہ اُسکو ہلاک کرونگا اور پھر اُسکو ہلاک نہ کیا تو خدا تعالیٰ کو اُسکا علم تھا کہ وہ صدقہ دیکر بچ جائینگے یا نہ تھا اگر اُسکا علم تھا کہ وہ مرینگے
نہیں اور باوجود علم نہ مرنے کے جو وحی کی کہ یہ تین روز میں مر جائیگا اور ایسے ہی باوجود علم تین برس سے زیادہ کی عمر ہونے کے جو وحی کی کہ اُسکی عمر میں تین برس ہی باقی ہیں نہ
زیادہ تو نعوذ باللہ خدا تعالیٰ نے جھوٹ بات کی وحی کی اور خدا تعالیٰ جھوٹ بولا اور اگر خدا کو پہلے سے اُسکے بچ جانیکا اور تین برس سے زیادہ عمر ہونیکا علم نہ تھا تو یہ وہی عقیدہ ہے جسکو
تو نظام الدین کی طرف منسوب کرتا ہے وہ اور تم دونوں اس اعتقاد میں متفق نکلے اور ہم ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ ان سب روایات
سے جو محقق مذکور نے اثبات مدعا کے لئے نقل کریں یہ ثابت ہوتا ہے کہ بدا کی تین قسمیں ہیں ایک تو بدا فی العلم یعنی خدا نے پہلے سے کچھ جان رکھا تھا پیچھے سے حقیقت الامر کچھ معلوم
ہوئی دوسرے بدا فی الارادہ یعنی پہلے کچھ ارادہ تھا پھر یوں معلوم ہوا کہ یہ ارادہ ٹھیک نہیں ہے تیسرے بدا فی الامر یعنی پہلے کچھ حکم دیا پھر بعد ازاں یوں معلوم ہوا کہ یہ پہلے حکم میں
کچھ غلطی تھی اُس حکم کو بدلکر دوسرا ایسا حکم جس میں کہ وہ نقصان نہو بلکہ مصلحت وقت معلوم ہوتی ہو صادر فرمائیں یہ تینوں آخر خوب ذہن نشین رکھنی چاہئیں ایسا نہو کہ نسخ
سے مشتبہ ہو جائیں کیونکہ نسخ حقیقت میں اسی کو کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہو جاوے اور دوسرے حکم کا زمانہ آ جائے مثلاً رمضان میں روزہ رکھنے کا حکم ہے جب عید ہوئی تو
وہ زمانہ آخر ہوا اور افطار کا زمانہ آگیا اسے یوں نہیں کہتے کہ پہلے حکم میں کچھ غلطی تھی اسلئے موقوف کیا گیا بلکہ وہ حکم اسی زمانہ تک تھا اُسکے بعد دوسرے زمانہ کا حکم آگیا اتنا فرق ہے
کہ کہیں پہلے سے زمانہ کے مقدار کی اطلاع ہو جاتی ہے جیسے مثال مذکور میں اطلاع ہے اور کہیں نہیں ہوتی وقت ہی پر ہوتی ہے مثلاً حضرت عیسیٰؑ کی شریعت
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ تک تھی یہ بات سوا خداوند کریم کوئی نہیں جانتا تھا اور جو کوئی جانتا تھا بھی تو یہ نہیں جانتا تھا کہ وہ زمانہ کس وقت آئیگا
اقول وہ روایتیں کہ جو تمہارے اُس محقق نے اثبات مدعا کے لیے نقل کی ہیں وہ ہماری کتابوں کی روایتیں نہیں ہیں کہ جنسے بدا کی تین اقسام نکلتے ہیں تو بھی
جھوٹا ہے اور وہ بھی جھوٹا ہے اور ہماری کتاب کی اگر کوئی روایت ہے تو اُسکو بیان کیا ہوتا کہ کس کتاب کی وہ روایت ہے اور یہ تینوں قسمیں بدا کی جو نکالی ہیں یہ سب
باطل ہیں نہ ہمارے نزدیک بدا فی العلم کوئی چیز ہے نہ بدا فی الارادہ اور نہ بدا فی الامر ہم ان سب کو باطل اور انکے معتقد کو کافر جانتے ہیں اور ہمارے نزدیک تو وہ بدا معتبر ہے
کہ جس میں سے ایک نسخ بھی ہے اور نسخ کی تفسیر جو کچھ تو نے بیان کی ہے اُسکو نسخ نہیں کہتے ہیں یہ تو احکام سال کے ایام ہیں کہ فلانے مہینے میں ایسا کرنا چاہیے اور فلانے
ایسا کرنا چاہیے اور ہر سال میں یہ احکام پھرتے رہتے ہیں اور نسخ میں یہ ہے کہ پہلا حکم جاتا رہتا ہے اور دوسرے حکم کے کرنیکا حکم ہوتا ہے جیسے والذین عاقدت ایمانکم کی
تفسیر میں لکھا ہے کہ حلیف کو چھٹے حصہ میں وراثت تھی اور آیت اولو الارحام کے نازل ہونے سے وہ حکم جاتا رہا اور باعتبار قرابت کے وارث ہوتے تھے اور جب آیت توریث قرابت نازل

تا آں ہوئی تو وہ معلوم نہ ... تا او جیسے ... کا معلوم نہ تھا اور پھر منسوخ ہوگیا اور اگرچہ نسخ اسکو بھی کہتے ہیں کہ ایک حکم کا زمانہ آخر ہوجاوے اور دوسرے حکم کا زمانہ آجاوے لیکن یاں ... ہیں یہ مثال صحیح نہیں ہوسکتی جیسا کہ ہم لکھ چکے اور دوسرا حکم اسوقت کی مصلحت کے واسطے تھا جسکو خداتعالی روز ازل سے جانتا تھا کہ فلانے وقت اس مصلحت ایسی ہوگی تو پہلے حکم کو موقوف کرکے دوسرا حکم دینگے اور غلطی ندا اسے تیرے نزدیک ہوتی ہوگی یا تیرے بھائی نظام الدین مفروض کے نزدیک امام غلطیاں انبیا علیہم السلام کی تو تو لکھتا چلا آتا ہے اگر تیرے نزدیک خدا سے بھی غلطی ہوجاتی تو کیا عجب ہے اور شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے جو کچھ تو کہتا ہے اور نیز افترا کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ بدا فی الامر جسے شیعہ بدا فی التکلیف کہتے ہیں وہ بھی وہی نسخ اور یہی بدا کی یہ صورت ہے کہ رمضان کے مثلاً روزہ رکھنے کا حکم دیا اور جبتک نقصان اسمیں معلوم نہوتا تھا اسی لئے جبتک یوں ٹھیرایا تھا کہ یہ حکم فلانے وقت تک رہیگا پھر لیا ایک یہ سوجھی کہ مصلحت وقت کے خلاف میں ہے اسلئے اسکو بدل دیا جب بات سمجھ میں آگئی تو اس ہیچمدان کی گزارش بھی سنیے کہ یہ صورت بدا فی التکالیف کے واقع ہونیکے بدا فی الارادہ بھی جسے بدا فی التکوین بھی کہتے ہیں لازم ہوگا کیونکہ بدا فی الارادہ تو اسی ہی کہتے ہیں کہ جو کسی مصلحت تازہ کے پہلا ارادہ سے پلٹ جاوے تو جب مصلحت ہی کے لحاظ سے حکم بدلا گیا تو پہلا ارادہ جو اس حکم کی ہمیشگی کا تھا وہ آپ بدلا گیا اور اسیطرح بدا فی الارادہ کو بدا فی العلم جسے بدا فی الاخبار بھی کہتے ہیں لازم ہے اسلئے کہ ارادہ تو نئی مصلحت کے معلوم ہونے پر بدلتا ہے پھر جب مصلحت تازہ معلوم ہوئی تو لاجرم یہ بات صحیح ہوئی کہ جو علم اب حاصل ہوا وہ پہلے نتھا اور جو پہلے تھا وہ اب غلط معلوم ہوا تب ہی بدا فی العلم کہتے ہیں سو اگر شیعوں میں سے کوئی بدا فی الامر اور بدا فی الارادہ کا تو قائل ہو اور سنیوں کے سامنے بدا فی الاخبار سے مکر جائیں تو یہ مکر جانا پیش نہ جائیگا **اقول** ارے اکذب الکاذبین شیعوں کے نزدیک نہ بدا فی الامر کوئی چیز ہے نہ بدا فی التکلیف تو نے مولوی عبدالعزیز صاحب کی ... ہوکا ... اپنی عاقبت کیوں خراب کی اور جو کچھ تو نے مثال ماہ رمضان کے روزہ کی دی ہے یہ تیرے نزدیک شیعوں کے نزدیک نہیں ہے اور شیعوں کے نزدیک یہ بھی نہیں ہے کہ ایکایک سوجھی بلکہ انکے نزدیک تو یہ ہے کہ وہ ہر امر کے حسن اور قبح کو روز ازل سے جانتا تھا اور بدا انکے نزدیک مثل نسخ کے ہے اور تو جو لکھتا ہے کہ اس ہیچمدان کی سنیے تو کیا تو اپنے باواجی کے گھر سے لایا ہے اور مولوی عبدالعزیز صاحب دروغ نویس مفتری کی لکھنے سے تو لکھتا ہے اور بدا فی الارادہ تو کوئی چیز ہی ہمارے نزدیک نہیں ہے اور بدا فی التکوین تو مثل بدا تشریعی کے ہے جیسے کہ کسیکی عمر کا بڑھانا اور گھٹانا اور روزی کا دینا اور کم کرنا باعتبار مصلحت کے ہوسکتا کہ علم پہلے سے رکھتا تھا نہ کہ اب سوجھی میر باقر داماد علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں منزلت بدا در تکوین منزلت نسخ است در تشریع پس نسخ گویا بدا تشریعی است و بدا نسخ تکوینی پس نسخ چنانچہ انتہای حکم ست بدا انتہای افاضہ وجود است اور بدا تکلیفی اور بدا ارادی تو باطل ہے اسواسطے کہ کوئی دلیل انکے وقوع کی شیعوں کی کتابوں میں نہیں ہے اور جبکہ وقت یہ باطل ہوئی تو بدا فی العلم بھی لازم نہ آئیگا اور جو شخص کہ یہ اعتقاد رکھتے کہ خداتعالی کو جو علم اب حاصل ہوا وہ پہلے نہ تھا اسکو ہم کافر جانتے ہیں اور جو شخص افترا کرکے شیعوں کے اس اعتقاد کا اسپر شیعہ لعنت کرتے ہیں اور بدا فی الامر اور بدا فی الارادہ کا شیعوں میں کوئی قائل نہیں ہے یہ قول تمکو اور تمہارے بھائی جیلانی ہی کو مبارک ہو اور شیعہ تو اس قول کے قائل سے تبرا کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** حاصل کلام یہ ہے کہ شیعوں کے نزدیک مسئلہ بدا مجمع علیہا ہے اگر وہ آیات مذکورہ کے دباؤ سے سنیوں سے امن چھڑانے کو یوں کہنے لگیں کہ اگر تم اپنے پیشواؤں کی بزرگی کلام اللہ سے ثابت کرتے ہو تو ہمنے مانا کلام اللہ میں ایسا ہی ہے جیسا تم کہتے ہو لیکن کلام اللہ کا نعوذ باللہ کیا اعتبار خدا کی رای گھڑی گھڑی بدلتی رہتی ہے اور نعوذ باللہ غلط صحیح رطب یابس سب کچھ کلام میں ہوتا ہے ہمارے ائمہ کو البتہ علم ما کان و ما یکون تھا انکے اقوال سے اگر انکی بزرگی ثابت ہو تو ہمتیک ہم تسلیم کریں **اقول** البتہ شیعوں کے نزدیک وہ بدا ہے جسمیں خدا کی جہل کا احتمال ہو اور جسمیں ہم بھی خدا کی جہل کا توہم ہو وہ باطل ہے اور یہی بدا ہمارے ائمہ معصومین کے نزدیک ہے جسکو علماء اہل سنت لکھتے ہیں کہ ائمہ روافض نے اپنی شیعوں کے واسطے بدا مقرر کیا ہے چنانچہ فخر رازی نے آخر کتاب محصل اور شہرستانی نے ملل نحل اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے حاشیہ کید صد و ہفتم میں اور سوا اسکے بہت علماء اہل سنت نے لکھا ہے اور حاصل سب کا یہ ہے کہ ائمہ روافض نے دو مقالے اپنے شیعوں کے واسطے وضع کیے ہیں اسواسطے کوئی اُنپر غالب نہیں ہوسکتا ایک تو بدا کہ جسوقت وہ اپنی تابعین کو خبر دیتے ہیں کہ انکے لئے شوکت اور قوت ہوگی اور وقوع میں نہیں آتا ہے تو کہتے ہیں کہ اسمیں بدا واقع ہوا ہے اور دوسرے تقیہ کہ جب کوئی کلام کرتے ہیں اور بعد اسکے بطلان اُسکا واضح ہوتا ہے تو کہتے ہیں ہمنے تقیہ سے کہا تھا اور آیات مذکورہ سے جو تم ثابت کرتے ہو اسکو تو ہم رد کرتے چلے آئے ہیں اور آیات سے تو ہمارا ہی مطلب ثابت ہوتا ہے نہ تمہارا اگر دیا ؤ آیات کا ہے تو تمپر ہے اور قرآن ہی سے ہم تمہارے بزرگوں کی بے ایمانی ثابت کرتے ہیں بزرگی کہاں تھی اسواسطے کہ کلام اللہ کی آیتوں میں مجمل یہ لکھا ہے کہ جو کوئی ایمان لائے اور ہجرت کرے اور جہاد کریگا تو اُسکے واسطے مغفرت اور اجر عظیم ہے اور نام کسیکا لکھا نہیں ہے اور ایسے ہی یہ بھی لکھا ہے کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہوجائیگا تو اُسکے واسطے جہنم ہے سو اب ہم رجوع کرینگے طرف روایات فریقین کے اگر ان روایات فریقین سے کسیکا ارتداد ثابت ہوتا ہے تو ہم اُسکو بزرگ کیونکر کہنے لگیں گے اور تمہارا حال یہ ہے کہ بموجب نُؤْمِنُ بِبَعْضِ الْكِتَابِ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ مغفرت کی آیات کو تو صحیح جانتے ہو اور ارتداد کی آیات کو غلط سمجھتے ہو اور جنکی

بزرگی ثابت ہی کلام اللہ سے کہ وہ تادم والپسین ایمان صحیح پر قائم رہے ہیں انکو ہم مانتے بھی ہیں اور ایسا ہی ہے جیسے کہ تم کہتے ہو نہ کل صحابہ مثل ثلاثہ وغیرہ کے جو اپنے ایمان پر قائم نہیں رہے اور کلام اللہ تو ہمارا ایمان ہی اور ہمارے نزدیک اُسکے برابر کوئی کتاب معتبر نہیں ہے اور جو کچھ اسمیں ہے سب حق ہی اور معتبر تمہارے ہی نزدیک وہ نہیں ہے کہ اُسکی بعضی آیتوں پر تم عمل نہیں کرتے ہو اور بعضی پر کرتے ہو اور جو کچھ کلام اللہ میں ہے ہمارے نزدیک سب صحیح ہی اور غلط بعضی آیتوں کو تم ہی جانتے ہو نہ ہم اور بعضے صحابہ کے عیوب کو ہم اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرتے ہیں بدا کو اُس سے کچھ تعلق نہیں ہی اور خدا کی رائے کا بدلنا گھڑی گھڑی تو خدا ہی کے کلام سے ثابت ہے چنانچہ فرماتا ہے یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ اور فرماتا ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِی شَأْنٍ اور فرماتا ہے یَفْعَلُ اللّٰہُ مَا یَشَاءُ اور خدا تعالیٰ کا معطل بیٹھا رہنا اور کچھ نکرنا یہودیوں کا اعتقاد ہی اور یہ بدا صحیح جسکے ہم معتقد ہیں وہ یہودیوں ہی کے اعتقاد کے رد کے واسطے ہے اور تمہارا اور یہودیوں کا اعتقاد خدا تعالیٰ کے بیکار رہنے میں ایک ہے تم اس مقدمہ میں یہودیوں کے پیرو ہو اور ہمارے ائمہ علیہم السلام کو جو کچھ علم ہے وہ خدا ہی کی جانب سے ہی اور آپ ہی کا تعلیم کیا ہوا ہے کہ خدا سے انکو پہنچا ہے رسولخدا صلعم کے واسطے سے اور بعد رسولخدا صلعم کے جس چیز کے علم کو وہ چاہتے تھے تو خدا تعالےٰ انکو الہام کر دیتا تھا اور علم ماکان مایکون کا ذکر بعد اسکے تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ بیان ہوگا کہ اہل سنت کی کتابوں سے بھی ہم اسکو ثابت کرینگے اور یہ بھی ہم لکھینگے کہ مراد علم ماکان مایکون سے کیا ہی اور تمہارے نزدیک تو ہر دیندار اور جولاہے کو علم ماکان مایکون تھا نفحات الانس جامی کو اور تذکرۃ الاولیا کو دیکھ لو اور بیشک ہمکو تمسک ائمہ معصومین علیہم السلام ہی کی ارشاد سے ہی کہ کلام انکا وہ ہی کہ جو کلام خدا کا اور رسولخدا کا ہی اور ہمکو انکی ہی پیروی کا حکم ہی موافق ارشاد رسولخدا صلعم کے کہ فرمایا ہے حضرت نے انی تارک فیکم الثقلین ان تمسکتم بھما لن تضلوا بعدی کلام اللہ و عترتی اہلبیتی **قال الشیخ الاشعری** اس صورت میں ہمیں بھی یوں لازم ہی کہ شیعوں کی اس حجت کو بھی ختم کر دیں اسلئے سامعہ خراش اہل انصاف ہوں کہ یہی بدا ہے تو اول تو ہمیں چہار دہ معصوم کی مغفرت میں کلام ہے نعوذ باللہ اور شیعوں کا تو دنیا ذکر جیسے اصحاب کرام سے وعدہ ہا مغفرت اُنکے بعذر بدا پھر گئے اگر حضرت ائمہ کے ساتھ بھی یہی صورت پیش آئی ہو تو فرمایئے امور خدا پر کیا دباؤ ہے خاصکر یہ بہانہ بھی موجود ہو کہ انکے تقیہ و نامردہ پن نے تمام دین کا ستیاناس کر دیا **اقول** اس مقدمہ میں شیعوں کی حجت بدا نہیں ہے اور بدا کو اس سے کیا تعلق ہی اور حجت تو شیعوں کی کلام اللہ اور روایات کتب اہل سنت ہیں اور جس بدا کو تو لکھتا ہی وہ بدا تو ہمارے نزدیک باطل ہی اور بدا صحیح وہ ہے کہ جس میں جہل خدا لازم نہ آئے اور چہاردہ معصوم میں بدا کی کوئی صورت نہیں ہی اور نہ ہم صحابہ میں بدا کو دخل دیتے ہیں اور چہاردہ معصوم کی مغفرت یقینی اسواسطے ہی کہ اُنسے کوئی فعل خلاف ایمان کے صادر نہیں ہوا اور بعضے صحابہ سے صادر ہوئے ہیں چنانچہ کتب اہل سنت اسپر دلالت کرتی ہیں اور بدا کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور خدا تعالےٰ نے جو صحابہ سے وعدہ کیا تھا مغفرت کا تو یہ بھی کہدیا تھا کہ جو کوئی تم میں سے ایمان سے پھر جائیگا تو اُسکی مغفرت نہوگی اور بعضے جو اُنمیں سے ایمان سے پھر گئے اور خدا تعالیٰ نے انکو نہ بخشا تو خدا تعالےٰ کے وعدہ میں کچھ فرق نہیں آیا اور جو لوگ کہ اپنے ایمان پر قائم رہے آخر انکو جنت اور اجر عظیم بخشا اور بعضے صحابہ سے جو خدا تعالےٰ وعدہ کرکے پھرا تو انکے ارتداد کی جہت سے پھرا نہ بعذر بدا اور اماموں کا اگرچہ خدا پر کچھ دباؤ نہیں ہے لیکن اُنسے یہ صورت پیش ہی نہیں آسکتی کہ وہ تو پاک اور صاف تھے اور تقیہ تو قرآن اور کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ بعد اسکے تقیہ کے ذکر میں بیان ہوگا اور تقیہ کو نامردی نہیں کہہ سکتے کہ وہ شعار انبیاء کا ہی جیسا آئندہ تجھ کو معلوم ہوگا اور وہ تو جو کچھ کرتے تھے مصلحت کی راہ سے کرتے تھے ظالموں کے ظلم سے جیسے کہ خدا تعالےٰ نے جو کرایا ہی مصلحت سے کرایا ہی حضرت موسیٰ بھاگے چلے جاتے تھے فرعون کے خوف سے طرف مدین کے اور جناب رسولخدا صلعم کو مکہ معظمہ میں قتل کرنا چاہا تو یہ حکم دیا خدا نے کہ مدینہ منورہ کو چلا جا اور اپنے حبیب کو اور حضرت موسیٰ کو خدا تعالیٰ بچا نہ سکا انکے شہروں میں ہجرت کرنیکا حکم دیدیا تو تیرے نزدیک یہ خدا تعالیٰ کی اور جناب رسولخدا کی نامردی ٹھیری اور خدا تعالےٰ کا حکم تھا کہ لَا تُلْقُوا بِاَیْدِیکُمْ اِلَی التَّهْلُکَةِ اسواسطے بموجب حکم خدا کا بند موتے تھے اور ثلاثہ کے معتقدین کے ظلم سے اپنی جان کو بموجب حکم خدا بچاتے تھے لیکن اماموں کو تو باوجود اس تقیہ کے بھی زہر دلوا کر قتل کروا ڈالا تمہارے بزرگوں نے اور تیرے ثلاثہ کے معتقدین نے اور دین کا تو انہوں نے کچھ ستیاناس نہیں کیا دیکھ انکا دین کیسا روشن ہو رہا ہی اور اگر دشمن عداوت کی جہت سے انکی طرف رجوع نکریں تو انکا کیا نقصان ہی دین کا ناس کیا اہل سنت کی بزرگوں نے کہ جھوٹی روایتیں وضع کروائیں اور علماء نے انکی خوشامد میں و طمع زر میں جھوٹی روایتیں بنا کر دین کا ستیاناس کیا اور یہ سب باتیں اہل سنت کی کتابوں سے **قال الشیخ الاشعری** پھر تیسرا امام آخر الزمان نے تو نعوذ باللہ یہ ستم ڈالے ہیں کہ باوجود یکہ دوست دشمن کی خبر نہ بالیقین معلوم ہے کہ تمام ملک ایران میں مخلصان شیعہ سالہا سال سے منتظر زیارت و مشتاق ملازمت بیٹھے ہیں جان و مال فدا انکو تیار ہیں ادھر ہندوستان میں روز بروز ترقی تشیع ہے امام کے انتظار میں مرے جاتے ہیں اگر حسب حال انکے یہ شعر کہا جائے تو بجا ہے ع اے اشتیاق رویت دلہا کباب کردہ * سیلاب اشتیاقت جانہا خراب کردہ * معہذا اپنی موت اپنے اختیار میں ہی اور تیسرے یہ معلوم کہ میں فلانے وقت سے پہلے نہ مرونگا باوجود اس فراہمی اسباب و انتظار احباب کے خدا جانے کیا نامردہ پن ہے کہ روز بروز زیادہ ہی چھپتے جاتے ہیں

اور باہر نہیں آتے اگر خدانخواستہ کچھ اندیشہ ہوتا رسول اللہ صلعم کے ساتھ تو کل تین سو تیرہ ہی آدمی جمع ہونے پائے تھے جو جہاد شروع کر دیا پھر وہ بھی بزعم شیعہ اکثر منافق اور منافق
نہیں تو ایسے مخلص بھی نہ تھے جیسے امام زمانہ امام زماں ہی اخلاص و محبت رکھتے ہیں اور مخلص تھے جب شہادت امامت حضرت امیر چھپائی بلکہ خلافت اور سوا اسکے اور حقوق اہل بیت
دبا بیٹھے بہر حال جائے حیرت ہے کہ باایں ہمہ سامان امن و اطمینان غیبت امام کی انتہا ہی نہیں کہیں اماموں کا یہ نسبت ماکان ومایکون کے عالم ہونا غلط ہی یا شیعوں کی
دوستی غلط اور ہم جانتے ہیں کہ یہ صحیح ہے ایک دوستی کی آڑ میں ہزار عیب اماموں کے ذمے لگاتے ہیں چنانچہ کچھ کچھ تو اس رسالہ کے دیکھنے والوں کو بھی واضح ہو جائیگا الحاصل
امام زماں با اینہمہ انتظار احباب و فراہمی اسباب دہر بھر ہر طرح سے بے اندیشہ غار سر من رای سے باہر تشریف نہیں لاتے اور دین محمدی اور امت احمدی کی خبر نہیں لیتے
کہ کس گمرہی میں پھنسے ہوئی ہی دین ابوبکر بجائے دین محمدی اور بیاض عثمانی بجائے کلام ربانی دوازدہ امام کے بدلے ابوحنیفہ شافعی اس گمراہی سے زیادہ اور
کیا گمراہی ہوگی جسکا انتظار ہوگا الغرض اور اماموں کو تو یہ بھی عذر تھا کہ ہم بے بس و بیکس ہیں امام زماں جو باہر تشریف نہیں لاتے تو انکو کیا عذر ہی **اقول** پہلے
اس سے ہم قرآن کے ذکر میں اور بعد اسکے بھی اہل سنت کی کتابوں سے مثل فتوحات مکیہ اور یواقیت و جواہر اور رسالہ مناقب ائمہ اطہار شیخ عبدالحق دہلوی اور روضۃ الاحباب
اور تذکرہ خواص الامت سبط ابن جوزی اور شواہد النبوت وغیرہ کے امام آخر الزمان کا پیدا ہونا اور موجود ہونا یہانتک کہ اہل سنت کے اولیاء اللہ کا انسے ملاقات ہونا بھی
اس سے دو جگہ تفصیل سب کچھ لکھ چکے ہیں اور ثابت کر چکے ہیں اب جو وہ ظاہر نہیں ہوتے ہیں تو یہ اعتراض مابہ الاشتراک دونوں فرقوں پر ہی سنیوں پر بھی اور
شیعوں پر بھی شیعوں کی کیا تخصیص ہے اور بعضے متعصب مثل مولوی عبدالعزیز صاحب اور ابن حجر صاحب صواعق محرقہ کے کہ جو تعصب میں تیر سے زیادہ سخت ہیں
اگر امام مہدی کے وجود کا انکار کرتے ہیں تو کیا ہوتا ہے بہت ہوگا تو یہ ہوگا کہ اس مقدمہ میں اہل سنت کے نزدیک اختلاف پایا جائیگا لیکن اختلاف کی صورت میں ایسا
سخت نہیں لکھتے ہیں کہ اس لئے یہ ستم ڈالے ہیں اور بڑا نامرد ہے جو اب تک غار سر من رای سے باہر نہیں نکلتا سو ستمگار تو تیرے ثلاثہ تھے کہ تجھ کو بھی انکے ظلم کی خبر ہے
اور نامرد بھی وہ ہی تھے کہ جو رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر چند آدمیوں کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور وہ تو حیدر کرار کا پوتا ہے جسکے دادا نے صفیں کفار
کی مارے تلواروں کے برہم و درہم کر دیں اور جس وقت وہ نکلیگا تو تمام عالم کو زیر کر کے اپنے قبضہ میں کر لیگا اور جس وقت کہ تو جانتا ہی کہ لاکھوں شیعہ انکی ملاقات کے مشتاق
ہیں اور انکے خروج کے منتظر ہیں تو پھر نامردی کی کون بات ہے لیکن تجھ کو برا کہنے کے واسطے ایک یہ بھی بہانہ سہی اور تو امام مہدی کو برا کیوں نہ کہے کہ تیرا خلیفہ حق
اور امام مصدق معاویہ بن ابی سفیان انکے دادا علی مرتضیٰ کو گالیاں دیا کرتا تھا اور جس وقت کہ وہ باوجود کثرت اتباع اور معتقدین کے جو خروج نہیں کرتے ہیں تو اس صورت
میں انکو نامرد نہیں کہہ سکتے ہیں معلوم ہوا کہ کوئی مصلحت ہے اور جو وقت کہ انکے خروج کا خدا تعالیٰ کے نزدیک مقرر ہی اسیوقت نکلیں گے اس سے پہلے کیونکر نکلیں اور
انکا نکلنا کثرت انصار پر موقوف نہیں ہی بلکہ مصلحت خدا پر موقوف ہے جس وقت انکو الہام ہوگا اور زمین جور اور ظلم سے پر ہو جائیگی اسوقت نکلیں گے بموجب حدیث کے کہ
بعد ما ملئت ظلماً وجوراً اسمیں ہی اور انکا نکلنا کثرت پر انصار کے اسواسطے موقوف نہیں ہی کہ جس وقت نکلیں گے اسوقت ابتدا میں تو کل تین سو تیرہ ہی آدمی انکے ہمراہ
ہونگے جسقدر کہ پہلے رسول خدا صلعم کے ہمراہ تھے اور ایک وجہ امام آخر الزمان کے دیر کر کر خروج کرنے میں یہ ہی کہ تاکہ شیعہ انکے انتظار میں ثواب حاصل کریں جیسے کہ قیامت کے
انتظار میں ثواب حاصل کرتے ہیں اور اگر انسے کہا جاتا کہ ہزار برس یا دو ہزار برس کے بعد خروج کرینگے تو وہ مایوس ہو جاتے بلکہ کہتے ہیں انکی تسلی اور انتظار کھینچنے کے واسطے کہ
بہت جلد خروج کرینگے تاکہ شیعہ ہمیشہ انکے مشتاق زیارت رہیں کہ موجب انکی مزید ثواب کا ہو اور جس وقت وے خروج کرینگے تو کفار کو قتل کرینگے اور جو مومنین کہ انکی اصلاب میں ہیں
وہ متولد ہوتے نہ پائینگے اسواسطے بھی انکے خروج میں دیر ہی کہ وہ مومنین پیدا ہو لیں تو خروج کریں اور جو لوگ کہ اہل سنت میں سے انکے موجود ہونیکے قائل نہیں ہیں یہ تو وہ
بھی کہتے ہیں کہ وہ پیدا ہونگے پھر کس واسطے خدا تعالیٰ انکو پیدا نہیں کرتا ہی کہ لوگ گمراہ ہوئے جاتے ہیں نصاریٰ کا تمام عالم میں غلبہ ہو گیا ہی بڑی سلطنت مسلمانوں میں
توران اور روم کی تھی سو توران پر تو قبضہ روسیوں کا ہو گیا اور رومی انسے مغلوب ہو گئے اور لوگ نصرانی ہوئے جاتے ہیں پھر خدا تعالیٰ کس روز امام مہدی کو پیدا کریگا
اور یہ جو لکھتا ہے کہ امام مہدی کی موت انکے اختیار میں ہے شیعوں کے نزدیک یہ لکھنا اسکا بالکل غلط ہی اور ہماری روایتوں میں ہرگز ایسا نہیں ہی اور جس روایت سے
یہ سمجھا ہی اس مضمون کو یہ اسکا مضمون ہی نہیں ہی بلکہ مضمون اسکا یہ ہی کہ جس وقت موت آتی ہی تو وہ اسکو اختیار کرتے ہیں اور پسند کرتے ہیں مکروہ نہیں جانتے اور موت
انکے اختیار میں کیونکر ہو کہ بے اختیاری میں تو وہ مارے گئے ہیں کسیکو تو قتل کیا اور کسیکو اہل سنت کے بزرگوں نے زہر دلوایا اور یہ مطلب اس روایت سے نہیں ہی کہ انکو
اختیار ہی جب چاہیں مریں جب چاہیں نہ مریں اور موت آئے تو اسکو ٹالدیں یہ اعتقاد گمراہوں کا ہی ایسی ایسی ہی باتیں جھوٹی بنا کر ہماری طرف منسوب کرتے ہیں عوام کے
نفرت دلانے کے واسطے اور نہ مرنے کا حال انکو معلوم ہو سکتا تھا کہ کس وقت مرونگا ہاں اگر خدا تعالیٰ الہام کر کے بتلا دے تو ہو سکتا ہے اور اہل سنت کے مذہب

میں تو جولاہوں اور دھنوں کو الہام ہونا لکھا ہے اور وہ تو اولاد رسول خدا صلعم تھے اور نام دہ بن امام زمانہ کا جواب میں لکھ چکا اور جسوقت حضرت امام آخر زماں کو حکم جہاد کا ہوگا تو اُس وقت
اُنکے ہمراہ تین سو تیرہ ہی آدمی ہونگے اور امامیہ سب اصحاب رسول کو منافق نہیں جانتے ہیں اور جن لوگوں نے تلوار کی ہے رسولخدا کی ہمراہ ہوکر وہ بھی مخلصین ہی میں سے تھے
اور جیسے کہ امامیہ کو اخلاص ہے امام زماں سے اور ایسے ہی امام صحابہ مخلصین سے ہے شہادت امامت اُنہوں نے نہیں چھپائی تھی بلکہ رحبہ مسجد کوفہ میں شہادت ادا کی اور وقت خلافت
ابوبکر کے شیخین کی جعلسازی سمجھکر کہہ سکے اور بعضوں نے جو حقوق اہل بیت دبائے ہیں اُسمیں کیا شک ہے یہ تو سب اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہوا ہے اور سامان ورامن کا
جواب بھی ہم لکھ چکے اور جس طرح کے اماموں کو علم ماکان ومایکون تھا اُسکو ہم لکھ چکے وہ سب صحیح ہے اور دوستی بھی شیعوں کی اُن سے صحیح اور کامل ہے اور اُنکی دوستی کی آڑ میں
اُنکو کچھ عیب نہیں لگاتے اسکو سب جانتے ہیں بلکہ اُنکے فضائل بیان کرتے ہیں اور اُنکے دشمنوں پر لعن اور تبرا کرتے ہیں اور جو کچھ تونے اس رسالہ میں ہیچ اور واہی لکھا ہے
ہمنے وہ سب رد اور باطل کردیا ہے اور امام زماں جو بانیہ نہ تھا اور فراہمی اسباب نہیں نکلتی ہیں اسکا جواب تو ہم لکھ چکے اور دین محمدی اور اُمت محمدی کی خبر لینی خدا کے
اوپر ہے کہ اُس نے گمراہی میں ڈال رکھا ہے تمہارے مذہب کے موافق اور امام مہدی کو پیدا نہیں کرتا ہے کہ وہ ہدایت کریں اور دین ابوبکر بجائے دین محمد نہیں ہے دین محمدی
بجائے خود موجود ہے کہ وہ مذہب شیعہ ہے اور سوائے دین محمدی کے بہتیرے مذہب روئے زمین پر ہیں ہنود اور نصارا اور بت پرست ایسے ہی ایک دین ابوبکر ہے لیکن اسقدر فرق ہے
کہ وہ کفار ہیں اور یہ دین مسلمانوں کے دین میں سے ہے اور قرآن کو اگر بہ انس عثمانی اس اعتبار سے کہیں کہ وہ عثمان کا جمع کیا ہوا اور ترتیب اُسکی موافق رائے عثمان کے ہے
تو اسکا کچھ مضائقہ نہیں ہے لیکن کلام تو وہ خدا ہی کا ہے اسواسطے ہمارا اعتقاد اُس سے ہے اور عثمان نے اگر اُسکو جمع کرلیا ہے تو کیا ہے وہ کلام اُسکا تو نہیں ہے اور ابوحنیفہ اور شافعی
اگر ہیں تو ہمارے دین میں تو نہیں ہیں وہ تو ابوبکر کے دین میں ہیں اور ہمارے دین میں تو وہی دوازدہ امام ہیں اور دنیا میں تو بہتیرے مذہب ہیں اور اُن میں علما بھی ہیں
ہمکو اس سے کیا نصارا میں پادری ہیں ہنود میں پنڈت اور اگر ابوحنیفہ و شافعی ہیں تو سنیوں کے مذہب میں ہیں ہمارے مذہب میں تو نہیں ہیں جسکا مذہب حق ہے اور
اگر خلقت گمراہ ہے تو اُسکا انتظام خدا کو کرنا چاہیے کہ حکم دیوے امام مہدی کو خروج کا اور اگر پیدا نہیں کئے ہیں تو اُنکو پیدا کرے اور اماموں کے بےبس اور بیکس ہونے میں
کیا شبہ ہے کہ اہل سنت کے بزرگوں نے اور معتقدین ثلاثہ نے اُنکو مخذول اور منکوب کرکے قتل کیا کسیکو تلوار سے شہید کیا اور کسیکو زہر دلواکر اور امام آخر الزماں کو بھی مدت سے
کہ اب تک حکم خدا کا اُنکے خروج کے مقدمہ میں نہیں ہوا ہے اور اُنکا خروج کثرت اسباب پر موقوف نہیں ہے بلکہ حکم خدا پر موقوف ہے جبکہ خداتعالی کی مصلحت ہوگی تو حکم خروج کا
فرمائیگا **قال الشیخ الاشعری** درصورتیکہ بدا کو تم تسلیم کرلیں تو یہ بے انتظامی تمہاری یہ اعتقاد کے موافق بجز اسکے سمجھ میں نہیں آتی کہ خدا سے دوازدہ امام
کے مقرر کرنے میں بڑی چوک ہوئی ابوبکر عمر عثمان کو مقرر کرنا تھا جو دین کی رونق دیتے اور بے انتظامی نہ ہوتی العقل لا یہ سمجھ اسکے اور کچھ توجیہ بن نہیں پڑتی
ہاں اگر اسکے قائل ہوجائیں کہ خدا کے ذمہ یہ واجب نہیں کہ جو بندہ کے حق میں اصلح ہو وہی کیا کرے تو البتہ یوں بھی کہہ سکیں لا یسئل عما یفعل وہم یسئلون یعنی خدا سے
کوئی یوں نہیں پوچھ سکتا کہ یوں کیوں کیا اور خدا سب سے پوچھ سکتا ہے کہ تم نے یوں کیوں کیا یہ حال عجب نہیں جو بدا واقع ہوا ہو اور امام زماں کی معزولی کا حکم صادر ہوچکا
ہو اور شاید یہی وجہ ہے کہ تخمین سے زیادہ امام کو غیبت میں گذری **اقول** تو بدا ہمارے نزدیک اس بدا میں کچھ قباحت نہیں اور اہل سنت کے نزدیک بھی وہ مذموم
نہیں ہے چاہے تو تسلیم کر چاہے نہ کر اور جس بدا کو تو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اُس بدا کے معتقد کو ہم کافر جانتے ہیں اور بے انتظامی لوگوں کی بداعمالی کی جہت سے
ہے بدا کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور اس بے انتظامی کا اعتراض تیرا امامیہ پر نہیں ہے بلکہ خدا پر ہے کہ وہ امام زماں کو پیدا نہیں کرتا ہے تاکہ وہ انتظام کریں ورنہ خداتعالی
نے دوازدہ امام کو بہت مناسب سمجھکر مقرر کیا تھا اگر لوگوں نے شامت نفس اور خبث نہاد اور ظلم کی جہت سے اُنکی طرف رجوع نہ کی تو قصور لوگوں کا ہے خداتعالی سے اسمیں
چوک نہیں ہوئی اور حضرت نوح کو جو خداتعالی نے پیغمبر کرکے بھیجا اور لوگوں نے اُنکی طرف رجوع نہ کی اور ایمان نہ لائے تو معلوم ہوا کہ تیرے نزدیک خداتعالی سے بڑی چوک
ہوئی حضرت نوح کے مقرر کرنے میں کسی اور کو پیغمبر مقرر کرتا اور ابوبکر نے عثمان نے دین کو رونق کیا دی تھی بلکہ دین کو خراب کردیا تھا اور انتظام کی جہت سے اگر کہتا ہے
تو معاویہ نے اور اُسکے مابعد کے زمانہ میں تو زیادہ انتظام تھا اور عثمان کا تو وہ انتظام ہوا کہ مقتول ہی ہوگیا صحابہ کے غضب اور غصہ سے اور عائشہ اُسپر لعن کرتی رہیں
اور اگر مراد مجرد انتظام ہی تھا اور حق وناحق کا اور احکام خدا کا لحاظ نہ تھا تو خداتعالی کو چاہیے تھا کہ کسی انگریز کو مقرر کرتا تاکہ خوب انتظام کرتا اور ہے مسلم البتہ خداتعالی پر واجب ہے
کہ جو کچھ کرتا ہے موافق حکمت اور مصلحت کے کرتا ہے اور کوئی فعل اُسکا عبث نہیں ہے گو ہماری عقل اُسکی مصلحت کے دریافت کرنے میں قاصر ہو اور جسوقت اُسکا فعل موافق حکمت اور مصلحت ہو تو ہم اُسکے فعل میں چون و چرا
نہیں کرسکتے اور اسیواسطے لا یسئل عما یفعل یعنی نہیں پوچھا جاتا ہے اُس چیز سے کہ کرتا ہے اسلئے کہ کرنا اسکا موافق مصلحت کے ہے جیسے کہ طبیب حاذق کوئی نسخہ واسطے بیمار کے لکھے تو یہ نہیں کہتے کہ اس سے کیوں نہیں
یہ کیوں لکھا ہے اور امام حق میں بدا ہونا ثابت نہیں ہے بلکہ فریقین کی کتابوں سے یہ ثابت ہے کہ وہ خروج کرینگے اور زمین کو عدل وداد سے پر کرینگے اور برخلاف اسکے امام کی معزولی کا احتمال نکالنا باطل ہے کہ خلاف عقیدہ

اہل اسلام کے ہے اور تخمین سے زیادہ ہوتا تو حضرت خضر و الیاس کے واسطے بھی گزر گیا ہے چاہئے کہ وہ بھی اپنی نبوت سے معزول ہو جاویں **قال الشیخ الاشعری**
اور یہہ جو امامیہ کے ذہن نشین ہے کہ ابوبکر عمر وغیرہم آخر زمانہ میں پیدا کئے جائیں گے یہ بالکل غلط ہو بلکہ امام زمان کو معزول کر کے شاید انکو پھر نئے سرے سے پیدا کر کے
نامور کریں پر امامیہ نے باتباع خداوندی اسبات میں غلطی کہائی ہو کہ وہ سزا دینے کے لئے پیدا کئے جائیں گے خیر یہ بات تو شیعوں کو ناگوار ہو بپاس خاطر
شیعہ اسبات سے اعراض کر کے یوں ملتمس ہوں کہ اگر خدا سے چوک ہوتی ہے تو انبیا سے تو ہوتی ہو گی اور اتنا ہم جانتے ہیں کہ شیعہ بھی نکہیں کہ خدا اخبار
گزشتہ میں غلطی کہاتا ہے کیونکہ یہہ تو صاف جھوٹ ہے جب یہ بات ذہن نشین ہو گئی تو ہم کہتے ہیں کہ خداوند کریم سورہ طٰہٰ میں حضرت موسی کے قصہ میں کہ جناب سرور
کائنات صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ سے بہت پہلا قصہ ہے حضرت موسی کا مقولہ فرعون کے سوال کے جواب میں یوں نقل فرماتا ہے لَا یَضِلُّ رَبِّیْ وَلَا یَنْسٰی یعنی حضرت موسی
فرماتے ہیں کہ میرا رب چوکے ہے نہ بھولے ہے اس آیت کو غور کیجے کیا ارشاد کرتی ہے حضرت موسی علیہ السلام کو تو ہم جانتے ہیں شیعہ بھی یوں نہ کہیں گے کہ وہ چوک جاتے
تھے یہ برائی تو اس فرقہ کے پیشواؤں نے خدا ہی کے لئے رکھ چھوڑی ہے اور نہ لازم آوے گا کہ معصوم بھی خطا کرے پھر طعن جو سنیوں پر کرتے ہیں کہ انکے امام اور خلیفہ معصوم
نہ تھے حالانکہ امام اور خلیفہ کو چاہئے کہ معصوم ہو تا کہ خطا نکرے ورنہ حق اور باطل کی تمیز محال ہو جائیگی اور جو غرض کہ انکے مقرر کرنے سے ہوتی ہے یعنی احکام
شریعت معلوم ہونا اور انکا عملدرآمد ہونا وہ حاصل نہو گی سوا یہ طعن کس منہ سے کرینگے **اقول** ابوبکر عمر وغیرہما اگر زندہ ہونگے تو واسطے سزا پانیکے زندہ ہونگے چنانچہ اللہ تعالی فرماتا ہو وَلَنُذِیْقَنَّهُمْ
مِّنَ الْعَذَابِ الْاَدْنٰی دُوْنَ الْعَذَابِ الْاَکْبَرِ لَعَلَّهُمْ یَرْجِعُوْنَ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذُکِّرَ بِاٰیٰتِ رَبِّهٖ ثُمَّ اَعْرَضَ عَنْهَا اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ مُنْتَقِمُوْنَ یعنی اور البتہ
چکھائیں گے ہم انکو عذاب نزدیک میں سے کہ وہ عذاب رجعت ہے سوائے عذاب بڑے کے کہ وہ عذاب آخرت ہے شاید کہ وہ رجوع کریں دنیا میں اور کون شخص زیادہ ظالم ہے
اُس شخص سے کہ نصیحت کیا جاوے ساتھ نشانیوں یا آیتوں پروردگار اپنے کے پھر روگردانی کرے اُن سے تحقیق کہ ہم گنہگاروں سے بدلا لینے والے ہیں اور حساب کرنے والے کہ
اِنَّا مِنَ الْمُجْرِمِیْنَ کے عدد سے اعداد ابوبکر عمر عثمان کی برابر ہیں بدون تعمیہ و تخرجہ اور آمیزش کسی صف کی اور جرم ان تینوں کا اہل سنت کی کتابوں سے ثابت
ہے اور علمای اہل سنت بھی اقرار کرتے ہیں اور اگر کسی شقی کے نام کے اعداد اتفاقیہ اُسکے اعداد کی برابر ہوں گے تو وہ شمار میں آئیگا کہ وصف مجرمیت اُسکے واسطے ضرور ہے
اور امام زمان کو معزول کر کے وہ کیونکر نامور کئے جاویں گے کہ معلوم نہیں وہ کس ہیئت اور بدن میں زندہ ہوں گے انسانوں کی شکل میں بھی ہونگے یا نہیں اور نہ خدا تعالی نے اسمیں غلطی
کی ہے نہ امامیہ نے بلکہ امامیہ صحیح بیان کرتے ہیں کہ وہ سزا دینے کے واسطے پیدا کئے جائیں گے اور امامیہ کے نزدیک خدا سے چوک ہوتی ہے نہ انبیاء سے تو انبیا کے غلطی اور چوک
بیان کرتا چلا آتا ہے خدا سے بھی تیرے ہی نزدیک چوک ہوتی ہو گی اور نہ شیعوں کے نزدیک اخبار گزشتہ اور آئندہ میں خدا سے چوک ہوتی ہے اور سورہ طٰہٰ کی آیت لا یضل
ربی ولا ینسی جو لکھی ہے وہ حق ہے اور یہی اعتقاد شیعوں کا ہے کہ خدا تعالی نہ بھولتا ہے اور نہ چوکتا ہے اور یہ آیت ہمارے اعتقاد کے مطابق ارشاد کرتی ہے اور جیسے کہ خدا تعالی
بھولتا اور چوکتا نہیں ہے ایسے ہی ہماری نزدیک حضرت موسی بھی چوکتے تھے لیکن تیرے نزدیک حضرت موسی چوک جاتے تھے تو نے کئی جگہہ لکھا ہے کہ حضرت موسی نے جو حضرت
ہارون کے بال پکڑے تو اُنسے غلطی ہوئی اور یہ جو لکھتا ہے کہ یہ برائی تو اس فرقہ کے پیشواؤں نے خدا ہی کے لیے رکھ چھوڑی ہے یہ بالکل غلط ہے اور شیعوں کے پیشواؤں میں
سے کسینے ایسا نہیں کہا ہے اور اگر تو نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے تو شیعوں کا پیشوا تو اس نام کا کوئی شخص نہیں ہے اور اُسنے جو حوالہ ہمارے علما کا اپنے رسالہ میں لکھا ہے وہ
بھی غلط ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور یہ بھی معلوم نہیں اُسنے حوالہ دیا ہے یا نہیں یا مولوی عبد العزیز صاحب کا ایجاد ہے اور ہمنے فرض کیا کہ اس نام کا کوئی شخص
شیعوں میں تھا ہے لیکن جسوقت کہ اُسکا یہ اعتقاد ہوا برخلاف اعتقاد شیعوں کے تو وہ کافر ہے شیعوں کو اس سے کیا اور مسلمان کیا مرتد نہیں ہو جاتا ہے تیری ارتداد کا
بھی تو فتوی مکہ معظمہ سے آیا ہے بلکہ سنیوں کا یہ مذہب ہے کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے محمد صلعم نے بنا لیا ہے چنانچہ تمہاری مولوی عماد الدین صاحب لکھتے ہیں اور یہ تو وہی
غلط ہے منصب ہو جنکے جواب میں لکھتا ہو کہ یہ قرآن خدا تعالی کی طرف سے نہیں ہے بلکہ آنحضرت صلعم کی طرف سے ہے اور خدا تعالی نے رسول خدا صلعم کی طرف سے تصنیف
کر کے بھیجدیا ہے اور معصوم ہمارے نزدیک خطا نہیں کرتا ہے اور نہ حضرت موسی نے خطا کی ہے اور طعن شیعوں کا سنیوں پر صحیح اور درست ہے کہ خلیفہ رسول متبوع اور امام امت کو
چاہئے کہ معصوم ہو تا کہ احکام شرع میں غلطی نکرے اور ہمارے اس طعن کرنے میں کوئی خلل عائد نہیں ہوتا ہے اور جس منہ سے ہم کہتے ہیں وہ منہ ہمارا بہت سرخ اور چہرہ ہمارا بشاش
ہے کہ ہمارے کہنے کا تم جواب نہیں دیسکتے **قال الشیخ الاشعری** الغرض قواعد عقائد شیعہ سے یوں ثابت ہوتا ہے کہ خدا سے گو خطا ہو جاوے پر معصوم سے خطا نہو سو حضرت
موسی علیہ السلام جو بالاتفاق معصوم تھے اُنہوں نے جو فرمایا کہ میرا رب بھٹکتا اور چوکتا ہے اور نہ بھولتا ہے تو اسمیں ہرگز احتمال غلط نہیں اور خدا نے جو یہ قصہ نقل فرمایا
تو ایک قصہ گزشتہ ہے کچھ آئندہ کی بات نہیں جو بدا فی الاخبار کی گنجائش ہو پھر کیا معنے جو خدا بھٹک جاوے کچھ نعوذ باللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کے زمانہ میں یہ عقائد

حواس میں اختلال آگیا ابوبکر و عمر ہرچند صاحب عقل و مرد باہیبت تھے مگر نہ اتنی کہ خداوند کریم کی بھی عقل و حواس میں فرق آجائے یا سوا اسکے اور کچھ سبب نہ ہے
نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا ایک سنیوں کے الزام کے لئے خدا کی عظمت بھی تو ہاتھ سے دے بیٹھے فدک چھینا تھا تو ابوبکر نے چھینا تھا اور قرطاس
اور دوات کو نہ لانے دیا تو عمر نے نہ لانے دیا اُنپر تبرا کیا تو کیا خداوند کریم کو جو ان برائیوں میں سان لیا تو کیا اس سبب سے کہ باوجودیکہ نصر المظلوم یعنے مددگاری حق ہے اور یہ مظلوموں کی
مددگاری نکی خیر خداوند کریم ان بے باکوں کا سیاہ مونہہ کرے کہ سخت بے ادب ہیں اور جس لائق ہیں انہیں وہاں ہی پہنچائے **اقول** قواعد عقائد شیعہ سے ہرگز یہ ثابت نہیں
ہوتا ہے کہ خدا سے خطا ہو جائے تو جھوٹ لکھتا ہے اور حکم میں لعنۃ اللہ علی الکاذبین کے گرفتار ہوتا ہے اور جو شخص کہ یہ اعتقاد رکھے کہ خدا تعالی سے خطا ہوئی شیعہ اُسکو
کافر جانتے ہیں اور اُسپر لعنت کرتے ہیں اور جو کوئی شیعوں پر ایسا افترا کرے اُس پر بھی لعنت کرتے ہیں اور خطا تو جیسے خدا سے نہیں ہوتی ایسی ہی شیعوں کے نزدیک معصوم
سے بھی نہیں ہوتی اور جو کچھ حضرت موسی نے فرمایا وہ حق ہے اور ہرگز اُس میں احتمال غلطی کا نہیں ہے اور بدا فی الاخبار جو کہ تو نے بیان کر کے شیعوں کی طرف منسوب
کیا ہے وہ باطل ہے اور معتقد اُسکا کافر ہے اور شیعوں کے نزدیک خدا بہکتا نہیں ہے سنیوں کے نزدیک بہکتا ہوگا اور اُنکے ہی نزدیک رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں عقل
و حواس میں اختلال آگیا ہوگا اور ابوبکر اور عمر ایسے صاحب عقل اور مرد باہیبت تھے کہ ہمیشہ جہادوں میں رسول خدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر کفار کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتی
تھے اور حضرت عمر اگر فظ غلیظ بدمزاج اور تندخو تھے تو مومنین سے تھے کہ اسیواسطے مومنین خلافت سے اُنکی ناخوش تھے اور ابوبکر پر اعتراض کرتے تھے کہ تو ایسے بدمزاج کو ہمپر خلیفہ
کسواسطے کرتا ہے تو اپنے خدا کو کیا جواب دیگا اگر اُسکو ہمپر خلیفہ کریگا چنانچہ ترمذی اور ریاض النضرۃ وغیرہ میں لکھا ہے اور خداوند کریم کی عقل و حواس میں فرق اہل سنت کے
نزدیک ہے نہ شیعوں کے نزدیک و سنیوں کو جو شیعہ الزام دیتے ہیں تو سنیوں کی روایات کتب معتبرہ سے الزام دیتے ہیں بالسے اور بدا کو اس سے کیا تعلق ہے کہیں تو نے بدا
ابوبکر اور عمر پر طعن کرتے دیکھا ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اور جو عظمت خدا تعالی کی ہمارے مذہب میں ہے وہ سنیوں کے مذہب میں ہرگز نہیں ہے تم خدا تعالی کو مجسم جانتے ہو چنانچہ
پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور ہم نے خدا تعالی کی عظمت کو ہرگز ہاتھ سے نہیں دیا ہے اور جو کچھہ تو لکھتا ہے وہ غلط ہے اور عظمت کو خدا تعالی کی تم نے ہی ہاتھ سے دیا ہے نہ ہم نے اور ابوبکر
اور عمر پر جو تبرا ہوا تو اُنکے افعال ناشائستہ کی جہت سے ہوا اور خداوند کریم کو برائیوں میں تم نے سانا ہے ہم نے نہیں سانا ہے اس جھوٹ کے لکھنے کو تیری کون عقل کا اندھا
اعتبار کریگا اس جھوٹ ہی سے تو تم نے اپنے مذہب کی محافظت کر رکھی ہے اور اصل یہ ہے کہ شیعوں کے مذہب میں کوئی گرفت کی بات نہ تھی اور اہل سنت پر شیعوں کے
صدہا اعتراض ہوتے تھے اس لئے یہ افترا شیعوں پر کیا لوگوں کے نفرت دلانے کے واسطے کہ یہہ بدا کے قائل ہیں اس طرح سے کہ خدا تعالی ایک بات کو نہیں جانتا تھا اور
بعد اُسکے جانا اُسکو اور پہلے ایک امر کیا اُسوقت اُسکی برائی معلوم نہ تھی اور بعد اُسکے برائی اُسکی معلوم ہوئی تو اُسکو بدل دیا سو شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے اور ایسے مذہب
والے کو شیعہ کافر جانتے ہیں اور یہ کون کہتا ہے کہ خدا نے مظلوموں کی نصرت نکی اور مظلوموں کے نصرت ہی کے واسطے تو دار الجزا خدا تعالی نے مقرر کیا ہے کہ وہاں
ظالموں کو سزا کو پہنچائیگا اور دنیا میں ہزاروں ظالم ہیں اور ہزاروں مظلوم لیکن دار الجزا میں اُنکو سزا ملیگی اور سیاہ رو تو وہ ہیں جنہوں نے جناب رسول خدا صلعم
کے ارشاد کو ہذیان بتایا اور حقوق اُنکے اہلبیت کے غصب کئے اور یا مطیع اُنکے سیاہ رو ہیں و شیعہ تو وہ روشن اور سرخ رو ہیں کہ جنکے حق میں جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا کہ
یا علی انت و شیعتک فی الجنۃ تاتی یوم القیامۃ راضین مرضیین اور جس امر کے وہ لائق تھے رسول خدا صلعم نے فرما دیا انشاء اللہ تعالی وہیں وہ پہنچیں گے اور اہل سنت
کو جو معاویہ کے پیرو ہیں اور اُسکو خلیفہ حق اور امام صدق جانتے ہیں اُنکے حق میں بغاوت اور نار جہنم کی خبر دی جسوقت کہ حضرت عمار سے فرمایا کہ یا عمار ستقتلک
الفئۃ الباغیۃ تدعوھم الی الجنۃ و یدعونک الی النار کہ عمار جو کہ حضرت علی کے شیعوں میں سے تھے اُنکی طرف بہشت تھا اور معاویہ والوں کی طرف دوزخ تھا **قال
الشیخ الاشعری** بالجملہ کلام اللہ میں بدا کو بیخ و بنیاد سے اُکھاڑ دیا اور اگر شیعہ خدا کا اتنا ہی اعتبار نکریں و اخبار گزشتہ میں بھی غلطی فہم کے احتمال سے نعوذ باللہ
اس بات کے طالب ہوں کہ ہم کلام اللہ کی گواہی پر بدا سے انکار نہیں کرتے جبتک کہ کلینی کی کوئی حدیث اس بات میں نہو کلینی کی حدیث بھی لیجے فی الکافی عن
منصور بن حازم عن ابی عبد اللہ قال منصور سالتہ یکون شئ لم یکن فی علم اللہ قال لا من قال ھذا فاخزاہ اللہ قلت ارایت ما کان و ما ھو کائن
الی یوم القیامۃ الیس فی علم اللہ قال بلی قبل ان یخلق الخلق ــــ کلینی کافی میں منصور بن حازم سے روایت کرتا ہے کہ منصور نے امام جعفر صادق سے
سے پوچھا کوئی ایسی چیز بھی ہوئی کہ کل خدا کو معلوم نہ تھی اور آج ہو گئی ہو آپنے فرمایا کہ کوئی نہیں جو یہ کہے خدا اُسے رسوا کرے پھر میں نے پوچھا کہ یہ تو بتائے جو ہو لیا اور جو ہوگا
ہے قیامت تک کیا خدا کو معلوم تھا اُنہوں نے فرمایا کیوں نہیں خلق کے پیدا کرنے سے پہلے معلوم تھا اس روایت سے دو فائدہ حاصل ہوئے ایک تو یہ کہ بدا ایک عقیدہ
غلط ہے کیونکہ بدا آفتوں میں جو تحقیق گذر چکی اُس سے صاف ثابت ہے کہ بدا بے ہسکے ہو ہی نہیں سکتا جو کوئی علم نیا پیدا ہو دوسرا یہ کہ حضرت امام جعفر صادق

رضی اللہ عنہ نے بدا کے قائلوں کے لیئے بددعا فرمائی سو حضرات شیعہ کو ہماری طرف سے بھی مبارک مبادیہ ساری خرابیاں کلام اللہ کے نہ سمجھنے کے ہیں اور انکا ہی کیا
قصور اپنی روایتوں کے معنوں کو نہیں سمجھتے اگر سمجھ ہوتی ہو تو پہلے اُنہیں ہی سمجھتے کلام اللہ تو سنیوں کا ہے **اقول** جس بدا کو تو کہتا ہے اُس بدا کو ہم بھی کہتے
ہیں کہ قرآن نے اُسکی بیخ و بنیاد اُکھاڑ دی ہے جس میں جہل خدا کا لازم آتی اور وہ بدا کہ جسکے شیعہ قائل ہیں وہ بدا قرآن سے ثابت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ
يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ یعنی جسکو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور اسکی عوض اور لکھتا ہے اُسکا علم روز ازل سے ہوتا ہے یہ نہیں کہ تازہ علم ہوا اور جو کچھ کلام اللہ میں ہے
اُسی پر اعتقاد شیعوں کا ہے اور خدا کا اعتبار اہل سنت کے نزدیک نہیں ہے اور شیعوں کے نزدیک تو خدا کی برابر کوئی معتبر نہیں ہے اور غلطی فہم بھی تمہاری ہی نزدیک
ہے نہ ہماری نزدیک حضرت موسیٰ کی تو غلط فہمی تو بیان کر چکا ہے خدا کی ہی تیرے نزدیک سبھی اور کلام اللہ کی گواہی ایمان ہے ہمارا اور جس بدا کے ہم قائل ہیں وہ کلام اللہ
میں موجود ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور جس بدا کو تو کہتا ہے اُسکے قائل کو ہم کافر جانتے ہیں اور گواہی کلام اللہ کی تمہاری نزدیک معتبر نہیں ہے اسواسطے کہ کلام اللہ میں
لکھا ہے کہ مرتدین کے واسطے مغفرت نہیں ہے اور جن لوگوں کا تمہاری کتابوں سے ارتداد ثابت ہوتا ہے تم اُنکو اچھا ہی کہے چلے جاتے ہو اور کافی کی روایت ہماری نزدیک
کلام اللہ کی آیت کے برابر معتبر نہیں ہے اور جو روایتیں کہ تو نے ابتدا میں بدا کے مقدمہ میں بیان کے ہیں اُنہیں سے ایک یہ بھی روایت ہے کہ تو نے لکھی ہے اور یہی ہمارا اعتقاد
ہے جو کچھ کہ اس روایت میں ہے اور یہ روایت ہمارے کتاب کی ہے دریا تیری کتاب کی ای عقل کے دشمن اسقدر تو سمجھ کہ جسوقت شیعوں کے اماموں سے ایسی روایتیں منقول
ہیں تو پھر وہ اپنے اماموں کے مخالف کیونکر ایک عقیدہ فاسدہ کے قائل ہوں گے اور اس روایت کا حاصل جو لکھا ہے کہ بدا عقیدہ غلط ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ جو بدا
تیرا مقصود ہے وہ عقیدہ غلط ہے کہ جس سے جہل خدا لازم ہوتا ہو نہ وہ بدا کہ جو علم کے ساتھ ہو کہ وہ قرآن سے ثابت ہے اور یہ جو تو لکھتا ہے کہ بدا بے علم تازہ کے نہیں ہوتا وہ بدا
لغوی ہے اور اُسکے قائل تم کو جانتے ہیں اور یہ کہنا تیرا کہ بدا بے اسکے نہیں ہوتا غلط ہے بلکہ بدا جو کہ ہماری اصطلاح میں ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے ایک شخص کو بادشاہ کیا اور
بعد چند سال کے مصلحت اُسکی وہی فقیر ہونے میں ہوئی تو اُسکو فقیر کیا اور اسوقت گو یہ رائے پہلی رائے کے مخالف ہے لیکن جسوقت اُسکو بادشاہ کرتا تھا اُسوقت یہ جانتا تھا کہ بعد اسکے فلانے
وقت مصلحت اسکی فقیری کی ہوگی اُسوقت اسکو فقیر کرینگے اور جو وقت فقیر کیا تو اُسوقت کہیں گے کہ بدا ہوا یعنی ظاہر ہوئی رائے دوسری جو کہ اُسکے علم میں تھی مخالف
پہلی رائے کے اور یہ امر ایسا نہیں ہے کہ اُسکو بادشاہ کیا تو بعد اُسکے بادشاہ کرنیکی رائے میں قباحت معلوم ہوئی اور پہلے سے وہ قباحت معلوم نہ تھی یہ بالکل غلط ہے اور اسی
بدا کے حال میں جسکے ہم قائل ہیں حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ہے چنانچہ کافی میں ہے عن ابی عبد اللہ علیہ السلام قال ما بدء اللہ فی شیٔ الا کان فی علمہ
قبل ان یبدء لہ یعنی حضرت ابو عبد اللہ جعفر صادق علیہ السلام سے روایت ہے فرمایا کہ نہیں بدا ہوا ہے خدا کو کسی چیز میں مگر کہ تھا بیچ علم اُسکے کے پہلے اس سے کہ ظاہر
ہو واسطے اُسکے اور ایسے ہی دوسری روایت میں ہے فرمایا کہ ان اللہ لم یبد لہ من جھل یعنی جہل اور بے علمی سے خدا کو بدا نہیں ہوا ہے اور حضرت صادق نے بدا کے
قائلوں کے واسطے بددعا نہیں کی ہے جیسا کہ تو لکھتا ہے بلکہ اُنکے حق میں بددعا کی ہے کہ جو خدا کو ایسا جانتے ہیں کہ اُسکو کسی چیز کا علم نہیں ہوتا ہے اور جو ہمارا اعتقاد ہے
وہ ہمکو مبارک ہے نہ یہ کہ جو کچھ تو کہتا ہے اور ہمارے اعتقاد کے حضرت صادق علیہ السلام نے بددعا کی نہیں ہے کہ جو تو ہمکو مبارکباد کہتا ہے اور قرآن کو تم سمجھتے نہیں ہو اور
جو کچھ سمجھتے ہو اُسپہ عمل نہیں ہے یہ سب خرابیاں تمہارے واسطے ہیں اور ہمارا عمل موافق قرآن ہی کی ہے نہ مخالف اُسکے اور روایتوں کو بھی اپنی ہم خوب سمجھتے ہیں اور اُنکے مطابق
ہی ہمارا عمل ہے لیکن اگر تو ایک جھوٹ بات مخالف ہمارے عقیدہ کے ہماری طرف منسوب کرے تو اُسکا جواب نہیں ہے بجز اسکے کہ ہم کہیں لَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِيْنَ اور
کلام اللہ تو سب مسلمانوں کا ہے اہل سنت کی کچھ تخصیص نہیں ہے لیکن عمل قرآن پر سوای ہماری کسی فرقہ کا نہیں ہے اسواسطے کہ جو مضمون قرآن کا ہے وہ اہل بیت
علیہم السلام کے پاس ہے اور پیروی اُنکی سوای ہمارے کوئی نہیں کرتا ہے اور اگر عثمان نے اُسکو جمع کیا ہے تو کیا ہے کلام تو اُسکا وہ نہیں ہے بہت آدمی خطب و اشعار فصیح
کے جمع کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اسوقت لازم یوں ہے کہ منشا اس غلطی کا بیان کیا جائے تاکہ مزید اطمینان ہو جائے اور ناظرین پر یہ خلجان باقی نہ رہے کہ تنہا پیش قاضی
آئے راضی محرر رسالہ کی طمطراق کی باتیں فقط سنکر ہم یوں کیونکر بدا سے دست بردار ہوں ہمارے علماء شیعہ بھی تو آخر کسی وجہ سے کہتے ہونگے جبتک اُنکی نہ سن لیں تسلی
نہیں ہوتی ہے جواب یہ عذر اُس قبیل کا ہے کہ مشہور ہے عذر گناہ بدتر از گناہ کیونکہ جب کسی آدمی کو کسی وجہ سے حق واضح ہو جاوے تو پھر اُسے اسکا کیا انتظار کہ دوسروں کی بھی
سن لوں اگر کوئی شخص قریب شام کے در و دیوار پر دھوپ دیکھے یا خود آفتاب کو بچشم خود دیکھے اور دوسرا پردہ میں بیٹھا ہوا گھڑی گھنٹے کے وسیلہ سے یوں کہے کہ دن چھپ گیا
تو آفتاب دھوپ کا دیکھنے والا کتنا ہی جاہل کیوں نہو اور گھڑی سے وقت کا بتلانیوالا کتنا ہی علامہ روزگار اور حساب میں پرکار کیوں نہو لیکن تسپر بھی آفتاب یا دھوپ کے
دیکھنے والے کو دن کے یقین ہو چکنے میں اسکا انتظار نہوگا کہ میں اسکی تو سن لوں کہ جو گھڑی کے وسیلے سے رات بتلاتا ہے اسیطرح جبتک بات خوب واضح ہو گئی کہ بروے کلام اور نیز

بروی احادیث شیعہ بدا غلط ہے تو پھر اسکا کیا انتظار ہے کہ بدا کے قائلوں کی بات بھی سن لینی چاہیئے بلکہ ایسے وقت میں مناسب یوں ہے کہ جیسے آفتاب کا نجومی خود دیکھنے
والا باوجود جاہل ہونیکے بے تامل یوں سمجھ جاتا ہے کہ گھڑی والا ہر چند محاسب اور بڑا ہوشیار ہے اسکے علم میں کچھ شک نہیں لیکن اسمیں بھی کچھ شک نہیں کہ اسکی گھڑی
بگڑی ہوئی ہے یا اسوقت اتفاق سے مقتضائے بشریت کچھ غلطی ہو گئی ایسے ہی بدا کی غلطی کا سمجھنے والا بھی بے تامل مان اٹھے کہ ہر چند قائلین بدا بڑے بڑے عالم اور فاضل
تھے لیکن تاہم آدمی تھے غلطی کھا گئے نہ اس بات پر انہیں دھیان ہوا کَانَ اللّٰهُ عَلِيمًا حَكِيمًا یعنی اللہ ہمیشہ سے علیم ہے اسکا علم کچھ اب پیدا نہیں ہوتا اور نہ آیۃ کریمہ
لَا يَضِلُّ رَبِّي وَلَا يَنْسَى انکے خیال میں گزری اور نہ حدیث کلینی کا کچھ خیال کیا بلکہ ادب کی بات تو یوں ہے کہ یہ کہیے اُن لوگوں کو کلام اللہ تو یاد نہ تھا یہ تو سنیوں کا
کام ہے کلینی بعد میں تصنیف ہوئی معہذا انکا کیا قصور سب جانتے ہیں دروغگو را حافظہ نباشد **اقول** شیعوں سے ہرگز غلطی نہیں ہوئی ہے اور نہ کسی شیعہ نے
غلط بات لکھی ہے اور تو نے بھی حوالہ کسی عالم کے غلطی کا نہیں دیا ہے ایک شخص مجہول نظام الدین جیلانی کے رسالہ کا تو نے حوالہ دیا ہے سو معلوم نہیں کہ وہ شخص نفس الامر میں
تھا یا نہیں مولوی عبد العزیز صاحب نے گھڑ لیا ہے اور اگر کوئی تھا بھی تو معلوم نہیں کہ وہ سنی تھا یا شیعہ تھا اسواسطے کہ اُسنے اپنے رسالہ میں علماء شیعہ کا حوالہ جو موجب
تیری تحریر باطل کے دیا ہے وہ غلط ہے اور اگر بالفرض وہ شیعہ بھی تھا تو اس اعتقاد کے اختیار کرنے سے کافر ہو گیا اگر اُسکے قول کا حوالہ ہماری مقابلہ میں دیتے ہو تو ہم تم سے
گفتگو کرنے میں مولوی عماد الدین کی کتاب کا حوالہ دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ اہل سنت کا مذہب ہے کہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ رسول خدا صلعم نے بنا لیا ہے اگر تو سچا ہے تو ہماری
کسی کتاب کا حوالہ دے جیسے کہ تو نے حوالے دیئے ہیں اور ہمارے علماء ہرگز اُس بدا کے قائل نہیں ہیں جس میں جہل خدا ہو اور کسی وجہ سے ہم نہیں کہتے ہیں اور کون تجھ سے کہتا
عذر کرتا ہے عجب طرح کا نامعقول ہے خود ہی تو ایک سوال ایجاد کرتا ہے اور پھر اُسکا جواب دیتا ہے اور اپنی طرف سے ایک عذر پیدا کر کے اُسکو بدتر از گناہ کہتا ہے کوئی اس ناتراش
دروغ نویس سے پوچھے کہ کس شیعہ نے یہ عذر کیا ہے شیعوں کا تو یہ مذہب ہی نہیں ہے اور آفتاب اور دھوکا جو یہاں ذکر کیا ہے اس مثال کو یہاں کچھ تعلق ہی نہیں ہے اور ہم بھی
کہتے ہیں کہ بدا لغوی جسکو تو بکتا چلا آتا ہے وہ ہمارے نزدیک بھی غلط ہے لیکن جس بدا کو بعضے علماء کہتے ہیں وہ قرآن سے اور احادیث سے دونوں سے ثابت ہے اور وہ بدا وہ ہے کہ جسمیں
خدا کو علم روز ازل سے ہوتا ہے اور شیعوں میں جو کوئی قائل بدا کا ہے وہ یہی کہتا ہے اور جب کسی دھوکا دینے والے دروغگو نے شہرہ دیا کہ شیعہ بدا کے قائل ہیں تو البتہ شیعوں سے پوچھنا
چاہیئے کہ تمہارے نزدیک بدا سے کیا مراد ہے کیا وہی بدا ہے کہ جسکا بطلان قرآن اور حدیث سے ثابت ہے یا مراد تمہاری اُس سے کچھ اور ہے اُسوقت شیعہ جواب معقول دندان شکن
دینگے کہ جس سے اُنپر کوئی اعتراض وارد نہوگا اور دروغگو اور تہمت کرنیوالا تو دنیا میں بہت ہیں اور بڑا تو کیا چھوٹا بھی عالم شیعوں کا کوئی اُس بدا کا قائل نہیں ہے جسکو
تو کہتا ہے تاکہ یہ کہا جائے کہ اُس سے غلطی ہوئی اور نہ تو نے ہمارے کسی عالم کا بدا کے مقدمہ میں حوالہ دیا ہے ایک نظام الدین جیلانی مفروض کا حوالہ دیا ہے کہ وہ بھائی عبد القادر
جیلانی کا ہوگا اور حال اُسکا ہم کئی مرتبہ لکھ چکے جسکا یہ اعتقاد فاسد ہوگا اُسکو البتہ ان دونوں پر اور حدیث کلینی پر نظر نہوگی اور کلام اللہ تو یاد حضرت عمر کو نہ تھا کہ جو عورتوں سے
کلام اللہ کے مقدمہ میں الزام کھاتے تھے اور رسول خدا صلعم کو کہتے تھے کہ وہ حضرت ہے نہیں ہیں اور کلینی بعد میں تصنیف ہوئی ہے تو کیا ہے اُسکو بھی عرصہ دراز ہوا اور کلمہ
دروغگو را حافظہ نباشد حضرت عمر کی شان میں ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ یہ عذر کہ شیعوں کی دلیلیں معلوم ہونے چاہئیں یہہ عذر بعد کلام اللہ اور حدیث
مذکور جنکے معنوں میں کچھ تاویل نہیں ہو سکتی اور خدا کے علم کے قدیم ہونے پر مثل آفتاب روشن کے گواہی دیتی ہیں عقلا کے نزدیک قابل سماعت نہیں مگر باینہمہ بپاس خاطر
مولوی عمار علی صاحب معروض ہے کہ منشاء غلطی شیعہ اس قسم کی آیتیں ہیں لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا حاصل یہ کہ خدا نے موت حیات کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ تمہیں
آزمائے کہ کونسا تم میں اچھے عمل والا ہے سو اس آیت سے اور ایسے ہی مضمون کی اور آیتوں سے علماء شیعہ کو یوں دھوکا پڑا کہ امتحان اور آزمائش تو وہاں ہوتی ہے جہاں حقیقت الامر
پہلے سے معلوم نہیں ہوتی پھر تس پر یہ تماشا ہوا کہ ایک جگہ خداوند کریم یوں بھی فرماتے ہیں يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ یعنی اللہ جو چاہتا ہے مٹا دیتا ہے اور جو چاہتا ہے
باقی رکھتا ہے اس آیت کے مضمون کو جو پہلے آیت کے مضمون سے ملا کر دیکھا تو علماء شیعہ کو بجائے خود اس بات کا یقین ہو گیا کہ خدا کو پہلے سے تو حقیقت الامر خوب معلوم تھی ہی نہیں
یوں ہی اٹکل اور اندازے سے ایک بات مقرر کر رکھی تھی سو اس میں جہاں کہیں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے اُسے بدل دیتے ہیں اور یہی معنی بدا کے ہیں **اقول** شیعوں کے
نزدیک کوئی دلیل نہیں ہے سوائے قرآن اور حدیث کے اور جو بدا اُنکے نزدیک ہے وہ قرآن اور حدیث سے ثابت ہے اور جس بدا کو تو قرآن اور حدیث سے باطل کرتا ہے
اُسکے تو وہ معتقد ہی نہیں ہیں بلکہ اُسکے معتقد کو وہ کافر جانتے ہیں اور جو کوئی اُنپر اتہام لگاتا ہے اُس بدا کا اُسپر وہ لعنت کرتے ہیں اور علم خدا کو وہ قدیمی
جانتے ہیں اور جو کوئی شیعوں سے دلیل پوچھیگا تو وہ آیات قرآنیہ اور احادیث کو پیش کرینگے لیکن معلوم نہیں کہ وہ عذر کرنیوالا کون ہے اور بپاس خاطر مولوی
عمار علی صاحب لکھنا چاہیئے تھا کہ منشاء غلطی شیعہ اس قسم کی آیتیں ہیں اگر انکی خاطرداری منظور تھی تو لکھنا چاہیئے تھا کہ بپاس خاطر مولوی عمار علی صاحب

ہم لعنت کرتے ہیں اُس شخص پر کہ جس نے جناب رسولخدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان بتلایا اور جس نے حق علی اور فاطمہ زہرا علیہما السلام کو غصب کیا اور جو شخص کہ فاطمہ علیہا السلام
کا گھر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیگیا اور جس نے کہ اصحاب رسولخدا صلعم کو بے عزت کیا حق کرنے اور کہنے پر جس میں کہ مولوی صاحب ممدوح راضی ہوں اور اُنپر جو تو تہمت
کرتا ہے غلطی کو تو تہمت کرنے میں پاس خاطر نہوا ایک عذاب اتہام میں تو گرفتار ہوگا اور ای اکذب الکاذبین وہ کونسا شیعہ ہے کہ جو آیت یبلوکم الخ وغیرہ کو بدا پر باطل کی
سند میں لایا ہے کہ اُس سے غلطی ہوئی کیسکا تو نام لکھا ہوتا ری جھوٹے یہ کتابیں شیعوں کی موجود ہیں دیکھ لے کس کتاب میں لکھا ہے یہ تو تمہارا کام ہے کہ آیات متشابہات
کے ظاہر معنے پر عمل کرتے ہو اور اسیواسطے فرقہ حنبلیہ خدا تعالی کو مجسم کہتا ہے اور از آنجملہ ایک حضرت پیر دستگیر ہیں چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے اور اس آیت کے
معنے تو ہماری تفسیروں میں یہ لکھی ہیں تا کہ معاملہ آزمانیوالوں کا سا کرے تمسے یعنی ہر چند ہم جانتے ہیں کہ جو عمل تم کروگے لیکن تمہارے ساتھ معاملہ آزمانیوالونکا سا
کرتے ہیں تا کہ ظاہر ہوجائے کہ کون تم میں سے عمل نیک کرتا ہے اور یہ کسینے نہیں لکھا ہے کہ تا کہ آزمائے تمکو کہ اُس آزمانے سے تمہارے اعمال کا علم حاصل ہوجائے جو کہ پہلے
وہ علم حاصل نہیں ہے اور یہ دہوکا کہ امتحان اور آزمایش تو وہاں ہوتی ہے جہاں حقیقت الامر پہلے سے معلوم نہو اہل سنت کو ہوتا ہے کہ وہ سب آیات متشابہات کے ظاہر
معنے پر عمل کرتے ہیں اور اسی لیے آیت يَوْمَ يُكْشَفُ عَنْ سَاقٍ سے خدا تعالی کے واسطے ساق یا ثابت کرتے ہیں چنانچہ پہلے اس سے ہم روایات اہل سنت سے لکھ چکے ہیں اور
ای اکذب الکاذبین آیت يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ میں کس شیعہ نے یقین کیا ہے اور کس شیعہ نے کہا ہے کہ خدا کو پہلے سے تو حقیقت الامر خوب معلوم تھی ہی نہیں یونہیں
الٹکل سے ایک بات مقرر کر دی تھی سو اُس میں کچھ غلطی معلوم ہوتی ہے تو اُسے بدل دیتے ہیں شیعہ تو اسبات کے یقین کرنیوالیکو کافر جانتے ہیں اور اُسپر لعنت کرتے ہیں اور جو کوئی
ہمت کر کے ایسے اعتقاد کو اُنکی طرف منسوب کرے تو اُسپر خدا تعالی خود لعنت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ اور شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالی ازل سے
ابد تک ہر جزئی اور کلی کا عالم ہے اور کوئی شے اُسکے علم سے باہر نہیں ہے اور بعضے شیعہ جو بدا کے قائل ہیں اُنکی مراد بدا سے یہ نہیں ہے جو تو لکھتا ہے یہ تو تیرے نزدیک یا تیرے
بھائی نظام الدین جیلانی کے نزدیک ہوگا جو کہ ایک آدمی بدمذہب کا نام فرض کر کے تو نے لکھا ہے اور جو شیعہ کہ بدا کے قائل ہیں وہ بدا کو اسی آیت سے ثابت کرتے ہیں لیکن
نہیں کہتے ہیں کہ خدا کو حقیقت الامر پہلے سے معلوم نہ تھی بلکہ یہ کہتے ہیں کہ خدا تعالی پہلے سے جانتا تھا کہ ہم فلانے وقت فلانی چیز کو مٹاوینگے اور اُسکے بدلے فلانی چیز ثابت کرینگے
کہ اُسوقت مصلحت یہی ہوگی اور بدا اُسکو اسواسطے کہتے ہیں کہ وہ اُسوقت ظاہر ہوئے اور پہلے وہ ظاہر نتھے اور بدا کے معنی ظاہر ہونیکے ہیں اور پہلے سے تو خدا اُسکو اسطرح سے جانتا تھا کہ فلانے
وقت وہ ظاہر ہوگی اور جب ظاہر ہوئی تو جانا کہ اب ظاہر ہوئی ہے اور تو ظاہر کو معنی علم سمجھتا ہے اور شیعونکی سیکڑوں کتابیں ہندوستان میں موجود ہیں لیکن کسی کتاب کا
حوالا تو نے نہیں دیا کہ اُسمیں لکھا ہے اور اصل بات یہی ہے کہ اگر جھوٹ نہ لکھیں اور شیعوں پر اتہام نکریں تو شیعوں پر کیونکر غالب ہوں کہ اُنکا مذہب ایسا صاف ہے کہ اُسپر اعتراض ہی نہیں
ہوسکتا اور حفاظت اہل سنت کے مذہب کی جھوٹ ہی سے ہے اگر جھوٹ نہ بولیں تو حفاظت اپنے مذہب کی شیعوں سے کیونکر کریں **قال الشیخ الاشعری** الحاصل اسوجہ سے شیعوں کے
نزدیک عقیدہ بدا مستحکم ہوگیا اور یہ غلطی جو اول کسیکو بوجہ کوتاہی عقل پڑی تھی خوب مضبوط ہوگئی اور کیوں نہو بے استاد ہمیشہ خراب رہتا ہے اگر ماہران کلام اللہ کی کفش برداری
اختیار کرتے تو اس آیت کے معنوں میں ایسے کیوں بھٹکتے مگر یہ فرقہ تو ایسا بے نصیب ہے کہ کلام اللہ کے جاننے والوں کے دلی دشمن ہیں جناب سن ہر کاری و ہر مرد صحابہ کرام جو رسول اللہ
صلعم کے شاگرد تھے کلام کو وہ سمجھتے تھے پھر جو اُنسے مستفید ہوگا وہ کلام اللہ کو سمجھیگا یا شیعہ سمجھیں گے **اقول** شیعوں میں سے کسی کا یہ اعتقاد بدا کے مقدمہ میں نہیں ہے جو کہ تو کہتا ہے
وہ تو خدا تعالی کو ازل سے ابد تک ہر چیز کا عالم جانتے ہیں اور وہ قائل اُس بدا کے ہیں جس میں خدا کا جہل لازم آئے چنانچہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا ان اللہ
یبدالہ من جہل اور فرمایا کہ ما بدا للہ فی شئ الا کان فی علمہ قبل ان یبدالہ اور اسی کا اعتقاد اُنکو مضبوط اور مستحکم ہوگیا ہے نہ اُس بدا کا اعتقاد کہ جسکی تہمت تو شیعوں پر کرتا ہے
اور ایسا بدا تیرے مذہب میں بھی آیا ہے جیسا کہ ہم لکھ چکے اور بے استادے شیعہ نہیں ہیں بلکہ اُنکا استاد بڑا زبردست ہے کہ جو ماہر علم شرع تھا کہ جو کہتا تھا سلونی قبل
ان تفقدونی اور کہتا تھا کہ میں کلام اللہ کی ہر آیت کو جانتا ہوں کہ کہاں نازل ہوئی اور کس مقدمہ میں نازل ہوئی اور تیرے ثلاثہ اُسکی طرف رجوع کرتے تھے اور اُنکے حق میں
رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا اقضاکم علی اب دیکھ تو شیعہ کیسے ماہران کلام اللہ کی کفش برداری کرتے ہیں اور بے استادی اہل سنت ہیں کہ ایسے ماہروں کو ترک کر کے
جہلا کی پیروی کرتے ہیں کہ جو خود اپنی جہالت کا اقرار کرتے ہیں اور وقت پوچھنے معنی آیت کے کہتے ہیں کہ میں کیا جانوں کہتا ہوں اگر غلط ہو تو میری اور شیطان کی طرف سے
ہے اور بعضے لولا علی لہلک عمر کہتے کہتے مر گئے اور عورتوں سے الزام کھاتے تھے اور تیمم کو جایز نہیں جانتے تھے اور اگر دشمنی بھی شیعوں کو ہے تو ان جہلا ہی سے ہے نہ ماہران معانی
کلام اللہ سے اور سچ ہی ہر کارے و ہر مرد کے جاننا کلام اللہ کا کام ہر مرد کا نہ تھا جو کہ جاننے والے تھے وہ ہی جانتے تھے جنکو کہ شاگردی رسولخدا صلعم سے حاصل تھی نہ ہر صحابی
اور جو کہ کلام اللہ کے جاننے والے اور شاگرد رسولخدا صلعم کی تھی اُنسے کبھی شیعہ مستفید ہوتے ہیں نہ اُنکے غیر سے اور تم جہلا کی طرف رجوع کرتے ہو اسیواسطے گمراہ ہو اور ہمارا رجوع جو کرنا

کلام اللہ کے جاننے والوں کی طرف کتب اہل سنت سے ثابت ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم کلام اللہ کے ذکر میں مفصل لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** اگر آیت لیبلوکم سے
یہ بات نکالی ہے کہ خدا کو پہلی کسی چیز کے پیدا ہونے کی علم اسکا نہیں ہوتا ہے تو اسمیں کچھ شک نہیں کہ اس وقت تو ضرور ہی ہو جاتا ہے چنانچہ اول تو شیعہ اسکے قائل ہی ہیں
معہذا کلام اللہ میں بیسیوں جگہ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ موجود ہے یعنی خداوند کریم جو کچھ تم کرتے ہو سب دیکھتا ہے پہلے پیدا ہونے سے تو ہمنے مانا نہیں دیکھتا تھا لیکن یہ تو فرمایئے
کہ بعد پیدا ہونے کے بھی کیا کچھ اسمیں تامل باقی ہے نور آفتاب کا خدا محتاج نہیں شمع چراغ کی اسکو ضرورت نہیں آگے پیچھے ہونا اسکے نزدیک سب یکساں ہے کیونکہ وہ فرماتا ہے اِنَّ
اللّٰهَ بِکُلِّ شَیْءٍ مُّحِیْطٌ یعنی اللہ ہر چیز کو محیط ہے القصہ بعد وجود اشیاء کے انکے مطلع ہونے میں کچھ شک نہیں وہ پھر با اینہمہ بھول جانے کا اندیشہ نہیں کیونکہ سورۂ طٰہٰ میں لا ینسی موجود ہے
یعنی خدا بھولتا نہیں پھر کیا ضرورت ہوئی کہ کرام کاتبین مقرر کئے گئے اور حساب کتاب قیامت کو ہونا ضرور پڑا اور نامۂ اعمال اور صحیفہ ہائے کردار بنی آدم لکھے گئے جو علماء شیعہ اسکا
جواب دینگے وہی ہماری طرف سے نوازش فرماکر قبول فرمالیں اگر یوں جواب دیں کہ ہر چند خداوند عالم الغیب کو ہر ایک چھپی بڑی چھوٹی چیز کی خبر ہے لیکن تو لوث و عظمت و حکمت
خداوندی کے مناسب یہی ہے کہ یہ سارا کارخانہ برپا ہو تو ہمیں تسلیم ہے یہی جواب ہمارا ہے **اقول** کون کافر یہ کہتا ہے کہ خدا تعالی کو اشیاء کے پیدا ہونے سے پہلے ان اشیاء کا علم
نہیں ہوتا ہے اور کس کافر کا یہ اعتقاد ہے کہ اسکو آیت لیبلوکم سے نکالا ہے اے کاذب مفتری کسی شیعہ کا نام لکھا ہوتا یا کسی کتاب کا حوالہ دیا ہوتا اگر تو نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے
تو اس نام کا تو شیعوں میں کوئی عالم معتبر نہیں ہے اور ہمنے فرض کیا کہ کوئی نظام الدین ہوگا تو اسکا یہ مذہب شاید ہو لیکن شیعوں کا تو یہ مذہب نہیں ہے تو سب شیعوں کو کسواسطے
کہتا ہے شیعہ تو ایسے مذہب پر لعنت کرتے ہیں اور شیعوں کا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالی ازل سے ابد تک تمام کلیات و جزئیات کو جانتا ہے اور اسی طرح سب اشیاء کو دیکھتا بھی ہے اور نہ انکے
نزدیک خدا کچھ بھولتا ہے اور کرام کاتبین واسطے لکھنے نامۂ اعمال کے اسواسطے مقرر نہیں کئے ہیں کہ نعوذ باللہ خدا کو سہو و نسیان ہوتا تھا بلکہ کرام کاتبین کے مقرر کرنے کی بھی ایک مصلحت
اور وجہ اسکی کتب کلامیہ میں لکھی ہوئی ہے دیکھ لے یہاں اسکے ذکر سے کیا تعلق ہے اپنی طرف سے تو ایک بات لکھتا ہے اور خود ہی شیعوں کی طرف سے جواب تجویز کرتا ہے اور آیت لیبلوکم خود تیرے
دل میں کھٹکتی ہے اور تجھکو اسکے معنی میں تردد ہوا ہے اور اسکے معنی تیری سمجھ میں آئے نہیں ہیں اسواسطے تو اپنے دل سے جبر کرکے کہتا ہے کہ شیعہ اس آیت سے نکالتے ہیں خدا کا عالم نہ ہونا پیدا ہونے
سے پہلے اور شیعہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں شیعوں کو تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے تیرے ہی دل میں بات کھٹکتی ہے اور شیعہ تو معنی اس آیت کے بہت صحیح کرتے ہیں کہ جس میں کسی طرح کا خلجان نہیں ہے
قال الشیخ الاشعری اور اگر شیعوں کو بہ نسبت نامہائے اعمال اور حساب کتاب و ہاتھ پاؤں کی گواہی کے جو قیامت میں ہوگی یہ عذر ہے کہ یہ سب تعلیم بنی آدم کے لئے ہے تو ہم بھی یہی
کہتے ہیں کہ یہ امتحان خداوندی بھی تعلیم بنی آدم کو ہے **اقول** شیعوں کو یہ عذر نہیں ہے تو اپنی طرف سے جو کچھ چاہتا ہے تجویز کرتا ہے حساب و کتاب مقرر کرنے میں بھی ایک مصلحت
اسکی یہ ہے کہ کسیکو عذر باقی نہ رہے اور جو کچھ وہ مقرر کرے سب حق ہے اور یہ امتحان کہ بزعم تو امتحان حقیقی نہیں ہے اسواسطے کہ امتحان میں تو امکان کہ ہو البلو بعد امتحان کے علم حاصل ہوتا
ہے اور خدا تعالی پہلے ہی سے عالم ہے اسکا جو کچھ کہ بعد امتحان کے ظاہر ہوگا سو وہ اس سے یہ کہتا ہے کہ ہرچند خدا کو اسکا علم ہے کہ جو کچھ تم کروگے لیکن مثل معاملۂ زمانیہ اللہ
کرتا ہے تاکہ لوگوں پر تمہارے اعمال ظاہر ہو جائیں کہ جو کچھ تم کروگے **قال الشیخ الاشعری** باقی کسیکو ہاتھ پاؤں کی گواہی اور حساب کتاب اور وزن اعمال میں شک ہو تو یہ
کلام اللہ کی آیتیں موجود ہیں آیت یَوْمَ تَشْهَدُ عَلَیْهِمْ اَلْسِنَتُهُمْ وَاَرْجُلُهُمْ بِمَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ جس کا یہ حاصل ہے کہ فلانی لوگوں کو جس دن عذاب ہوگا جس دن زبانیں ہاتھ
پاؤں انپر گواہی دینگے اور آیت قَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَیْنَا قَالُوْا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ یعنی قیامت کو جب کفار کے کان آنکھیں کھالیں انکی کرتوت کی گواہی دینگے تو وہ انکو ملامت کرینگے
سو اسکا بیان ہے کہ کہیں گے کفار اپنی کھالوں کو کہ تم کیوں ہمارے حق میں بری گواہی دی تو وہ کہینگے کہ جس خدا نے سب کو بلایا تھا اور بولنا سکھایا تھا اسی نے ہمیں بھی بلا دیا اور سوائے اسکے
بہت سی آیتیں وزن اعمال پر اسی طرح دلالت کرتی ہیں وَالْوَزْنُ یَوْمَئِذِنِ الْحَقُّ یعنی تول اس دن ٹھیک ہے وَنَضَعُ الْمَوَازِیْنَ الْقِسْطَ لِیَوْمِ الْقِیٰمَةِ حاصل اسکا یہ ہے کہ رکھیں گے
ہم ترازوئیں انصاف کی قیامت کے دن فَاَمَّا مَنْ ثَقُلَتْ مَوَازِیْنُهٗ فَهُوَ فِیْ عِیْشَةٍ رَّاضِیَةٍ حاصل اسکا یہ ہے کہ جسکے اعمال تولنے میں بھاری ہونگے اسکے اچھے گزران ہونگے ایسے ہی حساب کے
مقدمہ میں کثرت سے آیتیں وارد ہیں منجملہ ایک کے لکھ دیتا ہوں اِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِکُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ یُحَاسِبْکُمْ بِهِ اللّٰهُ یعنی جو ظاہر کرو جو کچھ تمہارے جی میں ہے یا چھپاؤ خدا حساب
ضرور لیگا وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاٰیٰتِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ سَرِیْعُ الْحِسَابِ یعنی جو کوئی منکر ہوگا اللہ کے حکموں سے تو اللہ حساب شتاب لینے والا ہے الغرض ان باتوں سے انکار نہیں ہو سکتا
اور ہمیں کسی سے کیا کام امامیہ اور اثنا عشریہ سے غرض تھی سو وہ منکر ہی نہیں اہل سنت اور وہ دونوں ان باتوں کی ایمان میں متفق ہیں مدعیہ سمجھتے تو یوں بھی یہی
الحاصل جو کچھ شیعہ تجویز فرمائیں ہیں کچھ دریغ نہیں اگر وہ یوں کہیں کہ بنی آدم کی حجت ختم کرنے کے لئے حساب کتاب وغیرہ ہے ورنہ کچھ حاجت نہ تھی تو ہماری طرف بھی یہی
جواب معروض خدمت ہے بلکہ اسکے ساتھ منت شکرانہ ہم سے لیں کہ ہمیں ان آیات کے معنی کی تحقیق میں تخفیف ہاتھ آئی الغرض بہرحال چشم ما روشن دل ما شاد صلاح ما
ہمہ آنست کہ آں صلاح شماست **اقول** عبث تو کاغذ کو سیاہ کرتا ہے اور تطویل لاطائل سے تیرا جی نہیں گھبراتا ہے بھلا ان باتوں کی تحریر سے یہاں کیا حاصل ہے

اور وہ کونسا مسلمان ہے جو منکر امور مذکورہ کا ہے اور جسواسطے خدا تعالیٰ نے حساب کتاب مقرر کیا ہے اسکی وجہ بھی ظاہر ہے لیکن تیرے واسطے ان امور کی تحریر سے کچھ فائدہ نہیں ہے تو عبث لکھتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اور کسی مثال سے سمجھنا مد نظر ہے تو ایسی مثال لیجے جیسے مولوی عمار علی صاحب ان جائیں الٓم کا پہلا سیپارہ تو شیعوں کو غالباً یاد ہو نہیں۔۔۔ تو قریب یاد کے ہوگا کیونکہ اکثر دستمال اطفال رہتا ہے چہ جائیکہ بڑے بوڑھے عالم فاضل سو پہلے سیپارہ میں رکوع واذ قال ربک میں کچھ یہ بیان ہے کہ جناب باری تعالیٰ نے فرشتوں کو حضرت آدم کے زمانہ میں خلیفہ بنانے کی خبر دی تو فرشتوں نے یہ اعتراض کیا کہ آپ آدم کو اور آدم کی اولاد کو خلیفہ بناتے ہیں جو زمین میں فساد کریں اور خونریزیاں مچائیں حالانکہ ہم اسکات کا استحقاق رکھتے ہیں آپ کی تسبیح ہم کرتے ہیں آپکی تقدیس میں ہم مشغول رہتے ہیں تو اسکے جواب میں سردست تو جناب باری تعالیٰ نے یہ ارشاد فرمایا کہ میں جانتا ہوں جو تم نہیں جانتے مگر انکی حجت قطع کرنے کے لئے حضرت آدم علیہ السلام کو سب چیزوں کے نام یا حقیقت تعلیم فرما کر پھر فرشتوں سے ان چیزوں کے نام یا حقیقت دریافت کی اور فرمایا کہ اگر تم دعوئ استحقاق میں سچے ہو تو ہمارے سوال کا جواب دو چونکہ فرشتوں کو معلوم نہ تھی تو انہیں بجز یوں کہے نہ بن پڑی سُبحانک لا علم لنا الا ما علمتنا انک انت العلیم الحکیم حاصل اسکا یہ ہے کہ الٰہی تو پاک ہے ہمیں تو جتنا تو نے بتلا دیا اسکے سوا اور کچھ معلوم نہیں تو ہی اسرار کا جاننے والا اور حکمتوں والا ہے جب انسے نہ بتلایا گیا تو حضرت آدم علیہ السلام کو حکم ہوا کہ تو انہیں ان چیزوں کے نام بتلادے جب حضرت آدم علیہ السلام نے انکے نام بتلا دیئے تو خداوند کریم نے فرشتوں سے ارشاد فرمایا کہ میں نے تم سے کہا تھا کہ میں آسمان زمین کی سب لکی چھپی باتیں جانتا ہوں اور جو تم ظاہر کرو اور جو چھپاتے ہو وہ سب مجھے معلوم ہیں **اقول** تمہاری مثال کو سمجھنے کا کوئی محتاج نہیں ہے معلوم نہیں تم کیا بکتے ہو اور بڑباتے ہو اور جو تم کہتے ہو وہ مطلب ہی یہاں نہیں ہے چنانچہ ہم کبھی مرتبہ لکھ چلے اور جو کچھ کلام اللہ سے مراد ہے وہ شیعوں ہی کی پاس ہے نہ تمہارے پاس اور باقی رہا قرآن کے لفظوں کا یاد کرنا سو اس سے تمہارے ملا تو ہی محروم تھے اور عورتوں سے الزام اٹھاتے تھے حضرت عمر سے بارہ برس میں سورۂ بقر یاد ہوا تھا دیکھ لے اپنی کتابوں کو ان میں لکھا ہے یا نہیں سو یاد تو ملا فرقہ کو نہیں ہوتا تھا اور کہتا ہے تو شیعوں کو اور اگر شیعوں سے تجھے حفظ سننا منظور ہے تو بہتیرے میں چلا آ **قال الشیخ الاشعری** بارے خدا اعلمائے شیعہ اس قصہ میں غور فرمائیں یہ امتحان فرشتوں اور حضرت آدم کا جو لیا تو کیا اسلئے لیا تھا کہ اپنے آپکو حقیقۃ الامر معلوم ہو جائے یا فرشتوں کی حجت قطع کرنے کے لیے درصورتیکہ حضرت آدم کو پہلے سے اپنے سوال کا جواب بتلا چکے ہوں اور فرشتوں کو نہ بتلایا ہو تو کسی نادان کو بھی یہ شبہ نہیں ہو سکتا کہ جناب باری تعالیٰ کو یہ معلوم نہ تھا کہ کون استحقاق رکھتا ہے کون نہیں سو جیسے یہ امتحان فقط فرشتوں کی حجت قطع کرنے کے لئے اور انکے اعتراض کے اپنے ذمہ سے اٹھا دینے کے لیے تھا ایسے ہی یہ امتحان جو لیبلوکم یا اور اسی مضمون کی آیتوں سے ثابت ہوتا ہے تو فقط اسی لئے کہ بنی آدم بوجہ حسد کید و شر کے رستہ بڑھانے پر خدا کے ذمہ نا انصافی کی تہمت لگانے لگیں اور انکو گنجائش گفت وشنود اور جائے اعتراض و انکار جو انکی جبلت میں رکھی ہوئی ہے باقی نہ رہے اور واقعی اس حکم احکام کے قصد اور رسولوں اور انبیاؤں کی بھیجنے کے سلسلہ کی وجہ اور حکمت یہی معلوم ہوتی ہے کیونکہ جب ملائکہ باینہمہ عصمت در فرمانبرداری کہ آیت لا یعصون اللہ ما امرھم و یفعلون ما یؤمرون سے جسکا حاصل یہ ہے کہ فرشتے خدا کے نافرمانی نہیں کرتے اور جو کچھ انہیں حکم ہوتا ہے وہی کرتے ہیں ثابت ہوتی ہے خدا کی بات میں دخل دے بیٹھے اور بوجہ حسد بنی آدم اعتراض لا رہے تو بنی آدم ہیں پھر باوجودیکہ گناہوں سے الگ خمیر ہے انکی شان میں تعریف بھی آئی ہے وکان الانسان اکثر شیء جدلا یعنی انسان میں زیادہ جھگڑالو ہے پھر اگر خداوند کریم موافق اپنی علم ازلی کے رسول اللہ صلعم اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جنت میں اور ابوجہل اور فرعون کو دوزخ میں داخل کر دیتا تو فرعون اور ابوجہل کا ہیکو ٹھنڈے جو ملے منہتی اعتراض پر اعتراض کئے جاتے اور اپنی استحقاق جنت کے دعوی کیا کیا کچھ نہ کرتے اسی لئے خداوند کریم علیم حکیم نے کلام اللہ میں اکثر مواقع میں وجہ اس سلسلہ ہدایت کے بھی بیان فرمائی ہے تسکین خاطر ناظرین کی لئے ایک گزارش کرتا ہوں واتبعوا احسن ما انزل الیکم من ربکم من قبل ان یاتیکم العذاب بغتۃ وانتم لا تشعرون ان تقول نفس یا حسرتی علی ما فرطت فی جنب اللہ وان کنت لمن الساخرین او تقول لو ان اللہ ھدانی لکنت من المتقین او تقول حین تری العذاب لو ان لی کرۃ فاکون من المحسنین بلی قد جاءتک ایاتی فکذبت بہا واستکبرت وکنت من الکافرین حاصل اسکا یہ ہے کہ چلو بہتر بات پر جو تم پر نازل کی گئی تمہارے رب کی طرف سے پہلے اس سے کہ پہنچے تم پر عذاب اچانک اور تمکو خبر نہ ہو کہیں کہنے لگے کوئی جان ہائے افسوس میں نے قصور کیا اللہ کے مقدمہ میں اور میں ہنستا ہی رہا یا کوئی کہنے لگے اللہ مجھکو راہ بتاتا تو میں متقی ہوتا یا کوئی کہنے لگے جب دیکھے عذاب کس طرح مجھکو پھر جانا ملے تو میں نیکی والوں میں سے ہو جاؤں کیوں نہیں پہنچ چکے تھے تجھ کو میرے حکم پھر تو نے انکو جھٹلایا اور غرور کیا اور تو کافروں میں سے تھا یہاں تک ترجمہ تھا اب اس آیت کو مطالعہ کرنیوالے فرمائیں کہ یہ جو حکم ہوا کہ خدا نے جو تمہاری طرف عمدہ بات نازل کی ہے اسکا اتباع کرو اور اسپر چلو خدا نے اسکی کیا وجہ فرمائی ہے بجز اسکے اور بھی کچھ ہے کہ یہ اندیشہ تھا کہ کوئی یوں کہنے لگے کہ خدا اگر مجھے راہ بتلاتا تو میں متقی پرہیزگار ہوتا اور یہ اندیشہ جب ہو سکتا ہے کہ اپنی طرف سے پہلے تجویز کر رکھا ہو کہ اسکو دوزخ میں پہنچائینگے اسکو جنت میں سو اسی تجویز کے موافق اگر کاربند ہوتے اور جسکو برا بھلا جیسا سمجھ رکھا تھا اسکے مناسب اسی جگہ دیتے تو بیشک دوزخی بھی اپنا استحقاق جتاتے اور دعوی

اپنی بہلائی کا کرکے کہتی کہ ہمارا امتحان کیوں نہ لیا ہمکو راہ دکھایا ہوتا ہم بیشک متقی اور پرہیزگار نکلتے معہذا کنت من الکافرین فرمایا اور کفرت نہ فرمایا عربیت میں جو مہارت
کما ینبغی رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ اگر کفرت فرماتے تو یہ معنی ہوتے کہ جب آیات آئیں اور تم انکا انکار کیا تب کافر ہوگیا پہلے سے نتھا اور اب یہ معنی ہیں کہ ازل سے تیرا جہو کافروں
اور نکے اسموں میں لکھا تھا سو تو موافق اُس لکھے ہوئے کے نکلا باوجودیکہ ہماری آیات تیرے پاس آئیں پھر تونے اُنہیں نہ مانا اور اُلٹا غرور کیا ایسے ہی سورۂ اعراف میں ہے اَنْ
تَقُولُوا يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِنَّا كُنَّا عَنْ هٰذَا غَافِلِينَ یعنی عہد الست جو لیا گیا تھا فقط اسی لئے کہ تم عذاب کے وقت یوں نہ کہنے لگو کہ ہمیں تو اسکی خبر ہی نہیں العقدہ جو کچھ صورت حال
بنی آدم سے چنانچہ مذکور ہوا اعتراض اور جھگڑا اٹھ سکتا تھا جناب باریتعالی نے امتحان مقرر کردیا تاکہ اُنکی حجت منقطع ہوجائے اور کل کو غل نہ مچائیں۔ زنا انصافی کی تہمت لگائیں اسی لئے
اُن کے سنانے کو فرماتے ہیں لِيَبْلُوَكُمْ أَيُّكُمْ أَحْسَنُ عَمَلًا وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِينَ مِنْكُمْ وَالصَّابِرِينَ وَنَبْلُوَا أَخْبَارَكُمْ حاصل یہ نکلا کہ انکو ہماری بدگمانی ہو اور یوں
سمجھتے ہو کہ خدا کو کیا معلوم کون اچھا ہے کون برا ہے آزما کے دیکھا تو ہوتا جو اچھے برے کا فرق معلوم ہوتا ورنہ فقط اٹکل سے برا بھلا سمجھ لینا اور پھر اُسکے موافق دوزخ جنت میں داخل کرنا
کار انصاف نہیں تو اب ہم بھی امتحان ہی لیں گے تاکہ معلوم تو ہو کہ کون بھلا ہے کون برا ہے کون مجاہد ہے کون صابر ہے غرض یہ امتحان قطع حجت بنی آدم کے لیے ہے خداوند علیم کو تحصیل
مد نظر نہیں چنانچہ دوسری آیت میں جو لفظ اخبارکم ہے وہ بھی باواز بلند اسبات پر شاہد ہے کہ خداوند علیم پہلے سے بیخبر نہیں اچھے برے نیک بد حال سے خبردار ہے کیونکہ اس صورت میں حاصل
اس آیت کا یہ ہے کہ ہمکو جو تمہاری حقیقتوں کی خبر ہے اور تمکو اسمیں شک ہے اور ہم بھی اُسے جانچ ہی لیں گے اس سے صاف معلوم ہوگیا کہ خدا کو پہلے سے ہر چیز کی خبر ہے بھلے اور برے کو جانتا ہے

اقول ارے اکذب الکاذبین یہ کون شیعہ کہتا ہے کہ خدا تعالی نے امتحان فرشتوں کا اور حضرت آدم کا لیا تو اسواسطے لیا کہ اسکو حقیقت الامر معلوم نہ تھی شیعہ تو ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے
ہیں اور اُسپر لعنت کرتے ہیں اور جھوٹے اور مفتری پر تو خدا تعالی خود لعنت کرتا ہے چنانچہ فرماتا ہے لَعْنَةَ اللّٰهِ عَلَى الْكَاذِبِينَ اور حقیقت الامر کے معلوم نہ ہونے کی جہت سے جو خدا تعالی نے امتحان
لیا تو یہ اہل سنت کے نزدیک ہوگا نہ شیعوں کے نزدیک شیعہ تو مسئلہ ازل ہی سے ابد تک عالم ہر امر کا جانتے ہیں اور جس امر کا وہ امتحان لیتا ہے خواہ فرشتوں سے خواہ آدمیوں سے اُسکی حقیقت کو وہ پہلے ہی
جانتا ہے کیونکہ ہوگا اور جسقدر آیتیں کہ امتحان کے لینے کی بابت ہیں شیعوں کے نزدیک انکا یہی مطلب ہے کہ خدا تعالی جس چیز کا امتحان لیتا ہے اسکو پہلے ہی سے جانتا ہے اور امتحان علم کے حاصل
ہونے کے واسطے نہیں لیتا ہے کہ علم تو ہر چیز کا اسکو روز ازل سے ہے بلکہ اُنکی حجت کے قطع کرنے کے واسطے کہ تاکہ وہ کچھ عذر کریں تو کل کو کہنے کی جگہ ہو کہ ہمنے تمہاری ہدایت کے واسطے آیتیں
اور انبیاء بھیجے تمنے انکا انکار کیا اور اگر امتحان میں اچھا نکلا تو اُسکے واسطے مدارج عالیہ بہشت میں موجود ہیں موافق اپنے اپنے عمل کے کسیکو زیادہ اور کسیکو کم اور امتحان لینا خدا کا
حق ہے نہ اسواسطے کہ امتحان کی وجہ سے جو علم کہ اسکو حاصل نہ تھا امتحان کرنے سے اُسکو حاصل کرے اگر یہ مذہب ہوگا تو اہل سنت کا ہوگا کہ امتحان کرنے سے علم حاصل کرے شیعوں کا یہ مذہب
نہیں ہے سارے قول کا اسکے جواب ہوگیا جو کچھ کہ اسنے فضول اور لاطائل لکھا تھا **قال الشیخ الاشعری** ایسا نہیں ہے جیسا امامیہ کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے
خدا کو جبھی خبر ہوتی ہے چنانچہ ملا نظام الدین جیلانی کے حوالہ سے اوپر گزر چکا لیکن بنی آدم کی حجت قطع کرنیکے لیے یہ بکھیڑا کیا جیسے فرشتوں کے ساکت کرنیکے لیے سوال وجواب مذکور کی
نوبت پہنچائی ورنہ خداوند کریم پہلے سے جانتا تھا کہ حضرت آدم خلافت کے لائق ہیں فرشتوں میں وہ بات نہیں جو آدم میں ہے ایسے ہی ازل سے جنتیوں کا جنت کے لائق ہونا اور دوزخیوں کا دوزخ کے لائق ہونا خداوند کریم اسی طرح
جانتا تھا جس طرح ہم لکڑیوں کا چولھے کے لائق ہونا اور موتی کا لڑائی کے قابل ہونا سمجھتے ہیں اگر خداوند کریم علم ازلی کے موافق جنتیوں کو جنت میں اور دوزخیوں کو دوزخ میں پہنچا دیتا تو کچھ ظلم نہ تھا لیکن
بنی آدم کا جھگڑا اٹھ کے بند دیتا تھا فرشتوں نے تو کیا انکار کیا جو یہ کرتے اسلئے یہ سارے کارخانے وامتحان مقرر کئے **اقول** امامیہ ہرگز یہ نہیں کہتے ہیں کہ جب کوئی چیز پیدا ہوتی ہے
جبھی خدا کو خبر ہوتی ہے تو جھوٹ لکھتا ہے امامیہ تو ایسے شخص کو جو کہ یہ اعتقاد رکھے کافر جانتے ہیں اور امامیہ کا تو یہ مذہب ہے کہ خدا تعالی روز ازل ہی سے ہر چیز کا عالم ہے اور نظام الدین جیلانی کا
جو تو حوالہ دیتا ہے اُسکا جواب کئی مرتبہ ہم دے چکے کہ شیعوں میں اس نام کا ملا کوئی شخص نہیں ہے اور اگر کوئی کٹھ ملا ہوگا تو ایسا اعتقاد کرنے سے کافر ہوگیا جیسے کہ تو سات
ختم المرسلین کہنے سے علماء مکہ معظمہ کے نزدیک مرتد ہوگیا اور اگر اُسنے کوئی روایت بھی شیعوں کی کتب احادیث میں سے لکھی ہے تو اسنے کیا ہوتا ہے شیعوں کے اعتقاد کو دیکھنا چاہیے
اہل سنت کی کتب صحاح میں جناب رسولخدا صلعم سے ایسی روایتیں نقل کی ہیں کہ جن سے خدا تعالی کے مجسم ہونے پر دلالت ہوتی ہیں اور چنانچہ پہلے اسکے ہم بہت سی اکثر علماء کا
مذہب بھی خدا تعالی کے مجسم ہونیکا ہے اور اب جو اہل سنت سے پوچھو تو کہیں گے کہ ہم ایسے کاہیکو ہیں چنانچہ انکی احادیث میں بابت خدا کے ہے کہ میں نے اپنے پروردگار کو جوان امرد
کی صورت میں دیکھا اور بیہقی نے رسالہ کتاب الاسماء والصفات میں محدثین کے نزدیک خدا تعالی کا ایک آسمان سے دوسرے آسمان پر نازل ہونا تحریر کیا ہے اور کہتے ہیں کہ آسمان دنیا پر
خدا تعالی نزول جلال فرماتا ہے اور جلال الدین دوانی نے شرح عقائد میں تصریح کی ہے کہ اکثر مجسمہ فرقہ محدثین ہیں چنانچہ لکھتے ہیں کہ و اکثر المجسمة الظاهريون المتعلقون بظواهر
الکتاب والسنة واکثرهم المحدثون اور ابن جوزی نے تو تمام محدثین کو مشبہ میں سے لکھا ہے تلبیس ابلیس میں جب محدثین کا یہ حال ہے تو انکی روایات کا کیا اعتبار
اور مدار اہل سنت کے مذہب کا انہی روایات ہی پر ہے اور تمہیں ایک شخص مجہول نظام الدین جیلانی کا حوالہ ہے کہ جسکو کوئی نہیں جانتا ہے کہ وہ کون تھا تو اعتراض کرتا ہے اپنے محدثین اور علماء کی خبر نہیں لیتا

قال الشیخ الاشعری اب بفضلہ تعالیٰ وہ دعوے کا جو بوجہ آیات امتحان علمائے شیعہ کو واقع ہوا تھا مرتفع ہو گیا اور معلوم ہو گیا کہ کلام اللہ یوں سمجھا کرتے ہیں نہ یہ کہ ایک آیت پر تو پلچ گئے اور جو کچھ فی الفور سمجھ میں آ گیا اُسپر جم گئے اور یہ نہ دیکھا کہ اور آیات سے ملکر اس آیت کے کیا معنی ہوتے ہیں اگر یہی تفسیر دانی ہے تو ہم جانتے ہیں کہ علمائے شیعہ کل کو وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ اور وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ اور وَنَادَىٰ أَصْحَابُ النَّارِ وغیرہا اس قسم کی آیات کے معنوں میں فرمانے لگیں گے کہ یہ سب قصے ہو چکے ہیں اسلئے کہ قطع نظر آن آیات کے اور احادیث کے جنسے قیامت کا آئندہ کو ہونا ثابت ہوتا ہے سر دست ان آیات کے یہی معنی معلوم ہوتے ہیں کہ یہ باتیں سب ایام گزشتہ کے افسانہ ہیں کیونکہ نادیٰ ماضی کا صیغہ ہے جب تلک یوں نہ کہیں کہ جو چیز ہونیوالی ہے اور اُسکے ہونے میں کچھ شک نہیں ہے تو اُسے عرف میں یونہی کہا کرتے ہیں کہ وہ ہی چکی چنانچہ جو شخص لب مرگ ہوتا ہے اُسکو کہا کرتے ہیں اسمیں کیا رہا ہے مر ہی چکا ہے جب تلک ان آیات کے معنی اور آیات کے موافق نہونگے ادنیٰ سے ادنیٰ عربی خواں بھی یوں جانتا ہے کہ باعتبار لغت کے وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْجَنَّةِ أَصْحَابَ النَّارِ کے یہ معنی ہیں کہ نادا کی جنتیوں نے دوزخیوں کو اب تلک دوزخ اور جنت میں ۔ گیا ہے کون ہے جو یہ سوال اور جواب ہونے لگے البتہ یہ سب سرگزشتیں بروز قیامت ظہور میں آئینگی چنانچہ سیاق اور سباق سے ظاہر ہے اور نیز امامیہ اور اثنا عشریہ بھی یہی فرماتے ہیں **اقول** اے دروغگو جھوٹوں کے بادشاہ علمائے شیعہ کو آیات امتحان سے ہرگز دھوکا نہیں ہوا ہے تو سراپا کاذب و مفتری ہے اور اگر تو راست گو ہوتا تو کسی امامیہ کا حوالہ دیتا کہ فلانے نے اس آیت سے دھوکا کھایا ہے ابتدا سے تو برابر جھوٹ لکھتا چلا آتا ہے اور سچ ہے اگر تو جھوٹ نہ لکھے تو امامیہ پر کیونکر غالب ہو امامیہ کے مذہب میں تو گرفت کی بات ہی کوئی نہیں ہے جیسے کہ مذہب اہلسنت عیبوں سے بھرا ہوا ہے و صدہا اعتراض شیعوں کی اُنکے مذہب پر وارد ہوتے ہیں اور کلام اللہ کا سمجھنا تم کیا جانو کہ تمہاری پیر و مرشد تو کلام اللہ کے معنی میں غلطیاں کیا کرتے تھے اور دوسروں کی طرف رجوع کرنے تھے اور شیعوں پر جو کہ ماہران مضامین قرآن سے اخذ کرتے ہیں کج فہمی کی تہمت کرتے ہو اور نادی اصحاب الجنۃ اصحاب النار جو قرآن شریف میں ہے تیرے ہی نزدیک قصص گزشتہ ہونگے نہ شیعوں کے نزدیک اور شیعوں کی نزدیک تو یہ ہے کہ جس امر کے ہونیکا یقین ہوتا ہے اُسکو بلفظ ماضی بیان کرتے ہیں اور اُنکے نزدیک تو قیامت کا ہونا حق ہے اسواسطے بلفظ ماضی اُسکے بیان کرنیکو بھی حق جانتے ہیں لیکن تیرے دلمیں قیامت کے ہونے میں تردد معلوم ہوتا ہے اسواسطے تو ایسی باتیں تراشتا ہے **قال الشیخ الاشعری** سو جیسے ان الفاظ کو بقرینہ دیگر آیات اپنے معنی حقیقی یعنی زمانہ ماضی سے پھیر کر معنی مجازی یعنی زمانہ مستقبل مراد لیتے ہیں ایسے ہی اگر لنبلونکم وغیرہ کلمات کو جو زمانہ مستقبل پر دلالت کرتے اُن آیات کے قرینہ سے جنسے خداوند علیم کے علم کا قدیم ہونا ثابت ہوتا ہے اپنے معنی اصلی یعنی زمانہ مستقبل سے پھیر کر زمانہ ماضی مراد لیں تو کیا گناہ ہے اور تصحیح مجاز کی وجہ درکار ہو تو سنیئے جیسے امور آیندہ میں سے اُن امور کو جن کا آیندہ کو واقع ہونا یقینی ہوتا ہے بایں وجہ کہ اُنکا تحقق ضرور ہے اور یقینی ہے الفاظ ماضی سے تعبیر کر دیتے ہیں ایسے ہی امور گزشتہ میں سے اُن امور کو جنکا تحقق اور وقوع اور اُنکا وجود ایک نوع سے مخفی ہو اور باایں ہمہ اُنکا اثر بھی ہنوز ظاہر نہوا ہو تو بایں لحاظ کہ ایسے امور کا ہونا نہونا اکثر اثر کے ہونے نہونے سے معلوم ہوتا ہے الفاظ مستقبل سے تعبیر کر دیا کرتے ہیں مثال کی ضرورت ہو تو سنیئے کہ اگر کوئی بیمار بوجہ امتداد مرض اور شدت بیماری صاحب فراش ہو جائے یعنی چارپائی کا سوار بن جائے اور پھر شافی مطلق اُس بیمار کو ایکدفعہ ہی شفا عطا فرمائے تو ظاہر ہے کہ وہ طاقت رفتہ مرض کی جاتے ہی نہ آ جائیگی بلکہ آہستہ آہستہ آئیگی سو اگر بمجرد زوال مرض عطار وغیرہ قرضخواہ اگر اپنے حقوق کا مطالبہ کرنے لگیں تو وہ مرد ضعیف و نقیہ اگر مفلس ہوتا ہے تو باوجود اطلاع اس امر کے کہ میرا مرض زائل ہو گیا اور میں اچھا ہو گیا اکثر یہی جواب دیتا ہے کہ میں اچھا ہو جاؤں تو کہیں سے فکر کر کے آپکا حق پہنچاؤں یا فرض کرو بیمار کو تو زوال مرض کی اطلاع نہو چنانچہ اکثر ہوتا ہے پر طبیب کامل آثار و دلائل سے اسکی صحت سے مطلع ہو کر خواستگار انعام ہو اور بیمار بسبب بقائے آثار مرض مثل نقاہت وغیرہ کے اعطائے انعام میں متردد ہو تو طبیب اکثر کہا کرتے ہیں کہ اچھا جب تم اچھے ہو جاؤ گے جبھی دینا سو جیسے طبیب یا مریض مذکور بایں لحاظ کہ ابتک ظہور اثر صحت کچھ نہیں ہوا یعنی طاقت نہیں آئی تو صحت کو جو واقع ہو چکی بمنزلہ غیر واقع سمجھکر صیغہ استقبال سے تعبیر کرتا ہے **اقول** کیا فریب اور مکر کی گفتگو کرتا ہے یہ شیخ کہ کوئی جانے کہ شیعہ ایسا ہی کہتے ہونگے انکو اس طرح سے سمجھانا چاہیئے لیکن جو کچھ یہ لکھتا ہے سب غلط ہے شیعوں کا یہ قول ہی نہیں ہے جو کہ یہ شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے بلکہ شیعوں کا تو آیت لنبلونکم میں یہ مذہب ہے کہ خدا تعالیٰ جس چیز کی آزمائش کرتا ہے اُسکو روز ازل سے جانتا ہے کہ آزمائش میں ایسی نکلیگی ایسا اتمام حجت تمام کرنیکے واسطے کرتا ہے اور یہ اسکو منظور نہیں ہے کہ انکا حال جو مجھکو معلوم نہیں ہے تو امتحان کرنے سے معلوم ہو جاوے اسواسطے کہ اُسکو احتیاج ہی نہیں ہے اور علم اُسکا قدیم ہے اور روز ازل سے وہ سب جانتا ہے بس بعد اسکے جو مثال وغیرہ اس نے لکھی ہے سب باطل ہے کہ اُسکو یہاں کچھ تعلق ہی نہیں ہے نہ شیعہ ایسے ہیں کہ اُنکے واسطے ایسی باتیں بلا فریب لکھنی چاہئیں **قال الشیخ الاشعری** ایسے ہی جناب باری بھی اپنے اس علم قدیم لو کہ صحابہ مجاہد اور صابر ہیں اور اعدائے صحابہ فاسق و فاجر اصحاب کرام بوجہ سعادت ازلی و شرافت لم یزلی اور خوبی ذاتی اور کمال صفاتی اس لائق ہیں کہ انسے اچھے کام لیے جائیں اور اُسکے ثمرہ میں کمالات کسبی دیے جائیں اور اعدائے اصحاب بسبب شقاوت ازلی اور رذالت لم یزلی اور زبونی ذاتی اور

نقصان صفاتی اس قابل ہیں کہ اُنسے بُرے کام لئے جائیں اور اُسکی پاداش میں اُنکے قلوب سیاہ کئے جائیں باین نظر کہ قبل تکلیف اعمال اُس علم پر کوئی ثمرہ متفرع نہیں ہوا اور اُس کا اثر یعنی اچھے بُرے کاموں کا اُنسے لینا ہنوز ظاہر نہیں ہوا **اقول** البتہ جو کہ صحابہ تھے کہ جنہوں نے رسولخدا صلعم کی صحبت پائی اور ایمان پر مرے اُنکو خدا تعالیٰ اپنے علم قدیم سے جانتا تھا کہ یہ خوب جہاد کرینگے اور کفار کو قتل کرینگے اور یا اُنکے ہاتھوں سے مقتول ہونگے یا زخمی ہونگے اور صبر کرینگے اُنکے ہی حق میں فرماتا ہے اور اُنکو پہلے ہی سے جانتا تھا کہ یہ مجاہد ہیں اور جو لوگ کہ جہادوں میں سے بھاگے جیسے کہ ابوبکر اور عمر اور عثمان اور ابو عبیدہ اور طلحہ اور زبیر وغیرہ یہ مجاہدین کے زمرہ میں داخل نہیں ہیں کہ یہ جہادوں میں سے بھاگتے رہے ہیں چنانچہ احد میں بھاگے حنین میں بھاگے خیبر میں بھاگے اور سوا اسکے بہت غزووں میں سے بھاگے ازالۃ الخفا میں پدر مولوی عبد العزیز نے عائشہ سے روایت کی ہے کہ ابوبکر نے کہا کہ روز احد میں پہلے سب سے بھاگنے کے بعد اُلٹا پھر کر آیا اور بعد میرے ابو عبیدہ تھا اور مثل اسکے تاریخ خمیس میں لکھا ہے اور کنز العمال میں بھی ابوبکر کا بھاگنا لکھا ہے اور تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ عمر نے ایک روز بروز جمعہ خطبہ پڑھا اور جسوقت اَلَّذِيْنَ تَوَلَّوْا مِنْكُمْ يَوْمَ الْتَقَى الْجَمْعَانِ پر پہنچا تو کہا کہ بروز احد ہم بھاگے اور میں پہاڑ پر چڑھ گیا اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ بھگوڑوں میں سے حضرت عمر تھے لیکن پہلے بھاگنے والوں میں سے نہ تھے اور عثمان تو ایسے بھاگے تھے کہ تین دن کے بعد پھر کر آئے تھے چنانچہ روضۃ الصفا وغیرہ تواریخ میں لکھا ہے اور روضۃ الاحباب اور مدارج النبوت اور سیر ملا معین میں لکھا ہے کہ بروز جنگ احد جسوقت مسلمان جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگے تو اُسوقت حضرت غصہ ہوے اور پھر نظر کی تو علی مرتضیٰ کو اپنے پہلو میں کھڑا ہوا دیکھا فرمایا کہ اے علی تو اپنے بھائیوں کے ساتھ ملحق کیوں نہیں ہوا کہا کہ یا رسول اللہ لا اکفر بعد الایمان ان لی بک اسوۃ یعنے اے رسولخدا نہیں کفر کرتا بعد ایمان کے تحقیق کہ واسطے میرے پیروی تیری ہے دیکھو حضرت علی نے اس بھاگنے کو کفر فرمایا ہے اور عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری میں سبب نزول آیت لَيْسَ لَكَ مِنَ الْأَمْرِ شَيْءٌ میں لکھا ہے کہ رسولخدا صلعم نے بھاگنے والوں کا سب کیا ہے اور صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم صبح کی نماز کے دوسری رکعت کے رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے کہ اللھم العن فلانا وفلانا وفلانا اور عینی شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ یہ لعن اُن لوگوں کے حق میں ہے کہ جو صحابہ جنگ احد میں جہاد سے بھاگے تھے رسولخدا کو چھوڑ کر اور اُن بھگوڑوں میں عثمان بھی تھے سو خدا تعالیٰ نے ان لوگوں کا مجاہد اور صبر کرنیوالا ہونا نہیں جانا بلکہ اُنکا بھگوڑا ہونا جانا ہے اور جسوقت کہ جناب رسولخدا صلعم نے اُنکا سب کیا اور حضرت علی نے اُنکے بھاگنے کو کفر کہا تو اُنمیں سعادت ازلی اور شرافت لم یزلی اور خوبی ذاتی اور کمال صفاتی ہرگز ثابت نہوگا مگر جن لوگوں نے کہ توبہ کی ہے لیکن ثلاثہ کا توبہ کرنا ہرگز ثابت نہیں ہے کہ وہ بعد اسکے بھی بھاگے ہیں اور جہاد آخر بڑے جہادوں میں سے جنگ خیبر تھا اُسمیں سے بھی ثلاثہ بھاگے اور یہ جو لکھا ہے کہ اعداء صحابہ فاسق وفاجر تھے سو اسکا تو اس آیت میں کچھ ذکر ہی نہیں ہے تم اپنی طرف سے ایجاد کرکے کہتا ہے اور اعداء صحابہ بھی وہ ہی لوگ تھے کہ جنکو تو صحابہ میں شمار کرتا ہے جنہوں نے حقوق اہلبیت غصب کئے اور عائشہ علی مرتضیٰ سے عداوت رکھتی ہی تھی اور عثمان پر لعنت کرتی تھی اور کہتی تھی کہ اقتلوا نعثلا اور لعن اللہ نعثلا اور عثمان کو صحابہ نے قتل کروایا اور عثمان نے کسی صحابہ کو بے عزت کیا اور کسیکو مارا اور کسیکو جلا وطن کیا اور یہ سب حال انشاء اللہ تعالیٰ ہم مفصل خط کے جواب کے رد میں لکھینگے اور ملل ونحل میں صحابہ کا عداوت کرنا حضرت علی سے لکھا ہے کہ قالوا قد بلغ حقدھم وعداوتھم مع امیر المومنین الی ان سعد ابن وقاص وابن عمر واسامۃ بن زید مولی رسول اللہ صلعم ورافع بن خدیج الانصاری ومحمد بن مسلمۃ وزید بن ثابت الانصاری وابا ھریرۃ وابا الدرداء وجماعۃ غیر ھولاء لم یبایعوا علیا اذ ولی الخلافۃ ثم بایعوا معاویۃ ویزید ابنہ [illegible] یعنی کہا انہوں نے کہ تحقیق پہنچا کینہ اُنکا اور دشمنی اُنکی ہمراہ امیر المومنین کے یہاں تک کہ ان اشخاص مذکورین نے اور ایک جماعت نے سوا اُنکے نہ بیعت کی علی سے جسوقت وہ خلیفہ ہوے پھر بیعت کی اُنہوں نے معاویہ سے اور اُسکے بیٹے یزید سے جس نے کہ پایا یزید کو اُنمیں سے اور ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغۃ میں لکھا ہے کہ قال شیخنا ابو جعفر الاسکافی کان اھل البصرۃ کلھم یبغضون علیا وکثیر من اھل المدینۃ واما اھل مکۃ فکلھم یبغضونہ قاطبۃ وکان قریش کلھا علی خلافہ یعنی کہا شیخ ہمارے ابو جعفر اسکافی نے کہ اہل بصرہ کل بغض رکھتے تھے علی سے اور بہت سے مدینہ والے اور لیکن مکہ والے پس کل بغض رکھتے تھے علی سے اور کل قریش مخالف تھے علی کے پس حضرت علی کے برابر کون صحابی ہوگا کہ وہ ہمیشہ جناب رسولخدا صلعم کی صحبت میں رہے ہیں ان لوگوں نے علی سے دشمنی کی ہے اور یہ اعداء صحابہ ہیں سو یہ لوگ تیرے نزدیک فاسق وفاجر ہیں اور شقاوت ازلی اور رزالت لم یزلی انمیں ہے اور اگر تیرے نزدیک اعداء صحابہ سے وہ لوگ مراد ہیں کہ جو بعضے صحابہ کا سب کرتے ہیں سو ہم عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری سے ابھی لکھ چکے ہیں کہ جناب رسولخدا صلعم نے جہاد سے بھاگنے والوں کا سب کیا ہے اور ملل ونحل اور شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ جھزوا جیش اسامۃ لعن اللہ من تخلف عن جیش اسامۃ یعنی رسولخدا صلعم نے جیش اسامہ سے تخلف کرنیوالوں پر لعنت کی ہے اور اُنہیں شخصوں نے اسامہ کے لشکر سے تخلف بھی کیا ہے پس جسوقت کہ رسولخدا صلعم نے ایسا کیا ہو تو اور کسیکا کیا قصور ہے اگر کوئی بعضے صحابہ کا سب کرے **قال الشیخ الاشعری** باین خیال کہ بہت سے نابکاروں کو خدا کے اس علم کے صحیح ہونے میں کیسا تردد ہے جیسا بیمار مذکور کو قول طبیب میں اگر بصیغہ استقبال بیان فرمائی تو شیعوں کو اسقدر حیرت کیوں ہے رہی یہ بات کہ یہ فرق نیک بد ازلی اور خلقی ہے

قسمی اور عارضی نہیں ہے سو یہ ہر چند ایک امر دقیق ہے لیکن اہل فہم کے نزدیک یہ فرق بعینہ ایسا ہے جیسا ذکی و غبی اور حلیم اور جو نخوار اور بخیل و سخی اور شجاع و نامرد عالم و جاہل کا فرق ہے جیسے بادشاہان عاقل عالم سے کار علم اور جاہل سے کار جہل لیتے ہیں ایسے ہی جناب باری بھی ہر کسی سے اُسی کے لایق کام لیتا ہے بلکہ تحقیق تو یوں ہے کہ زمانہ تمامہ ازل سے لیکر ابد تک ایک شی موجود ہے نہ زمانہ ماضی فنا ہوا اور نہ زمانہ آیندہ معدوم ہے وجہ اسکی یہ ہے کہ اگر کوئی یوں کہے ان زیدا قائم یعنی زید قائم ہے تو بمجرد اس کلام کے سننے کے ہر کوئی یہ سمجھ جاتا ہے کہ زید موجود ہے اور اُسکا یہ حال ہے اور ظاہر بھی تو ہے کہ کوئی حال تو جب ہو کہ جب وہ خود پہلے ہولے جب یہ بات ذہن نشین ہو چکی تو گزارش یہ ہے کہ قیامت کے باب میں جو وقائع آیندہ میں سے ہیں خداوند کریم یوں فرماتا ہے اور سب جانتے ہیں کہ خدا سچا ہے کہ اِنَّ السَّاعَةَ اٰتِيَةٌ یعنی قیامت بیشک آنیوالی ہے یا دوسری جگہ یوں فرماتا ہے اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ یعنی بیشک قیامت کا زلزلہ بڑی چیز ہے سو موافق قاعدہ مذکورہ کے ہم یہی یوں ہی سمجھتے ہیں کہ قیامت بالفعل موجود ہے اور اُسکا یہ حال ہے کہ ہماری طرف آنیوالی ہے اور وہ بہت بڑی چیز ہے اور ہم بے تکرار ایمان لاتے ہیں اور چون وچرا نہیں کرتے اور کوئی نیم ملاؤں میں سے چون وچرا بھی کرے کہ بہت اوصاف ایسے بھی ہیں کہ اُنسے اُس چیز کا وجود معلوم نہیں ہوتا جسکا وہ وصف ہوتا ہے مثلاً کوئی یوں کہے کہ فلانا مر گیا یا فلانا معدوم ہو گیا تو ہر چند یہ شبہ قابل جواب نہیں اور اسکا جواب بھی یہ ہے کہ یہ باتیں اوصاف نہیں بلکہ اوصاف کا نہونا ہے لیکن مسلمنا یوں کہنا کہ فلانی چیز آنیوالی ہے یا فلانی چیز بڑی ہے یہ تو ایسے نہیں جنسے ہونا معلوم نہو بلکہ یہ باتیں تو دونوں کے نزدیک بھی وجود ہی پر دلالت کرتے ہیں سو در صورتیکہ یہ اوصاف وجود پر دلالت کرتے ہوں ہم قیامت کے بجائے خود موجود ہونے میں کیوں تامل کریں اور یوں جب مقرر ہو چکا تو ہم ایک اور بھی التماس کرتے ہیں کہ جیسے قیامت آنیوالی ٹھیری اور وہ اس صفت کے قرینہ سے موجود معلوم ہوئی تو زمانہ گزشتہ بشہادت تمام عالم گزرنیوالا ہے اسیواسطے اُسکا نام گذشتہ رکھا ہے معہذا جب قیامت وغیرہ اجزا زمانہ متحرک ٹھیرے تو ایک روز ہم تک پہنچکر گزر بھی جاوینگے اور یوں کہنا کہ فلانا شخص جاتا ہے وجود پر دلالت کرنے میں کچھ اس سے کم نہیں کہ یوں کہیے کہ فلانا شخص آتا ہے اور جب وہ نوطرفین زمانہ گزشتہ اور آیندہ برابر بجائے خود موجود نکلے تو موافق فرمودہ باریتعالی اعنی آیت اِنَّ اللّٰهَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيْطٌ سارا زمانہ اول سے لیکر آخر تک احاطہ خداوندی میں داخل ہوا سو احاطہ خداوندی کے جو کچھ کوئی معنی لے ہمیں کچھ انکار نہیں کم سے کم یہ معنی ضرور ہونگے کہ اللہ کا علم ہر چیز کو محیط ہے جیسا کہ دوسری آیت بعینہ اسی معنی پر دلالت کرتی ہے وہ آیت یہ ہے اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا یعنی اللہ کا علم ہر چیز کو گھیرے ہوئے ہے اس صورت میں کیفیت سارے زمانہ کے وجود کی باوجود اس روانگی کے کہ ایک جز آتا ہے اور ایک جز جاتا ہے ایسی ہوگی جیسے اجزا آب رواں کہ سب کے سب بجائے خود موجود ہیں لیکن سب کلی اجزا گزر جاتے ہیں تب پیچھے آتے ہیں اور خدا کے پیش نظر اور معلوم ہونے کی ایسی مثال سمجھیے جیسے کوئی لب دریا جا کھڑا ہو تو ادہر سے ادہر تک تمام دریا کا پانی اور جو جو اُس پانی کے اندر تیرتا جاتا ہے حباب یا خس وخاشاک اُسکے پیش نظر ہوتا ہے اور اُسکو سب ایک ہی واحد نظر آتا ہے گو اجزاء آب اور جو کچھ اُنمیں ہے باہم مقدم اور موخر ہیں الغرض اجزاء زمانہ اور جو کچھ زمانہ میں واقع ہوتا ہے سب کا سب تمام ہا خداوند کریم کے پیش نظر ہے اور سارا مجموعہ اُسکو بمنزلہ شے واحد معلوم ہوتا ہے اور بعد اُسکے سب اُسکو یکساں نظر آتے ہیں اُسکے حساب سے سب زمانہ حال کا حکم رکھتے ہیں مگر آپس میں ایک دوسرے کے نسبت مقدم اور موخر گنے جاتے ہیں اور فرق حال اور استقبال اور ماضی کا بہ نسبت ایک دوسرے کے ہے سو جیسے کوئی مکان میں ہوتا ہے تو اُسکے سوا جو مکان کہ اُسکے سامنے ہوتا ہے اُسکو آگا کہتے ہیں اور جو اُسکے پیچھے ہوتا ہے اُسے پیچھا کہتے ہیں ایسے ہی جس زمانہ میں کوئی چیز ہوتی ہے اُسکے پہلے زمانہ کو بہ نسبت اُسکے ماضی کہتے ہیں اور اُسکے اگلے زمانہ کو بہ نسبت اُسکے مستقبل کہتے ہیں اور خاص اُس زمانہ کو جسمیں وہ چیز ہوتی ہے اُسکی نسبت زمانہ حال کہتے ہیں سو ہر چند خداوند کریم کے پیش نظر ہو نہیں اور اُسکے سامنے موجود ہونے میں سب یکساں ہیں لیکن باہم مقدم اور موخر ہیں اور ایک دوسرے کی نسبت ماضی اور مستقبل اور حال ہے سو خداوند کریم کبھی تو موقع دیکھکر بلحاظ اپنے معلوم ہونے اور اپنے پیش نظر ہونے کے کلام کرتا ہے اور کبھی مناسب وقت اُن وقائع کے تقدم اور تاخر کا لحاظ ہوتا ہے پہلی صورت میں تو ہمیشہ ماضی کا صیغہ یا حال کا صیغہ مستعمل ہوتا ہے اور دوسری صورت میں ماضی کی موقع میں ماضی اور حال کے موقع میں حال اور استقبال کی جگہ استقبال اور باوجود سب کے سب یکساں مستحضر ہونے کے ماضی کا صیغہ جو استعمال کرتے ہیں اور حال کا لفظ نہیں بولتے تو اُس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی کبھی کسی فعل کے صدور اور حدوث ہی کی خبر دینی مد نظر ہوتی ہے اور کبھی اُس فعل کے استمرار وجود کی خبر سو جن افعال کے خبر دیتے ہیں وقت خبر جو وہ حاضر ہوتے ہیں تو باعتبار استمرار وجود کے حاضر اور پیش نظر متکلم ہوتے ہیں ورنہ باعتبار صدور اور حدوث کی وقت خبر حاضر نہیں ہوتی بلکہ غائب ہو جاتے ہیں کیونکہ صدور اور حدوث آنی ہی زمانی نہیں اور قبل وجود کسی فعل کے جو اُس فعل کی خبر دیجاتی ہے تو وہ تو لاجرم بصیغہ استقبال ہونی چاہئے غرض حدوث کیلئے صیغہ حال ممکن نہیں یا لفظ ماضی ہوگا یا لفظ استقبال اگر قبل حدوث کسی وجہ سے مطلع ہو کر خبر دینگے اور بعد حدوث معائنہ کر کے خبر دینگے تو بصیغہ ماضی خبر دینگے حال جب ہو سکتا تھا کہ حدوث بھی مثل استمرار یعنی حاصل مصدر زمانی ہوتا اور نہوتا بہر حال بہ نسبت علم خداوندی کے سب بمنزلہ حال کے ہے سو جہاں کہیں وقائع آیندہ کو ماضی کے الفاظ سے بیان کیا ہے جیسا ونادی اصحاب الجنۃ یا اور

سوا اسکے تو وہاں رعایت اسکی ہے کہ خدا کو سب مستحضر اور پیش نظر ہے اور جہاں ہو گزشتہ میں صیغہ استقبال کا مذکور ہے جیسا حَتّٰی نَعْلَمَ الْمُجَاهِدِیْنَ یا لِنَبْلُوَکُمْ وغیرہ تو وہاں یہ مد نظر ہے کہ بہ نسبت اپنی ماقبل کے مستقبل ہے اس بحث کو اہل انصاف انصاف سے ملاحظہ فرمائیں اور پھر فرمائیں کہ یہ ہیچمدان ہر چند دیوانہ ہے لیکن کسقدر ٹھکانے کی بات کہتا ہے مگر برائے خدا ذرا بوجہہ سمجھکر دیکھیں مبادا اپنی جلدی میں میری ذمہ یہہ تہمت نہ لگاویں کہ فلانی رسالہ والا وقائع عالم کے قدیم ہونیکا قائل ہے تنبیہ کے لئے میں ابہی سے کہے دیتا ہوں کہ کسی واقع کے قدیم ہونیکے لئے یہ ضرور ہے کہ اسکا استمرار وجودی یعنی حاصل بالمصدر بقدر تمام زمانہ من اولہ الی آخرہ ہو یعنی ازل سے لیکر ابد تک اسکا استمرار وجود موجود ہو اس سے قدم ثابت نہیں ہوتا کہ ایک زمانہ محدود الطرفین پر منطبق ہو اگرچہ وہ زمانہ قطع نظر حرکت لازمہ کے بذات خود ایک امر مستقر ہو یعنی مثل حرکات ایسا نہو کہ ایک جزء حادث ہوا تو ایک فانی ہو گیا اللھم انت الهادی لا هادی الا انت **اقول** اگر خدا تعالی کے علم کے صحیح ہونے میں تردد ہوگا تو تجھکو ہوگا شیعوں کو تردد نہیں ہے اور نہ شیعوں کو حیرت ہے اور تو حیرت کو شیعوں کی طرف منسوب جو کرتا ہے تو دروغگو اور مفتری ہے اور خدا تعالی کو انکے نزدیک ازل سے ابد تک ہر چیز کا علم حاصل ہے اور یہ سلسلہ جو ازل سے ابد تک ہے اور جو کچھہ اسکے درمیان ہے خدا تعالی کی ذات کے سامنے سب حاضر اور موجود ہے اور ماضی اور حال اور استقبال بہ نسبت ایک دوسرے کی ہے اور خدا تعالی کی ذات کے سامنے تو سب حاضر اور موجود ہے وہاں کچھہ لحاظ ان زمانوں کا نہیں ہے اور خدا تعالی کا علم ہر شئے کو یکساں احاطہ کئے ہوئے ہے اور اسکو اختیار ہے چاہے ماضی کے صیغہ میں بیان کرے چاہے استقبال کے کہ سب اسکے پیش نظر ہے اور جو کچھہ اس قول میں اس شیخ نے لکھا ہے سب فضول ہے کہ جو کچھہ اسنے لکھا ہے اسکو سب جانتے ہیں اور بعض قول اسکا قابل مناقشہ کے ہے لیکن اسکے تعارض میں کچھہ فائدہ نہیں ہے اسواسطے ہمنے اسکو ترک کیا اور یہ جو لکہتا ہے کہ یہ ہیچمدان ہر چند دیوانہ ہے سو سچ کہتا ہے اسکا دیوانہ پن بعد اسکے خط کے جواب کے رد میں ہم بیان کرینگے کہ بعضی جگہہ گفتگو اسکی پاگلوں کی سی ہے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی عقل کا پورا اس تقریر میں کچھہ الجھنے لگے اور اس طریق سے مطالب تک پہنچنا اسکو دشوار معلوم ہو تو ایک دوسرا طریق جس سے بوضاحت خدا کے علم کا قدیم ہونا اور ان آیات کا بھی بلا تکلف اسپر مطابق آجانا ثابت ہو جائے درج اوراق ہے پر توجہ خاطر ناظرین ضروری ہے اپنی علوم کے تجسس کریں سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ ہمکو علم اشیاء دو طریق سے حاصل ہوتا ہے ایک بلا واسطہ دوسرا بواسطہ لوازم یا ملزومات مثلاً آفتاب یا دہوپ کا علم کبہی بیواسطہ ہوتا ہے آنکہ سے دیکہا معلوم ہو گیا اور کبہی بواسطہ ہوتا ہے آفتاب کا علم دہوپ کے وسیلے سے یا دہوپ کا علم آفتاب کے وسیلہ سے اگر آدمی گھر میں ایسی جگہہ بیٹھا ہو جہاں سے آفتاب نظر نہ آتا ہو پر دہوپ نظر آتی ہو تو دہوپ کے دیکہنے سے معلوم ہو جائیگا کہ آفتاب آسمان پر نکلا ہوا ہے سو یہ علم جو آفتاب کا حاصل ہوا تو بواسطہ لازمہ حاصل ہوا اور اگر آفتاب کو صحن میں بیٹھے ہوئے دیکہیں اور یوں سمجہیں کہ چہت پر دہوپ ہوگی تو یہہ دہوپ کا علم بواسطہ ملزوم حاصل ہوا علی ہذا القیاس آگ اور دہوئیں کے علم کو سمجہیں کہ کبہی بیواسطہ حاصل ہوتے ہیں جیسے آگ کو یا دہوئیں کو خود آنکہ سے دیکہہ لیا کبہی بواسطہ یکدیگر ہوتا ہے مثلاً دہوئیں کو دیوار کے پیچہے سے دیکہکر آگ کو سمجہہ جانا یا دور سے جہاں چراغ کا دہواں نظر نہ آتا ہو چراغ کے شعلہ کو دیکہکر دہوئیں کو جان لینا لیکن ایک شئی کے علم بیواسطے کو اسکا علم بواسطہ بہی بیشتر لازم ہوتا ہے اور دونوں ساتھہ ہی پیدا ہوتے ہیں اور کسی طرح کا تقدم اور تاخر نہیں ہوتا مثلاً آگ کو قریب سے دیکہئے تو دہواں بہی اسکے ساتھہ ہی نظر آئیگا سو اس صورت میں آگ کا علم دو طرح حاصل ہو سکتا ہے ایک تو بیواسطہ کیونکہ آنکہ سے خود نظر آتی ہے دوسرا دہوئیں کے واسطے سے کیونکہ اگر آگ نظر نہ آتی اور دہواں ہی نظر آتا تو بیشک آگ کا علم حاصل ہوتا سو اس صورت میں کہ آگ بہی نظر آئی تو بطریق اولی آگ کا علم دہوئیں کے واسطے سے ہونا چاہئے اور ظاہر ہے تو ہے اب دہوئیں میں کیا کمی آگئی ہے جو دلالت نکرے غور سے دیکہئے تو لازم جس سے علم بالواسطہ حاصل ہوتا ہے اسی صورت سے معلوم ہوتا ہے مگر آگ کا علم جو بواسطہ دہوئیں کے اس صورت میں حاصل ہوتا ہے ہر چند علم بواسطہ بہی ساتھہ حاصل ہوتا ہے لیکن علم بیواسطہ میں ایسا مضمحل اور محو ہے کہ اسکی خبر بہی نہیں ہوتی اور کسیکو اس طرف دہیان بہی نہیں گذرتا اسکی ایسی مثال ہے کہ دن کو ستاروں کا نور بہی ہوتا ہے مگر آفتاب کے نور میں ایسا محو ہے کہ معلوم بہی نہیں ہوتا جب یہ بات ذہن نشین ہو چکے کہ ایک شئی کا علم بیواسطہ اور بواسطہ بسا اوقات دونوں ساتھہ ہی پیدا ہوتے ہیں ایسا ہی یہ بہی ملحوظ خاطر رکہنا چاہئے کہ کبہی دو چیزوں کا علم بیواسطہ بہی ساتھہ ہی حاصل ہوتا ہے مثلاً آگ کو اور دہوئیں کو ایک ساتھہ دیکہے علی ہذا القیاس ایک شئی کا علم بیواسطہ اور دوسری شئے کا علم بواسطہ پہلی شئی کے واسطے سے بہی اکٹھے ساتھہ ہی حاصل ہوتے ہیں مثلاً دہوئیں کا علم بیواسطہ اور آگ کا علم بواسطہ دہوئیں کے واسطے سے اور ایسے ہی آگ کا علم بیواسطے اور دہوئیں کا علم بواسطہ اس واسطے سے دونوں ساتھہ ہی پیدا ہوتے ہیں اور اکثر کچھہ تفاوت نہیں ہوتا جو ایک کو یوں کہیں کہ یہ علم تو فلانی ساعت میں حاصل ہوا اور یہ علم اس سے پہلی ساعت میں یا اسکے بعد کی ساعت میں حاصل ہوا لیکن تاہم عقل کے نزدیک ایک ترتب ہے کہ اسکی رو سے مقدم مؤخر کہہ سکتے ہیں یعنی ایک شئے کے علم بیواسطہ کو دوسری شئے کے علم بالواسطہ سے جو بواسطہ پہلی شئی کے حاصل ہوتا ہے عقل ایک طرح سے مقدم سمجہتی ہے یعنی ہر کوئی یوں سمجہتا ہے کہ دوسری شئے کا علم اس صورت میں پہلی شئے کے علم پر موقوف ہے سو جیسا ہاتھہ میں کسی چیز کو لیکر ہلاوے تو گو وہ چیز ہاتھہ کے ساتھہ ہی ہلتی ہے لیکن پھر یوں کہتے ہیں کہ ہاتھہ اول ہلتا ہے ایسا ہی گو اس صورت میں گو دونوں چیزوں کا علم برابر ہی حاصل ہوتا ہے لیکن جسکا علم بیواسطہ ہے بہ نسبت اسکے علم کے جسکا علم اسکی واسطے سے حاصل ہوتا ہے مقدم گنا جاتا ہے اور جیسا یوں

کہہ سکتے ہیں کہ ہاتھ کو اس لئے ہلایا تھا کہ وہ چیز لے جو ہاتھ میں تھی ایسا ہی یوں بھی کہہ سکتے ہیں کہ دھوپ اس لئے دیکھا تاکہ آفتاب بھی معلوم ہو جائے جبتک تمام مقدمات ذہن نشین ہو چکے تو اب التماس یہ ہے کہ خداوند کریم کے علم کو اگر قدیم کہئے تو حتی نعلم کے استقبال میں کچھ فرق نہیں آتا اور حتی نعلم وغیرہ کے استقبال سے اسکے علم قدیم ہونے میں کچھ تفاوت نہیں پڑتا وجہ اسکی یہ ہے کہ خداوند علیم کو ہر چیز کا علم دو طرح سے حاصل ہے بیواسطہ اور بواسطہ اور بواسطہ یکدیگر کیونکہ تمام موجودات کے ساتھ لوازم لگے ہوئے ہیں سو جیسا لوازم اور ملزومات دونوں کا علم بیواسطہ اُسی حاصل ہے ایسی ہی لوازم کا علم ملزومات کے واسطہ سے ملزومات کا علم لوازم کے واسطہ سے بھی اُسی حاصل ہے اور دونوں ازل سے برابر ساتھ ہیں گو علم بالواسطہ کسی چیز کا اُسکے علم بیواسطہ میں محو اور مضمحل ہو اور ایسا ہی کسی چیز کا علم دوسری چیز کے علم کے واسطے سے اور اُس دوسری چیز کا علم برابر ساتھ ہی ازل سے خداوند لم یزل کو حاصل ہیں اور دونوں قدیم ہیں مگر کسی چیز کے علم بالواسطہ کو بہ نسبت اُس چیز کے علم کے جسکے واسطے سے یہ علم حاصل ہوا ہے موخر گنیں گے اور یہ علم بہ نسبت اُس علم کے مقدم سمجھا جائیگا سو جہاں کہیں علم خداوندی کے ذکر میں صیغہ استقبال کا یا معنی استدلال کے پائے جاتے ہیں وہ باعتبار علم بالواسطہ کے ہے ورنہ باعتبار زمانہ کے کچھ تفاوت نہیں اور جہاں کہیں ماضی یا حال مستعمل ہے وہاں علم بیواسطہ مراد ہے۔ **اقول** اسقدر طول دینے سے اور فضول لکھنے سے کیا فائدہ ہے مطلب تو تھوڑے سے مضمون سے بھی واضح ہو جاتا ہے اور جسطرح سے تو نے لکھا ہے خدا کے علم کو مقدم اور موخر اور لازم کے واسطے سے یا ملزوم کے واسطے سے اسطرح سے خدا کا علم نہیں ہے بلکہ روز ازل سے اُسکی ذات پر بدون واسطہ کے سب ظاہر اور حاضر ہے اور لازم اور ملزوم ایک دفعہ ہی سب منکشف ہو گئے ہیں اور نہ کسی چیز کے علم کو کسی چیز کے علم پر تقدیم یا تاخیر ہے گو تقدیم یا تاخیر ذاتی ہو بلکہ سب اُسکی ذات کے سامنے برابر حاضر ہے اور نہ اُسکے علم میں لحاظ ماضی و استقبال کا ہے اور حتی نعلم المجاہدین جو فرمایا ہے تو اسواسطے نہیں فرمایا ہے کہ تمہارے جہاد اور صبر کا جو علم ہمکو نہیں ہے وہ تمہاری آزمانے سے ہمکو حاصل ہو جائے بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ ہم پہلے سے جانتے تو ہیں جیسے کہ تم نکلو گے بعد امتحان کے لیکن تکالیف شاقہ سے ہم تمکو مثل آزمانیوالے کے آزمائیں کہ جیسے کہ پہلے سے تمہاری حال کو ہم جانتے تھے بعد امتحان کے اسطرح سے جانیں کہ اب تم متصف بجہاد یا صبر ہوئے یا نہیں اور یہ آیت منافقین کے حق میں ہے اور خدا تعالیٰ کے علم سے یہ مراد نہیں ہے کہ جس جگہ خدا تعالیٰ نے بصیغہ استقبال ذکر کیا ہے وہاں تو علم بالواسطہ مقصود ہے اور جس جگہ بصیغہ ماضی ذکر کیا ہے وہاں علم بلاواسطہ مراد ہے اسواسطے کہ اگر خدا تعالیٰ کے واسطے علم کسی چیز کے واسطے سے ہو تو خدا تعالیٰ اپنے علم میں اُس چیز کیطرف محتاج ہوا اور خدا تعالیٰ احتیاج سے پاک ہے

قال الشیخ الاشعری اور باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کرینگے وجہ یہ پیش آئی ہے کہ کلام اللہ کے مخاطب آدمی ہیں اور آدمی بلکہ تمام ذوی العقول کو اکثر چیزوں کا علم بالواسطہ ہی ہے بیواسطہ نہیں روح بنی آدم یا بنی آدم کے کمالات نفسانی جیسے سخاوت شجاعت خلق مروت اگر ہیں تو دل میں ہیں آنکھوں سے یا کانوں سے یا سوا اسکے اور حواس خمسہ سے معلوم نہیں ہوتے انکو اگر کوئی دوسرا معلوم کرتا ہے تو انکے آثار اور لوازم سے معلوم کرتا ہے سخاوت دینے والے سے جو ہاتھ کا کام ہے شجاعت مارنے مرنے سے جو ہاتھ پاؤں سے تعلق رکھتا ہے خلق شیریں زبانی سے جو زبان سے متعلق ہے معلوم ہوتی ہیں علیٰ ہذا القیاس روح کا ہونا نہ ہونا دوسروں کو حرکات سکنات سے جو بدن سے متعلق ہیں معلوم ہوتا ہے اور جہاں کہیں جناب باری نے اپنے علم میں صیغہ استقبال استعمال کیا ہے وہ ایسی ہی اُمور ہیں جو بنی آدم کو بے واسطہ معلوم نہیں ہو سکتی سو اُن سے باعتبار علم بیواسطہ کے کلام کرتے تو اُنپر کچھ حجت نہیں ہو سکتی تھی اسلئے الزام دینے کے موقع میں باعتبار علم بالواسطہ کے کلام کی ہے اور جہاں یہ غرض نہیں وہاں باعتبار علم بیواسطہ کے کلام کی ہے اور وہاں صیغہ ماضی کا یا حال کا مستعمل ہے مگر بنی آدم کو چونکہ اُن اشیاء کا علم بیواسطہ ہو ہی نہیں سکتا اور تیسر اُن واسطوں کا علم قبل اُنکے وجود کے بنی آدم کے حق میں ممکن ہی نہیں اور اس وجہ سے اُنکے تمام علوم برابر حاصل نہیں سمجھے تو وہ خدا کو اپنے اوپر قیاس کرکے صیغہ استقبال سے حدوث سمجھ جاتے ہیں اور حیران ہوتے ہیں کہ کلام اللہ میں اگر یہ تو یوں مذکور ہے کہ خداوند علیم کو تمام اشیاء کے علوم ازل سے حاصل ہیں جیسا کَانَ اللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمًا اور ایک سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ بعضی علوم حادث ہیں جیسے الفاظ حتی نعلم وغیرہ مگر جو لوگ فہمیدہ ہیں اور نکتہ مذکورہ سے متنبہ ہو گئے ہیں دونوں کو مطابق یکدیگر سمجھتے ہیں **اقول** خدا کے علم کا قیاس آدمیوں کے علم پر نہیں ہو سکتا کہ آدمیوں کا علم بالواسطہ ہے تو خدا کا علم بھی بالواسطہ ہونا چاہئے اسواسطے کہ خدا کا علم تو قدیم ہے اور آدمیوں کا علم حادث ہے اور نہ یہ بات ہے کہ آدمی جو آثار سے معلوم کرتے ہیں تو خدا تعالیٰ بھی آثار سے معلوم کرے اسواسطے کہ اسکی ذات پر تو سب واضح ہو رہا ہے اسکو آثار کے واسطے کی کیا احتیاج ہے اور یہ ضرور نہیں ہے کہ جس جگہ کہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم کو صیغہ استقبال میں استعمال کیا ہے تو وہاں علم بالواسطہ ہی مراد ہے اور یہاں علم بالواسطہ ظاہر ہونیکی وجہ یہ ہے کہ اس جگہ خدا تعالیٰ نے اپنے علم کو ایک امر پر معلق کیا ہے اور یہ عام ہے کہ اکثر ایک امر کو دوسری امر پر معلق کرکے کہا کرتے ہیں کچھ خصوصیت علم کی نہیں ہے یعنی ہم ایسا کریں تاکہ یوں ہو ہم عذاب نازل کریں تاکہ وہ ہلاک ہوں اور ایسا ہی حتی نعلم المجاہدین میں ہے کہ ہم اُنکو آزمائیں تاکہ جانیں ہم کہ اب متصف بجہاد ہے یعنی جہاد اُسکا ظاہر ہو جائے موافق ہماری علم کے اور جن لوگوں کا عقیدہ خدا کے علم قدیم کا ہے وہ صیغہ استقبال سے بھی اُسکے علم کو حادث نہ سمجھیں گے اور علم تو اُسکا بیشک قدیم ہے اور حتی نعلم المجاہدین کے معنی ہم بیان کر چکے کہ اپنے علم قدیم سے تو وہ روز ازل سے جانتا ہے جیسے کہ بعد امتحان کے وہ نکلیں گے اور حتی نعلم کے علم سے مراد یہ ہے کہ اسطرح سے ہم جانیں کہ اب متصف بجہاد ہوئے ہو اور

نہیں جانا جاتا ہے مگر بعد وقوع اُس امر کے اور جبتک کہ وہ امر مثلاً جہاد ظہور میں نہیں آتا ہے تو یہ نہیں کہہ سکتے کہ اب متصف بجہاد ہے اسواسطے کہ اُس نے ابھی جہاد کیا ہی نہیں ہے اور یہ اُسیوقت کہا جائیگا جسوقت کہ متصف بجہاد ہوگا اور جبتک کہ اُسنے جہاد کیا نہیں تو خدا اسکو اس طرح سے نہیں جانتا ہے کہ اب متصف بجہاد ہے اور اگر خدا جانے کہ اب متصف بجہاد ہے اور جہاد اُس نے کیا نہیں ہے تو علم اُسکا خلاف واقع کے ہوگا پس مراد خدا تعالی کے حتی نعلم المجاہدین سے یہ ہے کہ ہر چند تم اپنے ہمہ نیت جہاد جانتے تو ہیں جیسے کہ تم بعد امتحان کے نکلوگے لیکن مثل امتحان لینیوالوں کے تمہارا امتحان ہم لیں گے یہانتک کہ ہم تمکو جانیں کہ اب تم متصف بجہاد ہو رہے ہو اور اب معنی کان اللہ بکل شیء علیما اور معنی حتی نعلم المجاہدین میں کچھ مخالفت نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** اب مناسب یوں ہی یمحو اللہ ما یشاء و یثبت کے معنی بھی بیان کیجائیں کہ منصفان علمائے شیعہ کو شاید استظار ہو مخدوم من اول ساری آیت گوش گزار ہے بعد اُسکے اپنا ما فی الضمیر بھی معروض خدمت ہوگا ساری آیت یوں ہے وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ لِكُلِّ أَجَلٍ كِتَابٌ يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ حاصل اسکا یہ ہے کہ کسی رسول سے یوں نہیں ہوسکتا کہ کوئی معجزہ جو اسکی نبوت کی نشانی ہو خدا کی بے اجازت لے آئے اللہ کے یہاں ہر مدت کی ایک کتاب جدی ہے اسمیں سے جو چاہے مٹا دیے ہے جو چاہے ہے باقی رکھے ہے اور اُسکے پاس ایک اور بڑی کتاب ہے جو سب کی اصل ہے یہ تو اس آیت کا حاصل ہوا اب اہل فہم سے یہ امید ہے کہ بعد ملاحظہ ان دونو لفظوں کے ایک تو لکل اجل کتاب اور دوسرے وعندہ ام الکتاب اور نیز بعد لحاظ اس امر کے کہ جملہ یمحو اللہ الخ اول کے بعد واقع ہے بے تنبیہ کے اب سمجھ جائینگے کہ خداوند کریم کے یہاں دو دفتر ہیں ایک بڑا جسکی طرف ام الکتاب کا لفظ اشارہ کرتا ہے دوسرا چھوٹا دفتر جسکی طرف جملہ لکل اجل کتاب ہدایت کرے ہے اور محو اور اثبات یعنی مٹانا نہ مٹانا یہ چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے بڑے میں نہیں ہوتا سو بعینہ یہی اہل سنت کا مذہب ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ بڑا دفتر جو علم خداوندی کی موافق ہے یا خود علم خداوندی ہے اُسمیں گھٹاؤ بڑھاؤ نہیں ہوتا **اقول** علمائے شیعہ تو ہمیشہ انصاف پر تیے چلے آئے ہیں مگر علمائے اہل سنت کی طبیعت میں انصاف نہیں ہے اور سوائے بے راہی اور دروغ نویسی اور افترا کے انکا کام نہیں ہے اور جھس پر لیبنا لیتے ہیں اور بدیہی باتوں کا انکار کرتے ہیں چنانچہ ناظرین رسالہ ہذا کو معلوم ہوگا اور آیت وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ الخ کی جو تفسیر میں اس شیخ نجدی نے لکھی ہے اور بعد اُسکے لکھا ہے کہ بعینہ یہی اہل سنت کا مذہب ہے سو میں کہتا ہوں بعینہ یہی مذہب شیعہ کا ہے کہ بڑی کتاب کہ جو مطابق علم خدا کے ہے یا علم خدا ہی اسمیں کسی طرح کا تغیر اور تبدل نہیں ہوتا اور چھوٹے دفتر میں جسکو محو و اثبات کہتے ہیں اُسمیں مٹانا اور ثابت کرنا موافق مصلحت خداوندی کے واقع ہوتا ہے اور اسیکو شیعہ بدا کہتے ہیں چنانچہ ابتدائی بحث بدا میں ہم لکھ چکے اور میں جو کہتا ہوں کہ آیت مذکورہ میں یہی مذہب ہمارا ہے جسکو تو لکھتا ہے کہ بعینہ یہی مذہب اہل سنت کا ہے اسواسطے کہ ہمارے علماء یہی لکھتے ہیں بدا کے معنی میں از انجملہ علیین مکان جناب سید حسین صاحب اعلی اللہ مقامہ حدیقہ سلطانیہ میں تحریر فرماتے ہیں کہ و نیز باید دانست کہ آیات و اخبار بسیار دلالت میکند براینکہ خدا تعالی دو لوح خلق نمودہ و در آں جمیع کائنات و حوادثات را ثبت فرمودہ یکے از آں مسمی بلوح محفوظ است کہ آنچہ در آں بحکم حضرت باری جلت قدرتہ نوشتہ میشود تغیر در آں اصلا واقع نمیشود و آں مطابق علم الہی ست دومی مسمی بلوح محو و اثبات کہ در آں بحسب مصالح و حکم بامر الہی چیز ہا ثبت نمودہ میشود و چیزہا از و محو ساختہ میشود قال اللہ عز و جل يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ مثلاً اول در آں مینویسند کہ عمر زید پنجاہ سال است یعنی مقتضائے حکمت آنست کہ عمر او اینقدر باشد تا وقتیکہ سببے بادئی یا نقصان از و بعمل نیاید پس وقتیکہ عمل خیر مثل صلہ رحم یا صلہ عترت اطہار و ذریت اخیار رسول مختار یا تصدق بر مساکین مؤمنین را بجا آورد عمر پنجاہ سالگی محو میشود و بجائے آں عمر شصت سال نوشتہ میشود و ہرگاہ قطع رحم یا ترک صلہ سادات و مؤمنین بظہور میرسد بجائے پنجاہ چہل نوشتہ میشود و دہ سال از عمرش می کاہد و در لوح محفوظ از اول امر نوشتہ میشود کہ زید صلہ رحم بجا خواہد آورد و عمرش باین سبب کہ قطع رحم و مانند آں بعمل خواہد آورد الخ اور یہی آخوند مجلسی علیہ الرحمۃ نے بحار میں لکھا ہے کہ ثم اعلم ان الآیات والاخبار تدل علی ان اللہ تعالی خلق لوحین اثبت فیہما ما یحدث من الکائنات احدہما اللوح المحفوظ الذی لا تغیر فیہ اصلا و ہو مطابق لعلمہ تعالی والاخر لوح المحو والاثبات فیثبت فیہ شیئا ثم یمحوہ الخ اور اسکا وہی حاصل ہے جو کہ عبارت فارسی میں گزرا اب سمجھ لو کہ جس طرح سے تو کہتا ہے اسی طرح ہم کہتے ہیں یا نہیں اور ام الکتاب جو کہ مطابق علم خدا کے ہے اُسمیں تغیر کون کہتا ہے اسکی تغیر کے تو ہم قائل ہی نہیں ہیں اور علمائے اہل سنت خوب جانتے ہیں کہ شیعوں کا اس مقدمہ میں وہی مذہب ہے جو کہ ہمارا ہے لیکن جھوٹ اور دروغ تراشا اسواسطے الزام کے ہمکو کہتے ہیں کہ شیعہ اُس بدا کے قائل ہیں کہ جسمیں خدا تعالی کو پہلی رائے میں خطا یا ندامت معلوم ہوتی ہے تو اُس رائے کو بدلتا ہے اور حال یہ ہے کہ شیعہ ایسے اعتقاد والے کو کافر جانتے ہیں تجھ کو اپنے مذہب کی تو خبر ہی نہیں ہے اوروں کے مذہب کو تو کیا جانے **قال الشیخ الاشعری** پھر شیعہ کس خوبی پر یہ دعوی کرتے ہیں کہ بدا کلام اللہ سے ثابت ہوتا ہے اگر اسی آیت کے بھروسے کودتے ہیں تو یہ بعینہ ایسا استدلال ہے جیسا کسی ملا نے کہا تھا کہ کلام اللہ میں خدا نے نماز سے منع فرمایا اسلئے ہم نہیں پڑھتے کسی نے پوچھا کہ صاحب ہمیں بھی بتلاؤ ہمنے تو آج تلک یہ بات نہیں سنی اگر یہ حکم ہے تو کلام اللہ کے قربان جائیے بڑے آرام کی بات نکل آئی بانولے کہا صاحب سورہ نساء میں ہے نہیں لا تقربوا الصلوۃ یعنی نماز کے پاس نہ پھٹکو اس نے

اُس نے کہا صاحب اسکے بعد وانتم سکاریٰ بھی تو ہے یعنی نشہ کی حالت میں نماز مت پڑھو سو ساری آیت کے معنی پر عمل کرنا چاہیے بانو نے کہا بابا سارے کلام اللہ پر
کس سے عمل ہوا ہے یہ بھی غنیمت ہے جو اتنا بھی عمل ہو جائے سو علما شیعہ نے بھی اسے قاعدہ پر عمل کیا ہے **اقول** بیشک بدا کلام اللہ سے ثابت ہے اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں
کہ جو تو نے لکھا ہے مٹانا نہ مٹانا چھوٹے دفتر میں ہوتا ہے اور یہی بعینہ اہل سنت کا مذہب ہے پھر ہم کس امر میں مخالفت کرتے ہیں اُسکو بیان کیا ہوتا لیکن اس سے خدا تعالیٰ
کے علم میں تغیر کیونکر لازم آیا اور تغیر تو اُسوقت لازم آتا کہ جب اُم الکتاب کے تغیر کا کوئی قائل ہوتا کہ جو مطابق علم خدا کے ہے اور ہم پہلے ہم لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالیٰ نے
چھوٹے دفتر میں لکھا کہ عمر زید کی چالیس برس کی ہے سو چالیس برس لکھی جب اُس نے صلہ رحمی کی تو چالیس کو مٹا کر پچاس برس مثلاً لکھے لیکن جسوقت خدا تعالیٰ
اُسکی عمر چالیس برس کی لکھتا تھا تو اُسکے علم میں یہ تھا کہ فلانے وقت یہ صلہ رحمی کریگا تو اُسکی عمر کے چالیس برس کو مٹا کر پچاس برس ہم لکھینگے اور کل اسکا
لوح محفوظ میں ہوتا ہے کہ جو موافق علم خدا کے ہے کہ زید کی عمر چالیس برس کی مقرر کرینگے اور جب وہ صلہ رحمی کریگا تو اُسکے عمر پچاس برس کی کر دی جائیگی اور یہ لوح جو مطابق
علم خدا کے ہے اُسمیں کسیطرح کا تغیر اور مٹانا نہیں ہو سکتا۔۔ بدا ہم اُس چھوٹے دفتر ہی کے موافق کہتے ہیں نہ بڑے دفتر کے موافق کہ جو مطابق علم خدا کے ہے کہ اُسمیں
تغیر ہو ہی نہیں سکتا ورنہ علم خدا میں تغیر لازم آئے اور وہ ہمارے نزدیک محال ہے اب فرمائیے کہ ہمنے ساری آیت پر عمل کس طرح نہیں کیا ہے کہ جو تو نے بانو کی نقل لکھی ہے لاتقربوا
الصلوٰۃ کی کہیں تو راست راست لکھا کر یا شعار تیرا جھوٹ ہی لکھنے کا ہے اور آیت کے اول پر عمل کرنا اور اسکے مابعد پر عمل کرنا تمہارا کام ہے مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے
نمونے کی روایتوں کا اول تو لکھا ہے اور اسکے مابعد کو جس سے فساد تیرے مطلب میں پیدا ہوتا تھا ترک کر دیا سو ایسا کام تمہارا ہے نہ ہمارا **قال الشیخ الاشعری** اور یہ نزدیک
ایک اور عذر شیعوں کے لئے اس موقع میں خفت اُتارنے کے لئے بہت عمدہ ہے وہ یہ ہے کہ سارے کلام اللہ کے یاد نہونے میں تو شیعہ معذور ہی ہیں اتفاق سے کل اجل کتاب یمحو اللہ ما یشاء
ویثبت تک فقط آنکو یاد ہو گیا تھا بسبب کمال غبوبیت وہ سراپا بندہ ہونیکی اسی پر اعتقاد جما بیٹھے سو یہ بات قابل تعریف ہے اگر وعندہ ام الکتاب بھی آنکو معلوم ہوتا تو
پھر سنیوں کے موافق اُنکا اعتقاد ہونا تب البتہ جای گرفت تھی سبحان اللہ اس تفسیر دانی اور کلام اللہ کے محفوظ ہونے پر سنیوں سے مقابلہ کا دعویٰ۔ مگر موشی بخواب اندر شتر
شد جناب سنی شیعوں کے اکثر استدلال تو بانو اذکو کے سے استدلال ہیں اور کلام اللہ اور کلام اللہ کی یادداشت ایسے ہی ہے جیسے مرزا نوشہ شاعر بتقاضا تاثیر مذہب اپنی
سرگذشت لکھتے ہیں ع لاتقربوا الصلوٰۃ زہیم بخاطر است + دوام یاد نماند کلوا واشربوا مرا **اقول** اسکا جواب تو ہم لکھ چکے کہ بدا ہمارے نزدیک اُس چھوٹے دفتر
کے موافق ہے کہ اُسمیں سے خدا جو کچھ چاہتا ہے مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت کرتا ہے اور بڑا دفتر لوح محفوظ کہ جو مطابق علم خدا کے ہے اُسمیں مٹانا اور پھر ثابت کرنا نہیں
ہو سکتا کہ اُسمیں تغیر اور تبدل محال ہے اب یہ کہ ساری آیت پر ہمارا عمل ہوا یا نہیں اور جو کچھ میں شیعوں کے اعتقاد کے موافق لکھتا ہوں وہ یہ ہے کہ جو اہل سنت کی
کتابوں میں کثرت سے اسکی روایتیں لکھی ہیں تفسیر درمنثور میں ابن عباس سے روایت ہے قول حقتعالیٰ میں یَمْحُو اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَیُثْبِتُ کے معنی میں قال ینزل اللہ
فی کل شہر رمضان الی سماء الدنیا فیدبر امر السنۃ فی لیلۃ القدر فیمحو اللہ ما یشاء ویثبت الا الشقاوۃ والسعادۃ والحیوٰۃ والممات حاصل اسکا یہ ہے کہ کہا نازل
ہوتا خدا ہر ماہ رمضان میں طرف آسمان دنیا کے پس تدبیر کرتا ہے اُس سال کے امر کے لئے شب قدر میں پس مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے مگر شقاوت کو اور سعادت
اور زندگی اور موت کو اور جلال الدین سیوطی نے رسالہ افادۃ الخبر میں اور تفسیر درمنثور میں اور قاضی ثناء اللہ پانی پتی نے لباب میں حضرت علی سے روایت کی ہے کہ حضرت
علی نے جناب رسولخدا صلعم سے تفسیر آیت یمحو اللہ کی پوچھی تو قال لاقرن عینیک بتفسیرھا واقرن عین امتی بعدی بتفسیرھا الصدقۃ علی وجھھا وبر الوالدین و
اصطناع المعروف یحول الشقاوۃ سعادۃ ویزید فی العمر الخ یعنی کہا کہ البتہ خنک کروں میں آنکھیں تیری اسکی تفسیر سے اور خنک کروں میں آنکھ امت اپنی کی اسکی
تفسیر سے صدقہ دینا صدقہ کے طور پر اور نیکی کرنی والدین سے اور مطلق نیکی کرنی پھیر دیتی ہے شقاوت کو طرف سعادت کے اور زیادہ کرتا ہے عمر میں اور تفسیر درمنثور میں جلال الدین
سیوطی نے ابن جریر اور ابن مردویہ سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کلبی سے روایت کی ہے آیت یمحو اللہ ما یشاء کے مقدمہ میں کہ یمحو اللہ من الرزق ویزید فیہ ویمحو
من الاجل ویزید فیہ فقیل من حدثک بھذا قال ابو صالح عن جابر بن عبد اللہ بن رباب الانصاری عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یعنی مٹاتا ہے خدا روزی میں سے اور زیادہ کرتا
ہے اور مٹاتا ہے اجل کو اور زیادہ کرتا ہے اُس میں پس کہا گیا اُسکو کہ کس نے حدیث کی ہے یہ تجھ کو کہا ابو صالح نے اور اُس سے جابر بن عبداللہ انصاری نے اور اُس سے
رسولخدا صلعم نے اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں خصوصاً تفسیر درمنثور میں کثرت سے لکھی ہیں اور اسیکو ہم بدا کہتے کچھ فرق نہیں ہے اور اب اہل سنت اُسکو
بدا چاہیں کہیں نہ کہیں اور اس نے طعن جو کیا ہے کہ شیعوں کو سارا کلام اللہ یاد نہیں ہوتا تو جھوٹ لکھکر یہ لعنت خدا میں گرفتار ہوتا ہے اور ثلاثہ کا حال ظاہر کرواتا ہے کہ اُنکو قرآن یاد
نہ تھا اور حضرت عمر نے بدشواری تمام بارہ برس میں سورۂ بقر کو یاد کیا تھا بسبب کمال غبوبیت کے اور تفسیر کو تو قرآن کی وہ کیا جانتے تھے کہ احکام قرآنی میں غلطیاں کرتے تھے

اور عورتوں سے الزام کھاتے تھے اور دوسروں کی طرف رجوع کرتے تھے اور جو کہ تفسیر قرآن کی ہے وہ اہل بیت علیہم السلام کے پاس تھی موافق ارشاد رسول خدا صلعم کے اور متمسک
انہی پیروی کرتے ہیں پھر تفسیر دانی کا جو حق ہے وہ شیعوں کے واسطے ہے یا اہلسنت کے واسطے جو کہ جہلا کی پیروی کرتے ہیں ور جھوٹے کی زبان تو سن نے پکڑی ہے جو چاہے تہمت
لگائے اور اہل سنت شیعوں کا کیا مقابلہ کرینگے جو ایسے جاہلوں کے مرید ہیں ور شیعہ تو اہل سنت کا ایسا مقابلہ کرتے ہیں کہ ہمیشہ سے انکو رد کرتے چلے آتے ہیں ور دیکھ لے مولوی
عبدالعزیز صاحب کی کتاب کی کیسی خاک اڑائی ہے کہ اہل سنت دم نہیں مار سکتے **قال الشیخ الاشعری** حق یوں ہے کہ علم الٰہی میں کچھ تغیر نہیں آتا اور کیونکر تغیر ہو سکے
خداوند کریم جابجا ایسے ہی توہمات کے دفعیہ کیلئے فرماتا ہے کان اللہ علیما حکیما۔ کان اللہ بکل شئ علیما۔ کان اللہ بکل شئ محیطا حاصل سب کا یہ ہے کہ خداوند کریم ازل
سے ہر چیز کو جانتا ہے اور ہر چیز کی حقیقت پہچانتا ہے اور ہر چیز ازل سے اسکے احاطہ علمی اور اسکے احاطہ وجودی میں ہے چنانچہ تصویر اسکی کچھ مذکور بھی ہوئی **اقول** پہلے
سے ہم لکھ چکے اور اب بھی ہیں واسطے تنبیہ کے لکھتا ہوں کہ یہی مذہب شیعوں کا ہے جو کہ اس قول میں لکھا ہے اور خلاف اسکے جو کچھ اہل سنت ہماری طرف منسوب کرتے ہیں بالکل
کاذب اور مفتری ہیں **قال الشیخ الاشعری** پھر جب ازل سے ہر چیز کو محیط ہے تو بعد اسکے غلطی کا باعث اگر ہو سکے ہے تو یہ ہو سکے ہے کہ کوئی چیز بیچ میں خدا کے اور خدا کی
معلومات کے حائل ہو جائے سو اگر یہ احتمال ہے تو اسکا جواب تو کلام اللہ ہی میں بہت جگہ موجود ہے نحن اقرب یعنی ہم سب سے زیادہ نزدیک ہیں یا شیعہ یوں تجویز فرمائیں کہ نعوذ باللہ
خداوند کریم کے حواس میں فتور ہے سو اتنی جرات شیعوں ہی کو ہے سو ہذا لَا یَخْفٰی عَلَی اللّٰہِ مِنْ شَیْءٍ فِی الْاَرْضِ وَلَا فِی السَّمَاءِ یعنی اللہ پر کوئی چیز پوشیدہ نہیں نہ
زمین میں نہ آسمان میں یہ بھی کلام اللہ ہی میں ہے کسی پنڈت کی پوتھی کی آیت نہیں تیسرا طرفہ یہ ہے کہ اکثر علماء شیعہ معقولات میں دخل در معقولات کہتے ہیں مگر اتنا
نہیں سمجھتے کہ علم غلط حقیقت میں علم نہیں وہ اقسام جہل سے ہے اسیواسطے اسکو جہل مرکب کہتے ہیں اس اصطلاح کو منطق کے چھوٹے رسالے پڑھنے والے تو درکنار ان پڑھ
بھی سمجھتے ہیں بلکہ زبان زد عام و خاص ہے کہ جہل مرکب سے تو جہل بسیط ہی بھلا یا یہ ہے جو یہ حضرات والا صفات جناب کبریا کو جہل مرکب کا ثابت کرتے ہیں اول تو ان آیات
مرقومہ پر خط نسخ کھینچنا پڑا سبحان اللہ خدا کے کلام کو بندے نسخ کریں اور وہ بھی اعتقادات میں کہ باتفاق شیعہ و سنی بلکہ باتفاق عالم قابل نسخ ہی نہیں دوسرے خدا کو جاہل
مرکب کہا نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات تیسرے جمادات وغیرہ جنکو بالکل علم نہیں بلکہ تمام موجودات ایک وجہ سے خدا سے افضل ٹھہری کیونکہ کوئی ہو سوا خدا کے سب میں
کچھ نہ کچھ جہل بسیط ہے اور خدا میں جہل بسیط نہیں کیونکہ کلام اللہ کی آیات سے خود واضح ہو چکا کہ خدا کو سب چیز کی خبر ہے سو وہ خبر اور وہ علم اگر غلط ہو تو جہل مرکب کا اور جہل
مرکب سے جہل بسیط افضل ہے تو سب مخلوقات ایک وجہ سے خدا سے افضل نکلی واہ سبحان اللہ کیا خدا کی قدر شناسی ہے **اقول** جو کچھ اس قول میں اس شیخ نجدی نے
لکھا ہے خدا سے غلطی ہونی بباعث حائل ہو جانے کسی چیز کے درمیان اسکے اور درمیان اسکی معلومات کے اور خدا تعالیٰ کے حواس میں فتور ہو جانا اور دخل در معقولات اور خدا
کے واسطے جہل بسیط یا جہل مرکب ہونا اور خدا کے کلام کو بندہ کا نسخ کرنا اور جمادات کا خدا سے افضل ہونا بلکہ تمام مخلوقات کا خدا سے افضل ہونا اور سوا اسکے اور جو کچھ
لکھا ہے یہ اعتقاد تو اہل سنت کا ہے اور طعن کرتا شیعوں پر کرتا ہے الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے سبحان اللہ کیا خدا کی قدر شناسی ہے لیکن انکے مذہب میں خدا بہت ہیں بایزید بسطامی
کہ جو کہتا تھا سبحانی ما اعظم شانی اور منصور کہ وہ کہتا تھا انا الحق سو کوئی یہ نہ سمجھے کہ ان خداؤں کے ساتھ یہ اعتقاد انکا ہے بلکہ جو کچھ بد اعتقادی انکی ہے وہ اسی
معبود حقیقی کی نسبت ہے **قال الشیخ الاشعری** باقی کوئی ہم سے یوں پوچھے اور وہ کونسا ہے جس میں محو و اثبات ہوتا ہے سو لوح میں بعد اسکے کہ پیدا ہو گیا وہ
سوائے علم الٰہی کوئی اور ہے اسکی جواب کی حاجت نہیں **اقول** اسی کو ہم مانتے ہیں علم الٰہی لوح میں ہے وہ ام الکتاب ہے ہرگز محو و اثبات کی گنجائش نہیں ہے
ہمارے نزدیک بھی **قال الشیخ الاشعری** لیکن اسکی تسکین کیواسطے کچھ ابھی ہوتی ہے اسلئے معروض ہے کہ ان امور کی حقیقت تو خدا ہی جانے یا جنکو وہ اطلاع
کردے مگر بطور امکان احتمال اس مقام میں ہمیں تبیان انا لازم پڑا اس سے ہم ہی فہم نارسا ہیں جو مہونت تقاریر ہے [illegible] پر گمان آتا ہے تو یہ ہے کہ تمام عالم دفتر خداوندی
ہے مگر اسمیں بعضی شئے تو بمنزلہ اوراق ہے اور بعض کو بمنزلہ نقوش اور حروف کے سمجھئے تفہیم کیلئے اول ایک مثال گوش گذار ہے موم کا ایک یا کسی اور نرم چیز کو جیسی
شکل میں لا سکتے ہیں چاہیں اسکو گول بنالیں چاہیں چپٹا مگر اس موم پر ان اشکال میں سے ایک وقت میں ایک ہی شکل آ سکتی ہے دو مجتمع نہیں ہو سکتیں جب دوسری
شکل آئیگی پہلی مٹ جائیگی لیکن جو یہ مثال ہے ایک قسم کے نقش و نگار ہیں تو انکو بمنزلہ حروف و نقوش سمجھئے اور اس موم کو بمنزلہ اوراق سمجھئے جب مثال ذہن نشین ہو چکی
تو اب سنیے کہ تمام اجسام میں تبدل اشکال و کیفیات نظر آتا ہے زمین سے جو کھیتی نکلتی ہے تو وہی اجزاء خاکی ہوتے ہیں پر خدا کی نیرنگی سے انکی شکل بدل جاتی ہے غیر کی
کھیتی کی شکل کیا سے کیا ہو جاتی ہے آخر رفتہ رفتہ وہی غذا جو حقیقت میں اجزاء خاکی ہیں شکل ملکر غذا بنگئے ہیں [illegible] ہو جاتے ہیں [illegible] نطفہ بنکے
کچھ اور رنگ و روپ پیدا کر لیتے ہیں علی ہذا القیاس اور اجسام میں یہ لیجئے کہ سبزی زردی وغیرہ جتنے تغیرات ہیں سب اس قسم کے ہیں یہی [illegible]

تبدل رہتا ہے رنج خوشی خوف امن وغیرہ سو جو چیزیں کہ بدلتی رہتی ہیں آخر تو اُس دفتر خداوندی کے حروف و نقوش سمجھئے اور اجسام اور ارواح وغیرہ کو جو ان سب احوال میں بمنزلہ
موم بجای خود رہتی ہیں۔ اوراق اُس دفتر کے سمجھئے بعد اسکے ذہن نشین کیجئے کہ جو جو اشکال معدوم ہوگئی وہ تو محو ہوگئی اور جو انکی جگہ قائم کی گئی وہ ثبت اور اثبات ہوگئی چنانچہ محاورہ دان
عربی و فارسی جانتے ہیں کہ اثبات اور ثبت لکھنے کے موقع میں بولا کرتے ہیں مگر چونکہ ہر شکل کے لیے کچھ نہ کچھ زمانہ چاہئے اور اُسکی بقا کے لئے زمانہ میں سے کچھ مقدار معین ہوتی ہے
تو خداوند کریم نے ارشاد فرمایا لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ یعنی ہر زمانہ کے لیے جُدے جُدے نقوش ہیں جب ایک زمانہ ہو لیتا ہے اور دوسرے نقوش اور گلہاے اشکال و کیفیات کی بہار
آتی ہے اور اُنکے زمانہ کی آمد ہوتی ہے تب پہلے نقوش کو مٹا دیتے ہیں اور دوسرے زمانہ کے مناسب نقوش اُن اوراق میں لکھی جاتے ہیں مگر یہ وہ اوراق نہیں کہ پہلے نقوش
کے مٹانے سے بگڑ جائیں یا آلودہ ہوجائیں بلکہ جیسے دفتریں یا سلیٹ کے تختی یا لکڑی کے تختے پر جو چاہا لکھ دیا پھر جب چاہا مٹا دیا اور اُسکی جگہ اور لکھ دیا ایسے ہی ان اوراق میں
بھی جو چاہا لکھ دیا اور جب چاہا مٹا دیا لیکن پہلے پچھلے سب نقوش کی نقل بلکہ اصل ایک بڑے دفتر اور بڑی کتاب میں ہے جیسے تحریر پڑھنے والے جس شکل کو پڑھتے جاتے
ہیں سلیٹ پر کھینچ کھینچ سمجھتے جاتے ہیں اور جب سمجھ لیتے ہیں اور دوسری شکل کی سمجھنے کی نوبت آتی پہلی کو مٹا دیتے ہیں اور دوسری کھینچ لیتے ہیں اور بااینہمہ
اُن سب کی نقل بلکہ اصل تحریر اقلیدس میں موجود ہے باقی ربط اس آیت کا اپنے ماقبل سے اس صورت میں یہ ہوگا کہ کسی نبی سے کیونکر ہوسکے کہ اپنے آپ کوئی آیت لے
آئے ہمارے یہاں تو ہر زمانہ کیلئے نقوش مقرر ہیں گنے چنے ہوئے رکھتے ہیں اُسمیں کمی بیشی کب ہوسکتی ہے جو کوئی اپنی طرف سے اُسمیں اپنی خواہش کے موافق آیت اُس
کا نقش بھی لادے **اقول** اپنی رائے سے قرآن کی تفسیر ایجاد کرنی اور جو روایات کہ تفسیر میں جناب رسولخدا صلعم سے مروی ہیں اُن پر نظر نہ کرنی اس سبب ہی سے تو
تہتر فرقے ہوگئے ہیں اور اپنی رائے سے جیسی تفسیر چاہی ایجاد کی اور آیت میں تو یہ ہے کہ خدا تعالیٰ نے دو کتابیں خلق کی ہیں ایک تو ایسی ہے کہ اُسمیں جو کچھ لکھا ہوا ہے اُسمیں سے
جو چاہا مٹا دیا اور جو چاہا لکھ دیا اور دوسری ایسی ہے کہ اُسمیں محو و اثبات نہیں ہوسکتا اور مثال جو دی ہے اُسکے مطابق کیونکر ہوگی کہ وہ کتابوں کا ہے جنمیں لکھا جاتا
ہے اور مثال میں یہ بات کہاں ہے اور آیت میں تو یہ ہے کہ جو کچھ چاہتا ہے خدا مٹاتا ہے اور جو کچھ چاہتا ہے ثابت کرتا ہے اُسکو اختیار ہے اور مثال میں یہ بات نہیں ہے بلکہ وہ
ایک سلسلہ ہے کہ علی الدوام اپنے نفس سے بعد ایک ہیئت کے دوسری ہیئت بدلتا رہتا ہے۔ بحکم خدا کہ اُسمیں کسیطرح کا فرق نہیں ہوتا ہے اور ہمیشہ اسی حالت مستمرہ پر رہتا ہے
جیسے تخم سے زراعت بنی اور زراعت سے پھر تخم بنا اور اُسمیں یہ نہیں ہوتا ہے کہ زراعت سے پتھر یا لوہا بنجائے اور خدا فرماتا ہے کہ جو چاہے خدا مٹائے اور جو چاہے ثابت کرے
اور ہمنے اسکو بھی تسلیم کیا کہ یہ مثال صحیح ہے لیکن یہ بھی ایک قسم بدا کی ہوگی کہ آیت میں مٹانا اور ثابت کرنا علی العموم ہے اور وہ جو اوراق میں سے مٹایا جاتا ہے اور ثابت
کیا جاتا ہے یہ ہی بدا پر دلالت کرتا ہے لیکن روایات فریقین سے جو کہ اس آیت کی تفسیر میں وارد ہوئی ہیں ثابت ہوتا ہے کہ خدا تعالیٰ نے جو بعضے امور اور احکام مقرر کئے ہیں
اُنمیں سے بعضے امر کو اپنی مصلحت کے موافق چاہے موقوف کردے اور اُسکی جگہ دوسرا امر مقرر کردے چنانچہ عمر کو کسی کی زیادہ یا کم کردے اور تونگر کو مفلس اور مفلس کو تونگر کردے اور
بادشاہ کو فقیر اور فقیر کو بادشاہ کردے اور گنہگار کے گناہ مٹا کر بے گناہ کردے اور عذاب کو دفع کردے اور آئی ہوئی بلا کو ٹالدے اور روایتیں اس مضمون کی کچھ تو ہم پہلے
اہل سنت کی کتابوں میں سے بیان کرچکے ہیں اور کچھ اور سنئے جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں اور رسالہ افادۃ الخیر میں لکھا ہے اخرج ابن جریر عن الضحاک
رضی اللہ عنہ فی الآیۃ قال یقول انسخ ما شئت واصنع فی الاجال ما شئت ان شئت زدت فیہا وان شئت نقصت وعندہ ام الکتاب قال جملۃ الکتاب وعلمہ یعنی ذلک ما ینسخ منہ وما یثبت
اور تفسیر درمنثور میں روایت ہے عبد بن حمید اور ابن جریر اور ابن المنذر سے کہ مفسرین اہل سنت کے ہیں اخرج عبد بن حمید وابن جریر وابن المنذر عن عمر بن الخطاب رض
انہ قال وہو یطوف بالبیت اللہم ان کنت کتبت علی شقاوۃ او ذنبا فامحہ فانک تمحوا ما تشاء وتثبت وعندک ام الکتاب اور امام
فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر میں تفسیر آیت یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ میں لکھا ہے کہ فی ہذہ الآیۃ قولان الاول انہا عامۃ فی کل شئ کما یقتضیہ ظاہر اللفظ قالوا ان اللہ
یمحوا الرزق ویزید فیہ وکذا القول فی الاجل والسعادۃ والشقاوۃ والایمان والکفر وہو مذہب عمر وابن مسعود ورواہ جابر عن رسول اللہ صلعم پہلی روایت کا تو حاصل یہ ہے
کہ خدا تعالیٰ کہتا ہے کہ نسخ کرتا ہوں میں جو کچھ چاہتا ہوں اور اجلوں میں کرتا ہوں میں جو کچھ چاہتا ہوں اگر چاہوں میں زیادہ کروں میں اُنمیں اور اگر چاہوں میں کمی کروں
اور وعندہ ام الکتاب کو کہا کہ وہ ایک کل کتاب ہے اور علم اُسکا ہے اور مراد اُس سے یہ ہے کہ اُسمیں سے کچھ نسخ کرتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور دوسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ جس وقت
عمر طواف کعبہ کا کرتے تھے تو اُنہوں نے کہا کہ اے خدا اگر تونے مجھپر کوئی شقاوت یا گناہ لکھا ہے تو اُسکو مٹا دے کہ تو مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے اور تیرے پاس اُم الکتاب
ہے اور تیسری روایت کا حاصل یہ ہے کہ اس آیت میں دو قول ہیں اول تو یہ کہ عام ہے ہر امر میں جیسے کہ ظاہر لفظ تقاضا کرتا ہے کہا اُنہوں نے کہ خدا مٹاتا ہے روزی کو اور زیادہ
کرتا ہے اُسمیں اور ایسے ہی اجل میں گفتگو ہے اور سعادت اور شقاوت میں اور ایمان اور کفر میں اور وہ مذہب عمر کا اور ابن مسعود کا ہے اور روایت کیا ہے اسکو جابر نے رسولخدا سے

اور اسی طرح کی روایتیں اس آیت کی تفسیر میں اہلسنت کی کتابوں میں کثرت سے ہیں اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں کسیطرح کا فرق نہیں ہے اور ام الکتاب جو کہ علم خدا کے مطابق ہے اسمیں ہم محو و اثبات کے ہرگز قائل نہیں ہیں بلکہ اہل سنت کی بعضی روایت میں آیا ہے کہ ام الکتاب میں بھی محو و اثبات واقع ہوتا ہے چنانچہ لباب میں ابو داؤد سے روایت ہے کہ ابو الدرداء قال قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ینزل اللہ تعالیٰ فی اخر ثلث ساعات یبقین من اللیل فینظر فی الساعۃ الاولی منھن فی ام الکتاب الذی لا ینظر فیہ احد غیرہ فیمحو اللہ ما یشاء و یثبت انتھی یعنی کہا کہ کہا رسولخدا صلعم نے کہ نازل ہوتا ہے خدایتعالیٰ تین ساعت آخر میں کہ جو باقی رہتی ہیں رات میں سو بس نظر کرتا ہے ساعت پہلی میں اُن ساعتوں میں سے ام الکتاب میں کہ جسمیں سوائے اسکے کوئی نظر نہیں کرتا ہے بس مٹاتا ہے جو چاہتا ہے اور ثابت کرتا ہے اس شیخ کو اپنے گھر کی تو خبر نہیں ہے اور دوسروں پر جھوٹے اعتراض اپنی طرف سے ایجاد کرکے کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** اب اس تقریر کو اہل انصاف غور فرمائیں کہ کیسی برجستہ ہے اور پھر باایہمہ اسمیں کہیں اسکی گنجائش نہیں کہ قائلین بدا انگشت رکھ سکیں یا تمسک کرسکیں پھر کوئی کیونکر کہدے کہ آیت میں محو و اثبات کا ذکر ہے تو علم الٰہی میں محو و اثبات ہوگا مگر جو بات اپنے ذہن میں جمی ہوئی ہوتی ہے اسکی طرف ذہن دوڑا کرتا ہے بھوکے کے نزدیک دو اور دو چار روٹیاں ہی ہوتی ہیں **اقول** یہ تقریر خلاف تحریر مفسرین اہل سنت کی ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور اس سے بدا کو بھی ثابت کر چکے اور بدا اسمیں اسطرح ہو سکتا ہے کہ کسی مزارع نے صلہ رحمی کی تو خدایتعالیٰ نے اسکی زراعت کو خوب سرسبز کرکے بربار کردیا اور اگر قطع رحمی کی تو اسکی زراعت کو آفت آسمانی یا ارضی سے فاسد اور تباہ کردیا اور یہی بدا ہے اور شیعوں کے نزدیک علم میں خدایتعالیٰ کے محو و اثبات نہیں ہو سکتا اگر ہوگا تو اہل سنت کے نزدیک ہوگا اور ابھی ہم لباب سے بیان کر چکے ہیں کہ محو اور اثبات ام الکتاب میں واقع ہوتا ہے جو کہ مطابق علم خدا کے ہے سو سنیوں کے نزدیک تو علم خدا میں پایا گیا اور شیعوں کے کہیں نہیں ثابت ہے اور شیعہ جس بات پر جمے ہوئے ہیں وہ بہت خوب ہے اور قرآن اور حدیث سے ثابت ہے مگر خدا کے علم میں محو و اثبات کے راہ پانیکے قائل نہیں ہیں اور جو حق ہے اسکی طرف دوڑتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور اگر اس تقریر کو سنکر کسیکے یوں کان کھڑے ہوں کہ مشہور تو یوں سنا تھا کہ لکل اجل کتاب سے جو لکھا نکلتا ہے تو یہی لکھنا ہے جسے عرف میں لکھا کہتے ہیں سو وہ تو کسی کلام اور الفاظ کے مقابلہ میں جو حروف اور نقوش ہوتے ہیں انکے لیے ہوتا ہے تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ حق بات چاہیے مشہور ہو کہ نہو ہاں اگر یہ معنی جیسا نہوں تو بھی کچھ مضائقہ نہیں جیسے اور صاحبوں کی مرضی ہے ہم بھی اسی راہ چلتے ہیں دوکانداروں کے یہاں اکثروں نے دیکھا ہوگا کہ روزمرہ کی برداشت کیسے تختے پر لکھتے جاتے ہیں بعد ازاں بہی میں نقل کرکے تختی کو دھو لیتے ہیں اور پھر دوسرے دن کی برداشت اسی تختی پر لکھنی شروع کرتے ہیں سو ہر روز یہ لکھنا اور مٹانا رہتا ہے اور تیسرا ایک بھی وہ ایسی ہے کہ تمام ایام کی برداشت کی تفصیل تاریخ وار درج ہے کہ اسمیں بجز لکھنے کے مٹانے کا اتفاق نہیں ہوتا ہے سو ایسا ہی جناب باری تعالیٰ کے کارخانہ قدرت میں سمجھ لیجیے جیسے یہاں روزمرہ کی برداشت تختی پر لکھتے ہیں وہاں قرن وار کسی لوح پر ایک تحریر ہوتی ہو اور پھر اسکو اس لوح سے مٹا کر بڑی کتاب میں کہ اسکو ام الکتاب کہتے ہوں درج کرتے ہوں بعد ازاں پھر دوسرے قرن کا حساب کتاب لکھنا شروع کردیتے ہوں مثلاً رسول اللہ صلعم کے قرن کا حساب کتاب ایک لوح پر لکھکے اسکو کسی بڑی لوح میں نقل کردیا ہو پھر اس لوح سے اس تحریر کو مٹا کر اصحابہ کے قرن کا حساب کتاب لکھکر اسی طرح پھر کتاب میں درج کردیا اسی طرح یہ محو و اثبات متعین ہوتا ہو مگر سب جانتے ہیں کہ یہ محو اثبات بوجہ غلطی تحریر نہیں کہ جس سے بدا ثابت ہو جاتا **اقول** سچ کہتے تھے کتاب اسیکو کہتے ہیں کہ جسمیں لکھا جاتا ہے اور بدا اسطرح ہے کہ ایک بات لکھی اور اسکے بعد جب مصلحت اس بات کی باقی نرہی اور دوسری بات کی مصلحت ہوئی تو پہلی کو مٹا کر دوسری لکھی اور ہر روز ایسا ہوتا رہتا ہے اور ہر روز کا حساب کتاب جو لکھا ہوتا ہے وہ بڑی کتاب میں لکھا جاتا ہے کہ اسمیں پھر تغیر نہیں ہوتا اور اس بڑی کتاب کو ام الکتاب کہتے ہیں اور خدایتعالیٰ کے کارخانے میں لکھنا اور مٹانا ہر روز ہوتا ہے اسواسطے کہ وہ فرماتا ہے کُلَّ یَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ اور اس ہر روز کے مٹانے اور لکھنے کو ہم بدا کہتے ہیں اور یہ مٹانا اور لکھنا غلطی کی راہ سے نہیں ہوتا بلکہ بہت صحت سے ہوتا ہے اور اگر اسمیں احتمال غلطی خدا کا ہو تو وہ ہمارے نزدیک بدا نہیں ہے بلکہ وہ کفر ہے کہ جسمیں نعوذ باللہ منہا احتمال غلطی کا خدا کی طرف ہو اور اگر وہ بدا ہوگا تو باعتبار لغت کے ہوگا اور ہماری اصطلاح کے نزدیک وہ بدا نہیں ہے اور ہمارے نزدیک بدا کہ جسکے ہم قائل ہیں وہ ہے کہ جسکو ہم ابتدا سے بیان کرتے چلے آتے ہیں اور بدا غوی کی قائل کو ذات خدا میں ہم کافر جانتے ہیں اور بدا ہمارے نزدیک بعینہ وہ ہے کہ جو اہل سنت کی روایتوں میں تفسیر میں آیت یمحو اللہ کے وارد ہوا ہے اور ہم لکھ چکے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اور سلمنا کہ یہی نسبی بلکہ علم الٰہی کے تبدل و تغیر کے باعث یہ محو اثبات ہوتا ہو تب بھی تو مقتدایان شیعہ کا دعوی ثابت نہیں ہو سکتا تصور بدا اگر مطلوب ہے تو اسکی یہ صورت ہے کہ بیمار اگر طبیب کے پاس جاتا ہے تو وہ اسکے لیے موافق قواعد طب کے مثلاً منضج تجویز کرتا ہے جب اسکی میعاد پوری ہو لیتی ہے تو انہیں دواؤں میں سے بعض دواؤں کو کاٹ دیتا ہے اور سنا وغیرہ بڑھاتا ہے اور بعد اسکے تبرید کا نسخہ لکھتا ہے اور پھر مقویات تجویز کرتا ہے تو اس صورت میں جو کچھ طبیب تجویز کرتا ہے وہ سب موافق کتب طب کے ہوتا ہے اور منضج اور مسہل اور تبرید اور مقویات کے جو تبدیل کرتا ہے تو وہ تبدیل اسوجہ سے نہیں ہوتی کہ پہلی تجویز میں کچھ غلطی ہو گئی تھی بلکہ عین فہم و خوبی طبابت یہی ہے کہ اپنے اپنے وقت پر منضج اور مسہل اور تبرید کا استعمال ہوا کرے سو جیسے یہ قصہ ہے ایسا ہی

کارخانہ قدرت خدا کا کارخانہ سمجھئے جناب باریتعالی کو جو حکیم مطلق ہی بجاے طبیب حاذق خیال فرمائیے اور ام الکتاب کو بجاے کتب طب قرار دیجیے اور اُس کتاب کو جو لکل اجل کتاب
میں ہی یعنی ہر ہر مدت کی جدی جدی کتاب کو بمنزلہ نسخہ منضج اور مسہل رکھیے اور فرشتوں کو بیمار دار اور مجموعہ عالم کو جو اصطلاح محققین میں مسمی بشخص اکبر ہی بیمار خیر
کیجیے اور محو اثبات کو ایسا سمجھئے جیسا منضج کی جگہ مسہل بدلتے ہیں ور مسہل کی جگہ تبرید سو اس تبدیل کو بدا مصطلح شیعہ سمجھنا کمال خوش فہمی پر دلالت کرتا ہی ہاں اگر یہ
تبدیل اس قسم کی ہوتی جیسے تشخیص کی غلطی سی اول تو کچھ تجویز کیا تھا پھر کچھ سمجھ میں اور آیا تو البتہ ایک موقع تھا لیکن لکل اجل کتاب اسبات کو چاہتا ہی کہ مدت وار جدی
جدی تحریریں ہوتی ہیں ورو وہ تبدیل بوجہ تبدیل مدت ہے بوجہ غلطی تجویز نہیں **اقول** حکم واحکام میں بھی تبدل اور تغیر ہوتا ہی اور سوا اسکے اور امور میں جنمیں مصلحت
خدایتعالی کی ہوتی ہی اور شیعوں کا دعوی بخوبی ثابت ہے اور یہاں تک ہم بخوبی ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور یہ مثال طبیب کی اور بیمار کی بہت خوب ہے کہ جیسے کہ طبیب بیمار کے
واسطے ایک نسخہ لکھے اور بعد چند روز کے اُس نسخہ کی مصلحت باقی نرہی تو دوسرا نسخہ حکیم بدلتا ہی لیکن جو کچھ لکھتا ہی موافق قاعدہ طب کے لکھتا ہی غلطی اُس سے نہیں ہوتی ہی
ایسے ہی خدایتعالی جو کچھ واسطے بندہ کے ایک وقت کرتا ہی تو بعد اسکے مصلحت دوسرے وقت میں پہلے امر کے خلاف کو چاہتی ہی تو وہ کرتا ہی لیکن خدایتعالی میں اور طبیب میں
یہ فرق ہی کہ طبیب سے تو کبھی غلطی ہو جاتی ہی اور خدایتعالی سی غلطی کا ہونا ممکن نہیں ہے اور جو کچھ مثال میں طبیب اور بیمار کی لکھا ہی یہی بدا ہے شیعوں کے نزدیک اور جگہ جگہ
غلطی کا جو ذکر کرتا جاتا ہی شیعوں کے نزدیک تو بدا میں کسی طرح سی غلطی کو دخل نہیں ہے اسواسطے کہ غلطی کا احتمال خدایتعالی کی طرف شیعوں کی نزدیک کفر ہی اور پھر انکی طرف
منسوب کرنا ایسے بدا کو بڑی بے انصافی اور افتراء محض ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ یہ تینوں تقریریں جو مذکور ہوئیں ایک سے ایک چڑھتی ہیں اور بعد ملاحظہ ان
تقریرات کے مدعیان بدا کا حوصلہ معلوم نہیں ہوتا کہ پھر اس آیت کی طرف منہ کرکے بھی سو دیں یا اس آیت سے تمسک کا نام بھی لیں مگر جسکے دل میں انصاف نہو اُسکے
آگے ق بات کا بیان کرنا بھی لاحاصل خیر کوئی سمجھے یا نہ سمجھے جو اسپر ہی نہ سمجھے اُس سے خدا نہ سمجھے **اقول** یہ تینوں تقریریں جو بیان کی ہیں بالکل لغو اور فضول ہیں اور
جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکے دفع کرنے کو کچھ مس نہیں کرتی ہیں چنانچہ ہم تینوں تقریروں کا جواب دیچکے ہاں اگر بدا لغوی کو کہو تو ہوسکتا ہی اور اُسکو ہم بھی باطل
جانتے ہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اسکو اُس آیت سے بلکہ روایات کتب اہل سنت سے ثابت کرتے چلے آئے ہیں اور اسی آیت سے ہمکو تمسک ہے اور جو کچھ ہمنے لکھا ہی دیکھنے والے
کو سب حق ہی اور بے انصافی کی کوئی بات نہیں ہے لیکن جو شخص کہ ہمپر افترا کرے اور ایک عقیدہ باطل کو ہماری طرف منسوب کری اسکا تو کچھ علاج ہی نہیں ہے بجز اسکے
کہ ہم کہیں اُسکے جواب میں کہ لعنۃ اللہ علی الکاذبین **قال الشیخ الاشعری** اور بعض علماء شیعہ کو بدا کی حقیقت پر ایک اور نئی دلیل سوجھی ہی آیت وَوٰعَدْنَا مُوسٰى
ثَلٰثِيْنَ لَيْلَةً وَّاَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ سے حقیقت بدا پر استدلال لاتے ہیں تفصیل اس اجمال کی سنئے ہم سناتے ہیں حاصل اس آیہ کریمہ کا اول معروض ہی وہ یہ ہے کہ وعدہ ٹھیرایا ہمنے موسی سے تیس
رات کا اور پورا کیا ہمنے اس مدت کو ایک عشرہ اور بڑھاکر سو پورا ہوگیا وقت اُسکے رب کا چالیس راتیں انتہی اب تقریر استدلال سنئے اول تو جناب باری تعالی نے تیس شب کی محنت پر
تورات کا وعدہ کیا پھر تیس رات کے مجاہدہ پر تورات عطا نہوئی بلکہ فرماتے ہیں کہ تیس رات کے بعد دس روز اور بڑھا دیے سبب اس زیادتی کا بجز اسکے اور کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ تیس رات
کی خلوت پر تورات کا عطا ہونا خلاف مصلحت معلوم ہوا یہ کتاب اجرت اس قلیل مدت پر نا زیبا نظر آئے تعظیم اجرت کے لیے مدت اور بڑھا دی سو اگر خدا ہی کو یہ بات پہلے سی سوجھی ہوتی
تو بدا کا ثبوت موافق اصطلاح متقدمین ظاہر ہی ورنہ اسکے ہم کو بھی نہیں کہ خداوند علیم تو جانتا تھا پر حضرت موسے اور بنی اسرائیل کو کچھ کا کچھ بتلا دیا سو اسبات میں اور اسبات میں گو زمین
و آسمان کا تفاوت ہے پر ہمارے حق میں جیسا بدا حسب اصطلاح متقدمین ویسا ہی تو آیت رب العالمین اس صورت میں خدا کے کلام پر اعتماد نہ اس صورت میں کلام ربانی قابل استثنا
یہ ہی اگر فضائل صحابہ وغیرہ معتقدات اہل سنت پر کلام ربانی شاہد بھی ہو تو کیا ہوا ایک بانی بات ہے قابل التفات نہیں **اقول** اگر کوئی شیعہ اس آیت کو بدا کے جواز پر دلیل لایا ہے
تو ہوسکتا ہی اور کچھ رد اسمیں نہیں ہی اسواسطے کہ خدایتعالی نے وعدہ تیس شب کا کیا تھا اور بعد گزرنے تیس روز کے وہ وعدہ وفا نہوا بلکہ دس روز اُسپر اور بڑھائے اور بعد گزرنے چالیس دن کے وعدہ وفا
ہوا اور پہلی وعدہ میں خلف لازم آیا یہاں تک کہ قوم بے بصیرت اور جاہل نے طعن کیا کہ موسی نے تیس دن کا وعدہ کیا تھا اور چالیس روز میں اُسکو وفا کیا چنانچہ تفسیر درمنثور
میں لکھا ہی اور یہی بدا ہی کہ پہلے حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دیوے لیکن خدایتعالی جانتا تھا اپنے علم قدیم سی پہلے ہی کہ ہم تیس روز کا وعدہ کرینگے اور جب موسی مسواک کرکے
اپنے منہ کی بدبو دور کریگا تو ہم تیس روز کے حکم کو منسوخ کرکے دوسرا حکم دینگے کہ دس روز تیس روز پر اور بڑھائینگے اور حقیقت میں خلف وعدہ بھی لازم نہ آیا کہ ایفاے وعدہ بعضی
شروط پر موقوف ہوتا ہی اور اسمیں تمام شروط میں سی ایک مسواک کا نکرنا بھی تھا اور یہ کچھ ضرور نہیں ہی کہ خدایتعالی نے بندونکو شروط پر بھی مطلع کری اور وعدہ اُسکا حق ہی اور اگر بسبب
کسی شرط کے اُسکا ایفا نہوا اور بندونکو اُس شرط کی خبر نہو تو کچھ مضائقہ نہیں اس صورت میں یہ نہیں کہہ سکتے کہ وعدہ کو وفا کیوں نہیں کیا بلکہ یہ سمجھنا چاہیے کہ کسی شرط پر
موقوف ہوگا اور اسی طرح محدث عبدالحق دہلوی مدارج النبوت میں لکھتے ہیں کہ سیدی احمد زروق کہ از محققین علماء صوفیہ و از مشاہیر علماء مغرب است ذکر کردہ کہ یکے از رعایت

ادب مقام ربوبیت آنست کہ باوجود وثوق تصدیق وعدہ سبحانہ تعالیٰ واجب است اعتقاد بآنکہ واجب نیست ہیچ حق بر وی تعالیٰ واعتبار ایں دو اصل وقاعدہ وتطبیق میان آنہا نزد تعارض واجب ترین ایمان است اگر وعدۂ اجابت در وقت معین نیست فلا اشکال واگر بالفرض در وقت معین نیز شدہ باشد واجابت آں موعود در آں وقت بوقوع نیاید نیز بوتصدیق وعدہ در شک وتردد نیفتد از آنکہ تواند بود کہ وقوع وعدہ معلق باشد باسباب وشروطی کہ دانائے مطلق عز شانہ بعلم آں مستاثر باشد وبندہ را بر آں اطلاع ندادہ وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ وبر وے تعالیٰ واجب است کہ ہر چہ علم اوست از قیود وشروط بیان فرماید وبندہ را بر آں اطلاع بخشد الخ اور جو کچھ لکھا ہے یہی بداء میں ہوتا ہے کہ پہلے ایک حکم دیا اور بعد اسکے کسی مصلحت سے وہ حکم موقوف کرکے دوسرا حکم دیا لیکن بندہ اُسکی وجہ کو نہیں جانتا اور ایسا نہیں ہوسکتا کہ نعوذ باللہ خدا تعالیٰ سے پہلے حکم میں غلطی ہوئی ہو اور پہلے سے وہ اسکو سمجھا نہیں تھا جیسا کہ یہ دروغ گو مفتری لکھتا ہے کہ پہلے سے یہ بات سوجھی تھی تب تو بداء کا ثبوت موافق اصطلاح متقدمین ظاہر ہے یہ شیخ بالکل جھوٹ لکھتا ہے اور اصطلاح متقدمین شیعہ کی ہرگز یہ نہیں ہے کہ خدا کو پہلے سے یہ بات سوجھی نتھی اور اگر حضرت موسیٰ اور بنی اسرائیل کو کچھ کا کچھ بتلا دیا تو اسکا بھی کچھ مضائقہ نہیں ہے کہ جو کچھ بتلایا وہ ایک شرط پر موقوف تھا اور اسکا جواب ہم لکھ چکے اور توریت خدا تعالیٰ نے ہرگز نہیں کیا ہے جیسے کہ ہم لکھ چکے اور بداء البتہ واقع ہوا ہے نہ اس طرح سے جیسا کہ تو کہتا ہے کہ خدا کو پہلے سے سوجھی نتھی بلکہ پہلے سے علم قدیم سے خدا تعالیٰ سب جانتا تھا اور نہ جاننے کا مذہب تیرا ہوگا شیعوں کا یہ مذہب نہیں ہے اور بداء کی کچھ یہی ایک دلیل تیس شب کے وعدہ کی نہیں ہے بلکہ بہت سی صورتیں ہیں کہ اہل سنت کی روایتوں سے ثابت ہیں اور ہم کئی روایتوں کو پہلے اس سے کئی مرتبہ لکھ چکے ہیں مگر ہمارے نزدیک بداء میں یہ بات ہرگز نہیں ہے کہ معاذ اللہ خدا سے غلطی ہوئی ہو یا پہلے سے وہ نہ سمجھا ہو اور اعتماد اگر خدا پر نہوگا تو تمکو ہوگا اور شیعوں کا اعتماد تو سب خدا پر ہے اور اُسی کے قول سے استناد ہے یا اُسکے مقربوں اور خاصوں کے قول سے نہ ہر زہ سرا اور جہلاء جاہل کے قول سے اور صحابہ رضوان اللہ علیہم کے فضائل پر جو کلام خدا شاہد ہے اسکا ہمکو بھی اعتقاد ہے اور سب صحابہ کو ہم ممدوح جانتے ہیں مگر بعضے انہیں سے جو بسبب حب ریاست اور طمع مال دنیا کے طریق حق سے منحرف اور برگشتہ ہوگئے ہیں انکو ہم اچھا نہیں جانتے کہ وہ آیات مدح سے مستثنی ہیں **قال الشیخ الاشعری** مگر کوئی سمجھ دار ہو تو ہم بھی اپنے جی میں اسکا جواب لئے بیٹھے ہیں غلطی یا غلط گوئی متکلم اور ہے اور غلط فہمی مخاطب اور حضرات شیعہ اپنی غلط فہمی سے اپنی غلط فہمی کو غلطی یا غلط گوئی خداوندی سمجھتے ہیں اور یہ نہیں سمجھتے کہ غلط فہمی اپنی سمجھ کا قصور ہے خداوند علیم کا اسمیں کیا قصور **اقول** شیعہ سب سمجھدار ہیں اور سمجھ تجھ کو ہی نہیں ہے کہ تو سمجھداروں کو بے سمجھ کہتا ہے اور تو شیعہ جو غلطی پر ہیں اور نہ وہ خدا کو غلطی پر کہتے ہیں تو اُن پر تہمت کرتا ہے کہ وہ خدا کی غلط فہمی کے قائل ہیں ناحق اُنکی طرف منسوب کرتا ہے اُنکا دامن اعتقاد ایسے عیبوں سے پاک ہے **قال الشیخ الاشعری** یہ سب جانتے ہیں کہ جناب باری نے اس قصہ کو مختصر بیان فرمایا ہے روزوں کا اسمیں ذکر نہیں مسواک کا اسجگہ مذکور نہیں سو جیسے روزوں کا ذکر نہیں فرمایا حالانکہ حدیث مذکور سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ فقط تیس دن رات مقصود تھے بلکہ اتنے دنوں صائم رہنا مطلوب تھا ایسا ہی ہوسکتا ہے کہ بعض اور شرائط بھی ہوں کہ اُنکا ذکر نہیں فرمایا منجملہ مسواک کا نہ کرنا بھی ہو اور اگر فرض کیجئے روایات سے ثابت ہو جائے کہ توریت کی اُجرت میں فقط تیس دن کو روزے ہی ٹھیرے تھے اور سوا اسکے اور کوئی بات مشروط نہوئی تھی تو قطع نظر اسکے کہ اس امر کا ثبوت غیر ممکن معلوم ہوتا ہے فقط عدم ثبوت نکلے تو نکلے ثبوت عدم محال نظر آتا ہے ہم کہتے ہیں کہ بہت سی ایسی شرائط ہوتی ہیں کہ وقت تقرر اجرت اُنکا مذکور نہیں آتا اُنکا معروف ہونا کافی ہوجاتا ہے کچہری یا فوج کے ملازموں کو دیکھئے کیا [illegible] خاص اور احکام حکام اور تقدیم تسلیم کا وقت تقرر اُنسے کوئی مذکور نہیں کرتا باینہمہ ان امور کے ترک پر اُنسے مواخذہ کیا جاتا ہے جرمانہ لیا جاتا ہے تاوان لیتے ہیں سزا دیتے ہیں اور اگر ملازمان بادشاہی کی بات باینوجہ کہ قابل قیاس نہو کہ اُنسے تو اصل کار اور اُجرت کی مقدار کا بھی ذکر آتا ایک بات معین ہوتی ہے جسے ہر خاص و عام جانتا ہے علی ہذا القیاس اور امور بالائی مثل لباس وغیرہ بھی معلوم ہوتے ہیں سو اس حساب سے اُنکا حال مثل اصل امر رہا تو اسکا جواب یہ ہے کہ یہ بات تو ہمارے اور بھی مفید مطلب ہے کیونکہ جب شہرت کے باعث تمام امور کے ذکر کی حاجت نہیں تو بعض امور کے مذکور ہونے کی تو بشرط شہرت لاجرم حاجت نہوگی **اقول** یہ ذکر تو ہم اول ہی کر چکے ہیں کہ اکثر ایسا ہوتا ہے کہ شروط مذکور نہیں ہوتی اور اگر انکو ذکر نہ کیا تو کچھ مضائقہ نہیں اور یہاں بھی ایسا ہی ہے کہ بعد تیس دن کے توریت کے عطا کرنے کی شرط جو تھی وہ وقوع میں نہیں آئی تھی اسواسطے دس روز اور بڑھائے تھے اسقدر کیوں طول دیا اور بداء میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے کہ جب پہلے حکم کی جو شرط مفقود ہوجاتی ہے تو دوسرا حکم صادر ہوتا ہے اور ایسا یہ کہ اُس حکم کی مدت گزر جائے لیکن خدا تعالیٰ دوسرا حکم جو بدلتا ہے تو اُس سے بے خبر نہیں ہوتا ہے اور نہ یہ کہ پہلے حکم میں غلطی معلوم ہوئی تو اسکو بدلا بلکہ روز ازل سے ہر ایک امر کو جانتا ہے **قال الشیخ الاشعری** معہذا یہ مثال ناپسندی ہے تو اور مثال لیجئے گھوڑے کو کہیں جانے کی لیے کرایہ کرتے ہیں تو چار جامہ یا نوزی لگام رکاب وغیرہ کا کوئی ذکر نہیں کرتا باینہمہ اگر گھوڑے والا گھوڑے کے ساتھ یہ چیزیں حوالہ نہیں کرتا تو کرایہ لیجانیوالا ایسا کچھ لڑتا جھگڑتا ہے اور بن پڑتا ہے تو کرایہ میں سے بھی کچھ نکچھ کر لیتا ہے ایسے ہی اگر ابن بندگان خاص خداوندی حضرات انبیاء اور جناب باری کچھ قوانین ادب مقرر ہوں اور بندگان خاص کے نزدیک

مشہور معروف ہوں اور اسکے ترک پر اگرچہ ذکر نہ آئے مواخذہ ہو تو عین حق اور عین صواب ہے مگر اسکو بدا نہیں کہہ سکتے بدا کہنا جب مناسب ہے کہ حضرات انبیاء علیہم السلام کو ہرگز
اسکی اطلاع نہ ہو اور در صورتیکہ اسکی اطلاع ہوا اور فقط بمقتضاء بشریت اُنسے خطا ہو جائے تو پھر بدا کہا اور یہ بھی نہ سہی کلام اللہ سے فقط اتنا ثابت ہوتا ہے کہ تیس دن کے مجاہدہ پر
توراۃ کا عطا ہونا ٹھیرا تھا اور اسکی ایسی مثال ہے جیسے ایک ماہ کا کسیکا کچھ مشاہرہ مقرر کردیں سو جیسے ایک ماہ کی تنخواہ کے یہ معنی ہیں کہ ایک مہینے کی مزدوری ہوئی خواہ
تیسویں دن ملی خواہ دس دن بعد ایسے ہی تیس رات دن کے مجاہدہ پر توراۃ کے عطا ہونے کے یہ معنی ہیں کہ تیس دن کے مجاہدہ کا یہ ثمرہ اور یہ پھل ہے خواہ تیسویں دن ملی ہو یا دس
دن بعد باقی رہی دس روز زیادہ کی محنت کی وجہ اسکا بیان ہمارے ذمہ ضرور نہیں **اقول** مثال گزشتہ ہمکو ناپسند نہیں ہے بلکہ ہم بھی اسی طرح کہتے ہیں اور بعد اُسکے جو
مثالیں لکھی ہیں اور اُجرت اور مزدوری کا ذکر کیا ہے اس سے کیا تعلق ہے بدا تو ہم اس سبب سے کہتے ہیں کہ خدا تعالے نے حضرت موسیٰ سے وعدہ تیس شب روز کا کیا اور جب
تیس روز گزر گئے تو وعدہ کو وفا نہ کیا اور تیس روز کے حکم کو منسوخ کر کے دس روز اور زیادہ کئے اور چالیس روز میں وعدہ کو وفا کیا یعنی حکم کیا تھا کہ ہم تیس روز میں وعدہ
کو وفا کرینگے سو تیس روز میں تو وفا نہ کیا بلکہ چالیس روز میں وفا کیا اور یہی بدا ہے اور مزدوریوں کا کیا ذکر ہے کہ تیس دن میں اگر ادا نہ کی تو چالیس دن میں ادا کی جا ہو
ہزاروں میں اگر وہ ذکر تو اسکا ہے کہ تیس دن کا وعدہ کیا اور پھر تیسویں دن نہ دیا ذکر تو کچھ ہے اور لکھتا کچھ ہے اور بدا کی دلیل کچھ یہ قصہ توراۃ کے دینے ہی کا نہیں ہے اسکی
دلیلیں تو کثرت سے ہیں کہ جو روایات اہل سنت میں موجود ہیں اور پہلے اس سے ہم بہت سا کچھ لکھ چکے ہیں تو نے ایک آسان بات سمجھکر حضرت موسے کے قصہ کی اُسکا ذکر کیا اور
سوا اسکے اور دلیلوں سے اعراض کیا کتب تفاسیر اور احادیث میں لکھا ہے کہ حضرت یونس نے اپنی قوم سے وعدہ کیا کہ فلانے روز تم پر عذاب نازل ہوگا اور قوم نے دعا کی اور
زاری کی تو وہ عذاب مرتفع ہوگیا اور حضرت یونس کے خبر دینے میں خلاف لازم آیا اور حضرت یونس وہاں سے نکلگئے اس خیال سے کہ میں قوم کے نزدیک جھوٹا ٹھیرا کہ اُنپر عذاب
نازل نہ ہوا اب دیکھو تو کہ یہ بدا نہیں تو کیا ہے اور حیوۃ الحیوان دمیری شافعی میں لکھا ہے کہ ایک شخص ایک جانور کے بچے جب وہ دیتا تھی اُسکے آشیانہ میں سے نکالکر لیجاتا اُس جانور
نے خدا تعالے سے شکایت کی خدا تعالی نے فرمایا کہ اگر اب وہ تیرے بچہ لیجائیگا تو اسکو میں ہلاک کرونگا اس وعدہ کے بعد بھی وہ شخص آیا اور دو بچے اُس جانور کے لیگیا
اور اُس نے صدقہ جو دیا تو ہلاک ہونے سے محفوظ رہا چنانچہ حیوۃ الحیوان میں لکھا ہے کہ وفی تاریخ ابن النجار وعوالی ابی عبد اللہ بن المثنی بن انس بن مالک الانصاری قاضی البصرۃ
وعالمها ومسندها وهو من كبار شيوخ البخاري من حديث الحسن بن ابي الحسن البصري عن ابي هريرة رضي الله عنه ان النبي صلى الله عليه وسلم قال كان فيمن قبلكم رجل يأتي
وكر طائر كلما افرخ يأخذ فرخه فشكى ذلك الطائر الى الله تعالى ما يفعل به فاوحى الله اليه ان عاد فسأهلكه فلما افرخ الطائر خرج ذلك الرجل كما كان يخرج فبينما هو في
بعض الطريق فسأله سائل فاعطاه رغيفا كان معه يتغذاه ثم مضى حتى اتى الوكر فوضع سلمه ثم صعد واخذ الفرخين وابواهما ينظران اليه فقالا ربنا انك لا تخلف الميعاد وقد وعدتنا
ان تهلك هذا اذا عاد وقد عاد واخذ فرخينا ولم تهلكه فاوحى الله اليهما الم تعلما اني لا اهلك احدا تصدق في يومه بميتة سوء اب انصاف کرنا چاہیے کہ یہ روایت بدا پر دلالت کرتی ہے یا نہیں اور روضۃ العلماء میں لکھا ہے
حضرت عیسی علی نبینا وعلیہ السلام مع حواریوں کے بیٹھے تھے کہ گزر ایک دھوبی کا ہوا اور اسکی پشت پر گٹھا کپڑوں کا تھا حضرت عیسے نے فرمایا کہ یہ دھوبی اسی ساعت مریگا
اور اُسکا جنازہ تیرے پاس آئیگا شام کے وقت دھوبی صحیح وسلامت اُلٹا پھر کر آیا مع کپڑوں کے حواریوں نے اُسے زندہ دیکھکر بہت تعجب کیا حضرت عیسے نے دھوبی سے
فرمایا کہ تو اپنا قصہ بیان کر کہا کہ میں صبح کو نکلا اور میرے پاس تین روٹیاں تھیں ایک سائل میرے آگے آیا میں نے اُسکو ایک روٹی دی اُس نے دعا کی کہ خدا تعالی تجھ سے بدی کو
دفع کرے میں آگے چلا اور دوسرا سائل آیا اُس نے سوال کیا تو دوسری روٹی میں نے اُسکو دی اُس نے بھی دعا کی کہ خدا تعالے تجھ سے بلا کو دور کرے اور جسوقت میں نے گٹھا
کپڑوں کا کھولا تو اُسمیں ایک کالا سانپ دیکھا کہ اُسکی آنکھوں میں آگ چمکتی تھی اور اُسکی گردن میں دو زنجیریں پڑی تھیں اور دو فرشتے اُسکو کھینچتے تھے یہانتک کہ گٹھے
سے کپڑوں کے اُسکو نکالدیا حضرت عیسے نے فرمایا کہ روٹی کے صدقہ دینے کے سبب سے خدا تعالی نے تجھ کو سلامت رکھا اور تیری عمر کو زیادہ کردیا چنانچہ لکھا ہے کہ حدثنا
ابو عبد الله المطوعي باسناده عن وهب رحمه الله قال كان عيسى النبي صلوات الله عليه قاعدا مع الحواريين اذ مر قصار على ظهره حزمة ثياب فقال عيسى عليه السلام للحواريين ان
هذا القصار يموت الساعة ويرد على جنازته فجلسوا فلما كان عند المساء فرجع القصار سالما مع ثيابه فتعجب الحواريون بذلك فقال عيسى للقصار اخبرني عن قصتك
قال خرجت بالغداة ومعي ثلثة ارغفة فاستقبلني سائل فدفعت اليه واحدا فدعا وقال صرف الله عنك السوء فمضيت فاستقبلني
سائل آخر فسألني فدفعت اليه الرغيف الثاني فقال صرف الله عنك البلاء واذا فتحت حزمة ثيابي رأيت فيها حية سوداء تلتهب النار من عينيها وفي عنقها
سلسلتان واذا ملكان يمدان تلك الحية حتى اذا اخرجاها من حزمة ثيابي فقال عيسى ان الرغيف سلمك الله تعالى وزاد في عمرك اب دیکھو تو یہ بدا نہیں
تو کیا ہے اور اسطرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں بہت ہیں اور جب ہم اسطرح کی روایت کسی امام سے بیان کرتے ہیں تو یہ لوگ اُسپر طعن کرتے ہیں کیا اسکو انصاف

کہتے ہیں کہ خود تو جسقدر چاہیں بیان کریں اور جب کوئی دوسرا ایسا بیان کرے تو اُس پر طعن کریں **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی نادان لفظ اتممنا ہا سے دس رات کی نسبت تیس رات کی تتمہ ہونا سمجھ کر اُلجھنے کو تیار ہو تو اسکا جواب یہی ہے کہ سنن و نوافل کا بہ نسبت فرائض کے متمم ہونا اور علی ہذا القیاس صدقۃ الفطر کا بہ نسبت صیام رمضان کے متمم ہونا احادیث صحیحہ سے ظاہر و باہر ہے مگر کسیکے نزدیک اسکے یہ معنی نہیں کہ فرائض پنجگانہ کے مقدار بہ نسبت زمانہ سابق کے زیادہ کی گئی بلکہ یہ معنی ہیں کہ بمقتضائے بشریت ہر عمل میں کچھ نہ کچھ قصور رہ ہی جاتا ہے کتنا ہی اہتمام کیوں نکرو اس صورت میں مقدار اصلی خدا کے نزدیک بھی اور بندوں کے علم میں بھی وہی رہی اور یہ سبا و پر کا بکھیڑا از قبیل قضاء مافات اور جبر نقصان اور مکافات تقصیرات ہے سو ایسے ہی اِن دس دن کو سمجھیے بلکہ لفظ اتممنا ہی خود اس بات پر شاہد ہے کہ یہ دس دن کی محنت از قبیل جبر نقصان ہے ورنہ میعاد اصلی وہی تیس دن تھی اگر ان تیس رات کا مجاہدہ بہمہ وجوہ قابل پسند ہوتا اور بمقتضائے بشریت جس سے سب انبیا چار ہیں نبی ہو یا ولی ہو چنانچہ واقف کار واقف ہیں کوئی قصور و فتور عارض حال موسیٰ نہوتا تو جناب باریتعالیٰ کیطرف سے اور دس دن کا مطالبہ نہوتا باقی رہا لفظ میقات ربہ کا اس بات پر دلالت کرنا کہ میعاد اصلی چالیس راتیں تھیں سو اسکا جواب یہ ہے کہ بازار خداوندی میں ہر عمل کی ایک اجرت ہے اور ہر اجرت کے لئے ایک محنت معین ہے کلام اللہ حدیث اسکی گواہ ہیں نائل عظیمہ مثل حصول توراۃ وغیرہ کا نرخ چالیس رات کی محنت اصل سے مقرر ہو مگر کمال جود اور عموم رحمت کے باعث حضرت موسیٰ علیہ و علی نبینا السلام کیلئے دس دن یعنی دہائی محنت کی تخفیف کی گئی ہو جیسے اس اُمت کے عوام کے لئے نو حصہ محنت کے تخفیف کی گئی ہے باور نہو تو اس آیت کو دیکھیے مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا یعنی جو ایک نیکی لائیگا دس گنا ثواب پائیگا سو دس گنا تو جبھی کہہ سکتے ہیں کہ ایک نیکی کی عوض دس نیکیوں کا ثواب ملے جب ایک ہی نیکی پر دس نیکیوں کا ثواب ملا تو نو حصہ محنت کے تخفیف آپ نکل آئی آیات اور احادیث میں اس مضمون کی اور بھی بہت شواہد ہیں بہر حال بعضے آیات و احادیث تو ایسی ہیں جن سے اس سے زیادہ تخفیف ہی بعض بعض افراد و افراد کے لئے ثابت ہوتی ہے باندیشہ تطویل تفصیل سے معذور ہوں **اقول** ذکر تو کچھ اور ہے اور یہ شیخ لکھتا کچھ اور ہے کہیں تو لکھتا ہے کہ کوئی دس دن کو تیس روز کا تتمہ سمجھے جیسے کہ نوافل فرائض کا تتمہ ہے اور کہیں دس دن کو قبیل قضاء مافات اور جبر نقصان سے کہتا ہے یہ سب صحیح ہے اور اگر صحیح نہیں ہے تو بھی ہم نے ان سب تحریروں کو تسلیم کیا اگر ہمارا تو مطلب وہ ہے کہ جو کئی مرتبہ ہم لکھ چکے کہ خدا تعالیٰ نے تیس روز کا وعدہ کیا اور تیس روز گزر گئے تو وعدہ لو وفا کیا اور اس حکم کو منسوخ کر کے اور دس روز زیادہ کر کے چالیس روز میں وعدہ وفا کیا اور یہی بدا ہے اور اجر تو نکا اور ثوابوں کا جو ذکر کرتا ہے بھلا اسکا کون منکر ہے لیکن گفتگو تو اور ہے اور لکھتا کچھ اور ہے اور لفظ میقات ربہ سے یہ مراد نہیں ہے کہ جو تو نے لکھا ہے بلکہ مراد اُس سے یہ ہے کہ پہلے تو میعاد اصلی تیس روز تھی اور جب وہ منسوخ ہو گئی کہ اُسکی کذبت پر ایفائے وعدہ ہوا اور دس روز اُس پر بڑھائی تو اب میعاد چالیس روز مقرر ہوئی یہ دوسرا حکم ہے **قال الشیخ الاشعری** غرض یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کے لئے بحکم عنایت قدیمانہ دس دن کی تخفیف ہوئی ہو پر بمقتضائے بشریت حضرت موسیٰ علی نبینا و علیہ السلام سے یہ عمل کامل بن پڑا جیسا توراۃ کے معاوضہ کے لئے درکار تھا بلکہ کچھ نقصان نکلا جسکی مکافات اور دس دن کی خلوت اور مجاہدہ سے ہو سکے اس لئے بنظر رحمت خاصہ حضرت موسیٰ کی تیس دن کی محنت کو رد تو نکیا اگرچہ رد کرنیکا موقع تھا ہاں دس دن کی اور ہدایت فرمائی تاکہ کامیاب جائیں اور غیروں کے سامنے ندامت نہ اٹھائیں جب اس طریقہ سے وہی چالیس دن آ پڑے تو جناب باری نے بھی یہ ارشاد فرمایا فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً یعنی بس تمام ہو گئی وہی چالیس راتیں جو اُسکے رب کا میقات تھا یعنی وہ وقت جو ایسی نعمتوں کی لئے اُس نے مقرر کر رکھا تھا سو انجام کار وہی پورا ہوا **اقول** تخفیف حضرت موسیٰ کو دس دن کی ہرگز نہیں ہوئی اور نہ یہ کہیں سے ثابت ہے اہل سنت کی روایتوں میں تو یہ آیا ہے کہ ابتدا میں خدا تعالیٰ نے تیس روز ہی کی میعاد مقرر کی تھی توراۃ کے دینے کی اور یہ ملحوظ تھا کہ اس میں دس روز کے تخفیف ہے تو کہاں سے کہتا ہے احتمالات باطلہ سے کام نہیں چلتا ہے اور اُن روزوں میں مسواک کا نکرنا شرط تھا جب حضرت موسیٰ نے مسواک کی اور مسواک کر کے اپنے دہن مبارک کی بو کو زائل کیا تو خدا تعالیٰ کو پسند نہ آیا کہ وہ صائم کی دہن کی بو کو مشک سے بہتر جانتا ہے اسواسطے دس روز اور بڑھائے اور حضرت موسیٰ کا عمل تو وہی روزے تھے اور روزہ رکھنے میں اُنہوں نے کوئی قصور نہیں کیا مگر اُسکی شرط کہ جسکی اُنکو خبر نتھی وہ عمل میں نہیں آئی اُنکی طرف سے تو عمل کامل ہی ہوا ہے گو پسندیدہ خدا بسبب فقدان شرط کے نہوا اور دس دن اسواسطے بڑھائی کہ کچھ اور روزہ رکھے اور اُسکے مونہہ سے بو آئے تاکہ میں توراۃ اسکو دوں اسواسطے تیس روز منسوخ ہو کر چالیس روز آ پڑی اور خدا تعالیٰ نے فرمایا فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً اور یہ وقت خدا تعالیٰ نے بعد منسوخ کرنے تیس روز کے مقرر کیا **قال الشیخ الاشعری** یا یوں کہیے کہ بہت سی باتیں ایسی ہوتی ہیں جو بات خود قابل اہتمام اور شایان تاکید ملک علام نہیں ہوتی پر کسی بندہ خاص سے جو ایک وقت خاص اور ساعت اخلاص میں بضرورت کسی امر عارضی کے ظاہر ہوتے ہیں تو جناب باری بروئے کمال بندہ پروری اور غلام نوازی اُس عمل کو ایسا قبول کرتا ہے کہ اسکو داخل عبادات خاصہ کر دیتا ہے اور پھر ہر خاص و عام سے اُسکے کرنے نکرنے کا حساب لیتا ہے تاکہ خدا کی قدر شناسی اور اُس بندہ کی رفعت قدر معلوم ہو جائے مثال اسکی اگر مطلوب ہے تو حضرت ہاجرہ کا

صفا مروہ کے بیچ دوڑنا اور اس سبب سے اس سعی کا داخل سنن یا واجبات حج ہو جانا حالانکہ عقل سلیم کو اس عمل میں کوئی مضمون تعبد کا نظر نہیں آتا سب کا سنا ہوا قصہ ہے علی ہذا القیاس اگر چالیس رات کی مقدار اول ہی خداوند کریم کے نزدیک قابل اہتمام نہو بلکہ اُس تک وہی تیس رات کی مقدار مہتم بالشان ہو مگر چونکہ بندہ خاص سراپا اختصاص حضرت موسی علیہ وعلی نبینا الصلوۃ والسلام سے ایک وقت خاص میں جسکا مذکور ہی چالیس رات کا مجاہدہ بضرورت معلوم ظہور میں آیا تو بوجہ کمال اخلاص حضرت موسی علیہ السلام جناب باری نے اس عمل کو ایسا قبول فرمایا کہ آیندہ سے فضائل جلیلہ کی تحصیل کے لئے عدد اربعین ہی مقرر ہو گیا اور جب اس وجہ سے یہ عدد مہتم بالشان ٹھہرا تو جناب باری عز اسمہ کے اس قول کی فَتَمَّ مِيقَاتُ رَبِّهِ أَرْبَعِينَ لَيْلَةً یہ معنی ہونگے کہ ہر چند ایسی نعمتوں کے لئے اصل میں وہی تیس راتیں تھیں لیکن چونکہ حضرت موسی علیہ السلام سے بضرورت معلوم حالت اخلاص میں چالیس رات کا مجاہدہ ظہور میں آیا تو خداوند کریم نے اس عمل کو اُنکے اخلاص کے باعث ایسا قبول فرمایا کہ اب سے تقرب بارگاہ خداوندی کے لئے پوری چالیس شب روز کی خلوت مقرر ہو گئی چونکہ پہلی تقریر اور اس تقریر میں فرق ظاہر ہے ان دونوں کے بیان فرق سے معذور ہوں **اقول** ایسا تو ہو سکتا ہی کہ خدا تعالی اپنے بندہ خاص کی عمل کو داخل عبادات کر دے لیکن حضرت موسی سے چالیس رات کا مجاہدہ بے حکم خدا تو ہوا نہیں آیا بلکہ جسوقت خدا تعالی نے تیس رات کے مجاہدہ پر دس رات کو زیادہ کیا تو اُسوقت اُنہوں نے بحکم خدا چالیس شب کامل کے اور پہلے تو خدا تعالی نے موافق اپنے حکمت کی تیس رات ہی مقرر کی تھی اور چالیس رات کے حکمت نتھی مگر تیس شب کی شرط جو تھی وہ حضرت موسی کے ہاتھ سے جاتے رہی اسواسطے تیس رات کے حکم کو منسوخ کیا اور راتیں اُسپر زیادہ کرکے چالیس شب مقرر کیں لیکن تیس راتیں جو خدا تعالی نے مقرر کی تھیں اُسوقت خدا تعالی جانتا تھا کہ موسی اسکی شرط کو بجا نہ لائیگا اور ہم اُنکی اس مجاہدہ اور اُسپر زیادہ کرینگے اور چالیس رات کا مجاہدہ جو حضرت موسی سے ظہور میں آیا ہے وہ پہلی پہل بحکم خدا کے ظہور میں نہیں آیا ہی تاکہ تقرب بارگاہ خداوندی کے لئے بعد اب شب و روز کی خلوت مقرر ہو بلکہ پہلے تیس شب کا وعدہ کیا اور بعد اُسکے مصلحت چالیس رات کی ہوئی تو دس رات اور زیادہ کیں اور یہی بدا ہے **قال الشیخ الاشعری** ہاں نتیجہ اس طول بیانی کا عرض کرنا پڑا اس لئے سامع خراش اہل انصاف ہوں کہ بدا کا ثبوت اس آیت سے جب ہو سکتا ہی کہ یا تو خود جناب علام الغیوب نے ہی پہلے سے یہ ارادہ کر رکھا تھا کہ بعد مرور تیس شب کے حضرت موسی علیہ السلام کو توریت عطا کریں اور جبتک ہرگز چالیس رات کی تاخیر کا دھیان نتھا اتفاق سے کسی مصلحت تازہ کے باعث ارادہ سابق سے پلٹ گئے اور تیس رات کے بعد عطا فرمائی یا جناب باری عالم الغیب والشہادت کے علم و ارادہ میں تو یہی تھا کہ بعد انقضائے مدت چہل شب عطاء توریت سے حضرت موسی مشرف ہوں مگر عمداً حضرت ہی علیہ السلام کو تیس شب کے بعد توریت کے عطا ہونیکی خبر دی حضرت موسی علیہ السلام باعتماد صدق خبر خداوندی یہی سمجھتی رہی کہ لاجرم بعد مرور تیس شب کے توریت عطا کی مگر چونکہ مد نظر خداوندی کچھ اور تھا توریت کی بات بعد چالیس رات کے پر جا پڑی اس صورت میں گو صفت خداوندی اور ارادہ عیب و نقصان سے منزہ رہی پر کلام خداوندی میں دروغ کا بٹا لگا **اقول** جو کچھ تونے بیان کیا ہی پہلے قول میں نتیجہ اُسکا یہ نہیں ہی کہ جو تو اب بیان کرتا ہی اور ثبوت بدا کا اس آیت سے تو ہم برابر لکھتے چلے آتے ہیں اور خدا تعالی نے البتہ یہ مقرر کر رکھا تھا کہ بعد گزرنے تیس شب کی موسی کو ہم توریت دینگے اگر اُسکی شرط کو وہ بجا لایا اور اسی واسطے وعدہ کیا تھا لیکن یہ بھی جانتا تھا کہ موسی اُسکی شرط کو بجا نہ لائیگا اور جب شرط کو بجا نہ لائیگا تو ہم دس روز تیس روز پر زیادہ کرکے چالیس روز کر دینگے اور البتہ چالیس شب کا پہلی ہی سے اُسکو دھیان بھی تھا اور تازہ مصلحت کوئی نہیں سوجھی تھی کہ وہ عالم الغیب ہے اور ہر امر کو ازل سے ابد تک جانتا ہی اور پہلے سے نہ جاننے کا اور تازی مصلحت کے سوجھنے کا اعتقاد ہماری نزدیک کفر ہے اور بدا ہماری نزدیک جسکو کہ ہم خدا پر روا رکھتے ہیں یہ نہیں ہی کہ جس میں خدا کا جاہل ہونا لازم آئے اور جناب باری کے علم اور ارادہ میں یہ تھا کہ بعد انقضاء مدت چہل شب کے حضرت موسی کو توریت عطا کرینگے جسوقت کہ وہ تیس شب کی شرط کو بجا نہ لائیگا اور عمداً حضرت موسی کو تیس شب کے بعد دینے کے البتہ خبر دی جسوقت کہ وہ اسکی شرط کو بجا لائے اور یہ جھوٹ نہیں ہی اور نہ جھوٹ کا بٹا اُسکو لگا ہی چنانچہ ہم مدارج النبوت عبد الحق دہلوی سے لکھ چکے ہیں کہ اگر خدا تعالی وقت معین کا وعدہ کرے اور اُسکا ایفا نکرے تو اُسکے صدق وعدہ میں شک اور تردد نہیں ہو سکتا ہو سکتا ہی کہ وقوع وعدہ اسباب اور شروط پر معلق ہو کہ جو اُسکے علم میں ہی اور اُسکی ذات پر واجب نہیں ہی کہ بندہ کو اُن اسباب اور شروط سے مطلع کرے اور اگر یہی دروغ ہی کہ جو تو کہتا ہے ایسا تو خدا تعالی نے بہت سا فرمایا ہے کہ چاہئے کہ تیری نزدیک خدا تعالی جھوٹ بولا ہو اور یہی ہم حیوۃ الحیوان دمیری شافعی سے لکھ چکے ہیں کہ خدا تعالی نے طائر سے کہا کہ جو شخص تیری بچہ لیجاتا ہی اُسکو میں ہلاک کرونگا اور خدا تعالی نے اُسکو ہلاک نکیا اور روضۃ العلما سے لکھا ہی کہ حضرت عیسی نے باطلاع خدا تعالی حواریین سے کہا کہ یہ دھوبی اسی ساعت مریگا اور وہ نہ مرا اور درمنثور میں کعب سے روایت ہی کہ بنی اسرائیل میں ایک بادشاہ عادل تھا اُس زمانہ کے پیغمبر کو خدا تعالی نے وحی کی کہ اُس بادشاہ سے کہہ کہ تین روز میں تو مرنیوالا ہی اور وہ نہ مرا اور بستان المحدثین میں مولوی عبد العزیز صاحب نے لکھا ہی کہ بنی اسرائیل میں دو بادشاہ تھے کہ وہ دونوں آپس میں بھائی تھے اور ایک تو عادل تھا اور دوسرا ظالم تھا اور اُس زمانہ کا جو

پیغمبر تھا اُسکو خدا تعالی نے وحی کی کہ اس عادل کے عمر میں تین برس باقی رہے ہیں اور اس ظالم کی عمر میں سے تیس برس باقی رہی ہیں اور ایسا نہوا بلکہ جسکو خدا تعالی نے کہا تھا کہ تین برس میں مریگا وہ تو تیس برس میں مرا اور جسکو خدا تعالی نے کہا تھا کہ تیس برس میں مریگا وہ تین برس میں مرا اور اس طرح کی روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں بہت ہیں اور اثبات بدا میں ہم کئی جگہہ لکھ چکے ہیں اب تجھکو لازم ہے کہ تو خدا تعالی کو جھوٹا ٹھہرا کر دروغگوئی کا ٹیکا لگاوے **قال الشیخ الاشعری** یہ اسواسطے جتلایا کہ بعض محققان شیعہ بپاس صفت علم وارادہ بدا کی تقریر کچھہ ایسی کرتے ہیں جس سے نقصان و عیب جو کچھہ ہو اخبار تک رہے علم وارادہ تک نہ پہنچے پر جو لوگ خدا کی عظمت و جلال کو کسیقدر سمجھتے ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ خداوند عظیم الشان کی کوئی صفت کیوں نہو عیب و نقصان سے مبرا ہے محقق مذکور نے بزعم خود اچھی روش اختیار کی تھی اور صفت علم وارادہ کو بچا کر یوں خوش تھے کہ اہل سنت سے دامن چھڑا لیا پر یہ نسمجھے کہ صفتیں اگر منزہ رہیں تو کیا ہوا ایک اور صفت میں نقصان لازم آیا آری دروغگو را حافظہ نباشد **اقول** نہ شیعوں کے نزدیک نقصان صفت علم وارادہ خدا میں ہے اور نہ خبر کرنے میں اور بعض محققان شیعہ معلوم نہیں کسکو کہتا ہے اگر جانتا تھا تو نام اُسکا کیوں نہیں لکھا جھوٹ لکھنے سے کیا فائدہ جھوٹ کو کون تسلیم کرتا ہے اور جیسی کہ خدا تعالی کی تنزیہ شیعوں کے مذہب میں ہے ایسی کسی مذہب میں نہیں ہے جب اسکو پاک جانتے ہیں بخلاف اہل سنت کے کہ طرح طرح کے عیبوں سے خدا تعالی کو آلودہ کرتے ہیں اور معلوم نہیں محقق مذکور کون شخص ہے کوئی اہل سنت میں سے ہوگا شیعوں میں تو ایسا کوئی شخص نہیں ہے اور اگر نظام الدین جیلانی کو کہتا ہے تو وہ تو ایک شخص مجہول ہے اُسکو تو کوئی بھی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے اور کس زمانہ میں تھا پھر خیال اُسکا محقق ہونا اور جو کچھہ اعتقاد اُسکا تونے لکھا ہے ایسی اعتقاد والی پر تو شیعہ لعنت کرتے ہیں ایسی اعتقاد والیکا شیعوں کے جواب میں ذکر کرنا بڑی حماقت کی بات ہے وہی جو ایکہ تو خدا تعالی کو جمیع عیوب سے پاک جانتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بہر حال یہ دو صورتیں بدا کے ثبوت کی نہیں اور درصورتیکہ یہ دونوں صورتیں نہوں بلکہ حتمل عقد اجارہ اور تعلیق شرط و جزا ہو تو اگر بوجہ عدم وقوع شرط جزا ظہور میں آئی اور بسبب ناپسندی عمل اجرت نملی تو اس میں خدا کی جانب کونسا قصور عائد ہوتا ہے جو بدا کے ثبوت کی گنجایش ملی ہاں حضرت موسی علیہ السلام غلطی فہم کے باعث جس سے انبیاء معصوم نہیں ہیں معصوم نہیں اگر کچھہ کا کچھہ سمجھہ جائیں تو ہم تو نہیں کہہ سکتے یہ انکا قصور ہے مگر اسکو بدا سے کیا علاقہ ایسی بدا کی تو خود اہل سنت جو بدا کے نہایت منکر ہیں بکثرت قائل ہیں اختلاف ائمہ جو لاجرم ایک نہ ایک کی غلط فہمی کو مستلزم ہے انکے نزدیک حسنہ غلطی ہے **اقول** ان دو صورتوں سے کیا ہے بدا کو تو ہم برابر ثابت کرتے چلے آتے ہیں لیکن جس بدا کو تو ہماری طرف منسوب کرتا ہے اُس بدا کے ہم قائل نہیں ہیں اگر وہ بدا ثابت نہیں ہوتا تو نہو جو کہ ہمارے نزدیک بدا ہے وہ روایات اہل سنت بھی اسپر دلالت کرتی ہیں چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور یہ تو ہم بھی کہتے ہیں کہ بسبب عدم وقوع شرط جزا ظہور میں آئی اور پہلا حکم منسوخ ہوا اور اسی کو ہم بدا کہتے ہیں اور خدا کی طرف ہمیں ہمارے نزدیک کوئی قصور عاید نہیں ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے مفصل مدارج النبوت سے لکھ چکے اور بدا بہر نہج ثابت ہے اور حضرت موسی کا بھی کچھہ قصور نہیں ہے اور نہ انکی کوئی غلط فہمی ہے دلیل حصول اُس امر کا ایک شرط پر موقوف تھا اور حضرت موسی اُس شرط سے آگاہ تھے اور خدا تعالی پر اُس شرط سے مطلع کرنا واجب بھی نتھا اور نہ حضرت موسی کچھہ کا کچھہ سمجھے بلکہ جو کچھہ خدا تعالی نے فرمایا تھا وہی سمجھے تھے اور انبیاء علیہم السلام تمہارے نزدیک غلط فہم ہیں ہمارے نزدیک نہیں ہیں اور اگر وہ غلط فہم ہوں تو خدا کا حکم کو غلطی سے امت پر کچھہ کا کچھہ پہنچا دیں اور جو کہ علم خدا ہی غلطی سے اسکو نہ پہنچا سکیں اور بدا کی منکر اہل سنت اپنی تعصب اور عداوت سے ہیں نہ جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اسکا اہلسنت بھی قائل ہیں اور جس بدا کی اہلسنت منکر ہیں جسمیں غلطی خدا ہی سے ہوئی ہو اور پہلے نہ سمجھا ہو اور بعد اسکے سمجھکر پہلی رائے کو بدل دیا اسلئے ہم بھی منکر ہیں یہ بدا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اور اسکے معتقد کو ہم کافر جانتے ہیں اور ائمہ علیہم السلام میں ہرگز اختلاف نہیں ہے اور اگر اختلاف ہے تو راویوں کے بیان کی جہت سے ہے نہ کہ وہ قصور انکی سمجھ کا ہے اور ائمہ کی غلط فہمی نہیں ہے اور ائمہ علیہم السلام تو معصوم ہیں اگر انکی روایتوں میں اختلاف ہو بھی تو کچھہ بعید نہیں ہے تمہارے یہاں تو ایک جناب رسول خدا کے اقوال میں اختلاف ہے اور یہ روایت تو تمہاری کتابوں میں موجود ہی ہے کہ حضرت نے فرمایا اختلاف امتی رحمۃ یہانتک کہ ایک کتاب تمہارے مذہب میں ہے کہ نام اُسکا اختلاف الامۃ رحمۃ الآیات ہے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ بدا کی حقیقت یہ ہے کہ متکلم یعنی جناب باری خود غلط سمجھے جیسے متقدمین شیعہ کی رائے معلوم ہوتی ہے یا عمداً غلط کہدے جیسے بعضے محققین زمانہ تاویل کرتے ہیں نہ یہ کہ مخاطب یعنی انبیاء یا علماء وغیرہم اپنی قصور فہم سے کچھہ کا کچھہ سمجھ جائیں اسکو غلطی اجتہاد اور غلطی فہم اور قصور فہم کہتے ہیں بدا کو اس سے کچھہ علاقہ نہیں ہاں کوئی قاصر الفہم اگر اسکو بدا سمجھ جاوے تو تا دم وضوح حق گو نہ معذور ہے گو ایسی باتوں میں عذر جہل مقبول نہیں اور بعد وضوح حق اور اتمام حجت پھر یہ قصور اعلی درجہ کا قصور ہے نعوذ باللہ من سوء الفہم **اقول** یہ بدا کہ جو تونے لکھا ہے یہ ہمارے نزدیک باطل اور کفر ہے اور اسکے ہم ہرگز قائل نہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکو ہم ثابت کرتے چلے آئے ہیں کہ جسمیں خدا تعالی کی غلطی کا وہم نہو اور متقدمین شیعہ کی ہرگز یہ رائے نہیں ہے جو کہ تو کہتا ہے تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے اور متقدمین کے اقوال کو اس مقدمہ میں ہم پہلے اس سے لکھ چکے کہ وہ اس بہتان سے بری مبرا ہیں اور متقدمین میں سے تونے کسیکا قول بھی تو نہیں لکھا کہ انکی رای یہ ہے کہ ایک نظام الدین جیلانی مجہول الحال کا تونے حوالہ دیا ہے کہ وہ یوں لکھتا ہے ہم بھی کہتے ہیں کہ مولوی عماد الدین سنی لکھتے ہیں کہ یہ قرآن خدا کا کلام نہیں ہے بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے

اپنی طرف سے بنالیا ہے اور خدا کی طرف جو منسوب کرتے ہیں یہ غلط ہے اور تیرے سے ہی محققین یہ بھی کہتے ہیں کہ عمداً خدا جھوٹ کہدیتا ہے اور اسکی روایتیں بھی پہلے اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے کہ خدا تعالیٰ نے فرمایا کہ فلانا تین روز میں مریگا اور وہ نمرا اور فلانے کی عمر تیس برس کی ہوگی اور تیس برس کی عمر نہوئی بلکہ تین برس کی ہوئی اور تمہارے مذہب میں جایز ہے کہ شارع جھوٹی خبر دیوے چنانچہ مولوی عبد العلی نے شرح مسلم میں لکھا ہے خبر کے نسخ کرنے کے مقدمہ میں کہ جایز ہے کہ شارع حکم کرے ایک شے کی خبر دینے کا کہ وہ سچی ہو اور بعد اسکے کوئی مفسدہ اسکو عارض ہو اور دروغگوئی کی مصلحت ہو تو اسکی نقیض یعنی دروغ سی خبر دے سکتا ہے اور راست کو دروغ سے منسوخ کرسکے اور عبارت اُس کتاب کی یہ ہے بل یجوزان یامر الشارع بالاخبار عن شیء وهو صدق ثم یعرضه بعد حین مفسدة ویکون فی الکذب مصلحة غالیة فیحسن فیامر بالاخبار عن النقیض اور بعد اسکے لکھا ہے کہ والحنفیة قد صرحوا بجواز النسخ اور سوائے اسکے اور انبیا بھی اپنے قصور فہم کے سبب سے تمہارے ہی نزدیک کچھ کا کچھ کہتے ہیں ہمارے نزدیک ہم تو اس قول کو باطل جانتے ہیں اور نہ یہاں تمہارے نزدیک اجتہاد ہے اور نہ اسکو ہم بدلتے ہیں ایسی بے سمجھی اور سوفہمی کی گفتگو کیوں کرتا ہے اور بیوقت کی راگنی کس واسطے گاتا ہے اور نشہ والوں کی سی باتیں کیوں کرتا ہے **قال الشیخ الاشعری** مگر ناظرین تقریر ہذا کو اسقدر یاد رہے کہ غلطی اجتہاد کی گنجایش اگر ہے تو ماسوا محکم اور عبارت النص سے عبارة النص اور محکم اہل فہم نہیں جیکے جو اسمیں بھی خطا کرے وہ جاہل ہے عالم نہیں سو تلاوت کرنیوالے کلام اللہ کے خود جانتے ہیں کہ آیات فضائل صحابہ در باب فضیلت صحابہ محکم اور عبارة النص ہیں کہ نہیں اور اگر کوئی اب بھی نہ سمجھے تو اسکو خدا سمجھے **اقول** کوئی اس بے سمجھ سے پوچھے کہ یہاں اجتہاد کا اور انبیاء اور علماء کی غلطی کا کیا ذکر ہے اور انبیاء کی غلطی کون کہتا ہے اور ہم تو انبیاء کی غلطی کے قائل ہی نہیں ہیں اور محکم اور متشابہ کو تم کیا جانو کہ تمہارے پیرو مرشد تو سب جہلا تھے ابو حنیفہ کوفی جنکی تم پیروی کرتے ہو اُنکا حال سننا چاہئے کہ امام غزالی منخول میں کہتے ہیں اما ابو حنیفة فقد قلب الشریعة یعنی ابو حنیفہ نے شریعت کو ملٹ دیا اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ فانی اقطع بخطائه فی تسعة اعشار مذاهبه یعنی میں یقین کرتا ہوں اُسکی خطا کا نو عشر مذہب اُسکے میں اور ایک جگہ لکھتے ہیں کہ ولهذا اشتد المطعن واللعن من سلف الائمة فیه یعنی اور اسیواسطے سخت ہوا طعن اور لعن ائمہ سلف سے اُسکے حق میں اور بعضے بے انصافوں نے اس مذمت ابو حنیفہ کی منخول میں دیکھی تو انکار کیا کہ منخول تصنیف امام غزالی کی نہیں ہے اور حال یہ ہے کہ ابن خلکان تاریخ وفیات الاعیان میں اور ابن عسقلانی درر کامنہ میں اور مولوی جامی نفحات الانس میں اور امام یافعی مراة الجنان میں اور سوائے اسکے اکثر علماء لکھتے ہیں یہ منخول تصنیف امام غزالی کی ہے اور تاریخ بغداد میں تو عجیب و غریب اقوال ابو حنیفہ کے لکھے ہیں کہ ایمان ابو بکر کا اور ابلیس کا ایک تھا اور کہا کہ اگر کوئی اس جوتے کی عبادت کرے تو خدا سے اسکو تقرب حاصل ہوگا اور کہا کہ کعبہ اگرچہ حق ہے لیکن معلوم نہیں کہ جو مکہ میں ہے یہی ہے یا نہیں اور گواہی دیتا ہوں میں کہ محمد صلعم پیغمبر ہے لیکن معلوم نہیں جسکی قبر مدینہ میں ہے وہی ہے یا نہیں اور ابو حنیفہ سے دو مرتبہ زندقیت سے توبہ کرائی گئی ہے اور کفر سے کئی مرتبہ اور ابو حنیفہ دجال ہے اور ایسی مضر تر مولود کوئی پیدا نہیں ہوئی جیسا کہ ابو حنیفہ تھا اور غنیة الطالبین میں پیر دستگیر نے حنفیوں کو اہل نار میں سے لکھا ہے اور دہلی کی چاندنی چوک میں ایک شخص مولوی نذیر حسین صاحب کے معتقدین میں سے دو تین سو آدمیوں کے روبرو وعظ کہتا تھا اور کہتا تھا کہ ابو حنیفہ گمراہ تھا اور جو کوئی اسکی پیروی کرے وہ بھی گمراہ ہے یہ حال ہے تمہارے بزرگوں کا تم محکم اور عبارت النص کو کیا جانو کہ جسکی تم تقلید کرتے ہو وہ بھی بہکتا تھا اور اسکو کچھ فہم نہ تھا سو ابو حنیفہ جہلا میں سے تھا اور عالم نہ تھا اور آیات فضائل صحابہ اگرچہ محکم ہوں لیکن انکی مذمت کی آیتیں اور یہ کہنا کہ اگر کوئی تم میں سے مرتد ہو جائیگا تو وہ ناری ہے یہ بھی محکم ہے اور اگر کوئی اب بھی نہ سمجھے تو اسکو خدا سمجھے **قال الشیخ الاشعری** بر نقل مشہور ہے جیسے کو تیسا ایسے نادانوں کا یہ علاج ہے کہ یوں کہا جائے ثلثین لیلة یا مفعول بہ ہے چنانچہ ظاہر ہے یا مفعول فیہ اگر مفعول بہ ہے تو قدر موعود تو وہی تیس راتیں تھیں اور مطلب یہ تھا کہ تم طور پر آنا ہم اپنا ایک خاص کام یعنی تیس رات کی عبادت جو اہل عقل کے نزدیک اس سے بڑھکر کوئی نعمت نہیں تم سے لینگے سو اس وعدہ کو پورا فرمایا اور پھر بمقتضائے کرم خداوندی دس دن کا اور اضافہ فرمایا سو از قبیل لدینا مزید ہے اور اس نعمت اول کو اسکی کمی سمجھنا چاہئے جب عوام امت محمدی کو دس گنی اصل سے دوگن ملتی ہو اگر حضرت موسیٰ کو ایک تہائی دوگن ملگئی تو شیعوں کو اتنا برا کیوں معلوم ہوتا ہے اس صورت میں توریت کو اس وعدہ سے کچھ علاقہ نہیں یا تو وہ از قسم وعدہ وعید ہی نہو بلکہ از قبیل لدینا مزید ہو یا موعود تو ہو پر بالاستقلال موعود ہو تیس رات کی محنت کا بطور تعلیق و شروط سود نہو بالجملہ آیت سے اس صورت میں اگر ثابت ہوگا تو تیس رات کی عبادت کا موعود ہونا ثابت ہوگا توریت کا موعود ہونا جسپر مدار کار اثبات بدا تھا ہرگز ثابت نہوگا اور اگر مفعول فیہ ہے تو یہ معنی ہونگے کہ تیس راتوں تک وعدہ ہوتا رہا باقی رہا موعود کیا ہے اسکے بیان سے یہ آیت ساکت ہے اگر موعود عطاء توریت تھا تب کچھ نقصان نہیں اور اگر امر دیگر تھا تب کچھ خلجان نہیں اول تیس رات تک یہ بشارت آتی رہی جب بایں لحاظ کہ ایک مہینے کی مقدار عرف میں آدمیوں میں ایک مقدار کثیر ہے اسی سبب سے اکثر معاملات اجرت اُسپر منعقد ہوتے ہیں اسقدر بشارت سے تسلی ہوگی تب مزید اطمینان کے لئے پورا چلہ کیا اور اسیواسطے ایک بار ہی واعدنا میں اربعین لیلة کہکر خاتمہ نکردیا بلکہ ثلثین لیلة کہکر واتممناها بعشر فرمایا بہرحال مطلب یہ ہے کہ دونو صورتوں میں یہ نہیں کہ کسی امر کے لیے اول کچھ ایک مدت فرمائی پھر وقت پر اور مدت کام میں آئی جو بدا کی نوبت آوے اور مذہب حق سے جا کر گریز ہو چنانچہ ظاہر ہے مگر دیکھنے والوں کو یہ معلوم ہے

کہ یہ تقریر اخیر موافق مثل مشہور جواب ترکی بہ ترکی اہل جدل کی مقابلہ میں بطور مجادلہ لکھی گئی ہو ورنہ طالبان حق کی لئے یہی حق و باطل خود ظاہر ہی **اقول** نادان تو وہ ہو کہ قرآن
کی تفسیر میں اپنی رای کو دخل دیتا ہو اور ایک بات مخالف مذہب اہل اسلام کے پیدا کرتا ہو اور جو کوئی بدا کو اس آیت سے ثابت کرتا ہو وہ اُس تفسیر سے ثابت کرتا ہو جو کہ فریقین کے
مفسرین نے اپنی تفسیروں میں لکھی ہو اور جناب رسولخدا صلعم سے منقول ہو اور سب تفسیروں میں یہی لکھا ہو کہ خدا تعالی نے حضرت موسی سے وعدہ توریت کے عطا کرنیکا بعد تیس
شب کے کیا اور جب تیس شب گزر گئی تو موافق وعدہ کے توریت عطا نہ کی بلکہ دس روز اُس پر اور زیادہ کئی اور ہم احتمال عقلی نکالکر نہیں کہتے ہیں بلکہ موافق تفسیر منقول کے کہتے
ہیں اور اکثر آیتیں قرآن کی مجمل ہیں لیکن تفصیل اُنکی شارع کے بیان پر موقوف ہے اور احتمال تو ہر ایک آیت سے طرح طرح کا نکلتا ہو اور اسیواسطے مسلمانوں میں کئی
فرقے ہو گئے ہیں اور ہر ایک فرقہ اپنے مذہب کے موافق احتمال نکالتا ہو اور جو تفسیر کہ بالاتفاق سب مسلمانوں میں منقول ہوئی ہو اُسکے خلاف نہیں ہو سکتا اور جو کوئی کہ خلاف
مسلمانوں کی راہ چلے وہ دین اسلام سے خارج ہو اور اگر ایسے ہی احتمالات غیر منقولہ پر عمل ہو تو اَقِيمُوا الصَّلٰوۃَ میں احتمال پیدا کرکے ان ارکان مخصوصہ سے بری ہو سکتا ہو کہ اسمیں
کیفیت اور تفصیل نماز کی جس طرح سے کہ مسلمان عمل میں لاتے ہیں کہاں ہو اور ایسے ہی حال وآتوا الزکوۃ کا ہو اور اکثر آیات اسی قبیل سے ہیں پس گفتگو ہماری اُس تفسیر کے موافق
ہے جو کہ فریقین کی کتابوں میں ہو اور احتمالات کو یہاں کچھ دخل نہیں ہو اور اب ہمکو ہر فقرہ کے ذکر کی احتیاج بھی باقی نہ رہی کہ اس قول کی اصل ہی غیر مقبول ہو اور یہ
مجادلہ اس شیخ کا بالکل باطل ہو اور حق کو ہم ابتدا سے ظاہر کرتے چلے آئے ہیں اور جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکو ہم ثابت کرتے چلے آئے ہیں **قال الشیخ الاشعری** اب
اسقدر ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ شیعہ بدا کے وقوع کے مدعی تھے اور یہ آیت بزعم خود اُنہوں نے دلیل دعوی سمجھ رکھی تھی اور یہ سب اہل فہم جانتے ہیں کہ مدعی کے لیے دلیل ایسی چاہئے جسمیں
خلاف دعوی کے اسکے اور کوئی احتمال نہو اور جو کوئی احتمال خلاف دعوی اُس دلیل سے سمجھ میں آتا ہو اور پھر وہ احتمال بھی ایسا کہ بہ نسبت دعوی مدعی کے زیادہ چسپاں بلکہ عین مفہوم مطابقی ہو
و پیدا ہو نہ اور دلائل اُسکی ثبت ہوں اور دعوی مدعی کو رد کرتے ہیں تو اہل عقل پھر ہرگز اس دعوی کو قبول نہ کرینگے اور حق ... بلکہ حق اُس ... احتمال کو سمجھیں گے سو یہاں بعینہ
یہی صورت ہے چنانچہ اہل فہم پر پوشیدہ نرہیگی **اقول** شیعہ البتہ بدا کا دعوی تو کرتے ہیں جو بدا کہ اُنکے نزدیک ہے ... وہ بدا کہ تو شیعوں کی طرف ... نسبت کیا ہو اور بدا کے اثبات کے لیے
آیت يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَاءُ الخ سے نہ یہی آیت اور یہ آیت بھی اُسکی تائید کے لیے کسی نے ذکر کی ہوگی موافق تفسیر فریقین کے اور دلیل تو اُس دعوی کی بڑی کامل ہو کہ جو شیعہ و سنی کی تفسیر
میں مرقوم ہو اور جناب رسولخدا صلعم سے منقول ہو پھر احتمال کو یہاں کیا گنجایش ہو کہ وہ احتمال ہی باطل ہو اور بہت سے آدمی خلاف حکم رسولخدا صلعم کے احتمال پیدا کرکے مرتد
ہو گئے ہیں ان احتمالوں ہی کے لئے تو اس امت کے تہتر فرقے کر دیئے ہیں ہاں اگر شارع سے اس آیت کی اگر دو تفسیر منقول ہوتی اور ہم مدعی کو اثبات کے واسطے اس آیت سے استدلال کرتے تو ہمارے
مدعی کی مخالف کوئی احتمال آیت سے اگر پیدا ہوتا تو ہماری دلیل کا مقابلہ کر سکتا تھا اور جب شارع ہی سے ایک امر منقول ہو گیا تو پھر احتمال نے کیا ہی کیسا ہی چسپاں احتمال ہو اور
ایسی دلیل کہ مدعی کی دعوی کو رد کرے وہ تو ابتک نظر میں نہیں آئی اور جس چیز کے ابطال میں کوئی دلیل بیان کی ہو اُسکے مقابل ہی نہیں ہیں دعوی کسی چیز کا اور جو
کسی چیز کا اور جسوقت کہ دعوی ایک امر منقول پر مبنی ہو اور احتمال کو مخالف اُسکے کسی کی رائے نے تجویز کیا تو اہل عقل و اہل ایمان کے نزدیک اس صورت میں وہ دعوی ہی معتبر ہوگا
اور وہ احتمال باطل ہوگا چنانچہ اہل فہم پر پوشیدہ نہیں **قال الشیخ الاشعری** جب بدا کی ابطال سے بفضلہ تعالی فراغت پائی تو ہم اپنی طاقت سے اُن لوگوں کی عذر کا جواب بھی کہ جو خلفاء ثلاثہ اور باقی
مہاجرین و انصار کی بزرگی کو با وجودیکہ کلام اللہ میں اُنکی بزرگیاں مذکور ہیں اور اُنکے لیے بڑے بڑے وعدے کئے ہیں اس عذر سے قائل نہیں ہوتے ہیں کہ شاید خدا کو بدا واقع ہوا ہو
اور یہ سارے وعدے اور سب اُنکی تعریفیں غلطی سے اول ظہور میں آئیں ہوں اور پھر بعد میں حقیقت لائق صحابہ کی جناب باریتعالی کو معلوم ہوگئی ہو اور برو انصاف یہ امر واجب
نہیں کہ ائمہ کے اقوال سے اُنکی تسلی کردیں **اقول** جو بدا کہ ہمارے نزدیک ہے اُسکے ابطال کی کوئی بھی دلیل بیان نہیں کی البتہ بدای نحوی کے رد میں کچھ بیان کیا ہے سو اُسکو ہم
بھی باطل جانتے ہیں اور مہاجرین و انصار کی بزرگی مجملاً البتہ قرآن سے ثابت ہے اُسکا انکار ہمکو نہیں ہے لیکن خدا تعالی نے اگر اُنکی تعریف کی ہو تو یہی قرآن میں اُنکے حق میں فرمایا ہے کہ
يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا مَنْ يَرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ اے وہ لوگو کہ ایمان لائے ہو جو کوئی مرتد ہو جاوے تم میں سے دین سے اور فرمایا مہاجرین و انصار کی طرف خطاب ایسے کہ وَمَنْ يَرْتَدِدْ
مِنْكُمْ عَنْ دِينِهِ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَأُولٰئِكَ حَبِطَتْ أَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ وَأُولٰئِكَ أَصْحَابُ النَّارِ هُمْ فِيهَا خَالِدُونَ اور سوائے اسکے ایسی اور بھی۔ آیتیں ہیں اب ہم تمیز
کہ کون اُنمیں سے مرتد ہو گیا ہو اور کون مرتد نہیں ہوا ہے اور جو کوئی مرتد ہو گیا ہے اُسکو اس فضیلت سے خارج سمجھیں گے اُنکے افعال نا شایستہ کی جہت سے اور بدا کو
اسمیں کیا دخل ہو اگر وہ مرتد ہوئے تو اپنے افعال بد کی جہت سے ہوئے اور خدا سے اسمیں غلطی کیوں ہوئی تھی خدا تعالی نے کسیکا نام لیکر تو تعریف کی ہی نہیں ہے
مجملاً تعریف اور وعدہ مغفرت کیا ہو اور یہ بھی کہدیا ہو کہ جو کوئی تم میں سے مرتد ہو جاوے گا تو دوزخ میں رہیگا لیکن خدا تعالی اپنی علم ازلی سے جانتا تھا کہ کون کون تم میں سے
مرتد ہوگا اسیواسطے اُس نے مجملاً تعریف کی ہو اور غلطی اُس سے نہیں ہوئی ہو اور خدا تعالی قرآن میں جا بجا مومنوں کی تعریف کرتا ہو اور وعدہ جنت اور مغفرت اور رضامندی کی

بیان کرتا ہے اور اہلسنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ بہت سے مومنین مرتد ہو گئے تھے اور مولوی عبدالعزیز صاحب نے تحفہ میں لکھا ہے کہ بعد رسولخدا صلعم کے کئی قومیں مرتد ہو گئی تھیں اور ان قوموں کے نام بھی لکھے ہیں کیا انکے حق میں بھی بدا ہی واقع ہوا ہے کہ خدا تعالیٰ نے پہلے تو انکی تعریف کی غلطی سے اور بعد میں حقیقۃ الامر انکی معلوم ہوئی ہو جیسا کہو گے وہی سب جگہ کہنا چاہیے جسوقت خدا تعالیٰ مومنین کی تعریف کرتا تھا اسوقت جانتا تھا کہ نہیں کہ بعضے انمیں سے مرتد ہو جاوینگے اگر نہیں جانتا تھا تو جہل لازم آیا اور اگر جانتا تھا تو کیا وجہ ہے انکی تعریف کرنیکی اور جسکی خدا تعریف کرے اور وعدہ جنت و مغفرت کرے وہ مرتد بھی ہو سکتا ہے جو تم جواب یہاں دوگے وہی جواب مہاجرین و انصار کے باب میں ہے قال الشیخ الاشعری اور اگر ہم اسپر بھی خاک ڈالیں تو یہ بات کیونکر سنی جائے کہ ائمہ کو ما کان و مایکون کا علم تھا اسلئے اگر انکی اقوال سے خلفاء یا اصحاب کی بزرگی ثابت ہو جائے تو پھر کوئی شبہ باقی نہ رہیگا سبحان اللہ خدا کے کہنے سے تو تسلی نہو اور اماموں کے فرمانے پر قرار آ جائے اول تو صدہا آیات اسبات پر دلالت کرتی ہیں کہ سوا جناب باری تعالیٰ کے سبکو علم غیب نہیں ہے بلے تسکین دو تین آیتیں لکھی جاتی ہیں مَا تَدْرِی نَفْسٌ مَّاذَا تَکْسِبُ غَدًا یعنی نہیں جانتا کوئی کہ کل کو کیا کریگا اس آیت میں کسیکا استثنا نہیں سب کو امام ہو یا غیر امام برابر فرماتے ہیں کہ کل کی خبر نہیں کہتے قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ کہدے اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کہ نہیں جانتے زمین و آسمان والے غیب کو مگر خدا جانتا ہے دوسرے اس صورت میں خدا کے علم میں اور ائمہ کے علم میں مساوات لازم آئیگی حالانکہ جناب باری تعالیٰ سورہ یوسف میں ارشاد فرماتے ہیں وَفَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ یعنی ہر علم والے سے اوپر ایک علم والا ہے اور اگر کوئی یوں کہے کہ اگر اس آیت سے استدلال کرتے ہو تو اس آیت سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ خدا سے بھی زیادہ کوئی علم والا ہو کیونکہ اس آیت میں کلیۃ وناداری خدا اور غیر خدا کی تخصیص نہیں کی تو یہ بات اول تو اہل فہم کے نزدیک قابل جواب نہیں ور جواب کے قابل بھی ہے تو اس جواب کی کیفیت یا اوغلی اوجلے سے ہیں فہم و دانش بباید گریست۔ کون نہیں جانتا کہ ایسی مقامات میں جناب باری تعالیٰ باستثناء عقلی مستثنی ہوا کرتا ہے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ کسی نادان کو بھی آج تک یہ دھوکا نہیں پڑا کہ جب اللہ ہر چیز پر قادر ہوا تو اپنے معدوم کرنے یا اپنے شریک کے پیدا کرنے پر بھی قادر ہوگا اتنا ہر کوئی سمجھ لیتا ہے کہ انبیاء اور اماموں کے پیدا کرنے اور معدوم کرنیپر قادر ہے ویسے ہی فَوْقَ کُلِّ ذِیْ عِلْمٍ عَلِیْمٌ سے جاہل سا جاہل بھی نہیں سمجھ سکتا کہ خدا سے بھی کوئی زیادہ عالم ہوگا پھر اگر کوئی اس قسم کی گفتگو کرے بجز تعصب و ہٹ دھرمی کے اور کچھ نہیں کہا جاتا معہذا ذی علم کے لفظ میں ایک اشارہ لطیف اسبات کے جواب کیطرف بھی ہے جیسے اِنَّ اللّٰهَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ میں جو لفظ شیٔ ہے اسمیں ایک اشارہ لطیف خدشہ مذکورہ کے جواب کی طرف ہے بیان اسکا یہ ہے کہ ذی علم اور علیم ہر چند بظاہر دونو لفظ ہم معنی ہیں لیکن ذی علم میں ایک گونہ اتنی بات نکلتی ہے کہ غیر ذات ہے کیونکہ اضافۃ بالاتفاق تغائر پر دلالت کرتی ہے بخلاف علیم کے کہ اسمیں یہ بات نہیں سو چونکہ خدا کا علم غیر ذات نہیں بالاجماع خصوصاً شیعہ کے نزدیک تو اسکو ذی علم کہنا مناسب نہیں بلکہ علیم کہنا چاہئے جیسے کہ شئے اسکو کہنا چاہئے جو مشیت کے تلے داخل ہو اور ذات خداوندی مشیت کے تلے داخل نہیں بلکہ معاملہ بالعکس ہے القصہ جیسے خداوند کریم مشیت کے تلے داخل نہیں ہے جو اشیاء میں معدود ہو اور قدرت کے تصرفات اسپر چل سکیں ایسے ہی خداوند کریم ذی علم میں داخل ہی نہیں جو اس سے اوپر کوئی علیم ہوگا **اقول** مولوی عبدالرحمن جامی کی گور پر جاکر فریاد کرو اور کہو کہ اپنے شواہد النبوت میں کیوں لکھا ہے کہ ائمہ کو علم ما کان و مایکون تھا ہم سے یہ سنا نہیں جاتا اور کچھ ہم ہی تو اسمیں منفرد نہیں ہیں چنانچہ شواہد النبوت میں حضرت صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ انہ قال عندنا علم ما کان و ما یکون لیکن تو اسکو سمجھا ہی نہیں ہے کہ مراد اس سے کیا ہے مراد اس سے یہ نہیں ہے کہ انکو گذشتہ اور آیندہ کا سب علم بالفعل حاصل تھا جیسا کہ خدا کو ہے بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ متمکن تھے وہ ہر چیز کے علم پر کہ جس چیز کا علم حاصل کرنا انکو مطلوب ہوتا تھا تو خدا تعالیٰ انکو بتا دیتا تھا اور الہام کرتا تھا اور ایک باب کافی میں اسی ذکر کا ہے اور احادیث مستفیضہ میں وارد ہوا ہے ان الامام اذا شاء ان یعلم اُعْلِمَ یعنی امام جسوقت چاہے یہ کہ جانے تو بتلایا جاتا ہے اور دوسری روایت میں ہے کہ حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمہ اللہ ذلک یعنی جسوقت ارادہ کرے امام یہ کہ جانے کسی چیز کو تو بتلا دیتا ہے اسکو اس چیز کو یہ ہے مراد علم ما کان و مایکون سے نہ یہ کہ امام کو بدون آگاہ کرنے خدا کے کچھ معلوم ہو اور یا یہ کہ جو کچھ انکو جناب رسولخدا صلعم سے سینہ بسینہ پہنچا تھا وہ جانتے تھے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ یبسط لنا العلم فنعلم و یقبض عنا فلا نعلم یعنی جسوقت علم کو واسطے ہماری منبسط کرتے ہیں تو ہم جانتے ہیں اور جسوقت منقبض کرتے ہیں تو ہم نہیں جان سکتے اور ابو بصیر اور داؤد وغیرہ کئی شخص حضرت صادق علیہ السلام کی مجلس میں بیٹھے تھے حضرت صادق غمگین و غضبناک برآمد ہوئے اور فرمایا کہ یا عجبا لاقوام یزعمون انا نعلم الغیب ما یعلم الغیب الا اللہ عز و جل لقد هممت بضرب جاریتی فلانة فهربت منی فما علمت فی ای بیوت الدار هی یعنی تعجب ہے واسطے لوگوں کے کہ گمان کرتے ہیں وہ کہ ہم علم غیب کو جانتے ہیں نہیں جانتا ہے غیب کو سوائے خدا تعالیٰ کی تحقیق میں نے قصد کیا کہ فلانی کنیز اپنی کو ماروں تو وہ بھاگ گئی میرے پاس سے پس میں نے نہ جانا کہ وہ گھر کی کونسی کوٹھری میں ہے اور جو کچھ ائمہ کسی بات کو جانتے تھے اور دوسرا کوئی نہیں جانتا تھا تو وہ علم غیب نہیں ہے بلکہ ایک شخص کا تلایا ہوا ہے اور غیب وہ ہے کہ جو بدون تعلیم کسی کی جانے چنانچہ امیر علیہ السلام نے ایک مرتبہ صفات قوم ترک سے خبر دی کہ اسکو کوئی نہیں جانتا تھا ایک شخص نے حضرت کے اصحاب میں سے کہا کہ یا امیر المومنین آپکو علم غیب یا ہے فرمایا کہ لیس ہو بعلم غیب و انما ہو تعلم من ذی علم یعنی نہیں ہے وہ علم غیب بلکہ وہ ایک خبری صاحب علم کی

جناب رسول خدا صلعم نے تعلیم کیا ہے اور علم غیب علم ساعت ہے چنانچہ خدا تعالیٰ نے فرمایا ہے اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْاَرْحَامِ وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِاَيِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ اور یہ کون کہتا ہے کہ ائمہ علیہم السلام کے اقوال سے بزرگی خلفاء اور اصحاب کی ثابت ہو جاتی ہے تو شبہ نہیں اور خدا کے کہنے سے تسلی نہ ہو کیوں جھوٹ لکھتا ہے اور افترا کرتا ہے اور خدا تعالیٰ نے جو بزرگی اصحاب کی قرآن میں لکھی ہے اسکا جواب اس سے پہلے فصل میں ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور امام جو فرماتے ہیں وہ بعینہ فرمودہ خدا ہے لیکن تجھ کو اُنکا قول مخالف فرمودہ خدا معلوم ہوتا ہے اور علم غیب کا تو ہم جواب دے چکے کہ بیشک غیب کو سوائے خدا کے کوئی نہیں جانتا ہے نہ پیغمبر نہ امام اور نہ اور کوئی اور یہی مذہب ہمارا ہے اور امام جو کچھ جانتا ہے بتعلیم خدا جانتا ہے اور یہ علم غیب نہیں ہے اور یہ تین آیتیں کس واسطے تو نے لکھیں ہم تو پہلے ہی لکھ چکے اور مساوات تو اُنکی اور خدا کی علم میں اُسوقت لازم آتی کہ جسوقت خدا کا سا علم اُنکو ہوتا تو خود علم میں خدا کے محتاج ہیں اور جو کچھ بعد اسکے لکھا ہے وہ اصل بحث سے علاوہ و خارج ہے اور جس امر کا جواب ضروری تھا اُسکو ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** الحاصل علم میں کوئی خدا کا ہمسر پیدا نہیں جیسے وہ ذات میں یکتا ہے ویسے ہی صفات میں یکتا ہے نہ انبیاء اُسکے علم میں برابر ہیں نہ ائمہ نہ ملائکہ نہ خواص نہ عوام **اقول** ہمارا بھی یہی قول ہے اور کسیطرح کا اسمیں ہم فرق نہیں کرتے **قال الشیخ الاشعری** اس عقیدہ میں شیعوں کا بعینہ ایسا غلو ہے جیسا نصاریٰ کا حضرت عیسیٰ کی بزرگی میں قدم حد سے بڑھ گیا ہے اور وہ تشبیہ جو سرور کائنات صلعم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو حضرت عیسیٰ سے دی ہے اور یوں فرمایا ہے کہ تیری مثال ایسی ہے جیسے حضرت عیسیٰ کی مثال کہ ایک فرقہ اُنکی محبت میں ہلاک ہوا اور ایک اُنکے بغض میں وہ تشبیہ اور تمثیل سب بجا اور درست نکلی کہ خوارج نے جو بغض لیا تو روافض نے وہ محبت لی کہ جس سے حضرت امیر کو انبیاء سے تو بڑھایا ہی تھا خدا تک پہنچایا انھوں نے لدنیا مزید کا کام کیا رسول اللہ صلعم نے تو فقط حضرت امیر کی نسبت یہ فرمایا تھا حضرت شیعہ نے آپکے فرمانے کی ایسی تصدیق کی کہ کچھ اُس سے بھی بڑھکر دکھلا دیا خوارج سے تصدیق ہی جو اُنکی میں وہ کارگزاری نہیں بن پڑی تھی جو شیعہ سے بن پڑی القصہ خوارج سے حضرات ائمہ کے باب میں وہ تفریط نہیں ہوئی جو شیعوں سے افراط ہوئی اور کسی نے سچ کہا ہے دشمن دانا بہتر است از نادان دوست **اقول** اگر اہل سنت اپنے مذہب کی حفاظت کے واسطے جھوٹ نہ بولیں اور شیعوں پر افترا نہ کریں تو شیعوں پر کیونکر غالب ہوں کہ شیعوں کے مذہب میں تو کسی طرح کی قباحت نہیں ہے جیسا کہ اہل سنت کا مذہب عیبوں سے بھرا ہوا ہے جیسے تو بدا لغوی کی تہمت کی تھی کہ جس سے شیعہ ہزاروں کوس بھاگتے ہیں اور اب یہ تہمت کی کہ شیعوں کے نزدیک ائمہ کو علم ما کان و ما یکون کا ایسا ہی ہے جیسا کہ خدا کو ہے اور اسکا جواب تو ہم لکھ چکے کہ ہمارا یہ اعتقاد نہیں ہے اور اپنی خبر لیتا ہی نہیں ہے اپنے اولیا کی باب میں کیا اُس سے کچھ کم لکھتے ہیں تذکرۃ الاولیا اور نفحات الانس اور اخبار الاخیار وغیرہ کو دیکھنا چاہیے کہ سر دُھنے اور شرمائے اپنے مقتدا میں ائمہ سے بھی بڑھکر لکھتے ہیں اور جسوقت توجہ لیتے ہیں اور مراقبہ میں جاتے ہیں تو علم ما کان و ما یکون سب واضح ہو جاتا ہے اور جناب رسول خدا صلعم نے جو حضرت علیؑ کی مقدمہ میں فرمایا ہے اور حضرت عیسیٰ کی مثال دی ہے خدا کے فضل و کرم سے شیعہ اُس سے پاک اور مبرا ہیں اور سب جانتے ہیں کہ مراد غلو سے یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام یا کسی اور امام کو خدا کے مرتبہ میں پہنچاوے یا صفات مخصوصہ خدا کو اُنمیں ثابت کرے اور شیعہ ایسے شخص کو کافر جانتے ہیں اور تفریط یہ ہے کہ اُنسے کوئی بغض رکھے اور اُنکے فضائل کی تنقیص کرے اور اہلسنت اگرچہ اُنسے بظاہر عداوت نہیں رکھتے لیکن اُنکے فضائل کی تنقیص کرتے ہیں اور اُنکے فضائل کی روایات کو تضعیف اور تضییع کرتے ہیں اور جہلا اُنکو جنہیں کسیطرح کی فضیلت نہیں ہے اُن پر فضیلت دیتے ہیں یہ بھی ہم پلہ خوارج اور نواصب کے ہیں اور شیعہ تو اُنکو بندگان مخصوصہ خداوندی جانتے ہیں اور اُنکی محبت میں کسیطرح کا غلو نہیں کرتے بلکہ اُنکے مرتبہ پر کہتے ہیں اور علم میں یا اور کسی صفت مخصوصہ خداوندی میں خدا کے برابر اُنکو نہیں جانتے کجا خالق اور کجا مخلوق اور نہ مرتبہ نبوت میں اُنکو جانتے ہیں کہ پیغمبر اُنکو ہم نہیں کہتے ہیں اور باقی رہا اُنکا انبیاء علیہم السلام سے افضل ہونا اسمیں اختلاف ہے اور جو لوگ کہ اُنکو انبیاء سے افضل کہتے ہیں اُنکے پاس بھی بہت سی دلیلیں ہیں بیوجہ نہیں کہتے ہیں اور اگر کسیکو تفصیل اسکی ملاحظہ کرنی منظور ہے تو حسام الاسلام جواب باب نبوت تحفہ اثنا عشریہ کو دیکھے اور دو روایتوں پر میں اقتصار کرتا ہوں مودۃ القربیٰ اور مسند احمد حنبل اور فردوس الاخبار میں روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے فرمایا ہے کہ یا علی انت خیر البشر اور مناقب ابن مردویہ میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے مہاجرین اور انصار کے روبرو فرمایا کہ اے علی اگر کوئی بندہ عبادت کرے خدا کی جیسے کہ حق اُسکا ہے اور پھر وہ شک کرے تیرے اور تیرے اہل بیت کے افضل الناس ہونے میں تو وہ آتش جہنم میں ہوگا چنانچہ لکھا ہے کہ عن جابر قال قال رسول الله صلعم يوما بحضرة المهاجرين والانصار يا علي لو ان احدا عبد الله حق عبادته ثم شك فيك واهل بيتك انكم افضل الناس كان في النار اور انبیاء علیہم السلام بشر اور ناس میں داخل ہیں اُنسے بھی افضل ہونگے اور مناوی نے فیض القدیر میں لکھا ہے کہ ترمذی ولایت کو نبوت پر فضیلت دیتا تھا اور مولوی روم اپنی مثنوی میں حضرت علیؑ کی مدح میں کہتے ہیں ؎ او خوی انداخت برروی علیؑ + افتخار ہر نبی و ہر ولی + اور اگر نائب کسیکا اپنے منیب سے افضل ہوا ایسا تو نہیں ہو سکتا لیکن اگر نائب کسی افضل المخلوقات کا دوسرے نبیوں سے افضل ہو تو یہ کچھ قبیح نہیں ہے اور اس صورت میں اگر کوئی جناب رسول خدا صلعم کے نائب کو کہ وہ افضل المخلوقات کا نائب ہے اور انبیاء سے افضل کہے تو یہ غلو نہیں ہے اور بعد اسکے ہم شیخ کے جواب کے رد میں انشاء اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ لکھیں گے اور نبوت کو حضرت علی میں ہم ہرگز نہیں کہتے اور نہ خدا کے علم کے برابر اُنکا علم جانتے ہیں لیکن علم حضرت علی کا اور انبیاء علیہم السلام کے علم سے زیادہ جانتے ہیں کہ حضرت علی کو علم جناب رسول خدا صلعم سے پہنچا تھا اور جناب رسول خدا صلعم کا علم اور انبیاء کے علم سے زیادہ تھا **قال الشیخ الاشعری**

اور اگر سلف ائمہ کو علم ما کان و ما یکون تھا بھی تب جو خدشہ کہ بوجہ بدا خدا کے فرمودہ میں تھا وہ بجائے خود رہیگا کیونکہ حضرت امیر رضی اللہ عنہ جو افضل الائمہ اور اعلم الائمہ ہیں یوں فرماتے ہیں فی حدیث الکافی و امالی الصدوق عن امیر المومنین لولا اٰیۃ فی کتاب اللہ لاخبرتکم بما یکون الی یوم القیامۃ یرید بالآیۃ قولہ یمحو اللہ ما یشاء و یثبت حاصل اس روایت کا یہ ہے کہ کافی جو کلینی کی تصنیف ہے اور امالی جو شیخ صدوق کی کتاب ہے ان دونوں میں حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جبکا یہ ترجمہ ہے آپنے فرمایا اگر ایک آیت یعنی یمحو اللہ ما یشاء نہوتی تو میں تمہیں جو کچھ قیامت تک ہونیوالا ہے اسکی خبر دیتا یہاں تک حاصل روایت ہوا اب غور فرمائیے کہ جو دلیل انکی عالم ما کان اور عالم ما یکون ہونیکی تھی وہی دلیل اسبات کی بھی ہے کہ انکا علم خدا کے علم سے بڑھکر نہیں باینہمہ جس وجہ سے خدا کا علم قابل اعتماد نتھا اسی وجہ سے ائمہ کے علوم بھی قابل اطمینان نہیں خدا کے بدا سے وہ بھی تنگ تھے اور اپنی کسی علم پر بھروسا نکرتے تھے اس خیال سے شاید شیعوں کو تو یہ رنج ہو کہ ہمارا دین ہی ہاتھ سے چلا جب ائمہ کو اپنے علم پر اعتماد نہو تو یہ دین جو انہیں کے علوم کا پرتو ہے کیا قابل اعتماد رہا **اقول** یہ روایت بھی ثبوت بدا میں ہے اور ہم پہلے اس سے بیان کر چکے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم ما کان و ما یکون بسط سے نہ تھا کہ بالفعل انکو سب کچھ حاضر ہو بلکہ اسطرح سے تھا کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے خدا تعالی انکو تعلیم کر دیتا تھا اور اس روایت کا مطلب نظر روایات دیگر یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تعلیم خدا قیامت تک جو کچھ ہونیوالا ہے اسکی خبر دیتا اگر آیت مذکورہ یمحو اللہ ما یشاء نہوتی اسواسطے کہ خدا مجھکو ایک امر پر اطلاع بخشی اور اسکے نزدیک مقرر یہ ہو کہ بعد اس کے فلانے وقت اس کو محو کر کے دوسرا امر ثابت کرونگا تو جس امر کی مجھ کو اطلاع بخشی تھی بعد محو کے وہ امر باقی نہ رہیگا اور علم ما کان اور ما یکون سے جو کچھ مراد ہے وہ تو ہم بتفصیل لکھ چکے اور یہ بھی لکھ چکے کہ ائمہ علیہم السلام کا علم خدا کے علم کے برابر نہیں ہے بلکہ ان کا علم اسی قدر ہے جس قدر کہ خدا سے ان کو پہنچا ہے اور خدا کے علم کے معتمد نہ ہونے کی کون وجہ ہے وہ تو ازل سے ہر چیز کا عالم ہے اور جس وجہ سے تو خدا کے علم کو غیر معتمد کہتا ہے اسکا ہم تو اٹھانہیں میں جواب کئی مرتبہ تم لکھ چکے ایسی وجہ کوئی نہیں ہے جس سے یہ ثابت ہو کہ خدا کا علم قابل اعتماد نہیں ہے جب خدا کا علم معتمد ہوا تو ائمہ کا علم بھی معتمد ہوا اور بدا کے واقع ہونیکی اور علم پر بھروسا نہونیکی بہت سی روایتیں اہل سنت کی کتابوں سے گزر گئی ہیں کہ خدا تعالی نے ایک امر کی خبر دی اور وہ نہوا خدا نے فرمایا کہ فلانا مر گیا اور وہ نہ مرا اور دین کے معتمد نہونیکا وہ ارشاد ہے کہ جو رسولخدا صلعم نے فرمایا ہے اور اس میں بدا کی گنجایش نہیں ہے اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ اور جسکو خدا تعالی نے کامل کیا اسمیں نقصان کسی طرح سے نہیں ہو سکتا کہ بعد اکمال کے اس میں سے کسی امر کو منسوخ کرے اور محو اور اثبات ان امور میں ہے کہ آیندہ کو جو کچھ علم خدا میں ہے اور دین ہمارا جو کچھ ہے اس کو کامل کر کے اس سے ہمکو آگاہ کر دیا ہے کہ کمی و زیادتی اس میں نہیں ہو سکتی بموجب ارشاد خدا کے اور جناب امیر نے تو امور آیندہ کے مقدمہ میں فرمایا ہے کہ لاخبرتکم بما یکون الی یوم القیامۃ اور دین تو جو کچھ تھا وہ تو پہلے ہی سے کامل ہو چکا تھا اور اس سے ہمکو مطلع کر دیا تھا کامل کر کے اسکے ہاتھ سے جانیکی کیا وجہ ہے اور مقدرات الہی میں تغیر اور تبدل ہونیکی روایتیں تمہاری کتابوں سے کئی مرتبہ میں لکھ چکا ہوں تمہارے مذہب کے موافق بھی بھروسا خدا کے فرمانیکا اور اعتماد اسکے علم پر باقی نرہا اور رہے امور آیندہ میں سے کسی امر کی خبر دینی یہ تو تمنے اپنے اولیاء اللہ کے حال میں بھی اکثر لکھا ہے دیکھو تم اولیاء کے احوال کی کتابوں کو کیا کچھ لکھا ہے اور اگر ہم کوئی ایسا امر کسی امام کے مقدمہ میں بیان کریں تو تمکو ناگوار اور مکروہ معلوم ہوتا ہے اور ہمپر طعن کرنے لگتے ہو دیکھو یہی روایت بعینہا کعب الاحبار کی تمہاری کتابوں میں موجود ہے چنانچہ جلال الدین سیوطی نے تفسیر درمنثور میں لکھا ہے اخرج ابن جریر عن کعب رضی اللہ عنہ انہ قال لعمر رضی اللہ عنہ یا امیر المؤمنین لولا اٰیۃ فی کتاب اللہ لانبأتک بما هو کائن الی یوم القیامۃ قال وما هی قال قول اللہ یَمْحُوا اللّٰہُ مَا یَشَاءُ وَ یُثْبِتُ وَ عِنْدَہٗ اُمُّ الْکِتَابِ سو اسیطرح حضرت علی نے فرمایا تھا انکے فرمانے پر تو اعتراض ہے اور کعب کا کہنا مسلم ہے اور اس روایت سے ظاہر ہوا کہ مقدرات الہی میں کہ جنپر انبیاء اور مقربین خدا کو اطلاع ہوتے ہی احتمال تغیر اور تبدیل و بدا کا باقی رہتا ہے سو کعب تو آیندہ کی خبر دیوے اور اگر حضرت علی خبر دینے کا ذکر کریں تو ملعون ہوں کیا خوب انصاف ہے قربان جائیے ایسے انصاف کے **قال الشیخ الاشعری** پر نہیں خوشی ہے کہ اصحاب ثلثہ اور سوا انکے اور مہاجرین اور انصار کی برائیاں جو شیعہ حضرات ائمہ سے روایت کرتے ہیں قطع نظر اسکے کہ ان روایات کے راوی کذاب و مفتری تھے چنانچہ کچھ ہمانکا بیان ہو چکا یوں بھی قابل اطمینان نرہے اور سوا اسکے اور جو کچھ انکی کتابوں میں خلاف مذہب اہل سنت حضرات ائمہ سے مروی ہے سب ساقط الاعتبار ہو گیا **اقول** برائیاں بعضی صحابہ کی شیعہ اہل سنت کی کتابوں سے بیان کرتے ہیں اور جو کچھ ائمہ علیہم السلام سے بیان کرتے ہیں وہ بھی پر متفرع ہے جو اہل سنت کی کتابوں میں ہے ائمہ علیہم السلام کی روایتوں پر وہ اقتصار نہیں کرتے ہیں اور موافق تمہارے مذہب کے تو خدا پر اعتماد نہیں ہے کہ اسکے کلام میں تغیر و تبدل واقع ہوتا ہے تمہاری روایتوں کے موافق پس جو کچھ تمنے جناب رسولخدا صلعم سے اپنی کتابوں میں نقل کی ہے اسپر کب اطمینان ہو سکتا ہے اور اسکا کیونکر اعتبار ہو جس وقت کہ خدا کے کلام میں تغیر ہوتا رہتا ہو پس جو کچھ تمہاری کتابوں میں خلاف مذہب شیعہ جناب رسولخدا صلعم سے منقول ہے سب ساقط الاعتبار ہے اور راوی تو تمہارے دروغگو اور کاذب ہیں اور ہماری کتابوں کا کوئی راوی کاذب نہیں ہے

چنانچہ ہم لکھ چکے اور تیرے قول کو باطل کر چکے **قال الشیخ الاشعری** باقی رہی یہ بات کہ یہ اگر ہوا بھی ہوگا تو کہیں قدر قلیل ہوا ہوگا تو جواب اسکا یہ ہے کہ اعتبار کے اٹھ جانیکو
اتنا ہی بہت ہے انجیل اور توریت کونسی ساری کی ساری اول سے آخر تک بدل گئی تھیں دس پانچ جگہ کی تحریف نے سب کا اعتبار کھو دیا **اقول** یہ حوالہ الینا رد من
میں جو اہل سنت کی کتابوں میں تغیر کی روایتیں لکھتے ہیں انہیں اگر کوئی یہ کہے کہ اگر تغیر ہوا ہوگا تو کہیں قدر قلیل ہوا ہوگا تو ہم بھی یہی کہتے ہیں اور جواب اسکا یہ ہے کہ اعتبار کے اٹھ
جانیکو اتنا ہی بہت ہے انجیل اور توریت کونسی ساری کی ساری اول سے آخر تک بدل گئی تھیں دس پانچ جگہ کی تحریف نے سب کا اعتبار کھو دیا **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کوئی
یہ فرق نکالے کہ کلام اللہ میں جو کچھ اصحاب کے فضائل نازل ہوئی ہیں یا خلفاء ثلثہ کی بزرگیوں کی طرف اشارہ ہے وہ سب قبل وفات اکثر اصحاب نازل ہوا تھا اور وفات سے پہلے آدمی کا
کچھ اعتبار نہیں ہاں خاتمہ کا اعتبار ہے سو خدا کی تشخیص میں غلطی کا احتمال ہے پر امیر المومنین یا اور ائمہ نے جو کچھ فرمایا ہوگا وہ سب بعد وفات کا قصہ ہے اسمیں غلطی کا احتمال
نہیں اگر انکی کلام سے انکی بزرگی خاص کر اصحاب ثلثہ میں سے کسیکی ثابت ہو جائے تو پھر گنجائش انکار نہیں **اقول** کلام اللہ میں جو کچھ اصحاب کے فضائل بالاجمال نازل
ہوئے ہیں اسکا ہمکو انکار نہیں ہے لیکن خلفاء ثلثہ کے فضائل کا بالتخصیص کلام اللہ میں کہیں اشارہ نہیں ہے اور فضائل اصحاب کے جو کچھ نازل ہوئے ہیں وہ بعضے اصحاب کی وفات
تو پیچھے نازل ہوئے ہیں اور اکثر اصحاب کے وفات سے پہلے اور یہ جو کہ وفات سے پہلے آدمی کا کچھ اعتبار نہیں ہے ہاں خاتمہ کا اعتبار ہے اور خدا تعالی کی تشخیص میں غلطی ہرگز نہیں ہے کہ خدا تعالے
نے کسیکا نام لیکر تو تعریف کی نہیں ہے مجمل گول گول تعریف کی ہے اور جنکی تعریف کی ہے انکی طرف خطاب کرکے یہ بھی فرما دیا ہے کہ یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ الخ اور یا یہ
کہ وَمَنْ یَّرْتَدِدْ مِنْکُمْ عَنْ دِیْنِہٖ فَیَمُتْ وَھُوَ کَافِرٌ سو ہم دیکھیں گے کہ کون کون انمیں سے مرتد ہوا ہے اور جو کوئی مرتد ہو گیا ہے اسکو آیات فضائل سے مستثنی سمجھیں گے اور صحابہ تو کیا بلکہ جناب
رسول اللہ صلعم کو حقتعالی خطاب کرکے فرماتا ہے کہ لَئِنْ اَشْرَکْتَ لَیَحْبَطَنَّ عَمَلُکَ وَلَتَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَ جب پیغمبر کے واسطے یہ ارشاد ہو تو صحابہ کس شمار میں ہیں اور کلام اللہ کے اکثر مقام میں مومنین کے
فضائل اور انکا جنتی ہونا ہے اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے کہ بعد رسول اللہ صلعم کی اکثر صحابہ مومنین مرتد ہو گئے تھے اب کہتا ہوں میں کہ کیا خدا تعالی کی تشخیص میں
غلطی واقع ہوئی کہ جو ایسے لوگوں کی تعریف کی کہ جو مرتد ہو جاوینگے کیا انکی ارتداد کے خدا تعالی کو خبر نہ تھی پس معلوم ہوا کہ اہل سنت کی نزدیک خدا تعالی کو آئندہ کا علم نہیں ہے
اور اگر ائمہ معصومین نے اصحاب ثلثہ کی یا اور کسیکی تعریف کی ہے تو ہمکو بھی اسکا انکار نہیں اگر تم سچے ہو تو وہ نام لیکر تعریف کی ہے **قال الشیخ الاشعری** اس میں ائمہ کی روایات
پیش نظر کرتا ہوں نہج البلاغت تصنیف علامہ رضی میں جسکی روایات شیعوں کے نزدیک متواترات میں سے ہیں یوں منقول ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ نے لوگوں سے
ان سے اصحاب کا حال پوچھا جنکا انتقال ہو چکا تھا تو انکے وہ اوصاف فرمائے کہ جو بڑے اولیائے ہوتے نہیں سکتے وہ عبارت بلاغت آمیز بعینہ منقول ہے کانوا اذا ذکروا اللہ ھملت
اعینھم حتی تبل جباھھم و مادوا کما یمید الشجر یوم الریح العاصف خوفا من العقاب و رجاء للثواب اور پھر دوسری دفعہ انکے حق میں فرمایا کان احب اللقاء الیھم لقاء اللہ وانھم
یتقلبون علی مثل الجمر من ذکر معادھم حاصل ان دونوں عبارتوں کا یہ ہے کہ اصحاب کا حال تھا کہ جب خدا کا ذکر کرتے تھے بہ نکلتی تھیں آنکھیں انکی یہاں تک کہ انکے چہرے تر ہو جاتے تھے اور
خدا کے ڈر اور امید ثواب میں ایسے لرزتے اور جھومتے تھے جیسے درخت تیز ہوا سے اور سب سے زیادہ محبت انکو خدا کے ملنے کی تھی اور آخرت کو یاد کرکے ایسے بے چین ہو کر روتے میں لیا
کرتے تھے جانو انگاروں پر لوٹتے ہیں اور حضرت امام سجاد کے صحیفہ کاملہ میں بڑی طویل دعا جس میں اصحاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف اور انکے لئے دعائے خیر مندرج
ہے منقول ہے ساری دعا کی نقل کی گنجائش نہیں فقط دو چار لفظ لکھے دیتا ہوں اللھم و اصحاب محمد خاصۃ الذین احسنوا الصحابۃ اسکے آگے کہتے ہیں فارقوا الازواج والاولاد
فی اظھار کلمتہ وقاتلوا الآباء والابناء فی تثبیت نبوتہ اسکے بعد میں فرماتے ہیں فلا تنسھم اللھم ما ترکوا لک و فیک و ارضھم من رضوانک اسکے بعد تابعین
تک نوبت پہنچائی اور انکے حق میں بھی اسی قسم کی دعائیں فرمائیں حاصل ان الفاظ کا یہ ہے یا اللہ اور جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اصحاب ہیں جنہوں نے خوب یاری کا حق
ادا کیا اپنی بیویوں اور اولاد کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بول بالا کرنے کیلئے چھوڑ دیا اور باپوں اور بیٹوں سے انکی نبوت کے جمانے کیلئے لڑائی مول لی تو ان کو نہ بھولیو جو حق میں الہ جو جو انہوں نے
تیرے لیئے اور تیرے سبب سے چھوڑ دیا اور راضی کر دے تو انکو اپنی رضامندی سے یہاں تک تھا ان مذکورہ کا مضمون ہر ان روایات سے تو مطلق صحابہ کی تعریف اور بزرگی ثابت
ہوتی ہے **اقول** نہج البلاغہ سید رضی کی تالیف ہے کہ خطبے جناب امیر علیہ السلام کی انہوں نے کتب شیعہ و سنی سے نقل کئے ہیں لیکن میں اور تصنیف کچھ نہیں اور اگر انکی تصنیف
ہوتی تو علماء اہل سنت مثل تفتازانی اور قوشجی اور کازرونی وغیرہ کی اسکا اقرار کہ یہ شان کلام جناب امیر کا ہے اور حضرت علی نے تعریف جو اصحاب کبار کی لکھی ہے
اسکا انکار کسکو ہے بے شک وہ ایسے ہی تھے بلکہ زیادہ اس سے فضائل رکھتے تھے اور بعضے انمیں سے اولیا کامل تھے ہمارے نزدیک لیکن تعریف کرنی جناب امیر کی خدا تعالی کی تعریف
کرنے سے زیادہ نہیں ہے اور جیسے کہ خدا تعالی نے مجملاً تعریف صحابہ کی ہے ایسے ہی حضرت علی نے کی ہے مراد اس سے سب صحابہ نہیں ہیں کیونکہ بعضے انمیں سے منافق بھی ہوتے تھے اور بعضے
حضرت علی سے عداوت رکھتے تھے اور عداوت کی جہت سے حضرت علی کے ہاتھ پر بیعت نہ کی اور حضرت علی کی طرف سے کینہ بھی اپنے سینوں میں رکھتے تھے چنانچہ ولید اور

پدر مولوی عبد العزیز نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہی کہ جناب رسولخدا صلعم باغوں کی سیر کرتے تھے اور حضرت علی باغ کی تعریف کرتے تھے تو رسولخدا فرماتے تھے کہ اے علی تیرا باغ
جنت میں اس سے زیادہ اچھا ہی اور یہ فرما کر حضرت صلعم بہت روے اور رونیکا سبب حضرت سے پوچھا تو فرمایا حضرت علی سے خطاب کر کے کہ ضغائن فی صدور قوم لا یبدونھا لک
حتی یفقدونی یعنی کینے لوگونکی سینوں میں کہ ظاہر نہیں کرینگے وہ واسطے تیرے یہانتک کہ گم کرینگے مجھکو یعنی میں مرجاؤنگا تو وہ کینوں کو تیرے ظاہر کرینگے اور ابن
قتیبہ نے کتاب امامت و سیاست میں ایک خطبہ حضرت علی کا لکھا ہی اور اسمیں فقرہ ہی کہ حضرت علی نے بیان کیا اللھم انی استعیذ بک علی قریش فانھم قطعوا رحمی
وصغروا عظیم منزلتی وفضلی واجمعوا علی منازعتی دیکھو اس میں سراسر شکایت ہی قریش کی خدایتعالی سے کہ انھوں نے مجھسے قطع رحمی کی اور میری مرتبہ کو خفیف اور حقیر
سمجھا اور مجھسے نزاع کرنیکو مجتمع اور متفق ہوے ایسے لوگوں کی تعریف حضرت علی کاہیکو کرینگے بلکہ مراد اُس سے صحابہ اخیار ہیں کل صحابہ اور ایسا ہی حضرت سجاد کی دعا سے
واضح ہوتا ہی اسواسطے کہ فرماتے ہیں وہ کہ احسنوا الصحبۃ جسکا ترجمہ کرتا ہی خوب ادا کیا حق اور ایسا حق ادا کیا کہ کافروں کو پیغمبر خدا کی طرف ہو کر قتل کیا اگرچہ اپنا یگانہ ہی
یا خود اپنے ہاتھوں سے مقتول ہوے نہ خلفاء ثلثہ وغیرہم کہ انھوں نے تو ایسا حق صحبت ادا کیا کہ جناب رسول خدا صلعم کو معرکہ جہاد میں تنہا چھوڑ کر بھاگ جاتے تھے اور حضرت رسولخدا
پکارتے تھے کہ کہاں بھاگے جاتے ہو کیا خدا اور رسول سے بھاگتے ہو تو پھر کر دیکھتے بھی نہ تھے پس مراد وہ ہی صحابہ ہیں کہ جنہوں نے حق صحبت خوب ادا کیا اور مفارقت ازواج اور اولاد بھی
اختیار کی اسکی کلمہ ظاہر کرنیکے واسطے اُن صحابہ اخیار ہی نے کی ہی جنہوں نے اپنی جانیں لڑائی ہیں وہ لوگ کہ جنہوں نے واسطے کسی غرض دنیا کی مفارقت کی ہی **قال**
الشیخ الاشعری ثابت ہی سینے کہ جس سے خاص ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی فضیلت ثابت ہو رضی نے نہج البلاغہ میں جو شیعوں کے نزدیک مثل وحی آسمانی ہی روایت
کیا ہی عن امیر المومنین انہ قال للہ بلاد ابی بکر فلقد قوم الاود وداوی العمد اقام السنۃ وخلف الفتنۃ ذھب نقی الثوب قلیل العیب اصاب خیرھا وسبق شرھا
ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ رحل وترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی حاصل سکا یہ ہی کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں
خدا ہی کے واسطے ہیں شہر ابوبکر کے یعنی ابوبکر میں خداداد خوبیاں ہیں پس قسم ہی کہ انھوں نے سیدھا کر دیا کجی کو اور اصلاح کر دیا ستون کو اور قایم کیا سنۃ کو اور پس پشت ڈالا
فتنہ اور بدعت کو پاک دامن اور کم عیب گئے خوبی خلافت کی انکو نصیب ہوئی اور انکے جانے سے خلافت کے فسادوں سے ادا کی انھوں نے خداوند کریم کی طاعت پرہیزگار رہی حق پرہیزگاری کا
چھوڑ گئے وہ لوگ مختلف رستوں میں حیران ہیں کہ نہ گمراہوں کو راہ ملی ہی اور نہ ہدایت والونکو اپنی ہدایت کا یقین ہی یہانتک حاصل معنی خطبہ مرقوم ہوا **اقول** اس خطبہ میں ابوبکر کا
نام کہاں ہی جس سے فضیلت ابوبکر کی ثابت ہو مولوی عبد العزیز صاحب نے لفظ فلاں کی جگہ ابوبکر کا نام لکھدیا ہی اور انکی پیروی سے تم نے لکھا ہی اصل خطبہ میں تو للہ بلاد فلاں ہے
نہ للہ بلاد ابی بکر یہ تحریف مولوی صاحب موصوف کی ہی اور اگر ابوبکر ہی فرض کیجے تو بھی فضیلت نہیں اس سے ثابت نہیں ہی بلکہ انتظام کی تعریف ہے اور اگر ایسی تعریف کسی کافر کی
کریں تو بھی ہوسکتا ہی جناب رسولخدا صلعم نوشیرواں کے عدل کی تعریف کیا کرتے تھے اور خدایتعالی قرآن میں نصارا کی تعریف کرتا ہی چنانچہ فرماتا ہی وَلَتَجِدَنَّ اَقْرَبَهُمْ مَّوَدَّةً
لِّلَّذِيْنَ اٰمَنُوا الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اِنَّا نَصٰرٰى ذٰلِكَ بِاَنَّ مِنْهُمْ قِسِّيْسِيْنَ وَرُهْبَانًا وَّاَنَّهُمْ لَا يَسْتَكْبِرُوْنَ اور یہ جو لکھتا ہی کہ نہج البلاغت شیعوں کے نزدیک وحی آسمانی ہی بالکل غلط کہتا ہے
اسواسطے کہ اکثر کتب و خطب اسکے مخالفین کی کتب سیر اور تواریخ سے منقول ہیں شیعہ اسکو مثل وحی آسمانی کے کیونکر سمجھیں گے اگر راست گو تھا تو شیعہ کی کسی کتاب کا حوالہ دیا ہوتا البتہ
مولف اسکا شیعہ ہی لیکن کل خطب اسکے شیعوں کی کتابوں سے منقول نہیں ہیں ہوسکتا ہی کہ یہ خطبہ کتب اہل خلاف سے منقول ہو بلکہ بعد اسکے اسی کے قول سے ثابت ہو جائیگا کہ یہ خطبہ کتب
اہل سنت سے ماخوذ ہی اور ترجمہ جو اس نے خطبہ کا کیا ہی وہ بھی غلط ہی حضرت علی نے فرمایا کہ للہ بلاد فلان یہ محاورہ عرب کا ہی وقت مدح کے للہ بلادہ و للہ درہ و للہ دریہ کہا کرتے ہیں اور مقام
مدح شعر میں کہا کرتے ہیں للہ درہ اگرچہ وہ شاعر جسکا وہ شعر ہی بدمذہب اور فاسد العقیدہ ہو اور اگر فلاں سے ابوبکر کو فرض کریں تو یہ معنی ہونگے للہ بلاد ابی بکر کے کہ واسطے خدا کی ہیں شہر ابوبکر
کے خدا نے انکو پیدا کیا ہی اور یہ اسمیں کہاں ہی کہ ابوبکر میں خداداد خوبیاں ہیں اور بعد اسکے لقد قوم الاود ہے اور قسم کے معنی اس نے اسمیں اپنی طرف سے گھڑے ہیں اور معنی اسکے یہ ہیں
کہ البتہ تحقیق راست کیا کجی کو سو یہ ابوبکر پر صادق نہیں آتا ہی اسواسطے کہ وہ خود فرماتے تھے ان لی شیطانا یعترینی فان زغت فقومونی یعنی تحقیق واسطے میرے شیطان ہے کہ دبا لیتا
ہے مجھکو پس اگر کجی کروں میں تو پس سیدھا کرو تم مجھکو پس جو شخص کہ کجی پر ہو تو وہ اوروں کو کیا سیدھا کریگا ع او خویشتن گم است کرا رہبری کند ۔ وہ اپنی کجی کو تو درست کر سکتے ہی نہ تھے
بلکہ لوگوں سے فرمائش کرتے تھے اپنی کجی کی دور کرنے کو لوگوں کی کجی کیونکر راست کرتے اور اگر راست کرتے ہونگے تو اپنی ریاست کے انتظام کی کجی کو راست کرتے ہونگے اور دین کی کجی کا تو درست کرنا
تو انکی ذات سے ممکن ہی نہ تھا کہ اسکے واسطے علم چاہیے اور وہ علم سے بے بہرہ تھے اور حضرت خلیفہ ثانی تو فرماتے تھے کہ کل الناس افقہ من عمر حتی المخدرات فی الحجال اور بعد اسکے فرمایا
وداوی العمد اور معنی اسکے یہ ہیں کہ دوا کرتا تھا بیماری کو کہ جو ایک بیماری شتر میں ہوتی ہی اور مراد اس سے حسن سیاست ہے چنانچہ ابن اثیر نے نہایہ میں لکھا ہی اور اس نے جو لکھا ہی اسکے
معنی میں کہ اصلاح کردیا ستون کو یہ غلط ہی اور یہ معنی اسکے نہیں ہیں اور بعد اسکے فرمایا کہ واقام السنۃ یعنی اور قایم کیا سنت کو اور سنت بمعنی طریقہ ہی اور اگر مراد اس سے شعائر اسلام ہو

ایسا بھی وہ کرتی تھی کہ دین اور دنیا کو مخلوط کر رکھا تھا اور بظاہر شعائر اسلام کو بھی جاری رکھتی تھی تاکہ تالیف قلوب اہل اسلام ہوتی ہے اور اگر اسلام کے طریق کو بالکل ترک کرتے تو لوگوں کو کیونکر
مطیع کرتے بلکہ لوگ انکی نصرت کرنے لگتے اور جناب رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا کہ ان اللہ لیؤید هذا الدین بالرجل الفاجر اور اقام السنۃ کے کہنے سے حقیقت ثابت نہیں ہوتی ہے اور یہ مدح بالنسبت ہے یعنی بہ نسبت
عثمان کے کہ اس نے سنت کو بالکل مٹا دیا تھا اور ابوبکر نے جیسی کہ بدعتیں بعد اپنے چھوڑی تھیں ایسی ہی بعضی سنتوں کو بھی جاری کر رکھا تھا واسطے انتظام خلافت کے اور جیسے کہ بظاہر اسلام کے امور کو جاری
رکھتی تھی ایسے ہی بدعتیں بھی جاری کرتے تھے چنانچہ فرماتے ہیں حضرت علی وخلف البدعۃ اور پیچھے چھوڑا بدعت کو کہ بعد اپنے بدعت چھوڑ گئی اور یہ تعریف مذمت ہے سو انہوں نے دین کو اور دنیا کو دونوں کو واسطے
انتظام کے مخلوط کیا تھا کہ بعضے امور دین بھی جاری رکھتے تھے اور اپنی رائے سے واسطے انتظام کے خلاف شرع بھی عمل میں لاتے تھے کسی نے حضرت علی سے پوچھا کہ یہ کیا کہ شیخین کے زمانہ میں تو انتظام خوب ہوا
اور عثمان اور آپکے زمانہ میں انتظام نہوا فرمایا کہ شیخین نے دین کو دنیا سے خلط کیا اسواسطے انتظام خوب ہوا اور عثمان نے محض دنیا چاہی اور میں نے محض دین چاہا اسواسطے انتظام نہوا اور اسی جو خلف البدعت کی معنی پس پشت ڈالا
لکھتے ہیں معنی نہیں ہیں اسواسطے کہ اطلاق مخلفات آدمی کا اُسکے متروکات پر ہوتا ہے اسواسطے متروکات میں سے بدعت تھی اور اگر معنی اسکے پس پشت ڈالا ہوں تو معلوم ہوا کہ بدعت پہلے سے رسولخدا صلعم کے زمانہ سے چلی آتی تھی اور اسکو قائم کیا اسواسطے کہ اقامہ
سنت کا بھی جاتا ہے اور اسی طرح کہتے کہ اقام السنۃ ولم یدع البدعۃ سو دونو امر کرتے تھے سنت بھی اور بدعت بھی اور بعد اسکے تقسیم فرمایا نقی الثوب یعنی گیا پاک کپڑے کا کہ دامن اسکی ہمت کا نجاست تہمت خلقت سے آلودہ نہوا جیسے کہ
عثمان کہ مال خدا کو اس نے بیجا صرف کیا اور حقوق مومنین کو اپنے یگانوں اور دوستوں پر تقسیم کیا اور بسبب اہانت اور ایذای صحابہ کے متہم ہو کر مقتول ہوا اور فرمایا کہ قلیل العیب یعنی کم
عیب والا تھا اس سے معلوم ہوا کہ عیب تو تھا مگر کم تھا اور کثرت سے مثل عثمان کے عیب نتھا کہ جسکی جہت سے حضرت عائشہ فرمایا کرتی تھیں اقتلوا نعثلا لعن اللہ نعثلا اور ان عیبوں ہی کی جہت سے
مقتول ہوئے اور طعن کرنیکو عیب قلیل ہی کفایت کرتا ہے ابلیس ایک ہی عیب سے کہ وہ سجدہ نکرنا حضرت آدم کا تھا ملعون ہو گیا اور قلیل العیب کے معنی بے عیب معلوم نہیں اس شیخ نجدی نے کہاں سے
لکھے ہیں اور بعد اسکے فرمایا کہ اصاب خیرھا وسبق شرھا یہ فقرہ بھی فضیلت پر دلالت نہیں کرتا ہے اسواسطے کہ معنی اسکے یہ ہونگے کہ پہنچا خیر اس دنیا کو اور سبقت لیگیا شر دنیا کو کہ جو مقصود
خلافت سے تھا جاری کرنا احکام کا سیاست کے اور انتظام امور ریاست کا بخوبی وقوع میں آیا اور خیرھا اور شرھا کی ضمیر خلافت کی طرف نہیں پھرتی ورنہ لازم آئیگا حضرت علی اپنی خلافت کو شر میں
داخل کرتے تھے اور بعد اسکے فرمایا کہ ادی الی اللہ طاعتہ واتقاہ بحقہ یعنی ادا کیا طرف خدا کی طاعت اسکی کو اور پرہیزگاری کی ساتھ حق اسکے کی سو ظاہر میں طاعت خدا میں مشغول بھی ہوتے تھے
نماز پڑہتے تھے روزہ رکھتے تھے شراب اور قمار وغیرہ سے پرہیز کرتے تھے لیکن جو کچھ تھا باعتبار ظاہر کے تھا واسطے دام میں لانے لوگوں کے اور حقیقت میں یہ سب استحکام ریاست کے واسطے تھا کہ مسلمان یہ
حال دیکھکر فرمانبردار رہیں اور فرمایا کہ رحل وترکھم فی طرق متشعبۃ لا یھتدی فیھا الضال ولا یستیقن المھتدی یعنی کوچ کیا اور چھوڑ دیا ان لوگوں کو مختلف طرح کی راہوں میں کہ
نہیں راہ پاتا ہے انمیں گمراہ اور نہیں یقین کرتا ہے راہ پانیوالا اور یہ صریح مذمت ہے کہ لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ گئی کہ کسیکو راہ نہیں ملتی سب حیران ہیں اور جو کچھ خرابی اس دین میں پڑی ہے وہ انکے
ہی طفیل سے ہے اور جو ظلم اور تعدی کہ اہل بیت پر گزری ہے وہ انکی ہی بنیاد ڈالی ہوئی ہے اگر وہ خلافت کو غصب نکرتے تو بعد انکے کسیکو مجال غصب کرنیکی نہوتی اور نہ کسیکو قتل ہوتا بانی مبانی
مفاسد کے اسلام میں وہ ہی ہوئے ہیں کہ ابتداء ظلم کی انسے ہی ہے چنانچہ بعضے مرثیہ میں امام حسین کی طرف خطاب کرکے کہتے ہیں اے کشتۂ سقیفہ وشوری وکربلا۔ سو فقرات اس خطبہ کے گو ناگوں
ہیں بعضی میں تو مدح انتظام ریاست کی ہے اور بعضے میں تصریح مذمت انکی ہے اور بعضے خطبہ میں جو مدح انکی ظاہری افعال کی ہے وہ لوگوں کی تالیف قلوب کے واسطے ہے کہ دلوں میں انکی محبت شیخین
کی راسخ ہو رہی تھی تاکہ جماعت برہم نہو جاے مذمت کے فقروں کے سننے سے ورنہ سوائے اسکے اور کیا وجہ ہے حضرت علی تو انکو کاذب اور خائن اور آثم جانتے تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور یہ سب صورت
میں ہے کہ ہم اس خطبہ کو تسلیم کریں کہ مراد فلاں کے لفظ سے جو کہ اس خطبہ میں ہے ابوبکر ہو یا عمر ہو کہ آجتک اس شخص کی تشخیص ہی نہیں ہوئی کہ وہ کون ہے کوئی تو کہتا ہے اہل سنت میں
سے کہ وہ ابوبکر ہے اور کوئی کہتا ہے کہ وہ عمر ہے جو بالغیب جو چاہتے ہیں سو کہتے ہیں اور نام اس شخص کا کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے سب قیاس و تخمین سے کہتے ہیں اور حقیقت کسیکو معلوم نہیں
ہے پھر کس شخص کی مدح اور ہجو کا تعین کیا جائے **قال الشیخ الاشعری** اب گوش گزار ناظرین رسالہ یہ ہے کہ علامہ رضی نے بپاس داری مذہب ابوبکر کے لفظ کی جگہ لفظ فلاں کا لکھ دیا ہے
تاکہ سنیوں کو گنجائش استدلال نرہے اور ان علامہ رضی کی کچھ عادت ہی یہ ہے مگر اتنا نہ سمجھے کہ نام کے چھپانے سے کیا فائدہ حضرت امیر المومنین سے پہلے کل تین خلیفہ تھے سو جسکی تعریف ہوگی سنیوں کا
مطلب کہیں نہیں گیا علاوہ اوصاف ایسے ہیں کہ خود ابوبکر کا ہاتھ پکڑے دیتے ہیں خیال کرو پہلا وصف اور دوسرا وصف یہ دو وصف سوا ابوبکر کے کوئی بتلائے تو کس پر منطبق ہوتے ہیں اور کس کی
خلافت میں کجی آگئی تھی اور کس رکن یعنی ستون میں ارکان اسلام میں سے نقصان آگیا تھا کہ اس نے اسکی درستی کی ہاں انکی خلافت میں بعد وفات رسول اللہ صلعم کے چار طرف سے شور ارتداد
اُٹھا بہت لوگ زکوۃ سے جو رکن اسلام ہے مانع آئے سو ابوبکر صدیق ہونے یہ فتنے دبے انکی برکات اور حسن انتظام اور خوبی خلافت کے باعث جو حضرت امیر کی آنکھوں میں کھپی ہوئی تھی اور شیعہ بھی
تو اپنے جی میں جانتے ہیں زبان سے کہیں یا نہ کہیں حضرت امیر اپنے زمانہ کے فساد اور فتنوں کو دیکھ دیکھ انہیں یاد کرتے ہیں اور تاسف کرتے ہیں کہ ایسے زمانہ میں ایسا شخص ہونا چاہیے تھا اور کیوں نہو
کہ ابوبکر صدیق وہ تھے کہ بعد وفات رسول صلعم کے جب چار طرف سے مرتدین کا زور ہوا اکثر صحابہ گھبرا گئے یہانتک کہ حضرت عمر جیسے جری اور ذی ہوش اور صاحب رائے کی بھی ہوش ٹھکانے
نرہے تھے انہیں کی ہمت بندھانے کو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے کہا تھا اجبار فی الجاہلیۃ وخوار فی الاسلام یعنی اے عمر کیا کفر کے زمانہ میں تو شوری تھی اور اسلام میں بودے ہو گئے

اقول علامہ رضی علیہ الرحمہ نے ابوبکر کے لفظ کی جگہ لفظ فلاں ہرگز نہیں لکھا ہے تو جھوٹ لکھتا ہے اگر درست گو تھا تو کسی کتاب معتبر کا حوالہ دیا ہوتا کہ فلانی کتاب میں جو یہ خطبہ ہے اسمیں فلاں کی جگہ ابوبکر لکھا ہوا ہے بلکہ مولوی عبد العزیز صاحب نے اس خطبہ میں تحریف کی ہے کہ فلاں کی جگہ ابوبکر کا نام لکھدیا ہے اور انکی پیروی سے بلا سند تو بھی ابوبکر کو گائے جاتا ہے اور بعد اسکے تو خود لکھتا ہے اور بعضے شارحین کا حوالہ دیتا ہے کہ انہوں نے مصنف کے ہاتھ کا یعنی علامہ رضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ لفظ فلاں کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا تھا جب مصنف خود عمر کو لکھ چکے تو انہوں نے ابوبکر کے نام فلاں کو کیوں بدلا وہ تو لکھ گئے کہ فلاں سے عمر مراد ہے اور ابن ابی الحدید نے بھی شرح نہج البلاغت میں یہی لکھا ہے کہ فلاں کے لفظ کے نیچے میں نے عمر کا نام لکھا ہوا دیکھا ہے تو ابوبکر کو کہاں سے کہتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ علامہ رضی نے تو اسمیں تحریف نہیں کی سو اسواسطے کہ علماء اہل سنت کہتے ہیں کہ فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھدیا اور اگر انکو ابوبکر یا عمر کی مدح ناپسند ہوتی تو عمر کا نام کیوں لکھتے اس سے معلوم ہوا کہ انہوں نے اپنی طرف سے فلاں کا لفظ نہیں لکھا ہے بلکہ اصل خطبہ میں فلاں کا لفظ ہے اور مصنف تحریف سے بری ہے اور فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام کسی نے اپنی طرف سے قیاس کر کے لکھدیا ہے اور قیاس کرنے میں اکثر غلطی ہوا کرتی ہے اور خود مصنف نے قیاس کر کے فلاں کے نیچے عمر کا نام نہیں لکھا ہے اسواسطے کہ اگر انکے نزدیک فلاں سے مراد عمر ہوتے تو فلاں کی جگہ فلاں کو محو کر کے عمر کا نام لکھتے فلاں کے نیچے عمر کا نام کیوں لکھتے اب باقی رہا یہ امر کہ حضرت علی نے ابوبکر کی جگہ یا عمر کی جگہ فلاں کا لفظ فرمایا سو علی تمہارے نزدیک ابوبکر یا عمر کی تعریف کرتے ہیں پھر انہوں نے نام کو انکے ظاہر کیوں نہ کیا کیا تقیہ کرتے تھے نام کے ظاہر کرنے سے کیسی عقل میں بھی آتا ہے کہ ایک شخص کی کوئی تعریف کرے اور اسکے نام کے ذکر سے پرہیز کرے اس سے معلوم ہوا کہ وہ کوئی اور شخص ہے حضرت علی کے زمانہ کے عالموں میں سے کہ جسمیں یہ اوصاف تھے اور وہ مر گیا تھا اور اسکے نام کے بدلنے کی بُرائے کسی کاتب کی ہوئی کسی مصلحت کے واسطے اور پہلا اس سے ہم بیان کر چکے کہ اس خطبہ میں کسیکی فضیلت دینے کا من جمیع الوجوہ ذکر نہیں ہے انتظام کی تعریف ہے اور بعضے فقرہ میں فضیلت دینی مذکور ہے تو بعضے فقرہ میں مذمت بھی ہے خواہ ابوبکر مراد ہو فلاں کے لفظ سے خواہ عمر تمہارے نزدیک خواہ کوئی اور آدمی ہو اور یہ کیا ضرور ہے کہ فلاں کے لفظ سے ابوبکر یا عمر ہی مراد ہوا کریں اور اگر یہی ہے تو ہم کہتے ہیں کہ صحیح بخاری میں جو لکھا ہے کہ جناب رسولخدا صلعم جس وقت نماز صبح کی اخیر رکعت میں رکوع سے سر اٹھاتے تھے تو کہتے تھے اللهم العن فلانا و فلانا و فلانا فلیس معلوم ہوا کہ مراد ان تینوں فلانا سے ابوبکر اور عمر اور عثمان ہیں اور محمد اسمٰعیل بخاری نے ان تینوں نام کی جگہ فلانا و فلانا و فلانا لکھدیا ہے تاکہ شیعوں کو واسطے لعنت کرنے خلفاء ثلاثہ کے گنجائش استدلال کی باقی نرہے اور وہ روایت بخاری کی یہ ہے حدثنا حبان بن موسیٰ اخبرنا معمر عن الزهری قال حدثنا سالم عن ابیه انه سمع رسول الله صلعم اذا رفع راسه من الرکوع فی الرکعة الاخیرة من الفجر من صلوته يقول اللهم العن فلانا و فلانا و فلانا بعدما يقول سمع الله لمن حمده ربنا لك الحمد۔ لکھا ہے کہ فلاں و فلاں و فلاں سے مراد وہ ہیں جو جنگ حنین سے بھاگ گئے تھے اور احد کے جھگڑوں میں سے خلفاء ثلاثہ بھی تھے ہمارا مطلب ثابت ہوا اور سید رضی علیہ الرحمۃ کی عادت نام کے پوشیدہ کرنیکی کہاں سے معلوم ہوئی ان مقامات کا نام لکھا ہوتا اور جبکہ نہیں لکھا تو معلوم ہوا کہ تو بڑا کاذب ہے اور اگر حضرت علی پہلے تین خلفا بھی تو ہوا کریں لیکن یہ کہاں سے معلوم ہوا کہ کسی خلیفہ ہی کے حال میں حضرت علی فرماتے ہیں کیا خلیفہ کا لفظ خطبہ میں لکھا ہوا ہے ہاں بعضے اوصاف خطبہ میں ایسے ہیں کہ ابوبکر کا ہاتھ پکڑا او ہیں جیسے انتظام کا خوب کرنا اور بدعت کو بعد اپنے چھوڑ جانا اور خود رحلت کر لی اور لوگوں کو طرح طرح کے طریقوں گمراہی میں چھوڑ جانا کہ نہیں راہ پاتا ہے انمیں گمراہ اور نہیں یقین کرتا ہے راہ پانیوالا اور پہلا وصف اور دوسرا وصف جو ابوبکر کا ہاتھ پکڑتا ہے تو حسن انتظام پر دلالت کرتا ہے اگر ابوبکر ہی یہ وقوع میں آیا تو انتظام کی مدح ہوئی انگریزوں کی بھی انتظام کی بہت تعریف کرتے ہیں اور ابوبکر کیونکر مراد ہوں فلاں کے لفظ سے کہ خطبہ شقشقیہ میں حضرت علی تصریح نام ابن ابی قحافہ مذمت کرتے ہیں اور خلافت کے مغصوب ہونیکا ذکر کرتے ہیں اور کجی جو ابوبکر کی خلافت میں دین کے مقدمہ میں آئی تھی وہ بدستور باقی ہے کہ کجی انکی ہی ڈالی ہوئی تھی ہاں ریاست کے انتظام کی کجی کو انہوں نے درست کر دیا ہوگا اور رکن کا سیدھا کرنا تو اسمیں تم کو بھی نہیں ہے کہ کہاں سے کہتا ہے کہ اس فقرہ کو تو سمجھا ہی نہیں ہے اور اگر شور ارتداد چاروں طرف سے اٹھا تو وہ خود بھی اس بلا میں مبتلا تھے اور جو لوگ کہ مانع زکوٰۃ کے تھے وہ ابوبکر کو منزاوار زکوٰۃ دینے کا نہیں جانتے تھے کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ ہی نہیں سمجھتے تھے ور ابوبکر نے زکوٰۃ کے نہ دینے سے ان مومنین بیگناہوں کو قتل کروایا اور اسوجہ سے ابوبکر پر میاں عمر صاحب بہت خفا ہوئے کہ تو نے مومن کو قتل کروایا ہے خالد سے قصاص لینا چاہیئے اور یہ قتل و قمع انہوں نے اپنی ریاست کے انتظام کے واسطے کروایا اور اسیواسطے مرتدین کو بھی قتل کروایا کہ اسلام کی ترقی میں اپنی ترقی سمجھے ہوئے تھے اور یہی مقصود تھا انکا خلافت کے غصب کرنے سے اور صرف دین کی ترقی سے انکو کیا کام تھا اور انتظام انکی خلافت میں البتہ اچھا تھا اور حضرت علی نے دیکھا ہی تھا پھر حضرت علی نے بالفرض اگر انکے انتظام کی تعریف کی تو کیا فضیلت ہوئی جناب رسولخدا صلعم نوشیرواں کی عدالت کی تعریف کیا کرتے تھے اور انگریزوں نے بھی خوب انتظام کیا ہے اور لوگ انکی انتظام کی بھی تعریف کرتے ہیں اور حضرت علی نے تاسف کب کیا تھا کہ ایسے زمانہ میں ایسا شخص ہونا چاہیئے تھا جھوٹ لکھکر لعنت کی بلا میں کیوں گرفتار ہوتا ہے اور لوگوں کے مرتد ہونے سے صحابہ کا ہیکو گھبرائے تھے اگر گھبرائے ہونگے تو ابوبکر گھبرائے ہونگے کہ انکی ریاست میں خلل پڑتا تھا اور مسلمان تو کافروں کو خود ہی قتل کرتے تھے اور ابوبکر کی ریاست میں تو بگڑتی تھی اور حضرت عمر کس قدر جری ہوئے تھے انکی جرأت تو جنگ احد اور حنین و خیبر میں جیسے کہ تھے معلوم ہو گئی تھی کہ سب سے پہلے ہی جہادوں میں سے بھاگا کرتے تھے یہاں ہی انکے ہوش ٹھکانے نہیں ہونگے البتہ خانہ جنگی اور بد مزاج تھے اعلیٰ ایسے بد مزاج اور بد خلق تھے کہ لوگ انکی خلافت سے راضی نہ تھے تھی ابوبکر نے موافق وعدہ کے کہ جو تو مجھکو خلیفہ کروائیگا اپنی کوشش

(حاشیہ: از جزو خامس صحیح بخاری)

تو میں بعد اپنے کچھ کو خلیفہ کر دیا اگر دونگا خلیفہ کر دیا **قال الشیخ الاشعری** القصہ حضرت عمر کی یہ رای تھی کہ ایسے میں اگر لشکر اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ نہ بہیجا جاوے تو مناسب معلوم ہوتا ہے
مبادا مدینہ منورہ لشکر مجاہدین سے خالی ہو جاے اور دشمن تاخت کر بیٹھیں لیکن آنحضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شجاعت اور استقامت پر کہ باوجود ان ہنگاموں کے ہرگز نہ گھبرائے اور فرمایا
کہ جس لشکر کی تیاری خود سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کر گئے ہوں یہ نہیں ہو سکتا کہ اسکو روانہ نکروں ایسے ہی مرتدین کے قتال میں جو لشکر کے بھیجنے کا ارادہ فرمایا اور اکثر صحابہ کی رائے
اسباب میں انکی رائے کے مخالف ہوئی تو ایسا کچھ فرمایا کہ اگر کوئی نجائیگا تو میں تن تنہا جاکر لڑونگا اور اسیطرح زکوٰۃ کے انکار کرنیوالوں کے قتال کے باب میں جب حضرت عمر نے یہ شبہ کیا کہ وہ
کلمہ گو ہیں تو یہ ارشاد فرمایا کہ جو نماز اور زکوٰۃ میں فرق کریگا نماز کو فرض کہیگا اسے فرض نہ سمجھیگا میں اس سے بے تامل لڑونگا واللہ اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایک بکری کا
بچہ لوگ زکوٰۃ میں دیتے ہونگے اور اب نہ دینگے تو میں انسے جہاد میں دریغ نکرونگا **اقول** - حضرت عمر کی یہ رائے ہوئی تو انہوں نے رائے رسولخدا صلعم کو رد کیا اسواسطے کہ آنحضرت نے
تو ابوبکر اور عمر وغیرہ کو اسامہ کے تابعین میں سے مقرر کرکے حکم دیا تھا کہ واسطے جہاد کے جاؤ اور اسقدر تاکید کی اور فرمایا کہ جهزوا جيش اسامة لعن الله من تخلف عن جيش اسامة ابوبکر
اور عمر وغیرہ نے لعنت کو تو گوارا کیا اور اسامہ کے لشکر سے واپس ہوکر چلے آئے اس اندیشہ سے کہ رسولخدا صلعم بیمار ہیں ایسا نہو کہ بعد ہمارے وفات حضرت کی ہو جاے اور علی خلیفہ بن بیٹھیں حضرت
کی بیماری کا بہانہ کرکے چلے آئے اور لعنت کا کچھ خیال نکیا اور مہاجرین اور انصار باوجود مامور ہونے کے لشکر اسامہ سے مراجعت کرکے چلے آئے اور لعنت خدا کا کچھ لحاظ نکیا اور مقصود حضرت کا اخراج ابوبکر
اور عمر کا تھا مدینہ منورہ سے کہ میری وفات کے وقت یہ دونو مدینہ میں موجود نہوں اور جناب رسولخدا صلعم کا یہ حکم دینا شرح مواقف اور ملل نحل وغیرہ میں اس لعنت کے ساتھ لکھا ہوا موجود ہے اور ابوبکر اور
عمر کا ہمراہ اسامہ کے متعین ہونا اور اسکے تابعین میں سے انکا قرار دینا فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہوا ہے وكان ممن انتدب مع اسامة كبار المهاجرين والانصار
منهم ابو بكر وعمر وابو عبيدة وقتادة بن النعمان وسلمة بن اسلم الخ حاصل یہ کہ اور تھے ان لوگوں میں سے کہ مامور تھے ہمراہ اسامہ کے بزرگان مہاجرین اور انصار کہ انمیں سے ابوبکر اور عمر
اور ابوعبیدہ اور قتادہ بن النعمان اور سلمہ بن اسلم وغیرہ تھے اور یہی قسطلانی نے شرح بخاری میں لکھا ہے اور ذہبی نے تذہیب التہذیب میں ترجمہ اسامہ بن زید میں لکھا ہے اور اقوال
متقدمین اور متاخرین اہل سنت سے مثل واقدی اور ابن جوزی اور ذہبی اور صاحب روضۃ الاحباب اور عبدالحق دہلوی کے بھی یہی ثابت ہے اور شجاعت تو ابوبکر میں کہاں تھی ہمیشہ جہادوں
میں سے جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر بھاگا کرتے تھے اور ابوبکر نے لشکر کو کب روانہ کیا تھا یہ کسی کتاب میں نہیں لکھا ہے جھوٹ کسواسطے لکھتا ہے اور مرتدین سے جو قتال کیا تھا وہ اپنی ریاست کے انتظام کے
واسطے کیا تھا اگر ایسا نکرتے تو ریاست برہم و درہم ہو جاتی اور تنہا تو وہ جہاد کو کیا جاتے اور کیا لڑتے جسوقت ہزاروں مسلمان انکے ہمراہ معین و مددگار ہوتے تھے جہادوں میں اسوقت دشمن
کے مقابلہ میں سے بھاگ جاتے تھے اور جو لوگ کہ ابوبکر کو زکوٰۃ نہیں دیتے تھے بیشک وہ مسلمان تھے چنانچہ کتب اہل سنت سے ثابت ہے اور زکوٰۃ اسواسطے وہ نہیں دیتے تھے کہ وہ ابوبکر کو خلیفہ حق نہیں جانتے تھے اور عمر
نے اس مقدمہ میں ابوبکر کو بہت ملامت کیا اور کہا کہ تو نے مالک بن نویرہ مسلمان کو قتل کروایا ہے اور خالد اسکی زوجہ کو جو اپنے تصرف میں لایا ہے اسکو سنگسار کر ابوبکر نے جواب میں کہا کہ اس نے
اجتہاد میں خطا کی **قال الشیخ الاشعری** الحاصل انکی شجاعت اور فہم و فراست تھی جو یہ رائے صائب سوجھی اور دین میں وہ فتور پڑے تھے کہ خدا ہی حافظ تھا جناب
امیرالمومنین رضی اللہ عنہ اپنے زمانہ کے فسادوں اور بدعتوں کو جو لوگوں نے برپا کر رکھی تھی دیکھ دیکھ کر انکو یاد کرتے تھے چنانچہ الفاظ خطبہ مذکورہ خود گواہی دیتے ہیں اسواسطے اکثر شارحین
نہج البلاغت کی یہی رائے ہے اور کیونکر ہمکو وہم کثیر ان اوصاف کو منطبق کردیں بہت کرتے تو یہ کرتے کہ کسی ایسے شخص کا احتمال پیدا کرتے جو رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں مرگیا ہوتا جیسے بعضے ناصبی
نے کیا ہے شارحوں کے ذمہ معنی کا درست کرنا بھی تو تھا ہی ان اوصاف کو اسپر کیونکر منطبق کر دیتے رسول اللہ صلعم کے زمانہ میں جو کچھ خوبی ظہور میں آئی وہ سب آپ کا طفیل تھا اور کسکی کا کام اسمیں کیا
اجارہ تھا اور خود رسول اللہ صلعم کا نام مبارک اسلئے زبان پر نہیں لاسکتے کہ سنیوں سے اسکا کیا عذر کرینگے کہ حضرت امیر نے یا جس نے فلاں کہا اسقدر گستاخی کی کہ رسول اللہ صلعم کو کس طرح ذکر کیا اور
پھر کیا باعث ہوا کہ محل تعریف میں جو مقام تصریح و اعلام ہوتا ہے یہ اخفا اور ابہام بلکہ اسی نظر سے کہ یہ محل تعریف ہے یوں خیال میں آتا ہے کہ یہ تعریف ابوبکر کی تعریف ہے اور یہ کنایہ بلا جرم اعدا کا
کی تحریف ہے ورنہ رسول اللہ صلعم کے ذکر میں تو کچھ اندیشہ ہی نہ تھا جو کسی نے یوں چھپایا اور نام نہ بتایا ہاں ابوبکر کی ضد میں بایں غرض کہ یہ مدح ابوبکر کی مدح نہ ہو جاے گو رسول اللہ صلعم کی دشمنی
بھی اپنے ذمہ لازم آئے اگر رسول اللہ صلعم کی عداوت تو باعث اخفاء نام ہو سکی گوارا کریں اور اس طرح سے اس مدح کو مدح نبوی قرار دیں تو ممکن ہے مگر اوصاف مذکورہ اس توجیہ کو نہیں ہونے دیتے آپکے زمانہ میں
اول تو اقامت سنت اور تخلیف بدعت کے کیا معنی جس سے چاہو تو پوچھ دیکھو اقامت سنت کے لفظ سے کیا متبادر ہوتا ہے ہر کوئی اتنا جانتا ہے کہ اقامت کے لیے سنت کا وجود اور اسکی سستی ہونی چاہیے نہیں تو پھر
اقامت کسکی ہوگی سو جو کچھ رسول اللہ صلعم احکام فرماتے تھے یا خود عمل کرتے تھے تو وہ اقامت سنت نہوتی تھی بلکہ اسکو خود سنت سمجھنا چاہیے ہمہذا بعد مقرر کرنے احکام سنت کے رسول اللہ صلعم کو
زمانہ میں کونسا فتور پڑ گیا اور بڑہ ہی گیا تہا تو آپ نے اسکی کیا اصلاح فرمائی **اقول** شجاعت تو انمیں کہاں تھی جیسا کہ ہم لکھ چکے البتہ فراست نبوی خوب تھی انتظام ریاست کے لیے اور ریاست کے
تماشے کے لیے کہ اسکو غصب کیا تھا اور دین میں فتور تو انکا ہی ڈالا ہوا ہے کہ آجتک وہ فتور چلا آتا ہے اور حضرت علی کی دشمنی انکے لئے جو فساد اور بدعتیں برپا کی تھیں وہ لوگ شیخین ہی کی مریدوں
میں سے تھے انکو حضرت علی کا خلیفہ ہونا ناگوار تھا اور انکے پیروں اور معتقدوں نے تو خلافت کو علی کی غصب کیا اور انہوں نے خلافت میں علی کی فساد برپا کئے اس سبب سے کہ حضرت

علی نے پہلے انتظاموں کو کیا تو کیا ہے اور اگر بعضے شارحین نے اپنی رائے سے ابوبکر کو تجویز کیا ہے تو ایک تخمین اور احتمالی بات ہے اور جو اوصاف کہ اس خطبہ میں لکھے ہیں یہ کیا ضرور ہے کہ کسی اور
میں بجز ابوبکر کے نہ پائی جائیں اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ وہ شخص حضرت علی ہی کی خلافت کے زمانہ کا آدمی تھا انکے عمال میں سے جب وہ مر گیا تو حضرت علیؑ اسکا حال بیان کرتے ہیں
اپنے خطبہ میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ یہ خطبہ اہل سنت کی کسی کتاب سے ماخوذ ہے اور وہ شخص حضرت علیؑ کے دوستوں میں سے جو تھا تو اسکے نام کو محو کرکے کسی ناصبی نے فلاں کا لفظ لکھدیا
ہے اور اگر مراد اس شخص سے ابوبکر ہی ہے تو کونسی فضیلت ہے کہ بعضے فقرے مذمت کے بھی تو اسمیں ہیں اور اگر بعضے فقرہ سے مدح ظاہر ہوتی ہے تو وجہ اسکی یہ ہے کہ مصلحتاً بعض فقرہ میں ایسا
فرمایا ہے واسطے استصلاح حال ہمراہیوں کے اور انکے قلوب کی تالیف کے واسطے کہ یہ جماعت فقرات مذمت سنکر برہم اور منتشر نہو جائے اسواسطے کہ اکثر ہمراہی حضرت علیؑ کے ابوبکر اور عمر
سے دوستی رکھتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں میں لکھا ہے کہ معاویہ حضرت علی کو لکھتا تھا کہ تو ابوبکر اور عمر کو گالیاں دیتا تھا اس قوم کے بھی منع کرنیکو ہمراہیوں کے دلوں پر کہ وہ یہ سنکر بدگمان نہو جائیں
ایسا فرماتے تھے اور یہ بڑی مصلحت تھی جیسے کہ رسول خدا صلعم نے واسطے دلداری چند کس کفار کے قصد کہ سنکر کو موقوف کیا اور رسول اللہ کا لفظ اپنے ہاتھ سے مٹا دیا اور رسول خدا صلعم ہمیشہ
تالیف قلوب منافقین اور کفار فرماتے رہے ہیں اسی مصلحت سے اور مال اپنا صرف کرتے رہے ہیں اور ایسا نہیں ہو سکتا کہ حقیقت میں حضرت علیؑ تعریف انکی کرتے ہوں اسواسطے کہ خطبہ شقشقیہ میں
صاف صاف مذمت ثلاثہ کی مندرج ہے اور غاصب خلافت انکو لکھا ہے اور خطبہ شقشقیہ وہ ہے کہ جسکا اقرار کرتے ہیں علمائے اہل سنت کہ یہ کلام جناب امیر علیہ السلام کا ہے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت علی خائن
اور کاذب جانتے تھے ابوبکر اور عمر کو اور صواعق محرقہ اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے کہ عبدالرحمن شوری کے آدمیوں کا افسر حضرت علیؑ کو بعد عمر کے خلیفہ کرنا چاہتا تھا بشرطیکہ علیؑ ابوبکر
اور عمر کی سیرت پر چلیں حضرت علی نے انکی سیرت کو قبول نکیا اور فرمایا کہ موافق حکم خدا اور رسول خدا کے عمل کرونگا جبکہ یہ حال تھا تو تعریف حقیقی انکی کیونکر سمجھی جائے اور جناب رسول خدا صلعم کا نام تو
فلاں کے لفظ کی جگہ کوئی بھی نہیں لیتا ہے اسقدر فضول عبارت لکھکر کاغذ کو ناحق سیاہ کیا ہے اور کیونکر حضرت کا نام کوئی لیوے کہ مذمت کے فقرے بھی تو اس خطبہ میں موجود ہیں جو کچھ چاہتا ہے یہ
شیخ نجدی سر پا لکھتا ہے اور یہ کہتا ہے بھی خود حضرت علی ہی کا یا کسی کا بیان کیا ہوا ہے کہ مؤلف نے تو اسکے نیچے تیرے نزدیک عمر کا نام لکھدیا ہے جیسا کہ تو بعد اسکے بعض شارحین کا حوالہ دیتا ہے اس
صورت میں مؤلف کا کیا گناہ ہے اور اگر مؤلف خطب تحریف کرکے لفظ فلاں لکھتا واسطے اخفا کرنے نام کے تو فلاں کے نیچے عمر کو کیوں لکھتا سوا اسکے علاوہ صحابہ ہونگے تو تیرے نزدیک حضرت علی ہی جو
کہ انہوں نے اوصاف تو بیان کئے خواہ اچھے خواہ برے اور نام کا اخفا کیا یا کوئی اور شخص راویان اہل سنت میں سے ہے اور بالکل وہ مدح اس خطبہ میں کہاں ہے کہ جو فضیلت دینی پر دلالت کرے
تاکہ ابوبکر کا نام کا اس میں کوئی اخفا کرے کہ ابوبکر کی مدح نہو جائے وہ خطبہ تو حسن انتظام اور مذمت پر دلالت کرتا ہے اور اگر واسطے مصلحت کے کچھ مدح بھی انکی قلیل ہے باعتبار ظاہر کے بیان کردی
تو بالکل مدح نہیں ہو سکتی اور اس صورت میں ہے کہ اگر فرض کریں ہم کہ وہ ابوبکر تھا یا عمر تھا ورنہ حقیقت تو اسکی کسیکو معلوم نہیں ہے اور بعد اسکے جو کچھ رسول اللہ صلعم کے نام پر بنا کر
لکھا ہے وہ سب باطل ہے کہ رسول خدا صلعم کے نام مبارک کو تو کوئی زبان ہی پر نہیں لاتا ہے اسواسطے کہ اس خطبہ میں مذمت کے بھی فقرے ہیں **قال الشیخ الاشعری**
بہرحال تجھ کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی طرف یہ اوصاف ڈھلتے ہیں سو یہ کرامت حضرت امیر رضی اللہ عنہ کی ہے کہ ہر چند علامہ رضی نے انکے کلام کو خراب کرنا چاہا مگر معنی
وہی رہے اور بدنامی اپنے ذمہ لگائی بھلا اتنا بھی خیال نکیا کہ تعریف کے محل میں ایسی کنایات کون باتیں کرتا ہے کسی نے سچ کہا ہے عیب کرنیکو ہنر چاہئے **اقول** کئی مرتبہ ہم اس شیخ
نجدی کے قول کو رد کر چکے ہیں اور ایک بات کو یہ شیخ کئی مرتبہ لکھتا ہے اور اب اسکے قول کو تسلیم کرکے کہتا ہوں کہ ہمنے مانا کہ یہ اوصاف خطبہ کے ابوبکر کی طرف ڈھلتے ہیں لیکن اس سے فضیلت
دینی ابوبکر کی ثابت نہیں ہے اول تو یہ کہ اسمیں انتظام کی تعریف کی ہے سو انتظام بعضے کفار بھی خوب کرتے ہیں کہ جس سے ممدوح خلائق ہو جاتے ہیں اور اقام السنت میں اور اداء
الی اللہ طاعتہ واتقاہ میں اگر مدح پائی جاتی ہے تو خلف البدعۃ میں اور ترکہم فی طرق متشعبۃ لا یہتدی فیہا الضال ولا یستیقن المہتدی میں مذمت ہے اور یہ اس سبب سے
ہے کہ وہ پابند شرع کے بھی تھے ظاہر میں اور نماز و روزہ و حج سب کچھ کرتے تھے اور بدعتیں بھی کرتے تھے اور دین کو دنیا سے مخلوط کر رکھا تھا واسطے انتظام ریاست کے جیسا مناسب جانتے تھے ویسا
کرتے تھے واسطے انتظام کے موافق شرع کے بھی کرتے تھے اور خلاف شرع کے بھی کرتے تھے اور اگر امور شرعیہ سے بالکل اعراض کرتے تو انکی اطاعت کوئی نکرتا اور انتظام نہوتا کسی نے حضرت
علی سے پوچھا کہ کیا سبب ہے کہ شیخین کے زمانہ میں تو انتظام ہوا اور عثمان کے اور آپکے زمانہ میں انتظام نہوا فرمایا کہ شیخین نے تو دین سے دنیا کو مخلوط کیا اسواسطے انکے زمانہ میں انتظام ہو گیا اور عثمان نے
صرف دنیا چاہی اسواسطے اسکے زمانہ میں انتظام نہوا اور میں نے محض دین چاہا تو انتظام نہوا سو حضرت امیر کے کلام سے کوئی فضیلت دینی ابوبکر کی ثابت نہوئی اور اس خطبہ میں اگر
تعریف ابوبکر کی ہے تو ابوبکر کے انتظام کی تعریف ہے اور ظاہر میں بعضے امور شرعیہ بجا لانا اور بعض اوقات مخالف شرع کے کرنا جیسا کہ خطبہ کی فقروں سے پایا جاتا ہے یہ سب واسطے انتظام ریاست کے تھا اور
علامہ رضی علیہ الرحمۃ نے کوئی خرابی نہیں کی ہے جیسا کہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے اور اہل سنت کی کتابوں اور شرح نہج البلاغت سے ثابت ہے کہ علامہ موصوف نے فلاں کے لفظ کی جگہ نیچے عمر کا نام لکھدیا
تھا پھر بدنامی انکی طرف کیونکر عائد ہو اگر اعتراض ہے تو تمہارے نزدیک حضرت علی پر ہے کہ جسکی تعریف کی اسکا نام ظاہر نکیا سو حضرت علی سے پوچھنا چاہئے کہ تعریف کے محل میں کون کنایات
سے باتیں کیا کرتا ہے اور علامہ رضی علیہ الرحمۃ پر تو یہ اعتراض ہو ہی نہیں سکتا کہ انہوں نے تو تمہارے نزدیک فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھدیا تھا **قال الشیخ الاشعری**

اور بعض شارحین کی رائے یہ ہے کہ اس خطبہ میں حضرت عمر کی تعریف ہے سو حضرت عمر میں کونسی بڑے ہیں اور سمجھ ت عمر پر جو وہ اس تعریف کو منطبق کرتے ہیں تو اسوجہ سے کہ وہ یوں لکھتے ہیں کہ مجھے مصنف کے ہاتھ کا یعنی علامہ رضی کے ہاتھ کا لکھا ہوا نہج البلاغت کا نسخہ ملگیا تھا سو اسمیں لفظ فلاں کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا تھا اور اسکے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ مجھ سے فخار بن معد موسوی ادیب شاعر نے ایسا ہی بیان کیا اور میں نے ابو جعفر یحییٰ بن زید علوی سے پوچھا کہ اس لفظ سے کون مراد ہے تو انہوں نے کہا کہ عمر رضی اللہ عنہ مراد ہیں میں نے کہا کہ امیر المومنین نے اسقدر انکی تعریف کی انہوں نے کہا کہ ہاں الغرض اسوجہ سے اور نیز اسوجہ سے کہ بعضے خطبوں میں جو حضرت عمر کے نام سے تعریف ہے تو اسکے الفاظ اسی ملتے ہیں بعضی شارحین حضرت عمر کی طرف ڈھلے ہیں پر ظاہر یہی ہے کہ مراد حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ہیں **اقول** جسوقت شارحین لکھتے ہیں اور انکی رای یہ ہے کہ یہ تعریف عمر کی ہے تو تو کہاں سے کہتا ہے کہ یہ تعریف ابوبکر کی ہے اور تو کس شمار میں ہے کہ جو برخلاف شارحین کے لکھتا ہے کہ اظہر یہی ہے کہ ابوبکر مراد ہے اور عمر کو ابن ابی الحدید اپنی شرح میں لکھتا ہے اور ہمارے نزدیک تیرا قول معتبر ہے نہ ابن ابی الحدید کا کہ وہ بھی مرید اور معتقد حقیت خلافت ثلاثہ کا ہے اور جسوقت کہ اس نے یہ لکھا ہے کہ میں نے مصنف کے ہاتھ کا لکھا ہوا دیکھا کہ فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھا ہے تو مصنف تو تحریف کی تہمت سے بری ہو گیا اور تیرا قول تحریف کو مصنف کی طرف منسوب کرنے میں باطل ہوا اور ابن ابی الحدید نے ہی اپنی شرح میں لکھا ہے کہ فلاں کا لفظ کنایہ عمر سے ہے اور حدیث کی ہے مجھ سے اسکی فخار بن معد موسوی ادیب شاعر نے اور پوچھا میں نے نقیب ابو جعفر یحییٰ ابن ابی زید علوی سے انہوں نے کہا کہ مراد اس سے عمر ہے لیکن یہ بیان اصحاب ثلاثہ ہیں انکا قول حجت نہیں ہو سکتا اور بعد اسکے اور فرقوں کا مذہب اسمیں لکھا ہے لیکن ہر ایک کی بات احتمالی ہے اور حقیقت اسکی کسیکو معلوم نہیں اور عمر کے نام سے تو کسی خطبہ میں تعریف نہیں ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اور اگر کسی سنی کی کتاب میں لکھا ہے تو اسکا اعتبار نہیں ہے اور ہمارے نزدیک تو نہ ابوبکر مراد ہے نہ عمر مراد ہے رجماً بالغیب کچھ نہیں کیونکر کہہ دیں اور اگر کسی کے حق میں کہیں سے کہا جائے تو کیا ہے کہ بعضے فقرے اسکی مذمت پر دلالت کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** لیکن جب شیعوں نے دیکھا کہ آخر یہ تعریف ہے تو کسیکی اصحاب ثلاثہ میں سے ہے تو انہوں نے کہا آؤ حضرت عمر کو بتلاؤ حضرت عمر آخر حضرت امیر المومنین رضی اللہ عنہ کے داماد تو ہیں ابوبکر صدیق سے تو بہر حال کچھ انکا پاس لحاظ زیادہ ہی چاہئے لیکن ہمارا ادھر بھی لیکھا ہے اسیواسطے جو روایت کہ خاص انکی تعریف میں ہے اسکو بھی نذر قلم کر آیا ہوں ابن سمان کتاب الموافقت میں فرین حکیم سے روایت کرتا ہے کہ جب حضرت عمر کا انتقال ہوا تو میں نے کہا حضرت علیؑ کے پاس چلنا چاہئے اور انکی سنیں وہ کیا کہتے ہیں سو میں جو انکی محفل میں آیا تو بہت لوگ انکے منتظر بیٹھے تھے سو کچھ یوں ہی دیر ہو گئی جو حضرت علی تشریف لائے اول تو سر مبارک جھکایا پھر اوپر اٹھا کر فرمایا کہ لله در باکیہ عمر اقام الاود وداوی العمد مات نقی الثوب قلیل العیب واعراہ ذھب بالسنۃ واتقی الفتنۃ واصاب للہ ابن الخطاب خیرھا ونجی عن شرھا ولقد نظرلہ صاحب فضل علی الطریقۃ ما استقام قال فقال مرحل المرکب فستشعبہم الطریق لا یھتدی الضال ولا یستیقن المھتدی اس عبارت کے معنے بھی قریب قریب پہلی ہی روایت کے ہیں اسلیے بعض شراح جنکا ذکر ہو چکا روایت مقدم کو بھی حضرت عمر ہی پر محمول کرتے ہیں سو ایسی صورت کو دیکھیے تو حضرت ابوبکر صدیق پر منطبق ہیں چنانچہ مرقوم ہو چکا باقی اس روایت کے الفاظ اور اس روایت کے الفاظ کی تطابق سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں ایک ہی آدمی کی تعریف میں ہوں اگر دونوں ہیں تو انکو جدا جدا شخص کے لیے سمجھیے تب بھی کچھ محال نہیں آخر حضرت عمر کی خلافت بھی تو حضرت ابوبکر کی خلافت کا تتمہ تھا بنیاد ساری باتوں کی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ باندھ گئے تھے ملک شام و ایران پر جو جہاد ہوا تو پرواز انکی خلیفہ اول ہی ڈالگئے تھے اور جو لوازم خلافت تھے سب کی جڑ وہی درست کر گئے تھے چنانچہ ماہران تواریخ پر پوشیدہ نہیں موجد قوانین انتظام تھے اور حضرت عمر اسکے برتنے والے الغرض حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ ایک رستہ ڈالگئے ہیں کہ حضرت عمر اسی رستے چلے گئے اگر اسوجہ سے کہ ابوبکر صدیق کے کاموں کو حضرت عمر نے پورا کیا انکو بھی موصوف باوصاف مندرجہ روایت اول سمجھیں تو چنداں بعید نہیں **اقول** شیعوں نے تو ہرگز یہ نہیں سمجھا کہ اصحاب ثلاثہ میں سے کسیکی یہ تعریف ہے بلکہ انکے نام کی تعریف فرض کرکے جواب دیتے ہیں اور نہ کسی شیعہ نے عمر کو بتلایا ہے کہ یہ انکی تعریف ہے ایک ابن ابی الحدید لکھتا ہے کہ میں نے فلاں کے لفظ کے نیچے عمر کا نام لکھا ہوا دیکھا سو کیا اعتبار ہے اور تو بھی اسکو تسلیم نہیں کرتا ہے بلکہ اظہر ابوبکر ہی کو کہتا اور کہتا کہ اوصاف خطبہ کے ابوبکر ہی میں پائے جاتے ہیں اور عمر کو تو خارج کرتا ہے برخلاف جمیع شارحین کے اور میں کہتا ہوں کہ یہ کیا ضرور ہے کہ فلاں کے لفظ سے ابوبکر یا عمر ہی مراد ہو اور سوائے انکے اور کوئی مراد ہو اور اگر یہی ہے کہ فلاں سے انکے ہی نام مراد ہوں تو میں کہتا ہوں کہ صحیح بخاری میں حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ فلاں اور فلاں اور فلاں یہ دین میں سے کچھ نہیں جانتے تھے تو معلوم ہوا کہ مراد ان تینوں فلاں سے ابوبکر و عمر اور عثمان ہیں اور محمد اسمعیل بخاری نے یہ تحریف کی کہ ابوبکر و عمر و عثمان کی جگہ فلاں اور فلاں اور فلاں لکھ دیا ہے تاکہ شیعہ خلفائے ثلاثہ کے عیوب کے بیان کرنے میں اس روایت سے تمسک کرنے پائیں اور حضرت نے جو فرمایا ہے کہ یہ تینوں دین میں سے کچھ نہیں جانتے یہ سب راست ہے اسواسطے کہ خلفائے ثلاثہ دین سے مقدر مسائل جاہل محض تھے اور عمر حضرت علی کے داماد بھی تھے چنانچہ عنقریب اسکے غلط ہونے کے رد میں معلوم ہوگا اور عمر کو کسی طرح سے پاس لحاظ نہیں ہے اور کیونکر عمر کو کہ بدکی بانی مبانی مفاسد تو وہی تھے اس امت میں اور لیکھا تو تیرا عجب ہے کہ جب عمر کو کوئی شیعہ کہتا ہو کہ انکی یہ تعریف ہے اور یہ روایت جو کتاب الاکتفا سے بیان کی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ نہج البلاغہ کا اہل سنت کی کتابوں سے ماخوذ ہے اور کچھ اسمیں تحریف کی ہے اور جیسے ہم نے اسی روایت کی جو ہے ذکر کیا ہے کہ انکی روایت سے معلوم ہوگا کہ یہ خطبہ انہی ہی کتابوں سے ماخوذ ہے اور صاف معلوم ہوتا ہے کہ یہ خطبہ انکی ہی کتاب کا ہے اور شیعوں کی کسی کتاب میں یہ خطبہ نہیں ہے مگر اہل سنت کی کتاب الاکتفا سے اس کا پتا لگا

مثل اُسکے قریب اُسکے اسکی بھی عبارت ہے البتہ سید رضی علیہ الرحمۃ نے مثل اور خطبوں کے کہ اکثر خطب اہل سنت کی کتابوں سے نقل کئے ہیں اس خطبہ کو بھی نہج البلاغہ میں درج کیا ہے
اب اگر اس خطبہ کے اوصاف ابوبکر کیطرف ڈہلتے ہیں تو ڈہلا کرو پھر یہ خطبہ حجت نہیں ہو سکتا کہ جیسے کہ کتاب الاکتفار کا خطبہ عمر کے حق میں ہے وہ خطبہ ابوبکر کے حق میں اہل سنت
ہی کی کسی کتاب سے نقل کیا ہوا ہے اور جیسے کہ یہ تہمت ہے حضرت علی پر کہ اُنہوں نے تعریف کی ابوبکر کی یا عمر کی ایسی ہی رسول خدا صلعم پر تہمت کی ہے کہ اُن حضرت نے تعریف
بتوں کی کی ہے چنانچہ تفسیر درمنثور میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم سورہ والنجم پڑہتے تھے اور جسوقت اس آیت کو پڑہا أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَمَنَاةَ الثَّالِثَةَ الْأُخْرَىٰ تو شیطان نے حضرت کی زبان پر
اسکے آگے یہ ڈالدیا تلك الغرانيق العلى وان شفاعتهن لترتجى جو مثل نازل ہوئی اور کہا کہ میں اسطرح سے لیکر نہیں آیا ہوں اور مولوی عبد العزیز صاحب اسکی جواب میں بڑی ہاتھ
مارتے ہیں کبھی تو کہتے ہیں کہ یہ روایت ضعیف ہے اور کبھی کہتے ہیں کہ شیطان نے پاس کھڑے ہوکر کہدیا تھا حضرت کی آواز مشابہ اپنی آواز کو کرکے اور ہم کب کہتے ہیں کہ دونوں کے واسطے
جدا جدا نہیں ہو سکتا بلکہ ہم کہتے ہیں کہ ہوگا لیکن دونوں روایتیں اہل سنت کی کتابوں میں ہیں اور شیعوں کی تو کسی کتاب میں یہ خطبے نہیں ہیں سوای نہج البلاغہ کی کہ سید رضی نے
اہل سنت کی کتابوں سے نقل کرکے یہ خطبہ اصل نہج البلاغہ کر دیا ہے مثل اور خطبوں کے اور عمر کی خلافت البتہ ابوبکر کی خلافت کا تتمہ تھا اس اعتبار سے کہ ابوبکر نے باوجود ناراضی ہونے
صحابہ کے عمر کو خلیفہ اپنا کیا تھا لیکن یہ خلافت ابوبکر کی جمائی ہوئی عمر ہی کی تھی سب سے پہلے ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کرنا اور اُنکی خلافت کے واسطے رسول خدا صلعم کے ارشاد کو ہذیان کہنا
اور حضرت کے ارشاد کو رد کرنا اور فاطمہ زہرا کے گہر جلانیکو آگ اور لکڑیاں لیجانا اور بعضے صحابہ کو بے عزت کرنا اور سوی اُسکے بہت اُمور نامناسب عمل میں لانا اور یہ اسواسطے کیا کہ دونوں
صاحبوں کا مشورہ ہو گیا تھا اور عمر نے ابوبکر سے کہا تھا کہ اگر میں تجھکو خلیفہ کروں تو بعد اپنے تو مجھکو خلیفہ کرنا اسواسطے عمر نے ابوبکر کو خلیفہ کیا اور ابوبکر نے عمر کو اور جو کچھ ابوبکر کرتے تھے
وہ عمر کے مشورہ سے کرتے تھے سو بنیاد تو ساری باتوں کی عمر نے ڈالی تھی اور ابوبکر تو برائے نام تھے اور جہاد بھی ملک شام اور ایران پر عمر نے اپنی رای سے کیا تھا ابوبکر نے کیا پر انداز ڈالے تھے اور لوازم
خلافت کی جڑ بھی عمر ہی نے درست کی تھی سب اہل تواریخ یہی لکھتے ہیں اور قوانین انتظام مثل قوانین انگریزاں دونوں کی رای سے مقرر ہوتی تھی سو اُنہیں قوانین پر عمر بھی
چلتے تھے اور اگر کوئی بعضی خرابی ابوبکر کے زمانہ میں باقی رہگئی ہوگی تو اُسکو عمر نے اپنے زمانہ میں جاری کیا ہوگا انتظام ریاست البتہ وہ خوب جانتے تھے اور یہ روایتیں ان دونوں
کے حق میں ہونگی ہم کب انکار کرتے ہیں لیکن اہل سنت کی کتابوں کی یہ روایتیں ہیں چنانچہ ہم لکھہ چکے **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اگر شیعوں کو یہی مرکوز خاطر ہو
کہ ہم بجز اماموں کے فرمانے کی اصحاب ثلثہ یا اور اصحاب کی قیامت تک معتقد نہوں گے تو یہ مذہبی ہمٹ اُنکا باقی رہ کہاں اس سے زیادہ کیا ہوگا جو مرقوم ہوا مگر ہم جانتے ہیں کہ خوئی بد را
بہانہ بسیار شیعہ اپنی بے انصافی سے باز نہ آئیں اور بسبب عداوت صحابہ کے جو اہل بیت کی محبت سے پہلے اُنکی رگ و پے میں رچ گئی ہے عجب نہیں کہ خلاف اسکے یوں بھی کہہ اٹھیں کہ حضرات ائمہ کی
بات کا ہی کیا اعتبار ساری عمر اُنہوں نے تقیہ میں گزاری اور حق کو ناحق اور ناحق کو حق کہتے ہوئے چلدیے **اقول** شیعوں کو تو فرمانا خدا کا اور بعد اُسکے جناب رسول خدا صلعم کا اور ائمہ
معصومین علیہم السلام کا سب کا مرکوز خاطر ہی اگر ثابت ہو اور صحابہ کے شیعہ بیشک معتقد ہیں مگر چند آدمی جنہوں نے آل رسول مقبول کے حقوق غصب کیے اور اُنکو آزار پہنچایا اور اُن سے
عداوت کی اُنکو اچھا نہیں جانتے اور جو کچھ عندیہ اُنکو ہے وہ ہرگز دفع نہیں ہو سکتا اور جو کچھ تم نے لکھا ہے وہ کافی نہیں ہے چنانچہ ہم لکھ چکے ہیں اور بڑی ناانصافی تو تم ہو کہ ہمیشہ پر
بیٹھا لیتے ہو اور دشمنان آل رسول خدا کے افعال کی اصلاح کرتے ہو معاویہ غاویہ دشمن خاندان نبوت کہ اُسکے باپ نے تو رسول خدا صلعم سے جنگ کی کہ جس میں رسول خدا صلعم کے
دندان مبارک شہید ہوئے اور اُنکے چچا حضرت امیر حمزہ مارے گئے اور وہ باغی خود حضرت علی سے لڑا اور ہزاروں مومنین پاک مثل عمار یاسر و اویس قرنی وغیرہ کے قتل کروای اور حضرت
امام حسن کو زہر دلوایا اور اُنکے مرنیکی خبر سنکر تکبیر خوشی میں کہی اور سجدہ کیا اور حضرت علی کو برملا منبر پر گالیاں دیتا تھا فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ ثم اشتد الخطب
فتنقصوه واتخذوا لعنه على المنابر سنة ووافقهم الخوارج على بغضه وزادوا حتى كفروه یعنی بعد اُسکے سخت ہوا امر پس تنقیص کی اُن بنی اُمیہ نے اور اختیار
کیا اُنہوں نے بحکم معاویہ لعن کرنے علی کو سنت اور موافق ہوے اُنکے خوارج دشمنی اُسکی پر اور زیادہ کیا اُنہوں نے یہانتک کہ کافر شمار کیا اُنہوں نے اُس علی کو اور اسکے فرزند نے جو کچھ کیا ہے
کہ اولاد رسول خدا صلعم کو قتل کروا دیا اور اُسکے حرم محترم کی ہتک اور بے عزتی کی اُنکو تم اچھا جانتے ہو یہانتک کہ صواعق محرقہ اور غنیۃ الطالبین وغیرہ میں اُسکو لکھا کہ خلیفہ حق و امام صالح تھا
اور اُسکے فرزند کو ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں اور امام غزالی نے لکھا ہے کہ یزید مومن تھا لعن کرنا اُسپر جائز نہیں ہے اور اُسکے لعنت کرنیوالی پر لعن کی ہے سو یہ لوگ جنکی ایسے اعمال و افعال ہیں
کہ جنہوں نے آل رسول خدا کو قتل کیا اور ہمیشہ اُنکو گالیاں دیتے رہے اُنکو تو خلیفہ حق اور امام صادق اور مومن پاک کہتے ہیں اور شیعہ کہ جو اُنہوں نے کسی کو قتل نہیں کیا ہے مگر دشمنان آل
نبی کو بددعا کرتے ہیں وہ اہل سنت کی نزدیک اس جہت سے ایمان سے خارج ہو جائیں یہی انصاف ہے اور اُنکی افعال بد کو اجتہاد پر محمول کرتے ہیں اور ہمارے افعال کو اجتہاد پر محمول نہیں
کرتے ہیں بلکہ عداوت پر محمول کرتے ہیں إِنَّ هَٰذَا لَشَيْءٌ عُجَابٌ بے انصاف تو خود ہیں اور شیعوں کو ناانصاف کہتے ہیں اور شیعوں کی رگ و پے میں حب عداوت بعضی صحابی کی رچ گئی ہے کیا تحقیق
نے کوئی جاگیر شیعوں کی غصب کر لی ہے تو نہیں انصاف کر کہ وہ بعضی صحابہ جو دشمن تھے آل رسول کے کس سبب سے عداوت رکھتے ہیں شیعہ تو جو کوئی کہ جیسا ہو ہے اسکو ویسا ہی سمجھتے ہیں

اچھے کو اچھا اور برے کو برا اور آل رسول خدا کی دشمنوں کو کیونکر اچھا کہدیں جسوقت کہ حضرت علی نے اُنکو برا کہا ہو چنانچہ تمہاری کتابوں میں لکھا ہے اور تم ہی ہو کہ اُنکے دشمنوں کے ظلموں کو خطای اجتہادی پر محمول کرتے ہو یا اُنکے ظلموں کی تاویل کرتے ہو اور ہمسے یہ ہو نہیں سکتا ہے اسواسطے تم ہمکو برا کہتے ہو اور کہتے ہو کہ اصحاب کی عداوت انکے رگ و پے میں جگہی ہے اور ائمہ علیہم السلام کے اقوال پر تو مدار ہمارے مذہب کا ہے جسوقت کہ ثابت ہو جائے کہ یہ قول اُنکا ہے ہم اُسکا اعتبار کیوں نکریں مگر بعضی وقت جواز روی مصلحت اپنے جمیع اقوال کے مخالف کچھہ فرمایا ہو تو اُسکا ہم البتہ اعتبار نکرینگے اور تقیہ کو تو بار بار ذکر کرنا پڑتا ہے عنقریب اُسکا بیان کیا جاتا ہے کہ جسکو سنکر تیری حواس منتشر ہو جائیں و حق کو ناحق اور ناحق کو حق اُنہوں نے ہرگز نہیں کہا مگر مقتضا بروقت کا ہے چنانچہ معلوم ہوگا تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مامون نے علماء کو طلب کر کے خلق قرآن سے استفسار کیا اُنہوں نے تقیہ سے جواب دیا اور قرآن کو مخلوق کہا چنانچہ لکھا ہے کہ وسبب علیہم انہم توقفوا اولا ثم اجابوا تقیۃ یہ علماء اہل سنت تہے جنہوں نے قرآن کو مخلوق کہا اور اہل سنت کے نزدیک قرآن کا مخلوق کہنا کفر ہے اور ایسے ہی امام احمد حنبل کو لکہا ہے کہ اُنہوں نے تقیہ کیا قرآن کے مقدمہ میں اب دیکھہ تو اہل سنت کے علماء نے حق کو ناحق اور ناحق کو حق کہا کہ نہیں **قال الشیخ الاشعری** جب امام الائمہ حضرت امیر المومنین با اینہمہ شہرہ شجاعت اور زور کرامت کہ شیر خدا اور علی ولی اللہ اُنکا لقب ہے خلفاء ثلثہ سے اتنا کچھہ ڈرتے تہے کہ اُنکے زمانہ میں تو کیا اپنے زمانہ میں بھی اظہار مذہب حق نکر سکیں ہوں تو اوروں کا تو کیا ذکر ہم جبتک سرکٹنا میں کہ یا تو تقیہ کو کوئی باطل کر دکھلائے یا کسی ایسے کی سند تبلائے کہ وہ تقیہ نکرتے ہوں اس لئے ناچار تقیہ کی اصل حقیقت بہی کہولکر کچھہ کچھہ دکھلائی برہی انصاف سے پالا پڑا ہے دیکہیے کتنی چکپھیریاں کھائیں اور ہم انکی دم کے ساتھہ لگی ہوئی کہاں کہانتک جائیں **اقول** حضرت علی خلفاء ثلثہ سے ہرگز نہیں ڈرتے تہے اور حضرت علی کے سامنے اُنکی حقیقت کچھہ نتہی اور حضرت علی نے جو خلفاء ثلثہ کے زمانہ میں نہیں اور خاموش ہو کر بیٹھہ رہے یہ وصیت تہی جناب رسولخدا صلعم کی کہ اے علی بعد میرے بہت مکروہات تجہپر گذرینگے تو صبر کرنا اور طریق مصابرت اختیار کرنا چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ پیغمبر خدا صلعم از علی وصیت فرمودہ بودند کہ یا علی بعد از من بتو امور مکروہ بسیار خواہند رسید باید کہ تنگدل نشوی و طریق مصابرت پیش گیری و چوں مبنی کہ مردم دنیا را اختیار کردہ اند تو آخرت اختیار کنی انتہی اور سوے خلافت کے اور کونسی دنیا تہی بعد رسولخدا صلعم کے کہ جسکو لوگوں نے اختیار کیا تہا اور خلافت تو غاصبونکے ہاتھہ سے بزور نہیں لینی کی وجہ سننی چاہیئے کہ ابن عبد البر استیعاب میں لکھتے ہیں ترجمہ فاطمہ بنت ابی رافع میں ذکر ابن شیبۃ عن المدائنی عن ابی مخنف عن جابر عن الشعبی قال لما خرج طلحۃ و الزبیر کتبت ام الفضل بنت الحارث بخروجہم فقال علی العجب لطلحۃ و الزبیر ان اللہ عزوجل لما قبض رسولہ قلنا نحن اھلہ و اولیاؤہ فلا ینازعنا سلطانہ احد فابی علینا قومنا فولوا غیرنا وایم اللہ لولا مخافۃ الفرقۃ وان یعود الکفر ویبور الدین لغیرنا فصبرنا علی بعض الالم ثم لم نر بحمد اللہ الا خیرا ثم وثب الناس علی عثمان فقتلوہ ثم بایعونی ولم استکرہ احدا وبایعنی طلحۃ و الزبیر ولم یصبرا شہرا واحدا کاملا حتی خرجا الی العراق ناکثین اللہم فخذہما بفتنتہما للمسلمین یعنی روایت شعبی کی ہے کہ جسوقت خروج کیا طلحہ اور زبیر نے واسطے محاربہ علی کے تو لکہا ام الفضل دختر حارث نے اور اطلاع کے ساتھہ خروج اُنکے کے پس کہا علی نے تعجب ہے ساتھہ طلحہ اور زبیر کی تحقیق کہ خدا تعالی نے وفات دی پیغمبر اپنے کو تو کہا ہمنے ہم ہیں اہل اور وارث اُسکے نہ نزاع کریگا ہمسے سلطان اور حکومت اُسکی میں کوئی پس انکار کیا ہمپر قوم ہماری نے پس حاکم اور والی کر دیا ہمارے غیر کو اور قسم ہے خدا کی کہ نہوتا خوف مفارقت کا اور اس امر کا کہ عود کریگا کفر اور ہلاک ہو دین البتہ متغیر کر دیتے ہم پس صبر کیا ہمنے بعضے الم پر بعد اُسکے نہ دیکھا ہمنے بحمد اللہ مگر خیر کو بعد اُسکے لوگوں نے عثمان پر کہ خلیفہ کیا اُسکو پس قتل کیا اُنہوں نے اسکو پھر بیعت کی مجھسے اور نہ جبر کیا تہا میں نے کسیکو اور بیعت کی مجھسے طلحہ اور زبیر نے اور نہ صبر کیا اُنہوں نے ایک مہینہ کامل یہانتک کہ نکلے وہ طرف عراق کی جسوقت کہ توڑنیوالے تہے وہ بیعت میری کو اے خدا لیلے فتنہ کا کرتا اُنکو بسبب قتل کرنے اُنکے کے مسلمانوں کو انتہی اور تسلی الخدمتین میں بہی سنت یہی ہے کہ ابو الطفیل عامر بن واثلہ سے روایت کرتا ہے قال کنت علی الباب یوم الشوری فارتفعت الاصوات بینہم فسمعت علیا یقول بایع الناس لابی بکر وانا واللہ اولی بالامر منہ واحق منہ فسمعت و اطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضہم رقاب بعض بالسیف ثم بایع الناس عمر وانا واللہ اولی بالامر منہ واحق بہ منہ فسمعت و اطعت مخافۃ ان یرجع الناس کفارا یضرب بعضہم رقاب بعض بالسیف ثم انتم تریدون ان تبایعوا عثمان اذا اسمع و اطیع ان عمر جعلنی فی خمسۃ نفر انا سادسہم لا یعرف لی فضلا فی الصلاح ولا یعرفونہ کلنا فیہ شرع سواء وایم اللہ لو اشاء ان اتکلم ثم لا یستطیع عربیہم ولا عجمیہم ولا المعاند منہم ولا المشرک رد خصلۃ منہا من الصفات حاصل یہ کہ ابو طفیل کہتا ہے کہ میں دروازہ پر تھا بروز شوری کے آوازیں بلند ہوئیں علی کو میں نے سنا کہ کہتے تہے آدمیوں نے ابوبکر کے ہاتھہ پر بیعت کی اور میں قسم ہے خدا کی بہتر اور زیادہ لایق تہا اُس سے خلافت کے واسطے میں نے سنا اور اطاعت کے خوف پہر جانے آدمیوں کے سے طرف کفر کے کہ ماریں بعض اُنکا گردن بعض کی تلوار سے بعد اُسکے بیعت کی آدمیوں نے عمر کے ہاتھہ پر اور میں قسم ہے خدا کی بہتر تہا خلافت کے واسطے اور زیادہ لایق تہا اُس سے اُسوقت بہی سنا میں نے اور اطاعت کی میں نے اس خوف سے کہ آدمی طرف کفر کے پہر جائیں اور بعض اُنکا گردن بعض کی مارے تلوار سے بعد اسکے تم ارادہ کرتے ہو کہ بیعت کرو تم عثمان کے ہاتھہ پر اسوقت بہی میں سنتا ہوں اور اطاعت کرتا ہوں تحقیق کہ عمر نے کر دیا ہے مجھکو پانچ نفروں میں کہ چھٹا اُنکا میں ہوں کہ نہیں جانتا ہے کسی فضیلت کو میری اور وہ جانتے ہیں گویا کہ میں فضیلت نہیں رکہتا ہوں اور سب کی برابر ہوں اور قسم ہے خدا کی

اگر میں چاہوں کہ کلام کروں تو نہیں طاقت ہی عربی کو اُنکی اور نہ عجمی کو اُنکی اور نہ معاند اور مشرک کو اُنکی کہ رد کریں کسی خصلت کو اُس میں سے اور نسخ کریں میری فضیلت کو انتہی
اور یہ روایت لسان المیزان میں ابن حجر کے اور کتب دارقطنی میں بطرق متعددہ لکھی ہی اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہی کہ جسوقت عثمان کے ہاتھ پر بیعت کرنیکو حضرت علی سی
لوگوں نے متفق ہو کر کہا تو شاہ عرصہ ولایت فرمود بخدا سوگند کہ شما میدانید کہ احق بخلافت کیست معہذا بمقتضاء علم خود عمل نمی نمائید و بنا بر اغراض مصالح دنیوی
خود والہ کہ مسلم داشتم این امر را بر غیر خود زیرا کہ می دانم کہ سلامت مسلمانان درین تنزل و تسلیم است چہ درین تسلیم حیف خاصہ برمن است نہ بر اسلام و مسلمانان ترک مناقشہ کردم
طلبا للاجر الموجود با عثمان بیعت فرمود انتہی ان تینوں روایتوں میں تامل کرنا چاہئے کہ حضرت علی نے بزور اور جنگ کسواسطے خلافت کو نہیں لیا ہی اُن سی خوف کرتے تھے اور
ڈری ہوئی تھی یا اسواسطے کہ لوگ مرتد ہو جائینگے اور ماری جائینگے اور اسلام میں فساد پڑ جائیگا اور مسلمان سلامت نرہینگے تو کیا بار بار لکھتا ہی اور کس مونہہ سے کہتا ہی کہ علی خلفاء
ثلثہ سی ڈری ہوئے تھے اور بیشک خلافت حق علی کا تھا اور موافق وصیت رسولخدا صلعم کے اور لوگوں کے مرتد ہو جانیکے خوف سی اور اسلام کے فاسد ہو جانیکے اندیشہ سے صبر کرکے بیٹھ
رہی اور خوف اُنکو کیسا تھا اور اس میں تقیہ اُنکا تھا بلکہ ایک مصلحت تھی اور اپنے زمانہ میں جو اظہار مذہب حق نکیا وہاں بھی ایک مصلحت تھی کہ اُنکے اکثر ہمراہیوں کے دلوں میں
محبت ثلثہ کی جمی ہوئی تھی اگر کچھ کرتے تو لوگ مرتد اور منتشر ہو جاتے منتظر تھے کہ سب آدمی یکسو میری طرف ہو جائیں تو کچھ کروں سو وہ نصیب ہی نہوا اور اسیواسطے جب
قاضیوں نے حضرت علی سی پوچھا کہ اب ہم کیا کریں پہلے حکموں کو جاری رکہیں یا آپ کچھ اور فرماتے ہیں تو جواب میں اُنکے لکہا کہ ابھی بدستور جاری رکھو یہانتک کہ سب میرے متفق ہو جائیں
یا میں مر جاؤں چنانچہ سنیوں کی روایت ہی کہ بخاری میں لکھی ہی کہ قاضیوں کے جواب میں لکھا اقضوا ما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ
او اموت کما مات اصحابی اور تقیہ تو ثابت ہی قرآن اور حدیث سی اور روایات اہل سنت سے چنانچہ عنقریب معلوم ہو جائیگا اور باطل تو اُسکو کوئی کیا کریگا اور جو کچھ لکھیگا
ہم اُسکو باطل کرینگے اور نا انصاف تو تم ہو کہ حق اور باطل میں تمیز نہیں کرتے اور جواب نہیں آتا ہی تو طرح طرح کی چکہیریاں لیتی ہو اور بسنت لپنا لپیٹے ہو **قال الشیخ الاشعری** مخدوم من آفرین ہے اُن لوگوں کی ہوشیاری پر کہ جنکا یہ دین ساختہ پرداختہ ہی ایسے نامعقول باتوں کا بجز بدا اور تقیہ کے رواج ہو ہی نہیں سکتا اگر سنیوں نے
کلام اللہ کا حوالہ دیا تو بدا کا عذر لیا اماموں کا قول پیش کیا تو تقیہ سے الزام دیا اب بیچارہ سنی اپنا سا مونہہ لیکر رہ نجائیں تو اور کیا کریں غرض جسنے اس مذہب کو تراشا واقعی نہایت
ہوشیار تھا پر کم فہم بھی ہوں تو اتنی ہی ہوں جتنے حضرات شیعہ کہ دام و دانہ کے انکو کچھ تمیز نہیں ہی کیسے کیسے لوگ اس دام میں پھنس گئے یہ نسمجھا کہ دین خداوندی کو ایسی باتوں سے کیا
علاقہ یہ فقط یاروں کی گہڑی ہوئی باتیں ہیں عبداللہ بن سبا یہودی منافق اور اُسکے شاگرد ملعون ہوش یہہ قواعد تشیع تصنیف ہوں **اقول** - شیعوں کا تو وہ دین ہے
کہ جو خدا اور رسول خدا صلعم کا ارشاد کیا ہوا ہی اور اُس دین والوں کی حق میں رسولخدا صلعم نے حضرت علی سی خطاب کرکے فرمایا کہ یا علی انت و شیعتک فی الجنۃ اور اہل سنت کا
دین البتہ تراشا ہوا معاویہ اور یزید کا ہی کہ نام اس مذہب کا سنت جماعت اُنکی ہی زمانہ میں کہا گیا ہی چنانچہ تاریخ الخلفا اور صواعق محرقہ سے ثابت ہوتا ہی تاریخ الخلفا میں لکھا ہے
کہ جسوقت سنہ ۴۱ھ میں معاویہ اور حضرت امام حسن کے درمیان صلح ہوئی تو معاویہ نے اُس سال کا نام جماعت رکھا اور صواعق محرقہ میں لکھا ہی کہ جسوقت سنہ ۶۱ھ میں حضرت امام حسین شہید
ہوئے تو یزید نے نام اُس سال کا سنت رکھا یہ ترکیب نامعقول اس لقب کی معاویہ اور یزید کے زمانہ سی ہی جسپر اہل سنت فخر کرتے ہیں اور ابتدا مذہب کی ابلیس سے ہی کہ پہلے سب سے ابلیس نے ایک عرب
کی صورت بنکر ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی اور ابن ابی الحدید نے لکھا ہی شرح نہج البلاغہ میں کہ معاویہ نے اس مذہب کی تائید میں فضائل ثلاثہ وغیرہم میں بہت سی روایتیں
بنوائیں اور بدا تو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے اور روایتیں بدا کی پہلے اس سے ہم اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور تقیہ کو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کرینگے اور شیعوں نے کلام اللہ
کے حوالہ میں ہرگز ہرگز بدا کا عذر نہیں کیا تو مفتری اور دروغگو ہی اور تقیہ کرنا تو رسولخدا صلعم کا اور صحابہ کا تیری کتابوں سے ثابت ہے اور عنقریب اُسکا ذکر آتا ہی اگر کسی امام نے جناب
رسولخدا صلعم کی پیروی سی تقیہ کیا تو اعتراض نہیں ہو سکتا سنی اپنا سر کھاؤ کہ جب تمہاری کتابوں سی ہر کوئی بات ثابت ہو گئی تو وہ تو لاجواب ہو ہی جائینگے اور شیعوں کے مذہب کا
تراشنے والا تو خدا تھا اُسکے برابر کون ہوشیار ہوگا اور شیعہ بھی ہوشیار تھی تو انہوں نے خدا تعالی کی تراشے ہوئے مذہب کو اختیار کیا اور کم فہم سنی ہیں کہ جنہوں نے دانہ اور دام میں
کچھ تمیز نہ کی اور ثلاثہ اور معاویہ کے دام میں پھنس گئے اور یہ نہ سمجھے کہ دین خداوندی کو ان باتوں سے جو کہ جاہلوں کی گھڑی ہوئی ہیں کیا علاقہ یہ فقط یاروں کی گھڑی ہوئی
باتیں ہیں نہ ابلیس اور اُسکے شاگرد ملعون ہوش یہ قواعد تسنن تصنیف ہوں اور عبداللہ بن سبا پر تو شیعہ لعنت کرتے ہیں **قال الشیخ الاشعری** بہرحال اس حیلہ اخیر
کا جواب بھی سُن لیجیے شاید خداوند کریم کسیکو ہدایت نصیب فرماوے مخدوم من اول تو یہ عذر روایات مذکورہ میں نظر غور پیش نہیں جاتا خاصکر پہلی دو روایات میں حضرت امام سجاد
زین العابدین رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام نے جو کچھ اصحاب کرام کی تعریف فرمائی تو عین مناجات خداوندی اور دعا کے وقت فرمائی ہی خدا سے کیا تقیہ پڑا تھا اگر کسی بنی آدم
سے کلام گفتگو ہوتی تو یہ بھی احتمال ہوتا کہ شاید طرفداران صحابہ میں سو ہوا اگر خدا پر بھی صحابہ کی طرفداری کی تہمت تھی تو سنیوں کے نیے نصیب کہ اُنکے پیشوا اُنکی خدا بھی طرفداری

کرتا تھا لیکن شیعوں کو اپنا فکر چاہیے معہذا حق مذہب سوا اسکے اور کسے کہیں ہیں کہ خدا انکی پشتی پر ہو سارا کلام اللہ اِنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اور اسی قسم کی آیات سے بھرا
ہے باقی خدا کی طرف یہ احتمال تو ہو ہی نہیں سکتا کہ خدا بھی اصحاب ثلاثہ سے ڈرتے تھا نعوذ باللہ منہا ہاں اگر شیعہ کہدیں تو کچھ نہیں کیونکہ ان کے عقاید کے موافق تو
حضرت علی کا تقیہ بھی کچھ اس سے کم نہیں شیر خدا صبری تھے باینہمہ اپنی موت اپنے اختیار میں چنانچہ کلینی نے اسبات کو ثابت ہی کیا ہے کہ اماموں کی موت انکے اختیار
میں ہے اور کلینی کیا سارے امامیہ اسپر متفق ہیں علم ماکان ومایکون جدا تھا اتنا یقینا بات تھے کہ فلانے وقت فلانے کے ہاتھ سے شہید ہونگا اس سے پہلے نہ اس سے پیچھے اور تمام عمر
اس طرح باسایش گزار دنگا باوجود کثرت انبوہ دشمناں میرا کوئی مزاحم حال یا درپے جان و مال نہوگا اور اگر ہوگا بھی تو میرا کچھ نقصان نہوگا پھر ان سب اختیارات اور علوم کے بعد
شجاعت تو ایسی کہ ہزار رستم بھی ہوں تو مان جائیں ابوبکر عمر تو کسکی گنتی ہیں اور کرامت سقدر کہ درۂ خیبر کو اٹھا کر پھینکدیا چہ جائیکہ ابو بکر اور عمر کی کیا حقیقت پھر باینہمہ ابوبکر
اور عمر سے ڈرتے کوئی انصاف کرکے بتلائے کہ یہ تقیہ خدا کے تقیہ سے کس بات میں کم ہے علاوہ بریں وقت تعریف مذکور ابوبکر عمر کا بجز نام کے نام و نشان باقی نرہا تھا اور
ظاہر ہے کہ مرے ہوؤں سے تو گیدڑ بھی نہیں ڈرتے شیر خدا پھر وہ بھی علی مرتضیٰ مرے ہوؤں سے ڈرے تو قیامت آگئی **اقول** حیلہ گر تو تو ہو اسکا کام تیرا سوا دروغ گوئی کچھ نہیں
ہے مولوی عبد العزیز صاحب کی پیروی سے تو طرح طرح کے اتہام شیعوں پر کرتا ہے اے اکذب الکاذبین یہ کس شیعہ نے لکھا ہے یا کہا ہے کہ حضرت سجاد نے تعریف جو صحابہ کی
کی ہے تقیہ سے کی ہے کسیکا تو نام لیا ہوتا یا تیرا کام سوائے دروغ اور کذب کے اور کچھ نہیں ہے اے دروغ گو تعریف صحابہ کی تو عین اعتقاد شیعوں کا ہے تقیہ کیسا تھا شیعوں کے نزدیک
تو صحابہ میں بعضے بعضے اولیا اکمل تھے اور شیخ صدوق علیہ الرحمۃ نے کتاب خصال میں حضرت صادق ع سے روایت کی ہے کہ اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بارہ ہزار آدمی
تھے آٹھ ہزار تو مدینہ میں سے اور دو ہزار مکہ میں سے اور دو ہزار آزاد کئے گئے آدمیوں میں سے نہ کوئی انمیں قدری تھا نہ مرجی تھا نہ حروری تھا نہ معتزلی تھا نہ صاحب رائے تھا روتے تھے
رات کو اور دن کو اور کہتے تھے کہ قبض کر تو ہماری روحوں کو پہلے اس سے کہ کھائیں ہم نان خمیر اور قاضی شوستری علیہ الرحمۃ نے مجالس المومنین میں ایک سو ستائیس اور روایات
صحابہ کے نام لکھے ہیں کہ جو شیعوں کے نزدیک ممدوحین میں سے ہیں سو حضرت سجاد نے جو اپنی مناجات میں صحابہ کا ذکر کیا وہ یہ صحابہ اخیار ہیں وہ لوگ کہ جو بسبب غصب کرنے حقوق
اور ایذا پہنچانے اہل بیت علیہم السلام کے اور انکی عداوت کے ایمان صحیح سے پھر گئے اور حضرت سجاد علیہ السلام نے کسیکا نام لیکر تعریف نہیں کی ہے بالاجمال ان صحابہ کا ذکر کیا ہے جنہوں
نے صحبت کو نیک طرح سے ادا کیا ہے جیسے کہ خدا تعالیٰ نے بالاجمال تعریف کی ہے اور حضرت سجاد کی تعریف خدائے تعالیٰ کی تعریف کرنے سے بڑھکر نہیں ہے جب آیتوں میں
کل صحابہ مراد نہوئے جیسا کہ ہم لکھ چکے تو روایتوں میں کل صحابہ کیونکر مراد ہونگے بلکہ صحابہ اخیار مراد ہونگے جو کہ تا دم مرگ اپنے ایمان صحیح پر باقی رہے سو ہم خود معتقد اسکے ہیں اور تقیہ
کی اسمیں کوئی صورت نہیں ہے اسمیں جو تقیہ کو شیعوں کی طرف منسوب کرتا ہے وہ سر بسر جھوٹ لکھتا ہے اور بعد اسکے جو اس نے تقیہ پر بنا کرکے لکھا ہے خدا سے تقیہ کرنا اور خدا کا
طرفدار اہل سنت کے بزرگوں اور پیشواؤں کا ہونا اور انکی پشتی پر ہونا اور خدا کا اصحاب ثلاثہ سے ڈرنا سب باطل ہے کہ حضرت سجاد کی مناجات کو کوئی شیعہ کہتا ہے نہیں ہے کہ یہ
مناجات تقیہ سے کی ہے اور حضرت علی کے تقیہ کا تو ہم اس سے پہلے بھی ذکر کر چکے ہیں اور اہل سنت کی کتابوں سے ثابت کر چکے ہیں کہ حضرت علی کسی سے ڈرتے نہ تھے اور نہ کسی آدمی
کا خوف انکو تھا اور ثلاثہ کی زمانہ میں جو بزور شمشیر خلافت کو غاصبوں کے ہاتھ سے چھینا نہیں ہے اور صبر کرکے بیٹھ رہے تو مسلمانوں کے مرتد ہوجانے کے خوف سے نہ کسیکے ڈر سے اور موت کے ائمہ علیہم السلام
کے اختیار میں ہونیکا بھی جواب ہم مفصل لکھ چکے کہ اختیار سے مراد یہ ہے کہ وہ موت کو اختیار اور پسند کرتے ہیں اگرچہ وہ نہیں جانتے لیکن یہ شخص ایک امر کو دس بارہ مرتبہ لکھتا ہے اور ہم کو
ہر بار جواب دینے کی احتیاج ہوتی ہے اور میں اب ان روایتوں کو لکھتا ہوں جنکی روسے یہ لکھتا ہے کہ انکو مرنے میں اختیار تھا اول حدیث تو یہ ہے کہ جعفر صادق نے فرمایا کہ ای امام
لا یعلم ما یصیبه والی ما یصیر فلیس ذلک بحجة اللہ یعنی جو امام کہ جانے کہ کیا پہنچتا ہے اسکو اور طرف کس چیز کے رجوع کریگا پس وہ حجت خدا کی خلقت پر نہیں ہے اور منتہا اس روایت کا یہ ہے
کہ امام کو خبر دیجاتی ہے کہ زہر سے شہید ہوگا یا شمشیر سے یا فلانی بلا تجھپر نازل ہوگی اور اسمیں کہاں ہے کہ موت امام کے اختیار میں ہوتی ہے اور دوسری روایت طولانی ہے اور حاصل اسکا بھی یہی ہے
کہ خدا تعالی امام کو خبر دیتا ہے مرنے کی اور اسمیں نہیں ہے کہ امام کو موت کا اختیار ہے اور تیسری روایت میں بھی یہی ہے کہ امام زین العابدین نے امام محمد باقر علیہ السلام سے فرمایا کہ آج کی شب میری
رحلت ہے دنیا سے کہ آج ہی کی شب جناب رسول خدا صلعم نے وفات پائی تھی اور چوتھی روایت میں یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ امیر المومنین علیہ السلام نے قاتل کو اور شب ضربت
کو اور موضع ضربت کو جانتے تھے اور اس روایت میں خیر کا لفظ آیا ہے یعنی اختیار دیا گیا ہے وفات میں اور زندہ رہنے میں سو انہوں نے وفات کو اختیار کیا اور خیر کے
یہ مراد نہیں ہے کہ انکو موت کا اختیار ہے اور اکثر نسخوں میں کافی کے خیر کی جگہ حین اور بعضی تحبین کے ختمنا کی اور دیگر ازان زندگانی دنیا سے ہے اور پانچویں روایت
میں یہ ہے کہ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ حق تعالیٰ شیعہ پر غضبناک ہوا اور شرح میں اس حدیث کی لکھا ہے کہ غضبناک ہوا مخالفت اور عدم اطاعت کی جہت سے
امام نے فرمایا کہ اختیار دیا مجھکو میرے اور انکے نفس کے درمیان میں سو میں نے بچا ان کی جان کو اور انکی حفاظت کے کہ اپنی شہادت کو وسیلہ شیعوں کی نجات کا کیا اور چھٹی روایت میں

یہ ہے کہ امام رضا علیہ السلام فرماتے ہیں کہ میں نے رسول خدا صلعم کو خواب میں دیکھا فرماتے ہیں کہ اے علی تیرے واسطے جو کچھ ہمارے پاس ہے بہتر ہے اور ساتویں حدیث یہ ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام
فرماتے ہیں کہ میں وقت وفات پدر عالیقدر اپنی کے موجود تھا مجھکو کچھ وصیتیں کیں اور فرمایا کہ اے فرزند کیا علی بن الحسین کو نہیں سنتا ہے کہ دیوار کے پیچھے سے آواز دیتا ہے کہ اے محمد جلدی آ
اور آٹھویں حدیث میں یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ امام حسین علیہ السلام کو اختیار دیا تھا کہ نصرت کو اختیار کریں یا ملاقات پروردگار کو انہوں نے ملاقات پروردگار اختیار کیا یہ ہیں کل حدیثیں جو
اس مقدمہ میں آئی ہیں لیکن کہیں نہیں ہے کہ انکو موت کا اختیار تھا یہ شخص مولوی عبدالعزیز صاحب کے پیروی سے بالکل جھوٹ لکھتا ہے مگر یہ بات ہے کہ اس باب کے عنوان میں لکھا ہے کہ
یعلمون متی یموتون وانہم لا یموتون الا باختیار ھم یعنی جانتے ہیں ائمہ علیہم السلام کہ کس وقت مرینگے وہ اور تحقیق کہ وہ نہیں مرتے ہیں مگر ساتھ پسند کرنے اپنی کے کہ موت کو
پسند کرتے ہیں سو اختیار ہم کے لفظ سے جو کہ عنوان میں ہے شاہ صاحب نے دھوکا کھایا ہے اور مراد کو سمجھے نہیں اور اس باب کی جسقدر حدیثیں ہیں اور ہم نے بیان کی ہیں خلاصے انکی
دیکھو کہ کہیں بھی یہ نہیں لکھا ہے کہ موت امام کے اختیار میں ہوتی ہے البتہ یہ بات ہے کہ مرنے سے پہلے انکو خدا تعالی خبر کر دیتا ہے اور اس کذاب دروغگو کے دروغ کو تو دیکھو کہ لکھتا ہے
کہ کلینی نے اس بات کو ثابت کیا ہے اور حال یہ ہے کہ کلینی نے جو روایتیں کہ ہم نے لکھی ہیں اس بات کے تحت میں انکو لکھدیا ہے اور ثابت کرنیکا تو کچھ ذکر ہی نہیں ہے اور پھر یہ دروغ دیکھو
کہ لکھتا ہے کہ کلینی کیا ساری امامیہ اسپر متفق ہیں ایسے جھوٹے پر آسمان بھی نہیں گرتا ہے سچ کہا ہے مرزا رفیع سودا نے کہ جس دل سے ہی باہر دین کے بوٹے نکلے ۔ سنیت خلق ساری جھوٹے
نکلے ۔ اصحاب ثلثہ کی محبت ہے یہانتک ۔ داڑھی بھی جو نکلی تو کھونٹی نکلی ۔ اور علم ماکان و مایکون کا جواب مفصل ہم لکھ چکے ہیں جا دیکھ لے کہ مراد ماکان کے علم سے یہ ہے کہ وہ قادر تھے
ہر ایک چیز کے علم پر کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے تو خدا تعالی انکو تعلیم کر دیتا تھا اور جس روایت میں امام نے فرمایا ہے کہ ہمکو علم ماکان و مایکون ہے تو مراد اس سے بھی یہی ہے اس واسطے کہ حضرت صادق
نے فرمایا ہے اذا اراد الامام ان یعلم شیئا اعلمہ اللہ ذلک اور یہ مراد نہیں ہے کہ بالفعل انکو سب حاضر ہو سب کچھ خدا کی ذات کو حاضر ہے اور آپکے مرنے کہ خدا تعالی کے آگاہ کر دینے سے البتہ جانتے تھے اور جو کچھ انپر واقع ہو اور ام
سے گذر چکا اور بعضے وقت مصلحت وقت سے احتیاج تقیہ کے ہوتی انکو بھی خدا کے آگاہ کرنے سے جانتے ہونگے سو کچھ بڑی بات نہیں ہے اہلسنت کے کتابوں میں تو بعضے بعضے جلاہو کو جنکو اولیاء اللہ کہتے ہیں لکھا ہے کہ ہر جانب کا حال انکو معلوم ہو جاتا ہے
شجاعت علی کی ایسی ہی تھی کہ ہزار رستم کی کچھ حقیقت انکے سامنے نہ تھی اور در خیبر کے اکھاڑ دینے میں کچھ شبہ نہیں اور ابوبکر اور عمر تو حضرت علی کے سامنے مثل چیونٹی اور مچھر کے تھے
ہرگز کبھی انسے ڈرے نہیں ہیں ابوبکر سے اور نہ عمر سے بلکہ مرتبہ عمر کو پکڑ کر اٹھا لیا اور کہا کہ اے ابن صہاک حبشیہ اگر وصیت رسول خدا صلعم کی نہوتی تو تیری ہڈیاں توڑ ڈالتا اور ثلثہ
کی مدح تقیہ سے ہمارے نزدیک ثابت نہیں ہے اور خلافت لینے میں تامل کیا تو لوگوں کی مرتد ہو جانیکے خوف سے چنانچہ ہم ابھی لکھ چکے ہیں اور حضرت علی نے کسیکی خوف سے ہرگز تقیہ
نہیں کیا ہے اور جو کسی امر میں خاموش ہو کر بیٹھ رہے تو مقتضائے مصلحت یہی تھا نہ خوف کسیکا اور ہمارے نزدیک ابوبکر اور عمر کی تعریف ہی ثابت نہیں ہے چنانچہ ہم لکھ چکے پھر تقیہ
کیا تھا اور فرض و تسلیم کرکے بھی ہم نے جواب دیدیا تھا کہ اسوقت لوگونکی برہم اور منتشر ہو جانیکا خیال تھا اسواسطے ان معتقدین ثلثہ کی تالیف کرتے تھے ثلثہ کی تعریف
کرکے اور ثلثہ اسوقت کہاں موجود تھے کہ انکا خوف ہوتا وہ تو اپنے مقر اصلی کو پہنچ گئے تھے صلح حدیبیہ میں جناب رسول خدا صلعم نے رسول اللہ کے لفظ کو کیوں مٹا دیا وہ تو ہر امر
میں حضرت علی سے زیادہ تھے علم میں اور شجاعت میں سب میں اور خود حضرت علی جو شیر خدا تھے وہ بھی حضرت کے ہمراہ تھے لیکن حضرت نے اس لقب کو کہ جسکے ذریعہ و واسطے سے ہدایت
کے آئے تھے اسکو مٹا دیا اور ایسے ڈر گئے کفار سے کہ طواف کعبہ سے محروم ہو کر واپس چلے گئے یہانتک کہ عمر نے رسول خدا صلعم کی نبوت میں شک کیا اور کہا کہ جیسا کہ میں نے آج شک کیا ایسا
پہلے نکیا تھا پھر کہاں گئی شجاعت رسول خدا اور علی مرتضی کی تیرے نزدیک کہ باوجود کثرت اصحاب کے حضرت نے تیرے نزدیک کفار سے ڈر کر صلح کر لی اور کون ضرورت تھی صلح کرنیکی سیدھی خانہ کعبہ کو چلی جاتی لیکن
تو نہیں جانتا ہے کہ ہر ایک امر کی ایک مصلحت ہوتی ہے اور جیسے کہ پیغمبر اپنی مصلحت کو جانتا ہے ایسے ہی امام اپنی مصلحت کو جانتا ہے اور تو اسکو خوف پر محمول کرتا ہے **قال الشیخ**
الاشعری خیر کہانتک کہیے مطلب اتنا ہے کہ دعا کے وقت کہ جو وقت مناجات عالم السر و الخفیات ہے اسوقت تقیہ ہونا ایسا ہی ہے جیسا کہ منافقین کا نماز پڑھنا بلکہ اس
سے بھی بڑھ کر منافق بندہ وہ ہوتا ہے کہ دنیا سے ہے اور در صورت تقیہ نعوذ باللہ حضرت امام سجاد دعا کو یہ نکتہ بھی تو ہم یقینا جانتے ہیں اور شیعہ بھی کتنے ہی نادان کیوں نہوں اس کے
خلاف نکہیں گے کہ حضرت امام کی عبادت کی رو سے ڈرتے تھے کسی سنی یا معتقد خلفا کی استرضا کا تو انکی عبادت میں احتمال ہی نہیں بجز اسکے کہ بخیال جانب داری خلفاء جو خدا سے ظہور
میں آئے یہ خیال میں ہو کہ ایسا ہو کہ خداوند کریم سب خلفا اور بے اعتقادی صحابہ سے اگرچہ حق ہی ہو ناراض ہو جائے نعوذ باللہ من ہذہ الخرافات جناب من ایسے محل میں تقیہ کا احتمال کرنا
جس پہلو پلٹ کر دیکھو دین کو برہم درہم کئے دیتا ہے یا خداوند کریم کیطرف تبرا عائد ہوگی تعالی اللہ عن ذلک علوا کبیرا یا ائمہ کیطرف نعوذ باللہ کثیرا بہر حال تقیہ کے پردہ میں دشمنان
اہل بیت ائمہ کو کیا کیا کچھ نہیں کہہ لیتے واقعی بہت خوب صورتی سے ہجو کرتے ہیں بھلا امام سجاد تو ستم دیدہ اور ظلم کشیدہ دشمنان سفاک تھے تو نہ وہ شجاعت تھی جو حضرت امیر میں تھی
نہ وہ کرامت تھی جو حضرت امیر میں تھی اگر انکے حق میں کوئی تقیہ کا دعوی کرے تو شاید کوئی بیوقوف ذی الجہل مان بھی جائے **اقول** ہم مفصل لکھ چکے کہ حضرت سجاد نے جو صحابہ کی تعریف
کی ہے یہ عین ایمان اور اعتقاد ہمارا ہے اور تقیہ کو اسمیں کچھ دخل نہیں ہے اور بیشک وہ ایسے ہی تھے لیکن جو لوگ کہ بسبب حب جاہ اور طمع ریاست و مال دنیا کے ایمان صحیح سے خارج ہو گئے وہ اس

مع سے مستثنے ہیں اسواسطے کہ صحابی کی تعریف میں ہے کہ صحبت رسول خدا صلعم کی پاکر ایمان پر مری او جس صورت میں کہ ہم حضرت سجاد کے تقیہ کی راہ سے دعا کرنیکے قائل نہیں ہیں اور تعریف کو انکی واقعی جانتے ہیں تو جو کچھ کہ اس دسوع نویس نے تقیہ پر بنا کر کے جھوٹ اور پوچ لکھا ہے سب باطل ہو گیا اور اب ہمیں اس کے قول کے ہر فقرہ کے رد کرنیکی احتیاج نہیں ہے

قال الشیخ الاشعری لیکن ستم تو یہ ہے کہ حضرت امیر کی نسبت باایں ہمہ زور شجاعت و باوجود دعوے علم و کرامت استمرار صحت سلامت کہ زمان خلفا ثلاثہ سے لیکر اپنی خلافت تک بے اندیشہ گزاری اپنی نیند سوئے اپنی بھوک کھایا یا یہ احتمال کیا جاتا کہ انہوں نے ایسے دس جھوٹ پر قسم کھائی کہ انکی بدولت آسمان گر جائے تو عجب نہیں اور زمین پھٹ جائے تو دور نہیں کجا یہ اوصاف جمیلہ کہ انگ بھگ انبیاء کے اوصاف اور لوازم کے ہیں کجا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کہ بزعم شیعہ ابلیس سے بھی بڑھکر کہ اُسکا تبرا مستحب بھی نہو اور انکا تبرا فرض بلکہ اُس سے بھی بڑھکر کہا جائے تو عجب نہیں کیونکہ موافق مَنْ جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا کے ایسے ویسے لوگوں کے فرضوں کا ثواب دس گنا ہو تو ہو اسلئے کہ اس آیت کے معنی یہ ہیں کہ جو ایک نیکی لیکر آئیگا تو اُسکو دہ چند ثواب ملیگا اور بعض شیخین اسقدر مقبول ہے کہ انکی کتابوں میں مرقوم ہے کہ ابوبکر صدیق اور عمر رضی اللہ عنہما پر ہر صبح لعنت کرنی ستر نیکیوں کے برابر ہے اور پھر طرفہ یہ ہے کہ ابلیس اور نمرود اور شداد اور فرعون اور ابوجہل اور امیہ بن خلف اور ابولہب وغیرہم دشمنان خدا اور رسول کا لعن اور تبرا ماشاء پھر نیکی کے برابر نہیں کسی نے ایسوں ہی کی تعریف میں کہا ہے ؎ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ بالجملہ ایسے لوگوں کی تعریف جو ابلیس اور نمرود اور فرعون اور ابوجہل وغیرہم سے بھی بڑھکر ہو اور پھر تعریف بھی تھوڑی کہ دس بڑے بڑے کمالات تقسیم بیان کئے جائیں ایسے کاملوں سے جنکا نام حضرت علی شیر خدا جنکی اوصاف اوپر مذکور ہو چکی جبھی ہو سکتی ہے کہ کافر ہونیکے یہ معنی ہوں کہ بڑا ہی مطیع و فرمانبردار ہو سوا اگر کفر کے یہی معنی ہیں تو پھر کون مردود ہے برا ماننا ہی اپنی گالیاں تو شیعہ جتنی چاہیں دے لیں بجز تسلیم اس طرف سے انشاء اللہ جواب ہی نہو گا ؎ بدم گفتی و خورسندم عفاک اللہ نکو گفتی جواب تلخ مے زیبد لب لعل شکرخارا ✦ سبحان اللہ کس کس پیچ سے حضرات ائمہ کی معصومیت بلکہ بزرگی کو بٹا لگاتے ہیں خوارج سے شیعہ ہم جانیں کچھ دو انگشت زیادہ ہی ہونگے پر اتنا ہی غنیمہ سنوار کر جہاں بھی کرعیب لگاتے ہیں اور خوارج اناڑیوں کی طرح بے سوچے سمجھے گنوار کا لٹھ مار بیٹھے ہیں **اقول** حضرت امیر کی شجاعت اور علم میں کیا شبہ ہے کہ اپنا مثل نرکھتے تھے اور کسیکے خوف سے انہوں نے تقیہ بھی نہیں کیا چنانچہ پہلے اس سے ہم مفصل اہل سنت کی کتابوں سے لکھ چکے اور بے اندیشہ گزارنا اور اپنی نیند سونا جبھی نصیب ہوا ہے کہ مواقف وصیت رسول خدا صلعم کو صبر کرکے بیٹھ رہے اور اگر رسول خدا صلعم کی وصیت پر عمل نکرتے اور ذوالفقار میان سے باہر نکالتو کشتوں کے پشتے لگ جاتے اور پھر کفر ظہور میں آتا اور اسلام برہم ہو جاتا اور دس جھوٹ پر انہوں نے ہرگز قسم نہیں کھائی ہے کہ اسکو بھی ہم لکھ چکے اور آسمان تو اُسوقت گرے اور زمین اُسوقت پھٹے کہ جب انہوں نے جھوٹ بولا ہو اور ابوبکر کے حق میں وہ اوصاف بیان کئے ہوں ابوبکر کے حق میں تو انہوں نے فرمایا ہی نہیں ہے اور کیونکر ابوبکر یا عمر کے حق میں فرماتے کہ انکو تو دخائن اور کاذب اور غادر اور آثم جانتے تھے جو کہ اوصاف منافقین کے ہیں چنانچہ خطبہ کے جواب رد میں فدک کے ذکر میں معلوم ہوگا اور خطبہ شقشقیہ میں تصریح انکی مذمت کرتے ہیں اور تاریخ الخلفاء اور صواعق محرقہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ انکو عبد الرحمن وغیرہ خلیفہ کرنے لگے اس شرط پر کہ ابوبکر اور عمر کی سیرت پر عمل کرو تو اسکو قبول نکیا اور سیرت کو انکی بدعت سمجھے تو کیونکر ہو سکتا ہے کہ وہ ان الفاظ سے انکی تعریف کریں کیا انکا نام خطبہ میں لکھا ہے کہ خواہ مخواہ انہی واسطے کہا جائے علی الخصوص جسوقت کہ خطبہ بلا خود ملا اہل سنت کی کتابوں سے اور مخالف ہو روایات تو یہ کتب فریقین کی اور ابلیس پر لعنت کرنیکی احتیاج کیا ہے کہ وہ تو پہلے ہی سے خدا کی زبان سے ملعون ہو رہا ہے اور ثلاثہ پر لعنت کرنا شیعوں کو حضرت علی ہی کی تعلیم کیا ہے چنانچہ ابن ابی الحدید کہ معتقد حقیقت خلافت ثلاثہ ہے شرح نہج البلاغت میں لکھتا ہے کہ یحییٰ بن سعید حنبلی نے نقل کی کہ میں حاضر تھا اسمعیل حنبلی کے پاس جو کہ پیشوا حنابلہ بغداد کا ہے اور ایک مرد کوفی کے ذمہ ایک حنبلی کا قرض تھا وہ حنبلی اسمعیل حنبلی کے پاس آیا تو اسمعیل نے اُس حنبلی سے پوچھا کہ تو نے اپنی مقروض کے باب میں کیا کیا اپنا قرض اُس سے لیا یا نہیں اُس نے کہا کہ میں بیزار ہوا اپنی قرض سے کہ بروز غدیر امیر المومنین علی کے قبر پر میں گیا تاکہ قرض اپنا اُس سے وصول کروں بڑی فضیحتیں ہاں دیکھیں اور اقوال شیعوں کے سُنے کہ علانیہ بیخوف و خطر خلفا ثلاثہ پر لعنت کرتے ہیں چنانچہ کہا میں قرض اپنا بھول گیا اسمعیل حنبلی نے کہا کہ واللہ یہ جرأت نہیں دلائی ہے انکو اور یہ راہ نہیں کھولی ہے واسطے انکے مگر صاحب قبر نے یعنی علی نے اور شیعوں کا اسمیں کیا گناہ ہے اُس حنبلی نے سنکر کہا کہ اگر علی حق پر تھا تو ابوبکر کو خلیفہ کیوں جانیں اور اگر باطل پر تھا تو اسکو امام کیوں سمجھیں اسمعیل حنبلی نے یہ بات سنی تو جوتیاں پہن کر چلا اور کہتا تھا کہ لعنت خدا کی ہو اسمعیل پر اگر جواب اس مسئلہ کا جانتا ہو اور نمرود اور شداد اور فرعون وغیرہ پہلی امتوں میں تھے اُنہوں نے اسلئے بہلو دیا مطلب اور ابوجہل اور ابولہب نے جو کچھ کیا اپنی جانوں کے ضرر کیواسطے کیا اور ابوبکر اور عمر نے تو اس امت مرحومہ میں خرابی ڈالی ہے کہ لوگوں کو گمراہ کیا ہے اور قیامت تک وہ گمراہی چلی جائیگی اسواسطے زیادہ مستحق تبرا کے ہیں ۔ مصرعہ بریں عقل و دانش بباید گریست۔ اشعریہ لاشعوریہ کی شان میں ہے کہ اچھوں اور بروں کو سب کو ایک قطار میں کھینچتے ہیں اور تمیز حق اور باطل کی نہیں کرتے اور یہ دس کے قائل ہیں اور دس بڑے بڑے کمالات حضرت علی شیر خدا نے قسم کھا کر ابوبکر یا عمر کے واسطے ہرگز نہیں فرمائے ہیں چنانچہ ہم لکھ چکے بھلا کون عقل کا اندھا کہیگا کہ کافروں کی حق میں ایسا فرمایا ہے ہاں اہل سنت کافروں کے حق میں ایسا کہتے ہیں جو کہ مطیع اور فرمانبردار خدا کے نہیں تھے اور شیعہ گالیاں تو کسیکو نہیں دیتے ہیں لیکن بددعا انکے حق میں کرتے ہیں جنہوں نے دین خدا میں خرابی ڈالی اور ائمہ معصومین سے جو کہ شیعوں کو اعتقاد ہے اور فضائل انکے بیان کرتے ہیں سب جانتے ہیں اور انکی تاریخ ولادت

خوشی کرتے ہیں وے انکی وفات کے روز خیرات کرتے ہیں اور ثواب اسکا انکی ارواح مقدسہ کو بخشتے ہیں اور انکے ناموں پر اپنی اولاد کا نام تبرکاً اور تیمناً رکھتے ہیں بخلاف ثلاثہ کے کہ علماء اہل سنت ہر چند انکو حمایت کرتے ہیں لیکن وہ میٹھے اور مٹھے ہی جلتے ہیں کہ نہ تو کوئی انکی تاریخ ولادت کو جانتا ہے اور نہ تاریخ وفات کو اور نہ کوئی انکی فاتحہ دلاتا ہے بلکہ عوام تو انکو جانتے بھی نہیں کہ وہ کون تھے اور نہ کوئی انکے نام پر نام رکھتا ہے ہزار آدمیوں میں شاید کسی کا نام ابوبکر یا عمر ہو اور ہر چند علماء اہل سنت اہل بیت کے مٹانے میں قصور نہیں کرتے لیکن خدا تعالیٰ انکو روشن ہی کرتا ہے کہ شیعہ و سنی میں انکا ہی شہرہ ہے اور محمد اور احمد اور علی اور حسن اور حسین کے نام پر نام رکھتے ہیں اور انکی مناقب میں لکھتے ہیں اور نہ تو کوئی ثلاثہ کے نام پر نام رکھتا ہے اور نہ کوئی انکی مناقب لکھتا ہے مگر بہایت شاذ و نادر اور خوارج اگر ہیں تو وہ تمہیں میں ہی ہیں کہ اہل سنت میں سے کوئی زیادہ عداوت اہل بیت سے رکھنے لگا وہ خارجی اور ناصبی ہوگیا **قال الشیخ الاشعری** القصہ یہ عذر پوچ عاقلوں کے سامنے کہ ائمہ معصومین اصحاب ثلاثہ یا اور مہاجرین و انصار کی تعریف بوجہ تقیہ کرتے تھے قطع نظر اسکے کہ عقل کے نزدیک یہ عذر لاطائل گوز شتر کی طرح بجتا ہے یوں بھی تو قابل تمسک نہیں کہ جن بزرگوں کی طرف تقیہ کی تہمت کرتے ہیں انہیں بزرگواروں کے افسانے جو انکی معتبر کتابوں میں منقول ہیں بآواز بلند تقیہ کی تکذیب کرتے ہیں ہرچند سب کا اس رسالہ میں درج کرنا ممکن نہیں لیکن مشتے نمونہ خروارے دو تین روایتیں جمع امام الائمہ حضرت امیر کے اظہار حق اور صدق حال پر دلالت کریں درج کی جاتی ہیں تا کہ بحکم متابعت بزرگان اوروں کی بزرگی اور خوبی بھی کذب و ریا سے پاک و صاف ہو جاوے اور معلوم ہو جائے کہ جب شمس الائمہ کا حال یہ ہے کہ تقیہ میں جو بفتوای شیعہ انبر منجملہ فرائض ہی تھا اسقدر تقصیر وار ہے اور احکام کا تو کیا ذکر تو اور ائمہ کا کیا حال ہوگا نہج البلاغت میں جو شیعوں کے نزدیک اصح الکتب اور متواتر ہے حضرت امیر رضی اللہ عنہ کا یہ قول تقیہ کے ابطال میں دلیل قوی اور برہان کامل ہے علامۃ الایمان ایثارک الصدق حیث یضرک علی الکذب حیث ینفعک یعنی ایمان کی نشانی یہ ہے کہ جہاں سچ بولنا ضرر کرتا ہو ایسی جگہ سچ بولنے کو مقدم رکھے جھوٹ بولنے پر جو نفع دیتا ہو اس روایت سے صاف نکلتا ہے کہ جو تقیہ کرے اسمیں ایمان نہیں کیونکہ علامت ایمان کی یہ ہے کہ جان و مال کا ضرر ہو جاوے پر جھوٹی بات زبان پر نہ لاوے **اقول** پہلی دلیلیں تقیہ کی اقوال علماء اہل سنت سے بیان کرتا ہوں کہ یہ شیخ نجدی تقیہ کے پیچھے بہت پڑا ہوا ہے تاکہ لوگوں کو اسکا واہی بکنا معلوم ہو جاوے اور بعد اسکے اسکے قول کا جواب لکھوں گا دلیل اول اللہ تعالیٰ فرماتا ہے لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ وَمَنْ يَفْعَلْ ذَٰلِكَ فَلَيْسَ مِنَ اللَّهِ فِي شَيْءٍ إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً یعنی نہ بناویں مومنین کافروں کو دوست سوائے مومنین کے اور جو کوئی کرے اسکو تو نہیں ہے خدا تعالیٰ سے کسی چیز میں مگر یہ کہ ڈرو تم ان کافروں سے ڈرنا تفسیر بیضاوی میں اسکی تفسیر میں لکھا ہے کہ کفار سے دوستی کرنی جائز نہیں ہے إِلَّا أَنْ تَتَّقُوا مِنْهُمْ تُقَاةً مگر یہ کہ خوف کرو تم انسے تو اسوقت تقیہ سے ظاہر میں دوستی کرو اور یعقوب قاری کو اسمیں لکھا ہے کہ اس نے تقاۃ کو تقیہ ہی پڑھا ہے اور بخاری نے کتاب الاکراہ میں تقاۃ کے معنی تقیہ کے لکھے ہیں اور فتح الباری میں بھی تقیہ لکھا ہے دلیل دوسری اللہ تعالیٰ فرماتا ہے مَنْ كَفَرَ بِاللَّهِ مِنْ بَعْدِ إِيمَانِهِ إِلَّا مَنْ أُكْرِهَ وَقَلْبُهُ مُطْمَئِنٌّ بِالْإِيمَانِ یعنی جو شخص کہ کفر کرے ساتھ خدا کے بعد ایمان کے مگر وہ شخص کہ جبر کیا جاوے اور دل اسکا مطمئن ہو ساتھ ایمان کے تفسیر بیضاوی میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ آیت حضرت عمار کے مقدمہ میں نازل ہوئی ہے کفار نے از راہ زبردستی عمار سے کفر کے کلمے کہلائے تو انہوں نے اپنی زبان سے سب کہے اور لوگوں نے رسول خدا صلعم سے کہا کہ عمار کافر ہوگیا اس نے کفر کی باتیں کہیں حضرت نے فرمایا کہ نہیں عمار سر سے پاؤں تک ایمان سے پر ہو رہا ہے اور عمار حضرت کے سامنے رونے لگے تو فرمایا کہ رو نہیں اگر تجھ سے پھر طلب کریں تو پھر کہہ اور ایسا ہی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے دلیل تیسری تفسیر بیضاوی میں آیت وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ کی تفسیر میں حضرت موسیٰ کو لکھا ہے کہ فانہ علیہ السلام کان یعاشرہم بالتقیۃ یعنی پس وہ موسیٰ تھا کہ زندگانی کرتا تھا انمیں ساتھ تقیہ کے دلیل چوتھی حق تعالیٰ فرماتا ہے کہ لَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ یعنی نہ ڈالو تم ہاتھوں اپنوں کو طرف ہلاکت کے اور ترک تقیہ بعض اوقات موجب قتل ہوتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ محل خوف ہلاکت میں تقیہ واجب ہے دلیل پانچویں کتب صحاح میں لکھا ہے کہ رسول خدا صلعم نے عائشہ سے فرمایا کہ لولا قومک حدیثو عہد بالاسلام لہدمت الکعبۃ ولبنیتہا علی قواعد ابراہیم یعنی اگر نہ ہوتی قوم تیری نئی مسلمان تو ڈھاتا میں کعبہ کو اور بناتا میں اسکو بنیاد ابراہیم پر سو حضرت نے عائشہ کی قوم سے تقیہ کر کے کعبہ کو نہ ڈھایا دلیل چھٹی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا نے ابوذر سے فرمایا کہ کیف تصنع اذا اخرجت منہ قال اضرب بسیفی قال صلعم الا ادلک علی ما ہو خیر لک من ذلک واقرب رشدا تسمع وتطیع وتنساق لہم حیث ساقوک یعنی کیونکر کریگا تو جس وقت نکالا جاوے تو اس مسجد سے کہا کہ ماروں نگا میں اپنی تلوار سے فرمایا حضرت نے کہ خبردار ہو کہ رہنمائی کروں میں تجھکو اسپر کہ وہ بہتر ہے واسطے تیرے اس سے اور قریب تر رشد کے ہے کہ جو کہیں وہ سن تو اور فرمانبرداری کر تو اور کھینچ جا تو جدھر لے جاویں تجھکو کھینچیں کہ کار بند تقیہ کا ہوا اور جو کہیں وہ ظالم وہ ہی کہہ تو دلیل ساتویں صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم کبھی جھوٹ نہیں بولے مگر تین جھوٹ چنانچہ لکھا ہے کہ عن ابی ہریرۃ ان رسول اللہ صلعم قال لم یکذب ابراہیم النبی قط الا ثلث کذبات اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ فلم یصدر ذلک من ابراہیم یعنی اطلاق الکذب علی ذلک الا فی شدۃ الخوف لعلو مقامہ یعنی پس نہیں صادر ہوا وہ ابراہیم سے یعنی بولنا جھوٹ کا اسپر مگر شدت خوف میں واسطے بلند ہونے مقام انکے کے اور قاضی نے شرح شفا میں لکھا ہے کہ قال تقیۃ خشیۃ ان یقتلہ یعنی کہا از روے تقیہ اور خوف کے اس سے کہ قتل کرے اور یہ حضرت ابراہیم کی زوجہ کے مقدمہ میں ہے کہ اسکو اپنی خواہر کہا تھا بعد اگر زوجہ کہتا تو وہ قتل کرتا

دلیل آٹھویں تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ زینب دختر رسول خدا صلعم مسلمان ہو گئی تھی اور شوہر اُسکا ابو العاص کافر تھا اُنمیں مفارقت نکروا سکے اور عائشہ سے روایت لکھی ہے کہ قالت کان الاسلام فرق بین زینب وابی العاص الا ان رسول اللہ صلعم لا یقدر ان یفرق بینہما وکان مغلوبا بمکہ یعنی کہا عائشہ نے کہ تہا اسلام کر جدائی ڈالی تھی اُس نے درمیان زینب و ابو العاص کے مگر رسول خدا صلعم قادر نہ تھے کہ جدائی کردیں اُن دونوں میں وہ تھے وہ مغلوب مکہ میں دلیل نویں فرایض شریفی میں اور احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ایجاد عول کا عمر نے اپنے زمانہ میں کیا تہا اور بعد فوت عمر کے ابن عباس کہتے تھے کہ عول تقسیم میراث میں جایز نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ تو نے عمر کے زمانہ میں کیوں منع کیا کہا کہ عمر کے خوف سے اور کتاب التحقیق شرح مختصر ابی محمد میں لکھا ہے کہ کبھی سکوت واسطے مہابت اور تقیہ کے بھی ہوتا ہے جیسے کہ ابن عباس نے سکوت کیا عول کے منع کرنے میں دلیل دسویں شاہ ولی اللہ پدر مولوی عبد العزیز نے ازالۃ الخفا میں لکھا ہے اور محمد بن اسحاق سے روایت کی ہے وہ کہتا ہے کہ میں نے امام محمد باقر سے خمس کے مقدمہ میں پوچھا تھا کہ کیا تھی رائے علی کی خمس میں یعنی ذوی القربی کے حصہ دینے میں فرمایا کہ جو رائے کہ انکے اہل بیت کی تھی کہ اُنکا حصہ دینا چاہیے وہ ہی رائے علی کی تھی لیکن خلاف رای ابو بکر اور عمر کے کرنا مکروہ جانا چنانچہ لکھا ہے کہ اخبرنی محمد بن اسحاق عن ابی جعفر قلت لہ ما کان رای علی فی الخمس قال کان رایہ رای اہل بیتہ ولکن کرہ ان یخالف ابا بکر وعمر اور ملا علی قاری نے بھی ایسی ہی روایت شرح مشکوۃ میں لکھی ہے اور آخر میں اُسکے لکھا ہے کہ امام محمد باقر نے جواب اُسکے میں قال کرہ واللہ ان یدعی علیہ بخلاف سیرۃ ابی بکر وعمر کہا کہ مکروہ جانا قسم ہے خدا کی اسکو کہ دعوی کیا جائے اُسپر ساتھ خلاف سیرت ابو بکر اور عمر کے حاصل اسکا یہ ہے کہ ابو بکر اور عمر نے خمس میں سے ذوی القربی کے حصہ کو برخلاف حکم رسول خدا صلعم کے منع کیا تھا اور حضرت علی جانتے تھے کہ حصہ ذوی القربی کا دینا واجب ہے لیکن اپنی خلافت کے زمانہ میں حصہ ذوی القربی کو دینا مکروہ جانا کہ ابو بکر اور عمر کی مخالفت ہوتی تھی اور اگر دیتے تو اکثر ہمراہی حضرت علی کے کہ اُنکے دلوں میں محبت ابو بکر اور عمر کی بھری ہوئی تھی دعوی کرتے کہ تو نے ابو بکر اور عمر کی سیرت کی مخالفت کی واسطے کی اُسکے تقیہ کیا اور وہ ہی کیا جو ابو بکر و عمر کرتے تھے دلیل گیارہویں فتاوی قاضی خاں میں لکھا ہے کہ ابراہیم خطبہ میں کلام کرتا تھا اُس سے پوچھا تو فقال انی صلیت الظہر فی داری ثم رحلت الی المسجد تقیۃ پس کہا کہ نماز ظہر پڑھی میں نے اپنے گھر میں پھر آیا میں مسجد میں تقیہ سے دلیل بارہویں جلال الدین سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مامون نے سات علما کو بلا کر قرآن کے مخلوق ہونے سے استفسار کیا تو تقیہ سے اُنہوں نے جواب دیا کہ قرآن مخلوق ہے چنانچہ لکھا ہے کہ وسبب اعلم انہم توقفوا وکانوا اجابوا تقیۃ اور امام احمد حنبل سے پوچھا تو یہ تو نہ کہہ سکے کہ مخلوق نہیں ہے لیکن اسقدر کہا کہ کلام خدا ہے نہ اسپر میں کچھ زیادہ کرتا ہوں اور نہ کم کرتا ہوں دلیل تیرہویں صحیح بخاری میں لکھا ہے قال الحسن التقیۃ الی یوم القیمۃ یعنی کہا حسن بصری نے کہ تقیہ قیامت تک ہے دلیل چودھویں تفسیر کبیر میں لکھا ہے التقیۃ جائزۃ لصون النفس وہل تجوز لصون المال یحتمل ان یکون الحکم فیہا بالجواز لقولہ علیہ السلام حرمۃ مال المومن کحرمۃ دمہ یعنی تقیہ جائز ہے واسطے نگاہ رکھنے نفس کے اور آیا جائز ہے واسطے نگاہ رکھنے مال کے احتمال رکھتا ہے کہ ہووے حکم اسمیں ساتھ جواز کے واسطے فرمانے رسول خدا صلعم کے کہ حرمت مال مومن کی مثل حرمت خون اُسکے کے ہے دلیل پندرھویں فتاوای قاضی خاں میں لکھا ہے کہ ایک مرد کو ایک امیر طلب کرے تاکہ پوچھے اُس سے کئی چیزوں کو اگر کلام کرے وہ موافق شرع کے کہ پہنچے اُس کو اُس سے کوئی مکروہ سزاوار نہیں ہے اُس کو کہ مخالف حق کے کلام کرے ہذا اذا کان لایخاف القتل علی نفسہ ولا اتلاف عضو ولا یخاف علی مالہ فان خاف ذلک فانہ لا باس یعنی یہ مخالف حق کے کلام نکرنا اُسوقت ہے جسوقت کہ نہ خوف کرے قتل کا اپنے نفس پر اور نہ تلف ہونے عضو کا اور نہ خوف کرے اپنے مال کا پس اگر خوف کرے اسکا تو نہیں ڈر ہے خلاف حق کے کلام کرنے میں دلیل سولہویں شرح اشباہ ونظایر حموی میں عینی شرح صحیح بخاری کا حوالہ دیکر لکھا ہے باب شراء المملوک میں حربی سے ظالموں سے چھڑانے کے حیلوں میں اذا علم انہ لا یتخلص الا بالکذب جاز لہ الکذب الصریح وقد یجب فی بعض الصور بالاتفاق لکونہ ینجی نبیا او ولیا ممن یرید قتلہ او لنجاۃ المسلمین من عدوہم یعنی جسوقت جانے کہ تحقیق نہیں چھوٹتا ہے مگر ساتھ جھوٹ کے تو جایز ہے کذب صریح اور کبھی واجب ہوتا ہے بعضے صورتوں میں بالاتفاق کہ نجات دیوے نبی کو یا ولی کو اُس شخص سے کہ ارادہ کرے اُسکے قتل کا یا واسطے نجات دینے مسلمانوں کے دشمن اُنکے سے دلیل سترھویں شرح اشباہ ونظایر میں لکھا ہے فی مجمع الفتاوی ان الکذب مباح لاحیاء حقہ ولدفع الظلم عن نفسہ یعنی مجمع الفتاوی میں لکھا ہے کہ تحقیق جھوٹ بولنا مباح ہوتا ہے واسطے زندہ کرنے حق اپنے کے اور دور کرنے ظلم کے اپنے نفس سے دلیل اٹھارہویں تفسیر کبیر میں تفسیر آیہ اَلْيَوْمَ يَئِسَ الَّذِينَ كَفَرُوا مِن دِينِكُمْ میں لکھا ہے کہ قال قوم الایۃ دالۃ علی ان التقیۃ جائزۃ عند الخوف یعنی کہا قوم نے کہ آیہ دلالت کرنیوالی ہے اس امر پر کہ تقیہ جایز ہے وقت خوف کے اور تفسیر کبیر میں آیہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ کی تفسیر میں ایک طولانی عبارت لکھی ہے اور اُسمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا جاری کرنا کلمہ کفر کا جائز رکھا ہے ۔ یہاں سے تقیہ انبیاء کا ظاہر ہو گیا دلیل اُنیسویں تاریخ صغیر بخاری سے بعضے علماء اہل سنت نقل کرتے ہیں کہ جابر بن سمرہ نے کہا کہ ما ابالی لو بایعتہ یعنی المختار مائۃ مرۃ انما البیعۃ بالقلب یعنی نہیں پرواہ کرتا ہوں میں اگر بیعت کروں میں اُسکو یعنی مختار کو سو مرتبہ سوائے اسکے نہیں کہ بیعت ساتھ دل کے ہے سو بیعت حضرت علی کی بھی خلفاء ثلاثہ سے ظاہر میں تھی اور دل سے نہ تھی چنانچہ اوپر اس سے معلوم ہوتا ہے دلیل بیسویں جناب رسول خدا صلعم جبتک مکہ معظمہ میں رہے بیت اللہ کا طواف کیا کرتے تھے اور اصحاب بھی طواف کیا کرتے تھے اور بیت اللہ میں بت رکھے ہوئے تھے ہر چند نیت بتوں کی طرف کی نہوتی تھی بلکہ بیت اللہ کی ہوتی تھی لیکن بیت کے طواف کیسے ہمراہ بتوں کا

بھی طواف ہوتا تھا وہ ایسا ہی جیسے کفار ہنود طواف کرتے ہیں بتوں کا اور پہاڑوں کا اور جناب رسول خدا صلعم اور مسلمان خلوت میں تو بتوں کو برا کہتے تھے لیکن یہ مقدور کسی کا نہ تھا کہ کسی
بت کی انگلی کو توڑے یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے یہ مبیّن وجوہ تقیہ کی میں نے لکھی ہیں اور سوا اسکے اور بہت کثرت سے دلیلیں ہیں اور اس سے زیادہ تفصیل جناب مفتی محمد قلی خاں صاحب
علیہ الرحمۃ کے رسالہ تقیہ میں ہے اور اصحاب ثلاثہ کی تعریف اماموں نے ہرگز نہیں کی ہے اور اگر واسطے مصلحت کے دشمنوں کے شر سے محفوظ رہنے کے واسطے کسی مرید ثلاثہ کے روبرو
کچھ کہا تو تعریف نہیں ہے ایسا تو جناب رسول خدا صلعم بھی شریر کی زبان سے محفوظ رہنے کے واسطے منہ پر تو اسکو اچھا کہتے تھے اور پیٹھ پیچھے اسکو برا کہتے تھے چنانچہ مشکوۃ میں لکھا ہے
اور عائشہ سے مروی ہے کہ ایک مرد نے رسول خدا صلعم سے اذن چاہا حضرت کے پاس جانیکا فرمایا کہ اذن دو اسکو بد ہے یہ آدمی اپنی قوم میں اور جب حضرت کے پاس آکر بیٹھا تو حضرت بہت
کشادہ پیشانی اور انبساط اور شگفتگی روئی سے پیش آئے جب وہ چلا گیا تو عائشہ نے اسکی وجہ پوچھی کہ اسکی غیبت میں تو آپنے اسکو برا کہا اور بعد بروئے اسکے شگفتگی چہرہ سے پیش آئے
فرمایا کہ بدتر آدمیوں کا وہ ہے کہ ترک کریں اسکو لوگ بسبب خوف شر اسکے کے اور یہ حدیث متفق علیہ بخاری اور مسلم کی ہے اور عبارت مشکوۃ کی یہ ہے عن عائشۃ ان رجلا
استاذن علی النبی صلعم فقال ائذنوا له فبئس اخو العشيرة فلما جلس تطلق النبی صلعم فی وجهه وانبسط اليه فلما انطلق الرجل قالت عائشة يا رسول الله صلعم
قلت له كذا وكذا ثم تطلقت فی وجهه وانبسطت اليه فقال رسول الله صلعم متی عهدتنی فحاشا ان شر الناس عند الله منزلة القيمة من تركه الناس اتقاء شره
اور شیعہ ائمہ معصومین پر تہمت نہیں کرتے ہیں تقیہ کی بلکہ حقیقت میں وہ تقیہ کرتے تھے اور اہل سنت کی کتابوں سے ہم تقیہ کو ثابت کر چکے یہاں تک کہ انبیاء کے تقیہ کو بھی اور تقیہ
کی تکذیب کی کوئی روایت نہیں ہے اور یہ روایت جو حضرت علی سے صدق کی مدح میں لکھی ہے یہ روایت تقیہ کو باطل نہیں کرتی ہے یہ حال غیر محل تقیہ کا ہے اور مراد ضرر اور نفع سے
ضرر اور نفع مال دنیا کا ہے کہ اسکے واسطے سچ ہی بولنا چاہیے گو ضرر اپنے مال کا ہو اور جھوٹ نہ بولنا چاہیے گو فائدہ ہوتا ہو وہ مطلق راست اور دروغ اور ہم اہل سنت کی کتابوں سے واسطے
حفاظت نفس کے بلکہ واسطے حفاظت مال کی جواز دروغگوئی کا لکھ چکے ہیں اور یہ ایسا ہی جیسے کہ کوئی کہے کہ جہاد کرنا جائز نہیں ہے اسواسطے کہ خدا تعالی فرماتا ہے ولا تلقوا بايديكم الی التهلكة
سو جیسی کہ آیت کی تخصیص ہوئی ہے ایسے ہی اس روایت کی بھی تخصیص ہو گئی ہے کہ حضرت علی فرماتے ہیں لا دین لمن لا تقیۃ له یعنی نہیں دین ہے واسطے اس شخص کے کہ نہیں تقیہ واسطے اسکے چنانچہ فردوس دیلمی میں ہے
سو اس روایت سے مطلق صدق اور کذب اور ہر موقع میں مراد نہیں ہے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم تین جھوٹ بولے تیرے اعتقاد کے موافق چاہیے کہ حضرت ابراہیم میں علامت ایمان نہ ہو پس معلوم ہوا کہ مراد صدق اور کذب سے
حضرت علی کے قول میں واسطے ضرر اور نفع مال دنیا کے ہے اور اسی الکذب لکاذب میں اس روایت میں کہاں ہے کہ جو تقیہ کرے تو اسمیں ایمان نہیں اسمیں تو صدق کی تعریف اور جھوٹ کی مذمت ہے اور جان و مال کے ضرر کا اسمیں ذکر کہاں ہے
اسمیں البتہ مراد ضرر اور نفع دنیا ہے نہ ضرر اور نفع جان کا اور اگر یہی مراد ہو تو بڑی قباحت لازم آتی ہے اور ایمان کی ایک علامت کے نہ ہونے سے آدمی کافر نہیں ہو جاتا ہے چنانچہ معلوم ہوگا اور تقیہ تو حضرت ابراہیم اور حضرت علی اور جناب رسول خدا
اور علماء اہل سنت کا سب کا ہم تیری کتابوں سے لکھ چکے ان لوگوں نے جو تقیہ کیا تو معلوم ہوا کہ تیرے نزدیک انمیں سے کسی میں ایمان نہ تھا اور جب تیرا یہ اعتقاد ہوا تو تیرا کافر ہونے میں کوئی شبہ نہ رہا اور علامتیں ایمان کی حدیث میں ایک تلاوت قرآن کی
ایمان کی علامتوں میں سے ہے اگر کوئی تلاوت قرآن نہ کرے تو چاہیے کہ وہ مومن نہ ہو اور جھوٹ بولنے سے آدمی ایمان سے نہیں نکل جاتا البتہ گنہگار ہوگا اسکو شیعہ سنی جانتے ہیں اور کاذب حضرت علی ابوبکر اور عمر کو بھی جانتے تھے چنانچہ مسلم میں
لکھا ہے کہ عمر نے علی اور عباس سے کہا کہ ابوبکر کو تم نے کاذب آثم غادر خائن جانا پس جب جھوٹا مومن نہیں ہوتا ہے تو معلوم ہوا کہ حضرت علی کے نزدیک ابوبکر و عمر دونوں ایمان سے خارج تھے قال الشیخ الاشعری یہ روایت بھی نہج البلاغہ کی ہے قال امیر المومنین
انی والله لو لقيتهم واحدا وهم طلاع الارض كلها ما باليت ولا استوحشت وانی من ضلالهم الذی هم فيه والهدی الذی انا عليه لعلی بصيرة من نفسی ويقين من ربی وانی الی لقاء
الله لحسن ثوابه لمنتظر راج مطلب یہ ہے کہ حضرت امیر المومنین علی رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں بیشک قسم اللہ کی اگر انسے تن تنہا مقابل ہوں اور وہ تمام زمین کو گھیرے
ہوں تو میں ہرگز کچھ پروا نکروں اور نہ گھبراؤں اور مجھے انکی گمراہی اور اپنی ہدایت کا عیاں ہے اور رب کا خدا داد یقین ہے اور میں خدا کے ملنے یعنی مرنے اور اسکے ثواب کی انتظار و
امید میں ہوں سو غور کرنا چاہیے جو شخص تنہا اتنے دشمنوں سے بھی نہ ڈرے جو تمام روے زمین کو ڈھک لیں اور ڈرنا تو درکنار پروا اور گھبراہٹ تک نہ ہو بلکہ مرنے اور جنت کے مشتاق ہوں
ایسے لوگوں سے تقیہ ہو سکے کیا معنی ایسے لوگ بھی اگر ڈرنے لگیں تو قیامت آگئی معہذا تقیہ بے خوف کے تو ہوتا ہی نہیں اگر مرجانے کا خوف ہے تو وہ اماموں کو ہوتا ہی نہیں کیونکہ اول
تو انکی موت انکے اختیار میں ہے چنانچہ کلینی نے اس مسئلہ کو ثابت کیا ہے اور تمام امامیہ کا اسپر اتفاق ہے پھر وہ کسی سے کیا ڈریں اور کیوں ڈریں دوسرے علم وقائع گزشتہ و وقائع
آئندہ سب انکو مستحضر خود اپنے مرنیکا حال اور کیفیت تفصیل و تشریح معلوم ہوتی ہے اسوقت سے پہلے ڈر ہو ہی نہیں سکتا اور اگر خوف مال یا آبرو یا دلگوئی خلائق کا اندیشہ یا کسی قسم کی
تکلیف کا خوف ہے تو انبیاء اور ائمہ کا کام یہی ہے کہ تکلیفیں اٹھایا کریں اور تحمل کیا کریں اور دشمنوں کی قوت اور شوکت اور اپنی بے کسی اور بے بسی پر لحاظ نکریں اور یہی وجہ ہے کہ حضرت ابراہیم
نمرود سے نہ چھپے اور آگ میں گرنا قبول کیا اور حضرت موسی فرعون سے نہ ڈرے اور آخر نوبت جلاوطن ہونے کی پہنچی حضرت نوح علیہ السلام نے نو سے برس تک کیا کیا مصیبتیں اٹھائیں شیعوں
نے بھی سنی ہونگی حضرت یحیی اور حضرت زکریا کا مقتول ہونا شہرۂ آفاق ہے حضرات شیعہ بھی انصاف کر کے فرمائیں کہ انکے مقتول ہونیکا باعث سوا کلمۃ الحق اور حق گوئی کے اور کیا
تھا عزت چھوڑ یہاں تو جان پر کھیل گئے حضرت امیر جو انبیاء سے افضل نہیں تو مساوات میں تو شیعوں کے نزدیک کلام ہی نہیں ہے آبرو تک کا خدا سے دریغ کریں اور خود خلف رشید

حضرت امیر رضی اللہ عنہ و سید الشہدا و شہید کربلا رضی اللہ عنہ جان نازنین کو نثار راہ خدا کر گئے اگر تقیہ سنت حضرت علیؑ بلکہ فرض خط خدی تھا تو اس سے زیادہ اور کونسا موقع تقیہ کا ہوگا کہ
تیس ہزار فوج جرار برسر کارزار زن و فرزند ہمراہ ننگ و ناموس کا اندیشہ نہ کھانا نہ دانہ نہ پانی کا سامان نہ آڑ کے لیے کوئی مکان اور اس طرف سے فقط اتنی طلبگاری کہ بیعت یزید قبول کرلو
پھر جہاں جی چاہے چلے جاؤ بڑے حیف کی بات ہے کہ جان و مال سب برباد کیے زن و فرزند پر جو کچھ گزری سب جانتے ہیں پھر تسبیح خانہ ہوا تو یوں ہوا کہ فرض منعترض معمول اہل بیت پر عمل کیا
بیگناہ ہونکو مفت سے مظلمہ میں گرفتار کرا انکا وبال نعوذ باللہ اپنی گردن پر لیا نعوذ باللہ اگر یہی تقیہ ہے تو ہم جانتے ہیں کہ یہ دوست بہ از ہزار دشمن نسبت حضرت سید الشہدا نعوذ باللہ عقیدہ خسر الدنیا والآخرہ رکھتے ہیں بعد کربلا
الفاظ کو کتنی ہو سچی ڈرتا ہے مگر خداوند عالم الغیب والشہادۃ خوب جانتا ہے کہ میں تقیہ سے نہیں کہتا کہ یہ بدبخت و کذب بدولت حضرات دعویان دروغ فرقہ سے شیعہ ہو رہ یہ خیال کیا ہے غلامان اہلبیت ان حضرات کو اکابر اولیا اللہ و عمدہ صحابہ
اور مخلصین و غلام حسینی اور زبدہ متقین و سرحلقہ محبوبین سمجھتا ہے جانتا ہوں کلام جو بطور شیعہ دعوی دروغ ہوا **اقول** واقعی حضرت علی ایسی ہی تھے جیسے کہ اس روایت میں فرمایا ہے اور شجاعت انکی مشہور و معروف ہے
اور وہ ایسے تھے کہ تن تنہا کفایت کرتے تھے اور ترقی اسلام اور کثرت مسلمانوں کی انکے ہی تصدق سے ہوئی ہے کہ بضرب ذو الفقار صفیں کفار کی الٹ دیں اور تقیہ انہوں نے کسی کے
ڈر اور خوف سے نہیں کیا ہے کیا طاقت تھی کسیکی جو کوئی انکے آنکھ ملا سکتا۔ سو انہوں نے تقیہ نہ تو اپنی جان کے خوف سے کیا نہ مال کے خوف سے نہ آبرو اور نہ ہر گونہ خلائق کے
خوف سے نہ اپنی تکلیف کے خوف سے بلکہ اسلام کے فاسد ہو جانے اور لوگوں کے مرتد اور ہلاک ہو جانیکے خوف سے صبر کرکے بیٹھ رہے چنانچہ پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ استیعاب میں تو یہ لکھا ہے کہ حضرت
علیؑ نے فرمایا کہ خلافت حق میرا ہے اور لوگوں نے ہمارے غیر کو خلیفہ کر دیا اور اگر میں چاہتا تو متغیر کر دیتا لیکن اسلام کے ہلاک ہو جانے اور کفر کے عود کرنیکے خوف سے صبر کرکے بیٹھ رہا اور
لسان المیزان اور کتب دارقطنی میں لکھا ہے اور عقیلی سے روایت ہے کہ حضرت علی نے فرمایا کہ تینوں خلفاء کے زمانہ میں خلافت حق میرا ہی تھا لیکن میں نے دیکھا کہ اگر میں اب کچھ
کرتا ہوں تو لوگ مرتد ہو جائینگے اور بعضا بعضے کی گردن تلوار سے ماریگا اس سبب سے میں خاموش ہو بیٹھا اور اطاعت میں نے منظور کی اور روضۃ الاحباب میں لکھا ہے کہ حضرت علی نے فرمایا
کہ سلامتی مسلمانوں کی اسی میں ہے کہ میں تسلیم کروں اور اطاعت منظور کروں اگرچہ حیف میری ذات پر ہے سو واسطے حضرت علی صبر کرکے بیٹھ رہے اور کسی کے ڈر سے تقیہ نہیں کیا ہے اور رسول خدا
صلعم کی وصیت بھی صبر کرنیکی چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے چنانچہ پہلے اس سے ہم سب کچھ لکھ چکے ہیں اور موت کے اختیار میں ہونیکا بھی ہم جواب لکھ چکے کسی روایت سے
کلینی کی یہ ثابت نہیں ہے کہ موت انکے اختیار میں تھی ورنہ کلینی نے اسکو ثابت کیا ہے اور نہ امامیہ کا اسپر اتفاق ہے تو بالکل جھوٹ لکھتا ہے اور علم ما کان و ما یکون کا بھی ہم جواب مفصل
لکھ چکے کہ جس چیز کا علم وہ چاہتے تھے تو خدا تعالی انکو تعلیم کر دیتا تھا اس طرح سے انکو علم ما کان و ما یکون کا تھا نہ اس طرح سے کہ ہر چیز کا علم انکو ایسا ہو کہ جیسے خدا تعالی کو ہے اور انبیاء
علیہم السلام کو تقیہ کرنا ہمارے نزدیک جائز نہیں ہے اگر وہ تقیہ کریں تو فائدہ بعثت کا عبث ہو جائے اور احکام شرع کے خلقت کو کیونکر پہنچیں مگر جسوقت کہ تقیہ وصول حق کو مانع نہ ہو اور
اگر پہنچانا کسی حکم کا امام پر منحصر ہو تو اسمیں اسکو بھی تقیہ نہیں چاہیے اور اگر حضرت نوح اور ابراہیم و موسیٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام نے تکلیفیں اٹھائیں تو جواز تقیہ کو مانع نہیں ہے
اور حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ علیہما السلام کا تقیہ تو اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لم
یکذب ابراھیم النبی قط الا ثلث کذبات اور بعد اسکے کذبوں کی تفصیل لکھی ہے اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے و علی کل تقدیر فلم یصدر ذلک من
ابراھیم یعنی اطلاق الکذب علی ذلک الا فی شدۃ الخوف لعلو مقامہ اور بعد اسکے لکھا ہے اگرچہ کذب فی نفسہ قبیح ہے لیکن کبھی حسن بھی ہوتا ہے اور حضرت موسیٰ کے حال میں
تفسیر بیضاوی میں تفسیر میں آیہ وَلَبِثْتَ فِينَا مِنْ عُمُرِكَ سِنِينَ کے لکھا ہے کہ فانہ علیہ السلام کان یداریھم بالتقیۃ اور خدا تعالی انکے قول کو بیان فرماتا ہے
وَاِنِّي قَتَلْتُ نَفْسًا فَاَخَافُ اَنْ يَقْتُلُونِ اور فرماتا ہے فَخَرَجَ مِنْهَا خَائِفًا يَتَرَقَّبُ اور حضرت زکریا اور یحییٰ وغیرہ انبیاء علیہم السلام کو ہم لکھ چکے کہ انپر تقیہ تھا اور حضرت جرجیس پر تو ہزارہا
مصائب و آلام گزرے ہیں لیکن علت مذکورہ کی جہت سے انپر بھی تقیہ تھا اور امام بادی احکام شرع نہیں ہوتا ہے بلکہ جاری کرنیوالا ان احکام کا ہوتا ہے جو کہ پیغمبر نے پہنچائے
ہیں اسواسطے انکو تقیہ کرنا جائز بلکہ بعضی صورت میں واجب ہے اور اگر امام ہی کی جہت سے علم حاصل ہوتا ہے تو انکو بھی تقیہ کرنا جائز نہیں ہے اور امام حسین علیہ السلام کو جو لکھا ہے کہ انہوں
نے تقیہ نہیں کیا اسکی وجہ یہ ہے کہ ہمارے نزدیک معلق اور سب حالات میں تقیہ نہیں ہے اور حضرت امام حسین کو کئی ہزار خطوط کوفیان غدار نے لکھے اور بڑی مضبوط عہد کیے اور معاملے
امام حجت کے کوفہ کو روانہ ہوئے اور احکام خدا ظاہر پر محمول ہوتے ہیں اور جسوقت انکی بیوفائی ظاہر ہوئی تو ارادہ پھر جانیکا کیا اور چاہا کہ مدینہ یا کسی اور طرف کو چلا جاؤں تو حر ریاحی
سد راہ ہوئے اور فوج یزید کثرت سے آپہنچی بجز لڑائی کے چارہ نہ دیکھا اور بیعت یزید کی اسواسطے اختیار نہ کی کہ بیعت واسطے محافظت جان کی ہوتی ہے اور حضرت امام حسین کو قرائن سے معلوم
ہو گیا تھا کہ بیعت کا ایک بہانہ ہے اور یہ اپنے غدر سے باز نہ آئینگے کہ حضرت امام حسن نے باوجودیکہ معاویہ سے بیعت کرلی تھی اور خلافت سے دست بردار ہو کر معاویہ کے سپرد خلافت کر دیا تھا اور پھر
معاویہ نے انکو زہر دلوایا اور جب وفات کی حضرت امام حسن کے خبر سنی تو تکبیر کہی اور سجدہ کیا جیسا کہ اہل سنت کی کتب تواریخ میں لکھا ہے اور علماء امت سے بھی ظاہر ہو گیا تھا پھر
کسواسطے اس فاسق کی بیعت کرتے کہ جہاں آتش در کار یہ خود تھا کہ بیعت سے کچھ فائدہ نہ ہوتا اور ایسے فاسق شراب خوار کی بیعت کرکے اسلام کو بٹا لگاتے اور بیشک بیعت کا یہ بہانہ تھا اور

مدنظر یزید کو کینہ کشی اور عداوت کا ظاہر کرنا تھا اگر حضرت امام حسینؑ کے ذمہ صرف بیعت نہ کرنے کا گناہ تھا تو انکو تو قتل کر ڈالا تھا اور عوض بھی لے لیا تھا لیکن انکی حرم محترم اور جناب سرور کائنات صلعم کی نواسیوں کا کیا قصور تھا کہ انکا ہتک کیا اور سربرہنہ بازاروں میں اور شہروں میں پھرایا اور یزید نے اپنے دربار عام میں ان پردگیان عصمت اور طہارت کو سینکڑوں اہل دربار کے سامنے سربرہنہ کھڑا کیا کہ اپنے ہاتھوں کو مونہوں پر رکھے ہوئے تھیں اور بال سروں کے بکھرے ہوئے تھے اور وہ چہرہ نورانی انکے غبار صحرا سے اٹے ہوئے تھے اور امام علیہ السلام کی نعش مبارک کو تو بے گور و کفن صحرا میں ڈالدیا اور گھوڑے اسپر دوڑا کر ہڈیوں کا چورا کر دیا اور سر مبارک انکا نیزہ پر چڑھا کر شہر شہر پھرایا اور یزید نے اپنے دربار میں سر مبارک کو طلب کر کے دہن مبارک کو چھڑی سے کھولا اور دانتوں پر لگاتا تھا اور ایسے ظلم کئے کہ آجتک کسی نے کسی پر ایسے ظلم نہیں کئے یہ کیا سزا بیعت کی نکرنے کی تھی یا عداوت دیرینہ تھی اور اشعار یزید کے مشہور و معروف ہیں کہ انمیں لکھا ہے کہ کہاں ہیں وہ اشیاخ مقتولان بدر و احد کہ میں نے انکے قاتل کی اولاد سے کیسا انتقام لیا ہے جب ایسا حال تھا اور حضرت امام حسینؑ پر بعضی وجوہ سے بیعت کا عبث ہونا واضح ہوگیا تھا تو وہ کیونکر بیعت کرتے اب تجھ کو بنظر غور تامل کرنا چاہئے کہ یہ فرض معترض معمول بہ اہلبیت تھا اور بصفت مظلومی میں گرفتار ہوئے مظلومی میں تو اسوقت گرفتار ہوتے کہ ایسے فاسق متظاہر الفسق کے ہاتھ پر بیعت کرتے اور جب وہ ایسے کی ہاتھ پر بیعت کرتے تو وہ سند ہوجاتی لوگوں کو اور اسلام میں فسق و فجور پھیل جاتا اور ایسے بدکار کافر کے ہاتھ پر بیعت نہ کرنے سے جو مقتول ہوگئے تو درجات عالیات کو پہنچے اور اسی جگہ سے ہے کہ خواجہ معین الدین چشتی نے فرمایا ہے ع سر داد نداد دست در دست یزید ؛ حقا کہ بنای لا الہ است حسینؑ + اور دوستی ہماری جیسی انکی ساتھ ہے تمام عالم جانتا ہے اور علامت دوستی کی یہ ہے کہ دوست کے کہنے پر چلے اور اسکی پیروی کرے اب منصف فرمائیں کہ پیروی انکی شیعہ کرتے ہیں یا سنی اور تجھ کو انکی مذمت کرنی منظور ہے اس پیرایہ میں لکھی ہے اور جو کچھ تو عذر کرتا ہے اور اپنے تئیں دوستداران و غلامان اہل بیت میں سے کہتا ہے یہ دروغ اور تیرا فریب ہے اور دل میں تیرے جو محبت ثلاثہ کی پلائی گئی ہے تو ہرگز تو اہل بیت کا دوست نہیں ہو سکتا اور تو فریبی ہے۔ یہاں تو کہتا ہے کہ میں غلامان اہل بیت میں سے ہوں اور بعد اسکے فدک کی دعوی میں فاطمہ زہرا علیہا السلام کو جنکی شان میں آیہ تطہیر نازل ہوئی ہے خاطی لکھتا ہے ایک شخص فاسق کے مقابلہ میں اور اسکی طرف احتمال خطا کو روا نہیں کہتا ہے سو تیرا غلامان اہل بیت میں سے اپنے تئیں کہنا بالکل غلط ہے بلکہ غلامان خلفاء ثلاثہ اور معاویہ و عمرو عاص میں سے کہنا چاہئے اور شیعوں کی دوستی اہل بیت سے دروغ ہونی تو محال ہے کہ دوستی اہل بیت کی شیعہ کے مذہب کی حقیقت میں اصل ہے سنی جو دعوی اہل بیت کی دوستی کا کرتے ہیں جھوٹے ہیں مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی جب یہ لکھا کہ شیعوں کی مدح میں حدیثیں منقول ہوئی ہیں تو جھوٹا دعوی کر کے لکھا کہ شیعہ ہم ہیں بھلا کہیں سیاہی بھی سفیدی ہو سکتی ہے **قال الشیخ الاشعری** تیسری روایت راوندی کہ کہ مقتدائے شیعہ و شارح نہج البلاغت ہے کتاب خرائج الجرائح میں سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت کرتا ہے ان علیا بلغه عن عمر انه ذکر شیعته فاستقبله فی بعض طرقات بساتین المدینة وفی ید علی قوس فقال یا عمر بلغنی عنك ذکرك شیعتی فقال اربع علی صلعتك فقال انك لههنا ثم رمی بالقوس علی الارض فاذا هی ثعبان کالبعیر فاغر فاه وقد اقبل نحو عمر لیبلعه فقال عمر الله الله یا ابا الحسن لا عدت بعدها فی شیء وجعل یتضرع الیه فضرب یده الی الثعبان فعادت القوس کما کانت فمضی عمر الی بیته۔ روایت بہت بڑی ہے کہاں تک نقل کروں اتنے الفاظ بھی بہت ہیں پر حاصل معنی اسکا بیان کئے دیتا ہوں حضرت سلمان فارسیؓ کہتے ہیں کہ حضرت علی کو یوں خبر پہنچی تھی کہ عمر کچھ شیعہ علی کو برا کہتے ہیں سو اتفاقا سے بعضے مدینہ کے باغوں کی راہ میں انکے سامنے آگئے حضرت علی نے فرمایا اے عمر مجھے یوں خبر پہنچی ہے کہ تو میرے شیعہ کو برا کہتا ہے عمر نے کہا میاں اپنی خیر مناؤ حضرت علی نے فرمایا تم اتنے ہوگئے پھر کمان کو جو زمین پر ڈالا تو ایک اژدہا تھا اونٹ کے برابر منہ کھولے ہوئے حضرت عمر کی طرف نگلنے کے ارادہ دوڑا عمر نے کہا خدا کے واسطے خدا کے واسطے اے ابو الحسن پھر ایسی بات نکہونگا اور لگے گڑگڑانے حضرت علی نے اس اژدہا کی طرف جو ہاتھ لگایا پھر وہی کمان کی کمان ہوگئی خیر عمر اپنے گھر چلے گئے اس روایت کو دیکھیو تو تقیہ کی گردن ہی توڑ دی خلیفوں اور اصحاب میں بڑی دھوم دھام حضرت عمر ہی کی تھی اور سنی بھی انہیں کی شوکت و دبدبہ کو بہت زبان پر لایا کرتے ہیں سو جب انکا یہ حال ہو کہ ایک کرشمہ سے انکو ڈرا دیا اور وہ بیچارے تو فقط اشارے کے تھے اس سے صاف معلوم ہوا کہ حضرت امیر کا سکوت جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے افعال اور حرکات پر تھا یہاں تک کہ غصب فدک دیکھا کئے اپنی بیٹی کا نکاح ان سے کر دیا اور ان سے بیعت کر لی اور ان کے پیچھے نمازیں پڑھتے تھے یہ سب بوجہ سہانیت تھا نہ بوجہ تقیہ ورنہ ایسی اور قدرت اور اس کرامت کا آدمی اور کون تھا جو ان سے اندیشہ یا ہراس ہوتا اور اگر بالفرض نہ زور اور بل وہ یہ قدرت خداداد کسی میں ہوتی بھی تب غصب دختر طاہرہ مطہرہ تو ہرگز گوارا نہوتا اہل ہند جو تمام ولایتوں کی لوگوں کے نامردہ پن میں امام ہیں انمیں کا بھنگی اور چمار بھی اس سہولت سے بیٹی نہیں دیدیتا جس طرح حضرت امیر نے اپنی دختر مطہرہ کو حضرت عمر کے حوالہ کر دیا اب بھی دیکھتے رہئے اور سماعیہ اودی بھی بہر صاحبزادیں بھی ایک وہ تھی کہ جنہوں نے تیس ہزار فوج جرار کا مقابلہ کیا حالانکہ وہ زمانہ ضعیفی اور تحمل کا تھا اور بہن کے نکاح کے وقت عین شباب تھا اور تسپر تماشہ یہ ہے کہ ہنگامہ کربلا میں جب دشمنان سفاک نے حرم محترم اور زنان اہل بیت کی طرف جانیکا ارادہ کیا تو کیا کچھ غضب اور جوش آیا انکو کو تو شہادت نامہ کربلا ازبر ہی ہوگا لکھنے کی کیا حاجت بالجملہ روایات شیعہ خود تقیہ کے جڑ اکھاڑتی ہیں فقط سنیوں ہی کا قصور نہیں اور اب آگے اور لکھنا ہمیں ضرور نہیں کہ بحمد اللہ

ہٹا ڈالنا منصف کو یہ بھی بہت ہے **اقول** اگر یہ روایت معتبر ہے تو کیا مضایقہ ہے خدا تعالی نے انکو سب طرح کی کمالات بخشی تھے لیکن اس واسطے تقیہ کر دن نہیں توڑی
اور نہ اسکو باطل کیا ہے کہ تقیہ اُنہوں نے کسیکے خوف سے اور کسی آدمی کے ڈر سے کر نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے بلکہ موافق وصیت رسول خدا صلعم کی اور لوگوں کے مرتد ہو جانیکے
اندیشہ سے اور وہ غاصبان حقوق سے ڈرے ہوئے اور ڈرے ہوئے نہتے اور یہ بھی ایک کرشمہ تھا کہ جو دکھلا دیا تاکہ معلوم ہو کہ انہیں سب طرح کی قدرت ہے اور خاموشی کسی مصلحت سے ہو رہی ہیں بلکہ
ایکمرتبہ عمر کو پکڑ کر اٹھا لیا اور کہا کہ ای پسر صہاک حبشیہ تیرا کیا مقدور ہے کہ جو تو مجھہ سے اسطرح سے پیش آتا اگر وصیت رسول خدا صلعم کے مجھکو نہوتی تو تیری ہڈیاں توڑ ڈالتا اور اگر ابوبکر اور عمر کے افعال
اور حرکات پر سکوت تھا تو اُسی مصلحت مذکورہ کی جہت سے تھا اور امر اہم تو خلافت تھی کہ مدار ہدایت و ضلالت کا اُسپر تھا جب اُسپر ہی صبر کیا تو فدک تو فوائد دنیا میں سے تھا سو اُسمیں ابوبکر اور عمر کو
کاذب اور خائن اور غادر اور آثم جانتی ہی تھی اور شرکت عمر کی کیا تھی اور کیا وہم دہام انکی اصحاب میں تھی بلکہ بڑی بد مزاج اور فظ غلیظ تھے اور اسیواسطے لوگ انکی خلافت کو قبول نہیں
کرتے تھے اور ابوبکر سے کہتے تھے کہ تو کیا کہیگا اپنے پروردگار سے جس وقت کہ وہ تجھہ سے عمر کے خلیفہ کرنیکو پوچھیگا چنانچہ ریاض النضرۃ میں لکھا ہے کہ دخل ناس من الصحابة فدخلوا علی ابی بکر
لما هم ما استخلاف عمر فقال له القائل منهم ما انت قائل لربك اذا سألك عن استخلافك عمر علينا وقد ترى غلظته اور اُس قائل کو تاریخ خمیس میں لکھا ہے کہ طلحہ اور زبیر تھے
اور کنز العمال میں لکھا ہے کہ وہ علی مرتضے اور طلحہ تھے اور اسکی قریب ترمذی اور مستدرک میں لکھا ہے سو لوگ انکی بدمزاجی سے ڈرتے تھے اور انکی فظ غلیظ ہونیکی وہم دہام تھی اور ترمذی میں
لکھا ہے کہ لوگوں نے کہا اگر تو ایسے فظ غلیظ کو خلیفہ کریگا تو وہ فظ اور غلیظ ہو جائیگا اور نکاح اپنی بیٹی کا عمر سے حضرت علی نے ہرگز نہیں کیا ہے بلکہ وہ ابوبکر کے بیٹے تھے اسماء کے شکم سے اور اگر
بالفرض بیعت بھی کی ہے تو اُسی مصلحت سے اور اگر نماز انکے پیچھے پڑہے تو اُسی مصلحت سے اور صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ جناب رسول خدا صلعم نے حذیفہ سے فرمایا کہ بعد میرے امام اور پیشوا ہونگے
کہ میری سنت اور ہدایت پر نہونگے حذیفہ نے پوچھا کہ پھر میں کیا کروں فرمایا کہ اطاعت انکی کر اگرچہ مال تیرا لوٹا جائے اور پشت تیری زخمی کیجائے اور ہدایہ میں لکھا ہے کہ ویجوز تقلید
القضاء من السلطان الجائر کما یجوز من العادل لان الصحابة تقلدوہ من معاویة وکان الحق بید علی اور بوجہ حقانیت انمیں سے کوئی بہی مرتہا اور اگر تقیہ تھا تو اُس مصلحت سے تھا نہ کسی آدمی کے ڈر سے
اور زور اور قدرت اگرچہ سب کچھہ تھا لیکن معاذ اللہ قدرت کے صرف کرنیکا حکم نتھا اور غضب انکی دختر کا تو وقوع ہی میں نہیں آیا اور یہ بہی تیری ہی کتاب فتح الباری میں لکھا ہے کہ علی کو
مضطر کر کے انکی دختر سے نکاح کیا اور بعد اسکے ہم مفصل انشاء اللہ تعالی خلط کے جواب کے رد میں لکھینگے اور ہمارے یہاں جو غصب لکھا ہے تو وہ اُسے کلثوم دختر اسماء کے مقابلہ میں لکھا
ہے کہ وہ بہی علی کی دختر کہلاتی تھی چنانچہ معلوم ہوگا اور زوجہ عمر دختر فاطمہ زہرا ہرگز نتھی سو سطے کہ روضۃ الاحباب میں لکھا ہے اور مولوی عبد العزیز صاحب تحفہ میں لکھتے ہیں
کہ زید بیٹا عمر کا کسی خانہ جنگی میں مارا گیا اور اُسی روز اسکی ماں کا انتقال ہوا دونوں کے جنازہ پر امام حسین نے اور ابن عمر نے نماز پڑہی سو وہ دختر فاطمہ خواہر امام حسین کیونکر
ہو سکتی ہے کہ جو ام کلثوم کہ خواہر امام حسین تھی وہ تو کربلا میں اپنے بہائی کے ہمراہ تھی اور امام حسین کے بعد مدت تک زندہ رہی اور انکے حال کے مرثیہ کہے اور دختر ابوبکر کا نام
ایک جو تھا تو اتحاد نام کی جہت سے اور اس جہت سے کہ وہ بہی حضرت علی ہی کے گہر میں تھی اور انکی دختر کہلاتی تھی کہ انکی زوجہ کی بیٹی تھی لوگوں نے واسطے فضیلت عمر کے
دختر فاطمہ زہرا مقرر کر دی اور بہت سی روایتیں اس مقدمہ میں وضع کیں اور غضب کا ظاہر ہونا تو تیری روایت سے بہی ثابت ہے سو تجھکو بہی کہہ سکتے ہیں کہ علی نے باوجود اس
شجاعت کے کہ بہنگی اور بیچارہ بہی اس بغیرتی کو گوارا کیا مضطر اور ناچار ہو کر اپنی دختر عمر کو دی مگر فرق اسقدر ہے کہ تم فاطمہ زہرا کی دختر کو کہتے ہو اور ہم اسماء کی دختر کو کہتے ہیں
اور حضرت علی کے نطفہ سے تو وہ تہی ہی نہیں ہمارے نزدیک تاکہ طعن اسکا ہمپر وارد ہو کہ آپ ہی دیکھتے رہے اور صاحبزادی بہی دیکھتے رہی اور دو نو میں ایک تو وہ تہی کہ جسنے تیس
ہزار کا مقابلہ کیا تھا اور مفصل اسکا جواب انشاء اللہ تعالی بعد اسکے آئیگا اور تقیہ کی خبر کسی روایت سے نہیں اُٹھا دی ہے اور تقیہ ثابت ہے فریقین کی کتابوں سے اور سنی خود
روایتیں تقیہ کرنیکی لکھتے ہیں کئی روایتیں پہلے اس سے انکی کتابوں سے ہم لکھ چکے ہیں اور جو کچھہ تو نے لکھا ہے ہمنے اسکو باطل کر دیا ہے **قال الشیخ الاشعری**
مگر بنظر اتمام حجت اور مزید توضیح یوں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عقل اور نقل اور عرف سے بہی اس بات میں استفتا کیجے تاکہ شیعوں کی آنکھیں تو کہلیں کہ ہم کس خواب خرگوش میں ہو
رہیں جناب من عقل کی رو سے دیکھئے تو پیغمبروں اور اماموں کا تقیہ ایسا ہی ہے جیسے کسی معلم کو لڑکوں کے پڑہانے اور تادیب کی نوکر رکھا جائے اور وہ معلم تعلیم و تادیب در کنار
انہیں لڑکوں کے ہمرنگ ہو کر گیند بلا یا گلی ڈنڈا کہیلنے لگے اور پیغمبروں اور اماموں کے لئے خدا کی طرف سے تقیہ کا فرض ہونا ایسا ہی ہے اور جیسا معلم اور مودب اہل کتب حکم دے
کہ پڑہائی پر جائیے کہ تمہاری اور لڑکوں کی سونہہ سے کوئی لفظ نکل لے خبردار اسکو نہ کرنا اور اُنکی تادیب میں تقصیر نہو لیکن جس طرح سے لڑکے چاہیں سر مو اُس میں تفاوت نہو
نہ انکو ڈرائیو نہ مارئیو نہ اپنی طرف سے کچھہ کہیو بلکہ وہ کہیلیں تو انکے ساتھہ کہیلنے لگو اب اہل انصاف فرمائیں کہ یہہ بات کچھہ عقل کی ہے اور اسمیں اور پیغمبروں اور اماموں کے
تقیہ میں کیا فرق ہے اور پہر تقیہ بہی اتنا کچھہ کہ دین برباد ہو گیا تمام امت محمدی گمراہ ہو گئی تبرا اپنا ننگ و ناموس جاتا رہا پر چاہئے زبان سے کلمۃ الحق نکلا اسکی نوبت نہ آئی
کہل کہیلنا تو کجا اور پہر باینہمہ حضرات شیعہ معتقد اس بات کے ہیں کہ دین شیعہ عین مطابق عقل ہے اور کیونکر نہ ہو خدا وند کریم تو انکے اعتقادات کے بالہمہ خداوندی
اور احکم الحاکمین ہونیکی محکوم عقل ہے اور عقل کی اطاعت اُسکے ذمہ فرض ہے واہ سبحان اللہ کیا خدا کی قدر دانی ہے جب خدا کے ساتھہ یہہ معاملہ ہے تو کسیکا کیا شکایت اول

خداکو محکوم بنایا اور اُسکے احکم الحاکمین ہونے سے جو کلام اللہ میں بعینہ انہیں الفاظ سے مذکور ہے ہاتھ اُٹھایا دوسرا ایسا خلاف عقل حکم اُسکے نام لگایا کہ جس سے بزعم خود نعوذ باللہ
خداکو گنہگار اور تارک فرض ٹھیرایا تعالی اللہ عن ہذہ العیوب علوا کبیرا **اقول** تو کیا حجت تمام کریگا تیری سب حجت باطل ہے اور عقل کے اور نقل کے اور عرف کے سب کی رو سے
محافظت جان کی واجب ہے اور یہی تقیہ ہے اور خواب خرگوش میں تم مدہوش ہو کہ تمہاری کتابوں میں سے تقیہ کرنا ثابت ہے اور پھر تم انکار کرتے ہو اور پیغمبروں پر تو ہم تقیہ کہتے ہی نہیں ہیں
مگر تمہاری کتابوں سے پیغمبروں کا بھی تقیہ کرنا ثابت ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور امام پر بھی تقیہ اُسوقت ہے کہ جسوقت ساری احکام لوگوں کو پہنچ گئی ہوں اور امام سے کسی حکم کے حاصل کرنیکی
احتیاج نرہی ہو اور بعضا حکم ایسا ہو کہ وہ امام ہی کی جہت سے حاصل ہوتا ہے تو اُسمیں امام کو بھی تقیہ نہیں چاہیے اس صورت میں مثال تیری معلم کی اور لڑکونکی باطل ہوئی کہ یہاں
یہ صورت ہے نہیں ہے یہ تو جب ہو کہ جسوقت سارے احکام تقیہ کی راہ سے خلاف حق کے لوگوں کو پہنچائے یا بعضے احکام کہ جو وہ نہیں پہنچے ہیں اور امام ہی کی جہت سے وہ پہنچ سکتے ہیں اُن احکام
کو تقیہ سے خلاف حق کے بیان کرے سو ایسا نہیں ہو سکتا کہ اُن احکام میں ہمارے نزدیک امام پر تقیہ نہیں ہے اور اگر تقیہ ہے تو اُن احکام میں ہے کہ جو پہلے پہنچ لیے ہیں اور اب واسطے محافظت جان اپنی کے محافظت
وصی دشمن کی بیان کریں سو تقیہ اور ہی اور مثال معلم اور لڑکوں کی اور ہے اور مثال معلم اور لڑکونکی تو البتہ عقل کی بات نہیں ہے لیکن تقیہ موافق عقل کے ہے اور اگر تقیہ تھا تو بعضے امور
میں ہوا ہے نہ کل شرایع دین میں تاکہ دین برباد ہو گیا ہو اور دیکھ لے باوجود تقیہ بعض امور کے دین حق جو ہے وہ چلا آتا ہے اور برباد ہو گیا مذہب اہل سنت کا ابو حنیفہ کی پیروی میں
کہ جسکو امام غزالی منخول میں لکھتے ہیں کہ وہ گمراہ تھا اور لکھا ہے کہ ابو حنیفہ نے شریعت کو منقلب کر دیا اور اولٹ پلٹ دیا اور تاریخ بغداد میں لکھا ہے ابو حنیفہ کو کہ ایسے خلقت اشر کوئی پیدا نہیں
ہوئی اور ننگ و نام جناب رسول خدا صلعم کا تمنے باقی نہیں رکھا ہے کہ اُنکی زوجہ عایشہ کو تہمت زنا کی لگائی چنانچہ سورہ نور کی تفسیر میں موجود ہے اور رسول خدا صلعم پر تہمت کی کہ وہ اپنی
زوجہ عایشہ کو حبشی مردوں نامحرموں سنڈے مردوں کا ناچ دکھانے کو لیگئے اپنے کاندہے پر سوار کرکے اور کلمہ حق ہمارے اماموں سے ہمیشہ نکلتا رہا ہے جسکا یہ بیان ہے کہ جو ہماری
کتابوں میں موجود ہے اور بعضے وقت اگر خوف سے دشمنان دین کے واسطے حفاظت جان و آبرو کے تقیہ کیا تو وہ کلمہ حق کا مضر نہیں ہے کہ کلمہ حق پہلے ہی سے معلوم ہے اور
اگر جناب رسول خدا صلعم اکثر کلمات ہدایت بیان کرتے تھے تو بعضے وقت یہ بھی کہتے تھے کہ لکم دینکم ولی دین اور حال یہ ہے کہ انکی تھی اُنکے دین کے مٹانیکو اور جبتک مکہ معظمہ
میں رہے کہل کھیلنا نصیب ہی نہوا اور کفار کے خوف سے نماز کو پوشیدہ خانہ ارقم میں پڑھا کرتے چنانچہ انسان العیون میں لکھا ہے اور تاریخ خمیس میں معالم التنزیل سے
لکھا ہے کہ ولما اکثروا انواع الاذی من المشرکین استتر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ مع اصحابہ فی دار الارقم یعنی اور جسوقت بہت ہوئے انواع اذیت
مشرکوں سے تو مخفی ہوئے رسول خدا صلعم مع اصحاب اپنے کے خانہ ارقم میں اور کھل کھیلنا تو کہاں اور جب روپوش ہو گئے تو اظہار حق علانیہ کہاں باقی رہا اور یہی مواہب
لدنیہ میں اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ جبتک آیت فاصدع بما تومر نازل نہیں ہوئی تھی تو پوشیدہ رہتے تھے اور تفسیر کبیر کی یہ عبارت ہے قالوا وما زال النبی مستخفیا
حتی نزلت ہذہ الایۃ اور دین شیعہ کے مطابق عقل ہونے میں کیا شبہ ہے لیکن تو جسطرح سے بیان کرتا ہے وہ بات ہی نہیں ہے اور خدا تعالی کو محکوم عقل کون کہتا ہے بلکہ
یہ کہتے ہیں کہ واجب ہے کہ خدا ایسا ہو اور ہم جسطرح سے کہتے ہیں تم بھی اُسی طرح درست جانتے ہو گو زبان سے نکہو ہم کہتے ہیں کہ خدا تعالی پر ایفای وعدہ واجب ہے کہ عقل
یہی تقاضا کرتی ہے اور جو نہیں تو خدا تعالی کی ذات پر کذب لازم آئے اور عقل حکم کرتی ہے کہ افعال خدا تعالی کے مطابق اُسکے علم کے صادر ہوں ورنہ جہل خدا تعالی کا
لازم آئے سو ہماری عقل یہ تجویز کرتی ہے اور انحراف اس سے تم بھی نہیں کر سکتے ہو اسمیں محکوم ہونا عقل کا کیا ہوا کیا ہماری عقل کے حکم کرنے سے وہ ایسا ہے اور اسمیں عقل
کی طاعت سے کیا واسطہ ہے کہ وہ ہماری عقل کے تجویز کا مکلف ہے کہ ہماری عقل کی تجویز کی پیروی کرے بلکہ وہ تو ایسا ہی ہے فی نفسہ نہ کہ ہماری عقل کے حکم کرنے سے اور ہماری
عقل نے اُسکو محکوم نہیں بنایا ہے اور فی نفسہ ایسا ہی ہے لیکن ہماری عقل یہی حکم کرتی ہے کہ وہ ایسا ہی ہو اور جو کچھ حکم لگایا ہے وہ موافق عقل کے ہے خلاف عقل نہیں ہے
اور گنہگار ہونا تو اُسوقت لازم آئے کہ وہ تارک ہو سکا ہو ترک تو اُسکا اُس سے ممکن ہی نہیں ہے جیسے کہ علم اور قدرت کا منفک ہونا خدا تعالی سے ممکن نہیں ہے لیکن اسکو
اپنے مذہب کی خبر ہی نہیں ہے امام رازی تفسیر کبیر میں آیت یا اہل الکتاب قد جاءکم رسولنا کی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ وجب علی کرمہ ورحمتہ ان یبعث الرسل
الیہم لیکن یہ فرقہ اشعریہ لاشعوریہ عقل سے جو بہرہ نہیں رکھتے ہیں ان باریکیوں کو نہیں پہنچتے ہیں اور بے شعوری کی سی باتیں کرتے ہیں ہم کہتے ہیں کہ واجب ہے
خدا تعالی پر کہ انبیاء علیہم السلام وغیرہم بندگان صالحین کو کہ طرفۃ العین جنہوں نے گناہ نکیا ہو بہشت میں داخل کرے اور یہ کہتے ہیں کہ اختیار ہے چاہے دوزخ
میں ڈالدے اور اُس وجوب کی لم کو تو سمجھتے نہیں ہیں کہ اُسکے ترک میں کیا قباحت ہے اور بسبب بے وقوفی کے کہنے لگتے ہیں کہ خدا کو محکوم عقل کا ٹھیرایا اور اُسکے ذمہ
فرض کیا بھلا ہمارے فرض کرنے سے فرض ہوتا ہے ہماری عقل تو تجویز کرتی ہے **قال الشیخ الاشعری** اور از روی نقل تقیہ کا حال پوچھیے تو پھر سیکڑوں آیتیں
ایسی تقیہ کی برائی پر جیسے حضرات شیعہ آپ کرتے ہیں اور اماموں کے ذمہ لگاتے ہیں دلالت کرتے ہیں بلکہ اُلٹے تقیہ نکرنیکی خوبیاں کلام اللہ سے جتنی چاہو

نکالن تو یہانتک کہ جان کے جانیکے وقت بھی تقیہ کرنے کی بیہودگی کلام اللہ سے ثابت ہوتی ہے کلام اللہ کوئی عنقا چیز نہیں جو تمہیں اگر شیعوں کو بوجہ یاد نہو تو
کلام اللہ کے میری طرح جعل کا احتمال ہو تو مطابق کر دیکھیں کہ کلام اللہ میں سورہ بقر میں دوسری سیپارہ میں نصف سے کچھ بعد یہ آیت ہے اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا
الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۤءُ وَالضَّرَّاۤءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝
یعنی کیا تمکو اے مسلمانوں یہ گمان ہوگا کہ تم جنت میں یونہی چلے جاؤ اور تمپر وہ حالت نگذری ہو جو پہلوں پر گزری کہ انکو شدت کا خوف اور تکلیفیں پیش آئیں
اور جھڑ جھڑائے گئے یہانتک کہ رسول اور جو اسکے ساتھ ایمان دار تھے گھبرا کر یوں کہنے لگے کہ خدا کی مدد کب ہوگی سو خبردار ہو اللہ کی مدد قریب لگی ہوئی ہے اور اس
آیت کو بھی دیکھیں سورہ آل عمران چوتھے سیپارہ میں ما بین ربع اور نصف کے یہ آیت ہے وَكَاَيِّنْ مِّنْ نَّبِيٍّ قٰتَلَ مَعَهٗ رِبِّيُّوْنَ كَثِيْرٌ فَمَا وَهَنُوْا لِمَاۤ اَصَابَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ
اللّٰهِ وَمَا ضَعُفُوْا وَمَا اسْتَكَانُوْا وَاللّٰهُ يُحِبُّ الصّٰبِرِيْنَ یعنی بہت سے نبی ہوئے ہیں جسکی ساتھ میں ہو کر بہت اللہ والے دشمنوں سے لڑے ہیں سو جہادوں میں
جو انکو غم انکو پیش آئیں تو ان تکلیفوں کے سبب وہ کچھ ڈھیلے ہوئے نہ سست ہوئے نہ کفار کچھ دب نکلے اور اللہ صابروں سے محبت رکھی ہے ان دونوں آیتوں کو خدارا بنظر غور
اور چشم انصاف دیکھئے اور بے روئی ریا فرمائیے کہ مرضی جناب باری کس طرف ہے درصورتیکہ عوام مومنین کے حق میں یوں کہا جائے تو امام اور پیغمبر ہیں وہ تو دین کی باتوں میں عوام سے بھی ہلکے
ہوتے ہیں پہلی آیت کی رو سے تو تقیہ کی صورت میں جنت کی امید ہی منقطع ہے بلکہ اس سے زیادہ تقیہ کو اور کیونکر رفع کرینگے باقی سو بے کلی سی اور بے کلی کا عذر ہو تو جناب باری تعالیٰ
نے پہلے اسکا دفعیہ فرما دیا ہے اَلَاۤ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ یعنی گھبراؤ مت ہماری مدد پاس ہی لگی ہوئی ہے اور دوسری آیت میں تقیہ تو تقیہ کفار کی خوف سے سست ہو جانے اور ضعیف ہو جانے
پر تنبیہ کرتے ہیں کیونکہ تقیہ کی برائی کی طرف تو اشارہ ما استکانوا میں آگیا تھا اس لئے کہ اسکے معنی یہی ہیں ان لوگوں نے کفار کے آگے باوجود تکلیفات کے پھر ظاہر کی چاپلوسی نکی
اور یہی تقیہ ہے تقیہ کئے اور کیا سر سنگ ہیں پھر وجہ باتیں اور فرمائیں کہ نہ سست ہوئے اور نہ ضعیف ہوئے تو تقیہ سے دو ہمیر اور ادہر کو کہا ہے تاکہ اس سے دور رہیں اور اسمیں گرفتار نہو جائیں
سبحان اللہ خدا بھی کیا منتظم اور مدبر ہے یہ وہی قصہ ہے مرگ گیرد تا بہ تپ راضی شود **اقول** نقل تو تمنے کیا ثابت کیا ہے جو نقل سے ثابت کرو گے اور پہلے سے جو علماء اہل سنت تقیہ
کرتے چلے آئے ہیں چنانچہ ہم پہلے اس سے لکھ چکے کیا انکو ان آیتوں کی خبر نہ تھی ابن عباس نے عول کے مسئلہ میں تقیہ کیا عمر کے خوف سے چنانچہ فرائض شریفی میں اور احیاء علوم میں مذکور
ہے وہ تو بڑے مفسر تھے انہوں نے کیوں تقیہ کیا انکو ان آیتوں کی کیا خبر نہ تھی اور تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ سات علماء ثقلین نے مامون کے سامنے تقیہ کیا کیا وہ آیات قرآنیہ سے واقف
نہ تھے اور یہ دو آیتیں جو لکھی ہیں ابطال تقیہ میں ان دونوں کو تقیہ کے ابطال میں کچھ بھی مس نہیں ہے پہلی آیت کا تو یہ مضمون ہے کہ کیا گمان کیا ہے تمنے اے مومنین کہ داخل ہو
تم بہشت میں کفار کے ہاتھ سے آزار پانیکی جہت سے اور ابھی نہیں آیا ہے تم پر حال ان لوگوں کا کہ گزری ہیں پہلے تم سے انبیاء اور مومنین کہ پہنچتی تھی انکو سختی اور بیماری اور ڈگمگا کر
گئے تھے وہ بلاؤں کی کثرت سے یہانتک کہ کہتا تھا پیغمبر اور جو لوگ کہ ایمان لائے تھے ہمراہ اسکے کہ کب ہوگی مدد خدا کی سو اسمیں بلاؤں اور سختیوں کا ذکر ہے کہ جو خدا کی طرف سے انکو
پہنچتی تھی یہانتک کہ کثرت بلاؤں کے قدم انکے متزلزل ہو گئے اور زلزلوا کے لفظ سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ بلائیں اور بیماریاں اور گرسنگی انمیں کثرت سے تھی جس سے گھبرا گئے سو یہاں
تقیہ کی کون صورت ہے اور کس سے تقیہ کرتے اور اگر ان سختیوں میں سے کفار کے آزار پہنچانیکی بھی سختی تھی تو چند روز کی سختی تھی جیسے کہ جناب رسول خدا صلعم کی سختی مکہ معظمہ میں تھی
آخر کو منصور اور مظفر ہو گئے اور پھر وہ لوگ تو مع پیغمبر کی ایک جماعت تھے اور پیغمبر کو تقیہ جائز نہیں چنانچہ ہم لکھ چکے اور جب وہ مع پیغمبر کی کثرت سے ہوئے تو تقیہ کی کون صورت
ہے اور ہمارے ائمہ علیہم السلام کا یہ حال تھا کہ حضرت علی نے تو کسی خوف سے تقیہ کیا ہی نہیں چنانچہ ہم لکھ چکے کہ وہ ایک مصلحت تھی اور باقی کی ائمہ بعد امام حسین علیہ السلام
کے ہمیشہ بے یار و مددگار رہے ہیں کہ کسی نے انکا ساتھ نہ دیا اور بعضے قید کے صدمے اٹھاتے تھے اور بعضے اور طرح ظالموں کے ہاتھ سے آزار پاتے تھے اور خوف جان سے تقیہ کرتے تھے
اور پھر بھی انکو نچھوڑا آخر کو زہر دلوا کر شہید کروایا اور ایسا ہی حال دوسری آیت کا ہے اس میں کثرت جماعت کا ذکر ہے کہ جو راہ خدا میں جہاد کرتے تھے اور جہاد میں تکلیفیں
ہوتی ہی ہیں کہ مقتول بھی ہوتے ہیں اور مجروح بھی ہوتے ہیں اور جب اسقدر کثرت سے تھے کہ کفار پر جہاد کرتے تھے تو انکی واسطے تقیہ کی کون صورت تھی اور نہ تو تقیہ حرام
تھا اور کیوں وہ کفار سے دبتے اور انکی خوشامد کرتے اور ائمہ علیہم السلام کے پاس تو نہ کثرت جمعیت تھی اور جو چند آدمی انکی شیعوں میں سے ہوتے تھے اور انکے پاس آمد و رفت رکھتے
تھے ظالموں نے ایسا انتظام کیا تھا کہ انکی بھی نگران حال رہتے تھے اسواسطے وہ خود ہی ڈرے ہوئے تھے اور اپنی حفاظت کا انکو خیال رہتا تھا جیسے رسول خدا صلعم جب تک
کہ مکہ معظمہ میں رہے تو یہی حال تھا کہ کفار کے خوف سے چھپ کر نماز پڑھتے تھے ارقم کے گھر میں اور جسقدر حضرت کے ہمراہ جماعت مومنین تھی کسی امام کے ہمراہ اسقدر بھی نہوتی تھی لیکن
حضرت صلعم کے ہمراہ جو تھے وہ بھی جہاد کیواسطے کافی نہوئے آخر کو حکم ہجرت کا ہوا اسواسطے بعضے وقت میں اتفاقیہ نہ کہ ہمیشہ خوف سے حاکم ظالم کے کہ کوئی آزار انکو یا انکے شیعہ کو
نہ پہنچے تقیہ بھی کبھی کر لیتے تھے سو یہ بحکم خدا تھا کہ فرماتا ہے خداوند کہ لَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ اور مرضی جناب باری اگر تقیہ کی طرف نہیں ہے تو اسوقت ہی کہ جب

جماعت کثیر قابل جہاد کرنیکے ہو کہ ایک دو آدمی اور وہ ایک جماعت تھی اور امام اگر تنہا اور بے یار و مددگار ہو تو وہ کیا کرے اور امام تو درکنار حضرت ابراہیم پیغمبر نے اُس بادشاہ ظالم کے خوف سے تین جھوٹ بولے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں سے ہم لکھ چکے اور پہلی آیت سے جنت کی اُمید تقیہ کرنے سے ہرگز منقطع نہیں ہوئی چنانچہ ہم لکھ چکے اور دوسری آیت میں جماعت کثیر کا حال ہے کہ وہ جہاد کرنیوالی تھے اور ایسی جماعت کو تقیہ کرنا حرام ہے اور اسیواسطے ما لکم لا تکونو کے لفظ میں اشارہ تقیہ کی بُرائی کا ہے **قال الشیخ الاشعری** لیکن افسوس ہے شیعونکی بھی ہٹ دھرمی پر کہ تب پر بھی راضی نہیں ہوئے سوت تو درکنار اور کیوں راضی ہوں جہاد کو کیوں سر دھریں اور جہاد تو جب ہو گا جب کا سینونکی گھرونکی پلاو اور قورمی کیوں اپنی ہاتھ سے کھوئیں اور کیوں اُنکی تیر ملامت کے نشانے ہو کر اپنی نصیبوں کو روئیں نقد را بنسیہ گزاشتن کار خردمندان نیست **اقول** شیعونکو ہٹ دھرمی کیوں ہو تقیہ پر کہ جب تقیہ فریقین کی کتابوں سے ثابت ہوا اور سنی کونسا جہاد کرتے ہیں غدر میں انگریزوں نے مسجدیں ڈہائیں اور قرانوں کی بے ادبی کی کہ مثل اینٹ اور پتھر اِدھر پھینکتے تھے اور مومنین بےگناہونکو پھانسیاں دیتے تھے لیکن اہل سنت تقیہ کرکے بیٹھ رہے اور کسی نے بھی اُن سے انتقام نہ لیا اور ہم پر تقیہ کا طعن کرتے ہیں اور سنیونکی پلاؤ اور قورمی کون شیعہ کہاتا ہے تقیہ کیا کھانیکے واسطے ہوتا ہے شیعونکی یہ عادت نہیں ہے کہ تقیہ کر کے کسی سنی کے دستر خوان پر جا بیٹھیں اہل سنت کی البتہ یہ عادت ہے کہ حضرت عباس کی حاضری ہوتی ہے تو وہ بھی موجود ہو جاتے ہیں دہلی میں نواب حامد علیخاں صاحب مرحوم کے مکان پر جب حاضری ہوتی تھی تو بڑی بڑی لمبی داڑہی والے سنی موجود ہوتے تھے اور باقرخانی شیرمال چٹ کرتے تھے اور خوب تبرا سنتے تھے اور یہ بات اپنی آنکھونکی دیکھی ہوئی ہے تف ہے ایسی سنیت پر کہ اپنی بزرگونکی لعن واسطے ایک روٹیکی اپنی کانوں سے سنیں موافق اہل سنت کے جنت گئی بلا سے گئی نقد را بنسیہ گزاشتن کار خردمنداں نیست **قال الشیخ الاشعری** اور میں نے جو یہ عرض کیا کہ اس آیت میں تقیہ وغیرہ سے روکتے ہیں ہر چند اہل فہم کے نزدیک محتاج بیان نہیں لیکن باندیشہ خوش فہمی شیعہ گزارش ہی لازم ہے اس آیت کے سیاق سباق سے واضح ہے جسے تامل ہو دیکھ لے کہ جناب باریتعالی اس اُمت کی لوگونکو خاصکر صحابہ کو پہلی اُمتوں کے حال سنا سنا کر سست ہونے اور ضعیف ہونے اور تقیہ کرنے سے روکتے ہیں اب اہل انصاف سے التماس ہے کہ باوجود ان تنبیہات کے اگر کوئی نمانے اُسکو کیا کہئے وہ ناکارہ لوگوں میں سے ہو گا یا عمدہ اور عمدہ بھی اسقدر کہ مستحق ثواب ہو جیسا اہل تقیہ فرماتے ہیں حق تو یوں ہے کہ تقیہ والی مورد عتاب ہیں چنانچہ ان آیات سے ظاہر باہر ہے اور ثواب کجا **اقول** یہ دونوں آیتیں مدنی ہیں اور اُسوقت نازل ہوئی ہیں کہ جب جنگ بدر اور جنگ احد سے فراغت ہو گئے تھے اور مسلمانوں کی کثرت ہو گئی تھی اور جہاد کرنیکی تاکید کی آیتیں نازل ہوتی تھیں کیا یہ جماعت کثیر تقیہ کرتی کیسا عقل کا دشمن ہے کہ دیوانونکی سی باتیں کرتا ہے اری ہجرت سے پہلے ایسی آیتیں کیوں نازل ہوئیں اور صحابہ کو پہلی لوگونکی سست ہونیکی باتیں دکیوں ند لائیں کہ صحابہ جیتے پھرتے تھے اور اب اسواسطے یاد دلائی کہ باوجود کثرت کے وہ جہاد میں سستی کرتے تھے اور مثل ثلثہ اور طلحہ اور زبیر اور ابو عبیدہ وغیرہ کے رسول اللہ صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہادوں میں سے بھاگتے تھے جانونکو اپنی بچا کر اور ایسے وقت میں تقیہ کیا کرتے ڈوب مر گئی جو ایسے وقت میں بھی تقیہ کرتے اری تقیہ واسطے دو چار ضعیفوں ناتوانوں کیواسطے ہوتا ہے یا فوجوں کیواسطے اور پھر انصاف چاہتا ہے اور شیعہ تو ایسے مقام میں تقیہ کرنیوالیکو مورد عتاب جانتے ہیں اور تو کیا کہتا ہے ہم پہلے ہی کہتے ہیں کہ تقیہ ہر مقام اور ہر موقع پر درست نہیں ہے بلکہ بعضی جگہہ واجب ہے اور بعضی جگہہ جائز ہے **قال الشیخ الاشعری** اور تقیہ کرکے منصب پیغمبری اور مرتبہ امامت پر مامور ہونا تو درکنار ویسی بھی خبر نہیں خاصکر ایسے تقیہ کے ساتھ کہ بزعم شیعہ حضرت سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات ائمہ کرتے تھے کہ صحابہ ملعونین کے ساتھ کہ جو انکی عقیدہ کے موافق نعوذ باللہ ابلیس سے بھی بڑہ کر تھے چنانچہ اسکی طرف اشارہ ہو چکا ہمیشہ ہم نوالہ اور ہم پیالہ رہے اور ہمیشہ انکی رضا جوئی میں عمر عزیز کو بسر کیا خداوند کریم تو ارشاد فرماوے وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُم مِّن بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِن وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ یعنی ای محمد صلی اللہ علیہ وسلم اگر تو بعد حق و ناحق کے معلوم کرنیکے انکی خواہشوں کے موافق کچھ بھی کریگا تو تیرا کہیں ٹھکانا نہیں کوئی تیرا دوست تجھے حمایت اسکے گا نہ کوئی تیری مدد کرنیوالا جو خدا سے بچا لیگا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باینہمہ ممانعت تہدید پھر بھی اُنکی دلجوئی سے باز آئے خدا کی خواہش پر انکی خواہش کو مقدم رکھا **اقول** پیغمبر پر تو ہمارے نزدیک تقیہ ہی نہیں ہے اور اگر حکم کا معلوم ہونا ایام ہی کی جہت سے ہو تو اُسمیں اُسکو بھی تقیہ نچاہئے اور صحابہ ملعونین سے رسول خدا صلعم کو تقیہ کرنے کی کون وجہ تھی کہ وہ تو قائل تھے شہادتین کے اور اُس زمانہ میں کوئی ایسا عمل بھی اُن سے ظہور میں نہ آیا تھا کہ جو انکو ایمان سے خارج کر دے اور جب تک آدمی سے کوئی ایسا فعل صادر نہو تو وہ ماخوذ نہیں ہو سکتا اور جناب رسول خدا صلعم نے حضرت علی کو خبر دی تھی کہ فلاں شخص تیرا قاتل ہو گا اور حضرت علی اُسکو جانتے تھے اور لوگوں نے حضرت علی سے کہا کہ اُسکو سزا دیجے تو فرمایا کہ پیش از صدور جرم سزا نہیں ہو سکتی سو جو لوگ کہ اقرار شہادتین کر کے مسلمان ہو گئے تھے سب کے سب ہی ہمراہ جناب رسول خدا صلعم دلجوئی سے پیش آتے تھے اور ہم پیالہ اور ہم نوالہ اُن سے رہتے تھے یہانتک کہ منافقین سے بھی اور صحابہ ملعونین نے کیا امر مخالف حضرت کے اُسوقت میں کیا تھا جو اُن سے پرہیز کرتے اور ائمہ کا حال یہ ہے کہ جناب امیر علیہ السلام جو ہم نوالہ اور ہم پیالہ تھے اُسکی وجہ تو ہم کئی مرتبہ لکھ چکے کہ وہ ایک

مصلحت تھی واسطے سلامت رہنے اسلام کے اور اہل اسلام کے اور باقی کے ائمہ جو ہیں وہ گوشہ نشین تھے کسی سے ہم پیالہ اور ہم نوالہ ہوئے ہی نہیں ہیں اور جو کوئی دشمن اُنکے پاس واسطے امتحان
کے آتا تھا تو بعضے وقت اُسکی مرضی کے موافق کہنے کی ضرورت ہوتی تھی واسطے محافظت جان آبرو کے اور اس آیت میں جو خدا تعالیٰ منع کرتا ہے متابعت خواہشوں سے رسول خدا صلعم
کو تو یہود اور نصاریٰ کی خواہشوں کی متابعت سے منع کرتا ہے اور دلجوئی تو جناب رسول خدا صلعم سب کی کرتے تھے یہاں تک کہ مشرکین کی بھی واسطے طمع ایمان لانے انکی اور خدا کی
خواہش پر تو حضرت نے کسیکی خواہش کو مقدم نہیں کیا ہے اور آیت میں اگرچہ خطاب رسول خدا صلعم کیطرف ہے لیکن مراد اس سے مومنین ہیں اور ایسا قرآن میں بہت آیا ہے
اور یہ ممانعت اُسوقت کے واسطے ہے جبوقت کہ غلبہ دین حق کا ہوا اور باوجود دعوی قرآن کے یاد ہونیکے ایسے اوندھے مونہہ کے بل گرے کہ آیت کو غلط لکھا آیت تو اسطرح سے ہے کہ وَلَئِنِ
اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ بَعْدَ الَّذِي جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ اور آپ اس طرح سے لکھتے ہیں کہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
مَا لَكَ مِنَ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ مِنْ نَصِيرٍ اور یہ اس آیت میں نہیں ہے اور جس آیت میں ہے وہ آیت دوسری ہے اور وہ اسطرح ہے کہ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ أَهْوَاءَهُمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَكَ مِنَ الْعِلْمِ
إِنَّكَ إِذًا لَمِنَ الظَّالِمِينَ اور ایک غلطی کی ہے کہ ولا نصیر کی جگہ من نصیر لکھا ہے **قال الشیخ الاشعری** القصہ خداوندکریم تو عوام تک کو تقیہ کرنے سے روکے اور شیعہ
خواص کو بھی تقیہ کرنیوالا اور وہ بھی دائم التقیہ سمجھیں حالانکہ خاص رسالت امانت کے پہنچانیوالوں کی جو شیعوں کے نزدیک بھی پیغمبر اور امام ہیں جناب باری علانیہ یہ فرماتا ہے
کہ وہ کسی سے ڈرتے نہیں اور اللہ کے پیام کے پہنچانے میں دریغ نہیں کرتے سورہ احزاب کے پانچویں رکوع میں آیت موجود ہے انبیاء کے حق میں فرماتے ہیں الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ
اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ یعنی انبیاء کے اوصاف یہ ہیں کہ پہنچاتے ہیں اللہ کے پیام اور اُسی سے ڈرتے ہیں اور سوا اللہ کے اور کسی سے نہیں ڈرتے اس آیت کو دیکھیے کہ فقط
انبیاء کا ڈرنا ہے اس میں نہیں جو کوئی شیعہ یوں کہنے لگے کہ تقیہ دین کے چھپانیکو کہتے ہیں کیا ضرور ہے کہ ڈر ہی کے سبب چھپاتے ہوں بلکہ کچھ اور مصلحت ہو سو یہ احتمال اول تو
انکا جی جانتا ہے کہ کیسا نامعقول ہے پھر بااینہمہ شاید کوئی اس بات میں کچھ زبان زوری بھی کرتا لیکن جناب باری تعالیٰ تو علام الغیوب ہے شیعوں کی ہٹ دھرمی تو پہلے ہی سے جانتا تھا
اسی لئے پہلے ہی یہ بچ لگا دی الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ پھر انبیاء میں سے بھی خاصکر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو خاصکر حکم جداگانہ سنایا تاکہ زیادہ تاکید ہو
اور کسی قسم کی سستی اور مداہنت ظہور میں نہ آجائے چنانچہ سورہ حجر میں فرماتے ہیں فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ وَأَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِينَ یعنی سنا دے کھولکر جو لوگ بات اور مشرکین کا کچھ دھیان
نکر **اقول** خداوندکریم تقیہ کرنے سے ہرگز نہیں روکتا ہے نہ عوام کو نہ خواص کو اور خواص کو شیعہ کیا اہل سنت بھی تقیہ کرنیوالا لکھتے ہیں چنانچہ ہم دلیلوں میں جواز تقیہ کے
لکھ چکے اور پیغمبر انکو تو شیعہ رسالت کے پہنچانے میں تقیہ کرنیوالا جانتے ہی نہیں ہیں تو یہ کہاں سے کہتا ہے اور باقی رہے امام اگر حکم کا حاصل ہونا اونہیں کی جہت سے ہو اور انہی ہی تک
منحصر ہو تو اُس میں امام کو بھی تقیہ کرنا جائز نہیں جانتے ہیں ہاں بعد منتشر ہونے احکام حقہ کے اگر ضرورت تقیہ کی ہو تو امام تقیہ کر سکتا ہے ہمیشہ سو ہم خود کہتے ہیں کہ انبیاء اور
ائمہ علیہم السلام پیغام خدا کے پہنچانے میں دریغ کرتے ہیں نہ کسی سے ڈرتے ہیں مگر اہل سنت کی کتابوں میں مثل تفسیر کبیر اور مواہب اللدنیہ اور تاریخ خمیس وغیرہ کے لکھا ہے کہ جبتک آیت
فَاصْدَعْ بِمَا تُؤْمَرُ نازل نہیں ہوئی تھی تو مستخفی تھے اور جب مخفی ہو گئے تو تبلیغ احکام کے علانیہ کہاں باقی رہی اور سوا خدا کے کسی سے انبیاء کو خوف نہ کرنا تھا یہ کلیہ نہیں ہے اسواسطے کہ
دوسری آیتوں سے خوف کرنا انبیا کا ثابت ہے چنانچہ حضرت موسیٰ کا کلام قرآن میں ہے فَفَرَرْتُ مِنْكُمْ لَمَّا خِفْتُكُمْ اور فرمایا کہ وَلَهُمْ عَلَيَّ ذَنْبٌ فَأَخَافُ أَنْ يَقْتُلُونِ اور پہلے جناب رسول خدا
صلعم کفار سے خوف رکھتے تھے چنانچہ فرماتا ہے وَتَخْشَى النَّاسَ وَاللَّهُ أَحَقُّ أَنْ تَخْشَاهُ یعنی اور ڈرتا ہے تو آدمیوں سے اور خدا زیادہ سزاوار ڈرنے کی ہے سو حضرت جو کفار سے ڈرا کرتے
تھے اسواسطے خداتعالیٰ حضرت کو سمجھاتا اور نصیحت کرتا ہے کہ الَّذِينَ يُبَلِّغُونَ رِسَالَاتِ اللَّهِ وَيَخْشَوْنَهُ وَلَا يَخْشَوْنَ أَحَدًا إِلَّا اللَّهَ جو لوگ کہ پہنچاتے ہیں پیغاموں کو خدا کے اونہیں ڈرتے ہیں
کسی سے سوا خدا کے پس معلوم ہوا کہ حضرت جو کفار سے ڈرتے تھے تو خداتعالیٰ نے فرمایا کہ پیغام پہنچانے والوں کو ڈرنا نچاہیے کہ جو پیغام خدا کے پہنچاتے ہیں وہ کسی سے ڈرتے نہیں ہیں اور
خوف ہی موجب تقیہ کا ہوتا ہے اور شیعہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ سستی اور مصلحت سے تقیہ کیا ہو نہ خوف سے تو خود ہی ایجاد کرکے کہتا ہے اور پھر خود ہی اُسکو نامعقول ٹھہراتا ہے اور فریقین
کی کتابوں میں خوف ہی سے تقیہ کرنیکو لکھا ہے اور بیشک انبیاء رسالات پروردگار کو پہنچاتے تھے اور سر مو اُس میں فرق نہیں کرتے تھے ہم تو کہتے ہیں اور جناب رسول خدا صلعم
بھولکر دو لوگ بات ہی نہ مانتے تھے **قال الشیخ الاشعری** اور پھر اسکے آگے بڑا بڑا کیا یہ تاکید اسی بات کی چلی جاتی ہے کہ کہتے ہیں قصور نکر جسے شک ہو دیکھ لے اور پھر ہم انہیں
سورہ احزاب ہی میں یوں فرماتے ہیں لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ يَرْجُو اللَّهَ وَالْيَوْمَ الْآخِرَ حاصل یہ ہے تمہارے حق میں رسول ہی کا اقتدا
انہیں کی چال ڈھال اور انہیں کی روش پر رہنا چاہیے جسے اللہ کی اور پچھلے دن کی امید ہے اس آیت نے ساری امت کے ذمہ یہ بات واجب کر دی کہ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ
وسلم حق کے کہنے اور اظہار دین میں دریغ نہیں کرتے تھے تم بھی نکرو پھر خاصکر ائمہ تو ائمہ ہیں وہ تو تبلیغ دین اور اظہار حق ہی کے لئے بھیجے گئے ہیں بلکہ شیعوں کے نزدیک
رسولوں سے زیادہ نہیں تو برابری میں تو حرف نہیں اور برابری نہ سہی جب ایک کام پر مامور ہوئے تو کمی میں اوروں سے تو زیادہ ہے کہ انکو کا دچا ہی نعوذ باللہ خداوند کریم

فرماتے ہیں **اقول** جس بات کو تو لکہتا ہے اُس بات کی تاکید میں ہرگز یہ آیت نہیں بلکہ جو کچھ تفسیروں میں لکھا ہے وہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ اس آیت میں مسلمانوں کو رغبت جہاد کی دلاتا ہے کہ تم جہاد میں ثابت قدم رہو اور گھبرا کر بھاگو نہیں جیسے رسول پیغمبر قائم اور ڈٹا ہوا رہتا ہے اور گھبراتا اور بچلتا نہیں ہے ایسا ہی تم کو بھی چاہیے اُسکی پیروی کرو سو لوگ وہ تھے کہ جنکو عادت بہاگنے کی تھی مثل ثلاثہ وغیرہم کہ انکی طرف خطاب ہے اور یہ اس لڑائی کا ذکر ہے جسمیں حضرت علی نے عمرو بن عبدود کو مارا تھا اور اُس اکیلے ہی کے مارنے سے لڑائی فتح ہوگئی اور اگر ہم اسی طرح سے مراد لیویں اس آیت سے جیسے کہ شیخ لکھتا ہے کہ سارا مطلب پیچھے یہ بات لگادی کہ حق کہیں اور اظہار دین حق کریں شامل کریں ائمہ اسکا شیعوں کو کب انکار ہے وہ بھی یہی کہتے ہیں کہ ائمہ معصومین تبلیغ دین کے اور اظہار حق کا ہی کرتے تھے اور جس کام پر وہ مامور تھے اُسکو ادا کرتے تھے اور اس میں قصور نہیں کرتے تھے اور نہ تقیہ کرتے تھے اور تقیہ اُن احکام میں بعض اوقات کرتے تھے کہ جو کچھ حق ہے وہ پہلے اس سے اہل حق کو پہنچ لیا اور جس حکم حق کا حاصل ہونا امام علیہ السلام کی ہی جہت سے ہوتا تھا تو اسمیں وہ تقیہ نہیں کرتے تھے اور یہی ہمارا مذہب ہے ائمہ علیہم السلام کے تقیہ میں **قال الشیخ الاشعری** معہذا خداوند کریم فرماتے ہیں وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِينَ إِلَّا مُبَشِّرِينَ وَمُنذِرِينَ یعنی ہم نہیں بھیجتے مرسلین کو مگر فقط بشارت دینے اور ڈرانیکے لئے اور مرسلین کلام اللہ کی اصطلاح موافق پیغمبر ہے کو نہیں کہتے بلکہ جو خدا کے احکام پہنچائے پیغمبر ہو یا نائب پیغمبر چنانچہ سورہ یسین میں جو انا الیکم مرسلون ہے اُس سے نائبان حضرت عیسیٰ مراد ہیں حالانکہ وہ نبی نہ تھے نائب ہی تھے اور امام کے تو خود یہی معنی ہیں شیعوں کے نزدیک کہ نائب نبی ہو باقی کوئی یوں کہے کہ حضرت عیسے کے یاروں کو جو رسول کہا تو باینمعنی کہ وہ حضرت عیسے کے بھیجے ہوئے تھے اور آیت وما نرسل المرسلین میں وہ مراد ہیں جو خدا کے بھیجے ہوئے ہوں تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت عیسے کے نائبوں کے بھیجنے کو بھی خداوند کریم نے اپنی طرف نسبت کیا اور یوں فرمایا ہے اذ ارسلنا الیہم اثنین یعنی ہمنے بھیجا اور یوں نہیں فرمایا کہ عیسے نے بھیجا جب حضرت عیسے کے نائبوں کو خداوند کریم اپنا بھیجا ہوا مرسل کہے تو ہماری پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کے نائب تو اُس سے بھیجے بھیجے ہوئے اور مرسل بہی ہیں تو موافق آیت مذکورہ وما نرسل المرسلین اُنکا کام بھی یہی بشارت اور ڈرانا چاہیئے پھر اب فرمایئے کہ تقیہ کہاں سے آگیا ہم سے تو نہیں ہوسکتا کہ مونہہ اُٹھا کر جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور ائمہ اطہار کی نسبت یوں گمان بھی کریں کہ وہ فرمودہ الٰہی میں سرمو بھی تفاوت کرتے ہوں ہمہ تن اظہار دین میں مشغول تھے اور کیوں نہوں اول تو آیت مذکورہ ہی خود مترشح ہے کہ پیغمبر تبلیغ رسالت میں قصور نہیں کرتے پھر نائب کیونکر اخفا کرینگے نہیں تو پہر نائب ہی کیا ہوئے اور مخالف ہوئے جیسے لکھنے کے مٹانیوالے **اقول** جو کچھ اس آیت کا مضمون ہے وہ یہی ہم بھی کہتے ہیں کہ انبیاء علیہم السلام بشارت دینے والے اور ڈرانیوالے ہیں اور اصطلاح قرآن میں تو مرسلین پیغمبروں ہی کو کہتے ہیں اور نائبان پیغمبر مراد نہیں ہوتے اور انا الیکم مرسلون میں معنی لغوی مراد ہیں یعنی بھیجے گئے اور ایسے ہی اذ ارسلنا میں اگرچہ بھیجنے والا اُنکا خدا ہے اور ہمنے مانا کہ جیسا پیغمبر بشارت دینے والا اور ڈرانیوالا ہوا ویسے ہی اُسکا نائب ہے اور وہ ائمہ علیہم السلام ہیں لیکن تقیہ کہاں سے جاتا رہا ہم پہلے قول میں لکھ چکے کہ تقیہ احکام حقہ کے پہنچانے میں نہیں ہے اور احکام حقہ کے پہنچانے میں سرمو اُنہوں نے تفاوت نہیں کیا ہے اور تقیہ اُنکا بعض اوقات بعد پہنچنے احکام حقہ کے ہوتا تھا کہ جب لوگوں کو احکام حقہ معلوم ہو لیتے تھے خواہ اس امام سے خواہ اُس سے پہلے امام سے خواہ رسول خدا صلعم سے اور اگر کوئی حکم ایسا ہوتا تھا کہ اس امام کے بتانے پر حاصل ہوتا تھا تو وہ اُس میں تقیہ نہیں کرتے تھے جیسا کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** دوسری جناب باریتعالیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھیجنے کی غرض یہی بیان فرماتے ہیں کہ اظہار دین کے لئے اُنکو بھیجا ہے سورہ فتح اور سورہ صف اور سورہ توبہ میں ہے هُوَ الَّذِي أَرْسَلَ رَسُولَهُ بِالْهُدَىٰ وَدِينِ الْحَقِّ لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّينِ كُلِّهِ مطلب یہ ہے کہ خدا ہی نے بھیجا ہے اپنے رسول کو ہدایت اور دین حق دیکر تاکہ سارے دینوں پر غالب اور ظاہر کر دے اب سنیئے اظہار دین اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کیطرف اس آیت میں منسوب ہے تب مطلب ظاہر ہے اور اگر یہ مطلب ہے کہ اظہار دین خدا ہی کو کرنا مد نظر تھا پر اسطور پر اور اس سامان سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا سو جو کچھ دین کی ترقی اُنکے سبب ہوئی وہ سب خدا ہی نے کی لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیچ میں ایسے تھے جیسے کاریگر اور کار کے بیچ میں آلات ہوتے ہیں تو اس صورت میں مطلب ظاہر کیا اظہر ہے کیونکہ خدا کا ارادہ اظہار کا ہوگا تو پھر کون چھپا سکے گا الغرض اس آیت میں ایک دلیل کامل ہے سنیوں کے مذہب کی حقیقت کی کیونکہ در صورت تقیہ شیعہ جو سنی بنجاتے ہیں تو ظاہر میں دین اہل سنت ہوتا ہے اور باطن میں مذہب شیعہ تو مذہب اہل سنت تو دین حق ٹھیرا اسلیئے کہ لیظہرہ میں جو ضمیر ہے تو دین الحق کیطرف راجع ہے اور مذہب شیعہ علی الدین کا میں داخل ہوا اور ظاہر ہے کہ ماسوا دین حق کے سب دین باطل ہیں اور اس سے یہ بھی معلوم ہوگیا کہ یہ اظہار جو اس آیت سے مقصود ہے وہ حضرت امام مہدی کے زمانہ سے پہلے ہونا چاہیئے وجہ اسکی یہ ہے کہ غالب ہونیکے لئے دو چیزیں ہونی چاہئیں ایک غالب ایک مغلوب ایسے ہی ایک چیز جو ایک چیز سے ظاہر ہو تو وہ دوسری بھی ہونی چاہیئے سو اس آیت میں ظاہر ہے کہ علی الدین کلہ بھی لیظہرہ کے ساتھ ہے اور اسکے ملنے سے یہ معنی ہوگئے ہیں کہ اور دینوں سے یہ دین ظاہر ہوگا نہ یہ کہ اور دین باقی ہی نہ رہینگے سو حضرت امام کے وقت میں شیعہ ہی فرمائیں کہ اور دین رہیگا یا نہیں معہذا لیظہرہ ارسل سے متعلق ہے تو وہ اظہار ارسال کے متصل ہی چاہیئے سو ایسا اظہار سوا مذہب اہل سنت کے اور کسی دین کو ابتک میسر نہیں آیا شیعہ ہی فرمائیں کہ میں جھوٹ کہتا ہوں یا سچ ہے اسکے بعد ہر چند اب کچھ ضرورت نہیں کہ منقولات میں سے ابطال تقیہ کی کوئی اور سند بیان کیجائے **اقول** معنی اس آیت کی یہ نہیں ہیں کہ جو تو کہتا ہے بلکہ مراد اس سے یہ ہے کہ اس دین کو غالب کرے سب دینوں پر اور دین مغلوب ہو کر مٹتا و نابود

ہوجائیں اور سب دینوں پر غالب ہونا سوائے زمانہ حضرت امام مہدی کے معلوم نہیں ہوتا اور نہ جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ سے آجتک ایسا ہوا ہے اور ظاہر کرنا ہی یہاں مراد نہیں
ہے اور محض ظاہر ہونے میں کیا فائدہ ہے اسواسطے کہ جب دین ہوگا تو ظاہر ہی ہوگا اور سب سے زیادہ ظاہر تو نصاریٰ کا دین ہے اور اگر ظاہر ہونا ہی بالفرض ہم مراد لیویں تو بھی ظاہر تو
شیعوں کا دین بھی ہے ہی کچھ پوشیدہ نہیں ہے اور اگر کسی ایک شخص نے تقیہ سے دین کو چھپایا تو دین نہیں چھپ سکتا جبوقت لاکھ کروڑوں آدمی سوائے اسکے اُس دین پر ہوں اور
جیسے کہ بعضے شیعہ سنی ہوجاتے ہیں ایسی ہی بعضی شیعہ بھی ہوجاتے ہیں طمع دنیا کی واسطے یہانتک کہ تبرا ہی کہہ بیٹھتے ہیں اور بعد اُسکے جب اعتراض ہوتا ہے تو کہتے ہیں کہ
تبرا کرنے سے آدمی کافر نہیں ہوجاتا اور یہ انکھوں کی دیکھی بات ہے اور ایران میں بعضی سنی کا گزر ہوجاتا ہے تو ہاتھ کھولکر نماز پڑھنی لگتا ہے اور یہ بھی دیکھا ہے اور اہل سنت زبان
سے تو کہدیتے ہیں کہ ہم تقیہ نہیں کرتے اور شیعہ تقیہ کرتے ہیں لیکن تقیہ سنی بھی بعضے وقت کر بیٹھتے ہیں اس صورت میں دین شیعہ ظاہر ہوتا ہے اور دین اہل سنت باطن میں تو مذہب شیعہ تو دین
حق ٹہیرا اسلیئے کہ لیظہرہ میں جو ضمیر ہے تو دین الحق کیطرف راجع ہے اور مذہب اہل سنت علی الذین کا میں داخل رہا اور ظاہر ہے سوا دین حق کے سب دین باطل ہیں اور اگر کسی ایک شخص
نے تقیہ کیا تو اس سے یہ کہاں سے لازم آیا کہ سارا دین ہی مخفی ہوگیا اور اگر مخفی ہوا تو ایک شخص کا دین مخفی ہوا نہ کل دین اور حضرت امام مہدی کے زمانہ سے پہلے غلبہ سب دینوں پر
نہیں ہوسکتا چنانچہ روایات کتب فریقین اسپر دلالت کرتے ہیں اور ہاں ہم بھی کہتے ہیں کہ غالب ہونیکے واسطے دو چیزیں چاہئیں ایک غالب ایک مغلوب لیکن دین باطل
کے باقی نرہنے کو غلبہ لازم ہے جب پہلے دین حق غالب ہوگا اور اہل حق اُنکو فنا کرینگے تب وہ نیست و نابود ہونگے نہ خود بخود بغیر کسیکے سعی کے یا یوں ہی فنا ہوجائینگے کیا کوئی
وبا اُنمیں پھیل جائیگی یا رات کو اپنے بستروں پر سوتے ہی رہجائینگے سو مغلوب کا ہمیشہ باقی رہنا کچھ ضرور نہیں ہے اور یہہ اس سے لازم آیا ہے اور اگر لیظہرہ ارسل سے متعلق ہے تو یہ کیا ضرور ہے
کہ ظہور ارسال کے متصل ہو اور اگر متصل ہوگا ارسال کے تو وہ دین وہ ہوگا کہ جو جناب رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھا کہ وہ دین شیعہ ہی ہے دین اہل سنت کہ وہ ابوبکر اور عمر کا ایجاد کیا ہوا ہے اور بعد ہی اُس
دین کے جو ارسال سے متصل ہے اور اگر اہل سنت کے مذہب کو مثل نصاریٰ کے کثرت ہی تو کیا ہوا ارسال کے متصل تو نہیں ہے اور جو کچھ تونے لکھا ہے وہ سب غلط ہے اور تو تقیہ کو باطل کیا کریگا تقیہ کا حکم تو تیری
کتابوں میں موجود ہے اور اگر تو باطل کریگا تو اپنی مذہب کو باطل کریگا اور ہم تقیہ کو تیمناً ثابت کرتے ہیں اور نہ ہم کو احتیاج اسکی ثابت کرنیکی نہیں ہے جبوقت کہ اہل سنت کی کتابوں سے تقیہ ثابت
ہوتا ہو اور جو کچھ تونے لکھا ہے تقیہ کو ہرگز باطل نہیں کرسکتا چنانچہ ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** لیکن مزید توضیح کے لئے اتنا اور معروض ہے کہ جب کوئی نبی مبعوث ہوتا ہے تو اول
دفعہ وہ اکیلا ہی ہوتا ہے اگر وہ اظہار حق نکرے اور بالکل چپکا بیٹھ رہے تو فرض تبلیغ احکام اُنکے ذمہ رہجائے اور فرضیت تبلیغ احکام کے انبیاء اور درویشوں اور علماء کے ذمہ سب کے
نزدیک مسلم ہے اور اگر کسی اور پر نہ ہو ہمارے پیغمبر آخر الزماں صلی اللہ علیہ پر تبلیغ احکام کی فرضیت اس آیت سے واشگاف ہے یَا اَیُّهَا الرَّسُوْلُ بَلِّغْ مَا اُنْزِلَ اِلَیْكَ مِنْ رَّبِّكَ وَاِنْ لَّمْ تَفْعَلْ
فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهٗ یعنی ای رسول پہنچا دے جو کچھ تیری طرف نازل کیا گیا ہے تیرے رب کیطرف سے اور اگر نکیا تو تونے کچھ نہ پہنچایا اُسکا پیغام اسیطرح اور لوگوں کو فرماتے ہیں وَلْتَكُنْ مِّنْكُمْ
اُمَّةٌ یَّدْعُوْنَ اِلَى الْخَیْرِ وَیَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ یعنی اور چاہیئے کہ رہیں تم میں ایک جماعت بلاتے نیک کام پر اور حکم کرتے پسندبات کو اور منع کرتے ناپسند سے ہم کو
ظاہر ہے کہ معروف و منکر کے جاننے والونکو ہی سو سیکا نام عالم اور درویش ہے جتنا کوئی زیادہ جاننے والا ہوتا ہی اُسکے ذمہ فرضیت زیادہ ہوگی سو اماموں سے زیادہ اس باب میں اور کون
ہوگا بالجملہ اگر انبیاء مہر سکوت سونہہ پر لگا کر بیٹھ رہیں اور سر سے سونہہ کو لپیٹ ہی نہیں تب انبیاء کا گنہگار ہونا لازم آئیگا اور احکام الٰہی پہنچائیں تو ظاہر ہے کہ احکام الٰہی تو نفس کے خلاف ہی
ہونگے اسیواسطے مطیع اور فرمانبردار کوئی کوئی ہوتا ہے ورنہ بہر بدبخت کوئی کوئی ہوتا اور جب نفس کے خلاف کوئی بات کہتا ہے تو لاکھ میں سے ایک تو مثل ابوبکر صدیق کے بے کھٹکے مانتا ہے ورنہ
سو حجتیں نکالتے ہیں بلکہ اُلٹے دشمن ہوجاتے ہیں پھر اُسوقت اگر آدمی لوگوں کی بدگوئی اور ایذا رسانی سے ہٹ رہے تو اُسمیں اور دنیاداروں میں کیا فرق رہا ہر کوئی اُسکو مطلب کا یار سمجھ کر
دونی تکذیب پر کمر باندھیگا اور جو سابقہ ہوگئی تھی وہ ہٹ رہیگی سو دین کی خیریت ہوئی اور نبوت بھی ختم ہولی اور اگر ایسی وقت میں پکار رہا اور لوگونکی بدگوئی اور نقصان جان و مال سے
نڈر اتو آگے پھر آسانی کا وقت ہے اللہ کا وعدہ ہے کہ بعد شدت اور کلفت کے نصرت پہنچا ہی چنانچہ آیہ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ آخر میں جو اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِیْبٌ ہے اسی مقبل ملکر ہی کہتا ہے
اور جب آسانی ہوئی اور خدا کی مدد آپہنچی تو پھر تقیہ کس مرض کی دوا ہے **اقول** پیغمبر پر ہمارے نزدیک تقیہ نہیں ہے اور اگر اُسپر کبھی تقیہ ہو تو اُسکے مبعوث ہو کر آنیکا واسطے ہدایت خلقت کے
کیا فائدہ ہے کہ احکام خدا کو چھپا رکھے البتہ اگر ابلاغ حق کو تقیہ مانع نہو اور ضرورت تقیہ کی ہو کہ انبیا ہی موقع آپڑے تو تقیہ بھی کرسکتا ہے اپنی جانکی حفاظت کے واسطے اور اسمیں کچھ قباحت نہیں
ہے جیسا کہ صحیح مسلم میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے تین جھوٹ بولے خوف جان سے چنانچہ فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے اور رسولخدا صلعم احکام تو سب پہنچاتے تھے لیکن
کسی امر میں تقیہ بھی کرتے تھے جیسے کہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہے اور پہلے اس سے ہم لکھ چکے ہیں کہ عائشہ سے رسولخدا صلعم نے فرمایا کہ اگر تیری قوم کے آدمی تازہ مسلمان نہوتے اور
میں ڈرتا ہوں کہ دل اُنکے انکار کریں تو میں خانہ کعبہ کو ڈھا کر بنیاد ابراہیم علیہ السلام پر اُسکو نئے سر سے بناتا سو لوگوں سے تقیہ کرکے بیٹھ رہے اور اُسکو ڈھانے نپائے اور تفسیر کبیر میں یہ فَلَمَّا جَنَّ عَلَیْهِ
اللَّیْلُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے کلمہ کفر کا اُنکی ہدایت کیلئے اپنی زبان پر جاری کیا اور لکھا ہے کہ ومعلوم عند الله انه یجوز کلمة الکفر علی اللسان قال الله اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّ بِالْاِیْمَانِ

اور آیت یا ایہا الرسول خاص حکم کے مقدمہ میں ہے اسواسطے کہ یہ آیت حجۃ الوداع میں نازل ہوئی ہے اور جبتک رسول خدا صلعم سب احکام پہنچا چکے تھے اور جس حکم کے پہنچانیکی تاکید ہوئی وہ ایک خاص ہے جسکے واسطے خدا تعالی فرماتا ہے کہ اگر تو اسے نہ کریگا تو گویا کوئی حکم نہیں پہنچایا ہے اور وہ حضرت سب احکام پہنچا چکے تھے کوئی ایسا ہی حکم باقی رہگیا ہوگا اور وہ حکم خاص حضرت علی کے خلافت کا حکم تھا کہ حضرت کو اس حکم کے پہنچانے میں تامل تھا لوگونکے انکار کے خوف سے اسیواسطے اسکے پہنچانیکی تاکید ہوئی اور لوگوں کے خوف کے دفع کو خداتعالی نے اسکے آخر میں فرمایا واللہ یعصمک من الناس یعنی اور خدا بچائیگا تمہکو آدمیوں سے اور تفسیر کبیر میں کئی وجوہ اس آیت کی تفسیر میں لکھی ہیں اور آخر میں لکھا ہے کہ جب آیت نازل ہوئی تو رسول خدا صلعم نے علی کی فضیلت میں فرمایا من کنت مولاہ فعلی مولاہ اور اس آیت سے تقیہ بھی ثابت ہوگیا کہ وہ حضرت بعضی مخالفین اور معاندین سے خائف تھے اور بسبب بغض و حسد حاسدین کے اور ظہور فتنہ و فساد کے اظہار حق نہیں کر سکتے تھے اسیواسطے یہ آیت بتاکید نازل ہوئی اور واللہ یعصمک من الناس فرمایا لیکن یہ محل اس گفتگو کا نہیں ہے فقط اشارہ ہی کر دیا گیا اور معلوم نہیں درویش جواسنے لکھا ہے یہ کون لوگ ہیں ظاہر ہے تو دو قسم ہدایت کرنیوالے لوگ ہیں انبیا اور علما اور درویش اگر عالم ہے تو علما کے قسم میں داخل ہے پھر اسکے ذکر کی کیا احتیاج ہے اور اگر درویش جاہل ہے تو کسی کام کا نہیں ہے اور یہ کون کہتا ہے کہ انبیا سکوت کرکے بیٹھ رہیں قطع نظر اسکے کہ انکے ذمہ ابلاغ احکام فرض ہے اگر وہ خاموش ہوکر بیٹھ رہیں تو انکی مبعوث ہونیکا کیا فائدہ ہے جس لئے وہ پیغمبر ہوکر آئے تھے وہ تو ان سے ادا ہوا ہی نہیں اور اگر ایک ابوبکر تمہارے نہیں مان بھی لیا تو کیا لطف ہوا انکے مان لینے کا انجام تو انہوں نے اپنا خراب کیا اور ہم تو یہی کہتے ہیں کہ جناب رسول خدا صلعم نے احکام کے پہنچانے میں کبھی خیال لوگوں کی ایذا رسانی کا نہیں کیا اور احکام کے پہنچانے سے کبھی نہیں ہٹے تو کہا اسنے کہتا ہے اور ایسے ہی ائمہ کا حال تھا کہ وہ بھی اپنے مطیعوں اور فرمانبرداروں کو تعلیم حق کرتے تھے لیکن خود سلطان جو انسے مخالف ہو رہے تھے اور ظالموں کی اطاعت کرتے تھے اور ان ظالموں کی خوشامد میں انکو آزار کے درپے ہوتے تھے اسلئے وہ بعضے وقت انکی مرضی کے موافق بھی کہدیتے تھے واسطے محافظت آبرو اور جان کے موافق حکم خدا کے اس حکم میں کہ جسکو پہلے اپنے مطیعوں کو موافق حق کے کہہ چکے ہیں یا پہلے امام سے انکو حکم حق معلوم ہو گیا ہے اور جو حکم حق کہ انکی ہی جہت سے معلوم ہو سکتا تھا اسمیں وہ بھی تقیہ نہیں کرتے تھے غرض یہ ہے کہ حق کے پہنچانے میں وہ تقیہ نہیں کرتے تھے اور فرائض شریفی اور احیاء العلوم میں لکھا ہے کہ ابن عباس کہتے تھے کہ عول شرع میں جائز نہیں ہے لوگوں نے کہا کہ تونے عمر کے زمانہ میں یہ کیوں نہ کہا کہا کہ اسکے خوف سے اب بتلاؤ کہ یہ تقیہ نہیں تو کیا ہے کہ حکم شرع کو عمر کے خوف سے چھپایا اور تاریخ الخلفا میں لکھا ہے کہ سات علماء نے مامون کے خوف سے تقیہ اسکے کہ قرآن کو مخلوق کہا البتہ پیغمبر کو حق کے پہنچانے میں تقیہ نہیں چاہئے اور انکے واسطے تقیہ کسی مرض کی دوا نہیں ہے مگر بعضے امور میں حسب ضرورت انکو بھی احتیاج تقیہ کی ہوتی تھی چنانچہ پہلے اس سے ہم کتب صحاح سے لکھ چکے کہ رسول خدا صلعم نے خانہ کعبہ کے ڈھانے میں اپنی قوم سے تقیہ کیا **قال الشیخ الاشعری** الغرض انبیاء کے حق میں کوئی ضرورت تقیہ کے روا ہونے کی معلوم نہیں ہوتی اور چونکہ ائمہ ہدی بھی نائبان پیغمبر صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں اور نائب کا وہی کام ہوتا ہے جس کام کے لئے منوب ہوا کرتا ہے تو بیشک تبلیغ احکام انکے ذمہ فرض ہوگی اور انکی کیا تخصیص ہے سب ہی پر فرض ہے چنانچہ ابھی مرقوم ہوا لیکن یہ خاص اسی کام کے لئے ہوتے ہیں پھر ائمہ ہدی معصوم بھی ہیں صدور گناہ کا احتمال نہیں تو انکو بھی تقیہ کا کرنا ممکن نہیں جیسے کہ انبیا سے ممکن نہیں سو بفضلہ تعالی رسول اللہ صلعم اور انبیاء کے احوال کے مطابق کرنے سے یونہی معلوم ہوتا ہے کہ حق گوئی میں انہوں نے ذرہ برابر دریغ نہیں کیا بلکہ اس سبب سے جان و مال و عزت و آبرو سب برباد کیا ہے اور اپنی بات سے نہیں پھرے رسول اللہ صلعم کا حال تو ظاہر ہے سب اہل اسلام نے سنا ہوگا آپکی ایذاؤں کی نوبت یہانتک پہنچی ہے کہ سالہا سال تک کفار نے ذات برادری سے ڈالے رکھا مکہ سے باہر شہر سے یہ عہد کر لیا تھا کہ انسے نہ کوئی بیع و شرا کرے نہ انکا کوئی کام مزدوری خبر مرد سے کریں اور زبانی طعن و تشنیع اور دشنام اور دست درازی تو جا بجا ہوتی آخر یہ ہوا کہ قتل کا ارادہ ہوا اور آپ چھپکر مدینہ منورہ کو تشریف لیگئے اگر تقیہ فرض کیا درست بھی ہوتا تو آپ کیوں اتنی مصائب اٹھاتے اور کیوں بیت اللہ جیسی اشرف چیز کو چھوڑ کر آتے ابو جہل اور ابو لہب جیسے دشمن ہوتے بری خلاکوئی مبتلا ہے تو بھی کہ ان ملعونوں کو سوائے حق گوئی کے اور کیا ستایا تھا زمین ملک انکی نہیں دبالی تھی ملک دولت انکی نہیں چھین لی تھی علی ہذا القیاس حضرت ابراہیم جو آگ میں ڈالے گئے اور ہجرت کر کے وطن سے چلے ... تو آپنے سوائے حق گوئی اور اظہار حق اور کیا گناہ کیا تھا **اقول** انبیا کو تو ہم بھی نہیں کہتے کہ وہ تقیہ کرتے تھے لیکن اہل سنت کی کتابوں سے بعضے بعضے انبیاء کا تقیہ کرنا ظاہر ہوتا ہے اور انبیاء اور ائمہ علیہم السلام میں فرق ہے کہ پیغمبر تو ابتداء احکام کا خدا کے پہنچانیوالا ہوتا ہے کہ وہ احکام منتشر ہو جاتے ہیں اور لوگونکو معلوم ہوجاتے ہیں اسکو احکام کے پہنچانے میں تقیہ کیونکر روا ہو اور اگر وہ تقیہ کرے تو احکام حقہ لوگوں کو کیونکر معلوم ہوں اور امام پیغمبر کے ان احکام کا جاری کرنیوالا ہوتا ہے کہ جو لوگونکو معلوم نہیں ہیں پس ان احکام میں امام بھی تقیہ نہیں کرتا ہے ورنہ حق لوگوں کو کیونکر معلوم ہو اور اگر تقیہ کرتا ہے تو ان احکام میں تقیہ کرتا ہے کہ جو لوگونکو پہلے سے پہنچ گئے ہیں اور مخالفین انکے جو وقت انکے پاس ہوتے اور انکی جانب سے مطمئن اور راضی نہ ہوتے انکا ہوتا تو وہ ان احکام کو انکی مرضی کے موافق بیان کرتے اور تبلیغ جن احکام کی انپر فرض ہے اسمیں وہ بھی تقیہ نہیں کرتے تھے اور سوا انکے اور لوگوں پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر البتہ واجب ہے لیکن اسکے مراتب ہیں اور جس مرتبہ میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو قائم کرنے میں خوف ضرر کا ہو تو وہاں اسکا حکم نہیں ہے اور زبان سے کچھ نہ کہنا چاہئے البتہ دل سے کراہت رکھے اور ائمہ ہمارے نزدیک معصوم ہیں لیکن تقیہ کرنا محل تقیہ میں گناہ بھی نہیں ہے کہ تقیہ انبیاء علیہم السلام نے کیا ہے چنانچہ اہل سنت کی کتابوں میں موجود ہے اور ہم لکھ چکے ہیں مگر ہمارے نزدیک احکام حقہ کے پہنچانے میں نہ انبیاء پر تقیہ ہے نہ ائمہ پر مگر بعد پہنچانے احکام حقہ کے اور ہم بھی مانتے ہیں کہ حق گوئی میں انہوں نے ذرہ برابر دریغ نہیں کیا اور رسول اللہ صلعم کا جو کچھ حال لکھا ہے سب راست اور درست ہے لیکن

وہ احکام کے پہنچانے میں تقیہ کرتے تو لوگوں کو احکام کیونکر پہنچتے اُنکو تو تقیہ چاہئے ہی نہیں اور کفار جو اُنسے عداوت کرتے تھے تو وہ مذہب کے سبب سے عداوت کرتے تھے کہ مذہب اسلام کو حضرت لیکر آئے تھے اور وہ بت پرست تھے اور جو لوگ کہ ائمہ سے عداوت رکھتے تھے وہ سب مسلمان ہی تھے اور نبی ہی کو پیارے تھے اور اُنکو اُنسے عداوت ذاتی تھی کہ وہ لوگ اُنکے مٹ جانے کے درپے تھے کہ یہ دنیا سے نابید ہو جائیں اور خیال یہ تھا کہ اگر یہ باقی رہیں گے تو لوگ انکی طرف رجوع کرینگے اسلئے درپے اُنکے مٹنے کے تھے اور بہانہ اُنکے ہلاک کرنیکا تلاش کرتے تھے اور علماء اُس زمانہ کے بلکہ اکثر خوشامدی اُنکے دشمنوں کے خوشامد میں جو کہ حکام اُس زمانہ کے تھے یعنی بنی امیہ اور بنی عباس اُن مظلوموں کی مخالفت تلاش کرتے تھے تاکہ حکام کو خبر کریں کہ ذریعہ اُنکی ہلاکت کا ہو اور وہ مظلوم بحکم آیت وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ ہر امر میں اپنے نفس کی محافظت کرتے تھے اور ظاہر میں اُنکی مرضی کی موافقت بھی رکھتے تھے ہر چند تدبیر میں اپنے بچاؤ کی کرتے تھے لیکن پھر اُنکو نہ چھوڑا اور زہر دلوا کر اُنکو قتل کروایا یہ تھا حال اُن مظلوموں کا اور یہی سبب تھا بعضے امور میں تقیہ کرنیکا لیکن حق کہنے میں اُنہوں نے بھی تقیہ نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور ہمارے نزدیک تو حضرت ابراہیم نے بھی تقیہ نہیں کیا اور نہ وہ جھوٹ بولے ہیں لیکن اہل سنت کی کتب صحاح میں لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم لوگوں کے خوف سے تین جھوٹ بولے نعوذ باللہ منہ **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ مثل آفتاب روشن ہو گیا کہ انبیاء نے نہ تقیہ کیا اور نہ اُنسے تقیہ ہو سکے علی ہذا القیاس جو اُنکے نائب ہیں نہ اُنہوں نے تقیہ کیا نہ اُنسے ہو سکے چنانچہ حضرت امام حسین سید الشہداء کی جان نازنین پر جو کچھ گزرا جانتے ہیں باعث اُسکا فقط حق گوئی تھا ورنہ یزید کا کلمہ کہہ لیتے تو جان کی جان بچتی اور الٹی مال و دولت اور اعزاز و اکرام ہوتا اور حضرت امام الائمہ حضرت امیر کا امیر معاویہ سے لڑنا سب پر روشن ہی ہے سوائے اُنکے اور اماموں کا حال بھی سنا ہوگا کہ سلاطین غاصب اُنکو کیا کیا ایذائیں دیتے تھے یہ نوبت پہنچی قید خانوں میں محبوس ہوئے اگر تقیہ کر لیتے تو کیوں ذلت اور خواری اور کیوں یہ محنت و دشواری اُٹھاتے **اقول** تجھکو یہ کہنا نہیں چاہئے کہ انبیاء نے تقیہ نہیں کیا اور نہ اُنسے ہو سکے تیری کتابوں میں تو انبیاء کا تقیہ کرنا لکھا ہوا ہے چنانچہ ہم لکھ چکے اور ہمارے نزدیک جو کچھ انبیاء اور ائمہ علیہم السلام کا حال تقیہ میں تھا اُسکو بھی ہم کئی دفعہ لکھ چکے اور امام حسین علیہ السلام کا حال بھی ہم مفصل لکھ چکے کہ اُنہوں نے تقیہ کیوں نہیں کیا اور کیونکر وہ تقیہ کرتے کہ تقیہ کرنے میں اُنکو کچھ فائدہ نہ تھا اور وہ قرائن اور علامات سے جان گئے تھے کہ اگر میں اُسکی بیعت کر لونگا تو بھی یہ مجھکو نہ چھوڑیگا کہ عداوت ذاتی رکھتا ہے پھر کیا فائدہ تھا تقیہ کرنے میں اور ہم پہلے اُس سے مفصل تقیہ نہ کرنیکی وجوہ کو لکھ چکے اور جناب امیر علیہ السلام جو معاویہ سے لڑے ایک لشکر اُنکے ہمراہ تھا اِس صورت میں باغی سے لڑنا واجب ہے اور باقی ائمہ علیہم السلام جو سب کے سب مظلوم اور بے یار و مددگار تھے اور جانتے تھے کہ یہ حکام معتقد بھی نہیں اور عداوت ذاتی ہم سے رکھتے ہیں اور کسی نہ کسی بہانہ سے ہمکو قتل کرینگے اُنہوں نے سب طرح سے احتیاط کی اور اپنے نفوس مقدسہ بچانیکی تدبیریں کیں اور ظاہر میں اُنکی موافقت رکھی اور اُنکی مخالفت سے اپنے تئیں محفوظ رکھا لیکن تب بھی نہ چھوڑا کہ عداوت ذاتی رکھتے تھے اور اُنہوں نے تقیہ بعضے امور میں کیوں نہیں کیا اُنہوں نے تو سب کچھ کر کے دیکھ لیا لیکن پھر بھی نہ بچے کہ ان ظالموں کو تو اُنکا مٹانا منظور تھا ایسا نہ ہو کہ لوگ اُنکو اولاد رسول اور وارثان علم رسول سمجھکر اُنکی طرف رجوع کریں اور ہماری سلطنت میں خلل آوے اور اطاعت اپنی کرانی اُنکو منظور تھی ہر چند وہ بظاہر موافقت کیے چلے جاتے تھے **قال الشیخ الاشعری** ہاں عوام مومنین کی نسبت اگر کوئی کہے تو خصوصیت درکار البتہ جواز معلوم ہوتا ہے اگر عذر قرار واقعی ہو مثلاً لڑکے اور عورتیں اور اندھے اور لنگڑے لولے اور اپاہج اور قیدی اور سوا اُسکے جو کوئی ایسا ہی ناچار ہو تو اُسکو بقدر ضرورت کفار سے موافقت جائز ہے بشرطیکہ جان کا یا کسی عضو کا اندیشہ ہو اپنی یا اپنی اولاد یا ماں باپ وغیرہ کا اور اگر کچھ یونہی تکلیف کا اندیشہ ہے جسے تحمل کر سکے پھر کفار سے موافقت کرنی ہرگز جائز نہیں اور باایں ہمہ ثواب اسمیں ہے کہ تقیہ نہ کرے کیونکہ صبر کی جو جا بجا تعریفیں کتاب اللہ میں آئی ہیں تو ایسے ہی دن کے واسطے ہیں نہیں تو عقیدہ میں کیا اندیشہ جو صبر کی ضرورت ہوتی اسیطرح بلاؤں اور تکلیفوں میں آتے ہیں اور بعضے عناد و مقابلہ بن جاتے ہیں اسلئے کلام اللہ میں جتنی صبر کی تاکید ہے اتنی اور کسی چیز کی نہیں وَتَوَاصَوْا بِالْحَقِّ وَتَوَاصَوْا بِالصَّبْرِ یعنی سب انسان ٹوٹے میں ہیں مگر جو ایمان لائے اور اچھے عمل کئے اور آپسمیں ایک دوسرے کو حق گوئی اور حق پر قائم رہنے اور صبر کی نصیحت کی **اقول** پہلے تو تجھے مطلق تقیہ سے انکار تھا کہ تقیہ کسی طرح جائز نہیں ہے اور اب تو عوام کے واسطے اقرار کرتا ہے یہ تو کہاں سے کہتا ہے اور کس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ لنگڑے اور لولے کے واسطے تو جائز ہے اور صحیح و سالم کے واسطے جائز نہیں ہے ابن عباس کیا اندھے اور لنگڑے اور اپاہج تھے جو اُنہوں نے عول کے مسئلہ میں عمر کے خوف سے تقیہ کیا جیسے کہ احیاء العلوم اور فرائض شریفی میں لکھا ہے اور سات علماء معتبرین نے جو قرآن کے مقدمہ میں تقیہ کیا مامون کے سامنے اور قرآن کو کہا کہ مخلوق ہے جیسے کہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کیا وہ اندھے و اپاہج اور لنگڑے اور عورتیں تھے ہیچ تو نے لکھا ہے کہ ایسے لوگوں کو تقیہ جائز ہے اور صحیح و تندرست کو جائز نہیں ہے اور کیا تو جانتا نہیں ہے کہ ایک آدمی یا ایک یا دو یا چار آدمی مقابلہ میں ہزاروں ظالموں کے مثل اندھے لولے اپاہج اور لڑکے اور عورت سے زیادہ بدتر ہیں تو اور روپوش ہونے میں تخصیص اندھے اور اپاہج کی کیا ہے اور تقیہ کے احکام بھی مختلف ہیں بعضی محل میں واجب ہے اور بعضی محل میں جائز اور بعضی میں حرام اور واجب موجب حکم خدا ہے جس جگہ کہ خوف ہلاکت ہو چنانچہ فرماتا ہے وَلَا تُلْقُوا بِاَیْدِیْکُمْ اِلَی التَّھْلُکَۃِ اور امام رازی نے تفسیر کبیر میں واجب لکھا ہے کہ دفع الضرر عن النفس واجب اور شرح اشباہ و نظائر میں عینی شرح صحیح بخاری سے نقل کی ہے کہ وقد یجب فی بعض الصور بالاتفاق اور اگر ضرر ایسا ہو تو البتہ وہاں جائز ہے اور جہاں کسیطرح کا ضرر اور کھٹکا نہیں ہے تو وہاں حرام ہے اور دیکھ تو تیری ہی کتابوں میں وجوب لکھا ہے یا نہیں اور تو وجوب کی نفی [illegible] اور جان کے اندیشہ میں البتہ واجب ہے خواہ اپنی جان ہو خواہ مال اور باپ اور اولاد کی کہ دفع ضرر کا نفس سے واجب ہے اور البتہ جواز کی صورت میں کہ جہاں تھوڑا سا ضرر [illegible] اولی ترک [illegible] ہے مگر تقیہ ہی کر سکتے ہیں تقیہ ایسے محل میں ممنوع ہے کہ

اور پلاؤ اور متنجن کے واسطے اہل سنت تقیہ کرتے ہیں شیعوں سے اور حاضری میں حضرت عبا کی حلوا چٹ کرتے ہیں اور تبرا بھی سنتے ہیں اور ہم کہتے ہیں کہ جواز کی صورت میں صبر اولے ہی اور تقیہ
بھی مضائقہ نہیں ہے **قال الشیخ الاشعری** شیعوں کے مذہب میں تو حق گوئی کہاں حق کو دبایا تاکید ہی ابوبکر صدیق کو تو ایک فدک کی دبا لینے میں تقیہ تبرا کہتے ہیں جو تمام حق خداوندی یعنی دین حق کے دبانے
کی فضیلت کے قائل ہیں اور کتنی ہزار لعنت چاہئے اور سوا اسکے ان اصبروا ان الله مع الصابرین ان الله یحب الصابرین وصبروا وغیرہ آیات صبر سے کلام الله بھرا ہے اگر تقیہ فرض ہوتا تو صبر کرنا کسی کام کا ہی نہ تھا صد جا کہیں
ایک جگہ تو اسکا حکم آتا الحاصل اگر تقیہ ہے بھی تو عوام کے واسطے ہے وہ انہیں ہی معذوروں کے لیے نہ کہ سبکے لیے اور واسطے بھی جان کے خوف سے اور بھی جائز ہے واجب نہیں بلکہ ثواب کی بات یہی ہے کہ نہ کرے **اقول**
شیعوں کے برابر کسی مذہب میں حق گوئی نہیں ہے اور تقیہ کرنے سے حق گوئی نہیں جاتی اور حق کا دبانا نہیں ہے اور دین حق دبایا خلفا ثلاثہ نے کہ حق کو پس پشت ڈالکر خلاف دین حق
کے طریقے مقرر کئے اور اگر کسی نے کسی ظالم کے خوف سے تقیہ کیا تو کیا مضائقہ ہے کہ وہ بھی بموجب حکم خدا ہے اور حق گوئی اہل سنت کے مذہب میں نہیں ہے کہ وہ انبیا پر تہمت حق چھپانے کی کرتے ہیں اور
کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کی زبان پر کلمہ کفر جاری ہوا اور تین جھوٹ وہ بولے اور جناب رسولخدا صلعم کی زبان پر کلمہ کفر کا تعریف میں بتوں کی جاری ہوا اور فرمایا کہ تلك الغرانیق العلی
وان شفاعتهن لترتجی اور ابوبکر نے فدک کیا خلافت کہ جو مدار ہدایت اور ضلالت کا تھا اسکو دبا کر لوگوں کو گمراہ کیا اور جو شخص ایسا کرے اسکو کیونکر برا نہ کہیں اور دین حق ہم سے چھین کر بنایا ایسا
ہے تم خود گمراہ ہوگئے ہو اور تم جو حضرت ابراہیم کو اور جناب رسولخدا علیہما السلام کو حق کا دبانیوالا کہتے ہو تم پہ لعنت چاہئے اور جیسے کلام الله میں صبر کی آیات ہیں ایسی ہی تقیہ کی بھی آیتیں موجود ہیں
اور صبر کچھ تقیہ نہ کرنے کے واسطے نہیں ہے بلکہ صبر کرنے کی بہت صورتیں ہیں بلاؤں کے نازل ہونے پر اولاد اور مال کے ضائع ہونے پر مکروہات و مصائب اور حوادث کے نازل ہونے پر اور درد
اور بیماری اور فقیری پر کہ صبر ان امور کے واسطے ہر گھڑی کے کام کا کیوں نہیں ہے اور حکم تو اسکا کلام الله میں موجود ہے **الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان** اور **ولا تلقوا بایدیکم الی التهلکة**
سوا اسکے اور تقیہ میں عوام کی کہیں تخصیص نہیں ہے اور نہ معذوروں کی تیرے نزدیک حضرت ابراہیم و حضرت موسی اور جناب رسولخدا صلعم جو کعبہ کو نہ ڈھا سکے عایشہ کی قوم سے تقیہ کیا اور ابن عباس
اور وہ سات علما کہ جنہوں نے قرآن کو مخلوق کہا اور سوا انکے اور لوگ جنکا تقیہ کرنا اہل سنت کی کتابوں سے ثابت ہے عوام میں سے اور لنگڑے لولے اندھے ہونگے اور تقیہ جان کی خوف سے واجب ہے اور سوا اسکے
جائز ہے اور ثواب کی بات تقیہ نہ کرنے میں نہیں ہے اور جواز کی صورت میں یہ ہے کہ چاہے کرے چاہے نہ کرے **قال الشیخ الاشعری** اور اگر کرے بھی تو واجب ہے کہ بقدر ضرورت کرے اور عین حالت
تقیہ ہجرت کے فکر میں رہے اور جب قدرت پائے تو آنکھ بچا کر کہیں ایسی جگہ بھاگ جائے جہاں اظہار حق سے کوئی مانع نہ ہو کیونکہ کلام الله میں ہجرت کی بڑی تاکیدیں ٹھہری ہوئی ہیں **ان ارضی
واسعة فایای فاعبدون** یعنی میری زمین واسعہ ہے گھر کی کیا تخصیص ہے جہاں بن پڑے وہاں ہی چلے جاؤ اور میری ہی عبادت کرو دوسرے **ان الذین توفهم الملئکة ظالمی
انفسهم قالوا فیم کنتم قالوا کنا مستضعفین فی الارض قالوا الم تکن ارض الله واسعة فتهاجروا فیها فاولئك ماوهم جهنم وساءت مصیرا** یعنی جو لوگ ظالم اپنی جانوں کے ہیں قبض کرتے ہیں
اور وہ ہجرت کے مقدمہ میں تقصیر وار ہیں تو فرشتے انسے کہتے ہیں تم کس کام میں تھے وہ کہتے ہیں کہ ہم ضعیف بے بس ایک زمین میں پڑے تھے کہتے ہیں کیا الله کی زمین واسع نہ تھی سو تم ہجرت کرتے سو ایسے لوگوں کا ٹھکانا جہنم ہے اور وہ
بری جگہ ہے انجام کی اور سوا ان آیات کے اور بہت آیات میں ہجرت کا حکم ہے سو ہجرت کا حکم اسی مدینہ سے ہوتا ہے کہ احکام دینی ظاہر نہیں ہو سکتے **اقول** اگر ایسا حال ہو کہ شعار اسلام بسبب خوف کفار کے کچھ نہیں ادا ہو سکتے اور
دار الحرب میں رہتا ہے تو البتہ وہاں سے دار الاسلام کی کہ جہاں امن ہو وہاں ہجرت کرنی چاہیئے اور اس صورت میں ہجرت کا ترک کرنا گناہ کبیرہ ہے اور اگر ایسا نہیں ہے بلکہ اپنے مذہب کے موافق نماز
روزہ وغیرہ سب کچھ ممکن ہے اگرچہ پوشیدگی سے ہو جیسے کہ رسولخدا صلعم مکہ معظمہ میں قبل نزول آیت فاصدع بما تؤمر کے پوشیدہ نماز پڑھتے تھے تو ہجرت کی کچھ زیادہ تاکید نہیں ہے اور اگر یہ کنایہ
طرف ائمہ علیہم السلام کے ہے تو انکے واسطے تو کوئی صورت ہجرت کی نہ تھی اسواسطے کہ وہ تو اظہار حق کرتے تھے اور اپنے معتقدوں کو مسائل حقہ تعلیم کرتے تھے اور علمائے یہود و نصاری کو اور اہل سنت کو اور
ملحدوں کو گفتگو کر کے ساکت کرتے تھے اور تقیہ کا اتفاق بہت نادر کسی بعضی امر میں ہوتا تھا انکے واسطے ہجرت کی کون صورت تھی اور سوا اسکے یہ ہے کہ جاتے کہاں جہاں جاتے وہاں دشمنان جانی موجود
تھے یا کفار تھے کہ وہ دشمن اسلام تھے **قال الشیخ الاشعری** بالجملہ عوام کو بشرائط مذکورہ جائز ہے واجب نہیں ہے نہ ایسے ہی ہٹے کٹوں کو جو زمین میں لات ماریں تو پانی نکل آئے ہرگز اخفاء
حق جائز نہیں انکو یہ لازم ہے کہ اگر وطن میں یا جہاں کہیں وہ ہوں اظہار حق نہ کر سکیں تو وطن چھوڑ کر چلے جائیں جناب باری فرماتا ہے **لا یتخذ المؤمنون الکافرین اولیاء من دون المؤمنین ومن
یفعل ذلك فلیس من الله فی شیء الا ان تتقوا منهم تقیة ویحذرکم الله نفسه والی الله المصیر** فقط اتنی ہی اجازت پر دلالت کرتی ہے کہ اپنا بچاؤ کرو پر کفار سے موافقت
اور دوستی مت کرو سو بچاؤ تو یوں بھی ہو سکتا ہے کہ آدمی اس جگہ سے چل دے تسکین خاطر کے لیے معنی ساری آیت کے لکھے دیتا ہوں حاصل یہ ہے کہ مومن کافروں کو اپنا دوست نہ بنائیں اور
انسے موافقت اور صلح نہ رکھیں مومنوں کو سوائے خدا کے اور کسی کی موافقت اور دوستی نہیں چاہئے اور جو ایسا کریگا وہ الله کے حساب سے کسی شمار میں نہیں مگر ہاں یہ تمہیں اختیار ہے کہ کچھ اپنا بچاؤ کرو
اور پھر یہ ہے کہ الله آپ سے ڈراتا ہے اور پھر الله کیطرف سب کا ٹھکانا ہے یعنی مجھ سے ڈرنا چاہیئے کہ میری طرف آنا ہے کافروں سے کیا ڈرتے ہو انسے موافقت تو جب کرتے جب انکی طرف ہرگز تمہیں جانا ہوتا
فقط ہاں اگر آدمی انکے پنجوں میں پھنس جائے محبوس ہو یا مثل محبوسوں کے ہو جیسے اندھے اپاہج لنگڑے لولے بچے اور عورتیں بیمار اور پھر تس پر کفار زبردستی بھی کریں اور وہ زبردستی بھی ایسی ہو کہ جسکو
کے موافق اٹھا نہیں سکتا جیسے قید اور قتل تو اختیار ہے اگرچہ ثواب اسمیں ہے کہ تحمل کرے کیونکہ الا من اکره وقلبه مطمئن بالایمان سے اجازت ہی معلوم ہوتی ہے کہ اکراہ کی صورت میں فقط بظاہر موافقت

سوا کراہ سے ہی کہی ہیں جو جہاد کو رہو الیکن ان آیات سے جو خدا کی راہ میں مارے جائینگے فضائل انہیں بیان ہیں یوں معلوم ہوتا ہے کہ ثواب اظہار ہی میں ہے **اقول** شروط تقیہ میں اندھا اور لنگڑا ہونے کی شرط ہے
اور نہ کسی کتاب مذہب اہل سنت میں یہ لکھا ہے بلکہ مطلق ہے خواہ لنگڑا لولا ہو خواہ تنہا اکیلا ہو اور ایک یا دو آدمی کیسے ہی ہٹے کٹے ہوں مگر مقابلہ میں بیس پچیس آدمیوں کے لنگڑے لولے سے زیادہ ناتواں و مدد سے
ہیں ایسی صورت میں انکو اخفاء حق بدرجہ اولیٰ روا ہوگا اور یہی کتب فریقین سے ثابت ہے نہ جس طرح سے کہ تو لکھتا ہے اور اگر شروط ہجرت کی پائی جائیں تو البتہ ہجرت کرنی چاہئے اور تقیہ میں بچاؤ ہی اپنا کیا جاتا ہے
اور کبھی ہوتا ہے اور جو کچھ اس آیت سے ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ کفار سے دوستی نہ کرنی چاہئے اور ظاہر کی موافقت کا مضائقہ نہیں ہے کہ جناب رسولخدا صلعم نے اکثر کفار سے مصالحہ کیا ہے اور قرآن شریف میں خدا تعالیٰ
حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم کرتا ہے صلح کرنیکا اور حدیث میں آیا ہے کہ کفار سے بھی موافقت و ملاقات رکھنی چاہئے کہ اگر وہ تمہاری موافقت میں ایمان لائینگے تو تمکو انسے آزار تو نہ پہنچیگا اور ترجمہ آیت کا
تو غلط کسواسطے کرتا ہے کہ انسے موافقت اور صلح نہ کریں آیت میں کہاں ہے آیت میں تو یہ ہے کہ دوستی انسے مت کرو اور دوسری آیتوں میں صریح موافقت اور صلح کرنیکا حکم موجود ہے اور رسولخدا صلعم اسکو عمل میں
لائے ہیں چنانچہ کتب فریقین اسکی گواہ ہیں اور جو کہ خوف حقیقی ہے وہ تو خدا ہی سے چاہئے نہ اور کسی سے اور اسیواسطے خدا تعالیٰ اپنے خوف کرنیکا حکم کرتا ہے لیکن بچاؤ نفس کے واسطے کافروں کے خوف سے
موافقت کرنیکا حکم بھی دیتا ہے اور تقیہ آدمی جب ہی کرتا ہے کہ جب کافروں کے پنجہ میں پھنسا ہوا ہو کہ بدلے اسکے اسکو چارہ نہیں ہے لیکن پنجوں میں پھنسنے سے یہ مراد ہی نہیں ہے کہ قید ہی ہو یا
اندھا اور اپاہج ہو بلکہ کافروں یا ظالموں میں اسکی بود و باش ہو اور بسبب عذرات چند اس مقام کو ترک نہیں کر سکتا ہے چنانچہ تاریخ الخلفاء میں لکھا ہے کہ مامون نے سات علماء کو طلب
کر کے خلق قرآن سے سوال کیا تو انہوں نے تقیہ کر کے قرآن کو مخلوق کہا اور ایسے ہی امام احمد حنبل نے بادشاہ کے خوف سے مخلوق ہونیکا قرآن کے انکار کیا اگرچہ مخلوق بھی نہیں کہا تو وہ نہ اندھے اور
اپاہج تھے مگر کیا ہے کہ وہ باشندے وہاں کے تھے اور ہجرت کر جانا انکو وہاں سے ثابت نہیں اور ایسے ہی ابن عباس نے عمر کے خوف سے عول کو منع نہ کیا اور زبردستی بھی ان پر کسی نے نہیں کی لیکن نقصان
آزار پہنچنے کا بادشاہ کی طاقت تھا اور قید اور قتل کی بھی شرط نہیں ہے اور قید اور قتل کیا اپنے مال کے واسطے بھی تقیہ کر سکتے ہیں چنانچہ تفسیر کبیر میں لکھا ہے کہ وھل یجوز لصون المال یحتمل
ان یکون الحکم فیہ بالجواز لقولہ علیہ السلام حرمۃ مال المسلم کحرمۃ دمہ ولقولہ علیہ السلام من قتل دون مالہ فہو شہید اور جبوقت مال کے واسطے تقیہ جائز ہوا تو
آبرو کے واسطے تو بدرجہ اولیٰ ہوگا اور ثواب خدا کی راہ میں مارے جانے کا جبہے کہ اگر کوئی جہاد میں مارا جائے یا کوئی کافر مسلمان سمجھ کر مار ڈالے اور اگر جانے کہ میں اگر تقیہ نہ کرونگا تو مارا جاؤنگا امید ہے وہ تقیہ
نہ کرے اور مارا جاوے تو اسے تو اس صورت سے کہ اس نے خود اپنے نفس کو قتل کیا کہ عمداً اسکو ہلاکت میں ڈالا اور خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ وَلَا تُلْقُوا بِاَيْدِيكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ **قال الشیخ الاشعری**
باقی حضرت ابراہیم ع کا جھوٹ بولنا کوئی زبان پر لاوے تو کمال بیحیائی کی بات ہے انہوں نے بظاہر جھوٹ بولا حقیقت میں جھوٹ نہیں بولا قصہ انکا معروض ہے معلوم ہو جاوے جب حضرت
ابراہیم ع نے اپنی قوم کو سمجھانا شروع کیا اور بت پرستی سے منع کیا اور بتوں کی ہجو کرنی شروع کی تو حضرت کے باپ ہی اول تو مخالف ہوگئے اور انکا کہنا ماننا تو درکنار انکو دھمکانا شروع کیا یہ اس فکر
میں تھے کہ کسی طرح سے کچھ ہو تو بیچ اتفاقاً کفار کی عید کا دن آگیا لوگ انکو بلانے بھی آئے کہ چلو انہوں نے ستاروں کی طرف دیکھکر یوں فرمایا کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں کفار نے سمجھا کہ جیسے ہم نجوم کا
اعتبار کرتے ہیں یہ بھی نجوم کو مانتے ہیں سو انہیں نجوم کی راہ سے کچھ یوں معلوم ہوا ہے کہ میں جاؤنگا تو بیمار ہو جاؤنگا اور یہاں حقیقت میں ستاروں کو ملاحظہ کر ایک نام ہی دیکھا تھا اور یہ جو کہا تھا
کہ میں بیمار ہو جاؤنگا یا تو یہ آنا بیماری سے ہونیکے یا آدمی بیمار ہوا ہی کرتے ہیں اور یہ انسے کہا ہی نہ تھا کہ مجھے ستاروں کے حساب سے معلوم ہوتا ہے کہ میں بیمار ہو جاؤنگا جو جھوٹ ہوتا ہاں وہ یہی
سمجھ گئے کہ انہیں نجوم سے یہ بات معلوم ہوئی جب وہ اپنی عید میں چلے گئے تو انہوں نے انکے سب بتوں کو ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا اور ایک بڑے بت کو کچھ نہ کہا آخر جب کفار پلٹ کر آئے تو انہیں خبر ہوئی اور انہیں
ہی اپنے بتوں کا دشمن سمجھتے تھے سو انہیں ہی پکڑ لائے جو پوچھا تو انہوں نے استہزا کے طور پر کہا کہ صاحب اس بڑے بت نے یہ کام کیا ہے سو یہ وہ صراحۃ جھوٹ ہے کہ جیسے کوئی دیوانہ بھی یوں کہدے کہ یہ ایسا
جھوٹ ہے جیسے ہم سمجھتے ہیں بلکہ ایسی بات ہمارے محاورہ میں بڑا سچ گنا جاتا ہے ان دونوں قصوں کو برائے خدا غور کیجے اور پھر فرمائیے کہ یہ اخفاء حق ہے یا اظہار حق ہے اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ اسی کام
کی بدولت آگ میں ڈالے گئے خاصکر یوں کہنا کہ بڑے نے کیا ہے یہ جھوٹ کیا سچ سے بھی زیادہ ہے اسلئے مطلب پر دلالت کرتے سب جانتے ہیں کہ یہ جواب کیا تھا ایک چڑانا تھا ایسی مدت تک انکو
غصہ نہ آتا تب تک آتا اور حقیقت میں چھپاتے تو دین کو اسوقت چھپاتے سو چھپانا تو درکنار حضرت نے اول تو انکو چڑایا اور پھر انسے کیا سوال جواب کئے کہ ستم کا حوصلہ نہیں جو ایسے وقت ایسی بات
کہے اور اول دفعہ جو انکو نجوم کیطرف دیکھکر دھوکا دیا تو کچھ جان کا بچاؤ آپکو مد نظر تھا مال کا بچاؤ آپکو مد نظر تھا آبرو کا بچاؤ آپکو تھا بلکہ اپنی جان کھونیکا شوق لگا تھا فقط مطلب اتنا تھا
کہ یہ چلے جاویں تو تنہائی میں انکے بت ٹکڑے ٹکڑے کئے جاویں سو یہ کام کرنا جان پر کھیلنا تھا ہاں اسکے ساتھ یہ بھی ہو کہ سوم کفار اور انکی عبادت اور شعائر بھی یکسو ہیں بہرحال یہ جان مال کا
سامان تھا اور جانا ہی کو تقیہ کہنا ایسوں ہی کا کام ہے کہ جنکو دم کی اور ناک کی تمیز نہو باقی رہا تیسرا جھوٹ وہ یہ ہے کہ حضرت اپنی بیوی سارہ کو لئے ہجرت کئے ہوئے جاتے تھے ایک بستی میں جا کر پہنچے
جہاں کا حاکم بڑا ظالم اور نہایت زانی تھا اسکے شیطانی لشکر میں سے کسی نے حضرت سارہ کے حسن و جمال کی خبر کر دی اس مردود نے انکو بلوا بھیجا تب حضرت ابراہیم نے بایں خیال کہ اگر اس مردود
کو حضرت سارہ کا کچھ زیادہ خیال ہوا تو یوں سمجھکر کہ خاوند کی سب سے زیادہ غیرت ہوتی ہے ایسا نہو پہلا کر مجھکو مروا نہ ڈالے جب حضرت سارہ کے لیجانے کو اسکے پیادے آگئے تو یوں فرمایا کہ اب سارہ
اگر وہ ظالم تجھ سے پوچھے تو یوں کہنا کہ میں ابراہیم کی بہن ہوں کیونکہ ہم تم دونوں دینی بہن بھائی ہیں علاوہ حضرت سارہ حضرت ابراہیم کے چچا کی بیٹی بھی تھیں تو بھی حقیقت میں جھوٹ نہ تھا

اور اگر بالفرض و التقدیر یہ کہنا جھوٹ ہی تھا تب بھی دین کا اخفا تو نہ تھا اگر اخفا تھا تو علاقہ زوجیت کا اخفا تھا اور وہ بھی بایں غرض کہ یہ جان جو حق گوئی میں جانیکے لائق ہے ایسا نہو کہ ایسے قصہ میں جاتی رہے۔ خدا کی راہ میں جان نثاری کا ارمان دل کا دل میں رہجائے غرض اس جگہ جان کا بچانا بھی اسی لیے تھا کہ کل اظہار حق کروں اور خدا کے کام میں جان دوں ایسے قصہ میں نہ مروں بالجملہ حضرت ابراہیم کے معاملات سے تقیہ کا ثابت کرنا کمال دانشمندی اور خوش فہمی پر دلالت کرتا ہے **اقول** شیعہ تو حضرت ابراہیم کی طرف کذبوں کو منسوب ہی نہیں کرتے ہیں اور نہ کہتے ہیں کہ حضرت ابراہیم جھوٹ بولے یہ حوصلہ اہل سنت ہی کا ہے کہ بلحاظ ثلاثہ کہ وہ طرح طرح کے عیبوں میں بھرے ہوے تھے انبیاء علیہم السلام کو بھی عیبوں میں آلودہ کرتے ہیں اور حضرت ابراہیم کو کہتے ہیں کہ وہ مین جھوٹ بولے خوف سے اور جھیا اور بغیرت ہیں تو اہل سنت کے علما ہیں جو تین جھوٹ کہتے ہیں چنانچہ صحیح مسلم کی کتاب الفضائل میں لکھا ہے عن ابی هریرة ان رسول الله صلی الله علیه وسلم قال لم یکذب ابراهیم النبی علیه السلام قط الا ثلث کذبات ثنتین فی ذات الله قوله انی سقیم وقوله بل فعله کبیرهم هذا و واحدة فی شان سارة یعنی روایت ہے ابو ہریرہ سے کہ تحقیق رسول خدا صلعم نے کہا کہ نہیں جھوٹ بولا ابراہیم پیغمبر نے کبھی مگر تین جھوٹ دو جھوٹ تو خدا میں ایک تو انکا کہنا کہ تحقیق میں بیمار ہوں اور کہنا انکا بلکہ کیا ہے اسکو بڑے انکے نے اسکو اور ایک جھوٹ شان سارہ میں کہ وہ جو بیبی تھی حضرت ابراہیم کی انہوں نے اسکو بہن کہنا بتلایا اور فتح الباری میں اس حدیث کی شرح میں لکھا ہے کہ وعلی کل تقدیر فلم یصدر ذلك من ابراهیم یعنی اطلاق الکذب علی ذلك الا فی حال شدة الخوف لعلو مقامه الا فالکذب المحض فی مثل تلك المقامات یجوز وقد یجب لتحمل اخف الضررین یعنی ہر تقدیر پر پس نہیں صادر ہوا وہ حضرت ابراہیم سے یعنی بولنا جھوٹ کا اسپر مگر شدت خوف سے اسکے مرتبہ کے بلند ہونیکی جہت سے اور جو نہیں محض کذب ایسے مقام میں جایز ہے اور کبھی واجب ہوتا ہے واسطے متحمل ہونے زیادہ خفیف ضرر کے دو ضرروں میں سے اور جھوٹ جو بولتے ہیں تو ظاہر ہی میں ہوتا ہے تیرے علما تو یہی لکھتے ہیں کہ وہ حقیقت میں جھوٹ بولے اور قصہ جو انکا لکھا ہے اس سے کیا فائدہ ہے اس قصہ کو تو تیرے علما ہی جانتے تھے جنہوں نے انکا جھوٹ بولنا لکھا ہے اور قرآن شریف میں اور روایت حدیث میں دو میں تو لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم نے فرمایا اِنِّی سَقِیۡمٌ یعنی تحقیق میں بیمار ہوں اور تو اسکا ترجمہ لکھتا ہے کہ میں بیمار ہونیوالا ہوں اور اگر ان حضرت نے استہزا کہا تو تیرے علما تو ملتے ہیں جھوٹ ہی لکھتے ہیں اور استہزا میں جھوٹ بولنا کب جایز ہے تیرے علما تو اسکو بھی جھوٹ ہی لکھتے ہیں استہزا ہو یا غیر استہزا سو حقیقت میں بولا کیا بڑے یا گل تھے تیرے علما جو انہوں نے اسکو جھوٹ مقرر کیا سو تیرے ہی محاورے میں جھوٹ بڑا سچ ہے کہ جسکو تیرے علما بڑا جھوٹ مانتے ہیں اور انکے قول کے سامنے وہ کون دیوانہ ہے کہ جو تیری بک بک کو سنیگا اور تیرے علما تو انکا اخفا حق لکھتے ہیں کہ جو امر حق اور واقعی تھا اسکو تو چھپایا اور خلاف واقع کے بیان کیا اور تو اسکو اظہار حق کہتا ہے اور لکھتا ہے کہ برائے خدا غور کیجے اور توڑا تو بتوں کو حضرت ابراہیم نے اور سر بر فتنت کے یہ کیونکر سچ سے زیادہ ہوجائیگا اور مخالف اسکو کیونکر تسلیم کریگا لیکن سفینہ اہل بیت سے جو تم متخلف ہو اسواسطے تم بھٹکتے پھرتے ہو اور تفسیر قرآن سے آگاہ نہیں ہو اور اسیواسطے ظاہر کے اعتبار سے تمہارے علما نے اسکو جھوٹ حضرت ابراہیم کا قرار دیا اور جواب سکا نہیں جانتے اور اس جرأت کو تو دیکھو کہ پھر اسکو جو اٹھا کہتا ہے اور یہاں دین کے چھپانیکا کیا ذکر ہے یہاں تو جھوٹ بولنے کا ذکر ہے اور جھوٹ بھی خوف سے کیسے یہ بھی تقیہ نہیں تو اور کیا ہے گو دین کو نہیں چھپایا اور گو ان حضرت نے سوال کا جواب مردانہ کہی لیکن وہ حضرت علیہ السلام تمہارے علما کے نزدیک جھوٹ ہی بولے اور جسکو وہ جھوٹ لکھیں اسکو تو جانبازی لکھتا ہے اور جھوٹ کسی کے خوف سے تقیہ ہی سے ہوتا ہے یا کسی اور بات سے اور حضرت ابراہیم نے اپنی زوجہ کو جو بہن کہا گو خواہر دینی ہو سکتی ہیں لیکن تیرے علما نے تو اسکو بھی جھوٹ ہی لکھا ہے کہ بادشاہ کے خوف سے وہ جھوٹ بولے اور گو امین دین کا اخفا تھا اور تقیہ دین ہی کے اخفا کو نہیں کہتے ہیں بلکہ جس امر کا کہ اخفا کسی کے خوف سے کریں اپنے بچاؤ کے واسطے وہ تقیہ ہے خواہ دین کا اخفا کریں یا کسی اور امر کا سو حضرت ابراہیم کا قصہ موافق روایات اہل سنت کے تقیہ پر دلالت کرتا ہے اور یہی ہمارا مقصود تھا **قال الشیخ الاشعری** علی ہذا القیاس جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کا ہجرت کرنا اور غار ثور میں چھپنا یہ سب کا سب اظہار حق کے باعث تھا ورنہ ابوجہل اور کفار مکہ کی موافقت میں تو کچھ زیان ہی نہتا اسکو تقیہ کہنا اس سے بڑھکر ہے **اقول** ہم بھی کہتے ہیں کہ یہ سب جناب رسولخدا صلعم کے واسطے اظہار حق کی جہت سے تھا اور تقیہ پیغمبر سے نہیں ہوتا ہے ہاں اگر بعد تبلیغ احکام حقہ کے کسی بعض امر میں تقیہ کریں جیسے رسولخدا صلعم نے قوم عایشہ سے تقیہ کیا کہ خانہ کعبہ کو انکے انکار کے خوف سے نہ ڈھا کے بنیاد ابراہیم پر بنانے کے واسطے ایسے ہی امام کے واسطے بھی ہے **قال الشیخ الاشعری** ایسا تقیہ تو یہی ہے کہ آدمی دشمن کے وار کو ڈھال سے روکتا ہے اگر بچاؤ کر لینے کے معنی تقیہ ہیں تو یہ عین اظہار حق ہے کیونکہ بچاؤ کی تو جبھی ضرورت پڑتی ہے کہ دوسرا کوئی در پے ایذا ہو اس مقام پر کسی غالباً تقیہ شیعہ اور بچاؤ میں فرق سمجھ لیا ہوگا پر مزید توضیح کے لیے میں بھی کچھ عرض کئے دیتا ہوں تقیہ مصطلح شیعہ میں دشمن کے دل سے خیال ایذا ہی نکلجاتے کیونکہ تقیہ میں تو فقط اپنے مذہب کا بدل لینا اور اپنے آپکو ہم مذہب دشمن بنا لینا ہوتا ہے سو چونکہ اختلاف مذہب میں دشمنی دینی کے باعث تقیہ کی ضرورت ہوتی ہے تو در صورت تبدیل مذہب وہ دشمنی ہی نر ہیگی بلکہ برعکس دوستی ہو جائیگی اور بچاؤ کی صورت میں دشمنی اور بڑھ جاتی ہے اور خیال ایذا رسانی دہ بالا ہوجاتا ہے کیونکہ آدمی کا قاعدہ ہے کہ جبتک دشمن اپنے قابو میں رہتا ہے اور ایسا موقع ہوتا ہے کہ اسکو ایذا دے سکیں تو اسکا چنداں کچھ شک نہیں ہوتا ہے دوسرے یوں بیفکری ہوتی ہے کہ جب چاہینگے اسے ذلیل و خوار کر دینگے پر جب وہ کچھ اپنا بچاؤ کر لیتا ہے تو پھر اپنا بھی اندیشہ ہوتا ہے کہ مبادا اب یہ ہمپر وار کرے تو ان وجوہ سے اعدا کو خیال ایذا رسانی تا مقدور زیادہ ہوتا ہے ایسے میں جو کچھ کسی سے بن پڑا کر تا ہے دریغ نہیں کیا کرتے تو اس صورت میں تو ربانی کو سخت مصیبت پیش آیا کرتی ہے بالجملہ یہ فرق لطیف یاد رکھنا چاہیے کہ بہت کام آوے **اقول** دشمن کے وار کو ڈھال سے بچالینا اگرچہ تقیہ باعتبار لغت کے ہو سکتا ہے لیکن تقیہ مصطلح نہیں ہے اور بچاؤ تقیہ میں بھی ہوتا ہے اور تقیہ مصطلح

محض تبدیل مذہب ہی کو نہیں کہتے ہیں بلکہ فتنہ اور فساد کے خوف سے بھی ہوتا ہے گو تبدیل مذہب نہو اور تقیہ کچھ شیعوں ہی کی اصطلاح میں نہیں ہے بلکہ اہل سنت کے نزدیک
بھی ہے چنانچہ صحیح بخاری میں حسن سے روایت ہے کہ التقیۃ الی یوم القیامۃ اور تفسیر کبیر میں لکھا ہے التقیۃ جائزۃ لصون النفس اور سوا اسکے دلیلوں میں ہم لکھ چکے ہیں اور محض
بچاؤ کو تقیہ نہیں کہتے ہیں بلکہ تقیہ کو بچاو لازم ہوتا ہے اور بچاؤ لازم عام تقیہ کا ہے کہ تقیہ کے سوا اور مقام میں بھی پایا جاتا ہے اور محض بچاؤ کو تقیہ نہیں کہتے ہیں اور تقیہ کا بچاؤ
تو اسطرح ہوتا ہے کہ دشمن کو اسکی مخالفت معلوم ہی نہو **قال الشیخ الاشعری** جب یہ بات مقرر ہو چکی تو اب اہل انصاف رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احوال کو جو ہنگام قیام
مکہ معظمہ اور اثناء ہجرت میں پیش آئے حضرت امیر کے احوال سے جو بعد وفات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیش آئے ملا کر دیکھیں اگر اصحاب کرام مرتد ہو گئے تو بیشک حضرت امیر بھی
بحکم متابعت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم انکے ساتھ ویسی ہی پیش آتے جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ابوجہل اور امیہ بن خلف وغیرہم سے پیش آئے اور آپ پر بھی وہ سانحے گزرتے
جو رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر گزرے آخر کو ایک دن نہ ایک دن نوبت ہجرت پہونچتی اور سنت احمدی اور سنت ابراہیمی و سنت موسوی کی تکمیل ہو جاتی لیکن شکایت تو یہ ہے کہ
حضرت امیر نے کبھی مونہہ کھولکر ایکدفعہ بھی یوں نہ فرمایا کہ میں دین حق پر ہوں اور تم دین باطل پر **اقول** اصحاب کرام باینمعنی مرتد نہوئے تھے کہ مشرک ہو گئے ہوں اور اسلام سے
خارج ہو گئے ہوں بلکہ بسبب کینہ اور حسد اہل حق اور حب جاہ اور طمع مال دنیائی ناپایدار کے ایمان صحیح سے مرتد ہو گئے تھے چنانچہ سعدالدین تفتازانی نے شرح مقاصد میں لکھا ہے کہ ان
بعضہم قد جاز عن طریق الحق وبلغ حد الظلم والفسق یعنی بعضوں نے انکی تجاوز کیا راہ حق سے اور پہنچے وہ حد ظلم اور فسق کو اور کیا ضرور ہے کہ بحکم متابعت رسولخدا
صلعم جناب امیر ان سے اسی طرح پیش آتے جیسے کہ وہ حضرت صلعم ابوجہل وغیرہ سے پیش آئے تھے مصلحتیں مختلف ہوتی ہیں باختلاف ازمنہ و اوقات اور ہمنے تسلیم کیا کہ اسی طرح پیش آنا چاہئے
تھا لیکن جناب رسولخدا صلعم کی وصیت پر عمل کیا کہ فرمایا تھا ای علی بعد میرے تجھ پر بہت مکروہات گذرینگے تو صبر کرنا چنانچہ روضۃ الاحباب میں ہے اور لوگوں کے مرتد ہو جانے
اور اسلام کے فاسد ہو جانیکی خوف سے آپ اس طرح سے پیش آئے چنانچہ استیعاب و لسان المیزان اور کتب دارقطنی میں لکھا ہے اور ہم مفصل پہلے اسے لکھ چکے اور حکم جہاد کا نہیں
ہے جبتک کہ انصار بہم نہ پہنچیں اور اگر حضرت امیر تنہا ارادہ کرتے تو کچھ آدمی تو مرتد ہو جاتے اور کچھ مقتول ہوتے اور اسلام درہم و برہم ہو جاتا اس لئے خاموش ہو کر بیٹھ رہے
اور رسولخدا صلعم نے فرمایا تھا کہ یا علی لا تجمع الامۃ علیک اور یہ کچھ ضرور نہیں کہ جو سانحے رسولخدا صلعم پر گزرے وہ حضرت امیر پر بھی گزرتے رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تو مکہ معظمہ میں
کثرت مشرکین کی تھی اور بعد حضرت کے کثرت مسلمانوں کی ہو گئی تھی اور حضرت صلعم کو تو نوبت ہجرت کے اسواسطے پہنچی تھی کہ مشرکین ان حضرت صلعم کا قتل کرنا چاہتے
تھے اور مشورہ کیا تھا انکے قتل کا اور حضرت علی کا قتل کرنا کسی کو منظور نتھا تمنا لوگوں کو خلافت کے لینے کی تھی سو لیلی پھر علی سے کیا واسطہ تھا اور سنت احمدی بھی اسکے ہمراہ ساتھ
اسکے چلی جاتی تھی اہل حق میں اگرچہ وہ تھوڑی تھی اور جسوقت دعوی لیا حضرت علی نے کہ خلافت حق میرا ہے اور اس مصلحت مذکورہ میں کچھ نہیں کر سکتا تو آپ معلوم ہو گیا
کہ میں حق پر ہوں اور یہ باطل پر ہیں اور کاذب اور خائن اور غادر اور آثم تو انکو جانتے ہی تھے جیسا کہ صحیح مسلم میں ہے خود اپنا دین حق پر اور انکا دین باطل پر ہونا معلوم ہو گیا
قال الشیخ الاشعری اور اگر آپنے اظہار حق کیا تو دو حال سے خالی نہیں کہ یا اصحاب نے انکار فرمایا یا تسلیم کیا تب تو تقیہ کی کیا ضرورت اور انپر کیا اعتراض ہے بلکہ جو کچھ
انہوں نے کیا وہ عین موافق مرتضوی ہوا اور نہ مانا تو کیا سبب ایسے دشمن کو کسی قسم سے ایذا نہ دی اور اگر یوں کہئے کہ بسبب شجاعت مرتضوی یا امداد خداوندی تے وہ کچھ
ایذا نہ پہنچا سکے تو اول تو یہ خلاف معقول رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کونسے حضرت امیر سے کم تھے جو آپ پر یہ آفتیں آئیں **اقول** اصحاب کا مقصود تو یہ تھا کہ خلافت ہماری
ہاتھ لگے سو اسکو وہ لے چکے تھے اور تقیہ انہوں نے بھی کیا کہ مصلحت مذکورہ کے جہت سے صبر کرکے بیٹھ رہے اور کیسکے خوف سے تقیہ نہیں کیا اور سوائے خلافت کے اور امور میں
کہنا حضرت امیر کا تسلیم بھی کرتے تھے اور جب کوئی مشکل پڑتی تھی احکام دین میں اور مصلحت نیک پانے میں تو انکی طرف وہ رجوع بھی کرتے تھے اور حضرت امیر گو مغضوب الحق
تھے لیکن واسطے ترقی اسلام کے اظہار حق کرتے تھے اور مشورہ نیک دیتے تھے اور حضرت امیر کے ایذا دینے سے کیا واسطہ تھا انکا حق تو غصب کیا تھا پھر ایذا بھی دیتے جو انکا مقصود تھا وہ
حاصل ہو گیا ایذا کی کیا احتیاج تھی اور دشمنی حضرت علی کی جانب سے تو کچھ نتھی اپنی حقوق کے جاتے رہنے کا البتہ رنج تھا سو صبر کرکے بیٹھ رہے **قال الشیخ الاشعری**
حاشا و کلا جو حضرت امیر نے کبھی تقیہ کیا ہو اگر تقیہ کرتے تو مکہ معظمہ ہی میں کرتے اور اگر کیا ہوتا تو امیر معاویہ کے ساتھ ضرور کرلیتے بہت ہوتا تو یہ ہوتا کہ قاتلان عثمان مارے
جاتے وہ کونسے آپکے ایسے عزیز تھے کہ جن کے پاس و لحاظ میں اتنی کچھ شر و فساد کی دین میں روادار ہوئے حضرت سید الشہداء نے تو بیگناہ ہونکو اور وہ بیگناہ بھی کیسے کہ اپنے
قوت بازو اور اپنی لخت جگر اس دین ہی کی بابت قتل کروایا اور اپنے آپ بھی جان بحق ہوئے اور زن و فرزند ننگ ناموس کا بھی کچھ خیال نفرمایا حالانکہ یہ سب کشت و
خون بظاہر لاحاصل تھا تیس ہزار آدمیوں کے مقابلہ میں اتنی آدمیوں اور اس بے سروسامانی پر کیا امید کامیابی تھی بخلاف حضرت امیر کے کہ وہ اگر قاتلان عثمان
غنی کو امیر معاویہ کے حوالہ کر دیتے تو خلافت کی خلافت بنی رہتی ایک باغی جو مفسد دین تھا اپنا مطیع و منقاد ہو جاتا دین کی ترقی ہوتی اور پھر باینہمہ کچھ بیجا بھی نتھا

آخر قاتلان حضرت عثمان ظالم تھے مظلوم نتھے اور نہی ہمراہیان امام الشہداء کے برابر تو ہو سکتا ہی ہی نتھی حق - یہ ہی کہ یہ سب تہمت اخفار حق اور عیب نامردہ پن ان حضرات شیعہ کا لگایا ہوا ہے سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ **اقول** کئی مرتبہ ہم لکھ چکے کہ تقیہ حضرت امیر کا کسیکے خوف سے تھا بلکہ مصلحت مذکورہ کی جہت سے کہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے صبر کرکے بیٹھ رہنا اور مکہ معظمہ میں کیا تقیہ نکیا تھا کہ جناب رسولخدا صلعم کو آزار پہنچتے تھے اور علی مرتضی اور سب اصحاب بیٹھی ہوئی دیکھتے تھے کیا تقیہ مذہب کی چھپانے ہی کو کہتے ہیں اور یہ بھی تقیہ ہی ہی کہ دشمنوں کے ہاتھوں سے تکلیفیں پائیں اور خاموش بیٹھے رہیں قتل ہونے کے اندیشہ سے خوف کرکے گھر کیا ہی کہ بدون ہم پہنچنے انصار کے حکم جہاد کا نہیں ہی اور معاویہ سے تقیہ کیوں کرتے جس وقت کہ انصار واسطے جہاد کرنے اور مرکٹنے کے موجود ہوگئی ہوں کیسا بیعقل ہی شیخ نجدی کہ ایک فوج سے تقیہ کرتا ہے اور اگر اسقدر آدمی ابوبکر کی خلافت کے وقت حضرت علی کو میسر ہوتی تو پھر حضرت ابوبکر خلافت کو حضرت علی سے لے بھی سکتے تھے اور کون ضرورت تھی کہ جو قاتلان عثمان کو کہ اُن میں بعضی صحابہ بھی تھے قتل کرواتے اور فساد دین میں معاویہ کی شرارت سے تھا اور عداوت جبلی سے جو اس نالایق کو خاندان نبوت سے تھی اور حضرت علی کے خلافت سے ناراض تھا ایک بہانہ لڑنیکے واسطے قاتلان عثمان کا کیا تھا کہ وہ تمہارے پاس ہیں انکو میرے سپرد کرو اور حضرت سیدالشہدا کا حال اسطرح سے تو پہلے اس سے اسی بحث میں دو مرتبہ بیان کر چکا ہے اور ہم مفصل جواب اُسکا دو مرتبہ لکھ چکے ہیں اور سیدالشہدا کیونکر بیعت اُس متظاہر الفسق کرتے کہ اُس سے تقیہ کرنے میں کچھ فائدہ نتھا تقیہ واسطے امن میں رہنے کے ہوتا ہی اور وہ حضرت جان گئی تھے کہ صرف بہانہ ہی بیعت کا ہی اور اگر میں بیعت کرونگا تو بھی یہ کسی اور حیلہ سے مجھکو نچھوڑیگا کہ مجھکو یہ قتل کریگا کہ جناب رسولخدا صلعم نے میرے مقتول ہونیکی خبر دی ہی اور سوائے اسکے اور کوئی میرا دشمن جانی نہیں ہے اور ہمارے یہاں یہ ہے کہ ہر ایک امام کے پاس ایک صحیفہ ہوتا ہی کہ موافق اُسکے وہ عمل کرتا ہی اور انکے صحیفہ میں اسیطرح لکھا تھا کہ جو کچھ اُنہوں نے کیا اور بعد اسکے خط کے جواب میں تو لکھتا ہی کہ حضرت امیر قاتلان عثمان کو فتنہ و فساد کے برپا ہوجانے کی جہت سے سپرد نہیں کرتے تھے اور یہاں لکھتا ہے کہ سپرد کردیتے تو خلافت بنی رہتی یہ بھی خوب بات ہے جیسا اپنے مطلب کے موافق دیکھتا ہی ویسا ہی لکھ دیتا ہی خواہ بجا ہو خواہ بیجا ہو اور معاویہ قاتلان عثمان کے سپرد کرنے سے کبھی مطیع نہوتا کہ اُسکو عداوت قلبی حضرت علی سے تھی اور قاتلان عثمان کا ایک بہانہ ہی تھا اسواسطے کہ بعد وفات حضرت علی کے جو حضرت علی کو گالیاں دیتا رہا ہی اور باوجود صلح کرنے حضرت امام حسن کے اور سپرد کردینے خلافت کے جو اُنکو زہر دلوایا ہے یہ عداوت کی جہت سے تھا یا اور کسی وجہ سے اور قاتلان عثمان ظالم نہیں تھے کہ اُنمیں صحابہ بھی شریک تھے چنانچہ بعد اسکے جواب خط کے رد میں تجھے معلوم ہوگا اور اصحاب کو اہل سنت کہتے ہیں کہ کلہم عدول اور تو اُنکو ظالم کس جہت سے کہتا ہی اور عیب اور نامردی پن کی کوئی صورت نہیں ہے کہ ائمہ علیہم السلام سبب نہ ہونے انصار کے ناچار تھے اور اگر یہ عیب ہے تو رسولخدا صلعم کیطرف بھی عائد ہوتا ہے کہ مکہ معظمہ میں ایک وقت تک وہ نامردانہ تھی کہ جناب رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر جہاد میں سے بھاگ جاتے تھے اور ائمہ علیہم السلام کیطرف عیب نامردہ پن لگانا تہمت اہل سنت کی ہی سُبْحَانَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ **قال الشیخ الاشعری** اور طرفہ تر شیعوں کا گوزشتہ اور سنیئے سید مرتضی جو بڑے محقق مذہب شیعہ ہیں وہ اسبات کے قائل ہیں کہ حضرت امیر پر اپنی خلافت اور حکومت کے زمانہ میں بھی تقیہ باقی تھا آہی یہ تقیہ نہوا ایک جان کا وبال ہوا کسی راہ حضرت امیر کا پیچھا نہیں چھوٹتا مگر کوئی اُن سے پوچھے کہ اگر اُسوقت تقیہ اُنپر واجب تھا تو امیر معاویہ کو کیوں معزول کیا حضرت تو اُنسے پہلے سے ڈرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ اس شخص کا مکر بہت بڑا ہی حالانکہ مغیرہ بن شعبہ اور عبداللہ بن عباس کے صلاح بھی یہی تھی کہ ابھی معزول نفرمائی بعد استقامت معزول فرمائیگا مگر آپنے نہ مانا اور یہ نماننا آخر کو موجب کیا کیا خرابیوں کا ہوا یہ سب شیعوں ہی کی کتابوں میں ہے سید مرتضی صاحب کی دلیل سنیئے وہ فرماتے ہیں کہ خلافت مرتضوی برائے نام تھی امیر معاویہ ہمیشہ اُن سے لڑتے رہے معہذا آپکی فوج اور آپکے ساتھی اکثر اولاد صحابہ تھی جو آپکی دشمن جان گذری ہیں اور اُنکے دلمیں خلیفہ اول و ثانی کا عدل و فضل جما ہوا تھا اگر حضرت امیر اُسوقت کما ینبغی اظہار حق کرتے تو بہت دشواری ہوجاتی گمان غالب تھا کہ فوج بھی پھر جاتی اس سبب سے عالم خلافت میں بھی اُنپر تقیہ واجب تھا اور اظہار حق حرام اس اعتقاد میں ہر چند سید مرتضی نے تمام امامیہ کا خلاف کیا ہی کیونکہ وہ سب اسبات کے قائل ہیں کہ قبل خلافت آپ پر تقیہ واجب تھا اور بعد خلافت آپ پر بھی حرام تھا لیکن بزعم خود بڑی دور اندیشی اور کمال چالاکی کری تھی پر چلا نے چلنے ندی اُنہوں نے اپنی عندیہ میں اسکا بچاؤ کیا تھا کہ مبادا کوئی سنی حضرت کی ایام خلافت کے خطبوں اور ملفوظات کو جن میں اصحاب کرام خصوصا خلیفہ اول اور ثانی کی تعریف ہی دیکھکر ناک میں دم کردی یا یہ گرفت کر بیٹھے کہ دین شیعہ حق ہی تو حضرت امیر کی خلافت تو سب میں اخیر تھی آپنے کیوں اُسکو شایع ذایع کیا اگر آپ دین شیعہ کو رواج دیتے اور اسے مشہور کرتے تو روئے زمین میں یہی دین ہوتا اور سنیوں کا دین نیست و نابود ہوجاتا جیسے ابوبکر و عمر نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کو تمہارے گمان کے موافق نیست و نابود کردیا اور اپنا ساختہ پرداختہ مروج کردیا اور آپکے بعد کسینے دین کتاب میں کنج و کاو نہیں کی سوآپ ہی کا دین باقی رہنا چاہیئے تھا القصہ حضرت امیر آخر میں خلیفہ ہوئے تھے یہ بات دین کی ترقی کے لئے ایسی مفید ہوئی تھی کہ درصورت برعکس ترتیب کی ہرگز متصور نہیں پھر کیا سبب کہ دین اہل سنت ہی مشہور رہا اس سے یوں معلوم ہوتا ہی کہ آپ کو بھی دین اہل سنت ہی پسند تھا **اقول** جو کچھ سید مرتضی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں گوزشتر نہیں ہے بلکہ موافق تحقیق کے فرماتے ہیں اور انکا زمانہ ائمہ علیہم السلام کے زمانہ سے قریب تھا

اور اپنے اباء و اجداد سے سنتے چلے آئے تھے اور البتہ اکثر ہمراہیان جناب امیر صحابہ اور اولاد صحابہ معتقدین ابوبکر و عمر تھے اور علی کی خلافت کو مبنی بر خلافت شیخین جانتے تھے اگر خلاف
انکی مرضی کے کچھ کرتے تو وہ لوگ منتشر ہو جاتے اور غدر ڈال دیتے اور حضرت علی قلیل الانصار ہو جاتے اور مقابلہ میں دشمن کے مشکل ہوتی اور اب ہمراہ ہو کر دشمنوں سے لڑتے تو یہی سو یہ
اصحاب اور اولاد اصحاب جو حضرت علی کی طرف تھے استقدر نہ تھے جسقدر کہ معاویہ کی طرف تھے اور معاویہ کی طرف والے امر دیانتداری خاص شیخین کے تھے اور حضرت علی سے عداوت رکھتے تھے اسی
لئے معاویہ کی طرف ہو گئے تھے اور جو کہ حضرت علی کی طرف تھے وہ شیخین اور حضرت علی دونوں سے اختصاص رکھتے تھے لیکن شیخین کے کئے ہوئے کو مقدم جانتے تھے اسیواسطے جسوقت حضرت علی
نے تراویح کی جماعت کا موقوف کرنا چاہا تو وا عمراہ وا عمراہ کر کے فریاد ہونے لگی سو اسواسطے حضرت علی علیہ السلام متفرق ہو جانے جماعت کے خوف سے اور فتنہ و فساد برپا ہو جانے کے اندیشہ سے ان لوگوں کا
لحاظ کرتے تھے جیسے کہ تمہارے نزدیک قاتلان عثمان کے سپرد کرنے میں فساد کے برپا ہونے کی جہت سے تامل کرتے تھے اور خود تو بھی بعد اسکے خط کے جواب میں لکھتا ہے عثمان کے
قتل ہونیکے ذکر میں کہ حضرت امیر بنا چاری انہیں کچھ نہیں کہہ سکتے تھے کیونکہ وہ بسبب کثرت اور شورہ پشتی کے کسی سے نہ دبتے تھے سو انصاف کرنا چاہیے کہ تم تو قاتلان عثمان
کے باب میں حضرت امیر کے تقیہ کے قائل ہو کہ وہ اپنی خلافت میں قاتلان عثمان سے ناچار تھے اور اگر ہم کہیں کہ وہ محبان شیخین سے اپنی خلافت میں ناچار تھے تو اس مقدمہ میں تم
ہم پر طعن کرو واہ کیا خوب انصاف ہے اے بے انصافو اور سید مرتضی علیہ الرحمۃ کا جو قول لکھا ہے وہ بعینہ اسطرح سے نہیں ہے جیسے کہ لکھا ہے کہ خلیفہ اول اور ثانی کا عدل اور فضل انکی
دل میں جما ہوا تھا اور تقیہ حضرت علی پر واجب اور اظہار حق حرام تھا مگر اسکے قریب قریب ہے اور قول انکا سب امامیہ کے خلاف بھی نہیں ہے بلکہ سب امامیہ یہی کہتے ہیں جیسا کہ انہوں نے
لکھا ہے اور امامیہ یہ نہیں کہتے ہیں کہ قبل خلافت تقیہ انپر واجب تھا اور بعد خلافت حرام تھا بلکہ دونوں وقتوں میں ایک مصلحت تھی اور قبل خلافت کا حال تو مفصل ہم کئی مرتبہ لکھ چکے
اور خلافت کے بعد کا حال اب تحریر ہوا جسطرح سے کہ تم قاتلان عثمان کے سپرد نہ کرنے میں عذر کرتے ہو ایسے ہی ہم عذر کرتے ہیں اور ردوراندیشی اور رجال الی سید مرتضی نے کچھ نہیں
کی بلکہ جو امر کہ واقعی تھا وہ لکھا یہ تیری بدگمانی انکی طرف سے بسبب تعصب کے ہے اور خطبوں میں حضرت علی کی اصحاب اخیار کی تو البتہ تعریف ہے اور خلیفہ اول و ثانی کی کہیں
نہیں ہے بلکہ مذمت انکی ہے اور خاص خطبہ شقشقیہ تو انکی مذمت ہی میں ہے اور دین شیعہ اپنی خلافت میں خوبی شائع اور ذائع نہ کیا تو اسکی وجہ تو ہم لکھ چکے لیکن اسکے ضمن میں
دین شیعہ بھی چلا آتا تھا اور اگر دین شیعہ دین حق تھا تو باوجود اس غلبہ اور کثرت مخالفین کے چلا آیا اور وہ حضرت تو یہ چاہتے تھے کہ دین حق کہ جو دین شیعہ ہے خوبی رواج
پائے لیکن دشمنوں نے مہلت نہ دی کہ مطمئن ہو کر بدعات ثلاثہ کو موقوف کریں اول تو خلیفہ ہوتے ہی حضرت عائشہ نے اور طلحہ و زبیر نے ان سے جنگ کیا اور بعد اسکے خوارج لڑے
اور معاویہ تو ہمیشہ لڑتا ہی رہا یہانتک کہ شہید ہو گئے سو کس روز چین سے بیٹھے تھے کہ دین کو پاک و صاف کرتے اسطرف تو دشمنوں نے توجہ ہی نہیں کرنے دی اور چاہتے تھے کہ آدمی
یکسو میری طرف ہو جائیں تو میں احکام حقہ جاری کروں چنانچہ صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ زمانہ خلافت علی میں قاضیوں نے عرض کی کہ احکام شرعیہ کو بدستور سابق جاری رکھیں
یا اور طرح سے آپ فرماتے ہیں ان حضرت نے فرمایا کہ افضوا ما کنتم تقضون فانی اکرہ الاختلاف حتی یکون الناس جماعۃ او اموت کما مات اصحابی
یعنی حکم کرو تم جو کچھ کہ تھے تم کہ حکم کرتے تھے تحقیق کہ میں ناخوش جانتا ہوں اختلاف کو یہانتک کہ ہو جائیں آدمی ایک جماعت متفق یا مر جاؤں میں جیسے مر گئے اصحاب میرے
اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علی منتظر اتفاق کے تھے کہ سب میری مطیع ہو جائیں تو کل احکام کو موافق شرع کے جاری کروں سو اتفاق سب کا نصیب ہی نہوا اور اہل سنت کا دین تو یہ ہے
کہ دین معاویہ ہے اسواسطے کہ اہل سنت معاویہ کو بھی خلیفہ حق اور امام صادق جانتے ہیں جیسا کہ صواعق محرقہ میں ہے اور ابوبکر اور عمر کا دین کوئی دین جدید نہ تھا بلکہ یہی دین اسلام تھا
لیکن انہوں نے اس دین میں بیجا تصرف کیا تھا کہ اپنی رای سے اسمیں خلاف شرع کے افراط اور تفریط بھی کی تھی اور اسیواسطے حضرت علی نے خلافت کو بعد عمر کے بشرط اتباع
سیرت شیخین قبول نکیا تھا چنانچہ صواعق اور تاریخ الخلفاء وغیرہ میں لکھا ہے اور حضرت علی کے زمانہ میں خلیفہ ہوتے تھے لیکن ترقی دین کی اس سبب سے نہیں ہوئی کہ جو ہم لکھ چکے
اور دین اہل سنت جو کہ دین معاویہ ہے وہ دین تو حضرت علی کو ہرگز پسند نہ تھا اس دین والوں سے تو حضرت علی جبتک زندہ رہے جنگ کرتے رہے اور مشہور دین اہل سنت ہی نہیں رہا
بلکہ دین شیعہ بھی ساتھ ہی چلا آیا ہے مگر کیا ہے کہ بنی امیہ دشمنان خاندان نبوت کا جو غلبہ اور حکومت رہی ہے تو دین اہل سنت میں آدمی کثرت سے ہے ہیں اور دین شیعہ میں
قلیل اور صحابہ تابعین اور تبع تابعین کی روایتیں جو کہ شیعہ بھی صحاح ستہ میں موجود ہیں اور اہل سنت لکھتے ہیں کہ یہ بڑی نقاد معتمد تھے انکی روایتوں کو ترک نہیں کر سکتے اور
اگر ترک کریں تو احادیث نبی ضائع ہو جائیں سو شیعہ بھی ہمیشہ سے چلے آتے ہیں گو تھوڑے ہیں اور شہرت اہل سنت کی بسبب کثرت انکے کے ہے نہ باعتبار دین کے **قال الشیخ
الاشعری** الغرض اس اندیشہ سے سید مرتضی صاحب نے یہ چکر کھایا اور یہ بیٹی لی تھی لیکن یہ نہ سوجھی کہ خلافت اور ولایت انکے تھی کہ ملک میں تصرف ہو حکم احکام چلتی
ہو اور محصول اور خراج رعیت سے وصول کر سکیں جو قزاق کو سزا دے سکے سو یہ بات سوائے شام کے اور کونسے ملک میں حاصل نہ تھی خصوصا حجاز اور حرمین اور عمان اور بحرین اور آذربایجان
اور عراقین اور فارس اور خراسان میں بے کھٹکے آپکی حکومت تھی پھر یہ تھوڑی سلطنت تھی امیر معاویہ کے پاس تو اتنا ملک تھا بھی نہیں وہ اپنے ملک میں جو حکم چاہتے تھے جاری کرتے

تھے ادہر ابوبکر صدیق کو دیکھو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقط ملک عرب میں حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تسپر چار طرف معاندین زور پر تھے مسیلمہ
کذاب اور بنو حنیفہ ملک یمامہ میں ایک طرف اور شجاح شبیہ بنی تمیم میں کہ انسے بڑھکر عرب میں کوئی قبیلہ نتھا حد سے بدرسر پرخاش منکرین زکوٰۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھی بنو غسان
جا رہے سے باہر حد سے نکلے جاتے تھے ادہر گرد و نواح مدینہ کے مرتدین کا حبا زور و شور تھا آپکے ساتھ گنتے چنے مکہ مدینہ والے ہی تھے اور باینہمہ کسی بات میں کسی سے نہ دبے - اور
کسی حکم میں مداہنت نکی اگر زکوٰۃ نہ دینے والوں کو انکے طور پر راضی کر لیتا اور اوروں کو انکی راؤں کی طور پر تو کچھ مشقت نہوتی ابوبکر صدیق باوجود اس قلت سامان اور عدم شجاعت کے
اتنے دشمنوں سے بھی نگھبرائے حالانکہ اکثر انکے دشمن لڑائی کی مشتاق تھے اور بعضے بعضے تو چھوٹے سے بادشاہ تھے اور حضرت علی باینہمہ شجاعت و کرامت و زور و قدرت اور شوکت و سلطنت اور
امامت اور ولایت کہ ابوبکر کو ایک بھی اُن اوصاف جزیلہ میں سے نصیب نتھا اظہار حق میں اور رہی کہیں میں نہیں اتنی سستی فرمائیں اگر ابوبکر صدیق کو یہ اوصاف کہیں سے ملجاتے پھر کافر نام کوئی بھولنے کا
آدمی بھی دنیا میں رہتا تو ہمارا ذمہ تھا **اقول** اس اندیشہ سی سید مرتضیٰ علیہ الرحمۃ نے جگر نہیں کہایا ہی جو کہ تحقیق ہو وہ انہوں نے لکھا ہی امرِ یہ ہی شیعہ کہتے ہیں سر خیرِ احکام خلافت انکے زمانہ میں
جگہ جاری تھی لیکن عذر مذکور کی جہت سے اور بسبب اختلاف باقی رہنے کے آپ تو موافق شرع کے احکام کو جاری کرتے وراُدہر معاویہ کیطرف کہ اُدہر ایک کثرت تھی اور سوا شام کے اور شہر بھی اُس کے پاس
بہت تھے وہاں خلاف شرع کے احکام باقی رہتے تو اس اختلاف کو پسند نہیں کرتے تھے اور منتظر تھے کہ سب جماعت متفق ہو جائے تو میں احکام کو جاری کروں اور یہی قاضیوں کے جواب میں آپ نے
فرمایا تہا اور اگر کثرت ملک حضرت علی کے پاس تہے تو کیا ہوا ہمراہی حضرت علی کی جو تہی تو وہ تو ہر ایک امر میں مطیع نتھے جن سے صبح و شام معاشرت رہتی تہی اور ابوبکر سے علی کو کیا نسبت
ہے کہ ابوبکر کے ہمراہ جو تہے وہ ہر امر میں مطیع اور ایک انکے اتحاد و اتفاق کی جہت سی اپنے مخالفوں پر غالب ہوتی تہے چنانچہ مشہور ہے کہ ؎ دو دل یک شود بشکند کوہ را ؛ پراگندگی
آرد انبوہ را ؛ اور حضرت علی کے ہمراہیوں کا یہ حال تھا کہ وہ ہر بات کو حضرت علی کے مانتے ہی نتھے ایک مرتبہ عمرو عاص کی حیلہ سازی سی معاویہ نے قرآنوں کو نیزوں پر لٹکوایا
اپنی فوج سے کہکر اور حضرت علی کی فوج کے سامنے قرآنوں کو لیکر کھڑی ہوئی حضرت علی کی فوج نے اُنپر وار کرنے میں تامل کیا کہ قرآنوں کو لگا ئیں اور حضرت علی نے ہر چند
اپنی فوج سے کہا کہ انکو مارو کہ یہ انکا فریب ہے اور یہ کلام اللہ صامت ہے اور میں کلام اللہ ناطق ہوں کہ تمکو حکم کرتا ہوں لیکن کسی نے کہنا نہ مانا اور مولوی عبد العزیز صاحب نے بھی
تحفہ میں لکھا ہے کہ ہمراہی حضرت علی کی اطاعت نکرتے تہے پھر حضرت علی ابوبکر کے برابر کیونکر ہو جائیں گے انتظام میں اور ابوبکر کے پاس سامان قلیل نتھا جہاد کرنیوالے بہت ہی
بہت ہی تہے لاکھ آدمیوں کے قریب تب جناب رسول خدا صلعم کے ہمراہ حجۃ الوداع میں تہے جبوقت خم غدیر پر پہنچے تہے وہ سب کے سب اور سوائے انکے ابوبکر کے ہمراہ تہے اور ایسے وقت میں
شجاعت اور کرامت اور زور قوت کام نہیں آتی ہے اور اگر یہ اوصاف بکار آمد ہوتے تو جناب رسول خدا صلعم کی برابر تو ان اوصاف میں کوئی بھی نتھا اور علی بھی حضرت کے
ہمراہ مکہ میں تہے لیکن بسبب قلت انصار کے درگاہ جناب باری عز اسمہ سے حکم ہجرت کا نازل ہوا اگر یہ اوصاف کافی ہوتے تو اپنے وطن اصلی کو کیوں چھوڑتے **قال الشیخ**
الاشعری باقی یہ کہنا کہ انکی فوج اکثر اولاد صحابہ تہی اگر کوئی سنی کہتا تو زیب بھی دیتا سید مرتضیٰ صاحب کس منہ سے کہتے ہیں قاضی نور اللہ صاحب کے نہیں سنتے وہ کیا
فرماتے ہیں کہ حضرت علی کے ساتھ قریش میں سے کل پانچ ہی آدمی تہی باقی تیرہ قبیلہ معاویہ کے ساتھ اس لئے آپکو فتح میسر نہوئی بالجملہ شیعوں کی اقرار سے آپکے ہمراہ کوفیان جان نثار
تہے جو مقتدایان شیعہ ہیں اگر وہ نہوتے اور صحابہ کی اولاد ہی ہوتی تو جیسی انکو عدل اور فضل شیخین کا دیکھے ہمارے اعتقاد تھا اور اسکے باعث انکی راہ روش پسند تھی ایسے ہی اپنی ماں باپ سے
رسول اللہ صلعم کا طریقہ بھی سنے سنائے یاد تھا معہذا اگر پھر جاتے تو کیا تھا آخر دین مرتضوی میں وہ آسائشیں اور سہولتیں ہیں کہ منکر بھی معتقد ہو جائے متعہ کا آواز سنکر امیر معاویہ کے ہمراہی بھی
ہمراہ ہو جاتے بلکہ جس اہل مذہب کے کان میں یہ بشارت پہنچی کہ جیتے جی یہ مزے ہیں اور مرکر سیدھے بہشت ہے دیکھے پکے کیوں نہوتے حضرت امیر کی ہمرکابی اختیار کرتے علاوہ بریں غسل رجلین کے
تخفیف تراویح سے بے کھٹکے ایسا دین اور ایسا ایمان تو قسمت ہی سی ملتا ہے اگر اظہار دین خود کرتے تو تمام ملک اور اطراف عجم مدد و معاون ہوتے **اقول** جو کچھ لکھتا ہے بے سند لکھتا ہے دروغ گو
کی پیروی ہی اور اصحاب رسول خدا صلعم کے کچھ قریش ہی تو نہیں تہے تاکہ مخالفت و نزرگوں کی گنتی میں لا نہ آئے بلکہ اصحاب حضرت صلعم کی قریش سے سوا کثرت سے تھے اور اکثر کے معاویہ کے
ہمراہ ہونے میں تو کچھ شبہ بھی نہیں ہے کہ دوست علی کی صحابہ میں سے تھوڑے ہی تھے اور یہ شیعوں نے کب اقرار کیا ہے کہ سب آدمی ہمراہ حضرت علی کے کوفے ہی تھے کوفی بھی ہونگے اور معتقد تو شیعوں
کا کوفیوں میں سے کوئی بھی نہیں ہے سنیوں کا مقتدا البتہ ابو حنیفہ کوفی ہے اور صحابہ اور اولاد صحابہ حضرت علی کی طرف کیونکر ہوتی کہ علی نے جہادوں میں رسول خدا صلعم کے ہمراہ ہو کر
کسی کے باپ کو قتل کیا تھا اور کسی کے بیٹے کو اور کسی کے بھائی کو اور کسی کے بھتیجے کو اور کسیکے بھانجے کو اور کسیکے ماموں کو اور کسیکے چچا کو جسوقت کہ ابوبکر اور عمر جہاد میں سے بھاگ جاتے تہے اور
یہی سبب تھا علی کی دشمنی اور ابوبکر و عمر کی دوستی کا اور ابوبکر و عمر کا عدل و فضل بھی ہمنے فرض کیا کہ علی کی عداوت میں بیان کرتے ہونگے لیکن اپنے باپ دادا سے جو سنا تھا وہ یہ تھا کہ اس
علی نے ہمارا ناس کر دیا ہے اور ہمارے قبیلے کے قبیلے اس نے مارے تلواروں سے فنا کر دیے ہیں علی سے ہرگز دوستی نکرنا کہ یہ ہمارا قاتل ہے اور طریقہ رسول خدا صلعم کا تو وہ کیا سنتے بلکہ شیخین کا طریقہ اپنے
باپوں سے سنکر اعتقاد کرتے تھے اور دین مرتضوی کی جو آسائشیں لکھی ہیں اول تو متعہ کہ اسکے حکم کی آیت قرآن شریف میں موجود ہے اور اہل سنت کی تفسیروں میں لکھا ہوا ہے کہ یہ آیت

اخبار شیعہ کے ہرگز ایسے نہیں ہیں جو بالکل جھوٹ ہوں ۔۔۔ انکا صدیق ہونا متخیل نہو گا ۔۔۔ متعہ رسولخدا صلعم کے زمانہ میں تھے اور ۔۔۔ کرتا ہوں
اور اس زمانہ سے پہلے اگر کوئی مخالف مذہب حق کا فرہی تھا تو اس تنہا کی ۔۔۔ صلے اللہ علیہ و آلہ ۔۔۔ عمر نے ایک شب ۔۔۔ انکو دیکھا ۔۔۔
سبکے سب ۔۔۔ منافق و مطلق ہی تھے اور کتب سنیوں کی کتابوں ۔۔۔ و مجسمہ ۔۔۔ رھلاؤ کہ وہ غسل ۔۔۔ کو کہتا ہے یا مسح ۔۔۔ شیعہ سنی ۔۔۔
۔۔۔ کوئی کافر بھی ۔۔۔ مذہب میں رائج حضرت علی سوائے اپنے دوستوں کے انکو جاری کرنے ہی نہیں پائے اور اگر لوگ حضرت علی کے دین کی طرف ۔۔۔
۔۔۔ اور خود کم ۔۔۔ کی کون صورت ہے ۔۔۔ تو مزہ کی جہت سے متعہ کو برا جانتا ہے تو نکاح دائمی کو بھی ترک کر دے کہ اسمیں بھی تو مزہ ہے اور یہ دونو مذہب موافق ۔۔۔ خدا
۔۔۔ علی کا تھا دشمنان علی کی قسمت میں نہتا اسواسطے جاری ہونے نہ پایا **قال الشیخ الاشعری** سبحان اللہ سنیوں سے تو مقابلہ ۔۔۔
۔۔۔ سے لیکر آخر تک رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ کے ممد و معاون یہی لوگ تھے جو آپکے دشمنان جانی کے بھائی برادر یا اولاد تھے خالد بن الولید عکرمہ بن ابی جہل
۔۔۔ ابو جہل کے بھانجے اور ابوبکر صدیق ابوقحافہ کے بیٹے حضرت عثمان ابوسفیان کے قرابتی علی ہذا القیاس اور لوگ ایسے ہی تھے **اقول** سنیوں کے مقابلہ میں
تو شیعہ ہمیشہ گفتگو میں غالب رہے ہیں سنی کیا مقابلہ کرینگے شیعوں کا اور رسولخدا صلعم کے ممد و معاون ابوبکر اور عمر اور عثمان کس روز ہوئے تھے ہمیشہ تو جہادوں میں سے بھاگا کرتے تھے
رسولخدا صلعم کو تنہا چھوڑ کر اور خالد بن الولید اور عکرمہ اکثر جہادوں میں تو کفار کے طرف ہو کر مسلمانوں کو قتل ہی کیا کرتے تھے آخیر میں مسلمان ہوئے تھے اور ممد و معاون حضرت صلعم کا
وہ شخص تھا کہ جو ہمیشہ ابتدا سے آخر تک دین کی کمک میں کفار کو قتل کرتا رہا ہے اور سوا انکے اور لوگ ایسے تھے کہ حضرت علی نے جو انکے اقارب کو قتل کیا تھا اس جہت سے انسے عداوت
رکھتے تھے **قال الشیخ الاشعری** اب بس کیجئے اور ایک دو آیت لکھ دیجئے جس سے معلوم ہو جاوے کہ مقربان الٰہی کا کام ہمیشہ سے ستم کشی اعداء دین ہا ہے اور مدام اچھے لوگوں نے
انکے ہاتھ سے ایذائیں اٹھائی ہیں اور خداوند کریم کے نقد میں سختی اور پختگی پسندیدہ ہے نہ کہ سستی اور مداہنت اِنَّ الَّذِیْنَ یَقْتُلُوْنَ النَّبِیِّیْنَ بِغَیْرِ حَقٍّ وَّالَّذِیْنَ یَاْمُرُوْنَ
بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِیْمٍ یعنی جو لوگ کہ انبیاء کو ناحق قتل کرتے ہیں اور ایسے لوگوں کو کہ جو حق بات کہتے ہیں انکو سخت عذاب کی بشارت سنا دے اس سے معلوم ہوا کہ
انبیاء اور اچھے لوگ تقیہ نہیں کیا کرتے بلکہ حق گوئی میں دریغ نہیں کرتے اور اسی سبب سے انکو قتل کر دیتے تھے **اقول** ستم کشی اعداء دین کے ہاتھ سے تو آل رسول مقبول کا کام
تھا کہ بعد رسولخدا صلعم کے ہمیشہ اعداء دین کے ہاتھوں سے ایذائیں پاتے رہے ہیں اور یہ آیت بھی انبیاء علیہم السلام کی اور انکے حق میں ہے کہ حق گوئی سے انکو آزار پہنچتے ہیں
یہانتک کہ مقتول ہو گئے اور تقیہ کو یہ آیت باطل نہیں کرتی ہے اگر بعض اوقات کسی نے کسی امر میں تقیہ کیا ہو بعد حق گوئی کے اسواسطے کہ حق کے کہنے میں تو وہ تقیہ کرتے ہی
نتھے وہ تو حق کو ہمیشہ کہتے رہتے تھے چاہے کوئی مانے چاہے نہ مانے اور جو کہ انکے مطیع تھے وہ تو اسکو تسلیم کرتے تھے اور جو کہ مخالف تھے وہ انکو نہیں مانتے تھے اور زبردستی منوا دینے کی قدرت نتھی
اور جب حق کو بیان کر دیتے اور دشمنوں کو وہ حق بیانی ناگوار ہوتی تو پھر کسی ایسے امر میں وہ تقیہ کرتے اور جناب امیر کو اپنی خلافت میں اگرچہ حق گوئی کی قدرت تھی لیکن مصلحت نتھی
جیسا کہ ہم لکھ چکے **قال الشیخ الاشعری** یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ وَیُحِبُّوْنَهٗۤ اَذِلَّةٍ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ اَعِزَّةٍ عَلَی الْكٰفِرِیْنَ یُجَاهِدُوْنَ فِیْ
سَبِیْلِ اللّٰهِ وَلَا یَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَآىٕمٍ ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ یُؤْتِیْهِ مَنْ یَّشَآءُ یعنی اے ایمان والو تم میں سے جو مرتد ہو جاوے گا تو بلا سے اور اللہ ایسے لوگوں کو لے آئیگا جنسے خدا کو محبت ہوگی اور خدا کے
انکو محبت ہوگی مومنوں کے ساتھ تو ذلیل نظر آئینگے اور کافروں کے سامنے بڑے سخت ہونگے اور راہ خدا میں جہاد کرینگے اور کسیکی ملامت سے نہ ڈرینگے اس سے معلوم ہوا کہ خدا کے
محب و محبوب یہی لوگ ہیں جو کافروں کے سامنے دبکر نہیں رہتے اور انکی خوشامد نکریں بلکہ انسے کھچے رہیں اور کسیکی ملامت سے نہ ڈریں اب فرمائیے کہ تقیہ میں سوا کفار کی خوشامد اور
انکی موافقت اور اندیشہ ملامت کے اور کیا ہوتا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تقیہ محبوبوں اور محبوں کا کام نہیں بلکہ دشمنان خدا و رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا کام ہے **اقول** سبحان اللہ آیت کا کچھ
ہے اور اپنی رائے سے یہ شیخ لکھتا کچھ ہے اور کلام خدا میں تحریف کر کے اپنے ایمان کو برباد کرتا ہے اور اول تو ترجمہ ہی بیجا کرتا ہے چنانچہ اذلۃ علی المومنین اعزۃ علی الکافرین کا ترجمہ یہ ہے
کہ مومنوں کے سامنے ذلیل نظر آئینگے اور کافروں کے سامنے بڑے سخت یہ ترجمہ ہی نہیں ہے اور یہ کیا تعریف ہوئی کہ محبوبان خدا مومنوں کے سامنے ذلیل نظر آئینگے یہ تو مذمت
ہوئی اور مومنوں کو کافروں کا ذلیل نظر آنا چاہئے یا محبوبان خدا کا اور معنی صحیح اسکے یہ ہیں کہ نرمی اور تواضع کرنیوالے مومنین پر اور سختی کرنیوالے ہونگے کافروں پر ہونگے اور یہ امر آیت
میں کہاں ہے کہ کافروں کے سامنے دبکر نہیں اور انکی خوشامد نکریں بلکہ انسے کھچے رہیں تاکہ تو اس مضمون کا پتہ ہوئے جو کہ آیت میں نہیں ہے تقیہ کو باطل کرے خدا تعالیٰ تو
اس آیت میں ان لوگوں کی تعریف کرتا ہے کہ جو دوستان خدا ہیں اور خدا انکا دوست ہے اور مومنین کے سامنے تو تواضع سے پیش آتے ہیں اور کفار پر سختی کرتے ہیں اور راہ خدا میں جہاد کرتے ہیں
اور جہاد کرنے میں کسی ملامت کرنیوالے سے ڈرتے نہیں ہیں بتلائے تقیہ کو یہ آیت کیونکر باطل کرتی ہے اور جو مضمون کہ آیت میں نہ ہو اور تو اپنی رائے سے ایجاد کر کے بیان کرے تو کون
کون مسلمان معتقد قرآن تسلیم کریگا اور حضرت موسیٰ نے جو تقیہ کیا ہے جیسے کہ تفسیر بیضاوی میں لکھا ہے اور جناب رسولخدا صلعم نے جو قوم عائشہ سے کہ انکے انکار کے خوف سے خانہ کعبہ کو دوبارہ

دوبارہ نہ بنا سکے جیسا کہ صحاح اہل سنت میں لکھا ہی تو ا

سے وہ دشمنان خدا و رسول ہوگئی اور تو جانتا بھی ہی کہ یہ آیت جناب امیر میں حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تیسرے چار طرف معاندین زور پر تھے مسیلمہ
معاویہ وغیرہ مرتدین پر انہوں نے جہاد کیا اور یہ سب اوصاف اس آیت کے حضرت علی ہی میں پائی قبیلہ تمام عدہ ہے بر سر پرخاش منکرین زکوۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھی بنو عثمان
اور رسول خدا کو دوست رکھنا اور خدا اور رسول خدا کا اسکو دوست رکھنا چنانچہ کتب صحاح اہل سنت میں لکھا ہی کہ جسقدر جنگ ہونیوالے ہی تھی ابو بکر اور عمر ہمیشہ کسی بات میں کسی سے نہ تھے ۔ اور
کل کو میں ایسے شخص کو اپنا علم دونگا کہ بھاگے نہیں اور خدا اور رسول خدا کو دوست رکھے اور وہ اسکو دوست رکھیں بعد وہ علی بن ابیطالب تھے چنانچہ ابو بکر عمر بن قلت سامان اور عدم شجاعت کے
زور و قدرت و شوکت سلطانیہ
عند رجلا کرارا غیر فرار یحب اللہ ورسولہ ویحبہ اللہ ورسولہ اور ابو بکر اور عمر کے بھاگنے پر بنا کر جو حضرت نے یہ فرمایا تو معلوم ہوا کہ ابو بکر اور عمر کافر نام کوئی مومن کا
کو دوست نہیں رکھتے تھے اور نہ خدا اور رسول خدا انکو دوست رکھتے تھے اور جہاد کرنیکا وصف جو آیت میں ہے وہ بھی حضرت علی کے واسطے ہی کہ اپنی ذات سے وہ خود جہاد اپنے زمانہ میں
اور معاویہ پر جہاد کیا اور کسی ملامت کرنیوالے کا خوف نکیا اور ملامت کرنا مسلمانوں پر جہاد کرنے سے ہوتا ہے نہ کفار پر جہاد کرنے سے سو آیت حضرت علی اور انکے ہمراہیان مخلصین کے حق میں
بعضے اہل سنت کہتے ہیں کہ یہ آیت ابو بکر کے حق میں ہے سو غلط ہی اسواسطے کہ ابو بکر میں یہ اوصاف نہیں پائے جاتے تھے نرمی اور تواضع مومنین کے ساتھ یہ تھی کہ زبردستی انسے بیعت لی
اور سعد بن عبادہ کو ذلیل کیا اور زبیر وغیرہ کو بے عزت کیا اور سختی کفار پر یہ تھی کہ جنگ بدر میں کفار پر رحم کھا کر فدیہ لینے کا مشورہ دیا جس پر آیت عتاب نازل ہوئی اور خدا اور رسول خدا کا
دوست رکھنا اس روایت مذکورہ لاعطین الرایۃ غدا الخ سے معلوم ہوگیا کہ وہ ایسے نہ تھے اور جہاد کرنا تو معلوم ہے کہ ہمیشہ جہاد میں سے بھاگا کرتے تھے ایک کافر کو بھی کبھی قتل نکیا اور نہ اپنی خلافت میں
کبھی اپنی ذات سے جہاد کیا اگر کو بحکم جہاد کا حکم دیتے تھے اور خدا تعالے انکو کہتا ہی کہ جو خود اپنی ذات سے جہاد کریں **قال الشیخ الاشعری** اب الحمد للہ کہ عاقلان منصف کے لیے خوبی تقیہ کی
عقل و نقل سے خوب واضح ہوگئی مناسب وقت یوں ہی کہ عرف اور دستور خلائق پر بھی اسی کو منطبق کرکے کچھ اسکی بزرگی بتلا دیجے جملہ آفاق میں پسندیدہ خلائق پختگی اور استقامت ہے
اور تلون کو سب لوگ ناپسند کرتے ہیں خلاصہ کر دین کے مقدمات میں اور وہ بھی بہر اتنا کہ ایک دفعہ تو راشوری اور پھر بالکل بے نمکی سو پیغمبران دین اور ائمہ ہدی اگر ایک دفعہ احکام دین سنا کر بخوف
جان یا خوف آبرو پھر ہم کاسہ کفار ہو جائیں تو سب کے نزدیک یہ دلنشین ہو جائیگا کہ یہ لوگ خام طمع دنیا طلب ہیں پھر وہ معجزات کا عطا ہونا جو محض حسن اعتقاد خلائق کے لیے ہے سب رائگاں
ہو جائے اور جو لوگ کہ آمادہ ہدایت ہوں وہ منحرف ہو جائیں اور جو راہ پر آئے ہوں وہ اس حب جاہ کو دیکھکر بے اعتقاد ہو کر ہٹ جائیں بلکہ ایسے لوگوں کو سخت دنیا دار سمجھیں معہذا
ظاہر ہے کہ نصیحت کی تاثیر کے لیے خود عمل کرنا رکن اعظم ہے جب تقیہ ہوا تو عمل کہاں لاجرم اس صورت میں ہدایت کے کرنیکی کوئی صورت نہیں بالجملہ تقیہ کے بطلان پر عقل اور نقل اور
عرف تینوں متفق ہیں پر جسکی چشم انصاف کور ہو اسکو کیا نظر آئے اور نقل مشہور ہے بلکہ حدیث شریف ہے حبک الشئ یعمی ویصم یعنی تجھ کو اگر کسی چیز کی محبت ہوجائے تو اسکے عیوب اور
نقصانات کی دیکھنے سننے میں وہ محبت تجھکو اندھا بنا دیتی ہی اگر محبت مذہب دل سے ایک طرف کر کے ان تقریروں اور اثبات تقیہ کے تقریروں کو موازنہ کریں تو انشاء اللہ تعالی
مولوی عمار علی صاحب بھی تو بکر اٹھیں میرزا در علی کو تو شیعہ کیا بنائیں اور اب ہمکو اسکی ضرورت نہیں ہی کہ بعد اسکے بھی کچھ بیان کریں **اقول** البتہ عقلمندوں
کو معلوم ہوگیا ہی کہ تقیہ عقلا اور نقلا اسی طرح سے درست ہے نہ جو کچھ کہ تو نے اسکے بطلان میں لکھا ہی کہ ہمنے اس سب کا جواب معقول دیدیا ہی اور عرف کو منقولات شرع میں کیا دخل ہی
جس وقت کہ خلاف حکم خدا کے ہو اور عرف بھی تقیہ کے بطلان کو نہیں چاہتا ہی کہ عرف میں بھی آدمی کو اپنی نفس کا محفوظ رکھنا واجب ہے نہ ہلاکت میں ڈالنا اور ہر چند پختگی اور استقامت
پسندیدہ خلائق ہی اور تلون غیر پسندیدہ لیکن بعضی وقت ضرورت میں استقامت بیکار ہی چنانچہ مشہور ہے کہ الضرورۃ تبیح المحظورات اور تمہارے شیخ سعدی لکھتے ہیں کہ ۔ نہ ہر جائے
مرکب توان تاختن ۔ کہ جاہا سپر باید انداختن ۔ اور دین کے مقدمہ میں تلون کا تو قائل کوئی نہیں ہے اور نہ کوئی انبیاء کو یہ کہتا ہی کہ وہ خوف جان یا خوف آبرو کے لیے ہم کاسہ کفار ہو جاتے
ہیں اور جو کفار کہتے ہیں وہ ہی کہنے لگتے ہیں اور نہ یہ ہی کہ وہ طمع دنیا اور جاہ و مال کے لئے تقیہ کرتے ہیں مگر یہ ہی کہ جس امر میں سوائے تبلیغ احکام کے مظنہ آزار پہنچنے کا اور فتنہ و فساد کے برپا
ہونیکا ہوتا ہی تو وہاں جو کہ حق کہنا یا کرنا ہوتا ہی تو اسکو نہ کہتے ہیں کرتے ہیں چنانچہ بروایت مسلم حضرت ابراہیم نے تین جھوٹ بولے اور جو کہ حق اور امر واقعی تھا اسکو بیان نہ کیا اور جناب
رسولخدا صلعم خوف انکار قوم عائشہ سے خانہ کعبہ کو ڈھا کر بنیاد ابراہیم پر نہ بنا سکے اور باقی رہے ائمہ علیہم السلام جو کہ بنی امیہ اور بنی عباس کے زمانہ میں تھے سو انسے کچھ عداوت نہ تھی
بلکہ ان لوگوں کو خاندان نبوت سے عداوت ذاتی تھی اور حق کے پہنچانے میں طالبان حق کی روبرو تو کبھی وہ خلاف حق کے بیان نہیں کرتے تھے اور جسکو جانتے تھے کہ اسکو طلب حق
منظور نہیں ہے اور یہ محض سعایت اور غمازی کی واسطے آیا ہی تو اسوقت اسکے روبرو تقیہ کا کلام کرتے تھے کہ حاکم سے جا کر نہ کہدے اور ہم نوالہ اور ہم کاسہ تو وہ اپنے دوستوں ہی کے ساتھ
ہوتے تھے نہ دشمنوں کے ساتھ پس جو کچھ اس نے لکھا ہی سب باطل ہی یہ بات ہی نہ تھی اور باقی رہے عوام سو دنیا کی طمع کے لیے انکے واسطے بھی تقیہ نہیں ہے مگر واسطے حفاظت نفس کے
چنانچہ صحیح بخاری اور تفسیر کبیر میں لکھا ہی بلکہ تفسیر کبیر میں تو یہ لکھا ہی کہ مال کی حفاظت کے واسطے بھی تقیہ کرنا درست ہے چنانچہ پہلے اس سے عبارت اسکی ہم لکھ چکے اور یہ جو لکھا ہے

اخبار شیعہ کے ہرگز ایسے نہیں ہیں تو بالکل جھوٹ لکھ ... آنکا صدیق ہونا متخیل نہو گا اور شیعوں ...
اور اس زمانہ سے پہلے اگر کوئی مخالف مذہب حق کا فرہی تھا تو اُس تنہائی ... صلے اللہ علیہ وآلہ ... چھپکر نماز کا ہیکو پڑھتے تھے علانیہ پڑھنی چاہئے تھی تاکہ
سب ... منافق ہی تھے ... ہمیشہ نے تو واسطے ہدایت کے کلمہ کفر اپنی زبان پر جاری کیا تھا چنانچہ تفسیر
... کافر بھی ... عرفہ سے جیسے کہ ہم لکھ چکے اور تقیہ سے ہمکو دوستی موافق حکم خدا کے ہے اور موافق روایات کتب
... اور خوب ... کہ دوستی میں ... اندھا کیا ہے جیسے کہ تم ابوبکر کی دوستی میں اندھے ہوگئے ہو اور حق صریح کو مٹاتے ہو اور تمہاری کتابوں
... دوستی میں ایسے اندھے ہوگئے ہو کہ کہتے ہو شیعوں نے ہماری کتابوں میں یہ روایتیں داخل کردی ہیں بھلا یہ کیسی عقل میں آتا ہے
... سب جمع کرلیا تھا اُسکو پہچانتے نہیں پائے تھے اور محبت تقیہ سے اپنی خوشی نہیں ہے بلکہ شارع کی جانب سے اسکا حکم ہے اور جو کچھ تو نے لکھا
... علما اہل سنت کے ہیں اور مولوی عمار علی صاحب کیا تو یہ کرینگے کہ انکے نزدیک تو حقیت تقیہ کی ثابت ہے اب تمکو ہماری تحریر دیکھکر اُسکے الکار
... سب لکھا تھا سب باطل ہوگیا اور کیا لکھیگا اور میرزا در علی صاحب باپ دادے سے شیعہ بنے ہوئے ہیں انکو کوئی کیا غیعہ کریگا **قال الشیخ الاشعری** لیکن اتمام

حجت کے لیے اتنا اور معروض خدمت علما شیعہ ہے کہ اگر بالفرض و التقدیر فرض محال تقیہ ثابت بھی ہوجاے تو موافق جمہور شیعہ حضرت امیر بہنگام خلافت تقیہ حرام تہا پھر تعریف صحابہ کو تقیہ پر
کیوں محمول کیا جاے اور سلمنا کہ بہنگام خلافت بھی امیر پر تقیہ فرض تھا تو قطع نظر اسکے کہ یہ تعصب ہے تعصب ہے اور اس قول کے قائل نے عقل کی بھی ناک کاٹ لی ہے اسمیں کیا عذر کرینگے کہ حضرت امام
باقر بھی ابوبکر صدیق کی تعریف کرتے ہیں حالانکہ موافق مذہب شیعہ وہ خدا کی طرف سے تقیہ کرنے سے ممنوع تھے اور تقیہ انپر حرام تہا علی بن عیسی اردبیلی امامی اثنا عشری اپنی کتاب کشف الغمہ
عن معرفۃ الائمہ میں نقل کرتے ہیں سئل الامام ابو جعفر عن حلیۃ السیف هل یجوز فقال نعم قد حلی ابو بکر الصدیق سیفہ فقال الراوی تقول هكذا فوثب الامام عن مكانہ فقال نعم
الصدیق نعم الصدیق نعم الصدیق فمن لم یقل له الصدیق فلا صدق اللہ قولہ فی الدنیا والآخرہ یعنی حضرت امام ابو جعفر یعنی امام محمد باقر رضی اللہ عنہ وعن آبائہ الکرام سے کسی نے پوچھا کہ تلوار کے قبضہ پر
چاندی سونے کا کچھ نقش و نگار یا تہنی وغیرہ بھی درست ہے یا نہیں آپنے فرمایا ہاں درست ہے اسلئے کہ ابوبکر صدیق نے اپنی تلوار پر چاندی کا جھول کرایا تھا راوی نے کہا کیا آپ ابوبکر کو
صدیق فرماتے ہیں آپ غصہ میں آئے اور جگہ سے اچک بیٹھے اور فرمانے لگے ہاں صدیق ہاں صدیق ہاں صدیق جو انہیں صدیق نکہے اللہ اُسکی بات کو دنیا اور آخرت میں سچی نکرے فقط اب
گوش گزار اہل انصاف یہ ہے کہ سب امامیہ اس بات پر متفق ہیں کہ علی بن عیسی اردبیلی علم و فضل میں یکتا اور نقل اور روایت میں بڑے معتمد علیہ ہیں انکی روایت پر کوئی سقم نہیں بلکہ اسکا

اقول آجتک کوئی حجت بھی تمہاری تمام نہوئی اور تقیہ کو علما اہل سنت نے تو جائز کیا بلکہ بعضی جگہ واجب لکھتے ہیں چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے اور مولوی عبدالعزیز صاحب تک تو خود تحفہ میں
وہ بھی کیا رہوں اب میں جائز لکھتے ہیں اور تو اُسکو محال لکھتا ہے اور جب تو عاجز ہوا اور دیکھا کہ قرآن اور حدیث سے تقیہ ثابت ہے تو خود اقرار کیا لیکن تاویل اُسکی یہ کی کہ وہ تنگ کرنے لوگوں کے واسطے ہے
اور یہاں اُسکو محال لکھتا ہے تیرے قول کا کچھ ٹھکانا نہیں اور حضرت امیر نے تقیہ سبب کے خوف سے اپنی خلافت میں نہیں کیا ہے چنانچہ ہم کئی مرتبہ لکھ چکے بلکہ ایک مصلحت سے جیسے کہ قاتلان عثمان
کو خوف برپا ہونے فتنہ اور فساد سے معاویہ کے سپرد نکرسکے جیسا کہ تم بھی کہتے ہو اور تعریف صحابہ اخیار کی حضرت امیر نے اپنی خلافت میں کی ہے خلفا ثلاثہ کی بلکہ انکی تو مذمت کی ہے اور تعریف انکی
کیونکر کرتے انکو تو وہ پہلے ہی سے کاذب اور خائن جانتے تھے چنانچہ صحیح مسلم میں لکھا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام نے بھی تعریف ابوبکر کی ہرگز نہیں کی ہے یہ اتہام علما اہل سنت کا انپر ہے اور
اور کشف الغمہ کا جو تو حوالہ دیتا ہے صاحب کشف الغمہ نے یہ روایت ابن جوزی محدث اہل سنت سے نقل کی ہے اور وہ اکثر روایتیں اہل سنت کی کشف الغمہ میں نقل کرتے ہیں از انجملہ یہ روایت بھی ہے
مولوی عبدالعزیز صاحب نے واسطے دھوکا دینے کے یہ تو لکھا نہیں ہے کہ یہ روایت اسمیں ابن جوزی سے منقول ہے اسیقدر لکھدیا کہ کشف الغمہ میں ایسا لکھا ہے اور انکی پیروی سے تو نے بھی
ایسا ہی لکھدیا اور مولوی عبدالعزیز صاحب کے لکھنے پر تو نے اعتماد کرکے اکثر مقام میں دھوکا کھایا ہے اور دروغ لکھدیا ہے پہلے تجھ کو چاہئے تھا کہ تحفہ کے جوابونکو دیکھ لیتا تاکہ معلوم ہوجاتا کہ یہ سچ
لکھتے ہیں یا جھوٹ لکھتے ہیں تو نے انکی پیروی میں مفت اپنے ایمان کو خراب کیا اور صریح یہ روایت اہل سنت کی کتابوں کی ہے اور صواعق محرقہ میں موجود ہے اور دارقطنی نے اسکی تخریج
کی ہے چنانچہ اسمیں لکھا ہے اور اسطرح کی اور روایتیں بھی اسمیں ہیں اور دارقطنی بڑے استاد کامل تھے ایسی روایتونکو وضع کرکے طرف ائمہ علیہم السلام کے منسوب کرنے میں اور شیعوں کی
کسی کتاب معتبر میں یہ روایت نہیں ہے مگر کشف الغمہ میں اہل سنت کی کتابوں سے منقول ہے سو روایت قابل اعتبار نہیں ہے کہ سراسر جھوٹ اور موضوع ہے یہی عذر ہے اس روایت کا جو
ہمنے لکھا ہے اور تقیہ سے اسکو ہم نہیں کہتے ہیں اور علی بن عیسی اربلی کے علم و فضل میں کیا شک ہے اور نقل روایت میں بھی وہ بڑے معتمد علیہ ہیں لیکن اس روایت کو انہوں نے ابن جوزی
سے نقل کیا ہے اسواسطے یہ روایت قابل اعتبار نہیں ہے اور علی بن عیسی اربلی تھے اردبیلی نتھے اسمیں بھی مولوی عبدالعزیز صاحب کی پیروی سے تو نے دال کا اضافہ کرکے غلطی کی

قال الشیخ الاشعری باقی رہی یہ بات کہ حضرت امام محمد باقر پر تقیہ کے حرام ہونے کی کیا دلیل سو یہ وہ معقول اسکا جواب ائمہ علیہم سے منقول ہے سنئے کلینی میں روایت ہے کہ عن معاذ بن
کثیر عن ابی عبداللہ قال ان اللہ عزوجل انزل علی نبیہ کتابا فقال یا محمد هذہ وصیتك الى النجباء فقال من النجباء یا جبرئیل فقال علی بن ابیطالب وولدہ وكان علی الکتاب خواتیم من ذهب فدفعہ رسول اللہ صلعم الی

وامره ان يفك خاتماً منه فيعمل بما فيه ثم دفعه الى ع
نفسك لله ففعل ثم دفعه الى علي بن الحسين ففك خاتماً فوجد فيه ان
علي بن الحسين عليهم السلام ففك خاتماً فوجد فيه حدث الناس وافتهم
لاحد عليك ثم دفعه الى جعفر الصادق ففك خاتماً فوجد فيه حدث الناس وافتهم ولا تخافن
في حرز وامان ففعل ثم دفعه الى ابنه موسى عليه السلام وهكذا الى قيام المهدي عليه السلام ورواه من طريق آخر عن معاذ بن كثير ايضاً

حکومت چھوڑ کر اس عالم سے تشریف لیگئے تھے اور پھر تو ہر چہار طرف معاندین زور پر تھے سلیمہ کوئی قبیلہ تھا جو درپے ہے بر سر پرخاش منکرین زکوٰۃ اپنی ہی طرف کھینچ رہے تھے بنو غسان بنیوالے ہی تھے اور اسباب ایسے کسی بات میں کسی سے نہ تھے۔ اور مطالب تھے چنانچہ اس قلت سامان اور عدم شجاعت کے ابوبکر و عمر بزور و قدرت و شوکت و سلطنت و دبدبہ

حاصل روایت کا یہ ہے کہ کلینی میں معاذ بن کثیر سے روایت ہے وہ حضرت امام محمد باقر سے روایت کرتے ہیں کہ تحقیق اللہ تعالیٰ نے نازل کی وصیت ہے نجباء کو آپ نے فرمایا اے جبرئیل نجباء کون ہیں جبرئیل نے کہا علی بن ابیطالب و انکی اولاد اور اس کتاب پر کئی مہریں لگی ہوئی تھیں یہ خود دبدبہ کا فر نام کوئی مجلس کا ایسے ہی اس خطر پر لاکھ کی جگہ سونے کی مہریں لگی ہوئی تھیں سو حضرت پیغمبر صلعم نے اس وصیت نامہ کو حضرت علی کو دیا اور یہ فرمایا کہ ایک مہر کو توڑیں اور جو اسکے مخلصین خلافت اپنے زمانہ میں کر مار گیا
نے حضرت امام حسن کو دیا انہوں نے بھی ایک مہر کو توڑ کر اسکے نیچے جو کچھ نکلا اسپر عمل کیا پھر انہوں نے حضرت سید الشہدا امام حسین رضی اللہ عنہ کو دیا انہوں نے مہر توڑی تو اسکے نیچے سے یہ نکلا کہ ایک قوم کو شہادت کی طرف لیجا اسلئے کہ انکی شہادت تیرے ہی ساتھ ہے اور اپنی جان کو اللہ کے واسطے خرید دے انہوں نے ایسا ہی کیا بعد اسکے انہوں نے حضرت امام زین العابدین کو وہ وصیت نامہ دیا انہوں نے مہر کو توڑا تو اسمیں نکلا کہ سر جھکا چپکا ہو کر بیٹھ رہ اور اپنے گھر ہی میں رہ اور اپنے رب کی عبادت کیے جا یہانتک کہ موت آجاے سو انہوں نے ویسا ہی کیا پھر انہوں نے وہ وصیت نامہ اپنے بیٹے امام محمد باقر کو دیا انہوں نے جو مہر کو توڑا تو اسمیں پایا کہ لوگوں سے حدیثیں بیان کر اور فتوے دے اور اپنی اہل بیت کے علوم کو پھیلا اور اپنے آبا و اجداد صالحین کی تصدیق کر اور سوا خدا کے کسی سے مت ڈر اسلیے کہ کوئی تجھپر قادر نہو سکیگا پھر انہوں نے اپنے بیٹے امام جعفر صادق کو وہ وصیت حوالہ کی انہوں نے جو مہر توڑی تو اسمیں یہی پایا کہ حدیثیں بیان کر لوگوں سے اور فتوے دے اور کسی سے سوا خدا کے مت ڈر اور یعنی اہل بیت کے علوم کو پھیلا اور اپنے آبا و اجداد صالحین کی تصدیق کر اسلیے کہ تو خدا کی حفظ و امان میں ہے سو انہوں نے بھی ویسا ہی کیا پھر انہوں نے اپنے بیٹے موسیٰ کو وہ وصیت دی اور اسی طرح امام مہدی تک برتا چلا گیا اور دوسری سند سے کلینی ہی معاذ بن کثیر مذکور کی واسطے سے امام محمد باقر سے روایت کرتا ہے اور اس روایت میں پانچویں مہر میں یعنی حضرت امام محمد باقر کی نوبت میں تنا اور بھی ہے کہ اور کہتا رہ حق بات امن میں اور خوف میں اور سوا خدا کے کسی سے مت ڈر خلاصہ اس روایت میں غور فرمائیے کہ حضرت امام باقر کو کس تاکید سے تقیہ کی ممانعت ہے پھر بھی حضرت امام محمد باقر جنکو یہ وصیت تھی کہ حق کے سوا کبھی کچھ اور مت کہیو حضرت ابوبکر صدیق کی اتنی کچھ تعریف فرماتے ہیں کہ اس سے بڑھکر اور کوئی مرتبہ بجز نبوت کے نہیں ہے اسلئے کہ بعد انبیا کے کلام اللہ میں صدیقین ہی کو ذکر فرماتے ہیں اور یہ تعریف بھی اس تاکید سے کہ بددعا فرماتے ہیں ان لوگوں کے حق میں جو انہیں صدیق نہ کہیں اور یہ کہنی کا تو کچھ ٹھکانا ہی نہیں **اقول** اس روایت سے حرمت تقیہ کی ہرگز ثابت نہیں ہے اور نہ اس روایت میں تقیہ کی ممانعت ہے جھوٹ کیوں لکھتا ہے اس روایت میں تو حکم احادیث کے پھیلانیکا اور علوم اہل بیت کے منتشر کرنیکا ہے کہ بخوف علم کو ظاہر کر اور کسی سے خوف نہ کر سو انہوں نے کثرت سے احادیث کو پھیلایا اور حق کے بیان کرنے میں کسی سے خوف نہیں کیا دیکھو تو کہ یہ ہزاروں لاکھوں احادیث جو شیعوں کی کتابوں میں ہیں یہ انکی ہیں یا کسی اور کی خاصکر امام جعفر صادق کہ انکے زمانہ میں کثرت سے انتشار احادیث ہوا اور علوم دین جاری کئے اور حق کے بیان کرنے میں کبھی انہوں نے تامل نہیں کیا اور نہ کسیکا خوف کیا مگر بعضے وقت جو کوئی دشمن مخالف واسطے سعایت کرنیکے اور واسطے غمازی کرنیکے نزدیک حاکم ظالم کے کسی حکم کو سنکر آتا تھا اور اسمیں استفسار کرتا تھا تو وہ اس حکم میں کہ جسکو پہلے ظاہر کر چکے تھے یا تو ذو معنیین یا اسکی مرضی کے موافق بیان کرتے تھے اور جو کہ حق ہے اسکو تو وہ پہلے ہی بیان کر چکے تھے اور ابوبکر کی تعریف تو حضرت امام محمد باقر نے ہرگز نہیں کی ہے یہ تہام علماء اہل سنت کا ہے اور پھر مولوی عبدالعزیز صاحب کی اس روایت کے بیان میں خیانت کرنی کہ یہ لکھا کہ کشف الغمہ میں روایت بن جمیع سے منقول ہے اور اگر کوئی سنی اپنی کتاب میں شیعہ کی کسی روایت کو لکھے کہ عن هشام بن الحكم عن ابي عبد الله عليه السلام ان ابابكر وعمر كانا غاصبين ظالمين غصبا حق اهلبيت الرسول صلعم اور کوئی شیعہ سند پکڑے کہ اہل سنت کی فلانی کتاب میں اس طرح سے لکھا ہے تو فرمائیے کہ اہل سنت کے علما اسکو قبول کرینگے ہرگز نہ قبول نکرینگے اور اگر تقیہ سے ابوبکر کی تعریف بیان کرتے ابوبکر کے کسی معتقد کے شر سے تقیہ کرکے تو مضائقہ بھی نہ تھا کہ جناب رسولخدا صلعم نے ایک شخص کو اسکے پیٹھ پیچھے تو برا کہا ہے اور اسکے روبرو کشادہ پیشانی اور خاطرداری سے پیش آئے ہیں اسکے شر سے محفوظ رہنے کے واسطے چنانچہ پہلے اس سے ہم مشکوٰۃ کے باب الادب سے لکھ چکے سو تعریف ابوبکر کی تو امام محمد باقر نے کی ہی نہیں ہے کہ اسمیں ہم تقیہ کو دخل دیں **قال الشیخ الاشعری** یعنی اس روایت سے فقط یہی فائدہ نہیں ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق کا صدیق ہونا بے غل و غش ثابت ہوگیا اور کسیکو تقیہ کے احتمال کی گنجائش نرہی بلکہ شیعوں کے مذہب کا بطلان اور سنیوں کے مذہب کی حقانیت بھی تحقیق ہوگئی تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ حضرت شیعہ قاطبۃً امامیہ خواہ غیر امامیہ خواہ اثنا عشریہ خواہ غیر اثنا عشریہ اس دعا کے اندر داخل ہیں جو حضرت امام مستجاب الدعوات امام محمد باقر کی زبان مبارک سے صادر ہے جسکو تو شیعوں کو بھی اسکے قبول ہونے میں تامل نہیں سو اس سبب سے بالیقین ہم کو معلوم ہوگیا کہ انکے دعوے محبت اہل بیت اور دعوی اسلام اور دعوی ایمان سب خداوند کریم کے نزدیک جھوٹا ہے اور آخرت میں بھی خداوند کریم انکی تکذیب فرمائیگا سو اس سے

اخبار شیعہ کے ہرگز ایسے نہیں ہیں تو بالکل جھوٹ [illegible] انکا صدیق ہونا متخیل نہ ہوگا اور شیعوں کے مذہب کو باطل او

اور اس زمانہ سے پہلے اگر کوئی مخالف مذہب حق کا فرہی تھا تو اس تنہا کی [illegible] صلے اللہ علیہ وآلہ [illegible] ہیں اور معاویہ جسنے مذہب اہل سنت [illegible]

سکیے [illegible] منافق ہی تھے [illegible] کتابوں [illegible] ہے اس سے بطلان مذہب اہل سنت کا [illegible] ہو گیا او

[illegible] کافر بھی [illegible] مذہب میں رام اور لچھمن کی بہت تعریف لکھتے ہیں [illegible] اہل سنت کو

اور خود [illegible] کیمیات مذہب کے واسطے اور شیعوں کے مقابلہ میں [illegible] ذکر کرنا اس سے بالیقین ہمکو معلوم ہوا [illegible] دعوی اسلام اور دعو

ہے [illegible] آخرت میں بھی خداوند کریم انکی تکذیب کریگا سوا اس سے زیادہ اور کونسا مرتبہ باطل ہونیکا ہوگا **قال الشیخ الاشعری**

[illegible] حسب فرمان الٰہی اور موافق وصیت پیغمبری تھا حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر اور حضرت عثمان سے جو بیعت کی [illegible]

[illegible] معاویہ کے حوالہ فرمائی سب حسب ایمائے خداوندی اور ارشاد پیغمبر تھا بوجہ تقیہ نہ تھا اور جب ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق اور حضرت

[illegible] علی نے بیعت موافق ارشاد خداوندی کی تو معلوم ہوا کہ یہ لوگ قابل اسی کے تھے علی ہذا القیاس نکاح دختر مطہرہ حضرت ام کلثوم [illegible]

نکاح بھی خدا کے حکم کے موافق ہونے میں حضرت فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا کے نکاح سے کچھ کم نہیں جیسے انکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے

[illegible] تھا ویسے ہی حضرت ام کلثوم کا نکاح بھی حضرت عمر سے حسب فرمان الٰہی تھا وہو المراد الحمد للہ ثم الحمد للہ کہ سب حیلہ و حجت امامیہ کا جواب [illegible]

[illegible] کا کرم ہے کہ حق کو حق کر دکھایا اور باطل کو باطل **اقول** ہم بھی کہتے ہیں کہ جو کچھ حضرت علی نے کیا حسب فرمان الٰہی اور موافق وصیت پیغمبری تھا

[illegible] بیعت کرنا بھی موافق وصیت رسولخدا صلعم کے تھا اہل سنت کی کتابوں میں بھی ایسا ہی لکھا ہے چنانچہ روضۃ الاحباب میں لکھا

[illegible] فرمایا کہ اے علی بعد از [illegible] [illegible] گیری وحیلے مینی [illegible] اختیار

[illegible] بیعت [illegible] گھر [illegible] تک بیعت نہ کی اور جب فاطمہ زہرا

[illegible] وکان لعلی وجہ

[illegible]

الوفیت فاطمۃ [illegible]

[illegible] فقال لا واللہ ولا [illegible]

لوگوں کا [illegible]

[illegible] چھ مہینے بعد وفات [illegible]

[illegible] وقت علی نے لوگوں سے [illegible]

[illegible] اور ناچار ہو کر [illegible] بیعت کا کون [illegible]

[illegible] ناچار ہو کر کی چنانچہ لفظ صریح کا اسپر [illegible]

[illegible] ھدای ولا یستنون بسنتی وسل [illegible] قال [illegible]

تسمع وتطیع وان ضرب ظہرک واخذ مالک [illegible]

[illegible] کے دل انکے شیطانوں کے دل ہونگے بدن [illegible]

[illegible] کہیں اور وہاں [illegible] اگر یہ پشت تیری زخمی کی جائے اور مال [illegible]

[illegible] تھے تو یہ ہو نہیں سکتا حذیفہ کی زندگی میں ان کا ہونا [illegible]

[illegible] ہوا ہو کہ جو ابوبکر کے نطفہ سے تھی اور اسماء [illegible] ابوبکر کے حضرت علی نے [illegible] ام کلثوم [illegible]

[illegible] مفصل [illegible] **قال الشیخ الاشعری** [illegible]

[illegible] میں آکر یہ حجت کریں کہ [illegible] کلام اللہ اور اقوال عترت رسول صلی اللہ علیہ وسلم [illegible]